تاریخ اُمّت

(مکمل)

علامہ اسلم جیراج پوری

پڑھو پڑھاؤ

جملہ حقوق محفوظ

سن اشاعت	1996ء
نام کتاب	تاریخ الامت (مکمل)
مصنف	علامہ اسلم جیراج پوری
سرورق	خورشید عالم گوہر قلم (صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی) تہذیب: آفتاب شاہ

سرورق کئی سو اقسام قلم پر مشتمل ہے۔ اسمائے باری تعالیٰ اور آیات ربانی سے مزین فن پارہ جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ کا ذکر ہے اور رسوم الخطوط اسلامی ادوار کے تناسب سے درج ہیں۔

کمپوزنگ	البیرونی
تعداد	500
پرنٹرز	عصمت اسلم
پبلشرز	دوست ایسوسی ایٹس
قیمت	350 روپے

فہرست

حصہ اوّل

پیش لفظ	25
تمہید	26
مقدمہ (فن تاریخ)	28
تاریخ کی ضرورت	28
تاریخ کا فائدہ	28
درس تاریخ	29
اسلامی تاریخ کی خصوصیت	29
تاریخ اسلام کا مفہوم	29
جزیرہ نمائے عرب	30
اہل عرب	31
قحطان	31
عدنان	32
حضروی اور بدوی	32
تجارت	33
صنعت و حرفت	33
عربی کنبہ	33
عرب جاہلیت کا نظام سیاسی	35
ملوک یمن	35
ملوک حیرہ	36
ملوک شام	37
امارت حجاز	37
حکومت قبائل	38
مجامع	39
عرب کے قومی اخلاق	40
کرم و مہمان نوازی	40
وفا عہد	40
شجاعت	41
قمار بازی	41
شراب خوری	41
عربی زبان	42
علوم عرب	43
کتابت	43
شاعری	43
نجوم	44
طب	44
قیافہ	44

صنعت 44
ادیان عرب 45
مشرکین 45
یہود 46
نصاریٰ 46
موحدین 47
کاہن 47
شجرۂ قریش 47
ولادت محمد 48
تاریخ ولادت 48
رضاعت 48
آمنہ کی وفات 48
وفات عبدالمطلب 49
سفر شام 49
حرب فجار 49
حلف فضول 19
عقد نکاح 49
تجدید کعبہ 46
حجراسود 50
حالات قبل نبوت 51
بعثت 52
وحی 52
ابتدائے وحی 53
تاریخ نزول وحی 53
آغاز تبلیغ 53
اعلان دعوت 54
کفار قریش 54
ہجرت حبشہ 55
قطع تعلق 56
وفات ابوطالب و خدیجہ 56
سفر طائف 57
اہل یثرب 57
بیعت عقبہ اولیٰ 57
بیعت عقبہ ثانیہ 58
مشورہ قتل 59
ہجرت 60
تعلیمات مکیہ 61
توحید 61
نبوت 63
روز جزا 64
اخلاق حسنہ 64
عبادات 64
معراج 65
قانون اساسی 66
قیام مدینہ منورہ 67
دشمنوں کا مقابلہ 68
غزوہ بدر 70
غزوہ سویق 74
بنی قینقاع 74
کعب بن اشرف 75
جنگ احد 76
واقعہ رجیع 80
بئر معونہ 80
بنی نضیر 81

ذات الرقاع 81
بدر دوم 82
غزوہ خندق 83
بنی قریظہ 85
بنی لحیان 86
ذی قرد 86
بنی مصطلق 86
واقعہ حدیبیہ 87
خیبر 90
فدک 90
عمرہ حدیبیہ 90
سریہ موتہ 90
فتح مکہ مکرمہ 92
جنگ حنین 95
غزوہ تبوک 97
حج اکبر 97
حجتہ الوداع 98
ختم قرآن 98
دعوت اسلام اور اس کے نتائج 99
وفود 99
مراسلات 101
تعلیمات مدینہ منورہ 103
آیت قتال 103
عہد و پیمان 105
اسیران جنگ 105
غلامی 105
عبادات 106
نظام اجتماعی 106
اخوت و مساوات 106
احترام حقوق 107
فریضہ ملیہ 107
معاشرت خانگی 108
وراثت 109
معاملات 109
آداب 110
قصاص 110
حدود 110
صفات و اخلاق نبوی 111
نظافت جسم 111
فصاحت و بلاغت 111
حلم 111
کرم 112
شجاعت 112
حیا 112
حسن معاشرت 112
رافت و رحمت 113
وفاء عہد 113
پاس مروت 114
تواضع 114
راستی 114
وقار 114
بیت نبوی 116
وفات 118

حصّہ دوم

خلافت 123
خاندان خلافت 123
شکل انتخاب 125
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ 130
سقیفہ بنی ساعدہ 130
خطبہ خلافت 131
ترجمہ ابو بکر 131
اعمال خلافت 132
جیش اسامہ 133
فتنہ ارتداد 134
طلیحہ 135
بنی تمیم و مالک بن نویرہ 136
مسیلمہ کذاب 137
اسود عنسی 137
بحرین اور حطم 138
ظہور عرب 139
ایران 139
روم 140
جنگ ایران 140
جنگ روم 143
نظام داخلی 146
خلیفہ کا گزارہ 147
بیعت ابو بکر 147
وفات 147
فضائل ابو بکر 147
حضرت عمر رضی اللہ عنہ 148
ترجمہ عمر 148
خطبہ خلافت 149
فتوحات 149
ایران 149
قادسیہ 152
مدائن 155
جلولاء 156
آبادی کوفہ 157
جزیرہ 157
فتح اہواز 158
فارس پر حملہ 158
رامہرمز و تستر 158
نہاوند 160
عام پیش قدمی 160
اصفہان 160
آذر بے جان 161
باب 161
خراسان 161
دیگر فتوحات 162
شام 162
دمشق 162
مرج روم 162
حمص 162
قنسرین 163
قیساریہ 163
اجنادین 163

بیت المقدس	163
طاعون عمواس	164
مصر	165
عہد فاروقی پر ایک نظر	166
فتوحات	166
جمہوریت	167
عمال حکومت	167
بہی خواہی امت	168
بیت المال کی حفاظت	169
بیت عمر	170
وفات	171
صفات عمر	171
عمال عہد عمر	172
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	173
ترجمہ عثمان	174
خطبہ خلافت	175
پہلا مقدمہ	175
فتوحات	176
فتنہ داخلیہ	177
کوفہ	178
بصرہ	179
عبداللہ بن سبا	179
مصر	180
شام	181
قتل کے اسباب	185
دفن عثمان	186
بیت عثمان	186
مآثر عثمان	186
عمال عہد عثمان	187
حضرت علی رضی اللہ عنہ	188
انتخاب	188
ترجمہ علی	186
خطبہ خلافت	189
پہلا کام	189
شورش عام	190
واقعہ جمل	192
جنگ صفین	194
ثالثی نامہ	197
خوارج	198
فیصلہ ثالثی	200
نتیجہ فیصلہ	201
ابن ملجم	204
قتل	205
بیت علی	205
مناقب علی	206
اسباب مخالفت	206
امام حسنؓ	208
خلافت راشدہ میں مدنیت اسلام	209
خلافت	209
صیغہ قضا	210
فوج	211
محاصل	212
خراج	212
زکواۃ	212

جزیہ	212
عشور	213
غنیمت	213
نماز	213
حج	213
رفاہ عام	214
تعلیم	214
سکہ	215
اشاعت اسلام	215

حصہ سوم

خلافت بنی امیہ	219
امیر معاویہ بن ابی سفیان	221
فرقہائے امت	221
زیاد	222
مغیرہ بن شعبہ	224
عبیداللہ بن زیاد	225
فتوحات	225
یزید کے لئے بیعت	227
خلافت وسلطنت	229
انتظام ممالک	230
بیعت معاویہ	230
وفات	231
یزید اول	232
خلافت	232
حادثہ کربلا	232
واقعہ حرہ	236
محاصرہ مکہ مکرمہ	237
فتوحات	237
ازدواج و اولاد	238
وفات	238
معاویہ ثانی مروان بن حکم	239
اہل شام	240
مروان	240
عبدالملک بن مروان	241
توابین	241
مختار	241
محاصرہ مکہ مکرمہ	242
ابن زبیر	243
حجاج	243
فتنہ ابن اشعث	245
خوارج	246
فتوحات	250
بناء کعبہ	250
حج	250
ولایت عہد	250
ازدواج و اولاد	251
وفات	251
صفات	251
ولید اول	252
اصلاحات داخلیہ	252
فتوحات	253
محمد بن قاسم	253

قتیبہ بن مسلم باہلی	254
موسیٰ بن نصیر	255
مسلمہ بن عبدالملک	255
وفات حجاج	255
ولایت عہد	256
وفات ولید	256
سلیمان بن عبدالملک	257
فتوحات	257
ولایت عہد	258
وفات	258
حضرت عمر بن عبدالعزیز	259
خلافت	259
اصلاحات	259
فتوحات	261
خوارج	261
اہل و عیال	263
وفات	263
ترکہ	263
سیرت عمر بن عبدالعزیز	263
یزید ثانی	264
فتنہ ابن مہلب	264
فتوحات	265
ولایت عہد	265
ہشام بن عبدالملک	265
احوال داخلیہ	265
امام زید	268
ولایت عہد	269
وفات	269
ولید ثانی	269
یزید ثالث	270
ولایت عہد	271
وفات	271
مروان ثانی	271
خوارج	271
خاتمہ	272
خلافت بنی امیہ کے اسباب زوال	273
عہد بنی امیہ میں مدنیت اسلام	276
خلافت	276
انتخاب خلیفہ	277
فوج	277
امراء بنی امیہ	278
انتظام ممالک	278
دیوان حکومت	279
محکمہ قضا	279
اشاعت اسلام	280
امن و رفاہیت خلق	280
علوم	280
تعلیم	281
رفاہ عام	281
سکہ	281

حصہ چہارم

خلافت عباسیہ	285

بنی عباس	286	خوزستان	306
حضرت عباس	286	فارس	307
عبداللہ بن عباس	287	کرمان	307
علی بن عبداللہ	287	سندھ	307
محمد بن علی	288	ولایت عہد	308
خلافت	289	(۱) سفاح	311
جمیعت مخفیہ	292	احوال داخلیہ	311
دور اول	294	امراء	312
پہلا سبب	295	ولیعہدی	313
دوسرا سبب	295	وفات	313
دور ثانی	297	(۲) منصور	314
انکشاف حقیقت	299	عبداللہ بن علی	314
اعلان خلافت	299	ابو مسلم خراسانی	315
خاتمہ بنی امیہ	300	محمد بن عبداللہ نفس زکیہ	317
خلافت عباسیہ	300	ابراہیم	323
ممالک اسلامیہ	302	نظم ولایات	324
جزیرۃ العرب	302	وزارت	325
عراق	302	ابو ایوب	325
اقلیم جزیرہ	303	ربیع بن یونس حاجب	325
اقلیم شام	303	حاجب	325
مصر	303	کتابت	325
مغرب	304	قضاء	326
ماوراء النہر	304	صاحب شرطہ	326
خراسان	305	فوج	326
اقلیم دیلم	305	معن بن زائدہ	326
رحاب	306	عمرو بن العلاء	327
اقلیم الجبال	306	دارالخلافہ	327

دارالخلافہ	327	افریقہ	339
احوال خارجیہ	327	خوارج	339
صفات منصور	328	مشرق	340
وفات	329	وزارت	341
اولاد	329	برامکہ	341
(۳) مہدی	330	یحییٰ بن خالد	341
احوال داخلیہ	330	فضل بن یحییٰ	342
فتنہ زنادقہ	330	جعفر بن یحییٰ	343
وزارت	331	موسیٰ بن یحییٰ	343
ابو عبداللہ	331	محمد بن یحییٰ	343
یعقوب	332	زوال برامکہ	344
ابن ابی صالح	332	عبدالملک	345
احوال خارجیہ	333	احوال خارجیہ	346
صفات مہدی	333	مغربی روم	347
ولی عہدی	334	قرطبہ	348
وفات	334	صفات ہارون	348
(۴) ہادی	335	وفات	349
احوال داخلیہ	335	اولاد	349
حسین بن علی	335	(۶) امین	350
صفات ہادی	335	احوال داخلیہ	350
ولی عہدی	336	صفات امین	354
وفات	336	(۷) مامون	356
(۵) ہارون	337	شورش عراق	356
احوال داخلیہ	337	علویہ	356
حضارۃ بغداد	337	فتنہ مکہ	357
علویہ	338	فتنہ یمن	358
ادریس اول	336	وزارت	360

احمد بن ابی خالد 361
ابن یوسف 361
ثابت بن یحییٰ 361
علویہ 362
دول زیادیہ 362
دول اغالبہ 362
ابراہیم بن مہدی 363
زط کی بغاوت 363
نصر بن شبث 364
بابک خرمی 364
فوج 366
طاہر بن حسین 366
عبداللہ بن طاہر 367
محاصل 367
علوم و فنون 369
محیط زمین 370
رصد گاہ 370
مجالس علمیہ 371
فتنہ خلق قرآن 372
احوال خارجیہ 375
اخلاق و عادات 375
وفات 377
ولی عہدی 377
(۸) معتصم 378
وزارت 378
احمد بن عمار و ابن زیات 378
ابن ابی داؤد 379
علویہ 380
فوج 380
محاصل 383
احوال خارجیہ 383
صفات معتصم 384
وفات 384
ولایت عہد 384
(۹) واثق 385
وزارت 385
فوج 385
شورش قبائل 385
مصادرہ کتاب 387
احوال خارجیہ 387
وفات 388

حصہ پنجم

(۱۰) متوکل 391
وزارت 391
علویہ 393
فوج 394
ابناالبعیث 394
شورش آرمینیہ 395
دولت یعفریہ 395
احوال خارجیہ 396
صفات متوکل 396

ولایت عہد	397	باطنیہ	412
قتل متوکل	397	قرامطہ	413
(۱۱) منتصر	399	فتنہ حبشیان	414
وزارت	399	مشرق	415
فوج	399	دولت صفاریہ	415
صفات منتصر	399	دولت سامانیہ	417
وفات	400	احمد بن طولون	418
(۱۲) مستعین	401	احوال خارجیہ	419
وزارت	401	ولیعہدی	419
علویہ	402	وفات	419
دولت زیدیہ	402	(۱۶) معتضد	420
فوج	403	وزارت	420
احوال خارجیہ	404	شورش جزیرہ	422
(۱۳) معتز	405	قرامطہ	422
وزارت	405	مشرق	423
علویہ	405	مغرب	424
فوج	406	صفات معتضد	424
قتل مستعین	407	وفات	426
خلع معتز	407	(۱۷) مکتفی	427
(۱۴) مہتدی	409	وزارت	427
وزارت	409	احوال داخلیہ	427
احوال داخلیہ	409	قرامطہ	427
(۱۵) معتمد	411	مشرق	429
احوال داخلیہ	411	مغرب	429
وزارت	41.	روم	429
علویہ	412	وفات	429
اسماعیلیہ	412	(۱۸) مقتدر	430

وزارت	431	خلع مستکفی	449
ابن خاقان	431	(۲۳) مطیع	450
علی بن عیسیٰ	432	معزولدولہ	450
حامد بن عباس	432	عزالدولہ بختیار	451
ابوالعباس	433	احوال خارجیہ	451
ابن مقلہ	433	خلع مطیع	453
سلیمان بن حسن	434	(۲۴) طائع	454
ابوالقاسم کلوازی	434	معاصرین	454
حسین بن قاسم	434	(۲۵) قادر	456
قرامطہ	434	معاصرین	456
احوال خارجیہ	436	مشرق	458
قتل مقتدر	437	دولت غزنویہ	458
صفات مقتدر	437	دولت زیاریہ	460
(۱۹) قاہر	438	(۲۶) قائم	461
احوال داخلیہ	438	بنی بویہ	461
(۲۰) راضی	440	آل سلجوق	462
وزارت	440	سلاجقۂ عظمی	464
ابو جعفر	440	سلاجقۂ کرمان	464
امیر الامراء	440	سلاجقۂ کردستان	465
مذہبی تنازعات	442	سلاجقۂ شام	465
قرامطہ	442	سلاجقۂ روم	465
احوال خارجیہ	443	حادثۂ بساسیری	466
صفات راضی	443	الپ ارسلان	467
(۲۱) متقی	444	(۲۷) مقتدی	469
احوال داخلیہ	444	ملک شاہ	469
مستکفی	446	نظام الملک	469
دیالمہ	446	(۲۸) مستظہر	471

برکیاروق	471
ملک شاہ ثانی اور سلطان محمد	472
باطنیہ	472
جنگ صلیبی	474
وفات مستظہر	475
(۲۹) مسترشد	476
سلطان محمود و سنجر	476
باطنیہ	476
سلطان مسعود طغرل ثانی	476
(۳۰) راشد	478
(۳۱) مقتفی	479
شاہان خوارزم	479
دولت ارتقیہ	480
اتابکیہ دمشق	481
اتابکیہ موصل	481
اتابکیہ اربل	482
اتابکیہ اذربیجان	483
اتابکیہ فارس	483
اتابکیہ لورستان	484
شاہان ارمن	484
دولت غوریہ	485
جنگ صلیبی	485
سلطان ملک شاہ ثانی و محمد	486
سلیمان شاہ و ارسلان شاہ	486
وفات مقتفی	486
(۳۲) مستنجد	487
(۳۳) مستضی	487
(۳۴) ناصر	488
معاصرین	488
سیل تاتار	488
چنگیز خان	488
یورش کا سبب	489
وفات ناصر	491
(۳۵) ظاہر	492
(۳۶) مستنصر	493
(۳۷) مستعصم	494
خلافت عباسیہ پر ایک نظر	496
پانچ دور	496
اسباب زوال	497
عصبیت دولت	497
علویہ	499
بدعہدی	501

حصہ ششم

خلافت عباسی مصر میں	505
تاریخ مصر	506
اقوام مصریہ	506
دینی عقائد و رسوم	506
ادوار تاریخی	508
دولت قدیمہ	508
(۱) طینی	508
(۲) منفی	509
(۳) منفی	509

(۴) منفی	510
(۵) اصواق	510
(۶) اصوانی	511
دولت وسطیٰ	511
(۱۱) طیبی	511
(۱۲) طیبی	512
(۱۳) طیبی	512
(۱۴) سخاوی	513
(۱۵) اداریسی عمالقہ	513
(۱۶)۔۔۔۔(۱۷) صافی عمالقہ	513
دولت اخیرہ	514
(۱۸) طیبی	514
(۱۹) طیبی	515
(۲۰) رعمیسی	516
(۲۱) کہنہ	517
(۲۲) بسطی	517
(۲۳) تانیسی	518
(۲۴) صاوی	518
(۲۵) ایثوبی	518
(۲۶) ضادی	519
(۲۷) فارسی	520
(۲۸) صادی	522
(۲۹) مندیسی	522
(۳۰) سمنودی	522
(۳۱) فارسی	522
(۳۲) مقدونی	523
(۳۳) بطلیموسی	523
(۳۴) رومی	524
عہد اسلامی	527
خلافت راشدہ	528
عمرو بن عاصؓ	528
نہر امیر المومنین	528
نہر سویز	529
سرزمین مصر	529
بندوبست اراضی	530
عبداللہ بن سعد	530
فتنہ سبائی	531
قیس بن سعد	531
عمرو بن عاصؓ بار دوم	532
بنی امیہ	533
دولت عباسیہ اولیٰ	536
دولت طولونیہ	539
حکومت مصر	539
دفینۂ غیبی	540
جامع طولونی	540
واقعہ عمری	540
موفق کی عداوت	541
شام کی ولایت	541
عباس کی بغاوت	541
وفات	542
خمارویہ	542
جیش بن خمارویہ	543
ہارون بن خمارویہ	543
دولت عباسیہ ثانیہ	544

دولت اخشیدی 545
انوجور 546
علی 546
کافور 546
احمد بن علی 546
دولت فاطمیہ 548
معزلدین اللہ 549
عزیز بدین اللہ 551
حاکم بامر اللہ 552
ظاہر لاعزاز دین اللہ 554
مستنصر باللہ 555
معزالدولہ 555
افریقہ 555
مشرق 556
بساسیری 556
قضیۂ حلب 556
وزارت 557
افواج فاطمیہ 557
ناصرالدولہ 558
ایلدکز 559
بدر جمالی 560
وفات مستنصر 560
جزیرہ صقلیہ 561
مستعلی باللہ 562
حروب صلیبیہ 562
آمر باحکام اللہ 565
حافظ الدین اللہ 565
ظافر امر اللہ 566
فائز بنصر اللہ 566
عاضد لدین اللہ 567
قتل صالح 567
مشہد حسین 568
ضرغام 568
شیرکوہ 568
صلاح الدین 568
موتمن الخلافہ 571
خطبہ عباسی 571
خلفاء فاطمیہ 572
دولت ایوبی 574
سلطان نورالدین محمود زنگی 574
نجم الدین ایوب 574
صفات نورالدین 575
سلطان صلاح الدین 576
صفات صلاح الدین 576
ملک عزیز 577
ملک منصور 578
ملک عادل 578
ملک کامل 578
عادل ثانی 579
ملک صالح 579
قاضی عزالدین 579
ملک معظم 580
شجرۃ الدر 580
دولت ممالیک بحریہ 581

معزجاشگیر 581
ملک منصور نورالدین 581
سیف الدین مظفر 582
ملک ظاہر بیبرس 582
خلافت عباسی 582
فتوحات 583
صفات بیبرس 583
قضاۃ اربع 584
امام نودی 584
ملک سعید برقہ خاں 585
ملک عادل سلامش 585
منصور قلاؤون 595
تاتاریوں میں اسلام 585
ملک اشرف خلیل 586
ملک ناصر محمد بار اول 586
ملک عادل کتبغا 586
ملک منصور اجین 587
ملک ناصر بار دوم 587
ملک مظفر بیبرس 587
ملک ناصر بار سوم 587
اولاد ناصر 588
ملک منصور خامس 588
ملک اشرف ثالث 588
ملک منصور سادس 588
ملک صالح حاجی 589
دولت ممالیک چرکسیہ 590
ملک ظاہر برقوق 590
ملک ناصر زین الدین 591
ملک عادل مستعین باللہ 592
شیخ محمودی 592
احمد محمودی سیف الدین تتر۔ محمد بن تتر 592
ملک اشرف برسبائے 592
ملک عزیز یوسف 593
ظاہر چقمق 593
ملک منصور عثمان 593
ملک اشرف نیال 593
ملک موئید احمد 593
ملک ظاہر خوش قدم 593
ملک ظاہر بلبائے ۔ ملک ظاہر تمر بوغا 594
ملک اشرف قایت بائے 594
ملک ناصر محمد بن قایت بائے (بار اول) 594
ملک اشرف قانصوہ خمسایہ 594
ملک ناصر بار دوم 594
ملک ظاہر قانصوہ اشرفی 595
ملک اشرف قانصوہ جان بلد 595
ملک عادل طوماں بائے اول 595
ملک اشرف قانصوہ غوری 595
ملک اشرف طوماں بائے ثانی 595
خلفائے عباسیہ مصر 597
(۱) مستنصر باللہ 597
(۲) حاکم بامر اللہ اول 597
(۳) مستکفی باللہ اول 598
(۴) واثق باللہ 598
(۵) حاکم بامر اللہ ثانی 599

(۶) معتضد باللہ اول 599
(۷) متوکل علی اللہ اول 599
(۸) مستعین باللہ 600
(۹) معتضد باللہ ثانی 600
(۱۰) مستکفی باللہ ثانی 600
(۱۱) قائم بامراللہ 600
(۱۲) مستنجد باللہ 601
(۱۳) متوکل علی اللہ ثانی 601
(۱۴) مستمسک باللہ 601
(۱۵) متوکل علی اللہ ثالث 601
خلافت عباسیہ 603

حصہ ہفتم

تعارف آل عثمان 607
ارطغرل 608
غازی عثمان خان 609
مال خاتون 609
قراجہ حصار 609
بیلہ جک 610
استقلال 610
بروصہ 610
وفات 610
اورخان 612
انکشاریہ 612
فتوحات 613
داخلہ یورپ 613
وفات 614
مراد اول 615
فتح ادرنہ 615
مغربی حملہ 615
نشان ہلال 616
فتوحات 616
وفات 616
بایزید ایلدرم 617
فتوحات 617
معرکہ صلیبی 617
تیمور لنگ 619
نزاع تخت 619
محمد اول (چلپی) 620
پیر قلیجہ 620
مراد ثانی 622
فتوحات 622
ہونیاد 623
محمد ثانی فاتح 624
فتح قسطنطنیہ 624
دیگر فتوحات 625
وفات 625
بایزید ثانی 626
فتوحات 626
یورپ 627
اندلس 627

عزلت	627	دیگر فتوحات	637
سلیم اول	628	یورپ	638
شاہ اسمٰعیل	628	محمد ثالث	638
فتح مصر	628	احمد اول	639
خلافت	629	شاہ عباس	639
یورپ	629	یورپ	639
سلیمان اعظم قانونی	630	مصطفٰے اول	641
بغاوت شام	630	عثمان ثانی	641
فتوحات	630	مراد رابع	642
روڈس	630	بغداد	642
کریمیا	630	ابراہیم خان	643
ہنگری	631	محمد رابع	644
ویانا	631	کوپریلی	644
بغداد	631	مقدس عہد	645
الجزائر	631	سلیمان ثانی	645
ہند	631	آسٹریا	645
جزائر بحر روم	632	احمد ثانی	645
فرانس	632	مصطفٰے ثانی	646
طہماسپ	632	محاربات	646
وفات	632	مسئلہ شرقیہ	646
اولاد	633	احمد ثالث	648
سلیم ثانی	635	پیٹر اعظم	648
یمن	635	ایران	649
قبرص	635	محمود اول	650
ترکی بیڑہ	635	نادر شاہ	650
مراد خان ثالث	637	روس و آسٹریا	650
مراکش	637	فرانس	650

عثمان ثالث	651
مصطفےٰ ثالث	652
روس	652
مصر	652
عبدالحمید اول	654
روس	654
ایران	654
کریمیا	654
مصر	654
روس و آسٹریا	655
وفات	655
سلیم ثالث	656
روس و آسٹریا	656
اصلاحات	656
نپولین	657
معزولی	658
مصطفےٰ رابع	659
یاران روچق	659
محمود ثانی	660
روس	660
نجد	660
علی پاشا	661
انکشاریہ	661
یونان	661
الجزائر	662
سربیا	662
مصر	662
وفات	662
عبدالمجید اول	663
اصلاحات	663
روس	663
دروز	663
وفات	663
عبدالعزیز	664
سفر یورپ	664
ابتری	664
معزولی	665
مراد خامس	666
حسن چرکس	666
دماغی خلل	666
عبدالحمید ثانی	667
دستور	667
جنگ پلونا	667
معاہدہ برلن	667
قبرص	668
تونس	668
اعرابی پاشا	668
مہدی سوڈانی	668
فشودہ	668
روم ایلی شرقی	668
آرمینیہ	669
کریٹ	669
اتحاد و ترقی	669
معزولی	669

محمد خامس	671	غازی مصطفےٰ کمال پاشا	676
طرابلس	671	تاریخ عثمانیہ پر ایک نظر	677
بلقان	671	سلطنت	677
وفد انصاری	671	خلافت	678
جنگ عمومی	671	ولی عہدی	678
عربی بغاوت	672	نظام مملکت	678
عبدالوحید	673	ترک	679
یونانی حملہ	673	اسلام	679
وطنی تحریک	673	رواداری	680
معاہدہ ماسکو	674	ترکی ادب	680
ترکتاز	674	انقلاب	681
لوزان کانفرنس	675	اسباب زوال	682
جمہوریت	675	خاتمہ کتاب	685
عبدالحمید ثانی	675		

حصّہ اوّل

سیرۃ الرّسُول

بسم الله الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمدن المبعوث الی کافۃ الناس من العرب والعجم والی امتہ التی ھی خیر الامم ط

اما بعد ۔ مسلمانوں کو اگرچہ فن تاریخ سے دنیا کی دوسری قوموں کی نسبت ہمیشہ سے زیادہ شغف رہا ہے لیکن تعجب ہے کہ اردو زبان میں اب تک اسلام کی کوئی تاریخ اس فن کے اصول کے مطابق نہیں مرتب ہوئی ۔ بعض کتابیں جو لکھی گئی ہیں ان میں سطحی اور بیشتر غیر ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں جو طلبائے تاریخ کے لئے زیادہ مفید نہیں۔

اس کمی اور اسی ضرورت کو محسوس کر کے میں نے "تاریخ الامت" لکھنی شروع کی جسے اب شائع کیا جاتا ہے ۔ امید ہے کہ مسلمان طلباء میں اس کے پڑھنے سے صحیح تاریخ ذوق بڑھے گا۔ عام اہل اسلام کے لئے بھی اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ رہے گا۔ **وما توفیقی الا باللہ ۔**

محمد اسلم جیراجپوری
جامعہ ملیہ اسلامیہ ۔ دہلی

تمہید

(۱) اسلام اور خاص کر اوائل اسلام کے حالات میں ہمارے قدماء کی اس قدر مفصل اور بسوط تصنیفیں موجود ہیں کہ ان سے اس زمانہ کی تاریخ کا مرتب کر لینا آسان کام ہے لیکن جو دشواری ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے صرف واقعات کو سلسلہ وار جمع کر دیا ہے نہ اس کے اسباب سے تعرض کیا ہے نہ اس کی نسبت رائیں لکھی ہیں اور اس زمانہ میں یہی چیزیں تاریخ کی روح سمجھی جاتی ہیں۔

میں نے جس وقت اس کتاب کو لکھنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ قدیم تاریخوں سے کار براری مشکل ہے ۔ اس لئے جدید تصنیفات پر نظر دوڑائی اس پر علامہ شیخ محمد الخضری استاد تاریخ اسلام جامعہ مصریہ کی تاریخ الامم الاسلامیہ مجھے ملی جس سے وہ مشکل آسان ہو گئی کیونکہ شیخ موصوف نے اس کتاب کو تحقیق کے ساتھ لکھا ہے اور موجودہ اصول تاریخ نویسی کے مطابق مرتب کیا ہے - یہ دراصل ان کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو انہوں نے طلبائے جامعہ مصریہ کو پڑھائے۔

میں نے بیشتر اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا۔ لیکن دوسری اسلامی تاریخیں بھی سامنے رکھیں۔

(۲) پڑھنے والوں کو تشویش سے بچانے کی خاطر مختلف اقوال لکھنے سے احتراز کیا اور بحث اور مناظرے کا دروازہ نہیں کھولا۔ بلکہ جو تحقیقی بات تھی وہی ثبت کر دی اور اختصار کی غرض سے واقعات صرف وہی منتخب کئے جن سے تاریخی سلسلہ کا ربط قائم رہتا ہے ۔ زبان میں بھی سلاست کا لحاظ رکھا تاکہ ہر طبقہ کے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں۔

(۳) ہندوستان کے بہت سے مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح اپنے پیشوائیان مذہب کے ساتھ عقیدت مندی میں غلو کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان سے کسی قسم کی غلطی کا ہونا محال تھا۔یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ اور بزرگان دین کی سوانح عمریاں جو اس قسم کے معتقدین نے لکھی ہیں تاریخ کے معیار سے دور جا پڑی ہیں۔ اگر اس قسم کے لوگ اپنے مذاق کی باتیں اس کتاب میں نہ پائیں تو ہم کو ملامت نہ کریں کیونکہ ہمارے بیان کی بنیاد علم پر ہے نہ کہ محض عقیدت پر۔ہم نے فرشتوں کی تاریخ نہیں لکھی ہے بلکہ انسانوں کی لکھی ہے اور کسی انسان کی بزرگی کے لئے ہمارے نزدیک یہی امر کافی ہے کہ وہ صاحب تقویٰ ہو اور اس سے غلطیاں کم ہوئی ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ انبیاء اور ملائکہ کی طرح معصوم بھی ہو۔

یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ تاریخی حیثیت سے ہم کسی شخص کی صرف اس فضیلت کو لکھ سکتے ہیں جس کا واقعات سے ثبوت ملے محض مذہبی روایات جو کسی کی فضیلت میں وارد ہوں۔ ان کے بیان کرنے کا حق ہم کو نہیں ہے وہ ذاکروں اور واعظوں کا حصہ ہے۔ نیز بعض اسلامی فرقوں نے بعض تاریخی واقعات پر مذہبی رنگ چڑھا رکھا ہے ہم ان واقعات کو محض تاریخی حیثیت سے لکھیں گے۔

اسی طرح سلف میں سے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مشاجرات صحابہ کو نظرانداز کر دینا چاہئے ممکن ہے کہ عقیدت مندی کے لحاظ سے ان کا یہ قول درست ہو لیکن ہمارا مقصود محض فضائل و مناقب کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعات اور حقائق کا بیان کرنا ہے تاکہ ان سے عبرت حاصل کی جائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی انہیں باہمی نزاعوں سے امت کو بہت کچھ سبق ملتے ہیں۔ پھر ہم ان

کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ ہاں بحیثیت تاریخ نگار کے ہمارا یہ فرض ہے کہ جو کچھ لکھیں بے تعصبی سے لکھیں تاکہ ہماری سعی امت کے لئے اور اللہ کے نزدیک مقبول ہو۔ چنانچہ اس ذمہ داری کا ہم کو برابر احساس ہے اور ہم نے اشخاص کے اعمال کے بجا یا بے جا ہونے کا فیصلہ بلا طرف داری صرف حق اور انصاف پر رکھا۔

مقدمہ

فن تاریخ

تاریخ کی حقیقت

اہل زمانہ کے واقعات اور حالات کے بیان کو تاریخ کہتے ہیں۔ اس عام تعریف میں ہر شخص کے حالات اور ہر قسم کے واقعات داخل ہیں۔ اور اصلیت یہ ہے کہ فن تاریخ کی جو غرض ہے یعنی عبرت اور تجربہ، وہ ہر شخص کی زندگی کے سوانح سے کچھ نہ کچھ ہم حاصل کر سکتے ہیں لیکن چونکہ عہد سابق میں بادشاہوں کی لڑائیوں کی داستانیں اور انہی کے واقعات کے افسانے بیان کئے جاتے تھے اس وجہ سے تاریخ کا زیادہ تر تعلق سلاطین اور امور سلطنت کے ساتھ ہو گیا۔ پھر امراء علماء و حکماء اور دوسرے طبقات کے بڑے لوگوں نے جس قدر اپنی اہمیت دنیا پر ظاہر کی اسی قدر تاریخ میں ان کو بھی حصہ ملتا تھا اور اب تو اشخاص اور افراد سے گذر کر علوم و فنون بلکہ دنیا کی ہر چیز کی جداگانہ تاریخ لکھی جاتی ہے اور اس کے رقبہ کی وسعت تمام موجودات عالم پر حاوی ہو گئی ہے۔

تاریخ کی ضرورت

انسان کی زندگی میں اس قدر مختلف شاہراہیں پیش آتی ہیں کہ جب تک تجربہ کی مشعل اس کی رہنمائی نہ کرے وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے گذشتہ ناموروں کے واقعات اور حالات یاد رکھے جاتے ہیں کہ ان سے تجربہ حاصل کر کے ہم اپنی زندگی میں کام لیں۔ انہوں نے جو غلطیاں کی ہیں ان سے بچیں تاکہ وہ برے نتیجے ہم کو نہ بھگتنے پڑیں جو انہوں نے بھگتے اور جو عمدہ کام کئے اور ان سے فائدے اٹھائے ہم بھی ان اعمال سے نفع حاصل کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جو آدمی جس قدر ناموری پیدا کرنا چاہتا ہے تاریخ کا مطالعہ اسی قدر اس کے لئے ناگزیر ہے کیونکہ اس کو لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کے حالات پڑھے جو دنیا میں بڑے بڑے کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ ان کی کوشش ہمت اور جرات کو دیکھے اور ان کی مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو انہیں اپنے مقاصد کی تکمیل میں برداشت کرنی پڑیں۔ پیش نظر رکھ کر خود اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں میں نہ گھبرائے اور صبر و ثبات کے ساتھ کوشش میں لگا رہے اسی لئے اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فوادک

اور ہم تم کو رسولوں کی وہ تمام خبریں سناتے ہیں جو تمہارے دل کو مضبوط کریں۔

تاریخ کا فائدہ

انسانی زندگی نہایت محدود ہے تاریخ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنی زندگی کی کڑیاں زمانہ گذشتہ سے ملا سکتا ہے ہزار ہا سال کے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور مختلف زمانوں اور مختلف طریقوں کے لوگوں سے وہ معنوی طور پر ملاقات کرتا ہے ان کی باتیں سنتا ہے اور ان کے حالات دیکھتا ہے اس طرح پر یہ فن انسانی عمر کو علم اور تجربہ کے لحاظ سے بڑھا دیتا ہے۔

علاوہ بریں شخصی زندگی نام ہے اس تسلسل واقعات کا جو ہر شخص کے دماغ میں محفوظ ہے اور اس کے ماضی کو حال اور استقبال سے ملاتا ہے بعینہ اسی طرح قومی زندگی کے واقعات کے سلسلہ کو تاریخ محفوظ رکھتی ہے اس لحاظ سے فن تاریخ گویا قوم کی قوت حافظہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے قومی زندگی کا تسلسل اور خلف کا سلف کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔

درس تاریخ

تاریخ پڑھنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعصب اور طرف داری کو چھوڑ کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔ کیونکہ محبت یا عداوت کے جذبات صحیح رائے قائم نہیں کرنے دیتے۔ دو شخصوں سے بعینہ ایک فعل صادر ہوتا ہے لیکن تعصب کی وجہ سے انسان اس کی مختلف تاویلیں کر دیتا ہے مثلاً ایک دولت مند جس سے ہم کو محبت ہو جب کسی غریب کو کچھ دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص بہت فیاض اور غریب پرور ہے لیکن ایک دوسرا مالدار جس کو ہم برا سمجھتے ہیں جب کسی فقیر کو کچھ بخشتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ریاکار ہے محض دکھانے کے لئے دیتا ہے۔

الغرض تاریخ کے طالب علم کو تعصب سے قطعاً الگ رہنا چاہئے ورنہ اس فن کا فائدہ اس کو نہیں حاصل ہو سکے گا۔ واقعات کو اسی حیثیت سے دیکھنا چاہئے جس حیثیت سے وہ واقع ہوئے ہیں نہ کہ اس طرح جس طرح ہم چاہتے ہیں۔

یہ سوچ لینا چاہئے کہ ہم ان لوگوں کی تاریخ پڑھ رہے ہیں جو گذر گئے اگر انہوں نے کوئی غلطی کی ہے تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں، ہم نہیں ہیں اور اگر ان میں کوئی خوبی تھی تو ہم کو اس کا کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ تاوقتیکہ ہم خود اپنے اندر بھی وہی خوبی نہ پیدا کرلیں قرآن میں ہے۔

تلک امة قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون

یہ ایک امت تھی جو گزر گئی ان کی کمائی ان کے لئے ہے اور تمہاری کمائی تمہارے لئے ہے۔ تم سے ان کے اعمال کی پرسش نہ ہوگی۔

اسلامی تاریخ کی خصوصیت

تمام اقوال عالم کی تواریخ میں اسلامی تاریخ کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اہل اسلام نے ابتداء سے اپنی تاریخ محفوظ رکھی ہے اور اس طرح پر محفوظ رکھی ہے کہ واقعات کی روایات کے سلسلہ میں اسناد کو کہیں نہیں چھوڑا۔ چونکہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ یہ بات نہیں پائی جاتی اس لئے تمام اقوام کی تاریخ میں بے ثبوت قرار پاتی ہے اور صرف امت اسلام کی تاریخ قابل اعتبار ٹھہرتی ہے۔

قدیم مورخین اسلام نے جس قدر تاریخیں لکھی ہیں ان میں یہ سلسلہ سند واقعات اور حالات جمع کر دیئے ہیں اور یہی اس زمانہ میں تاریخ کا معیار تھا۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ واقعات کے متعلق اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور پڑھنے والے کو اپنی رائے کا غلام نہیں بنانا چاہتے تھے یہاں تک کہ وہ تاریخی بیان میں استعارہ اور تشبیہہ کو بھی ناجائز سمجھتے تھے کیونکہ ان سے واقعات کی رنگ آمیزی ہوتی ہے حقیقت کا اظہار نہیں ہوتا۔

ہر چند کہ اصولاً اور انصافاً یہ طریقہ پسندیدہ تھا لیکن اب زمانہ بدل گیا لوگ مؤرخ کی رائے کو بھی ضروری سمجھنے لگے اس لئے خود مسلمان بھی اپنی روش بدلنے پر مجبور ہوگئے۔

تاریخ اسلام کا مفہوم

تاریخ اسلام سے اس امت کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کے آخر میں ملک عرب سے ظہور فرمایا اور دین اسلام کی تعلیم دی ان کے عہد سے لے کر آج تک اس امت کے تمام کارنامے اسلامی تاریخ کا سرمایہ ہیں۔

چونکہ تاریخ اسلام کا آغاز ملک عرب سے ہوتا ہے اس لئے پہلے اس ملک کا مختصر حال بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔

جزیرہ نمائے عرب

اہل عرب جس قطعۂ زمین پر آباد ہیں وہ بحر احمر بحر ہند خلیج عمان اور دریائے فرات سے اس طرح پر پانی سے گھرا ہوا ہے کہ ایک جزیرہ نما معلوم ہوتا ہے۔ طبعی لحاظ سے اس ملک کے پانچ حصے ہیں۔

ہتامہ - وہ حصہ ہے جو قلزم کے سواحل سے کوہ سراۃ تک واقع ہے

حجاز - سراۃ کے کوہستانی سلسلے کو کہتے ہیں جو یمن سے شروع ہو کر شام تک چلا گیا ہے اور جس کا عرض تقریباً سو میل ہے۔

نجد - اسی کوہستانی کے مشرقی حصے کو کہتے ہیں جو یمن سے شروع ہو کر سماوہ اور عراق تک پہنچتا ہے۔

یمن - وہ قطعہ ہے جو نجد کے جنوب سے بحر ہند کے ساحل تک اور مشرق میں حضر موت اور عمان تک پھیلا ہے۔

عروض - بلاد یمامہ اور بحرین وغیرہ کو کہتے ہیں۔

عرب میں بارش بہت کم ہوتی ہے وہاں کی زمین بیشتر ریگستانی ہے۔ پہاڑ بھی بہت ہیں جو سیاہی مائل ہیں اور کسی قسم کی روئیدگی ان میں نہیں ہے انہیں میں سے جابجا پانی کے چشمے نکلتے ہیں جن کی وجہ سے کہیں کہیں سرسبزی نظر آجاتی ہے ایسے ہی مقامات پر لوگ آباد ہو گئے اور اس ملک کا زیادہ تر حصہ پانی سے خالی اور غیر آباد ہے۔

یہ چشمے جو پہاڑوں سے نکلتے ہیں ان کا پانی بھی آگے بڑھ کر ریگستانوں میں جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ باشندے اس کو جمع رکھنے کے لئے موقع موقع سے تالاب کھود لیتے ہیں جن کو روضہ کہتے ہیں لیکن اکثر یہ بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے تمام ملک میں پانی کی قلت رہتی ہے اور جب کبھی بارش نہیں ہوتی تو بہت سختی گذر جاتی ہے۔

یمن کا خطہ نسبتاً سرسبز ہے اس میں نخلستان ہیں اور کھیتیاں بھی ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے بخلاف عرب کے دوسرے حصوں کے اس میں شہر زیادہ آباد ہیں۔ سرزمین نجد میں سے عرب کا سب سے بڑا چشمہ دھنا گزرتا ہے اس کے علاوہ بعض اور چشمے بھی ہیں لیکن ان سے نفع اٹھانے کی صورت بہت کم ہے اور سوائے چند وادیوں کے تمام قطعہ بے آب و گیاہ نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بادیہ نشین عرب اکثر ایک جگہ نہیں رہ سکتے اور چارہ اور پانی کی تلاش میں جابجا سفر کرتے رہتے ہیں اسی دائمی سفر کی وجہ سے ان میں جفاکشی اور چستی کی عادت رہتی ہے۔ بوجہ عدم روئیدگی اور پیداوار کے ان کی معیشت کا زیادہ تر دار و مدار اونٹوں پر ہے اسی کے دودھ اور گوشت سے ان کی پرورش ہوتی ہے اسی کے اون سے ان کے خیمے اور لباس بنتے ہیں اور اسی کی پشت پر مع اہل و عیال کے وہ سفر کرتے رہتے ہیں۔

اہل عرب

ملک عرب کے باشندے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی دالاد میں سے ہیں۔ یہ تین طبقوں میں منقسم ہیں۔
(۱) عرب بائدہ ۔ یعنی قدماء عرب جو پہلے اس ملک میں آباد تھے اور پھر مٹ گئے ان کے متعدد قبیلے تھا۔ عاد ۔ ثمود ۔ عمالقہ ۔ طسم ۔ جدیس ۔ امیم ، جرہم اور حضر موت وغیرہ۔
ان لوگوں نے عراق سے لے کر شام اور مصر تک سلطنتیں قائم کی تھیں۔ بابل اور اشور کی حکومت اور قدیم تمدن کے بانی بھی لوگ تھے ان کے مفصل حالات اگرچہ تاریخوں میں نہیں ہیں لیکن اب بابل ۔ مصر ۔ یمن اور عراق کے آثار قدیمہ سے انکشافات ہو رہے ہیں اور کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔
(۲) عرب عاربہ یعنی قحطان جو یمن کے باشندے ہیں۔
(۳) عرب مستعربہ یعنی عدنان جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان دونوں طبقوں کا حال ہم مختصراً لکھتے ہیں۔

قحطان

ان کا اصلی گہوارہ ہے یمن ۔ ان کے مشہور قبیلے حمیر۔ کہلان اور ازد ہیں۔ حمیر کی تین شاخیں مشہور ہیں۔ قضاعہ ۔ سکاسک اور زید جمہور۔ کہلان کی سات شاخیں ہیں ۔ ہمدان ، انمار ، طے ، مذحج ، لخم ، جذام کندہ اور آزد کی بہت سی شاخیں ہیں۔ انہیں قبیلوں سے ملوک تبابعہ ہیں۔ اور یہیں کے شہر سبا کی ملکہ حضرت بلقیس تھیں۔
ان لوگوں نے ملک کی آبادی کے لئے چشموں میں جابجا بند باندھ کر ان کا پانی محفوظ کیا تھا۔ جس وقت چاہتے تھے اپنے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کر لیتے تھے اور پھر بند کر دیتے تھے۔ ان میں سب سے بڑا بند شہر مآرب کا تھا۔ یہ تین پہاڑوں کے درمیان واقع تھا جہاں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہوتا تھا۔ ایک مدت کے بعد پانی کے زور سے یہ بند کمزور ہو کر ٹوٹ گیا جس سے یمن میں ایک بڑا سیلاب آگیا جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ اس تباہی کی وجہ سے وہاں کے اکثر خاندان نکل کر عرب کے مختلف مقامات میں جا کر آباد ہوئے۔

آزد میں سے ثعلبہ اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف آیا۔ یہاں جو چند خاندان بنی اسرائیل کے رہتے تھے ان کو مغلوب کر لیا۔ قلعے بنائے اور نخلستان لگائے اسی کی اولاد میں سے اوس اور خزرج مدینہ کے دونوں قبیلے تھے۔ آزد کا دوسرا شخص حارثہ بن عمر جو خزاعہ کے نام سے مشہور ہے حرم کی طرف آیا اس نے مکہ مکرمہ پر قبضہ کر کے بنی جرہم کو وہاں سے نکال دیا۔ آزد میں سے نصر تہامہ میں آباد ہوا اس کی اولاد کے متعدد قبیلے ہوئے جو ازد شنوہ کہے جاتے تھے۔ عمرو ازدی کا ایک بیٹا عمران عمان کی طرف گیا اور وہیں وطن بنا لیا۔ اس کی اولاد ازد عمان کے نام سے مشہور ہوئی ۔ اس کا دوسرا بیٹا جفنہ شام کی سرحد کیطرف چلا گیا۔ وہاں اس نے سرحدی قبائل پر اپنی حکومت قائم کر لی جو عرصہ دراز تک اس کے خاندان میں رہی ۔ یہ لوگ ملوک غسانیہ بولے جاتے تھے کیونکہ ان کی سکونت پہلے

ایک چشمہ پر تھی جس کا نام غسان تھا۔

کہلان میں سے لخم کا قبیلہ عراق میں آگیا۔ انہیں میں سے ملوک حیرہ ہوئے۔ طے کے لوگ مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں آکر بسے اور یہ قضاعہ کی ایک شاخ بنی۔

کلب نجد کے شمالی سرحد پر آباد ہوئے۔ حمیر۔ کندہ مذحج وغیرہ قبائل یمن ہی میں رہے۔

عدنان

عدنان کا اصلی وطن مکہ مکرمہ ہے۔ ان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نام نزار تھا۔ اسی وجہ سے عدنانی قبائل معدی اور نزاری بھی بولے جاتے ہیں ان کے مشہور قبیلے ایاد، ربیعہ اور مضر ہیں۔

ربیعہ کے قبائل بہت نامور ہوئے ہیں۔ تاریخ عرب میں ان کا بہت ذکر ہے۔ شرف و عزت میں یہ لوگ مضر کے حریف تھے۔ زمانہ اسلام میں خوارج زیادہ تر انہیں میں سے ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک قبیلہ عبدالقیس ہے جس کی دو شاخیں ہیں بکر اور تغلب پھر بکر کی دو شاخیں ہیں بنی حنیفہ اور عجل۔ مضر کے دو شعبے ہوئے قیس عیلان اور یاس۔ قیس عیلان میں سے بنی سلیم۔ بنی ہوازن اور بنی غطفان ہوئے۔ پھر بنی غطفان کی دو شاخیں بنی ذبیان اور بنی عبس ہیں۔

یاس کے مشہور قبیلے تمیم۔ ہذیل۔ اسد اور کنانہ ہیں۔ کنانہ میں سے فہر بن مالک ہوئے جن کو قریش بھی کہتے ہیں۔ قریش کی اولاد میں متعدد قبائل ہوئے جن میں مشہور حسب ذیل ہیں۔

بنی جمح۔ بنی مخزوم۔ بنی تمیم۔ بنی عدی۔ بنی زہرہ، بنی عبدالدار اور بنی عبد مناف۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ عبد شمس۔ نوفل۔ مطلب اور ہاشم۔ ہاشم کی اولاد میں سے ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔ عبد شمس کے بیٹے امیہ تھے اور ان کی اولاد بنی امیہ کہی جاتی ہے۔ عدنانی قبائل خزاعہ سے مغلوب ہو کر جب مکہ مکرمہ چھوڑ کر نکلے تو مختلف مقامات پر پھیل گئے۔ بنی بکر بحرین میں آئے۔ یہ ایران کے زیر اثر ہوگئے۔ کسریٰ کے دربار کی نامزدگی سے اسی قبیلہ کا کوئی شخص ان کا سردار مقرر کر دیا جاتا تھا۔ ظہور اسلام کے زمانہ میں ان کا امیر منذر بن ساوی تھا۔ بنی حنیفہ یمامہ میں گئے اور اس کے صدر مقام حجر میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کا سردار آغاز اسلام میں ہوذہ بن علی تھا۔ بنی تغلب، سواحل فرات پر، بنی تمیم اس جگہ جہاں بصرہ بسا آگیا اور بنی سلیم مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں آباد ہوئے بنی ہوازن میں سے ثقیف طائف میں رہے اور باقی مکہ مکرمہ کے مشرق میں بسے بنی اسد کوفہ کے مغرب میں اور بنی ذبیان تیمار سے حوران تک آباد ہوگئے۔ کنانی قبائل نے تہامہ میں بود و باش اختیار کر لی۔ اور مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد عدنانیوں میں سے صرف قبائل قریش رہ گئے۔ لیکن وہ متفرق تھے جب ان میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے تو انہوں نے سب کو مجتمع اور متحد کر کے مکہ مکرمہ سے بنی خزاعہ کو نکالا۔

حضروی اور بدوی

اہل عرب کی بلحاظ سکونت گاہ کی دو قسمیں ہیں شہری اور بدوی۔ یعنی بادیہ نشین جو آسمان کی چھت کے نیچے کھلے ہوئے وسیع بیابانوں میں جہاں چاہتے ہیں اپنے اونی اور چرمی خیمے لگا کر رہتے ہیں ان کی غذا بالعموم اونٹ کا دودھ اور گوشت ہے ان کی طبیعت میں سادگی مزاج میں تندی اور گفتگو میں سختی ہوتی ہے۔

عرب میں بہت سے شہر تھے خاص کر یمن میں زیادہ تھے مثلاً مآرب اور صنعاء جن کی نسبت اہل یمن کا خیال ہے کہ روئے زمین کے قدیم ترین شہر ہیں۔ زبیدہ۔ عدن۔ صعدہ۔ ظفار اور شبام وغیرہ۔ تہامہ میں مکہ مکرمہ۔ طائف۔ مدینہ منورہ اور خیبر۔ نجد میں حائل عروض میں حجر اور بحرین میں قطیف۔

تجارت

عرب میں متعدد مشہور بازار تھے جن میں خرید و فروخت کے لئے باشندے جمع ہوتے تھے۔ عراق اور ایران سے کپڑے اور ضروری چیزیں لے کر تاجروں کے قافلے آیا کرتے تھے جن کی حفاظت عربی قبائل کے رؤسا کے ذمہ ہوتی تھی۔ قریش بھی ہر سال دو تجارتی سفر کرتے تھے۔ گرمیوں میں ملک شام میں ان کے قافلے جاتے تھے اور جاڑوں میں یمن میں۔ اہل یمن حبشہ، ایران اور نیز ہندوستان سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے وہاں متعدد بندرگاہ بھی تھے۔

صنعت و حرفت

صنائع سے اہل عرب عام طور پر صرف بے بہرہ نہیں بلکہ متنفر تھے۔ یہاں تک کہ بادیہ نشین بھی ان پیشوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جریر اور فرزدق شاعر جو دونوں بنی تمیم میں سے تھے اور زندگی بھر ایک دوسرے کی ہجو کرتے رہے ان کے اشعار کا دفتر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جریر فرزدق کا بڑے سے بڑا عیب جو نکال سکا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی شخص تلواروں کی صیقل گری کا پیشہ کرتا تھا۔

یمن میں چونکہ بعض لوگ و باغت چرم اور نور بافی کا پیشہ کرتے تھے۔ اس لئے اہل یمن عرب میں ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ ہاں عورتیں تمام عرب میں بالعموم چرخہ کاتتی تھیں۔ تعمیر کا کام رومی اور ایرانی معماروں سے لیا جاتا تھا۔

عربی کنبہ

وہ لوگ اہل عرب پر بڑا ستم کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں عورت کی عزت نہیں تھی۔ ان کے اشعار کے دفتر سے جو شہادت ملتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کی عزت اور حرمت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بڑے بڑے سرداران قبائل اور شعراء جب اپنے کرم اور شجاعت کی مدح خوانی کرتے تھے جس سے کہ ملک میں ان کا نام روشن ہو تو وہ عورت ہی کو مخاطب کرتے تھے۔ عورت نے اگر فضول خرچی پر ملامت کی ہے تو قصیدہ میں نرم سے نرم اور لطیف سے لطیف پیرائے میں اس کا جواب دیتے تھے اور " ربتہ البیت " وغیرہ عزت کے لقب سے اس کو پکارتے تھے۔ اکثر نام کے بجائے اس کا ذکر کنیت کے ساتھ کرتے تھے جو ان کے نزدیک تعظیم کی علامت تھی وہ اپنے آپ کو اس فخر کے ساتھ اپنی ماؤں کی طرف منسوب کرتے تھے جس فخر کے ساتھ اپنے باپوں کی طرف۔ عورت کا عربی قبائل میں یہ اثر بھی ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خفگی سے قبیلے لڑ بیٹھتے تھے اور اس کی کوشش سے لڑائیاں بند ہو گئی ہیں۔

الغرض عرب کے اشعار سے بالعموم عورت کی اہانت اور تحقیر کی ذرا بھی بو نہیں آتی اور شعراء چونکہ اپنے زمانہ کی زبان ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ عرب عورتوں کا احترام کرتے تھے بیشک ان کے ہاں مردوں کو عورتوں پر عظمت اور فوقیت حاصل تھی۔ بالعموم مرد و عورت کا باہم تعلق فریقین کے اولیاء کی رضامندی کے بعد بذریعہ عقد نکاح کے ہوتا تھا۔ عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ خود اپنا نکاح کرلے بیٹی بہن پھوپھی اور خالہ وغیرہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

آوارہ گرد غرباء اور شوریدہ سر نوجوانوں میں نکاح کے بعض اور بھی طریقے تھے لیکن جمہور عرب ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔

تعداد ازدواج کا بھی ان میں دستور تھا اور اس کی کوئی خاص حد معین نہ تھی۔ چنانچہ حضرت غیلان ثقفی نے جس وقت اسلام قبول کیا تھا اس وقت دس عورتیں ان کے نکاح میں تھیں۔ طلاق کا اختیار مرد کو ہوتا تھا لیکن بعض شریف قبائل کی لڑکیاں نکاح کے وقت یہ شرط کر لیتی تھیں کہ طلاق ان کے ہاتھ میں ہو گی۔ لڑائیوں میں جو عورتیں مال غنیمت کے طور پر ملتی تھیں وہ بھی حلال سمجھی جاتی تھیں لیکن ان سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ کنیززادی کہلاتی تھی اس وجہ سے شرفاء عرب اپنی اولاد کو اس ننگ سے بچانے کے لئے

ان سے احتراز کرتے تھے وہ اپنی اولاد پر جب اپنے احسان گناتے تھے تو سب سے پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے لئے آزاد مائیں تلاش کیں۔ بیٹوں کی پرورش بنہایت الفت کے ساتھ کرتے تھے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں وہ سپر بنیں اور قبیلہ کی عزت کی محافظت کریں اس لئے اکثر درندوں کے نام سے ان کو پکارتے تھے مثلاً اسد۔ فہر کلب اور ذئب وغیرہ۔

بیٹیوں کو بعض لوگ بے شک زندہ گاڑ دیتے تھے لیکن یہ رسم تمام عرب میں نہ تھی بلکہ صرف تمیم کے چند ادنیٰ قبائل میں تھی جو ننگ و عار اور بیشتر محتاجی کے خوف سے ایسا کرتے تھے لیکن چونکہ یہ بات انسانی فطرت کے خلاف تھی اس لئے خود اشراف تمیم اس کو ناپسند کرتے تھے ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ ان فقراء کو جو بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا چاہتے تھے مال دے کر خوش حال کر دیتے تھے کہ وہ ان کی پرورش کر سکیں۔ فرزدق شاعر کا دادا غالب بن صعصعہ اس کوشش میں خاص طور پر مشہور تھا۔

بھائی کی امداد کو فرض سمجھتے تھے خواہ حق پر ہو یا ناحق پر، قبیلہ کے ایک آدمی کا آواز لگا دینا لڑائی کے لئے کافی ہوتا تھا اور اگر اس میں کوئی پہلو تہی کرتا تو شعراء اس کی ایسی ہجو کرتے تھے کہ وہ اپنے رتبہ سے گر جاتا تھا۔ جن قبیلوں سے عہد ہو جاتا تھا ان کو حلیف کہتے تھے ان کے بھی ہر فرد کی مدد بمنزلہ اپنے اہل قبیلہ کے لازمی ہوتی تھی یہ معاہدہ کبھی بذریعہ افراد کے ہوتا تھا اور کبھی رؤساء قبائل کرتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے کبھی کبھی ایک ہی قبیلہ کی دو شاخوں میں لڑائی ہو پڑتی تھی جس کے متعدد اسباب ہوتے تھے مگر دو سبب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اول یہ کہ عرب کا مدار معیشت اونٹوں پر تھا جن کے لئے وہ چراگاہوں اور پانی کے چشموں کو بہت عزیز رکھتے تھے جہاں ان کے مویشی چریں اور پانی پئیں لیکن کوئی ایسا قانون ان کے ہاں موجود نہ تھا جس کی رو سے ان چشموں اور چراگاہوں پر کسی کا حق ملکیت مسلم ہو۔ اس لئے انہیں مقامات پر چرواہوں میں جھگڑے ہوتے تھے اور پھر وہ ان کے مالکوں تک متعدی ہو جاتے تھے۔

کمزور فریق کبھی کبھی ترک وطن کر کے دوسری جگہ چلا جاتا تھا اس کی اولاد میں سلسلہ بہ سلسلہ وہ عداوت کے قصے منتقل ہوتے چلے آتے تھے یہاں تک کہ جب اس میں خود یا حلیف قبائل کی مدد سے طاقت پیدا ہو جاتی تھی تو وہ واپس آکر اپنے بزرگوں کا انتقام لیتا تھا۔

دوم تنازع ریاست یعنی کبھی کسی قبیلہ کا سردار مر جاتا اور اس کا بیٹا اس کا جانشین ہوتا تو اس کے بنی اعمام مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے اس طرح دونوں شاخوں میں باہم عداوت اور خصومت ہو جاتی، جیسے مدینہ منورہ کے قبائل اوس اور خزرج میں تھی۔ انہیں اسباب سے ایک ہی باپ کی اولاد میں بڑی بڑی خونریز لڑائیاں ہو جاتی تھیں اور ملک میں کوئی ایسی طاقت موجود نہ تھی جو ان جھگڑوں کا فیصلہ کرتی۔ اس لئے عرصہ دراز تک ان خصومتوں کا سلسلہ باقی رہتا تھا۔ شعراء کی زبانیں دونوں طرف سے اس آگ پر اور تیل ڈالتی تھیں اور ہر ایک دوسرے کے معائب بیان کر کے ان کی تحقیر کی کوشش کرتا تھا۔

شعراء عرب کے مجموعہ اشعار پر نظر ڈالنے سے اہل عرب میں زیادہ تر عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن قبائل کی شرافت عام طور پر مسلم تھی وہ بھی ان گراہوں کی زبان سے بے داغ نہیں بچے تھے۔ چونکہ اس کی عداوتیں اکثر قبیلوں میں رہتی تھیں اس وجہ سے ان میں باہمی لڑائی کے لئے کسی قوی سبب کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ تھوڑی سی تحریک پر بہت سے بچے یتیم اور بہت سی عورتیں بیوہ ہو جاتی تھیں۔

عرب جاہلیت کا نظام سیاسی

عرب میں دو قسم کے صنادید تھے ایک شاہان تاجدار جو بالاستقلال یا کسی شہنشاہ کے زیر اثر حکومت رکھتے تھے ۔ دوسرے رؤسا قبائل جو اپنے اپنے قبیلوں کے امیر مانے جاتے تھے ۔ یہ لوگ بھی کبھی کبھی خود مختار اور کبھی کسی تاجدار کے ماتحت ہوتے تھے۔ شاہان تاجدار میں سے یمن، حیرہ اور سرحد شام کے ملوک خاص طور پر شہرت رکھتے تھے۔

ملوک یمن

سرزمین یمن میں قحطانی قبائل کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر ایک قبیلہ جس قدر حصہ زمین پر تسلط رکھتا تھا اس کو مخلاف کہتے تھے ۔ ان مخلافوں کی کل تعداد ۸۴ تھی۔ کبھی کبھی ایک مخلاف کا رئیس اپنی طاقت بڑھا کر دوسرے مخلاف پر بھی غالب ہو جاتا تھا۔ جب اس کا دائرہ حکومت زیادہ وسیع ہو جاتا تھا تو اس کو ملک کہنے لگتے تھے وہاں اسی قسم کے دو شاہی خاندان معینی اور سبائی نہایت نامور گزرے ہیں۔ سبائی خاندان کی ملکہ بلقیس کا ذکر توریت اور نیز اشارتاً قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ سب سے بڑا مخلاف صنعاء کا تھا وہاں کے رؤساء ملوک کہے جاتے تھے ان میں سے یوسف ذونواس بہت مشہور ہے اس نے موسوی دین اختیار کر لیا تھا۔

صنعاء میں ۳۴۳ء سے عیسائی مبلغین سلطنت روم کی طرف سے آنے شروع ہوگئے تھے ۔ ایک زمانہ کے بعد ان کی کوشش سے ذونواس کی رعایا میں سے بعض لوگ جو نجران کے باشندے تھے عیسائی ہوگئے۔ ذونواس نے ان پر یہاں تک سختی کی کہ ان کو آگ میں جلا دیا۔ یہ واقعہ ۵۲۴ء میں ہوا اس کی خبر جب قیصر جوسٹین کو پہنچی تو اس نے حبشہ کے بادشاہ کو جس کا لقب نجاشی تھا اور جو خود عیسائی اور رومی حکومت کے زیر اثر تھا یہ حکم بھیجا کہ وہ ذونواس سے اس کا بدلہ لے نجاشی نے اس کے حکم کے مطابق ایک حبشی سردار اریاط کو فوج دے کر روانہ کیا اس نے آکر صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ ذونواس نے ناموس کے خیال سے سمندر میں ڈوب کر خود کشی کر لی۔ اریاط وہاں ایک عرصے تک رہا لیکن اسی کی فوج کے ایک امیر ابرہہ نامی نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اور شاہ نجاشی کو راضی کر کے صنعاء کی حکومت کا فرمان حاصل کر لیا۔ اسی ابرہہ نے صنعاء میں ایک کنیسہ تعمیر کیا اور یہ چاہا کہ اہل عرب بجائے کعبہ کے اسی گھر کا آ کر حج اور طواف کریں مطلب یہ تھا کہ اس سے ان کا رجحان عیسائیت کی طرف ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ آسانی کے ساتھ اس مذہب کو قبول کر لیں گے۔

چنانچہ اس نے تمام قبائل عرب کو صنعاء میں حج کے لئے بلایا۔ بعض کمزور اور ماتحت قبیلے وہاں آنے بھی لگے لیکن بالعموم اہل عرب جو ہزار ہا سال سے کعبہ ابراہیمی یعنی بیت اللہ کا طواف اور حج کرتے تھے اور ان کے دلوں میں اس کا بے حد احترام اور تقدس تھا یہاں آنے پر رضامند نہ ہوئے اس لئے ابرہہ ایک جرار لشکر لے کر ہاتھی پر سوار ہو کر خود مکہ مکرمہ کی طرف چلا کہ کعبہ کو منہدم کر دے تاکہ ناچار ہو کر تمام ملک صنعاء میں حج کے لئے آنے لگے۔

مکہ مکرمہ میں پہنچ کر جیسا کہ سورہ فیل میں بیان کیا گیا ہے ابرہہ اور اس کا لشکر عذاب الٰہی سے تباہ ہو گیا۔ ابرہہ کے بعد اس

کا پہلا بیٹا یکسوم اور اس کے بعد اس کا دوسرا بیٹا مسروق حکمران ہوا۔

سابق ملوک یمن کی اولاد میں سے اس وقت سیف بن ذی یزن حمیری تھا جو اس دھن میں لگا رہتا تھا کہ کسی طرح اسلاف کی کھوئی ہوئی سلطنت کو پھر حاصل کرلے پہلے قیصر کے دربار میں گیا اور وہاں کوشش کی لیکن مایوسی ہوئی اس کے بعد ایران کے بادشاہ نوشیرواں کے پاس پہنچا اس نے امداد کا وعدہ کیا لیکن قبل اس کے کہ یہ وعدہ پورا ہو سیف مر گیا۔ کچھ دنوں کے بعد سیف کا بیٹا معدی کرب ایرانی دربار میں گیا اور وعدہ یاد دلا کر امداد کا خواہاں ہوا۔ نوشیرواں نے ایک ایرانی سپہ سالار وھرز کی سرکردگی میں ایک لشکر معدی کرب کے ساتھ کر دیا۔ یہ لوگ خلیج عمان کو عبور کرکے حضرموت کے ساحل پر اترے۔ وہاں سے صنعاء کا رخ کیا۔ اکثر قحطانی قبیلوں نے بھی ساتھ دیا۔

حبشہ کی فوج نے مقابلہ میں شکست کھائی اور ایرانیوں نے اس کو یمن سے نکال دیا۔ وھرز نے معدی کرب کو تاج پہنایا اور اپنی تھوڑی سی فوج صنعاء میں چھوڑ کر واپس چلا آیا۔ یہی ایرانی جو یمن میں رہ گئے تھے ابناء کہے جاتے تھے۔

معدی کرب کو اس کامیابی پر مبارکباد دینے کے لئے عربی قبائل کے سردار جابجا سے آئے۔ منجملہ ان کے شیخ حرم اور سردار قریش عبدالمطلب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا بھی تہنیت کے لئے گئے تھے۔ معدی کرب کی موت کے بعد نوشیرواں نے وھرز کو صنعاء کا والی بنا کر بھیج دیا اب یہ ایرانی سلطنت کا ایک صوبہ ہو گیا یہاں کے والی یکے بعد دیگرے ایرانی دربار سے آتے تھے۔ جس وقت اسلام یمن میں پہنچا تو صنعاء کے والی بادان تھے جو مسلمان ہوئے۔ صنعاء کے علاوہ یمن میں دوسرے مستقل رؤسا بھی تھے جو قیل کہے جاتے تھے۔

ملوک حیرہ

سکندر نے ۳۳۳ء قبل مسیح میں جب ایرانیوں کو شکست دی اور دارا قتل ہو گیا تو اس نے اس عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے الگ الگ فرمانروا مقرر کر دیئے اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ ایرانی سلطنت میں اتنی طاقت نہ رہے کہ وہ پھر یونان پر حملہ کر سکے۔ چنانچہ اس مقصد میں وہ کامیاب ہوا اور تقریباً ۵۶۳ سال تک ایران اسی طوائف الملوکی کی حالت میں رہا اور اس میں غیروں پر حملہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔

۲۲۰ء میں اردشیر نے ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر باندھا اور تمام ملک کو ایک جھنڈے کے نیچے لا کر پھر ایک متحدہ سلطنت قائم کی جو تاریخ میں دولت ساسانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے ایران کی سرحد سے بڑھ کر عراق پر بھی اپنا تسلط جمایا یہاں قضاعہ کے جو قبیلے آباد تھے انہوں نے اس حکومت کو پسند نہ کیا اور نکل کر ملک شام کی طرف چلے گئے لیکن حیرا اور ابنا کے عربوں نے اطاعت قبول کر لی۔

اردشیر نے دیکھا کہ اہل عرب کو ایرانی حکومت کے ماتحت رکھنا مشکل ہے اس لئے اس نے جزیمہ کو جو عراق کا میر قبائل تھا حیرہ کا بادشاہ بنا دیا تاکہ اس کے ذریعے سے وہاں ایرانی حکومت کا اثر رہے سرحد بھی عربوں کی غارت گری سے محفوظ ہو جائے اور رومیوں کے مقابلہ کے لئے جن کی حکومت ملک شام میں تھی یہاں سے مدد بھی مل سکے۔ ایرانی فوج کا ایک دستہ بھی حیرا میں رہتا تھا۔ عرب اس کو دوسر کہتے ہیں۔ یہ غالباً دو شیر کے لفظ کا بگڑا ہوا تھا کہ ہے۔ کیونکہ ایرانی پرچم پر دو شیروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جزیمہ کی موت کے بعد جو تقریباً ۲۶۸ء میں ہوئی قبیلہ لخم کا سردار عمرو بن عدی حیرہ کا بادشاہ ہو گیا۔ شاپور پسر اردشیر کے عہد سے یہی لخمی ملوک متواتر حیرہ کے حکمران ہوتے چلے آئے۔ جب ایران میں قباد تخت سلطنت پر بیٹھا اور مزدک نے وہاں اپنا اباحیہ مذہب شائع کیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ کسی شے یہاں تک کہ عورت پر بھی کسی شخص کا خاص حق نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے لئے اس کا استعمال مباح ہے تو قباد اور نیز اس کی بہت سی رعایا نے اس مذہب کو اختیار کر لیا۔ اس زمانہ میں لخمی خاندان میں سے منذر بن ماء السماء حیرہ کا

بادشاہ تھا۔ قباد نے اس کو لکھا کہ تم بھی اس مذہب کو قبول کرو۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس لئے اس کو معزول کر کے حارث بن عمر کندی کو جو قبائل بکر کا سردار تھا اس مذہب کا پیرو بنا کر حیرہ کا بادشاہ مقرر کر دیا۔

قباد کے بعد جب اس کا بیٹا نوشیرواں تخت نشین ہوا تو اس نے مزدوک اور اس کے پیروؤں کو قتل کر کے اس مذہب کو ایران سے مٹا دیا۔ کیونکہ وہ اس کو ملک اور رعایا کے لئے مضر اور انسانی فطری غیرت اور حمیت کے منافی سمجھتا تھا۔ اس نے منذر کو پھر حیرہ کی حکومت عطا کی اور پھر لخمی خاندان میں اس کا سلسلہ چلا۔ جب نعمان بن منذر حیرہ کا بادشاہ ہوا تو کسریٰ کسی وجہ سے ناراض ہو گیا اور اس کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر عربی قبائل میں پناہ ڈھونڈھتا پھرتا تھا۔ آخر میں قبیلہ بنی شیبان کے رئیس ہانی بن مسعود کے پاس پہنچا۔ ہانی بڑا نامور سردار تھا خود کسریٰ نے بھی اس کو جاگیر دے رکھی تھی۔ نعمان نے سوچا کہ میں اس کے یہاں پناہ لوں گا تو عربی دستور کے مطابق انکار نہیں کرے گا لیکن مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ اس لئے اپنے مال اور اولاد کو اس کی حفاظت میں چھوڑ کر خود مدائن کی طرف روانہ ہوا کہ دربار میں حاضر ہو جائے۔ کسریٰ نے اس کو قید کر دیا اور اس کی بجائے ایاس بن قبیصہ کو جو بنی طے کا رئیس تھا حیرہ کا فرماں روا بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ ہانی سے نعمان کے مال اور اولاد کو لے کر دربار میں بھیج دے۔ ہانی نے اس امانت کو دینے سے انکار کیا۔ کسریٰ نے ایرانی سرداروں کی ماتحتی میں فوجیں بھیج کر ایاس کو حکم دیا کہ ہانی پر لشکر کشی کرے قبیلہ شیبان نے بھی اپنے ننگ و ناموس کے خیال سے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور ایک ہولناک جنگ کے بعد ایرانیوں کو سخت شکست دی یہ پہلی فتح تھی جو عربوں کو ایرانیوں پر حاصل ہوئی۔ اس واقعہ سے چند ماہ پیشتر آنحضرت (صلعم) کی بعثت ہو چکی تھی۔

ایاس کے بعد کسریٰ نے حیرہ میں بھی یمن کی طرح ایک ایرانی والی مقرر کر دیا لیکن ۶۳۲ء میں آل لخم میں سے منذر نے جس کا لقب مغرور تھا پھر حیرہ کی حکومت حاصل کر لی مگر اس کے آٹھ ہی مہینے کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ لشکر لئے ہوئے اس طرف آئے اور اس کو اسلامی فتوحات کے رقبہ میں شامل کر لیا۔

ملوک شام

قضاعہ کے چند قبیلے اردشیر شاہ ایران کے دستبرد کی وجہ سے عراق سے نکل کر شام کے ملک میں چلے گئے تھے وہاں سکندر کی فتح کے بعد سے رومیوں کی حکومت قائم تھی۔ انہوں نے ان کو بسا کر انہیں میں سے ایک سردار ان کی حکومت کے لئے مقرر کر دیا تاکہ یہ بادیہ نشین عربوں کے حملوں کو روکیں اور نیز ایرانیوں کے مقابلہ میں کام دے سکیں۔ یہ سردار ملوک کہے جاتے تھے۔

کچھ زمانہ کے بعد غسانی قبیلہ نے وہاں پہنچ کر بنی قضاعہ کو مغلوب کر لیا۔ رومی سلطنت کی طرف سے بنی غسان کا سردار جفنہ بن عمرو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ تمام عربی قبائل جو حدود شام میں آباد تھے اس کے ماتحت ہوگئے۔ بنی جفنہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ان کی حکومت کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں یرموک کی جنگ کے بعد ۱۳ھ میں اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم اسلام لایا۔ بنی جفنہ میں رومیوں کے اثر سے تمدن آگیا تھا۔ انہوں نے شام میں بڑے بڑے محلات اور کنیسے تعمیر کئے تھے۔ رومیوں کے ساتھ مل کر ایرانیوں پر متعدد فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان میں اور ملوک حیرہ میں جو شاہان ایران کے زیر اثر تھے بارہا خونریز لڑائیاں ہوئیں۔

امارت حجاز

ابتداء میں مکہ مکرمہ کے رئیس جرہم تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کر کے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو وہاں چھوڑ گئے تو انہوں نے قبیلہ جرہم میں اپنی شادی کی ان کی اولاد خانہ کعبہ کی مجاور ہونے کی حیثیت سے عزت و احترام کے ساتھ دیکھی جاتی تھی لیکن مکہ مکرمہ ریاست اور حکومت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ سیلاب کے بعد یمن سے جب حارثہ بن عمرو جس کا لقب خزاعہ تھا اپنا

قبیلہ لئے ہوئے مکہ مکرمہ میں آیا اور یہاں کے باشندوں کو نکال دیا تو یہ لوگ نجد، عراق اور بحرین وغیرہ مقامات میں جا بسے اور مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف میں اسمٰعیلی عربوں میں سے صرف قریش کی اولاد رہ گئی جو منتشر اور مغلوب تھی۔ جب اس خاندان میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے تو انہوں نے ان قبائل کو متحد کر کے اپنی قوت اور شوکت بڑھائی۔ بنی خزاعہ سے مکہ مکرمہ کی ریاست چھین لی اور خانہ کعبہ کے بھی متولی ہوگئے۔ یہ تاریخ کا ایک شاعرانہ واقعہ ہے کہ قصی بن کلاب نے خانہ کعبہ کی تولیت اس کے متولی ابی غبشان خزاعی سے ایک مشک شراب پر خریدی تھی۔ چونکہ کعبہ دینی مرکز تھا اور اہل عرب ہر سال وہاں حج کے لئے آتے تھے اس وجہ سے قصی کی سیادت دینی تمام عرب پر قائم ہو گئی انہوں نے مکہ مکرمہ میں دارالندوہ بنایا جس میں قریش جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے اس کی وجہ سے ان میں اور بھی باہم اتحاد و اتفاق بڑھ گیا۔ قصی کو مندرجہ ذیل اسباب شرف حاصل ہوئے۔

(۱) دارالندوہ کی صدارت جس میں تمام بڑے بڑے امور کا تصفیہ ہوتا تھا۔ نیز قریش کی بیٹیاں وہیں بیاہی جاتی تھیں۔

(۲) لوا۔ یعنی جنگ کے لئے جھنڈا عطا کرنا۔

(۳) تولیت کعبہ یعنی اس کی حفاظت اور خدمت اسی کو حجابت کعبہ کہتے ہیں۔

(۴) سقایہ۔ یعنی جب حج کے موسم میں اہل عرب آئیں تو ان کے لئے پانی کے حوض بھروانا۔ یہ حوض چمڑے کے بنائے جاتے تھے اور ان میں کھجور وغیرہ کوئی میٹھی چیز بھی ڈال دی جاتی تھی۔

(۵) رفادۃ۔ یعنی حاجیوں کی ضیافت کے لئے کھانا پکوانا اور ان کو کھانا۔

قبائل قریش ان امور اور اخراجات میں ان کی امداد کرتے تھے۔

قصی کے بیٹے عبد مناف اپنے باپ کی زندگی ہی میں ان فرائض کو ادا کرنے لگے تھے قصی کی یہ خواہش ہوئی کہ اپنے بیٹے عبدالدار کو بھی اس شرف سے محروم نہ کریں۔ چنانچہ اپنے بعد ان کے لئے وصیت کر گئے۔ عبد مناف نے باپ کی وصیت اور نیز بڑے بھائی کے احترام کی وجہ سے کوئی مخالفت نہیں کی۔ عبد مناف کے بعد ان کے بیٹوں نے بنی عبدالدار کا ان حقوق میں مقابلہ کیا جس کی وجہ سے قریش کے دو فریق ہوگئے۔ قریب تھا کہ باہم جنگ ہو جائے لیکن انہوں نے کعبہ کی خدمت کو آپس میں تقسیم کر کے مصالحت کر لی۔ تولیت کعبہ۔ لوا اور دارالندوہ بنی عبدالدار کے حصہ میں آئی اور سقایہ اور رفادۃ بن عبد مناف کے پسر عبد مناف کے چاروں بیٹوں نے باہم قرعہ اندازی کی۔ اس میں ہاشم کا نام آیا۔ وہی سقایہ اور رفادۃ کی خدمتوں کو انجام دینے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد ہاشم کے بھتیجے امیہ بن عبد شمس نے جو کثرت مال و اولاد کی وجہ سے ممتاز تھے ان خدمتوں کو ان سے لینے کی کوشش کی جس کی وجہ سے دونوں گھروں میں باہمی نزاع پیدا ہو گئی لیکن یہ رقابت اس قسم کی تھی جیسی اکثر بڑے گھرانوں میں ہو جایا کرتی ہے۔ لڑائی تک معاملہ کبھی نہیں پہنچا۔ کیونکہ قریش حرم کے باشندے تھے جو تمام عرب کے نزدیک جان و مال کے لئے مامن و ملجا تھا اس میں خونریزی اور لڑائی حرام تھی اگر قریش آپس میں لڑتے تو اپنی سیادت کے ساتھ حرم کی عظمت کو بھی کھو بیٹھتے اور پھر دوسرے قبائل بھی ان پر حملہ کرنے میں دریغ نہ کرتے اسی وجہ سے وہ اپنے جھگڑوں کو دارالندوہ میں مصالحت کے لئے طے کر لیتے تھے اور جنگ کو حرم کی اور خود اپنی شان کے منافی سمجھتے تھے۔

حکومت قبائل

نجد کے قرب و جوار کے قبائل ملوک حیرہ کے تابع تھے اور شام کے متصل بادیہ عرب کے باشندے آل جفنہ کے زیر حکومت تھے لیکن یہ حکومت محض نام کی تھی اس لئے کہ عرب کسی ایسی حکومت کو مطلق برداشت نہیں کر سکتے جو ان کی حریت میں خلل انداز ہو۔ بادیہ نشین قبیلوں کے سردار خود انہیں میں سے ہوتے تھے۔ شجاعت، کرم، حلم اور ثروت یہ صفات جس شخص میں پائی جاتی تھیں اور مزید برآں اس کے حامیوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی تھی وہ سردار ہو جاتا تھا اہل قبیلہ اس کے اشاروں پر چلتے تھے اور جہاں

جہاں وہ جاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ سفر کرتے تھے اسی کے حکم سے لڑائی اور اسی کی رائے سے صلح ہوتی تھی مال غنیمت میں سے وہ اپنی سرداری کا حق لیتا تھا اور اس سے قبیلہ کی مشترک ضروریات کا سامان کرتا تھا کسی گھر میں جب باپ، بیٹا اور پوتا تینوں متواتر رئیس ہو جاتے تھے تو وہ گھر شرف میں ممتاز سمجھا جاتا تھا۔

قوی قبیلے کمزور قبیلوں کو کبھی کبھی مغلوب کر کے ان سے سالانہ خراج بھی لیا کرتے تھے گویا رؤسا تاجدار نہیں ہوتے تھے لیکن اپنے قبیلوں میں ان کا درجہ بمنزلہ بادشاہ کے ہوتا تھا جس وقت بگڑ جاتے تھے تو سارے قبیلوں کی تلواریں میانوں سے باہر نکل آتی تھیں اور کوئی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ وہ کس بات پر بگڑا ہے۔ قبائل کے ممتاز افراد میں چونکہ سرداری کے لئے باہم رقابت رہتی تھی اس وجہ سے یہ رؤسا کرم۔ مہمان نوازی اور قبیلہ کی حمایت میں بہت کوشش کرتے تھے تاکہ شعراء ان کی مدح کر کے ملک میں ان کا نام روشن کریں۔ کیونکہ اہل عرب کے دلوں پر شعر جادو کا اثر رکھتا تھا۔ اکثر ایک قصیدہ بلکہ ایک شعر کسی رئیس کو ملک میں نیک نام یا بدنام کر دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

مجامع

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا مختلف مقامات پر اجتماع ہوا کرتا تھا۔ جہاں خرید و فروخت کی گرم بازاری رہتی تھی اور اس کے ساتھ شعر خوانی کا بھی چرچا رہتا تھا اس اجتماع کی غرض سے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ان چاروں مہینوں میں باہمی جنگ و غارت کو حرام کر رکھا تھا۔ پہلا مجمع دومۃ الجندل میں ہوتا تھا وہاں سے ہجر میں جاتا تھا۔ پھر عمان میں اس کے بعد حضر موت میں پھر صنعاء یمن میں پہنچتا تھا کہیں ایک ہفتہ اور کہیں دو ہفتہ قیام رہتا تھا۔ ذیقعدہ میں سب سے بڑا اجتماع بازار عکاظ میں ہوتا تھا جو کہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے جہاں بیس دن تک میلہ لگا رہتا تھا اس کے بعد آخر ذیقعدہ میں بازار مجنہ میں پھر آٹھویں ذی الحجہ تک ذوالمجاز میں جو عرفہ کے قریب ہے مجمع رہتا تھا۔ نہم ذی الحجہ کو میدان عرفات میں حج کے لئے جمع ہوتے تھے۔ ان بازاروں میں خاص کر عکاظ میں عرب کے تمام قبائل کے لوگ آتے تھے یہاں ان کے اکثر امور بھی طے ہوتے تھے مثلاً قبیلوں کے باہمی خون کے مقدمے سرداروں کے جھگڑے وغیرہ قریش چونکہ حرم کے متولی تھے اس لئے ان کو تمام عربی قبائل پر عظمت اور برتری حاصل تھی۔ ہر قبیلے کے شعراء بھی یہاں جمع ہوتے تھے وہ اپنی بہادری، فیاضی اور باپ دادا کے کارناموں کے فخریہ قصائد یا مرثیے وغیرہ سناتے تھے جو لوگ خلیب ہوتے تھے وہ تقریر کرتے تھے۔ یہاں پر ایک شاعر و خلیب کا درجہ مقرر کر دیا جاتا تھا یہ بازار گویا اہل عرب کی لیاقت کے امتحان کا مقام تھا جو جس قابل ہوتا تسلیم کر لیا جاتا اور تمام ملک میں اس کی شہرت ہو جاتی۔

عرب کے قومی اخلاق

قومی اخلاق سے مراد وہ خصائل ہیں جو کسی قوم کے اکثر افراد میں ہو یا جن کو اس قوم کے لوگ بالعموم پسند کرتے ہوں۔

کرم و مہمان نوازی

عربی اخلاق میں یہ وصف نمایاں تر ہے اور ان کے اشعار کا زیادہ حصہ اسی کی مدح وثنا سے پر ہے ایک فقیر مصیبت زدہ اور فاقہ کش عرب جس کے پاس صرف ایک ہی اونٹنی ہوتی تھی جس سے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی روزی چلتی تھی جب اس کے یہاں کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ بھی بلا پس و پیش اپنی اسی ذریعہ حیات اونٹنی کو ذبح کر کے اس کی ضیافت کر دیتا تھا۔ امراء اور رؤساء ادنی ادنی طلب پر اونٹوں کے گلے کے گلے بخش دیتے تھے اور اس بخشش کو اپنے دستار فخر کا طرہ سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں حاتم جیسے نامور سخی پیدا ہوئے۔

وفا عہد

عہد و پیمان کی پابندی کو اہل عرب فرض سمجھتے تھے اور جان و مال اور اولاد سب کو اس پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ اوپر گذر چکا ہے کہ ہانی بن مسعود نے نعمان بن منذر کے مال و اولاد کو جو ان کی امانت میں تھے باوجود کسریٰ کے حکم کے واپس دینے سے انکار کر دیا اور بلا اندیشہ انجام دولت ایران سے جو اس وقت دنیا کی سب سے زبردست سلطنت تھی لڑ بیٹھے۔
سموال بن عادیا بھی وفاء عہد میں ضرب المثل ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ عرب کے مشہور شاعر امراء القیس نے اپنی تلواریں اور زرہیں امانتاً اس کے پاس رکھی تھیں۔ حارث غسانی نے سموال سے ان کو طلب کیا اس نے امانت داری کے خلاف سمجھ کر انکار کر دیا آخر حارث ایک لشکر جرار لے کر چڑھ آیا۔ سموال میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے وہ اپنے قلعہ میں محصور ہو گیا۔
دوران محاصرہ میں حارث نے اتفاقاً اس کے بیٹے کو قلعہ کے باہر پکڑ لیا۔ سموال کو پکارا وہ برج پر آیا اس سے کہا کہ اگر تم امراء القیس کی امانت میرے حوالے کر دو تو میں تمہارے بیٹے کو چھوڑ دوں گا ورنہ قتل کر دوں گا اس نے بیٹے کا قتل ہو جانا گوارا کیا لیکن بدعہدی نہیں جائز رکھی۔ الغرض وفاشعاری اور پابندی عہد ان کا شیوہ عام تھا اور بے وفائی کے داغ اور بد عہدی کی بدنامی سے وہ بہت ڈرتے تھے۔ اسی لئے جس قیمت پر ممکن ہوتا تھا وفاداری کو خریدتے تھے۔ اگر اتفاقاً پاس عہد میں کسی سے لغزش ہو جاتی تھی تو آتش زبان شعراء اپنی شرر افشانیوں سے اس کو جہنم کی آگ میں بھون دیتے تھے پھر وہ عرب میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ وہ جن کو پناہ دیتے تھے ان کا بہت خیال رکھتے تھے اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے بھی ان کو مقدم سمجھتے تھے۔
چنانچہ یمامہ کے سردار عمیر بن سلمی کے یہاں بنی کلاب کے ایک شخص نے مع اپنے بھائی کے پناہ لی۔ اتفاق سے اس شخص کے بھائی اور عمیر کے بھائی قرین میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ قرین نے اس کو قتل کر دیا عمیر اس وقت باہر تھا جب مکان پر آیا اور اس کو علم ہوا تو اس نے کوشش کی کہ کلابی اپنے بھائی کا خون بہا لے لے۔ یمامہ کے اور سرداروں نے بھی اس کو سمجھایا لیکن وہ مال لینے پر رضامند نہیں ہوا

بلکہ قصاص کا خواہاں تھا عمیر کی ماں نے کہا کہ قرین کی جس قدر ملکیت ہے سب لے لے اور اس کی جان بخشی کر دے لیکن اس نے نہیں مانا۔ مجبوراً عمیر نے قرین کا ہاتھ پکڑا اور کلابی کو ساتھ لے کر وادی کے دوسرے کنارے پر پہنچا اور اپنے بھائی کو کھجور کے ایک درخت سے باندھ دیا اور کلابی سے کہا کہ جب سوائے قصاص کے تم کسی چیز پر راضی نہیں ہوتے تو لو اس کو قتل کر دو۔ مگر اتنی مہلت دو کہ میں اس وادی سے نکل جاؤں اور آج سے تم میری پناہ میں نہیں ہو۔ یہ کہہ کر وہ چلا آیا اور کلابی قرین کو قتل کر کے اپنے قبیلوں میں جا ملا۔

حلفیوں کے ساتھ ان کا وفا عہد کا یہ عالم تھا کہ عزت اور شرف ہر چیز میں ان کو اپنے برابر رکھتے تھے۔ قریش جو اپنے آپ کو عرب کے تمام قبائل میں شریف تر سمجھتے تھے اور غیروں کو بیٹیاں نہیں دیتے تھے وہ بھی ان قبائل میں جو ان کے حلیف ہو جاتے تھے بے تکلف شادیاں کرتے تھے اور اپنی بیٹیاں بیاہتے تھے۔

شجاعت

بہادری عرب کا وصف عام تھا۔ کرم اور مہمان نوازی سے بھی زیادہ ان کے اشعار میں اس کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کرم کا ظہور زیادہ تر مالداروں سے ہوتا ہے اور شجاعت کا اظہار ہر فرد کر سکتا ہے۔ چنانچہ ان میں بہت سے نامور بہادر اور شجاع گزرے ہیں۔ ان کی شجاعت تہور کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ لڑائی کے لئے صرف ایک آواز پر تیار ہو جاتے تھے اور بلا انجام سوچے ہوئے سخت سے سخت مہموں پر پیش قدمی کر گزرتے تھے میدان میں تلوار کی دھار پر جان دینے کو شرافت سمجھتے تھے۔ اور بستر پر ناک رگڑ کر مرنا ان کے نزدیک گالی تھی۔ اس جرات اور دلیری کی وجہ سے ان میں سخاکی غالب تھی اور علم کی صفت سوائے رؤسا اور اشراف قبائل کے کمتر لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ ان اخلاق کے علاوہ اور بھی بعض اوصاف ہیں جن کی وصیت ان کے اشعار سے ملتی ہے لیکن ہم ان کو جمہور کے اخلاق میں شامل نہیں کر سکتے بلکہ وہ پند د حکمت کی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود جہالت اور بددیت کے بھی ان میں بعض حکیمانہ طبیعتیں موجود تھیں۔

ان میں چند جاہلانہ عادتیں بھی تھیں ان کا ذکر بھی کر دینا ضروری ہے۔

قمار بازی

اس عادت کو بھی اہل عرب کرم کا ایک جزو سمجھتے تھے کیونکہ جوئے میں جو کچھ جیتتے تھے اس کو فقراء اور مساکین کو کھلاتے تھے اسی لئے اشعار میں اپنی اس عادت کی مدح کرتے تھے یہ عیب زیادہ تر دولت مندوں میں تھا۔

شراب خوری

اس عادت کو بھی وہ منجملہ شرافت جانتے تھے اور اس میں جو کچھ صرف کرتے تھے اس کو کرم شمار کرتے تھے ان کے اشعار میں فخر کے ساتھ اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

قرآن نے ان دونوں چیزوں کو باہمی دشمنی اور عداوت کا سبب اور شیطانی کام قرار دیا اور حرام کر دیا۔ ان کے علاوہ ان میں اور بھی چند عادتیں تھیں جن کا بیان آئندہ ان کی دینی رسموں کے ذیل میں کیا جائے گا۔

عربی زبان

ملک شام اور عرب میں بسنے والی قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد ہیں اس لئے ان کی زبانیں سامی کہی جاتی ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے لب و لہجہ بھی باہم مختلف ہو گئے اور قبیلہ اور مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے سامی زبان کی کئی قسمیں ہو گئیں اور ان کے مختلف نام رکھے گئے ۔ مثلاً عرب میں جو لوگ رہے ان کی زبان عربی اور سوریا یعنی شام والوں کی زبان سریانی کہلائی ۔ بنی عابر کی زبان نے عبرانی اور ارم کی اولاد کی زبان نے ارامی کا لقب پایا۔

اسی طرح نبطی قبیلہ کی زبان نبطی اور کلدانیوں کی کلدانی مشہور ہوئی۔ الغرض عربی زبان سامی زبان کی ایک شاخ ہے اور اہل عرب ہمیشہ سے اسی زبان کو بولتے چلے آتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جن کی زبان عبرانی تھی جب مکہ مکرمہ میں آئے تو انہوں نے بھی بنی جرہم میں رہ کر اسی زبان کو اختیار کر لیا اور ان کی اولاد یہی زبان بولنے لگی اسی لئے یہ لوگ عرب مستعربہ کہے جاتے ہیں۔ عربوں میں زبان کو وسعت دینے کے تین طریقے تھے۔ ایک تو یہ کہ کوئی نئی چیز دیکھتے تھے تو اس کے لئے نیا لفظ وضع کر لیتے تھے دوسرا یہ کہ اس کی ہم جنس اور مشابہ چیزوں کے لئے جو لفظ مستعمل ہوتا تھا اسی کو مجازاً اس کے لئے بھی استعمال کر لیتے تھے ۔ تیسرا یہ کہ دوسری زبان کے الفاظ کو معرب بنا لیتے تھے۔

چونکہ ایران اور افریقہ وغیرہ کے بازاروں میں تجارت کے لئے آمد و رفت رکھتے تھے اس لئے بہت سے غیر زبانوں کے الفاظ جن کا بدل عربی میں نہیں ملتا تھا اپنی زبان میں شامل کر لیتے تھے۔ شعراء جب ان الفاظ کو اشعار میں استعمال کر لیتے تھے تو پھر وہ تمام ملک میں مقبول ہو جاتے تھے کیونکہ عرب میں اس زمانہ میں شعر کا وہی درجہ تھا جو آج کل اخباروں کا ہے۔

ان طریقوں سے عربی زبان نہایت وسیع ہو گئی گوناگوں اسلوب سے اس میں خیالات ادا کئے جانے لگے ۔ ظہور اسلام کے قریب بڑے بڑے اہل کمال شعراء کے علاوہ نہایت زبان آور فصیح و بلیغ خطیب بھی عرب میں موجود تھے مثلاً قس بن ساعدہ سحبان وائل اور اکثم بن صیفی وغیرہ۔ قریش میں اگرچہ کوئی ممتاز شاعر نہ تھا لیکن چونکہ وہ زبان کی فصاحت کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی زبان دوسرے قبیلوں سے بہتر تھی اور تمام عرب میں مستند مانی جاتی تھی۔

علوم عرب

علوم، تمدن کے دوش بدوش چلتے ہیں چونکہ اسلام سے قبل بالعموم عربوں پر بدویت غالب تھی اور ان کی ضروریات بہت کم تھیں۔ اس وجہ سے علم و صنعت و حرفت کے وہ زیادہ محتاج نہ تھے تاہم ان میں جو علوم تھے ان کا بیان کر دینا ضروری ہے۔

کتابت

یمن میں چونکہ حمیری سلطنت قائم تھی اور وہاں کے لوگ حبشہ وغیرہ دوسرے ممالک سے تجارت بھی کرتے تھے۔ اس لئے ان میں لکھنے کا رواج تھا یمنی خط کو مسند کہتے تھے۔ عراق میں جب ملوک حیرہ کی سلطنت قائم ہوئی تو یہاں کے لوگوں نے بھی اہل یمن سے کتابت سیکھی۔ مکہ مکرمہ کے باشندوں میں حرب بن امیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے ایک رشتہ دار سے جو حیرہ میں رہتا تھا لکھنا سیکھا پھر ان سے قریش کے دوسرے لوگوں نے اخذ کیا۔ آغاز اسلام میں سارے حجاز میں کل سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔

عدم کتابت کی وجہ سے عربوں کو زیادہ تر اپنی قوت حافظہ پر بھروسا رکھنا پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا حافظہ بے نظیر ہو گیا تھا۔ شعراء بڑے بڑے قصیدے پڑھتے تھے اور لوگ ان کو سن کر بے تکلف بر زبان یاد کر لیتے تھے بعض مشہور قصیدے یاد رکھنے کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے خیال سے لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ الغرض تمام عرب خاص کر حجاز میں کتابت اس قدر کم تھی کہ وہاں کے باشندوں کو بالعموم امی یعنی ناخواندہ قوم کہہ سکتے ہیں چنانچہ اسی لفظ کے ساتھ اس کو قرآن نے مخاطب کیا ہے۔

شاعری

اگرچہ اسلام سے دو سو برس پہلے کے عربی اشعار بہت کم ملتے ہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ عربوں میں شعر گوئی کا رواج قدیم زمانہ سے تھا اور شاعری ان کی فطرت میں داخل تھی تمام ملک میں اس قدر چرچا تھا کہ جو لوگ اس سے دلچسپی نہیں لیتے تھے ان میں یہ ایک نقص سمجھا جاتا تھا۔ مردوں کے علاوہ تاریخ عرب میں خنساء اور لیلیٰ وغیرہ متعدد عورتوں کے نام بھی ملتے ہیں جنہوں نے شعر گوئی میں شہرت حاصل کی۔

اہل قبیلہ اپنے شعراء کی شہسواروں اور بہادروں سے بھی زیادہ قدر کرتے تھے۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی اچھا شاعر پیدا ہو جاتا تھا تو دوسرے قبائل کے لوگ آکر اس کو مبارکباد دیتے تھے اور اس خوشی میں دعوتیں دی جاتی تھیں جن میں عورتیں اور بچے بھی جمع ہو کر جشن مناتے تھے کہ اب ہمارے قبیلے کی عزت اور آبرو کا نگہبان حسب اور نسب کا محافظ باپ اور دادا کے مفاخر اور قبیلوں کے کارناموں کا زندہ رکھنے والا پیدا ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم کو عرب جاہلیت کے جس قدر حالات، عادات اور علوم وغیرہ معلوم ہوئے ہیں ان سب کا پتہ ان کے اشعار ہی کے ذریعے سے لگا ہے اور باوجود اس کے کہ ان کے تمام اشعار ہم تک نہیں پہنچے پھر بھی ضخیم مجموعے ان سے بھرے پڑے ہیں۔

نجوم

بدوی چونکہ اپنی زندگی بیابانوں میں گزارتے تھے اس لئے ستاروں کے نام، رفتار اور ان کے مواقع سے آشنا ہوگئے تھے نیز موسمی ہواؤں سے بارش وغیرہ کا بھی پتہ لگالیتے تھے۔ بارھوں برج اور قمر کی منزلوں سے بھی واقف تھے انہوں نے دورہ قمری کو ۲۸ منزلوں میں اس حساب سے تقسیم کر رکھا تھا کہ ایک رات میں وہ ایک منزل طے کرتا ہے جب اس کے پورے تیرہ دورے ہو جاتے تھے تو اس کو سن شمسی قرار دیتے تھے۔

طب

شہروں میں بعض لوگ اس قسم کے تھے جو بیماروں کا علاج معمولی طریق سے کرلیتے تھے۔ بدوی بھی بعض دواؤں سے واقف تھے۔ خاص کر اونٹوں کا علاج خوب کرتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے بڑا علاج آگ سے داغ دینا تھا۔

قیافہ

اس فن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو نقش قدم سے جانے والے کا پتہ لگانا دوسرے جسم کے اعضاء اور ان کی ساخت سے یہ دریافت کرنا کہ یہ فلاں شخص کی اولاد میں سے ہے ان دونوں میں عربوں کو بڑی مہارت تھی۔ پہلی قسم یعنی نقش قدم سے ریگستانی ملکوں میں مجرموں اور دشمنوں کا پتہ لگانے میں بہت آسانی ہوتی ہے اور اب تک عرب، افریقہ اور نیز دوسرے ریگستانی ملکوں میں اس فن سے بہت کام لیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کو بھی شریعت اسلامیہ نے لغو قرار نہیں دیا۔ بلکہ صحت و نسب کے ثبوت میں اس کا اعتبار کیا ہے۔

صنعت

پوشش کے لئے عورتیں عام طور پر اون کاتتی تھیں اور شہری باشندے اس کو بن کر چادر کمبل اور خیمہ وغیرہ تیار کرتے تھے یمن میں یہ صنعت زیادہ تھی اور وہاں کی چادریں عرب میں خاص طور پر شہرت رکھتی تھیں۔ نیز دائمی جنگ کی وجہ سے آلات حرب کی بھی ان کو ضرورت رہتی تھی۔ اس لئے بعض مقامات میں لوگ ان کو تیار کرتے تھے بحرین کے متصل مقام خط میں نیزہ بہت اچھا بنتا تھا اور ابلہ میں جو نواحی عراق میں تھا تلوار عمدہ تیار ہوتی تھی۔ اس کو عرب سیف ہندی کہتے تھے۔

ادیان عرب

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اثر سے اہل عرب نے دین ابراہیمی کو اختیار کر لیا تھا۔ اس دین کو حنیفی کہتے تھے اور صرف اللہ کی پوجا کرتے تھے ۔ خانہ کعبہ کو جو دنیا میں سب سے پہلی مسجد ہے اور اکیلے اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا ہے مقدس اور محترم سمجھتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ لیکن جب بنی عدنان مکہ مکرمہ چھوڑ کر مختلف مقامات میں پھیلے تو برکت کی غرض سے کعبہ کا ایک پتھر بھی اپنے ساتھ لے گئے اور اس کی تعظیم کرنے لگے اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی اولاد کے دلوں میں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ پتھر بھی معبود اعظم کا ذریعہ ہو سکتے ہیں ۔ اس طرح پر ان میں شرک رائج ہو گیا۔

مشرکین

عمرو بن لحی خزاعی جو کعبہ کا متولی تھا جب ملک شام میں گیا تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اس نے وہاں سے چند مورتیاں لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیں عرب ان بتوں کی تعظیم کرنے لگے یہاں تک کہ وہ خود بت بنانے لگے۔ بنی ہذیل نے مقام ینبع کے قریب ایک بت بنایا جس کا نام سواع رکھا وہاں کے آس پاس کے مضری قبائل اس کو پوجنے لگے۔

بنی مزحج اور اہل جرش نے اپنے بت کا نام یغوث اور بنی خیوان نے یعوق رکھا ان کو اہل یمن اپنا دیوتا سمجھتے تھے حمیر نے نسر کا بت تراشا اور جب تک وہ یہودی نہ ہوئے برابر اس کی عبادت کرتے رہے۔ مقام عدرہ میں وہ ایک نہایت قوی ہیکل انسان کی شکل کا بت بنایا گیا۔ جس کے جسم پر ایک تہبند تھا اوپر چادر لپٹی ہوئی بازو میں کمان اور کمر میں تلوار اور ہاتھ میں نیزہ تھا۔ جس پر پرچم لہرا رہا تھا یہ غالباً جنگ کے دیوتا کی مورت تھی۔

یہ پانچوں بت روایات کی بنیاد پر بنائے گئے تھے کیونکہ ان کا وجود قدیم زمانہ میں بھی تھا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالی نے ان پانچوں بتوں کا نام لیا ہے کہ باوجود فہمائش کے مشرکین ان کی پرستش سے باز نہیں آتے تھے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان قدید میں سمندر کے کنارے ایک بت منات تھا اہل عرب اس کو پوجتے تھے اور اس پر ذبیحے چڑھاتے تھے خاص کر مدینہ منورہ کے قبائل اوس و خزرج۔

طائف میں لات کی پرستش ہوتی تھی لیکن یہ بت نہیں تھا بلکہ پتھر کی ایک مربع چٹان تھی جو غالباً کسی پرانے بت خانے کی یادگار تھی۔ مکہ مکرمہ اور عراق کے مابین نخلہ شامیہ کی وادی میں ایک بت خانہ تھا جس میں قریش کا بڑا بت عزیٰ تھا۔ الغرض شرک عام طور پر عربوں میں پھیلا ہوا تھا اور ہر قبیلہ کا ایک بت تھا۔ خود کعبہ میں بہت سے بت تھے جن میں ہبل سب سے ممتاز تھا یہ انسان کی شکل کا تھا اور سرخ عقیق سے بنایا گیا تھا۔ دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا خزیمہ بن مدرکہ نے اسی شکل میں اس کو پایا اور لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔ ٹوٹے ہوئے ہاتھ کے بجائے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگا دیا۔ عرب ان بتوں اور پتھروں کی تعظیم اور عبادت اس اعتقاد سے نہیں کرتے تھے کہ ان کو قادر مطلق سمجھتے ہوں بلکہ صرف اس خیال سے کہ یہ ان کو اللہ سے قریب کر دیں گے ۔ خالق رازق ، جلانے والا

مارنے والا وہ اللہ کے ماسوا اور کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

یہ اصنام چونکہ عبادت کے لئے نصب کئے جاتے تھے اس لئے عرب ان کو انصاب بھی کہتے تھے اور ان کے اوپر مختلف قسم کی نذریں بھی چڑھاتے تھے۔

بحیرہ ۔ اونٹنی کے کان پھاڑ کر اس کو کسی بت کے ساتھ نامزد کرتے تھے پھر نہ اس پر سواری ہوتی تھی نہ اس کا اون ترا شا جاتا تھا نہ سوائے فقیروں سے کوئی اس کا دودھ پیتا تھا۔

سائبہ ۔ نذر مانتے تھے کہ بیماری سے شفا یا مصیبت سے نجات مل گئی تو بت کے نام پر اونٹ چھوڑیں گے ۔ کامیاب ہو جانے پر اس کو ادا کرتے تھے اس اونٹ کو سائبہ کہتے تھے وہ جہاں چاہتا تھا چرتا تھا اس سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔

وصیلہ ۔ جو بکری سات بار دو دو مادہ جنتی تھی اور آٹھویں بار ایک نر اس کو بت کے نام پر ذبح کر دیتے تھے اگر نر کے ساتھ کوئی مادہ بھی جنتی تھی تو عورتوں پر اس کا دودھ حرام ہو جاتا تھا اور وہ نر بزغالہ بت کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

حام ۔ وہ شتر نر جس کی چوتھی نسل پیدا ہو جائے بت کے نام پر آزاد کر دیا جاتا تھا اور اس سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ قرآن نے ان چاروں کو شرک قرار دے کر ممنوع فرما دیا۔

عربوں کا یہ بھی دستور تھا کہ جب وہ کسی کام یا سفر کا ارادہ کرتے تھے تو بتوں کے مجاوروں کے پاس جا کہتے تھے کہ ہمارے لئے فال نکال دو۔ وہاں بے پیکان کے تیر ہوتے تھے جن کو ازلام کہتے تھے ۔ ان میں سے کسی پر ہاں اور کسی پر نہیں لکھا ہوتا تھا۔ مجاور ان میں سے ایک تیر نکال لیتا تھا اور اسی کے مطابق کرو یا نہ کرو کا حکم دیتا تھا۔ خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام کے جو بت بنائے گئے ان کے ہاتھوں میں بھی اسی قسم کے تیر رکھے گئے تھے ۔ گویا وہ بھی فال نکال رہے ہیں۔ اللہ تعالی نے قمار اور شراب کے ساتھ انصاب اور ازلام کو بھی ناپاک شیطانی فعل قرار دیا۔

باوجود ان بت پرستیوں کے اہل عرب کے دلوں میں جو عظمت کعبہ کی تھی وہ کسی دوسرے معبد کو نہ تھی حرم کو وہ اس قدر مقدس سمجھتے تھے کہ جب حج کے لئے وہاں آتے تھے تو جو زاد راہ اپنے ساتھ لاتے تھے اس کو حدود حرم میں کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے ۔ اس لئے قریش جو اہل حرم تھے ان کو کھلاتے تھے اور نہ وہ اپنے کپڑے پہن کر طواف کرتے تھے اور اگر کر لیتے تھے تو پھر ان کو کبھی چھوتے نہیں تھے ۔ قریش ان کے لئے لباس بھی مہیا کرتے تھے اور بہت سے برہنہ طواف کرتے تھے۔

یہود

مشرکین کے علاوہ ملک عرب میں چند یہودی قبائل بھی تھے۔ یہودیت کا آغاز یہاں اس طرح پر ہوا کہ شام میں جب بنی اسرائیل پر سختیاں ہوئیں تو ان کے چند خاندان یثرب اور خیبر وغیرہ میں آکر آباد ہو گئے ان کے اثر سے ان مقامات کے بھی کچھ لوگ ان کے دین میں داخل ہو گئے ۔ یثرب کے دو یہودی یمن میں پہنچے ۔ صنعاء کے بادشاہ یوسف ذونو اس نے ان کے اس دین کو اختیار کر لیا اس وجہ سے وہاں کے بہت سے لوگوں نے ان کی پیروی کی۔

نصاریٰ

نصرانیت یمن کے مقام نجران سے شروع ہوئی پھر حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر عیسائی ہوا اور وہاں کے بہت سے لوگ اس دین کے پیرو ہو گئے ۔ طے کے قبائل نے بھی عیسائیت اختیار کر لی ۔ غسانی عرب بھی جو رومی سلطنت کے زیر اثر تھے نصاریٰ تھے جزیرہ میں بکر اور تغلب کے بعض قبائل بھی عیسائی ہو گئے تھے۔

لیکن عرب دراصل نام کے یہودی یا عیسائی تھے ان مذاہب کی اصلی روح طبائع میں مطلق نہ تھی ۔ اور ہوتی بھی کس طرح اس

واسطے کہ دین صیوی جنگ سے انسان کو روکتا ہے اور عرب اس سے باز آنے والے نہ تھے یہود کے نزدیک بت پرستوں کی ہر چیز ناپاک اور حرام ہے اور یہ دشمنوں کے مال غنیمت سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔

موحدین

عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ ان کو بت پرستی سے نفرت تھی ان کا خیال تھا کہ قرب الٰہی کا حقیقی ذریعہ صرف دین ابراہیمی ہے لیکن ان کو لوگوں نے بھلا رکھا ہے ۔ یہ بت یا پتھر جن میں نفع نقصان پہنچانے کی مطلق قدرت نہیں ہے کیونکر ہم کو اللہ تک پہنچا سکتے ہیں۔ ان موحدین میں سے زید بن عمرو بن نفیل بہت مشہور ہیں وہ بتوں کی پرستش سے بیزار تھے اور سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے تھے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر قریش سے کہا کرتے تھے کہ سوائے میرے تم میں سے کوئی شخص دین ابراہیمی پر نہیں ۔ گو ان کو اسلام نہیں نصیب ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن وہ اکیلے ایک امت کی بجائے اٹھائے جائیں گے۔ ورقہ بن نوفل بھی بت پرستی سے بیزار تھے دین حق کی تلاش میں آسمانی کتابیں پڑھیں اور عیسائی ہو گئے۔ عبیداللہ بن جحش بھی موحد تھے لیکن انہوں نے کسی مذہب کی پیروی نہیں کی جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو اسلام لائے لیکن جب حبشہ میں ہجرت کر کے گئے تو دین صیوی اختیار کر لیا اور اسی دین پر مرے۔

کاہن

عرب میں کاہنوں کی بھی ایک جماعت تھی جو مقفیٰ اور مسجع کلام میں لوگوں کو غیب کی خبریں بتایا کرتی تھی ۔ ظہور اسلام کے قریب یہ لوگ عام طور پر ایک نبی کی آمد کی پیشگوئی کرتے تھے۔ یہود بھی ایک نبی کے منتظر تھے جو ان کو سختیوں سے نجات دلا کر پھر مجتمع کرے گا اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کر لیں گے چنانچہ مدینہ منورہ کے اوس اور خزرج کے قبائل جب یہودیوں پر غالب آجاتے تھے تو وہ ان کو اسی آنے والے نبی کے نام سے دھمکاتے تھے۔ الغرض ظہور اسلام سے قبل عقلاء عرب اور وہاں کے اہل کتاب میں ایک دینی تحریک موجود تھی جو اگرچہ بے نتیجہ تھی کیونکہ شرک اور بت پرستی سے ان کو روک نہیں سکتی تھی لیکن طبائع اسلام قبول کرنے کی استعداد اس نے ضرور پیدا کر دی تھی۔

ولادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قریش کے سب سے پہلے سردار عبدالمطلب تھے ان کے کئی نامور بیٹے تھے مثلاً ابو طالب ۔ عبداللہ ۔ حمزہ ۔ اور عباس وغیرہ ۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کا نکاح آمنہ بنت وہب کے ساتھ کیا جو قریش کے قبیلہ بنی زہرہ کی عزیز ترین بیٹی تھیں نکاح کے تھوڑے دنوں کے بعد عبداللہ نے تجارت کے لئے مکہ مکرمہ سے شام کا سفر کیا۔ اثنائے سفر میں مدینہ منورہ کے قبیلے بنی نجار میں جہاں ان کا ننیہال تھا ٹھہر گئے اور بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔

تاریخ ولادت

ان کی وفات کے چند ماہ بعد دو شنبہ کے دن صبح کے وقت ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو اسی سال جس میں اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ عبدالمطلب یہ مژدہ سن کر بہت خوش ہوئے محمد نام رکھا اور عرب کی رسم کے مطابق ساتویں دن ختنہ کیا۔ عربی قبائل کے نسب ناموں کو دیکھنے کے لئے بجز بنی تمیم کے ایک سردار کے جو فرزوق شاعر کی پانچویں پشت میں پڑتا ہے اس نام کا اور کوئی شخص تمام عرب میں نہیں ملتا۔

رضاعت

سادات قریش کا یہ دستور تھا کہ اپنی اولاد کو بادیہ نشین قبائل کی عورتوں سے پرورش اور دودھ پلانے کے لئے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہ توانا اور تندرست رہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو ان کے دادا نے بنی سعد کی ایک خاتون کے حوالہ کیا ان کا نام حلیمہ بنت ابی ذویب تھا اور ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ تھے جن کی کنیت ابو کبشہ تھی ۔ حلیمہ نے چار سال تک پرورش کی پھر مکہ مکرمہ میں لا کر ان کی والدہ کے سپرد کر گئیں۔

آمنہ کی وفات

جب سے آنحضرتؐ کے والد نے مدینہ میں وفات پائی تھی آپؐ کی والدہ ہر سال مکہ مکرمہ سے ان کی قبر کی زیارت کو جایا کرتی تھیں۔ ان کے ہمراہ عبدالمطلب ہوتے تھے ۔ آنحضرتؐ کی عمر کا چھٹا سال تھا کہ آپ بھی اپنی ماں اور دادا کے ساتھ مدینے گئے واپسی میں راستہ ہی میں آپؐ کی والدہ بیمار ہو کر وفات پا گئیں اور مقام ابواء میں جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے مدفون ہوئیں۔ عبدالمطلب یتیم پوتے کو لے کر مکہ مکرمہ واپس آئے وہ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور اپنی عزیز ترین اولاد سمجھتے تھے۔

کعبہ کے سائے میں عبدالمطلب کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا ان کے بیٹے ادب سے اس کے کنارے بیٹھتے تھے ۔ آنحضرتؐ جب آتے تو سیدھے فرش پر چلے جاتے ان کے چچا ان کو پکڑ کر کھینچتے کہ اپنے برابر بٹھائیں۔ عبدالمطلب کہتے کہ نہیں اس کو چھوڑ دو واللہ میرا یہ فرزند بڑا آدمی ہونے والا ہے پھر ان کو اپنے پاس بٹھاتے اور شفقت سے پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے۔

وفات عبدالمطلب

آنحضرتؑ کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ عبدالمطلب نے بھی مکہ مکرمہ میں انتقال کیا وفات کے قبل انہوں نے اپنے بیٹے ابو طالب کو جو آنحضرتؑ کے حقیقی چچا تھے ان کی پرورش کی وصیت کر دی تھی۔ عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے ابو طالب ۔ عبداللہ اور زبیر حقیقی بھائی تھے ان تینوں کی والدہ فاطمہ مخزومیہ تھیں۔

سفر شام

بیان کیا گیا ہے کہ نو سال کی عمر میں آپ کو ابو طالب قافلہ تجارت کے ہمراہ ملک شام میں لے گئے جب مقام بصرہ میں پہنچے جو رومیوں کے ماتحت تھا تو وہاں ایک راہب نے جس کا نام بحیرا تھا آپ کو دیکھ کر ابو طالب سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو وطن واپس لے جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمن ان کو قتل کر دے کیونکہ ان میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں جو نبی آخر الزماں کی ہیں (علامہ شبلی نے سیرت النبی میں اس واقع کو عیسائی راویوں کی اختراع قرار دیا ہے)

حرب فجار

جب اس کا سن پندرہ سال تھا اس وقت قریش کی کنانہ اور قیس کے قبیلوں کے ساتھ لڑائی ہوئی جو بوجہ اس کے کہ حدود حرم میں ہوئی تھی حرب فجار کے نام سے مشہور ہوئی۔ قریش کے سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھے کہ وہ عمر اور شرف میں ممتاز ہوئے۔ بنی عبدالمطلب کے سردار زبیر تھے اس لڑائی میں آپ بھی شریک تھے اور دشمنوں کے تیر چن کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

حلف فضول

حرب فجار کے بعد قریش کے قبائل بنی ہاشم بنی اسد، بنی تیم وغیرہ نے مل کر مکہ مکرمہ میں قسم کھائی اور عہد کیا کہ کوئی مظلوم خواہ کسی قبیلہ کا ہو جب مکہ مکرمہ میں آجائے گا تو ہم اس کی امداد اور حمایت کریں گے یہ حلف عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اٹھائی گئی تھی ۔ آنحضرتؑ بھی اس میں موجود تھے۔ زمانہ رسالت میں فرمایا کہ میں خوش ہوں کہ اس معاہدہ میں شریک تھا اور آج اسلام میں بھی اگر اس قسم کا عہد کوئی کرنا چاہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ اس کا نام حلف فضول اس وجہ سے رکھا گیا کہ بنی جرہم کے عہد میں بھی مکہ مکرمہ میں تین سرداروں نے مل کر اس قسم کی حلف اٹھائی تھی اور ان تینوں کے نام فضل تھے۔

عقد نکاح

پچیس سال کی عمر میں آپ کا نکاح حضرت خدیجہ کبریٰ کے ساتھ ہوا جو قریش کے قبیلہ اسد کے سردار خویلد کی بیٹی اور عقل خلق و ثروت میں ممتاز تھیں ان کا دستور تھا کہ اپنے تجارتی سامان پر کسی کو اجیر مقرر کر کے شام اور یمن کے بازاروں میں بھیجا کرتی تھیں۔ آنحضرتؑ چونکہ امین مشہور تھے اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ آپ میرے تجارتی مال کو لے کر جائیں آپ نے منظور فرما لیا اور ملک شام میں ان کا مال لے کر گئے حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ہمراہ تھا۔ وہاں بہت سا نفع حاصل ہوا۔ اس سفر سے واپس آنے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے جو بیوہ تھیں خود آنحضرتؑ کے پاس اپنی لونڈی بھیج کر نکاح کی درخواست کی ۔ آپؐ نے رضامندی کا اظہار کیا اور ابو طالب سے ذکر فرمایا۔ انہوں نے حضرت خدیجہ کے چچا کو پیغام دیا۔ دونوں طرف سے لوگ جمع ہو گئے اور نکاح ہو گیا۔

تجدید کعبہ

آنحضرتؑ کی عمر ۳۵ سال کی تھی قریش نے کعبہ کی عمارت کو جو سیلاب کی وجہ سے خراب ہو گئی تھی نئے سرے سے تعمیر

کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پرانی دیواروں کو گرانے کی ہمت کسی کو نہیں ہوتی تھی آخر ولید بن مغیرہ نے ابتداء کی اور جب لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس کے اوپر کوئی آفت نہیں آئی تو پھر سب شریک ہو گئے ۔ جن بنیادوں پر حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہ السلام نے دیواریں بنائی تھیں وہاں تک کھود کو پھر از سر نو انہیں پر تعمیر شروع کی۔ جدہ کے ساحل پر ایک رومی جہاز ٹوٹ گیا تھا اس کی لکڑی خریدی گئی اور ایک رومی نجار نے جس کا نام باقوم تھا اس کے گھڑنے کا ٹھیکہ لیا باقی تمام کام لال قریش خود کرتے تھے۔ آخر میں وہ سرمایہ جو اس تعمیر کے لئے جمع کیا گیا تھا گھٹ گیا۔ جس کی وجہ سے مجبوراً عمارت کو بنیاد ابراہیمی سے جانب شمال تقریباً چھ گز چھوٹا کر دیا گیا۔

حجر اسود

حجر اسود کے جب لگانے کا وقت آیا تو قبائل میں نزاع واقع ہوئی کیونکہ ہر ایک سردار اس شرف کا خواہاں تھا کہ میں اس پتھر کو اس کی جگہ پر نصب کر دوں۔ آنحضرتؐ صلعم کو لوگوں نے حکم مانا آپ نے اس پتھر کو اٹھا کر ایک چادر میں رکھ دیا اور رؤسا قبائل سے کہا کہ اس چادر کے کنارے پکڑ کر اٹھائیں جس وقت وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو ہاتھوں سے تھام کر اس کو نصب فرما دیا اس فیصلہ سے سب لوگ خوش ہو گئے اور باہمی رنجش نہیں ہونے پائی۔

حالات قبل نبوت

اس امر میں تمام مورخ متفق ہیں کہ نبی ہونے سے پہلے آنحضرتؐ اپنی قوم میں اخلاقی حیثیت سے ممتاز تھے ان کی راست گوئی وفا شعاری اور امانت داری مسلم تھی یہاں تک کہ ان کا لقب امین تھا اہت سے لوگ اپنی امانتیں لاکر آپ کے پاس رکھتے تھے ۔ آپ امی تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ ترکہ پدری سے کوئی ملکیت نہیں پائی تھی اپنی کمائی اور محنت سے مزدوری کرتے تھے جب حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح ہو گیا تو ان کے مال سے تجارت کرنے لگے جو کچھ نفع ہوتا تھا اس میں دونوں شریک تھے ۔ کبھی کبھی خدیجہؓ کے علاوہ اور لوگوں کے ساتھ بھی تجارت میں شرکت کرلیتے۔ غار حرا میں عبادت کے لئے چلے جاتے تھے اور وہاں کئی کئی دن رہتے تھے ۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپؐ کے دادا عبدالمطلب بھی اس غار میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ ابتداء ہی سے بتوں سے نفرت تھی۔ بت پرستوں کے میلے اور ان کی پرستش گاہوں میں قدم نہیں رکھتے تھے نہ ان ذبیحوں کا گوشت کھاتے تھے جو بتوں پر چڑھائے جاتے تھے کعبہ کا طواف اور حج کیا کرتے تھے شراب سے ہمیشہ محترز رہے۔

غار حرا میں جو عبادت کرتے تھے اس کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکی غالباً خالق کے صفات اور مخلوق کے حالات میں غور و فکر کرتے ہوں گے لیکن نبوت سے قبل حقیقت تک رسائی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔

وكذالک او حينا اليک روحا من امرنا ماكنت تدرى ما الكتب والايمان

(ترجمہ) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح (قرآن) بذریعہ وحی کے اتارا تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔

دوسری آیت میں کہا ہے

وماكنت ترجوا ان يلقى اليک الكتب الا رحمته من ربک

(ترجمہ) تجھ کو پہلے سے یہ امید نہیں تھی کہ تیرے اوپر کتاب نازل کی جائے گی مگر تیرے رب نے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا۔

پھر ارشاد ہوا ہے۔

ووجدک ضالاً فهدى

(ترجمہ) اللہ نے تجھ کو بھٹکتا ہوا دیکھ کر سیدھا راستہ بتایا

ضال سے مراد حیرانی ہے اور ہدایت سے نبوت

بعثت

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اپنے بندوں میں قوموں کی اصلاح کے لئے منتخب کرتا ہے ان کو بذریعہ وحی کے تعلیم دیتا ہے یہی لوگ نبی یا رسول کہے جاتے ہیں۔

وحی

لغت میں مخفی طور پر سرعت کے ساتھ کسی بات کو بتلا دینے کو وحی کہتے ہیں۔ سرعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات دل میں آئے وہ ترتیب مقدمات کا نتیجہ نہ ہو۔ بلکہ ایک دم غیب سے اس کا علم ہو گیا ہو۔ انبیاء کو جس طریقہ سے اللہ تعالیٰ غیب کی تعلیم دیتا ہے اس کی حقیقت بیان کرنے سے تمام علمی عبارتیں قاصر ہیں زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام کی زبان سے جن الفاظ اور عبارات میں یہ کیفیت بیان ہوئی ہے انہیں سے اقتباس کر کے اس کا ایک تصور ذہن میں قائم کیا جائے۔ اس تعلیم کے چار طریقے بتائے گئے ہیں۔

(۱) رویاء صادقہ یعنی نیند کی حالت میں سچے خواب نظر آتے ہیں۔ ایسے خوابوں کا ذکر قدیم آسمانی کتابوں اور نیز قرآن مجید میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی میں دیکھا تھا کہ وہ اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء کے خواب برحق ہیں۔ ہم لوگوں کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ بلا واسطہ دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔

(۳) نبی کو اللہ کا کلام سنائی دیتا ہے جس طرح کہ حضرت کلیم اللہ نے طور پر ندائے ربانی سنی تھی۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے وہ انبیاء کو اس کے ارادوں اور حکموں سے مطلع کرتا ہے۔ قرآن میں اس فرشتہ کو روح الامین کہا گیا ہے

۔ آخری تینوں قسموں کا بیان اس آیت میں ہے

ماکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء

اللہ کسی شخص سے کلام نہیں کرتا مگر بذریعہ وحی کے یا پردہ کے پیچھے سے یا اپنا قاصد فرشتہ بھیجتا ہے وہ اللہ کے حسب حکم اور حسب منشاء وحی کرتا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے اوپر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے فرمایا کبھی جرس کی سی آواز آنے لگی ہے میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں جو کچھ سنتا ہوں یاد کر لیتا ہوں اور کبھی فرشتہ آکر وحی سنا دیتا ہے اس میں مجھے آسانی ہوتی ہے لیکن پہلی صورت مجھ پر گراں گزرتی ہے۔ چنانچہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آنحضرتؐ سر جھکا لیتے تھے چہرہ متغیر ہو جاتا تھا اور جاڑے کے دنوں میں بھی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔ نزول وحی سے چھ ماہ قبل سے آپ کو رویائے صادقہ نظر آنے لگے

رات کو جو خواب دیکھتے تھے صبح اس کا ظہور روز روشن کی طرح ہو جاتا تھا۔

ابتدائے وحی

ایک دن غار حرا میں حسب معمول عبادت میں مشغول تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آیا اور کہا کہ " پڑھ " آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا کر ایسا زور سے دبایا کہ آپ بے حال ہو گئے پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ " پڑھ " پھر آپ نے وہی جواب دیا تین بار اسی طرح کہا آخر اس نے کہا۔

اقراء باسم ربک الذی خلق ط خلق الانسان من علق ط اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم ط

آنحضرتؐ نے ان آیتوں کو دہرایا۔ پھر وہ فرشتہ چلا گیا۔ اس غیر متوقع اور عجیب و غریب حالت کی وجہ سے آپؐ خوفزدہ ہو گئے وہاں سے لرزتے ہوئے گھر آئے ۔ لیٹ گئے اور خدیجہ سے کہا کہ مجھ کو چادر اڑھادو۔ جب خوف جاتا رہا اور سکون ہوا تو خدیجہ سے اس کیفیت کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ نیکی کرتے ہیں۔ صدقہ دیتے ہیں۔ مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا پھر وہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں وہ عیسائی ہو گئے تھے اور آسمانی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ ان سے یہ سارا حال بیان کیا ورقہ نے کہا کہ یہ فرشتہ جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا ہے ناموس اکبر ہے یہی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا ۔ یہ یقیناً اس امت کے نبی ہوں گے ان سے کہہ دو ثابت قدم رہیں۔ ان کی قوم ان کو جھٹلائے گی اذیت دے گی اور یہاں سے نکالے گی ۔ میں اگر اس دن تک زندہ رہا تو ضرور ان کی مدد کروں گا۔(علامہ شبلی نے اس واقعہ کو عیسائی مورخوں کی اختراع قرار دیا ہے)

تاریخ نزولِ وحی

نزول قرآن شب قدر میں ہوا۔ شب قدر جمہور اہل اسلام کے نزدیک رمضان کے عشرہ آخر میں کوئی طاق رات ہوتی ہے۔

بعض مؤرخین نزول قرآن کی تاریخ ۲۵ رمضان قرار دیتے ہیں۔ قمری حساب سے اس دن آنحضرتؐ کی عمر چالیس برس چھ مہینے سولہ دن کی ہو گی اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ ۱۹ یوم یہ تاریخ مطابق ہو گی ۱۹ اگست ۶۱۰ء کے۔

آغاز تبلیغ

مکہ مکرمہ جہاں سے اسلام کی ابتداء ہوئی ۔ عرب کا دینی مرکز تھا اور اہل مکہ یعنی قریش کعبہ کے متولی ۔ حرم کے مجاور اور اہل عرب کی نظروں میں محترم تھے ۔ ان میں اپنے آبائی دین کی غیرت اور حمیت کا جوش بہت تھا اس لئے حکمت الٰہی کا مقتضاء یہ ہوا کہ اول اول دعوت اسلام مخفی طور پر ہو چنانچہ آنحضرتؐ اپنے خاص واقف کاروں میں سے جن لوگوں میں حق پسندی اور نیکی دیکھتے تھے انہیں کو اس کی طرف بلاتے تھے۔ اس زمانہ میں جو لوگ اسلام لائے وہ سابقین اولین کہے جاتے تھے ۔ ان میں سے مندرجہ ذیل چار آدمی خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں کیونکہ یہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۔ ان کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی اور چونکہ ابو طالب کی اولاد زیادہ تھی اس لئے ان کے صرفہ کی تخفیف کے خیال سے آنحضرتؐ نے ان کی پرورش کا بار اپنے ذمہ لے لیا تھا اور اپنے پاس رکھتے تھے۔

(۳) حضرت ابو بکر صدیقؓ یہ اپنی قوم قبائل قریش میں نہایت ہر دلعزیز ، ان کے نسب ناموں اور حالات و واقعات سے سب سے زیادہ واقف اور صاحب ثروت و دولت تھے۔

(۴) حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ یہ زید بن محمدؐ کہے جاتے تھے پہلے حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرتؐ کو ہبہ کر دیا تھا آپ نے اسے متبنے بنا لیا۔

حضرت ابو بکرؓ ایمان لانے کے بعد اپنے دوستوں کو بھی اس کی تلقین کرنے لگے۔ چنانچہ ان کی کوشش سے حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، ابو عبیدہ بن جراح، ابو سلمہ، ارقم مخزومی، عبیدہ بن حارث، سعید بن زید مع اپنی بیوی فاطمہ بنت خطاب کے اسلام لائے (رضی اللہ عنہم) آنحضرتؐ ان لوگوں کے ساتھ ارقم مخزومی کے گھر میں جمع ہوتے تھے اور وہاں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ گھر مکہ مکرمہ میں اب تک باقی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے تاریخی رتبہ کے مطابق کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔ تین برس تک اسی طرح افراد میں اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی۔ اسی درمیان میں ایک جماعت نے اس دین کو قبول کر لیا جن میں سے اکثروں کے بعد میں بڑے بڑے کارنامے ہیں۔

اعلان دعوت

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

فاصدع بما تومر و اعرض عن المشرکین

(ترجمہ) تم کو جو دیا جاتا ہے اس کو کھول کر سناؤ اور مشرکین کی پرواہ مت کرو

اس وقت آپؐ نے اعلانیہ توحید کا وعظ شروع کیا۔ قریش سن کر خاموش رہے کوئی مخالفت یا تردید نہیں کی لیکن جب آپؐ نے شرک کی مذمت کی۔ اللہ کے ماسوا تمام معبودوں کو باطل کہا اور ان کے ماننے والوں اور پوجنے والوں کو گمراہ بتایا تو وہ لوگ دشمنی کے لئے آمادہ ہوگئے۔ اس لئے کہ اس سے ان کے باپ دادا بھی باطل پرست قرار پائے۔ جن کو کہ وہ اپنے خیال میں دین حق پر سمجھتے تھے۔ انہیں کی پیروی اور تقلید کا دم بھرتے تھے اور انہیں کے قدم بقدم چلنے کے مدعی تھے۔ ہر ایک مصلح کو سب سے دشوار گزار جو مرحلہ پیش آتا ہے وہ یہی ہے جب وہ کوئی اصلاحی تعلیم دیتا ہے تو تقلید پیشہ قوم اپنے بزرگوں کی حمایت میں اس کی دشمن ہو جاتی ہے کہ یہ ان کی برائی کرتا ہے اور ان کو گمراہ بتاتا ہے اسی تعصب کی وجہ سے ہر قسم کی رکاوٹ ڈالتی ہے اور اصلاح کے فیض سے خود بھی محروم رہتی ہے اور دوسروں کو بھی محروم رکھتی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آبائی تقلید کو قرآن کی متعدد آیات میں مذموم قرار دیا ہے۔

کفار قریش

اہل مکہ نے آنحضرتؐ کا نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ شروع کیا۔ یہ دیکھ کر ابو طالب نے جو گھرانے کے سردار تھے آپ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ تاکہ کوئی شخص غیرت دینی اور شرف آبائی کی حمیت کے جوش میں اذیت نہ پہنچائے۔ اس لئے دشمنوں کو جرات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ آپ کے اوپر حملہ کریں کیونکہ آپ کے اوپر دست درازی کرنا خاندانی لحاظ سے تمام بنی عبد مناف سے لڑائی مول لینا تھا جو قریش کا شریف اور معزز ترین قبیلہ تھا۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابو طالب کی پشت پناہی کی وجہ سے آپؐ محفوظ ہوگئے تو چند رؤسا ان کے پاس گئے اور کہا آپ اپنے بھتیجے کو منع کیجئے کہ وہ ہمارے بزرگوں اور معبودوں کو برا نہ کہیں۔ ہمارے دین کی مذمت نہ کریں اور نادانوں کو گمراہ نہ بنائیں اور اگر آپ ان کو نہیں روک سکتے تو ان کا ساتھ چھوڑ دیجئے ہم خود انتقام کر لیں گے۔ ابو طالب نے ان لوگوں کو نرمی کے ساتھ سمجھا بجھا کر واپس کیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ بدستور اپنے وعظ میں مصروف ہیں اور اس کہنے کا کوئی اثر نہیں ہوا تو پھر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے روک دو ورنہ ہم سب لوگ تم سے قطع تعلق کر لیں گے۔ قوم سے قطع تعلق ابو طالب کے لئے سخت گراں تھے ادھر وہ بھتیجے کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ آنحضرتؐ کو بلا کر کہا کہ

یہ تمہاری قوم آئی ہے اور مجھ سے ایسا ایسا کہتی ہے لہذا تم مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔ آپ نے گمان کیا کہ ابو طالب میری حمایت سے دست کش ہونا چاہتے ہیں اور اب وہ غالباً مجھ کو چھوڑ دیں گے فرمایا کہ

اے چچا! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور کہیں تم اسلام کو چھوڑ دو تب بھی میں نہیں چھوڑوں گا یا تو یہ دین پھیل کر رہے گا یا اسی کے پیچھے میری جان چلی جائے گی۔ یہ جواب اس جوش کے ساتھ دیا کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور رو پڑے۔ ابو طالب نے یہ کلام سن کر جس میں حق مضمر تھا کہا کہ جاؤ جو کچھ کرتے ہو کرو میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔

مخالفوں کو جب اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی تو پھر وہ عمارہ بن ولید کو لے کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ یہ قریش کا سب سے توانا اور خوبصورت نوجوان ہے۔ ہم سب لوگ خوشی کے ساتھ اس کو تمہارے حوالے کرتے ہیں کہ اپنا بیٹا بنا کر رکھو اور اپنے کاموں میں اس سے مدد لو۔ لیکن اس کے عوض میں اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دو کہ ہم اس کو مار ڈالیں کیونکہ اس نے ہمارے آبائی دین کی مخالفت کی، جماعت میں تفرقہ ڈالا اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ ابو طالب نے قریش سے کہا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تمہارے بیٹے کو لیکر پالوں اور تم میرے بیٹے کو لے کر قتل کرو۔ ابو طالب نے قریش کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنے تمام قبیلہ کو جمع کر کے آنحضرتؐ کی حفاظت کے لئے آمادہ کیا۔ سب نے خاندانی حمیت کے لحاظ سے اسے قبول کیا صرف ابو لہب علیحدہ رہا۔

اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب جس کو قرآن نے "حمالۃ الحطب" کا خطاب دیا ہے۔ آنحضرتؐ کی سخت ترین دشمن تھی اور عورتوں کے مجمع میں جھوٹی جھوٹی تہمتیں تراش کر آنحضرتؐ کی طرف سے نفرت پیدا کرتی تھی۔ جب حج کا موسم آیا تو کفار قریش اس خیال سے کہ آپ کے مواعظ کا لوگوں پر اثر نہ ہو جائے راستوں میں جا جا کر بیٹھے اور ہر شخص کو ڈرایا کہ مکہ مکرمہ میں فلاں شخص بڑا جادوگر ہے اس کے پاس نہ پھٹکنا۔ حج کر کے جب لوگ اپنے اپنے قبائل میں واپس آگئے تو تمام عرب میں آنحضرتؐ کا چرچا پھیل گیا۔ ابو طالب نے اس خیال سے کہ قبائل عرب آبائی دین کی حمیت سے کہیں میرے خاندان پر حملہ نہ کریں اپنا وہ قصیدہ لکھا جو بہت مشہور ہے اس میں حرم کی عزت اور اپنے خاندان کی شرافت کا خاص طور پر ذکر کیا۔ پھر آنحضرتؐ کی دیانت اور راست بازی وغیرہ کی مدح کی اور یہ بھی ظاہر کیا کہ ہم ان پر ایمان لائے نہیں لیکن اس کے باوجود جب تک دم میں دم ہے ان کی محافظت کریں گے۔

کافروں نے آنحضرتؐ کو ہر قسم کی اذیت پہنچانی شروع کی۔ حرم میں عبادت سے روکتے تھے کاہن، مجنوں، شاعر اور جادوگر کہتے تھے جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو ان کے قبیلے والے ستاتے تھے اور ان غلاموں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے۔ ان کے آقا ایسی ایسی دردناک سزائیں دیتے تھے جن کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ہجرت حبشہ

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اس تکلیف اور سختی میں دیکھ کر حکم دیا کہ تم لوگ ملک حبشہ میں چلے جاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کر دے گا چنانچہ اس وقت دس مرد اور چار عورتوں کا قافلہ حبشہ گیا پھر جو لوگ اسلام لاتے تھے وہ کفار مکہ کے ڈر سے وہیں چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حبشہ میں ان کی تعداد ایک سو ہو گئی۔ ۸۳ مرد تھے اور ۱۷ عورتیں تھیں۔ چھوٹے بچے ان کے علاوہ تھے یہ لوگ قریش کے مختلف قبائل کے تھے حبشہ کا بادشاہ نجاشی ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور یہ لوگ وہاں امن اور آرام سے رہنے لگے۔

قریش نے جب دیکھا کہ آپؐ کو حبشہ میں جائے پناہ مل گئی ہے تو انہوں نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص کو ہدیئے اور تحفے دے کر نجاشی کی خدمت میں بھیجا کہ اس سے درخواست کریں کہ یہ ہماری قوم کے نادان لوگ ہیں انہوں نے قدیم دین کو چھوڑ کر

نیا دین اختیار کر لیا ہے لہذا ان کو یہاں پناہ نہ دی جائے بلکہ عرب کو واپس کر دیئے جائیں کہ وہاں راہ راست پر آجائیں گے ورنہ یہاں کے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان سفیروں نے حبشہ پہنچ کر نجاشی کی خدمت میں تحفے اور ہدیئے پیش کئے اس کے بعد قریش کا پیغام سنایا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے کیفیت پوچھی ۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے اسلام سے قبل عربوں کی جو حالت تھی وہ بیان کی اس کے بعد آنحضرتؐ کی کیفیت سنائی کہ انہوں نے ہم کو بت پرستی سے روکا۔ اللہ کے سامنے ہمارا سر جھکایا۔ پسندیدہ اخلاق کی طرف رہنمائی کی ۔ ہماری قوم نے دشمنی کی وجہ سے ہم کو ستانا شروع کیا۔ مجبوراً ہم اپنا وطن چھوڑ کر اس ملک میں چلے آئے کہ یہاں ان کے ساتھ رہیں گے۔ نجاشی نے کہا کہ جو کلام الہی تمہارے نبی پر نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ مجھ کو بھی سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا وہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام دونوں ایک ہی چراغ کے نور ہیں۔ پھر ان سفیروں سے کہا کہ ایسے لوگوں کو جنہوں نے میرے ملک میں آکر میرے سایہ میں پناہ لی ہیں میں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس ناکامی کے بعد عمرو بن عاص نے عبداللہ بن ربیعہ سے کہا کہ اب میں ایسی تدبیر کروں گا کہ نجاشی ان کا دشمن ہو کر ان کو تباہ کر دے ۔ عبداللہ نے کہا کہ تم ایسا نہ کرو کیونکہ یہ لوگ آخر ہمارے بھائی بند ہیں لیکن انہوں نے نہیں مانا اور دوسرے دن دربار میں جا کر کہا کہ یہ مسلمان حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے بلکہ بندہ کہتے ہیں۔ نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہے کہ " حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمتہ اللہ اور روح اللہ ہیں" یہ سن کر نجاشی نے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا اس میں اور حضرت عیسیٰ کی حقیقت میں ایک تنکے کے برابر بھی فرق نہیں ہے۔ اس قول سے گو عیسائی رہبان جو وہاں بیٹھے تھے برہم ہوئے لیکن نجاشی نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور مہاجرین سے کہا کہ تم میرے ملک میں امن سے رہو۔ پھر قریش نے جو ہدیئے بھیجے تھے واپس دے کر سفیروں کو رخصت کیا۔ ان مہاجرین میں سے بعض لوگ مدینہ منورہ کی ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں واپس آگئے تھے لیکن بیشتر وہیں رہے اور پھر وہاں سے مدینہ آئے۔ اس درمیان میں قریش کے دو نہایت عظیم الشان شخص اسلام لائے ایک تو حضرت حمزہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور نامور شجاع تھے دوسرے حضرت عمرؓ جو مسلمان ہونے سے قبل اسلام کے بڑے مخالفین میں سے تھے ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔

قطع تعلق

قریش جب ہر قسم کی کوشش کر کے تھک گئے اور اسلام کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی تو انہوں نے باہم مل کر معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد نہ کریں اس وقت تک ان سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہ رکھے نہ ان کے ساتھ رشتہ کرے نہ ان سے ملے نہ خرید و فروخت جائز رکھے۔ یہ عہد نامہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ سوائے ابو لہب کے جو قریش کے ساتھ مل گیا تھا باقی تمام بنی ہاشم اور مسلمان مجبور ہو کر پہاڑ کے ایک درہ میں جس کا نام شعب ابو طالب ہے چلے گئے اور دو برس سے زیادہ اس مصیبت اور تنگی کو برداشت کرتے رہے۔ کھانے کو جب کچھ نہیں ملتا تھا تو درختوں کی پتیاں کھا کر بسر کر لیتے تھے آنحضرتؐ باوجود ان تکلیفوں کے رات دن تبلیغ اسلام میں مصروف رہتے تھے۔ آخر ہشام بن عمرو۔ زہیر بن ابو امیہ وغیرہ رؤسا قریش کو بنی ہاشم کے حال زار پر ترس آیا۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر باوجود ابو جہل کی مخالفت کے اس عہد نامہ کو چاک کر ڈالا اس کے بعد بنی ہاشم پھر مکہ مکرمہ میں آکر رہنے لگے۔

وفات ابو طالب و خدیجہؓ

اس درمیان میں قریش اور غیر قریش کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے جب نبوت کا دسواں سال شروع ہوا تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب جو ان کی حمایت میں شروع سے آخر تک سینہ سپر رہے انتقال کر گئے ان کے بعد ہی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ عنہا نے بھی جو آپ کی بچی مشیر اور مددگار تھیں وفات پائی ۔ یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال قبل شوال کے مہینے میں چند ہی روز کے فاصلے سے واقع ہوئے۔ اب دشمنوں کو دست درازی کا موقع ملا اور آنحضرتؐ کو ستانے لگے یہاں تک کہ ایک شخص نے آپ کے سر پر خاک اٹھا کر ڈال دی۔

سفر طائف

آنحضرت صلعم کو اہل مکہ کے اسلام لانے سے مایوسی ہوئی۔ اس لئے اس تلاش میں نکل پڑے کہ کوئی ایسا قبیلہ ملے جو اسلام کی حمایت کے لئے کمر بستہ ہو جائے تو میں اس کے ساتھ مل کر تبلیغ رسالت کے فرائض ادا کروں۔ اسی امید پر زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر طائف کی طرف گئے ۔ وہاں ثقیف کے قبائل آباد تھے ان کے رؤساعبد یالیل مسعود اور حبیب کے سامنے اسلام کو پیش کیا لیکن ان لوگوں نے مطلق توجہ نہ کی بلکہ اپنے غلاموں اور بازار کے اوباشوں کو ابھار دیا جنہوں نے پتھر برسانے شروع کئے یہاں تک کہ سرور عالمؐ مع زید کے زخمی ہو کر ایک باغ میں انگور کے تختے میں پناہ گیر ہوئے۔ وہاں سے ناکامیاب مکہ مکرمہ میں واپس آئے، خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ نماز پڑھی اور گھر تشریف لے گئے۔

حج کے موسم میں جو قبائل آتے تھے ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کرتے تھے اور ان کو کلام سناتے تھے ابو لہب بھی ساتھ رہتا تھا وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ یہ شخص " بے دین " ہے ۔اس کی بات کا خیال نہ کرنا اس وجہ سے لوگ اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ بعض قبیلے مثلاً بنی عامر اور بنی ضبیعہ سخت کلامی سے پیش آئے۔

اہل یثرب

اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے دونوں قبائل اوس اور خزرج میں سخت عداوت تھی ۔ خزرج کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لئے اوس نے چاہا کہ ہم قریش سے مدد لیں اور خزرج کے مقابلہ کے لئے ان کو اپنا حلیف بنائیں۔ اس غرض کے لئے ان کی طرف سے ابو الحرانس بن رافع اور ایاس بن معاذ مکہ مکرمہ میں آئے۔ آنحضرتؐ صلعم ان کے پاس گئے قرآن مجید کی آیتیں سنائیں اور اسلام کی دعوت دی ایاس نے کہا کہ واللہ جس کام کے لئے ہم آئے ہیں اس سے یہ بہتر ہے لیکن ابو الحرانس نے ایاس کے منہ پر سنگریزے پھینک کر کہا کہ اس کو چھوڑ دو ۔ ہم کسی اور مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں ایاس خاموش ہو گئے اور آنحضرتؐ اٹھ کر چلے گئے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس ہوئے تو وہاں اوس اور خزرج میں ایک سخت جنگ ہوئی جس کا نام بعاث ہے اس میں خلاف امید اوس کو فتح حاصل ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد حج کے موسم میں خزرج کی ایک جماعت مکہ مکرمہ میں آئی۔ آنحضرتؐ نے حسب عادت ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ ان لوگوں نے آپ کا ذکر مدینے میں سنا تھا۔ نیز وہاں کے یہودیوں کی زبان سے ان کے کانوں میں یہ بات بھی پڑ چکی تھی کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جن کی بدولت یہود کو پھر غلبہ حاصل ہو جائے گا اس وجہ سے انہوں نے آپؐ کے کلام کی طرف توجہ کی اور اس سے متاثر ہو کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور کہنے لگے کہ یقیناً یہ وہی نبی ہیں جن کی بابت علمائے یہود پیشینگوئی کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے سبقت لے جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ مسلمان ہو گئے ان کی تعداد چھ تھی۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ہماری قوم میں باہم عداوت اور لڑائی رہتی ہے ہم جا کر ان کے سامنے اس دین کو پیش کریں گے کیا عجب ہے کہ اس کی بدولت آپس میں اتحاد ہو جائے۔

بیعت عقبہ اولیٰ

ان لوگوں نے واپس آکر مدینہ منورہ میں تبلیغ اسلام شروع کی وہاں گھر گھر آنحضرتؐ کا چرچا پھیل گیا۔ دوسرے سال حج کے

موقع پر مدینہ منورہ کے بارہ آدمی پہنچے اور بیعت کی ۔ آنحضرتؐ نے مصعب بن عمیر کو جو بنی عبدالدار اور سابقین اولین میں سے تھے ان لوگوں کے ہمراہ کر دیا کہ قرآن پڑھائیں اور مدینہ میں اسلام پھیلائیں۔ ان لوگوں کے اسلام اور حضرت مصعب کی تعلیم کا اہل مدینہ پر ایسا اثر پڑا کہ وہاں کے شرفاء اس دین کو قبول کرنے لگے اور ان کے سردار اسید بن حضیر نیز حضرت سعد بن معاذ مسلمان ہوگئے ۔ یہ دیکھ کر ان کے قبائل کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ حضرت اسد بن زرارہ جن کے یہاں حضرت مصعب ٹھہرے ہوئے تھے ۔ اسلام کی اشاعت میں نہایت سرگرم تھے ۔ ان کی کوشش سے اوس کے گھر گھر میں لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے تھے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

نبوت کے تیرھویں سال مدینہ منورہ سے بہت سے لوگ حج کے لئے آئے ۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل تھے حج کے بعد مسلمان اپنے ساتھیوں سے چھپ کر رات کو مقام عقبہ میں جہاں پہلی بیعت ہوئی تھی پہنچے وہاں آنحضرتؐ سے ملنے کا وعدہ تھا۔ تھوڑی دیر میں آپؐ بھی مع اپنے چچا حضرت عباس کے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تشریف لائے۔

مدینہ منورہ کے مسلمانوں کی تعداد کل ۷۵ تھی جن میں ام عمارہ اور ام منیع دو عورتیں بھی شامل تھیں۔

حضرت عباس نے کہا کہ

" اے گروہ خزرج ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں عزت اور امن کے ساتھ ہیں۔ ہم دشمنوں سے ان کے نگہبان ہیں لیکن وہ اب ہم کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ جانا چاہتے ہیں تم لوگ اپنی پوری وفاداری کے ساتھ ان کی رفاقت اور حمایت کر سکو تو لے جاؤ ورنہ ابھی سے باز رہو کیونکہ یہاں وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔

یہ سن کر خزرج کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ! آپ اللہ کے اور اپنے حقوق بیان فرمائیں کہ ہم ان کے پورا کرنے کا عہد کریں۔ آپ نے قرآن کی چند آیتیں سنائیں اور پھر ارشاد کیا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ مدینہ میں اگر کوئی مجھ پر حملہ کرے تو تم اس سے میری مدافعت کرو۔ خزرج کے سردار براء نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ ہاں ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں ہم جنگ آور وفادار ہیں۔ ہمیشہ سے ہم نے لڑائیوں میں پرورش پائی ہے اور باپ دادا سے ہمارا یہی شیوہ چلا آتا ہے۔ دوسرے سردار ابو الہیثم نے کہا کہ یا رسول اللہ لوگوں کے ساتھ ہمارے معاہدے ہیں وہ اس بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے ایسا تو نہ ہو کہ آپ کو جب غلبہ اور تسلط حاصل ہو جائے تو پھر آپ اپنی قوم میں چلے آئیں اور ہم کو چھوڑ دیں یہ سن کر آنحضرتؐ مسکرائے اور فرمایا کہ نہیں میں تمہارا اور تم میرے ۔ میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بیعت کی ۔ اسد بن زارہ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ سمجھتے بھی ہو کہ کس بات پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ تمام دنیا کے ساتھ لڑائی کا معاہدہ ہے ۔ انصار نے کہا کہ بیشک ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے بنی اسرائیل کے نقیبوں کی طرح ان لوگوں میں سے بھی بارہ نقیب منتخب کئے ۔ نو قبائل خزرج کے اور تین قبائل اوس کے ۔ تاکہ یہ لوگ اپنے اپنے قبیلہ کی طرف سے ذمہ دار ہوں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) اسد بن زرارہؓ	بنی نجار	(خزرج)
(۲) سعد بن ربیعؓ	بنی مالک	ایضاً
(۳) عبداللہ بن رواحہؓ	بنی عمر	ایضاً
(۴) رافع بن مالکؓ	بنی زریق	ایضاً
(۵) براء بن معرورؓ	بنی مسلمہ	ایضاً

(۶) عبداللہ بن عمروؓ	بنی مسلمہ	ایضاً
(۷) عبادہ بن صامتؓ	بنی غنم	ایضاً
(۸) سعد بن عبادہؓ	بنی ساعدہ	ایضاً
(۹) منذر بن عمروؓ	ایضاً	ایضاً
(۱۰) سید بن خضیرؓ	بنی عبدالاشہل	(اوس)
(۱۱) ابو الہیثم	(ایضاً)	ایضاً
(۱۲) سعد بن خیثمہؓ	بنی کعب	ایضاً

بیعت اور عہد کے مکمل ہونے کے بعد یہ لوگ اپنی فرودگاہ میں جاکر سو رہے۔ صبح کو قریش میں کچھ اس کا چرچا پھیلا وہ لوگ اہل مدینہ کے پاس گئے اور کہا کہ تم ہم سے لڑنے کے لئے محمد (صلعم) کو مکہ مکرمہ سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو۔ مدینہ منورہ کے مشرکین جو اس واقعہ سے بے خبر تھے قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ عبداللہ بن ابی نے جو مدینہ کا سردار تھا اور اسلام نہیں لایا تھا کہ بھلا ایسا ہوتا تو ہم کو خبر نہ ہوتی کئی روز کے بعد قریش کو یقینی علم ہوا لیکن اہل مدینہ جا چکے تھے۔

اس بیعت کے بعد جو لوگ اسلام لاتے تھے آنحضرتؐ ان کو مدینہ منورہ بھیج دیتے تھے کیونکہ وہاں ان کے حامی اور مددگار بھائی مسلمانوں کی ایک جماعت موجود تھی اب بجز ان لوگوں کے جن کو مکہ مکرمہ کے کفار زبردستی سے روک لیتے تھے تمام مسلمان وہیں پہنچ گئے۔

مشورہ قتل

جب کفار مکہ نے دیکھا کہ مدینہ منورہ کے لوگ آنحضرتؐ کے پیرو ہو گئے مسلمانوں کا اجتماع وہاں ہو رہا ہے۔ اور ان کی طاقت دن بدن بڑھ رہی ہے تو ان کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مکہ سے نکل کر ان سے جا ملیں اور اپنی طاقت بڑھا کر ہم سے جنگ کریں اس لئے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ کیونکر اس کا انسداد کیا جائے۔

کسی نے کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لوہے کی بیڑیاں پہنا کر ایک محفوظ مکان میں بند کر دیں تاکہ وہ کہیں نہ جا سکیں ایک سن رسیدہ شخص بولا کہ یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ جب اس کی خبر ان کے ساتھیوں کو ہو گی تو وہ دروازہ توڑ کر نکال لے جائیں گے۔ اور پھر ان کے اثر سے ایک بڑی جمعیت فراہم کر کے تم سے انتقام لے لیں گے۔ دوسرے نے کہا کہ ہم ان کو مکہ مکرمہ سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں پھر وہ ہمارا کیا کریں گے اسی بڈھے نے کہا کہ اس صورت میں بھی وہی قباحت ہے تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی شیریں بیانی اور خوش بیانی کا کیا عالم ہے کہ لوگوں کے دل مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی قبیلہ ایسا نہ ہو گا کہ ایسے کلام کو سنے اور ماننے کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ پھر تم مدافعت کی طاقت کہاں سے لاؤ گے؟ ابو جہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک ممتاز جوان چن کر ان کے ہاتھوں میں تلواریں دیں وہ سب کے سب جا کر ایک ساتھ ان کے اوپر وار کریں۔ اسی صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا۔ پھر بنی عبد مناف کو یہ جرات نہ ہو سکے گی کہ وہ سارے قبیلوں سے لڑائی کریں۔ اسی رائے پر اتفاق ہوا۔ مکہ مکرمہ کے تمام قبائل سے ایک ایک جوان منتخب کیا گیا اور ایک رات متعین کر کے ان سے کہہ دیا گیا کہ اس میں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر کے پاس جمع رہیں۔ جس وقت وہ صبح کو باہر نکلیں تو سب مل کر ایک ساتھ ان پر ٹوٹ پڑیں اور قتل کر ڈالیں۔

آنحضرت صلعم کو دشمنوں کے ان تمام مشوروں کا علم ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکہ مکرمہ چھوڑ دینے کا حکم ملا۔ آپؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مکان پر گئے ان سے اس کا تذکرہ کیا انہوں نے رفاقت کی درخواست کی جس کو آپؐ نے قبول فرمایا اس کے بعد دو سواریاں مہیا کیں اور ایک راہبر تلاش کیا کہ قریب ترین راستہ سے مدینہ پہنچا دے اور طے پایا کہ جس رات کو قریش نے قتل کے لئے معین کیا ہے اسی رات کو مکہ سے نکلیں۔

جب وہ رات آئی تو اس خیال سے کہ مشرکین کو یہ شبہ نہ ہو کہ آپؐ گھر میں نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ اپنی چادر اڑھا دی اور ان سے کہا کہ تم یہاں رہ کر ان امانتوں کو جو لوگوں نے میرے پاس رکھی ہیں ادا کر دینا اور اس کے بعد مدینہ کو چلے آنا۔ رات کو حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر مع ان کے جبل ثور کے ایک غار میں جو مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جا کر چھپ رہے۔

جوانان قریش ادھر رات بھر مکان کے اردگرد گھومتے رہے اور منتظر تھے کہ جب نکلیں گے تو وار کریں گے لیکن صبح ہونے پر ان کو معلوم ہوا کہ وہاں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں فوراً آکر قریش کو خبر دی انہوں نے ہر طرف آنحضرتؐ کی تلاش میں سوار اور پیدل دوڑائے اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص ان کو مردہ یا زندہ کسی حالت میں لائے اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے یہ لوگ چاروں طرف دوڑ کر تھک گئے اور نامراد واپس آئے۔

آنحضرتؐ مع ابو بکرؓ کے تین دن تک اس غار میں رہے۔ عبداللہ بن ابو بکرؓ اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن دن بھر مکہ مکرمہ میں کفار کے ارادوں اور مشوروں کا پتہ لگاتے تھے اور شام کو غار میں آکر سنا دیتے تھے حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ رات کو کھانا تیار کر کے وہاں لے جایا کرتی تھیں اور حضرت ابو بکرؓ کا چرواہا عامر بن فہیرہ سویرے اپنی بکریاں لے کر پہنچتا تھا اور دودھ پلاتا تھا اس کے ریوڑ سے عبداللہ اور اسماء کے نقش قدم بھی مٹ جاتے تھے۔ تین دن کے بعد عبداللہ بن اریقط راہبر دو ناقہ لئے ہوئے رات کو وہاں پہنچا ان کے اوپر سوار ہو کر مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے چرواہے کو بھی اپنے پیچھے اونٹنی پر بٹھا لیا کہ راستہ میں آنحضرتؐ کی خدمت کرے گا۔ قریش کے خطرے سے عام راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی۔ یوم دو شنبہ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۰ دسمبر ۶۲۲ء کو جب آپ کی عمر ۵۳ سال کی تھی قباء میں جو مدینہ کے متصل ہے پہنچے اور بنی عمر بن عوف کے مہمان ہوئے۔

تعلیمات مکیہ

ابتدائے رسالت سے قباء کے پہنچنے تک کا کل زمانہ بارہ برس پانچ مہینے اکیس دن ہے۔ یہ سب آنحضرتؐ کے قیام مکہ مکرمہ کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس اثناء میں ۹۳ سورتیں نازل ہوئیں جو قریب دو ثلث قرآن کے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں چونکہ قرآن کے مخاطب سخت ترین کفار تھے اس لئے وہاں جزی احکام نہیں نازل ہوئے بلکہ وہ کلی امور بیان کئے گئے ہیں جو زیادہ تر تزکیہ قلب رجوع الی اللہ اور عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تمام عالم کی مصلحت کے لحاظ سے ہر عہد اور ہر دین میں یکساں مسلم رہے ہیں۔ سورہ شوریٰ کی یہ آیت مکی شریعت کی اصل روح ہے۔

شرع لکم من الدین ماوصی به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم و موسی و عیسی ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیه ط

(ترجمہ) اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور تجھ کو بھی ہم نے اسی کی وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ کو بھی حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

اس طرح سورہ انعام میں انبیاء سابقین کے نام لے کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اولئک الذین هدا هم الله فبهداهم اقتده

(ترجمہ) یہی (اگلے پیغمبر) وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے راہ دکھائی تو بھی انہیں کی ہدایت کی پیروی کر۔

یہی سبب ہے کہ سورہ حج میں دین اسلام کو ابراہیمی فرمایا کیونکہ حضرت ابراہیم ابو الانبیاء تھے۔

ملة ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل وفی هذا

(ترجمہ) تمہارے لئے اللہ نے وہی دین تجویز کیا جو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا تھا اسی اللہ نے اگلی کتابوں میں پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس میں بھی۔

آیات مکیہ کی اہم تعلیمات یہ ہیں۔

توحید

قرآن مجید نے بتایا کہ بنی نوع انسان کا فطری دین یہ ہے کہ وہ اکیلے اللہ کو اپنا رب مان کر اسی کے آگے سر جھکائے اور یہی دین اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔

فاقم وجهک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

(ترجمہ) تو ایک طرف کا ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف کر لے یہ اس فطرت کے مطابق ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

اسی بات کو دوسری آیت میں اس طرح کھایا ہے۔

واذا اخذ ربک من بنی ادم من ظہور ہم ذریتھم و اشھد ھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلی شھدنا

(ترجمہ) (روز ازل) جب تیرے رب نے بنی آدمؑ کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور خود انہیں کو ان کے اوپر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے کہا کہ ہاں ہم گواہ ہیں۔

الغرض رب کی توحید کا اقرار یہی فطرتی دین ہے جو بنی نوع انسان کے لئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور یہی اصل اسلام ہے جتنے نبی اور رسول دنیا میں آئے سب کی یہی تعلیم تھی کہ اکیلے اللہ کو مانو۔ اسی کی رضا طلب کرو۔ وہی پیدا کرنے والا، جلانے والا اور مارنے والا ہے اور وہ ہی تمہارے اعمال کی جزا اور سزا دے گا لیکن جہالت اور کم عقلی کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر اس کی قدرت کے مظاہر مثلاً سورج، چاند، سمندر اور پہاڑ وغیرہ کو دیوتا سمجھ کر پوجنا شروع کیا۔ بعضوں نے فرشتوں یا رسولوں کو اس کی اولاد قرار دیا اور ان کی عبادت کرنے لگے اور بعضوں نے ان کی ذات کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے بڑے بڑے اولیاء اور انبیاء کو جن سے غیر معمولی باتوں کا ظہور ہوا تھا اپنا مرجع بنایا کہ ان کے توسط سے اللہ تک رسائی حاصل کریں ان میں سے کسی نے ان بزرگوں کے بت تراش کر ان کی پرستش شروع کی کسی نے ان کی قبروں پر نذر و نیاز چڑھا کر ان کی خوشنودی کو رضائے الٰہی کا ذریعہ قرار دیا اور اپنے خالق کے درمیان ان کو واسطہ بنایا۔ اس طرح پر شرک دنیا کی قوموں میں پھیل گیا۔

سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدہ کا بیان کیا ہے۔

ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھولاء شفعاء نا عنداللہ ط

(ترجمہ) یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور قائل ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔

اس کی تردید میں سورہ فاطر میں فرمایا ہے۔

والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ط ان تدعوھم لا یسمعوا دعائکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیمۃ یکفرون بشرککم۔

(ترجمہ) اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور جو سنتے بھی تو جواب نہ دیتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ پھر اپنی صفت بیان کرتا ہے۔

الحمداللہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل ط

(ترجمہ) ساری حمد اللہ کے لئے ہے جس کی نہ اولاد ہے نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے نہ وہ کمزور ہے کہ اس کا کوئی مددگار ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا

انما الھکم الہ واحد

تمہارا اللہ تو بس ایک ہی اللہ ہے

یہ تو معلوم ہے کہ اہل عرب بالعموم شرک اور بت پرست تھے اور باطل معبودوں کی تعظیم و عبادت میں ان کو بڑا انہماک تھا۔ قرآن مجید نے ان کے سامنے توحید پیش کر کے تصریحاً اشارتاً اور کنایتاً متعدد اور مختلف اسلوب سے اس کی نہایت پختہ اور مضبوط دلیلیں بیان کیں اور شرک کی برائیاں اور خرابیاں دکھائیں۔ گذشتہ قوموں کے واقعات پیش کئے اور دکھایا کہ شرک کے کیا کیا برے نتیجے انہوں نے اٹھائے اور توحید کی بدولت کیسی کیسی آسمانی رحمتیں ان پر نازل ہوئیں اور دنیاوی برکتیں ملیں۔

ان مضامین کو بار بار اس کثرت سے دہرایا کہ معمولی سے معمولی عقل کو بھی ان میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے کیونکہ

جب کوئی مضمون متعدد طریقوں اور مختلف عبارتوں میں دہرایا جاتا ہے تو طبائع اور نفوس بشریہ پر اس کا اثر اور نقش گہرا اور پختہ ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ کا ذکر قرآن میں ہے مشکل سے کوئی مکی سورۃ ایسی ملے گی جو اس سے خالی ہو۔ کیونکہ بنی اسرائیل بھی جاہل عربوں کی طرح بت پرستی اور شرک کے شیدائی تھے اور فرعون جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا توحید الٰہی کا سخت ترین دشمن تھا اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ نے آسمانی تعلیم پیش کی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے صفات کو روشن دلیلوں سے ثابت کیا اور معجزوں اور نشانیوں سے اپنے رسول برحق ہونے کا ثبوت دیا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ بنی اسرائیل کو توحید کی بدولت غلامی اور سختی سے رہائی بخشی اور فرعون اور اس کے لشکر کو حق کی دشمنی کی وجہ سے سمندر میں غرق کر دیا۔

یہ مثال چونکہ آنحضرت صلعم اور ان کی قوم کے حسب حال تھی۔ اس لئے اس کو قرآن نے بار بار الگ الگ نوعیتوں سے سمجھایا۔ اسی طرح خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ جن کو عرب نہ صرف اپنا باپ بلکہ دین کا پیغمبر اعظم تسلیم کرتے تھے کئی طرح سے دہرایا۔ ان کی توحید خالص، بتوں سے نفرت، بت شکنی اور بت پرستوں سے علیحدگی یہاں تک کہ باپ اور خاندان سے بوجہ ان کے مشرک ہونے کے قطع تعلق کر لینے کا حال تفریح کے ساتھ بیان کیا۔ نیز دیگر انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کی مثالیں دے دے کر توحید کا نفع اور باطل پرستی کا نقصان ذہن نشین کیا۔ بتوں کے اوپر جو ذبیحے چڑھائے جاتے تھے ان کو روکا اور جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کر دیا۔ یہاں تک کہ شریعت نے ہر ایک کام میں خواہ وہ چھوٹا سے چھوٹا کیوں ہو بسم اللہ کہنے کا حکم دیا کہ باطل معبودوں کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے اور شرک قطعاً مٹ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ صورت گری اور بت تراشی کا بھی دروازہ بند کر دیا کیونکہ شرک دنیا میں سب سے زیادہ خطرناک گناہ ہے اور اس کی طرف طبائع انسانی کا رجحان بہت جلد ہوتا ہے اس لئے اس کے تمام ذرائع کا انسداد لازمی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ حدیبیہ میں جس درخت کے نیچے آنحضرتؐ نے بیعت رضوان لی تھی۔ اس کی لوگ تعظیم کرنے لگے تو فوراً اس کو کٹوا کر اس کا جڑ کا نشان تک مٹا دیا۔

نبوت

قرآن مجید نے اس مسئلے کو مدلل اور مصرح بیان کیا کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نبی آتے رہے ہیں ان میں سے کسی پر آسمانی کتابیں بھی نازل کی گئیں۔ گذشتہ انبیاء کے حالات سنائے۔ صحف ابراہیم، توریت و انجیل و زبور کی مثالیں دیں اور یہ بتلایا کہ فرشتے انسانوں کی رہنمائی کے لئے مامور نہیں کئے جاتے بلکہ آدمیوں ہی میں سے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے منتخب کر کے پیغمبر مقرر کرتا ہے اور فرشتہ کے ذریعہ سے اس پر وحی بھیجتا ہے۔ ہر نبی کے قصہ میں یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ہدایت خلق سے ان کا کوئی دنیاوی مطلب نہیں تھا اور نہ وہ کسی اجر کے طالب تھے بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اس کے حکم کے مطابق اس فرض کو ادا کرتے تھے۔

انبیاء کی شناخت کے لئے ان کی حق پرستی اور حق جوئی کو دلیل ٹھہرایا اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف معجزے بھی دیتا ہے اور ہمیشہ ان کی مدد کر کے دشمنوں پر ان کو غلبہ عطا کرتا ہے۔ خود آنحضرتؐ کو دیکھو کہ وہ اور ان کے پیرو زبردست کافروں سے مغلوب اور خستہ حالت تھے اور ان کے ہاتھوں سے ہر قسم کی سختیاں اٹھاتے تھے لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کامیابی کا یقین دلایا گیا تھا اور قرآن پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

ولتعلمن نباہ بعد حین ط

عنقریب اس کا انجام تم کو معلوم ہو جائے گا

دوسری آیت ہے۔

فقد کذبوا فسیاتیھم انباء ما کانوا بہ یستھزءون ط

انہوں نے جھٹلایا تو ہے مگر عنقریب اس عذاب کی حقیقت ان کو معلوم ہو جائے گی جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

پھر فرمایا۔

سیھزم الجمع ویولون الدبر ط

عنقریب یہ گروہ شکست کھا جائے گا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں پیٹھ پھر کر بھاگے گا۔

آخر قرآن کا ایک ایک لفظ پورا ہو کر رہا۔

روز جزا

قرآن نے یوم الحساب کے عقیدہ کا بار بار تصریح کے ساتھ ذکر کیا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس دن ہر شخص کا حساب لے گا۔ دنیا میں جو کام جس نے کئے ہیں وہ اس کے آگے آئیں گے نہ ایک ذرہ کے برابر نیکی چھوٹے گی نہ بدی جس کا نیکی کا پلہ بھاری ہو گا وہ جنت میں جائے گا اور جس کا بدی کا پلہ نیچا رہے گا وہ جہنم میں کرے گا۔ گنہگاروں کو مایوسی اور ناامیدی سے نکالنے کے لئے توبہ اور استغفار کا دروازہ کھلا رکھا اور فرمایا۔

قل یعبادی الذین اسرفو علی انفسھم لا تقنطوا من رحمتہ اللہ ط ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ط انہ ھوا الغفور الرحیم

ہمارے بندوں سے کہہ دے جنہوں لے گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اخلاق حسنہ

اللہ تعالیٰ نے ان اخلاق کو جو اس کے نیک بندوں میں ہونے چاہئیں جابجا بیان کیا۔ سورہ اسریٰ میں والدین کی تکریم اور اولاد پر شفقت کرنے کی ہدایت کی اور بہت سی پند و حکمت کی باتیں سکھائیں۔ سورہ فرقان کے آخری رکوع میں اپنے بندگان خاص کے اوصاف مثلاً حلم، وقار اور متانت وغیرہ کا ذکر فرمایا۔ اس موضوع کی تفصیل تاریخ کی حدود سے خارج ہے۔ تاہم اس قدر کہنا ضروری ہے کہ قرآن مجید کو غور سے دیکھا جائے تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب اور سیرت کا بہترین مرقع رہی ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا عمل اسی تعلیم کا نمونہ تھا۔

عبادات

قرآن میں وہ عبادتیں بھی بیان کی گئی ہیں جن کے بجا لانے سے بندہ کا تعلق معبود کے ساتھ قائم ہوتا ہے مثلاً نماز اور صدقہ وغیرہ مکی آیتوں میں نماز کی پابندی اور اس کے ادا کرنے کے احکام نازل ہوئے اور چونکہ یہ عبادت عملی ہے اس لئے کتاب اللہ نے جزئیات کی تصریح نہیں کی بلکہ آنحضرتؐ نے خود اس کے ادا کرنے کا طریقہ بتایا اور اپنے عمل سے اس کی تفصیل بیان کی جو امت میں آج تک نسلاً بعد نسلاً متواتر چلی آتی ہے۔ قرآن نے نماز کو تزکیہ نفس کا ذریعہ قرار دیا۔

ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ط

نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے اور جو لوگ اس میں کوتاہی کریں ان کو عذاب کا مستحق بتایا۔

فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون ط

ان نمازیوں کی بڑی تباہی ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں نماز کا حکم کب سے ہوا؟ اس میں اختلاف ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ شب معراج میں جب آنحضرتؐ ملاء اعلیٰ میں تشریف لے گئے تھے پنج وقت نماز فرض ہوئی۔ اس لیے اس موقع پر ہم معراج کا مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

معراج

اس لفظ کے معنی ہیں زینہ یا سیڑھی کے۔ لیکن عرف میں اس سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا عروج ملاء اعلیٰ پر مراد لیا جاتا ہے قرآن مجید کی سورہ اسریٰ کی پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجدا الحرام الی المسجد الاقصی الذی برکنا حولہ لنریہ من ایتنا ط

(ترجمہ) وہ اللہ (عیب سے) پاک ہے جو راتوں رات اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اپنی قدرت کی چند نشانیاں اس کو دکھائیں۔

یہ سورۃ مکی ہے اور مورخین بھی متفق ہیں کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں ہوا۔ ٹھیک وقت منضبط نہیں بعض لوگ اس کو ۱۰ نبوی کا واقعہ بتاتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس رات کی صبح کو اپنی قوم سے اس کی کیفیت بیان کی وہ لوگ بہت متعجب ہوئے بعضوں نے مذاق اڑانا شروع کیا لیکن مسلمان ایمان لائے سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے اس کی تصدیق کی اور اسی دن صدیق کا لقب پایا۔ مشرکین نے تکذیب کی اور بعض مذبذب عقیدہ کے مسلمان فتنہ میں پڑ کر مرتد ہوگئے۔ علماء نے اس کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے امیر معاویہ نے کہا کہ یہ ایک رویاء صادقہ تھا جس کو آنحضرتؐ نے دیکھا تھا ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اگرچہ زمانہ معراج میں آنحضرتؐ کی زوجیت میں نہیں تھیں لیکن عہد صحابہ میں آپؐ کے حالات سے سب سے زیادہ باخبر تھیں انہوں نے فرمایا کہ معراج روحانی تھی کیونکہ اس رات کو آپ کا جسم اطہر ام ہانی کے گھر میں اپنی جگہ پر تھا۔

ان دونوں قوتوں کا نتیجہ ایک ہی ہے یعنی یہ کہ اس روح اعظم کو رویا میں وطن سے دور مسجد اقصیٰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چند نشانیاں دکھائیں اس خیال کے لوگ اپنی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

وما جعلنا الریا التی ارینک الا فتنۃ للناس

(ترجمہ) جو خواب ہم نے تجھ کو دکھلایا اس کو لوگوں کے ایمان کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا۔

کیونکہ امام حسن بصری جو حدیث معراج کے راوی ہیں وہی خود کہتے ہیں کہ یہ رویا والی آیت اس کے متعلق نازل ہوئی۔ لیکن جمہور اہل اسلام جسمانی معراج کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ خواب میں واقع ہوئی تھی تو پھر مشرکین کی تکذیب اور کمزور مسلمانوں کے ارتداد کی کوئی وجہ نہیں تھی اس لئے کہ خواب میں زمین سے آسمان تک دیکھنا اور سیر کرنا کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے۔ محققین اہل تاریخ زیادہ تر حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہ کی رائے کی طرف مائل ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ انبیاء سے اس قسم کے معجزے اور غیر معمولی واقعہ کے صدور کے بعید از قیاس سمجھتے ہیں بلکہ جسمانی معراج کے ثبوت میں تاریخی شہادت کی کمی پاتے ہیں۔ امیر معاویہ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کا علانیہ یہ کہنا کہ یہ رویاء صادقہ تھا اور صحابہ میں سے کسی کا اس کی مخالفت نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ لوگ بھی اس کو ایسا ہی سمجھتے ہیں ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ اس کی تردید نہ کرتے مزید برآں یہ کہ امام حسن بصری نے رویا والی آیت کو اسی کے متعلق کہا یعنی واقعہ اسراء کو رویا قرار دیا اور ان کے سامنے بھی کوئی انکار کے لئے کھڑا نہ ہوا۔

قرآن مجید سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو مسجد حرم سے لے کر مسجد اقصیٰ تک اپنی قدرت کے عجائبات دکھائے چونکہ یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء کی نیند اور بیداری یکساں ہے لہذا آنکھوں کے معائنہ سے روحانی مشاہدہ کو کم نہیں سمجھنا چاہئے اس لئے رویا قرار دینے پر بھی آیت کے معنی بالکل صحیح رہتے ہیں۔

رہا مشرکوں کا تعجب اور مذاق اڑانا تو وہ دشمن اور بدخواہ لوگ تھے۔ ذرا سی بات سن پاتے تھے تو اس کو بڑھا چڑھا کر عوام کو برگشتہ کرنے کے لئے طرح طرح سے بیان کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کا یہ فرمادینا کہ آج کی رات بیت المقدس میں مجھ کو اللہ کی نشانیاں دکھائی گئیں۔ ان کی شورش اور گرمی ہنگامہ کے لئے بہت تھا ان کا ردیہ تو خود قرآن میں ایک جگہ بیان کیا گیا ہے۔

وقال الذین کفروا الا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون ط

(ترجمہ) یہ کافر باہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو اور سنانے لگیں تو بیچ میں غل مچا دیا کرو۔ اس تدبیر سے تم بازی لے جا سکو گے۔

امام مغازی ابن اسحاق دونوں قسم کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ واللہ اعلم ان میں سے کون سا قول صحیح ہے، بہر صورت جو کچھ دیکھا اور جس طرح پر دیکھا خواہ نیند میں یا بیداری میں وہ سچ ہے اور برحق ہے۔ آمنا و صدقنا۔

قانون اساسی

اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کے لئے قرآن کریم کو قانون اساسی اور دستور العمل قرار دیا۔ فرمایا۔

وھذا کتب انزلنہ مبارک فاتبعوہ

یہ کتاب جو ہم نے اتاری ہے مبارک ہے تم اس پر چلو

سورہ اعراف میں حکم دیا۔

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء ط

تم اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کے پاس سے تمہاری طرف اترا ہے اور اس کے سوا دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

قرآن سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں ان سب میں ان کے ماننے والوں نے تحریف کر ڈالی تھی لیکن چونکہ اسلام آخری اور مکمل دین ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی اور وعدہ فرمایا کہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

(ترجمہ) ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں اور اعلان کر دیا کہ قیامت تک وہ محفوظ رہے گا۔

وانہ لکتب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ

(ترجمہ) اور قرآن بڑی معزز کتاب ہے جھوٹ نہ اس میں آگے سے شامل ہو سکے گا نہ پیچھے سے۔

اس کے الفاظ میں بھی کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے گا۔ سورہ کہف میں ہے

اتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل لکلمتہ ولن تجد من دونہ ملتحدا ط

(ترجمہ) تیرے رب کی جو کتاب تجھ پر وحی سے اتاری گئی ہے اس کو سنا دے کوئی اس کے کلمات کا بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا تجھے ہرگز کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

قیام مدینہ منورہ

آنحضرتؐ قبا میں چار روز ٹھہرے اسی درمیان میں وہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو آج بھی مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ جس قبیلہ پر سے گزر ہوتا تھا وہ درخواست کرتا تھا کہ ہمارے یہاں فرد کش ہوں۔ بعض لوگوں نے ناقہ کی مہار تھام لی لیکن سرور کائنات نے فرمایا کہ چھوڑ دو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم مل چکا ہے جہاں مجھے اترنا ہے وہاں یہ خود بخود ٹھہر جائے گی۔ جب بنی مالک بن نجار کے محلے میں پہنچے تو اس مقام پر جہاں اب مسجد نبوی کا دروازہ ہے اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی لیکن آنحضرتؐ اس کی پشت سے نہیں اترے اس لئے کھڑی ہو گئی ۔ تھوڑی دور آگے جا کر پھر پلٹی اور اسی جگہ جہاں پہلے بیٹھی تھی بیٹھ گئی ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتر پڑے اور فرمایا کہ انشاء اللہ یہی ہماری منزل ہو گی۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے کجاوہ اتارا اور لے جا کر اپنے مکان میں رکھا۔ آپ انہیں کے ہاں مہمان ہوئے۔

مہاجرین میں سے ایک ایک شخص کو لے کر ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ وہ انکے گھروں میں رہنے لگے ۔ انصار نے ان کے ساتھ بالکل حقیقی بھائیوں کی طرح سلوک کیا۔ بعضوں نے اپنے ملکیت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان سے کہا کہ ان میں سے تم کو جو پسند آئے لے لو۔ بعض نے یہاں تک کیا کہ اپنی دو بیویوں میں سے [illegible] تیار ہو گیا کہ جس کو چاہو پسند کر لو میں اس کو طلاق دے دوں۔ جہاں اونٹنی بیٹھی تھی وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی جن کے نام سہل اور سہیل تھے ۔ آنحضرتؐ نے ان کے اولیاء سے قیمتاً خرید کر دہیں مسجد تعمیر کی اور اس کے اردگرد اپنے رہنے کے لئے حجرے بنوائے جب وہ تیار ہو گئے تو ابو ایوب کے مکان سے اٹھ کر انہیں میں آگئے۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ وہاں آس پاس جو یہود موجود تھے ان کے ساتھ عہد نامے کئے جن میں متعدد شرطیں تھیں۔ منجملہ ان کے یہ تھی کہ دشمنوں کے مقابلہ میں ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔ کسی فریق کے دین و جان و مال سے دوسرے فریق کو تعرض نہ ہو گا۔ جانبین میں باہم اگر کوئی نزاع پڑے گی تو اس کا فیصلہ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں رہے گا اور یہود قریش کو یا ان کے حلیفوں کو پناہ نہ دیں گے وغیرہ۔ اس معاہدہ کے بعد آپؐ تبلیغ رسالت کرنے لگے اور اسلام کی ترقی کا دور شروع ہوا۔

ہم آنحضرتؐ کے مدینہ منورہ کے کاموں کو تین جداگانہ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں دشمنوں کا مقابلہ ۔ تعلیم شریعت اور اخلاق نبویؐ اور اسی ترتیب کے ساتھ ان کو لکھتے ہیں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

دشمنوں کا مقابلہ

یعنی

مغازی و سرایا

مدینہ منورہ چلے آنے کے بعد قریش مسلمانوں کے اور بھی سخت دشمن ہو گئے انہوں نے ان کی اس تمام ملکیت کو جس کو یہ مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے تھے قبضہ کر لیا اور اگر کوئی مسلمان حج یا عمرہ کے لئے وہاں جاتا تو اس کو روکتے ۔ نیز مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہوئے۔ مدینہ منورہ کا سب سے بڑا رئیس عبداللہ بن ابی تھا۔ آنحضرتؐ کی ہجرت سے چند ماہ پیشتر ان کو وہاں کے لوگ بادشاہ بنانے والے تھے۔ اور اس کے لئے تاج تیار کرایا گیا تھا۔ قریش نے اس کو لکھا کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے شہر میں کیوں پناہ دی یا تو ان کو وہاں سے نکال دو۔ نہیں تو ہم تم سے لڑیں گے۔ چونکہ مدینہ منورہ کے زیادہ تر لوگ مسلمان ہو چکے تھے اس لئے عبداللہ کو یہ جرات نہ ہو سکی کہ وہ قریش کے حکم کی تعمیل کرتا۔ مگر وہ اس کو برابر اکساتے اور دھمکاتے رہتے تھے۔ نیز اردگرد کے یہود کو بھی مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے میں کمی نہیں کرتے تھے۔ قریش کی ان مخالفتوں پر اور ریشہ دانیوں سے مدینہ کے مسلمان خطرے میں رہتے تھے ۔ آنحضرتؐ خود راتوں کو اکثر جاگتے تھے اور بعض قوی دل مسلمانوں کو پہرہ دینے کے لئے مقرر کرتے تھے کیونکہ یہ خوف رہتا تھا کہ رات کو مدینہ پر کسی طرف سے حملہ نہ ہو جائے۔ قریش کا قافلہ تجارت کے لئے ہر سال ملک شام کو جایا کرتا تھا اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ مدینہ منورہ چونکہ راستے میں تھا اس لئے مسلمانوں نے یہ سوچا کہ ان کی اس تجارت کو روک دیں تاکہ وہ عاجز ہو کر صلح کر لیں۔ اسی بنیاد پر جب قریش کے قافلہ کے آنے جانے کا پتہ لگتا تھا تو کبھی خود آنحضرتؐ مع صحابہ کے ان کو روکنے کے لئے جاتے تھے اور کبھی کوئی دستہ کسی امیر کے ہمراہ بھیج دیتے تھے ۔ نیز قریش کے حالات کے تجسس کے لئے بھی دس دس بیس بیس مسلمانوں کی ٹکڑیاں جایا کرتی تھیں۔

مورخین نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ جس یورش میں آنحضرتؐ خود شریک ہوئے اس کو غزوہ اور باقی کو سریہ کہتے ہیں۔ پہلی بار قریش کے تعاقب میں ۱۲ صفر ۲ھ کو نکلے اور مقام ودان تک تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ سے ساٹھ میل پر ہے مقابلہ نہیں ہوا۔ وہاں قبیلہ بنی ضمرہ سے اس بات کا معاہدہ کر کے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں گے واپس چلے آئے۔

پھر قریش کے ایک قافلہ کا حال سن کر مقام بواط تک جو سمندر کے ساحل پر مکہ مکرمہ اور شام کے راستہ میں واقع ہے گئے ۔ وہاں بھی کوئی جنگ پیش نہیں آئی ۔ اسی درمیان میں کرز بن جابر نے جو مکہ مکرمہ کے ایک قبیلہ کا سردار تھا مدینہ منورہ کے متصل چراگاہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے اونٹ لوٹ کر لے گیا۔ مقام سفوان تک پیچھا کیا گیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔ جمادی الاولیٰ میں مقام عشیرہ تک جو ینبع کے قریب ہے آنحضرتؐ مع اصحابؓ کے تشریف لے گئے جہاں ایک ماہ سے زائد قیام کیا اور بنی مدلج اور ان کے حلفاء سے عہد نامہ کر کے مدینہ واپس آئے۔ رجب کے مہینے میں عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجروں کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا اور ایک بند

خط دے کر فرمایا کہ اس کو دو روز کی مسافت طے کر کے کھولنا۔ حکم کے مطابق جب وہ خط کھولا گیا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان بطن نخلہ میں جا کر قریش کے حالات معلوم کرو اور آکر اطلاع دو۔ ان لوگوں نے بطن نخلہ میں جا کر قیام کیا۔ عمرو بن حضرمی جو قریش کا حلیف تھا مع اپنے تین ساتھیوں کے تجارتی مال کے چند اونٹ لئے ہوئے ادھر سے گزرا۔ مہاجرین سے نہ رہا گیا ایک نے عمرو کو تیر مارا وہ مر گیا اس کا ایک ساتھی بھاگ گیا لیکن دو پکڑ لئے گئے اور مع اونٹوں کے مدینہ منورہ لائے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غنیمت کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو لڑنے کا کب حکم دیا تھا چونکہ یہ واقعہ رجب میں ہوا تھا جس میں لڑائی حرام ہے اس لئے اور بھی آپ برہم ہوئے۔ آخر اس کے بارے میں وحی نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیه ط قل قتال فیه کبیر وصد عن سبیل الله وکفر به والمسجد الحرام اخراج اهله منه اکبر عندالله والفتنته اکبر من القتل ط ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا (۲/۲۱۷)

(ترجمہ) لوگ تم سے ماہ حرام میں لڑائی کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کے راستے سے روکنا اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا وہاں کے باشندوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ خونریزی سے سخت تر ہے۔ یہ کافر برابر تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تسلی دلائی کہ تم سے اگر ایک غلطی ہوئی ہے تو کفار نے تو اس سے بڑھ کر برائیاں کی ہیں اور کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس آیت کے اترنے سے تردد رفع ہو گیا۔ عمرو بن حضرمی کے قتل سے قریش کی آتش عداوت بھڑک اٹھی اور وہ انتقام کے جوش میں بھر گئے۔

غزوہ بدر

قریش کا قافلہ حسب معمول تجارت کے لئے شام کے ملک میں گیا ہوا تھا۔ میر قافلہ ابو سفیان تھے اور تیس چالیس آدمی قریش کے ان کے ہمراہ تھے وہاں سے خرید و فروخت کر کے جب مکہ مکرمہ کو واپس آنے لگے تو مدینہ منورہ کے قریب ان کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے اصحاب کے ساتھ اس قافلہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ سن کر ابو سفیان نے فوراً ایک تیز رو قاصد مکہ مکرمہ کو روانہ کیا کہ قریش کو خبر دے کہ وہ جلد مدد کو پہنچیں ورنہ ان کا تمام مال لٹ جائے گا۔ یہ اطلاع پاتے ہی مکہ مکرمہ سے قریش نہایت جوش خروش کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

ابو سفیان ساحل بحر سے اپنے قافلہ کو نکال لے گئے اور قریش کے لوگوں کو کہلا بھیجا کہ مکہ مکرمہ واپس چلو۔ لیکن ابو جہل نے ازراہ نخوت انکار کیا اور کہا کہ بدر میں جہاں عرب کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے ہم جا کر ٹھہریں گے۔ تین روز تک وہاں دعوتیں کریں گے اور جشن منائیں گے تاکہ تمام عرب میں ہمارے آنے کی شہرت اور ہماری طاقت کا رعب غالب ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۹ رمضان ۲ھ مطابق ۵ مارچ ۶۲۴ء کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ وادی زفران میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ نکل گیا اور اہل مکہ کا عظیم الشان لشکر بدر کی طرف آرہا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا چونکہ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس بے سرو سامانی کے ساتھ قریش کے مقابلہ میں جانا پسند نہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر ہم کو فتح دے گا۔ اب قافلہ تو نکل گیا اس لئے قریش کے لشکر پر ہماری کامیابی یقینی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور مقداد رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم کو جو حکم ہو تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کا روئے سخن دراصل انصار کی طرف تھا۔ کیونکہ انہی کی طاقت اور تعداد زیادہ تھی اور ان سے بیعت جس بات پر لی گئی تھی وہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ پر کوئی چڑھائی کرے گا تو وہ اس سے لڑیں گے یہ عہد نہیں کہ باہر نکل کر دشمنوں پر حملہ آور ہوں گے۔ حضرت سعد بن معاذ رئیس انصار نے کہا کہ یا رسول اللہ! شاید آپؐ کا خطاب ہماری طرف ہے۔ اللہ شاہد ہے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوگئے۔ چونکہ کامیابی کا یقین تھا اس وجہ سے اسی مختصر جماعت کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور اہل مدینہ کو بلانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ وہاں پہنچ کر پہلے چشمہ پر اتر پڑے۔ حباب بن منذرؓ نے آکر پوچھا کہ آیا یہاں اترنے کا حکم الہامی ہے کہ جس میں چون چرا کی گنجائش نہیں۔ یا آپؐ نے خود تدبیر جنگی کے لحاظ سے اس کو منتخب فرمایا ہے۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ یہ خود میری رائے ہے۔ حباب نے کہا تو یہ مقام موزوں نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اور آگے بڑھ کر ہم قریش کی فرودگاہ کے قریب ترین چشموں پر قبضہ کر لیں اور اپنے لئے حوض بھر کر اردگرد کے کنوؤں کو اور چشموں کو پاٹ دیں تاکہ دشمنوں کو پانی مل نہ سکے۔ آپ نے اسے پسند فرمایا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

حضرت سعدؓ کی رائے سے آنحضرتؐ کے لئے ایک سائبان بنایا گیا کہ اس میں قیام فرمائیں۔ ۱۷ رمضان ۲ھ مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۴ء کو سہ شنبہ کے دن صبح کے وقت دونوں فریق میدان میں آگئے۔ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۴ تھی جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی

انصار تھے انصار میں سے ۶۱ آدمی اوس کے تھے اور ۱۷۰ خزرج کے۔ کفار کی تعداد قریب ایک ہزار کے تھی جس میں سوائے ابو لہب کے قریش کے تمام سردار شامل تھے۔ ابو لہب خود کسی وجہ سے نہیں آسکا تھا اس نے اپنے بدلے میں ایک شخص کو بھیج دیا تھا۔ دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی۔ آنحضرتؐ کے دست مبارک میں ایک تیر تھا۔ اشارہ سے صفوں کو برابر کیا۔ پھر جہاد پر وعظ فرمایا۔ اس کے بعد درگاہ قاضی الحاجات میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ خشوع و خضوع کی حالت میں سجدہ میں گر گئے اور کہا کہ اے اللہ! اگر آج تیرے یہ چند عبادت گزار مٹ گئے تو پھر تو کبھی دنیا میں پوجا نہ جائے گا۔ اسی حالت میں تھے کہ فرشتہ نے آکر فتح کی بشارت دی۔ آپؐ نے سر اٹھایا اور مسلمانوں کو یہ مژدہ سنایا۔

عربی قاعدہ کے مطابق مبارزہ سے جنگ شروع ہوئی۔ مشرکین کی صفوں میں سے عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا نامور سردار تھا مع اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے باہر نکلا۔ ادھر سے تین انصاری ان کے مقابلہ کے لئے گئے۔ عتبہ نے ان سے کہا کہ ہم تم لوگوں پر تلوار نہیں اٹھائیں گے۔ ہمارے مقابلے کے لئے ہمارے ہم قوم یعنی اہل قریش کو آنا چاہئے۔ آنحضرتؐ کے حکم سے انصار پلٹ آئے عتبہ کے مقابلہ کے لئے حضرت حمزہؓ، ولید کے لئے حضرت علیؓ اور شیبہ کے لئے حضرت عبیدہؓ گئے۔ عتبہ اور ولید تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارے گئے لیکن شیبہ نے عبیدہ کو ایک کاری زخم لگایا یہ دیکھ کر حضرت علیؓ بڑھے شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر آنحضرتؐ کے پاس لائے۔ پھر دونوں طرف سے صفیں ٹوٹ پڑیں اور لڑائی ہونے لگی۔ قریش کے بہت سے سردار قتل اور نوے آدمی گرفتار ہوئے۔ باقی بھاگے اور بہت تھوڑے عرصہ میں لڑائی ختم ہو گئی۔

قیدیوں میں آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس اور داماد ابو العاص اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔

لڑائی ختم ہونے پر عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ مژدہ فتح سنانے کے لئے مدینہ منورہ کی طرف دوڑائے گئے۔ آنحضرتؐ کا ہر لڑائی میں یہ دستور تھا کہ ہر دو فریقین کی جس قدر لاشیں ملتی تھیں ان کو دفن کرا دیتے تھے۔ یہاں بھی مسلمان شہیدوں کو دفن کرایا۔ مشرکین کے کشتوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لئے ایک بڑا گڑھا کھدوا کر سب کو اسی میں ڈلوا دیا۔ پھر مع مال غنیمت اور اسیران جنگ کے مدینہ کو واپس آئے۔ راستہ میں قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ دو شخص قتل کر دئے گئے کیونکہ یہ دونوں مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے اور اپنے اشعار میں ان کی ہجو کیا کرتے تھے۔ اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے۔ مدینہ منورہ میں پہنچ کر ان کے واسطے کپڑے فراہم کئے گئے۔ حضرت عباسؓ کو عبداللہ بن ابی نے کشیدہ قامت ہونے کی وجہ سے اپنا کرتہ پہنایا۔ آنحضرتؐ نے ان کا یہ احسان یاد رکھا اور باوجود اس کے کہ وہ راس المنافقین اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ پھر بھی جس وقت اس نے انتقال کیا تو اس کے کفن کے لئے اس کے معاوضہ میں اپنا پیراہن مبارک عطا فرمایا۔ قیدیوں کو متفرق طور پر صحابہ کے سپرد کیا کہ جب تک ان کے بارے میں تصفیہ نہ ہو ان کو اپنے پاس آرام سے رکھیں۔ بعض مفلس صحابہ آنحضرتؐ کے اس فرمان کی وجہ سے ان قیدیوں کو اپنا کھانا کھلا دیتے تھے اور خود فاقہ کر لیتے تھے۔ مشرکین کے علمبردار ابو عزیز کا بیان ہے کہ میں جس انصاری کے حوالہ کیا گیا تھا وہ روٹی تو مجھے کھلا دیتے اور خود کھجوریں کھا کر بسر کر لیتے۔ شرما کر روٹی ان کے سامنے رکھ دیتا تو وہ اس کو چھوتے بھی نہیں تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسیران جنگ کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ہر چند یہ لوگ بھائی بند ہیں لیکن ان کو قتل کر دینا چاہئے مگر حضرت ابو بکرؓ اور صحابہ نے کو قتل پسند نہ کیا اور رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ رحمت عالم نے اسی کو ترجیح دی مگر چونکہ اب تک کسی نبی کے لئے قیدیوں کا زر فدیہ اور مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا اور آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بارے میں کوئی خاص حکم بھی نہیں ملا تھا اس لئے عرش سے عتاب نازل ہوا۔

ماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم ۔ لولاکتب من اللہ لمسکم فی ما اخذتم فیہ عذاب عظیم ۔ فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا واتقو اللہ ط ان اللہ غفور رحیم ط

(ترجمہ) کسی نبی کو یہ روا نہیں کہ ملک میں اچھی طرح خونریزی کئے بغیر لوگوں کو قیدی بنائے ۔ تم دنیا کا سرمایہ چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۔ اگر اللہ نے تمہاری معافی پہلے سے نہ لکھ دی ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا اس کی وجہ سے بڑا عذاب تم پر نازل ہوتا خیر جو کچھ تم کو مال غنیمت میں ملا ہے اس کو حلال طیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو ۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی پہلے سے یہ رائے تھی کہ میدان جنگ میں قیدی نہ پکڑے جائیں اور بعد پکڑنے کے بھی وہ حضرت عمرؓ کے ہم خیال تھے کہ ان کو قتل کر دینا چاہیئے ۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ دشمنوں کی گرفتاری سے ان کا قتل کر دینا زیادہ مناسب تھا ۔ بہرحال یہ خطا معاف کی گئی اور مال غنیمت کو بھی حلال کر دیا گیا ۔ ہر ایک اسیر کا چار ہزار فدیہ مقرر کیا گیا ۔ اہل مکہ جب مطلع ہوئے تو انہوں نے اپنے اپنے عزیزوں کا زر فدیہ بھیج دیا اور وہ چھوڑ دیئے گئے جو نادار تھے ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو کتابت سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں ۔ باقی بلا فدیہ رہا کر دیئے گئے ان میں سے عمرو جُمحی مکہ مکرمہ کا شاعر بھی تھا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابو العاص کے فدیہ میں اپنے گلے کا ہار اتار کر بھیج دیا تھا ۔ یہ ہار حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا تھا آنحضرتؐ نے جب اس کو دیکھا تو رقت طاری ہوئی ۔ صحابہؓ سے فرمایا کہ مناسب سمجھو تو زینب کو اس کا یہ ہار واپس دے دو کیونکہ یہ اس کی ماں کی یادگار ہے سب لوگوں نے خوشی کے ساتھ قبول کیا اور ابو العاص کو بلا فدیہ کے رہا کر دیا ۔ مکہ مکرمہ میں بدر کی شکست اور اس کے مقتولوں کا گھر گھر میں سوگ تھا لیکن ناموس کے خیال سے کوئی بلند آواز سے نہیں روتا تھا ۔

صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب کو جو اسلام کا سخت دشمن تھا اپنے حجرہ میں بلا کر مخفی طور پر تنہائی میں اس بات پر آمادہ کیا کہ تم مدینہ میں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو ۔ تمہارے بچوں کی پرورش میں کر دوں گا ۔ وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینہ پہنچا اتفاقاً اس پر حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑ گئی ان کو شبہ ہوا اور گردن سے پکڑ کر اس کو آنحضرتؐ کے سامنے لائے ۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا چھوڑ دو پھر اس کو اپنے قریب بلایا اور پوچھا کہ کس لئے آئے ہو اس نے کہا کہ میرا بیٹا جو قیدیوں میں ہے اس کو چھڑانے کے لئے آیا ہوں ۔ آپؐ نے کہا کہ نہیں تم کو صفوان نے میرے قتل کے لئے بھیجا ہے ۔ یہ سن کر عمیر نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے ۔ کیونکہ اس بات کو سوائے ان کے اور صفوان کے اور کوئی نہیں جانتا تھا ۔

غزوہ بدر کا ذکر مفصل قرآن میں ہے اس کے بارے میں پوری سورہ انفال نازل ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں مال غنیمت کے احکام بیان کئے کہ ایک خمس اللہ اور رسول اور ان کے قرابت مندوں ، نیز یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اور باقی چار خمس فوج کا حصہ ہے ۔ نیز اس لڑائی میں مسلمانوں کی بے سر و سامانی ، پریشانی اور امداد آسمانی کا ذکر فرمایا کہ ہم نے فرشتوں کی فوج اتاری تاکہ مسلمانوں کو اطمینان قلب حاصل ہو اور وہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہیں اس کے بعد قریش کی ایذا رسانی مخالفت اور دشمنی وغیرہ بیان کی ۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم اپنی طاقت اور شوکت کو جہاں تک ہو سکے بڑھاؤ اس کے بعد صلح کی ترغیب دی اور آخر میں اسیران جنگ کے معاملہ کا تصفیہ فرمایا ۔

یہ لڑائی درحقیقت شوکت اسلام کا سنگ بنیاد تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ قطعی جنتی قرار دیئے گئے کیونکہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن قریش تھے ان کی قوت کا اس میں خاتمہ ہو گیا ۔ ابو جہل اور عتبہ وغیرہ تقریباً ستر سادات قریش مارے گئے اور نوے کے قریب گرفتار ہوئے اس کے مقابلہ میں مسلمان شہداء کی کل تعداد چودہ تھی ۔

جو لوگ صرف ظاہری ساز و سامان کی فتح اور کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کو اس جنگ سے عجیب و غریب سبق مل سکتا ہے اس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن کے پاس صرف تین گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ۔ بمقابلہ اس کے کفار کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی ۔ ان میں ایک سو سوار تھے اور ساز و سامان بھی کافی تھا اور دونوں فریق ایک ہی قوم کے لوگ تھے یعنی یہ بھی عرب اور وہ

بھی عرب بلکہ مکہ مکرمہ والے مدینہ منورہ والوں کو اپنا ہمسر بھی نہیں کجھتے تھے۔ باوجود اس کے صرف چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد مسلمانوں کو ایسا غلبہ حاصل ہوا کہ کفار کچھ مقتول اور کچھ گرفتار ہوئے اور باقی بدحواسی کے ساتھ بھاگے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کا ناصر ہے اس نے فتح کی خوش خبری پہلے ہی سے دے دی تھی۔ علاوہ بریں آسمان سے فرشتوں کی فوج اتار دی جس سے مسلمانوں کے دل مضبوط ہوگئے اور کافروں پر ہیبت چھا گئی اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ مسلمان دنیا کی محبوب ترین اور مقدس ترین ذات یعنی رسول اللہ صلعم کی مدافعت اور اعلائے کلمہ حق کے لئے لڑ رہے تھے اور اس پر اپنی جان نثار کر دینے کو ایک لازوال نعمت کجھتے تھے اس لئے موت سے ان کو کوئی خوف نہ تھا بلکہ اس کے خواہاں تھے۔ بخلاف اس کے کفار میں یہ جذبہ پاک موجود نہ تھا وہ محض انتقام اور کینہ کے جوش میں لڑ رہے تھے۔

غزوہ سویق

بدر کی لڑائی میں جب بڑے بڑے رؤسا مکہ مارے گئے تو قریش کے رئیس اعظم ابو سفیان بن حرب قرار پائے ۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں پہنچ کر یہ عہد کیا کہ جب تک بدر کے کشتوں کا بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک نہ غسل کروں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا چنانچہ وہ مدینہ کے قرب و جوار کے یہود کے ساتھ آئے ۔ رات کو بنی نضیر کے سردار اسلام بن مشکم کے پاس پہنچے ۔ باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ عہد کر چکا تھا لیکن اس نے ان کو مہمان رکھا اور مسلمانوں پر شب خون مارنے کے طریقے بتائے۔ ابو سفیان نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مقام عریض پر جو مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے حملہ کیا۔ نخلستان میں آگ لگا دی۔ دو انصاریوں کو قتل کر ڈالا اور اپنے خیال میں اپنی نذر پوری کر کے مکہ مکرمہ کو واپس چلے گئے ۔ آنحضرتؐ کو جب اطلاع ہوئی تو مقام کدر تک تعاقب کیا لیکن وہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ ابو سفیان نے زاد راہ کے لئے اونٹوں پر ستو کے تھیلے لاد لئے تھے واپسی میں عجلت کی وجہ سے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے جابجا ان تھیلوں کو پھینکتے گئے ۔ وہ مسلمانوں کو ملے ۔ اسی وجہ سے غزوہ سویق (ستو) کہتے ہیں۔

بنی قینقاع

مدینہ منورہ کے آس پاس یہود کے تین قبیلے تھے ۔ بنی قینقاع بنی نظیر اور بنی قریظہ ۔ آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ آنے کے ساتھ ہی ان سے معاہدے کر لئے تھے ۔ جنگ بدر کے بعد اسلام کے عروج کو دیکھ کر ان کے دلوں میں رشک پیدا ہوا۔ دوسرے قریش نے بھی ان سے مخفی طور پر ساز باز شروع کی ۔ اس لئے وہ اسلام کے سخت دشمن ہو گئے ۔ اس کی ترقی میں رکاوٹیں ڈالنے لگے اور مسلمانوں کو ایذا دینا اور آنحضرتؐ کے ساتھ بدتہذیبی سے پیش آنا شروع کیا۔

ان کے بارے میں قرآن میں آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان کی سود خواری ، دروغ پسندی ، بد اخلاقی ، عداوت اسلام اور منافقانہ سرشت کی صاف صاف پردہ دری کی گئی۔ سب سے پہلے بنی قینقاع نے جو یہود کے تینوں قبیلوں میں دولت مندی اور شجاعت میں نامور تھے ۔ آنحضرتؐ کے عہد کو توڑ ڈالا اور علانیہ مسلمانوں سے دشمنی کرنے لگے ۔ مدینہ کے منافق بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ابتداء اس واقعہ سے ہوئی کہ بنی قینقاع کے بازار میں ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت پر بیجا سختی کی وہ عورت امداد کے لئے چلائی کسی مسلمان نے پہنچ کر اس ظالم یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے مل کر اس مسلمان کو مار ڈالا۔ آنحضرتؐ اس کی اطلاع پا کر وہاں تشریف لے گئے اور یہودیوں کو سمجھانے لگے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو اہل بدر کی طرح تم پر بھی اللہ کا غضب نازل ہو گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ قریش کے اوپر جو آپ نے فتح پائی تو اس گھمنڈ میں نہ رہیں وہ جنگ و پیکار سے ناواقف تھے ہم سے سابقہ پڑے گا تو ہم بتلا دیں گے کہ لڑائی کس کو کہتے ہیں۔

اس معاملہ نے طول کھینچا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے ان پر فوج کشی کی وہ قلعہ گیر ہو کر بیٹھ رہے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ آخر مدینہ منورہ کے راس المنافقین عبداللہ بن ابی کی تجویز کے مطابق جو در پردہ ان کا ہمراز تھا یہ طے ہوا کہ بنی قینقاع یہاں سے

جلاوطن کر دیے جائیں۔ چنانچہ وہ مقام اذرعات میں جو ملک شام میں ہے چلے گئے ان کی تعداد سات سو تھی۔

کعب بن اشرف

کعب بن اشرف یہودی بنی طے کا تھا اور اس کی ماں بنی نضیر کی تھی یہ اپنی دولت، شجاعت اور شاعری کی وجہ سے یہود کا سب سے بڑا سردار سمجھا جاتا تھا چونکہ اسلام کی ترقی سے یہود کا دنیاوی اثر اور اقتدار نیز ان کی دینی عظمت کا سکہ اٹھ جاتا تھا۔ اس لئے کعب مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ جنگ بدر کے بعد اس نے مکہ مکرمہ میں جا کر کشتگان بدر کے دردناک مرثیے بنا کر سنائے اور قریش کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے آمادہ کیا وہاں سے آکر اپنے اشعار میں مسلمانوں کی ہجو اور بے حرمتی کرنے لگا۔ اور در پردہ اس فکر میں پڑا کہ رسول اللہ صلعم کو قتل کرادے۔ آنحضرت صلعم کو ان باتوں کی اطلاع ہوتی رہتی تھی اسی وجہ سے رات کو باہر کم نکلتے تھے۔ اس کی فتنہ انگیزیوں سے مجبور ہو کر ربیع الاول ۳ھ ہجری میں محمد بن مسلمہ کو مع دو صحابیوں کے بھیجا۔ انہوں نے جا کر اس کو قتل کر دیا۔

جنگ احد

قریش کے دل میں مقتولین بدر کے انتقام کا بے حد جوش تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان امیہ ان لوگوں کو جن کے اقرباء مارے گئے تھے ساتھ لے کر ابو سفیان کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہمارے بڑے بڑے سردار اور بہت سے رشتہ دار بدر کی لڑائی میں قتل ہو گئے۔ مال تجارت کے نفع میں سے جو مشترکہ رقم جمع ہو جاتی ہے اس سے تم ہماری مدد کرو کہ تیاری کر کے اپنے مقتولوں کا بدلہ لیں۔ ابو سفیان رضامند ہو گئے۔

قریش تیار ہوئے اور اپنے حلیف اور مددگار قبیلوں کے لوگوں کو بھی ساتھ لیا۔ عمرو جمحی شاعر نے جو بدر میں قید ہو گیا تھا اور آنحضرتؐ نے اس پر رحم فرما کر بلا فدیہ چھوڑ دیا تھا۔ نیز دوسرے شعراء نے بھی اپنے اپنے اشعار سنا سنا کر لوگوں کو انتقام کا جوش دلایا۔ سرداروں کی لڑکیاں اور بیبیاں بھی ساتھ چلیں کہ وہ اپنے عزیزوں کے قاتلوں کی سزائیں دیکھیں اور نیز اس غرض سے بھی کہ ان کی حفاظت کے خیال سے قریش لڑائی سے نہیں بھاگیں گے۔ وحشی نامی جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جو حربہ (چھوٹا نیزہ) چلانے میں مشہور تھا اور بہت کم خطا کرتا تھا جبیر نے اس سے کہا کہ تم بھی لڑائی میں چلو۔ اگر حمزہ رضی اللہ عنہ کو تم نے قتل کر دیا تو میں تم کو آزاد کرا دوں گا۔

یہ لشکر مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کے مقابل کوہ احد کی وادی میں ایک چشمہ پر اترا۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ لیا۔ عبداللہ بن ابی نے جو منافقوں کا سردار تھا یہ رائے دی کہ ہم مدینہ منورہ ہی میں رہیں جب وہ یہاں حملہ آور ہوں گے تو ان سے لڑیں گے آپؐ نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا۔ لیکن دیگر صحابہ نے کہا کہ ہم کو شہر سے باہر نکل کر دشمنوں کو روکنا چاہئے۔ اس کے بعد آپؐ گھر میں تشریف لے گئے اور مسلح ہو کر نکلے۔ صحابہ نے اس خیال سے کہ شاید ہم نے آنحضرتؐ کو ان کی منشاء کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ نادم ہو کر عرض کیا کہ ہماری بات کا آپ کچھ خیال نہ فرمائیں۔ اگر شہر میں پناہ گیر ہونا زیادہ مناسب ہو تو یہیں تشریف رکھیں۔ ہمارا یہ منصب نہیں کہ آپ کو ہم اپنی رائے کا پابند کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کو زیب نہیں دیتا کہ جب وہ ہتھیار لگالے تو بے لڑے ان کو اتار دے۔

۱۴ شوال ۳ ھ مطابق ۲۹ مارچ ۶۲۵ء کو بعد نماز جمعہ ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر آپؐ مدینہ منورہ سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی نے اپنے گروہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے مشورے کے خلاف چند جوشیلے نوجوانوں کے کہنے سے باہر نکل پڑے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم کیوں مفت میں اپنی جانیں دیں۔ یہ کہہ کر وہ مدینہ منورہ کو پلٹ آیا۔ اس کے ساتھ منافقین کی جماعت جس کی تعداد تین سو تھی واپس چلی آئی اب مسلمان کل سات سو رہ گئے ان میں سے بھی جن کی عمریں سولہ برس سے کم تھیں واپس کئے گئے۔ ان بچوں کے شوق شہادت کا یہ عالم تھا کہ واپس جانا گوارا نہ تھا۔ چنانچہ حضرت رافع بن خدیج ایڑیاں اٹھا کر پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے اور تن کر اپنے قد کو اونچا کیا ان کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور لے لئے گئے۔ انہیں کے ہم عمر سمرہ تھے ان سے جب کہا گیا کہ تم واپس جاؤ تو انہوں نے کہا میں تو رافع سے زیادہ قوی ہوں اور ان کو گرا لیتا ہوں۔ میں کیوں نہ جاؤں آخر کشتی کرائی گئی اور انہوں نے

رافع کو پچھاڑ لیا اور ساتھ چلنے کی اجازت حاصل کی۔

جب قریب پہنچے تو کوہ احد کو پس پشت رکھ کر صف بندی شروع کی۔ حضرت مصعبؓ کو علم دیا گیا۔ پیچھے سے پہاڑ کے درہ کی طرف مشرکین کے سواروں کے حملے کا خوف تھا اس لئے وہاں عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں ۵۰ تیر انداز متعین کر دیئے گئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے تیروں سے سواروں کو ادھر آنے سے روکنا اور ہم چاہے فتح پائیں یا شکست کھائیں تم لوگ ہرگز بلا حکم یہاں سے نہ ٹلنا۔ مقابلہ میں قریش میں صف آراء ہوئے۔ طلحہ ان کا علمبردار تھا۔ ایک دستہ سواروں کا تھا جس کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ دو سو کوتل گھوڑے بھی ساتھ تھے کہ بوقت ضرورت کام دے سکیں۔ تیر اندازوں کی جماعت کا سردار عبداللہ بن ربیعہ تھا۔ لڑائی شروع ہوئی قریش کی خواتین بدر کے مقتولین کے مرثیے دف بجا کر گاتی تھیں۔ مسلمان نہایت بے جگری سے لڑے۔ خاص کر حضرت حمزہؓ علیؓ اور ابو دجانہؓ نے بے مثال شجاعت کا اظہار کیا۔ آنحضرتؐ کے دست مبارک میں ایک شمشیر تھی وہ ابو دجانہؓ کو عطا فرمائی وہ اس کو لے کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو کہیں پسند نہیں بجز میدان جنگ کے۔ ابو دجانہؓ نے بہت سے کافروں کو قتل کیا۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ بھی حضورؐ کے سامنے پڑ گئی۔ اس کے سر تک تلوار لے جا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ رسول اللہ صلعم کی تلوار عورت کے خون سے رنگین نہ ہو۔ حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار چلاتے تھے۔ اور دشمنوں کو سامنے سے صاف کرتے جاتے تھے۔ وحشی غلام ان کی تاک میں لگا ہوا تھا جب اس کے قریب پہنچے تو اس نے حربہ پھینک کر مارا۔ جو ناف سے گذر کر پشت کے پار نکل گیا۔ آپ آگے بڑھے کہ اس کو قتل کریں لیکن زخم کاری تھا گرے اور جان نکل گئی۔ قریش مسلمانوں کے حملوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے ان کے علمبردار یکے بعد دیگرے قتل ہوتے جاتے تھے لیکن پھر دوسرا جھنڈا اٹھا لیتا تھا۔ آخر میں جب صحاب قتل ہوا اور علم لے کر گرا تو مشرکین منتشر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عمرہ بنت علقمہ قریش کی ایک خاتون نے اس کو اٹھا لیا۔ کفار پھر اس کے گرد جمع ہو گئے لیکن مسلمانوں کے سامنے وہ زیادہ سنبھل نہ سکے۔ پیچھے ہٹتے ہٹتے میدان سے منہ پھیر لیا اور شکست کھا گئے۔

مجاہدین مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تیر انداز مسلمان بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اسی طرف جھک پڑے عبداللہ بن جبیر نے ہرچند ان کو روکا لیکن نہ رکے۔ اب مشرکین کے سواروں کے لئے راستہ صاف تھا۔ خالد نے اس درہ سے نکل کر حملہ کر دیا۔ مسلمان جو اطمینان سے غنیمت سمیٹنے میں معروف تھے کیا دیکھتے ہیں کہ پیچھے سے ان کے سروں پر تلواریں پڑنے لگیں۔ نہایت ابتری پھیل گئی یہاں تک کہ بدحواسی میں خود ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ حضرت یمان کے بیٹے حضرت حذیفہ چلاتے ہی رہ گئے کہ یہ میرے باپ ہیں لیکن سراسیمگی میں ان کا لوگوں نے قتل ہی کر ڈالا۔ حضرت حذیفہ نے کہا مسلمانو! اللہ تمہاری مغفرت کرے۔

اسی حالت میں ایک مشہور بہادر اور شہسوار کافر ابن سمیہ نے حضرت مصعبؓ کو جو مسلمانوں کے علمبردار اور آنحضرتؐ کے ہم شکل تھے شہید کر دیا اور چلایا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا یہ سن کر مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے بہت سے لوگ حیران ہو کر بھاگے۔ بعض حیران ہو کر جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے اور بعض فرط رنج سے گر پڑے۔ انس کے چچا ابن نضر لڑتے ہوئے جا رہے تھے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہتھیار پھینک کر مایوس اور غمزدہ بیٹھے ہوئے ہیں پوچھا کہ یہاں کیا کرتے ہو کہا کہ اب لڑنے سے کیا ہو گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے۔ ابن نضر نے کہا کہ جب رسول اللہ صلعم نے وفات پائی تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے یہ کہہ کر مشرکین میں گھس گئے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔

آنحضرت صلعم کے ارد گرد صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے کفار اسی طرف بڑھے حضرت ابو دجانہؓ نے آپؐ کی طرف اپنا رخ کر کے اپنی پشت کو سپر بنا لیا۔ دشمنوں کے تیر اسی پر آ کے لگتے تھے۔ حضرت سعد بن وقاص اور ابو طلحہ تیر چلا چلا کر دشمنوں کو روکتے تھے

ام عمارہ جن کا نام نسیبہ تھا اور جو بیعت عقبہ میں شریک ہوئی تھیں وہ بھی ایک تلوار لے کر وہاں کھڑی ہو گئیں حملہ آوروں کو روکتی تھیں اور قتل کرتی تھیں۔ اسی درمیان میں کسی کافر نے ایک پتھر مارا جس سے آنحضرتؐ کا لب زخمی ہوا۔ اور نیچے کے دو دانتوں میں سے داہنا دانت شہید ہو گیا۔ پھر ابن قمیہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں دھنس گئے حضرت ابو عبیدہؓ نے ان حلقوں کو دانتوں سے کھینچ کر نکالا۔ رخسار سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ ام عمارہؓ نے یہ دیکھا تو بڑی بے تابی سے اچھل کر ابن قمیہ پر پے در پے تلوار کے کئی وار کئے لیکن وہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے کچھ اثر نہ ہوا اس نے بڑھ کر ام عمارہؓ کو ایک تلوار ماری۔ ان کے مونڈھے پر سخت زخم آیا جو پورے ایک سال میں اچھا ہوا۔ زیاد بن سکن انصاری اپنے پانچ ہمراہیوں کے ساتھ آنحضرتؐ کی محافظت کے لئے بڑھے اور سب نے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ بھی جانبازی کے ساتھ مدافعت کرتے رہے، حضرت طلحہؓ دشمنوں کی تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ ایک شخص کھجور کھاتا ہوا وہاں آیا اور آنحضرتؐ سے پوچھا کہ اگر میں لڑوں اور مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت میں یہ سن کر اس نے کلمہ پڑھا اور کافروں پر جھپٹا اور شہید ہو گیا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے اللہ کو ایک سجدہ بھی نہ کیا اور جنتی ہو گیا۔

جہاں آپؐ کے لئے سائبان بنایا گیا تھا اس کے متصل ایک کافر ابو عامر نے مسلمانوں کے لئے ایک گڑھا کھود رکھا تھا۔ آنحضرت صلعم کا پائے مبارک اس میں جا پڑا اور آپؐ اس کے اندر گر گئے۔ حضرت علیؓ نے ہاتھ پکڑا اور حضرت ابو بکرؓ اور طلحہؓ نے اٹھا کر نکالا۔ کعب بن مالکؓ انصاری نے جب آنحضرتؐ کو دیکھا تو چلائے کہ مسلمانو! مژدہ ہو کہ رسول اللہ صلعم زندہ ہیں۔ یہ آواز سن کر صحابہ اسی طرف ٹوٹ پڑے۔ آپؐ سب کے ہمراہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ دشمن بھی اسی طرف بڑھے لیکن حضرت عمرؓ نے پتھر برسائے اس لئے وہ آگے نہ جا سکے۔ ابی بن خلف آنحضرتؐ کے قریب پہنچ گیا اور جوش میں کہنے لگا کہ میں آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے حارث بن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے اس کی شہ رگ سے خون جاری ہو گیا اور وہ گھوڑے پر سے لڑکھڑایا۔ آخر اسی زخم سے واپسی میں مکہ کے راستے میں مر گیا۔ صرف یہی ایک بدبخت شخص ہے جس کو آنحضرتؐ نے اپنی تمام زندگی میں اپنے ہاتھ سے ہلاک کیا ہے۔

ادھر جب مدینہ منورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پہنچی تو بہت سی عورتیں دوڑ پڑیں۔ حضرت فاطمہ زہراؓ بھی پہنچ گئیں۔ حضرت علیؓ ڈھال میں پانی بھر لائے اور حضرت فاطمہؓ نے روئے مبارک سے خون دھویا۔ پھر چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی جس سے خون بند ہو گیا۔

ابو سفیان نے قریش کو لے کر سامنے کے ٹیلے پر چڑھ کر زور سے پکارا کہ

اعلیٰ ہبل

ہبل سر بلند رہ

آنحضرتؐ کے حکم سے صحابہ نے اس کا جواب دیا۔

اللہ اعلیٰ واجل

اللہ برتر اور بزرگ ہے

ابو سفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز پہچان کر ان کو پکارا۔ آنحضرتؐ صلعم نے فرمایا کہ جاؤ دیکھو کیا بات ہے جب وہ پہنچے تو ابو سفیان نے کہا کہ بتاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہو گئے یا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں وہ پہاڑی پر موجود ہیں اور تمہاری آواز سن رہے ہیں۔ ابو سفیان نے کہا کہ تم میرے نزدیک ابن قمیہ سے زیادہ سچے ہو۔ پھر ابو سفیان نے چلا کر کہا کہ یہ بدر کی لڑائی کا بدلہ ہے اور ہمارا تمہارا مقابلہ پھر بدر میں آئندہ سال ہو گا۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ کہہ دو کہ ہم کو منظور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کو سب سے زیادہ خیال اس امر کا تھا کہ مشرکین کا خیال معلوم کریں۔ حضرت علیؓ کو بھیجا کہ پتہ لگاؤ کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں اگر اونٹوں پر کجاوے کسیں اور گھوڑوں کو کوتل چھوڑیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ مکہ مکرمہ کو جانا چاہتے ہیں اور اگر اس کے برعکس ہو تو مدینہ منورہ پر حملے کا قصد رکھتے ہیں پھر ہم کو بھی مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ حضرت علیؓ گئے اور آکر اطلاع دی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو کوتل ساتھ لے گئے جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو آپؐ شہدا کی لاشوں کو دفن کرانے میں مشغول ہو گئے۔ ستر مسلمان شہید ہو گئے تھے جن میں سے چار مہاجر اور باقی انصار تھے مشرکین کے کشتوں کی تعداد کل بیس تھی۔

کافروں نے بدر کے کینہ کے جوش میں شہیدوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی نعش کا مثلہ کیا۔ یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹ ڈالے۔ آنکھیں نکال لیں اور سینہ چاک کر کے جگر کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈال کو چبایا لیکن نگل نہ سکی۔ اس لئے اگل دیا اسی وجہ سے اس کا لقب جگر خوارہ رکھا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ جو سید الشہداءؓ کی حقیقی بہن تھیں بھائی کی نعش کو دیکھنے آئیں۔ آپؐ نے ان کے بیٹے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ اپنی ماں کو روکو اس طرف نہ جانے پائیں۔ جب حضرت زبیرؓ نے ان کو منع کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے بھائی کا حال معلوم ہو چکا ہے رونے اور نوحہ کرنے نہیں آئی ہوں۔ دیکھوں گی صبر کروں گی اور دعائے مغفرت مانگوں گی۔ حضرت زبیرؓ نے آکر آنحضرتؐ سے کہا آپؐ نے اجازت دے دی۔ بھائی کی حالت اور ان کے جگر کے بکھرے ہوئے ٹکڑے دیکھ کر دل بے قرار ہو گیا۔ انا للہ پڑھ کر دعائے مغفرت مانگی۔ ان کے کفن کے لئے بیٹے کو دو چادریں حوالہ کیں اور واپس چلی آئیں۔ حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ وہ چادریں لے کر ہم نے چاہا کہ سید الشہداء کا کفن بنائیں۔ لیکن انہیں کے قریب ایک انصاری شہید پڑے تھے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا تھا جو ان کے ساتھ ہوا تھا اس لئے ہم نے مروت کے خلاف سمجھا کہ ایک کو دو چادروں میں دفن کریں اور ایک کو بے کفن چھوڑ دیں آخر دونوں کو ایک ایک چادر میں لپیٹ کر دفن کیا۔

اس وقت مسلمانوں کی محتاجی کا یہ عالم تھا کہ شہداء کے لئے کفن تک میسر نہ تھا۔ اسلامی علمبردار حضرت مصعبؓ کے کفن کے لئے صرف ایک چادر تھی۔ وہ بھی اس قدر چھوٹی کہ سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپاتے تو سر، مجبوراً سر چھپایا گیا اور پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈال دی گئی۔ شہداء خون میں لتھڑے ہوئے بلا غسل ایک ایک قبر میں دو دو دفن کئے گئے جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا تھا اس کو آگے رکھتے تھے۔

اس سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس چلے۔ راستہ میں حمنہ بنت جحش آتی ہوئی ملیں۔ ان کو ان کے ماموں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر دی گئی انہوں نے انا للہ پڑھی اور دعائے مغفرت مانگی۔ پھر ان کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کی خبر دی گئی۔ اس پر بھی انا للہ پڑھ کر مغفرت کی دعا کی لیکن جب ان کے شوہر حضرت مصعبؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو چلا کر رو پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ عورت کے دل میں شوہر کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر سن کر انصار کے قبیلے بنی انبار کی ایک خاتون مدینہ سے چل پڑی تھیں۔ راستہ میں ان کو ان کے شوہر باپ اور بھائی تینوں کی شہادت کی خبر ملی۔ ہر ایک کی خبر سن کر وہ یہی کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ وہ زندہ ہیں کہا کہ مجھے دکھا دو۔ صحابہ نے اشارہ سے بتایا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے جب آپؐ کا چہرہ دیکھا تو تسلی پا کر بولیں کہ آپ جب سلامت ہیں تو ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔

مدینہ منورہ میں پہنچ کر آپؐ کے دل میں یہ خیال رہا کہ کہیں کفار پھر نہ ہمارے اوپر پلٹ پڑیں۔ اس لئے دوسرے دن پھر انہی لوگوں میں سے جو جنگ احد میں شریک تھے۔ ایک جماعت لے کر نکلے اور آٹھ میل جا کر مقام حمراالاسد میں قیام کیا۔ غرض یہ تھی کہ قوت کا اظہار ہو۔ اور کفار یہ نہ سمجھیں کہ شکست کی وجہ سے مسلمانوں میں مقابلہ کی طاقت نہیں رہی۔ آپؐ کا اندیشہ بالکل صحیح نکلا۔ کیونکہ ابو سفیان نے مقام روحاء میں پہنچ کر سرداروں کے مشورہ سے پھر مدینے کی طرف پلٹنے کا ارادہ کیا تھا تاکہ مسلمانوں کا بالکل

استیصال کر کے مکہ مکرمہ کو واپس جائیں لیکن جب ان کو یہ خبر ملی کہ آنحضرتؐ مع اپنے اصحاب کے ان کے تعاقب میں نکلے ہیں تو اپنے ارادے سے باز رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حمرالاسد سے واپس ہوئے تو راستہ میں عمرو جمحی شاعر جس نے کفار کو اپنے اشعار سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے برانگیختہ کیا تھا ہاتھ لگ گیا ہرچند اس نے معافی مانگی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں نہیں چھوڑوں گا تو جا کر مکہ مکرمہ میں یہ کہے گا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ فریب دے کر رہائی حاصل کی چنانچہ وہ قتل کیا گیا۔

غزوہ احد کے متعلق سورہ آل عمران کی ساٹھ آیتیں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ہزیمت پر مسلمانوں کی تعزیت کی اور ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور جس کمزوری کا ان سے اظہار ہوا تھا۔ یعنی آنحضرت صلعم کے حکم کے خلاف درہ کو چھوڑ کر وہ غنیمت پر ٹوٹ پڑے تھے اس پر لطیف پیرایہ میں ملامت کی اور امام کے حکم کی مخالفت کو نظام فوجی کی روح کے منافی قرار دے کر فرمایا کہ شکست کا حقیقی سبب یہی تھا۔ منافقوں سے جو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے آئے تھے۔ بیزاری کا اظہار کیا اور بدحواسی میں جو لوگ بھاگے تھے ان کی معافی کا اعلان کیا ان لوگوں کے اخروی انعام کا ذکر فرمایا جو اس وقت جنگ میں شہید ہوئے اور کہا کہ ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ہمارے پاس زندہ ہیں اور خوش ہیں آخر میں ان لوگوں کی مدح فرمائی جو زخموں سے چور ہونے کے باوجود دوسرے دن کفار کے تعاقب میں نکلے۔

واقعہ رجیع

قبیلہ خزیمہ کی دو شاخوں عضل اور قارہ کے چند آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ مسلمان ہوگئے۔ اگر آپ چند صحابہؓ کو بھیج دیں کہ وہ ان کو اسلام اور قرآن کی تعلیم دیں تو بہت مناسب ہو۔ آنحضرتؐ نے مرثد غنوی کو مع پانچ آدمیوں کے ان کے ساتھ کر دیا۔ ان لوگوں نے مقام رجیع میں پہنچ کر غداری کی اور قبیلہ ہذیل کے دو سو آدمیوں کو ان صحابہ کے قتل کے لئے بلا لائے۔ یہ لوگ ان کو دیکھ کر گھبرائے اور مجبوراً تلواریں لے کر مدافعت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ کافروں نے فریب دینے کے لئے ان سے کہا کہ ہم تم کو امان دیتے ہیں۔ قتل کرنا نہیں چاہتے مطلب صرف یہ ہے کہ تمہارے ذریعے سے مکہ مکرمہ والوں سے ہم کو کچھ وصول ہو جائے مسلمانوں نے امان نہیں قبول کی۔ تین آدمی لڑ کر شہید ہوگئے۔ باقی تین کو انہوں نے پکڑ لیا ایک کو راستہ میں مار ڈالا اور دو کو جن کے نام خبیبؓ اور زیدؓ تھے مکہ مکرمہ میں لے جا کر قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔

حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے خرید اتھا جب مکہ مکرمہ سے باہر لے جا کر ان کو قتل کرنے لگے تو ابوسفیان نے پوچھا کہ زید اگر تمہاری جگہ پر یہاں آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کئے جاتے اور تم اپنے گھر میں آرام سے رہتے تو کیا خوش نہ ہوتے انہوں نے کہا کہ اللہ گواہ ہے کہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابوسفیان بولے کہ کسی شخص کو میں نے ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کو اس قدر عزیز رکھتے ہوں جس قدر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کو عزیز رکھتے ہیں۔ حضرت خبیبؓ نے احد کی لڑائی میں حارث کو قتل کیا تھا۔ حارث کے بیٹوں نے ان کو مول لیا۔ جب قتل کرنے لگے تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں دیر تک پڑھتا اور دعا مانگتا۔ لیکن تم کہو گے کہ موت سے ڈرتا ہوں۔ اسی وقت سے یہ دستور ہو گیا کہ کوئی مسلمان جب قتل ہونے لگتا ہے تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے۔

بئر معونہ

صفر ۴ھ ہجری میں ابو براء عامری آنحضرتؐ سے ملنے آئے۔ آپؐ نے ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا وہ نہ اسلام لائے نہ اس کی مخالفت کی لیکن یہ کہا کہ آپ چند صحابہ کو نجد کی طرف بھیج دیں تو مجھے امید ہے کہ وہاں کے لوگ اس دین کو قبول کر لیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے

خوف ہے کہ نجد والے ان کو مار ڈالیں گے ۔ ابو براء نے کہا کہ میں ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ نے منذر بن عمر کے ساتھ چالیس آدمی روانہ کئے کہ قبائل نجد میں تبلیغ اسلام کریں ان لوگوں نے مقام بئر معونہ میں پہنچ کر وہاں کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس حرام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرتؐ کا خط بھیجا۔ عامر نے نخوت میں آکر حرام کو مار ڈالا اور قبیلہ بنی عامر سے کہا کہ جاکر مسلمانوں کو قتل کر ڈالو۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب ابو براء نے ان کو اپنی حمایت میں لیا ہے تو ہم کیسے قتل کر سکتے ہیں عامر نے بنی سلیم کے قبائل کو پکارا وہ آکر جمع ہوئے ان کو ساتھ لے کر خود مسلمانوں پر حملہ کیا اور ان کی فرود گاہ میں اچانک پہنچ کر سب کو قتل کر دیا۔ صرف دو آدمی بچ سکے ۔ ایک تو عمرو بن امیہ جن کو عامر نے پکڑ لیا تھا لیکن یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ دوسرے کعب بن زید کہ زخمی ہو کر لاشوں کے نیچے دب گئے تھے اور دشمن ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے جب ہوش آیا تو وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔

عمرو بن امیہ مدینہ منورہ کو واپس آرہے تھے راستہ میں ان کو قبیلہ بنی عامر کے دو آدمی ملے ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان نامہ لکھ کر دیا تھا لیکن عمرو کو کیا خبر۔ یہ بنی عامر سے جلے ہوئے تھے دونوں کو بے خبری میں قتل کر ڈالا اور مدینہ میں آکر تمام ماجرا سنایا۔ آنحضرتؐ کو مسلمانوں کے اس طرح قتل ہو جانے کا نہایت صدمہ ہوا فرمایا کہ یہ سب ابو براء کی وجہ سے ہوا۔ مجھے تو پہلے ہی اس سے خطرہ تھا۔ عمرو نے جن دونوں آدمیوں کو قتل کر دیا تھا ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا خون بہا مجھے دینا ہوگا۔

بنی نضیر

آنحضرتؐ نے بنی عامر کے دونوں قتیلوں کا خون بہا ادا کرنے کے لئے یہود کے قبیلہ بنی نضیر سے امداد طلب کی ۔ کیونکہ معاہدہ باہمی کی رو سے اس میں ان کی شرکت لازمی تھی۔ چنانچہ ان کے ہاں تشریف لے گئے وہ لوگ بظاہر تو مدد دینے کی تیاری کرنے لگے لیکن درپردہ اس فکر میں پڑے کہ آپؐ کو جان سے مار ڈالیں۔ سرورِ عالمؐ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ایک یہودی کو کوٹھے پر چڑھا دیا کہ اوپر سے سر پر ایک پتھر گرا دے کہ ہلاک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ارادہ کی اطلاع آپ کو دے دی۔ اسی وقت مدینہ منورہ کو واپس چلے آئے اور صحابہ کو ان کی غداری سے مطلع کیا۔

بنی نضیر نے پھر آپؐ کو بلایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے اوپر بھروسہ نہیں رہا۔ تم لوگ ازسرنو عہد نامہ لکھو مگر وہ اس پر رضا مند نہ ہوئے ۔ یہود کا دوسرا قبیلہ بنی قریظہ تھا ان کے ساتھ آپؐ نے معاہدہ کی تجدید کرنی چاہی وہ راضی ہوگئے لیکن بنی نضیر کے پاس چونکہ مضبوط قلعے تھے اور مدینہ کے منافقین بھی درپردہ ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ سرکشی پر آمادہ ہوگئے۔ آنحضرتؐ ربیع الاول ۴ھ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے لڑائی کے لئے نکلے وہ اپنے قلعوں میں بیٹھ رہے۔ دو ہفتہ کے محاصرہ کے بعد انہوں نے درخواست کی کہ ہم اپنا مال و اسباب لے کر یہاں سے چلے جائیں گے بشرطیکہ ہماری جان محفوظ رہے۔ آنحضرتؐ نے اس کو منظور فرمایا۔ وہ لوگ اپنا مال و متاع اونٹوں پر لاد کر کچھ خیبر میں اور کچھ شام میں چلے گئے۔

اس واقعہ کے متعلق پوری سورہ حشر نازل ہوئی۔ اس میں منافقین کی پردہ دری کی گئی کہ انہیں لوگوں نے دم دے کر بنی نضیر کو سرکش بنا رکھا تھا۔ پھر جو مال وہ چھوڑ گئے تھے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کا وہی حکم ہے جو خمس غنیمت کا ہے۔

ذات الرقاع

جمادی الاول ۴ھ میں قبیلہ غطفان نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ سرورِ عالمؐ صحابہ کو لے کر ان کے مقابلہ کے لئے گئے ۔ ان کا اجتماع ایک نخلستان میں تھا۔ جب مسلمان اس کے قریب پہنچے تو وہ لوگ خوف سے متفرق ہوگئے اور لڑائی نہیں ہوئی۔

بدر دوم

شعبان ۴ھ میں حسب وعدہ آنحضرتؐ مع صحابہ کے مقام بدر میں پہنچے۔ ابو سفیان بھی قریش مکہ کو لے کر نکلے لیکن عسفان کے قریب پہنچ کر کہا کہ اس سال چونکہ قحط ہے اس لئے چلنا مناسب نہیں معلوم ہوتا نہ ہم کو پانی ملے گا نہ گھوڑوں کا چارہ۔ یہ کہہ کر پھر مکہ مکرمہ کو پلٹ آئے۔

غزوہ خندق

بنی نضیر کے جو لوگ خیبر میں جا رہے تھے ان میں سے بعض سردار قبیلہ بنی وائل کی ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ پہنچے اور قریش کو اپنے ساتھ اس بات پر متفق کیا کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں۔ پھر غطفان کے قبیلے سے بھی یہی کہا۔ چنانچہ قریش اور غطفان دونوں اپنی پوری طاقت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کے نئے نکلے۔ دونوں کی مجموعی تعداد ۲۴ ہزار تھی بنی نضیر اور بنی وائل کے لوگ بھی ساتھ ہو گئے۔ چونکہ اس میں عرب کے متعدد قبائل متحد ہو گئے تھے اس لئے اس کو جنگ احزاب کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے رائے دی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں اور کھلے میدان کے بجائے اپنی حفاظت کے لئے اردگرد خندق کھود یں۔ اہل عرب گو خندق کھود کر مورچہ بندی کرنے سے واقف نہ تھے لیکن آنحضرتؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور ۸ ذیقعدہ ۵ ہجری کو تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے پانچ ہاتھ گہری خندق اسلامی لشکر کے اردگرد چاروں طرف کھودی گئی۔ قریش اور غطفان وغیرہ کوہ احد کے متصل پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔

بنی نضیر کا سردار حیی بن اخطب بنی قریظہ کے رئیس کعب بن اسد کے پاس آیا اور کہا کہ میں اب کے اس قدر جنگ آوروں کو فراہم کر کے لایا ہوں کہ مسلمان ہرگز ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تم بھی ہمارا ساتھ دو۔ اس نے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر چکا ہوں اور اب تک ان سے بجز وفاداری کے کوئی دوسری بات نہیں دیکھی اس لئے عہد کو نہیں توڑ سکتا لیکن ابن اخطب نے اس قدر اصرار کیا اور اس کو ایسا سبز باغ دکھایا کہ آخر وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔

آنحضرتؐ کو جب اس کی خبر ملی تو قریش اور غطفان کے معاملہ سے بھی زیادہ اس کا اندیشہ ہوا اس لئے کہ بنی قریظہ پڑوسی تھے ان کی خیانت اور بد عہدی سے نقصان کا زیادہ احتمال تھا۔ آپؐ نے دو انصاری سرداروں حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو جو زمانہ جاہلیت میں بنی قریظہ کے حلیف تھے بھیجا کہ جا کر اس واقعہ کی اصلیت دریافت کریں یہ دونوں حضرات جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ واقعی انہوں نے پیمان توڑ ڈالا ہے اور لڑائی کی تیاری میں ہیں حضرت سعد بن معاذؓ نے ان کو سخت سست کہنا شروع کیا لیکن سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ جانے دو۔ ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے وہ اس زبانی جھگڑے سے بہت بڑھ کر ہے۔

جب ان لوگوں نے آ کر اس خبر کی تصدیق کی تو آنحضرتؐ کو سخت قلق اور اضطراب ہوا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مصیبت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ تین تین دن کا فاقہ۔ خندق کی کھدائی۔ سرمایہ کی کمی اور ہر طرف سے دشمنوں کا نرغہ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

اذ جاءکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ط هنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیدا ط

(ترجمہ) جب دشمن بلندی اور پستی کی طرف سے تم پر آئے۔ آنکھیں پتھرانے لگیں اور دل منہ تک اچھلنے لگے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ تب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آ گیا اور سخت زلزلہ ان پر طاری ہو گیا۔

منافقین کا نفاق ظاہر ہونے لگا اور وہ اپنے گھروں کی محافظت کے بہانہ سے بھاگنے لگے۔

اسی سختی اور مصیبت کی حالت میں مسلمانوں کو بیس دن سے زیادہ گزر گئے۔ آنحضرتؐ نے دشمنوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے غطفان کے رئیس عینیہ کے ساتھ گفتگو شروع کی کہ اگر تم اپنے قبیلہ کو لے کر واپس چلے جاؤ تو ہم مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ سالانہ تم کو دیتے رہیں گے اس نے قبول کر لیا لیکن قبل اس کے کہ کوئی عہد نامہ ہو آپؐ نے انصار کے دونوں سردار حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو بلا کر اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ اللہ کے حکم سے ایسا کرتے ہیں یا اپنی رائے سے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اپنی رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم مشرک اور بت پرست اور اللہ کی معرفت اور اس کی عبادت سے ناواقف تھے اس وقت بھی ان کا یہ حوصلہ کبھی نہ ہوا کہ مدینہ کا ایک خرما بھی بلا قیمت لے سکیں۔ اب جب کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے ہدایت اور عزت دی ہے تو ہم ان کو مدینہ کی تہائی پیداوار مفت میں دے دیں۔ یہ ہم سے کبھی نہ ہو گا سوائے تلوار کے ان کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر آپؐ مطمئن ہو گئے اور عہد نامہ نہیں لکھا۔

اس درمیان میں ایک دن قریش کے چند نوجوان جنگ کے جوش میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کے لئے بڑھے۔ ایک مع گھوڑے کے خندق میں گر کر ہلاک ہو گیا دوسرے کو مسلمانوں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا اور بعض خندق کے پار نکل آئے ان میں سے عمرو بن ود عرب کا نامی شہسوار تھا۔ حضرت علیؓ نے پہنچ کر اس کو قتل کیا۔ کفار خندق کے باہر سے تیر برساتے رہے اور دن بھر لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔

مسلمانوں نے عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ بنی قریظہ کا ایک یہودی اس کے قریب آکر حملے کے راستے کا سراغ لگا رہا تھا۔ آنحضرتؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ نے اس کو دیکھ لیا اور حسان بن ثابت سے جو دربار نبویؐ کے شاعر تھے اور مستورات کے ساتھ چھوڑ دئے گئے تھے کہا کہ باہر نکل کر اس کو قتل کر دو۔ حسان میں جرات نہ تھی انہوں نے کہا کہ میں اس کام کا نہیں ہوں آخر خود حضرت صفیہ نے نکل کر ایک ایسا لٹھ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ پھر انہوں نے حسان سے کہا کہ تم اس کے ہتھیار اتار لاؤ۔ لیکن وہ اس پر بھی رضامند نہ ہوئے مجبوراً حضرت صفیہ خود گئیں اس کے ہتھیار لئے اور اس کا سر کاٹ کر دوسری طرف جہاں اور یہودی کھڑے ہوئے تھے نیچے پھینک دیا یہ دیکھ کر وہ ڈر گئے اور سمجھے کہ یہاں کچھ محافظ ہیں۔

مسلمان اس محاصرہ اور مصیبت سے تنگ آکر دعا کرتے تھے آخر ایک دن رات کو نعیم بن مسعود جو غطفان کے ایک ہر دلعزیز ممتاز رئیس تھے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں سچے دل سے مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میری قوم کو ابھی تک اس کا مطلق علم نہیں اس لئے آپ مجھے جو بھی حکم دیں میں اسکی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک آدمی سے بجز اس سے کیا ہو سکتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دشمنوں میں تفرقہ ڈالے جنگ مین اس قسم کی درانداز ی جائز ہے۔ یہ سن کر وہ واپس چلے گئے اور بنی قریظہ کے سرداروں کو جو ان کے پرانے دوست تھے بلا کر کہا کہ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے کچھ سوچا ہے کہ کیا کر رہے ہو۔ میں تمہارا خیر خواہ اور قدیمی دوست ہوں صاف صاف کہتا ہوں کہ قریش کی حالت تمہاری حالت سے مختلف ہے وہ نہ یہاں کے باشندے ہیں نہ یہاں ان کے اموال و اولاد ہیں اگر وہ محاصرہ اٹھا کر چلے گئے تو پھر تم اکیلے مسلمانوں کے مقابلہ کی طاقت کہاں سے لاؤ گے اس لئے میں تمہاری خیر خواہی کے لحاظ سے مشورہ دیتا ہوں کہ قریش کے چند سرداروں کو اپنے پاس بطور ضمانت کے لئے رہن رکھ لو تا کہ پھر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں یہود کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔

اس کے بعد نعیم اٹھ کر رؤسا قریش کے پاس گئے اور ابو سفیان سے کہا کہ اس وقت رات کو مجھے ایک راز کی بات معلوم ہوئی ہے چونکہ تمہارا دوست اور قدیمی خیر خواہ ہوں اس لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ تم کو اس سے مطلع کر دوں ایسا نہ ہو کہ فریب میں آجاؤ اور وہ یہ ہے کہ بنی قریظہ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد نامہ تھا وہ اس کے خلاف ہمارے ساتھ اس جنگ میں شریک ہو گئے اب انہوں نے خوفزدہ ہو کر ان کے پاس کہلا بھیجا ہے کہ ہم عہد شکنی پر نادم ہیں اور پھر معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ مزید اطمینان کے لئے قریش اور غطفان کے چند

سرداروں کو ہم آپ کے حوالہ کریں گے۔ ضرورت ہے کہ ہم لوگ متحد ہو کر یہاں سے ان کو نکال دیں ورنہ وہ مدینہ اور اطراف مدینہ منورہ سب پر قبضہ کرلیں گے۔ پھر انہوں نے غطفانی رئیسوں کو جمع کر کے بھی ان سے کہا۔

شنبہ کی رات کو قریش اور غطفان نے عکرمہ بن ابی جہل کو چند آدمیوں کے ہمراہ بنی قریظہ کے پاس بھیجا کہ یہاں پڑے پڑے ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں اور آدمی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ صبح کو نکل کر جو کچھ کرنا ہے کر ڈالیں۔

بنی قریظہ کے سرداروں نے جواب دیا کہ کل تو سبت کا دن ہے جس میں ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ علاوہ بریں اس وقت تک لڑائی نہیں کریں گے جب تک تم اپنے سرداروں کو بطور ضمانت کے ہمارے حوالہ نہ کردو کیونکہ ہم کو شبہ ہے کہ تم لوگ کہیں ہم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں تنہا چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس نہ چلے جاؤ۔ قریش اور غطفان کو یہ سن کر نعیم کی بات کا یقین ہو گیا انہوں نے بنی قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم اپنے کسی آدمی کو تمہارے حوالہ نہیں کرسکتے اگر تمہیں لڑنا ہے تو نکل کر ہمارا ساتھ دو۔ بنی قریظہ نے کہا کہ جب تک ہمارا اطمینان نہ کردیا جائے، ہم لڑائی میں تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دے سکتے اس کی وجہ سے باہم بددلی پھیل گئی۔ علاوہ بڑے جاڑے کی راتیں تند آندھیوں کے جھونکے اتنی بڑی جمعیت کے لئے سامان کی فراہمی کی دشواری ان سب باتوں سے قریش تنگ آگئے تھے۔ آنحضرتؐ نے جب یہ خبر سنیں تو حضرت حذیفہؓ کو تجسس حال کے لئے بھیجا۔ رات کو جا کر وہ قریش میں مل گئے ابو سفیان نے سب کو مخاطب کر کے پہلے یہ کہا کہ ہر شخص اپنے پاس والے کو دیکھ لے کہ ہم میں کوئی اجنبی تو نہیں ہے حضرت حذیفہ نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑلیا جو ان کے قریب بیٹھا ہوا تھا اور پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔

اس کے بعد ابو سفیان نے کہا کہ ہم یہاں اپنے گھروں سے باہر پڑے ہوئے ہیں۔ آدمی اور جانور سب تباہ اور خستہ حال ہو گئے۔ آندھیوں کی وجہ سے آگ جلانا اور کھانا پکانا محال ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور سب لوگ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے مصیبت کی اس کالی گھٹا کو مسلمانوں کے سروں پر سے ہٹا دیا۔ اس احسان کا قرآن میں بھی ذکر فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا اذکرو نعمتہ اللہ علیکم اذ جائتکم جنوداً فارسلنا علیھم ریحاً وجنوداً لم تروھا وردالله الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیراً وکفی اللہ المومنین القتال ہ

(ترجمہ) اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ جب تمہارے اوپر فوجیں آئیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا نامراد واپس کیا اور مسلمانوں کو لڑنے سے بچالیا۔

بنی قریظہ

اس واقعہ میں مسلمانوں کی مصیبت کو جس چیز نے سب سے زیادہ ہیبت ناک بنادیا تھا وہ بنی قریظہ کی بدعہدی تھی لہٰذا اب ان کو اس کی سزا دینی لازمی تھی چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فوج کشی کی۔ انہوں نے بجائے ندامت اور پشیمانی کے اظہار کے مقابلہ کیا اور اپنے قلعوں میں پناہ لے کر بیٹھ گئے۔ ۲۵ دن تک محصور رہنے کے بعد درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاذ ہمارے بارے میں جو حکم دیں وہ ہم کو منظور ہے کیونکہ وہ ان کے قدیمی حلیف تھے۔ آنحضرتؐ نے اس کو قبول کیا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال و منال غنیمت قرار دیا جائے چنانچہ ان کے چار سو مرد قتل کئے گئے ایک عورت بھی جس نے ایک مسلمان کے اوپر پتھر گرا کر اس کو شہید کر ڈالا تھا قصاص میں ماری گئی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ادھر ان یہودیوں کے ان بھائیوں پر بھی جو نواح مدینہ منورہ سے شام میں جلاوطن کئے گئے تھے۔ ہرقل کے ہاتھ سے موت کا دور چل رہا تھا۔ کیونکہ ایرانیوں کے غلبہ کے زمانہ میں انہوں نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ بدسلوکی کی تھی۔ جب ہرقل نے پھر فتح پائی تو ان کو اچھی طرح سزا دی۔ غزوہ خندق میں کل چھ مسلمان شہید ہوئے۔ ان میں سے ایک حضرت سعد بن معاذ رئیس انصاری بھی تھے۔ ان کی رگ اکحل میں ایک تیر آکر لگا تھا اس سے خون جاری رہتا تھا۔ بنی

قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد اسی زخم سے وفات پائی ۔ مشرکین کے کشتوں کی تعداد تین تھی ۔ اس واقعہ کا پورا بیان سورہ احزاب میں نازل ہوا۔ بنی قریظہ کو ان کے قلعوں سے نکال کر قتل اور قید کرنے کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے ۔ اس جنگ کے بعد قریش کے دو نامی سردار حضرت عمرو بن عاصؓ اور خالد بن ولیدؓ مدینہ منورہ میں آکر اسلام لائے ۔ اہل عرب اس لڑائی کے بعد مسلمانوں کے مقابلے کے لئے ڈھیلے پڑ گئے چنانچہ اس جوش کے ساتھ پھر کبھی نہیں اٹھے ۔

بنی لحیان

آنحضرتؐ جمادی الاول ۶ ہجری میں بنی لحیان سے اصحاب رجیع کا بدلہ لینے کے لئے تشریف لے گئے لیکن وہ لوگ ڈر کے مارے بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ رہے ۔ اس لئے واپس چلے آئے ۔

ذی قرد

مدینہ میں آکر چند روز ٹھہرے تھے کہ غطفان کا سردار عینیہ چند سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ کے اطراف میں آیا اور آنحضرتؐ کے اونٹ ہانک لے چلا ۔ ایک غفاری شخص ان اونٹوں کا چرواہا تھا اس کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی کو پکڑ لیا۔
حضرت سلمہؓ ایک صحابی جو تیر اندازی میں ماہر تھے اس غارت گری کو دیکھ کر مدد کے لئے چلائے اور خود ان کے پیچھے لپکے ۔ تیر چلاتے تھے ۔ دشمن ان کو اکیلا دیکھ کر ان کی طرف پلٹتے تھے وہ پیچھے بھاگتے تھے مقصد یہ تھا کہ اس تدبیر سے ان کو پھنسائے رکھیں کہ کسی طرف سے مدد آجائے ۔
مدینہ منورہ میں سلمہ کی آواز آنحضرتؐ نے سنی ۔ چند آدمیوں کو سعد بن زید کے ساتھ دوڑایا اور پیچھے سے خود بھی پہنچ گئے ۔ بنی غطفان کے لوگ بھاگے ۔ چند اونٹ ان سے چھین لئے گئے اور ان کا ایک آدمی قتل کیا گیا۔ آنحضرتؐ ایک رات دن مقام ذی قرد میں رہے پھر مدینہ کو واپس آئے ۔

بنی مصطلق

شعبان ۶ ہجری میں یہ اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ضرار اپنے قبیلے کے لوگوں کو لیکر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے یہ سن کر آنحضرتؐ مدینہ منورہ سے نکلے مقام قدید کے قریب پہنچ کر ان سے مقابلہ ہوا وہ شکست کھا گئے ان کا مال ان کی اولاد اور عورتیں سب مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں اور تقسیم کر دی گئیں۔
رئیس قوم یعنی حارث کی بیٹی جویریہؓ تھیں ان سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ صحابہؓ نے یہ دیکھ کر کہ بنی مصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو گئے ان تمام لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا جو ان کو تقسیم میں ملی تھیں۔
حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جویریہؓ کے نکاح کی بدولت ان کا سارا قبیلہ آزاد ہو گیا۔ کوئی لڑکی اپنے خاندان کے لئے اس سے زیادہ مبارک کیا ہو گی۔

واقعہ حدیبیہ

صحابہ کرام اور نیز آنحضرتؐ کو بھی کعبہ کی زیارت کی خواہش تھی۔ ادھر آپؐ نے رویا میں دیکھا کہ مسلمان مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس لئے ذیقعدہ ۶ھ کو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ کفار جنگ کا گمان نہ کریں۔ عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے۔ قریش کو جب اس کی خبر ملی تو انہوں نے مدافعت کی تیاری شروع کی آنحضرتؐ نے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ قریش کی طرف سے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء چند آدمیوں کے ہمراہ خدمت میں حاضر ہوئے اور آنے کی غرض دریافت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم صرف کعبہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ کسی سے لڑائی مقصود نہیں۔ انہوں نے قریش سے کہا۔ سرداران قریش نے جواب میں کہلا بھیجا کہ گو تم لوگ لڑنے کے لئے نہیں آئے ہو۔ لیکن ہم تم کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے دیں گے ہم یہ ننگ گوارا نہیں کر سکتے کہ تمام عرب میں یہ چرچا ہو جائے کہ ہمارے دشمن زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر عمرہ کر گئے

پھر مکہ مکرمہ والوں نے حلیس بن علقمہ کنانی قبائل احابیش کے رئیس اعظم کو قاصد بنا کر بھیجا۔ اس نے جب قربانی کے اونٹ دیکھے تو اس کو یقین آگیا کہ مسلمان صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ وہ راستہ ہی سے واپس ہو گیا اور جا کر قریش کو اطلاع دی۔ انہوں نے کہا تم بدو ہو تمہیں کیا خبر؟ یہ سن کر اس کو غصہ آگیا اس نے کہا اے جماعت قریش! ہم نے تمہارے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے تم اس کی خلاف ورزی کر رہے ہو جو شخص بیت اللہ کی تعظیم کے خیال سے اس کی زیارت کو آتا ہے تم کیوں اس کو روکتے ہو۔ مسلمانوں کو عمرہ کر لینے دو ورنہ میں اپنے تمام قبیلہ کو لے کر تم سے لڑوں گا۔ قریش نے اس کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور کہا کہ یہ معاملہ بہت سخت ہے ہم کو اپنی منشاء کے مطابق کام کر لینے دو۔ قریش کے خود سر نوجوانوں کی ایک جماعت مکہ مکرمہ سے نکل کر وادی میں آئی کہ موقع پا کر آنحضرتؐ پر حملہ کرے۔ لیکن صحابہ نے ان کو دیکھا اور گرفتار کر لیا۔ جب سامنے لائے تو رحمت عالمؐ نے ان سب کو چھوڑ دیا۔

اس کے بعد عروہ بن مسعود سردار بنی ثقیف قریش کی طرف سے آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا کہ آپؐ یہ بھیڑ اپنے ساتھ لے کر خود اپنی قوم کو مٹانے کے لئے آئے ہیں یا قریش مسلح ہو کر آ رہے ہیں۔ ان لوگوں کو تاب نہیں کہ ان کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں۔ آپؐ کو چھوڑ کر گرد کی طرح اڑ جائیں گے۔ عروہ کا یہ کلام مسلمانوں کو گراں گزرا۔ حضرت ابو بکرؓ نے نہایت سخت جواب دیا۔ اس پر عروہ نے کہا کہ ابو بکرؓ! تمہارا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کو میں اب تک اتار نہیں سکا ہوں ورنہ میں بھی سخت کلامی سے پیش آتا۔

آنحضرتؐ نے عروہ سے بھی وہی کہا کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں اور جنگ کا کوئی خیال نہیں ہے۔ عروہ نے یہ دیکھا کہ صحابہ آنحضرتؐ کے ساتھ شیفتگی رکھتے ہیں اور اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ نظر اٹھا کر روئے مبارک کی طرف نہیں دیکھتے اور ان کے وضو کا جو پانی گرتا ہے اس کو لے کر آنکھ اور منہ پر مل لیتے ہیں۔ واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں قیصر اور کسریٰ کے درباروں میں بھی گیا ہوں۔ لیکن میں نے کسی بادشاہ کو اپنے ساتھیوں میں اتنا محبوب اور باعزت نہیں دیکھا۔ جس قدر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے

اصحاب میں ہیں وہ لوگ کسی طرح بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے ۔ تمہارے دل میں جو آئے وہ کرو۔

چونکہ معاملہ ابھی طے نہیں ہوا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو منتخب کیا کہ قریش کے پاس بھیجیں۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! قریش کے ساتھ جس قدر سختی اور عداوت کا اظہار میں نے کیا ہے اس سے وہ واقف ہیں۔ اس لئے ان کی طرف سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ علاوہ بریں میرے قبیلہ بنی عدی کا بھی کوئی شخص مکہ مکرمہ میں موجود نہیں ہے جو مجھے پناہ دے میری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ بھیجے جائیں۔ کیونکہ وہ خاندان بنی امیہ کے ایک باعزت رکن ہیں۔

آنحضرتؐ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ جس وقت وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کے قبیلہ کے ایک رئیس ابان بن سعید ان کو پناہ دے کر اپنے ساتھ لے گئے انہوں نے سرداران قریش کو آنحضرتؐ کا پیغام پہنچایا۔ لوگوں نے کہا تم کو خود اگر کعبہ کا طواف کرنا ہے تو کر لو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے اصحاب کو ہم مکہ مکرمہ میں نہیں آنے دیں گے حضرت عثمانؓ نے کہا بلا آنحضرتؐ کے میں کیسے طواف کر سکتا ہوں۔

قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ خبر شائع ہو گئی کہ وہ قتل ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو جب تک ہم ان کے خون کا بدلہ نہ لیں گے یہاں سے نہیں ٹلیں گے ۔ یہ کہہ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہؓ سے جن کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کا نام بیعت رضوان ہے ۔ اس کا ذکر قرآن میں ہے۔

لقد رضی الله عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرة

(ترجمہ) جب مسلمان درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ غلط نکلی۔ قریش نے سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ صلح صرف اس طریق سے ہو سکتی ہے کہ اس سال آپؐ مع اپنے ساتھیوں کے واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال آکر عمرہ کریں جب وہ آئے تو آنحضرتؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ قریش نے جب اس شخص کو بھیجا ہے تو معلوم ہوتا ہے ان کا ارادہ مصالحت کا ہے۔ گفتگو کے بعد مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہوئی۔

1 ۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال آئیں اور سوائے تلوار کے کہ وہ بھی میان میں ہوگی اور کوئی ہتھیار لگا کہ مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوں ان کو تین دن تک حرم میں ٹھہرنے کی اجازت ہوگی ان دنوں میں قریش باہر نکل جائیں گے۔

2 ۔ قبائل عرب سے مسلمان جس قبیلہ سے چاہیں معاہدہ کریں اور قریش جس کو چاہیں اپنا حلیف بنائیں اس معاملہ میں دونوں فریق آزاد ہیں۔

3 ۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو واپس کیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آجائے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

4 ۔ فریقین میں دس سال تک لڑائی نہ ہوگی اور باہم امن و امان کے ساتھ رہیں گے۔

اس معاہدہ کی تیسری شرط بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت سخت تھی اور اتفاق یہ کہ جس وقت یہ عہد نامہ لکھا گیا اسی وقت خود سہیل کے بیٹے ابو جندل جو مسلمان ہوگئے تھے مکہ مکرمہ سے کسی صورت سے بھاگ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آگئے اور کافروں نے ان کو سخت سزائیں دی تھیں اور ان کے جسم پر جابجا زخم تھے ۔ انہوں نے وہ زخم دکھلائے اور فریاد کی ان کے باپ کو آنحضرتؐ نے بہت سمجھایا کہ ان کو ہمارے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دے دو لیکن وہ راضی نہ ہوئے آخر عہد نامہ کی شرط کے مطابق ان کو واپس کیا بعض مسلمان یہ دیکھ کر تڑپ اٹھے ۔ حضرت عمرؓ کو تاب ضبط نہ رہی ۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ کر کہا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نبی برحق نہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ بے شک میں نبی برحق ہوں۔ انہوں نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں؟ ارشاد ہوا کیوں نہیں۔ پھر کہا کہ کیا

وہ لوگ مشرک نہیں؟ فرمایا کہ ہیں۔ تب وہ بولے کہ ایسی حالت میں پھر ہم دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے ہرگز خوار نہ کرے گا۔

حضرت عمرؓ اس بے تابانہ جوش کے فرو ہونے پر اپنی اس جرات پر بہت پشیمان ہوئے۔ زندگی بھر ان کو اس کا افسوس رہا اور اس کے کفارہ کے لئے توبہ اور استغفار کے علاوہ صدقے۔ خیرات نیز بردے آزاد کرتے رہے۔

اس عہد نامہ کے کاتب حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے اسلامی قاعدے کے مطابق شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی۔ سہیل نے کہا عربی دستور کے موافق باسمک اللھم لکھو۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اسی طرح لکھ دو "محمد رسول اللہ" کے لکھنے پر بھی سہیل کو اعتراض ہوا۔ انہوں نے کہا اگر ہم آپؐ کو تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ صرف اپنا نام مع ولدیت کے لکھائیے۔ آپؐ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں خواہ تم لوگ مانو یا نہ مانو۔ اس کے بعد حضرت علیؓ سے کہا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ باوجود فرمان نبوی کے ان کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ رسول اللہؐ کے لفظ کو مٹائیں اور کہا مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ اس پر آنحضرتؐ نے خود اپنے ہاتھ سے اس کو مٹا دیا۔ عہد نامہ مکمل ہونے کے بعد خزاعہ آنحضرتؐ کے حلیف ہوگئے اور بنی بکر قریش کے مسلمانوں نے اسی مقام پر سر کے بال تراشے۔ احرام اتارے قربانیاں کیں اور پھر مدینہ کو واپس ہوئے۔ اس واقع کے متعلق پوری سورہ فتح نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی پہلی آیت میں اس صلح کو جس کو مسلمان شکست خیال کرتے تھے "فتح نمایاں" کا لقب دیا۔ کیونکہ اب تک اہل عرب اور خاص کر قریش اسلام سے برسر پرخاش تھے اس صلح سے امن ہوگیا اور لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام پر غور کرنے کا موقع ملا۔ نیز دعوت اسلام کے لئے راستہ صاف ہوگیا اور اہل اسلام بلا خوف و خطر قبائل میں آنے جانے لگے۔ آنحضرتؐ نے بادشاہوں، امراء اور رؤسا قبائل کے ساتھ مراسلت شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ کثرت کے ساتھ اسلام لانے لگے اور مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھنے لگی۔ اس لئے اس صلح میں کفار کے ساتھ جو خفیف رعایت برتی گئی اس کے مقابلہ میں اس عظیم الشان نفع کا حاصل ہو جانا حقیقت میں فتح تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے رضامندی ظاہر کی جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی پھر وہ اسباب بیان فرمائے جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ سے احتراز کرنا پڑا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کے رویا کے متعلق ارشاد کیا کہ وہ برحق ہے اور یقیناً تم مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ لیکن اس سے پہلے تم کو یہ فتح عطا کر دی اور وہ وعدہ آئندہ پورا ہو کر رہے گا۔ آخر میں صحابہ کی مدح فرمائی اور توریت و انجیل سے ان کی بہترین تمثیل اور تعریف نقل کی۔ معاہدہ کی تیسری شرط کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ میں صرف مردوں کے لئے محدود کر دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان عورت ہجرت کر کے چلی آئے تو اس کو واپس نہ کرو۔ کچھ دنوں کے بعد ایک مسلمان ابو بصیر کفار کی سختیوں کی تاب نہ لاکر مکہ مکرمہ سے بھاگے اور مدینہ منورہ میں آکر پناہ لی۔ قریش نے دو آدمی بھیج کر ان کو طلب کیا آنحضرتؐ نے معاہدہ کی شرط کے مطابق ان دونوں کے ہمراہ ان کو واپس کر دیا۔ ابو بصیر نے راستہ میں ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ دوسرا خوف کی وجہ سے بھاگ کر مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور شکایت کی۔ ابو بصیر بھی آگئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے واپس کر کے بری الذمہ ہوگئے۔ اب جو کچھ میں نے کیا ہے اس کا ذمہ دار میں خود ہوں اس کے بعد وہ مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں رہنے لگے۔

مکہ مکرمہ کے ستم کش مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ ابو بصیر نے اپنی قوت بازو سے ایک جائے پناہ بنائی تو وہ بھاگ بھاگ کر انہیں کے ساتھ شامل ہوتے گئے اور جب ان کی جمعیت زیادہ ہو گئی تو قریش کے کاروان تجارت پر حملے کرنے لگے۔ مجبوراً اہل قریش نے آنحضرتؐ کو لکھا کہ ہم معاہدہ کی شرط سوم سے باز آئے اب جو مسلمان مدینہ میں چلا جائے ہم اس کی واپسی کے خواہاں نہیں ہیں۔ اس بناء پر آپؐ نے عیص کے مسلمانوں کو جن میں ابو بصیر اور ابو جندل وغیرہ تھے مدینہ میں اپنے پاس بلا لیا۔

خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی طرف سے تو مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہو گیا تھا لیکن خیبر کے یہود جن میں بنی نضیر اور بنی قریظہ کے لوگ جلا وطن ہو کر شامل ہو گئے تھے ۔ اسلام کے سخت دشمن تھے انہوں نے عداوت اور سرکشی پر کمر باندھی۔ دوسرے قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف ابھارنا شروع کیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگے ۔ بنی غطفان کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ شریک کر لیا کہ مدینہ کی نصف پیداوار تم کو دی جائے گی۔ اگرچہ خیبر کا فاصلہ مدینہ منورہ سے دو سو میل ہے لیکن یہاں کے منافقین کو بھی در پردہ ان یہود نے ساتھ ملا لیا تھا۔ ان منافقین جاسوسوں کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی ایک ایک بات کی خبر ملتی تھی۔ آنحضرتؐ نے اس سیلاب کو بڑھتا ہوا دیکھ کر مقابلہ کی تیاری کی اور محرم ۷ ھ میں تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کے درمیان جن میں سے دو سو سوار تھے مدینہ سے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر مقام رجیع میں جو قبیلہ غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے قیام فرمایا۔

یہود کے پاس چھ قلعہ تھے ۔ مسلمانوں نے ان کو یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ بنی غطفان ان کی امداد کو نہ آئے۔

ان میں سے سب سے بڑا قبیلہ قموص تھا۔ جس میں یہود کا مشہور سردار مرحب رہتا تھا۔ اس قلعہ کو فتح کرنے کی صحابہ نے بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر علم عطا کیا۔ مرحب نے قلعہ سے نکل کر جنگ کی انہوں نے اس کو قتل کیا اور قلعہ فتح کر لیا۔ اہل خیبر نے درخواست کی کہ ہم یہاں کی نصف پیداوار سالانہ دیتے رہیں گے ہم سے صلح کر لی جائے ان کی درخواست منظور کی گئی اور اسی شرط پر مصالحت ہوئی ۔ یہ اختیار بھی باقی رکھا گیا کہ مسلمان جب چاہیں گے یہود کو یہاں سے نکال دیں گے اس لڑائی میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔

فدک

جب واپس ہو رہے تھے تو وادی القریٰ میں فدک کے یہود نے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کی ۔ ان کا بھی محاصرہ کیا گیا۔ آخر انہوں نے بھی خیبر والوں کی شرط پر صلح کی۔

عمرہ حدیبیہ

صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق ذیقعدہ ۷ ھ میں حضورؐ صحابہ کو لے کر عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ۔ قریش باہر نکل گئے تین دن حرم میں رہ کر عمرہ اور طواف کر کے مدینہ واپس آئے۔

سریہ موتہ

سرور عالم نے بادشاہوں کے نام جب خطوط روانہ کئے تو ایک خط شرجیل بن عمرو غسانی بادشاہ کے نام حارث بن عمیر ازدیؓ کے ہاتھ بھیجا۔ غسانی نے ان کو قتل کر ڈالا۔ جمادی الاول ۸ ھ میں ان کے قصاص کے لئے تین ہزار فوج مدینہ سے روانہ کی ۔ زید بن حارثہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں اور جو وہ بھی شہید پائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ۔

غسانی نے اس کی خبر پا کر مقابلے کے لئے تقریباً ایک لاکھ فوج جمع کی اس زمانہ میں ہرقل قیصر روم تھا وہ مقام مآب میں جو شام کی سرزمین میں بلقاء میں واقع ہے ایک لاکھ فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اس نے غسانی کی امداد کے لئے اپنے بعض امراء کو مع فوج کے بھیجا۔

مسلمان جب ان حدود میں پہنچے تو ایک گاؤں کے پاس جس کا نام موتہ تھا فروکش ہوئے ۔ غنیم سے وہیں مقابلہ ہوا حضرت زید لڑائی میں شہید ہو گئے اس کے بعد جعفر بن ابی طالب نے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ بھی زخموں سے چور ہو کر گر پڑے ان کے

جسم پر تقریباً سو زخم تھے اور سب سامنے کے حصہ پر تھے پشت کی طرف ایک بھی نہ تھا ان کی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہ امیر ہوئے اوز انہوں نے بھی شہادت پائی آخر میں خالد بن ولید نے علم سنبھالا اور اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ اس دن آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹیں۔ اسی روز انہوں نے اپنی جنگ مہارت کا کامل ثبوت دیا۔ دشمنوں کی اس قدر کثیر تعداد زبردست طاقت کے مقابلہ میں بڑی شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی پوری فوج کو نہایت خوبی کے ساتھ ورطہ ہلاکت سے باہر نکال لائے۔ کل بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ مزید مقابلہ کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے مدینہ منورہ واپس چلے آئے۔ آنحضرتؐ کو جعفرؓ کی جدائی کا بڑا قلق ہوا۔

فتح مکہ مکرمہ

صلح حدیبیہ کے بعد خزاعہ آنحضرتؐ کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہو گئے تھے ان دونوں قبیلوں میں باہم قدیم عداوت تھی اور کچھ خون کے جھگڑے چلے آتے تھے ۔ بنی بکر نے قریش کے معاہدے کے گھمنڈ میں خزاعہ سے لڑنے کی تیاری کی اور اپنے پرانے مقتولوں کا بدلہ لینا چاہا۔ قریش نے بھی ان کے لئے ہتھیار فراہم کئے اور انکے بعض سردار لڑائی میں بھی بنی بکر کے ساتھ شامل ہوئے ۔ خزاعہ نے شکست کھا کر حدود حرم میں پناہ لی ۔ بنی بکر کے سردار نوفل نے کہا ایسا موقع پھر نہیں ملے گا چنانچہ ان کو حرم میں ہی قتل کیا جہاں خونریزی حرام تھی۔ عمرو بن سالم خزاعی دوڑے ہوئے مدینہ منورہ میں آئے اور آنحضرتؐ سے فریاد کی کہ قریش نے عہد کو توڑ ڈالا ہے ۔ بنی بکر کو ہمارے مقابلہ میں امداد دی اور خاص حرم میں ہمارے آدمیوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد بدیل بن ورقاء ، خزاعی بھی اپنے قبیلے کی ایک جماعت کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں پہنچے اور ماجرا سنا کر امداد کے طالب ہوئے۔

قریش اپنی غلطی سے دل میں خوفزدہ ہوئے ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمان معاہدے کے مطابق خزاعہ کی امداد ضرور کریں گے جنگ کی وہی مہیب صورت جس سے صلح کرکے دس برس کے لئے فراغت حاصل کی تھی پھر ان کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی ۔ اس لئے انہوں نے اپنے رئیس ابو سفیان کو مدینہ میں بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کریں۔ لیکن سرور عالمؐ اس پر راضی نہیں ہوئے اور وہ ناکام مکہ مکرمہ واپس آئے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ جانے کی تیاری کا حکم دیا اور احتیاط رکھی کہ قریش کو اس کی خبر نہ ہونے پائے ۔ ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو اس کی اطلاع دینے کے لئے ایک خط کسی عورت کے ہاتھ روانہ کیا۔ آنحضرتؐ کو اس کا علم ہو گیا وہ عورت راستے سے واپس لائی گئی اور اس کے پاس سے وہ خط برآمد ہوا۔ حاطب ایک بزرگ صحابی اور اہل بدر میں سے تھے ان کی اس حرکت سے سب کو حیرت ہوئی ۔ حضرت عمرؓ نے جوش میں آکر کہا کہ یا رسول اللہؐ ! حکم دیجئے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! اہل بدر کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے اس کے بعد حاطب سے اس کی وجہ دریافت کی انہوں نے کہا کہ مکہ مکرمہ میں چونکہ میرے اقرباء ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر ایک احسان کر دوں تاکہ وہ ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ رحمت عالمؐ نے اس عذر کو قبول فرما لیا۔

۱۰ رمضان المبارک ۸ ھ یکم جنوری ۶۳۰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر مقام مرالظہران میں قیام فرمایا۔ قریش کو کوئی اطلاع نہ تھی کہ اس عہد شکنی کے بدلے میں مسلمان ان کے ساتھ کیا کریں گے جب یہ جمیعت ان کے سر پر آگئی اور ان کی افواہ ان کے کانوں تک پہنچی تو رات کے وقت ابو سفیان مع چند دیگر سرداروں کے اس کی تحقیق کے لئے مکہ مکرمہ سے نکلے دیکھا کہ سارے بیابان میں ہر طرف آگ روشن ہے اور آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباسؓ کا دل اپنی قوم کے لئے بے چین تھا وہ چاہتے تھے کہ کسی صورت سے وہ مسلمان ہو جائے ۔ ورنہ کل جس وقت یہ فوج مکہ پر چڑھے گی تو اس کا نشان مٹ جائے گا۔

اسی خیال سے رات کو وہ آنحضرتؐ کے خچر دلدل پر چڑھ کر مکہ مکرمہ کی طرف گئے ۔ راستہ میں ابو سفیان سے ملاقات ہو گئی ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے کہ ان کے لئے امان مانگ لیں۔ ابو سفیان سب سے بڑے دشمن اسلام تھے مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو ستاتے رہے پھر ہجرت کے بعد بار بار فوجیں لے کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کرتے رہے سارے مسلمان ان کے خون کے پیاسے تھے۔ حضرت عباسؓ جب ان کو آنحضرتؐ کے پاس لا رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے راستہ میں دیکھ کر پہچان لیا۔ بڑھ کر ان کے ساتھ ہی دربار رسالت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ اب حکم دیجئے کہ اس دشمن کا سر اڑا دوں۔ آنحضرتؐ نے ان کو روکا اور ابو سفیان کو امان دے کر حضرت عباسؓ کے حوالہ کیا۔ وہ رات پھر انہیں کے خیمے میں رہے اور صبح کو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ! ابو سفیان فخر پسند آدمی ہیں ۔ ان کو کوئی امتیاز عطا فرمایا جائے تو بہتر ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ کا جو شخص خانہ کعبہ یا ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہے ۔ نیز جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو بھی امان ہے اور راستہ میں بھی جو شخص اپنی تلوار میان میں رکھ لے گا۔ ہم اس سے نہیں لڑیں گے۔

ابو سفیان اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ امان کے لحاظ سے ان کا گھر کعبہ کے برابر کر دیا گیا۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں جا کر اعلان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایسا لشکر لے کر آئے ہیں کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر جان کی امان چاہتے ہو تو کعبہ یا میرے گھر میں پناہ لو۔ یا اپنے اپنے دروازہ بند کر لو اور تلواریں میان میں رکھو۔

اسلامی لشکر شان و شوکت کے ساتھ قبیلہ وار الگ الگ مکہ مکرمہ کی طرف بڑھا آنحضرتؐ کی تاکید تھی کہ یہ حرم ہے خونریزی مطلق نہ ہو۔ چنانچہ دو ایک خفیف مناقشوں کے جو ذکر کے بھی قابل نہیں ہیں سب بلا مزاحمت مکہ مکرمہ میں داخل ہوگئے۔

حضورؐ نے جب وہاں نزول فرمایا اور لوگ مطمئن ہوگئے تو کعبہ کی طرف چلے۔ سواری پر سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ مسجد حرام میں جس قدر بت تھے سب نکلوا دیے ۔ خاص کعبہ کے اندر داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر اس کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور ایک تقریر فرمائی جس کا آغاز یہ ہے۔

" اللہ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے سارے جتھوں کو شکست دی ۔ ہر قسم کے فخر اور خون اور مال کے دعوے میرے قدموں کے نیچے ہیں " ۔

اہل عرب اپنی شرافت اور آباؤ اجداد کے کارناموں پر فخر کیا کرتے تھے اور جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی مارا جاتا تو پشتہا پشت تک اس کا دعویٰ زندہ رکھتے اور خون یا مال یعنی خون بہا کی شکل میں بدلہ حاصل کرتے اور اس کو بڑے فخر کی بات سمجھتے تھے ۔ آنحضرتؐ نے ان جاہلانہ مفاخر کو پامال کر دیا پھر فرمایا۔

" اے جماعت قریش! اب تمہارے جاہلیت کے گھمنڈ اور نسب کے فخر کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا۔ تمام آدمی آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم خاک سے بنے تھے ۔

کفار قریش جنہوں نے اسلام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ مغلوب اور خوف زدہ سامنے کھڑے تھے ۔ آپؐ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟۔

انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔ کفار نے اس ترحم اور مہربانی کو دیکھ کر اسلام کی طرف قدم بڑھایا اور ایک قلیل تعداد کے سوا جو بعد میں اسلام لائی تمام اہل قریش اسی دن مسلمان ہوگئے ۔ چند کافر جنہوں نے خاص جرائم کئے تھے قتل کئے گئے ۔ اس کے بعد آپؐ نے کعبہ کی کنجی عثمانؓ کے حوالہ کر دی جو آج تک انہیں کی نسل میں چلی آتی ہے۔ فتح مکہ مکرمہ زمانہ سابق اور مابعد کے درمیان ایک حد فاصل ہے کیونکہ قریش اہل عرب کی نگاہ میں مذہبی پیشوا تھے بہت سے قبائل کا رجحان اسلام کی طرف ہو چکا تھا۔ مگر وہ اسی وجہ سے رکے ہوئے تھے کہ دیکھیں قریش کیا کرتے ہیں

اس لئے قریش کا اسلام لانا گویا تمام عرب میں شرک اور بت پرستی کا خاتمہ تھا۔ کعبہ کے بتوں کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی عرب کے سارے بت خاک میں مل گئے۔

جنگ حنین

فتح مکہ مکرمہ کے بعد بنی ثقیف اور ہوازن کے قبائل جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان آباد اور نہایت جنگجو اور سرکش تھے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر آئے۔ مالک بن عوف ان سب کا سپہ سالار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ملی تو صحابہ کو لے کر مکہ مکرمہ سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ اسلامی فوج کی تعداد اس وقت بارہ ہزار تھی اور ساز و سامان بھی وافر تھا۔ صحابہ جو ہمیشہ تھوڑی تعداد سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آجایا کرتے تھے۔ اپنی اس کثرت اور شوکت کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اب ہمارے اوپر کون غالب آسکتا ہے ان کی یہ بات دربار الٰہی میں ناپسند کی گئی۔ پہلے ہی معرکہ میں جب غنیم نے تیر باری شروع کی تو تمام مسلمان درہم برہم ہو گئے اور سب کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صرف نبی صلی علیہ وسلم اور ان کے ساتھ چند افراد میدان میں رہ گئے۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ سے جو بلند آواز تھے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو۔ ان کی آواز سن کر انصار پلٹے جب ان کی تعداد ایک سو ہو گئی تو انہوں نے کفار پر حملہ کیا۔ پھر بقیہ مسلمان بھی آگئے اور وہ بھی حملہ آور ہوئے چند گھنٹوں میں دشمنوں نے شکست فاش کھائی۔ مسلمانوں کو غنیمت میں چھ ہزار عورتیں اور بچے چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ملی۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر سورۃ توبہ میں ہے۔

لقد نصرکم الله في مواطن کثیرة ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین . ثم انزل الله سکینته علی رسوله وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروها وعذب الذین کفرو وذالک جزاء لکافرین.

(ترجمہ: اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی جب تم کو اپنی کثرت پر ناز تھا حالانکہ وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تمہارے اوپر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگے پھر اللہ نے اپنے رسولؐ اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور کافروں کا بدلہ یہی ہے۔

شکست کھانے کے بعد ہوازن کے کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے رشتہ دار اور قرابت مند ہیں آپؐ کی رضاعی والدہ حلیمہ ہمارے ہی قبیلہ کی تھیں۔ اگر ملوک عرب مثلاً نعمان بن منذر یا حارث غسانی وغیرہ میں سے کسی نے ہمارے خاندان میں دودھ پیا ہوتا تو ہم کو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں۔ اور آپؐ کی ذات سے تو ہم ان سے بھی زیادہ توقع رکھتے ہیں جو عورتیں اس جنگ میں گرفتار ہو کر آئی ہیں ان میں سے بہت سی آپؐ کی خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

آپؐ نے فرمایا تم کو اپنا مال زیادہ عزیز ہے یا عیال۔ ان لوگوں نے کہا کہ ان دونوں میں سے ہم اپنے عیال کو ترجیح دیتے ہیں۔ فرمایا کہ میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصہ میں جس قدر تمہارے عیال آئے ہیں میں تم کو واپس کر دوں گا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جس وقت میں ظہر کی نماز سے فارغ ہوں اس وقت تم لوگ جماعت کے سامنے میرا واسطہ دلا کر مسلمانوں سے اپنے عیال کو مانگو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آنحضرتؐ نے سب کے سامنے اعلان کیا کہ عبدالمطلب کی اولاد کے حصہ میں جس قدر تمہارے بال بچے ہیں ان کو میں نے

تمہیں بخشا یہ سن کر سارے مسلمان بول اٹھے کہ جس قدر ان کے اہل و عیال ہمارے حصہ میں آئے ہیں وہ ہم نے رسولؐ اللہ کو دے دیے اس طرح ہوازن کو ان کے اہل و عیال واپس مل گئے۔ مال غنیمت میں سے زیادہ تر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روسا قریش کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے تالیف قلوب کے لئے عطا فرمایا۔ اس پر مدینہ منورہ کے بعض انصار کو ملال ہوا اور انہوں نے آپس میں کہا کہ آنحضرتؐ نے اپنی قوم کو تمام مال تقسیم کر دیا اور ہم کو محروم رکھا حالانکہ قریش ہماری تلواروں سے مغلوب ہوئے ہیں۔

آنحضرتؐ نے جب اس کا چرچا سنا تو انصار کو جمع کر کے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ایسا کہا؟ انصار نے جواب دیا کہ ہمارے بعض نوجوانوں نے بے شک اس قسم کی باتیں کہیں۔ لیکن سر برآوردہ لوگوں میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا اور نہ ان کا ایسا خیال ہے آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے کہا کیا یہ سچ نہیں کہ تم لوگ گمراہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے میری بدولت تم کو ہدایت عطا فرمائی۔ تم لوگ باہم دشمن تھے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا ہوا۔ تم نادار تھے میرے دم سے اللہ نے تم کو غنی کیا۔ انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا احسان بہت بڑا ہے آپؐ نے فرمایا۔

نہیں تم مجھ کو جواب دے سکتے ہو کہ ساری دنیا نے تجھ کو جھٹلایا اور ہم نے تیری تصدیق کی سب نے تجھ کو چھوڑ دیا اور ہم نے پناہ دی ۔ تو محتاج تھا کہ ہم نے تیری مدد کی اور میں تمہاری ان سب باتوں کی تصدیق کروں گا۔ اے جماعت انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے چلو۔ یہ تقریر سن کر انصار رو پڑے اور آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں پھر آپؐ نے ان کو سمجھایا کہ یہ لوگ ابھی تازہ مسلمان ہوئے ہیں۔ تالیف قلوب کے خیال سے ان کو زیادہ مال دیا گیا ہے ۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ ان کا حق زیادہ ہے۔

غزوہ تبوک

جنگ موتہ جو شام کے بادشاہ غسانی سے ہوئی تھی اس کا بدلہ لینے کے لئے اس نے عیسائی عربوں کا ایک لشکر تیار کیا اور قیصر سے بھی امداد طلب کی ۔ اس نے چالیس ہزار فوج بھیجی ۔ غسانی کا ارادہ تھا کہ مدینہ منورہ پر لشکر کشی کرے اہل مدینہ یہ خبر سن کر اندیشہ مند تھے ۔ آنحضرتؐ نے بھی اس کے مقابلے کی تیاری شروع کی اور ہر مسلمان قبیلہ سے فوجی اور مالی امداد طلب کی چونکہ اس زمانہ میں سخت قحط تھا اور گرمی کی شدت تھی اس لئے اس لشکر کی تیاری میں بہت دشواری پیش آئی ۔ منافقین مسلمانوں کو بہکاتے تھے کہ اس گرمی میں نہ جاؤ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کا پردہ فاش کیا۔

وقالو لا تنفروا فی الحرقل نار جهنم اشد حرا ط

ترجمہ :۔ ان لوگوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو۔ کہہ دو کہ جہنم کی آگ اور زیادہ گرم ہے۔

بڑے بڑے صحابہ اور اہل کرم دولت مندوں خاص کر حضرت عثمان غنیؓ کی کوششوں سے اس فوج کا ساز و سامان درست ہوا۔

آنحضرتؐ ۹ ھ میں اس لشکر کو لے کر جس کی تعداد تیس ہزار تھی روانہ ہوئے اور تبوک میں جو مدینہ منورہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر دمشق کی طرف سے پہنچ کر قیام فرمایا۔ غسانی مقابلہ کے لئے نہیں آیا۔ ایلہ کے حکمراں یوحنا نے آکر مصالحت کی اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ جزبار اور اذرح کے باشندے بھی آئے ۔ انہوں نے بھی جزیہ پر صلح کی ۔ دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر قیصر کا باجگذار اور اسلام کا دشمن تھا حضرت خالد کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا وہ گرفتار ہو کر آیا۔ آنحضرتؐ نے اس کی جان بخشی کی اس نے جزیہ دینا منظور کیا۔ دس دن تک وہاں قیام رہا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ کو واپس تشریف لائے یہی سب سے آخری غزوہ تھا۔

حج اکبر

۹ ھ پہلا سال تھا جس میں مسلمانوں کے اہتمام سے حج ہوا۔ آنحضرتؐ اگرچہ خود نہیں تشریف لے گئے لیکن حضرت ابو بکرؓ کو میر حاج اور حضرت علیؓ کو نقیب بنا کر تین سو مسلمانوں کے ہمراہ مکہ بھیجا۔ قربانی کے اونٹ بھی ان کے ساتھ کر دیے ۔ ان لوگوں نے جا کر حج کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے مناسک حج لوگوں کو سکھائے اور منادی کروی آئندہ سے کوئی برہنہ اور کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہ ہو۔ نیز سورہ برات کی ابتدائی آئتیں سنائیں اور اعلان کر دیا کہ جن مشرکین سے معاہدہ ہو چکا ہے اس کی مدت تک عہد کی پابندی کی جائے گی اور جن سے کوئی عہد نامہ نہیں ہوا ہے ان کو چار مہینے کی مہلت ہے اس کے بعد اللہ اور رسولؐ ان سے بری الذمہ ہیں۔ اس اعلان کے بعد مکہ مکرمہ کے باقی ماندہ کفار بھی مسلمان ہوگئے اور عرب کے جو قبائل رہ گئے تھے ان میں سے لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آنے شروع ہوئے اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اس وقت سورہ نصر نازل ہوئی۔

اذا جاء نصر الله والفتح ورايت الناس يدخلون فى دين الله افواجا فسبح بحمد ربک واستغفره انه كان توابا.

ترجمہ - جب فتح اور نصر الہی آ گئی اور تو نے دیکھ لیا کہ اللہ کے دین میں لوگ جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھ اور اس سے مغفرت مانگ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ نبوت اپنا فرض ادا کر چکی ہے اب اس کو دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔

حجتہ الوداع

۱۰ھ میں خود آنحضرتؐ نے حج کا تہیہ کیا۔ قبائل عرب میں بھی اس کی اطلاع دے دی گئی۔ ۲۵ ذیقعدہ کو حضورؐ صحابہ کے ہمراہ جن میں مدینہ منورہ کی آبادی کا بیشتر حصہ تھا۔ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے وہاں مختلف مقامات اور قبائل کے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ حج کے بعد آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے ایک مؤثر خطبہ دیا۔ جس کا مطلب مختصراً یہ ہے۔

" لوگو! توجہ سے سنو اور یاد رکھو! ممکن ہے آئندہ مجھے تم سے ملنے کا موقع نہ مل سکے ۔ جس طرح تم اس دن ، اس مہینہ اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو اسی طرح ایک مسلمان کا خون ، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک کام کا حساب لے گا۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اور اسی طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں ان کے ساتھ نرمی کرنا اور مہربانی سے پیش آنا اور اللہ سے ڈر کر ان کے حقوق کا لحاظ کرنا۔ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا اور جو خود پہنو وہی ان کو پہنانا۔ ان سے کوئی خطا ہو تو درگزر کرنا یا ان کو جدا کر دینا۔ وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں۔ ان کے اوپر سختی روا نہ رکھنا۔ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے کسی بھائی کی کوئی چیز تمہارے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ رضا مندی سے نہ بخش دے ۔ دیکھو ناانصافی نہ کرنا۔ میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم مضبوط پکڑو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے ۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے۔ "

" لوگو! عمل میں خلوص ، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ میرا یہ کلام ان لوگوں کو پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ کیونکہ بہت لوگ روایتاً کلام کو سن کر ان سے زیادہ خیال رکھتے ہیں جو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔ " اس الوداعی خطبہ کے بعد آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ " قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے سوال کرے گا کہ میں نے تم کو اس کے احکام کی تبلیغ کی یا نہیں۔ تم لوگ اس کا کیا جواب دو گے؟ " سب نے یک زبان ہو کر بلند آواز سے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ گواہ ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچائے اور رسالت کا فرض ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپؐ نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے اور تین بار کہا اے اللہ تو شاہد رہ! "

ختم قرآن

اسی روز یعنی حجتہ الوداع کے خاتمہ پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

ترجمہ - آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اس دن سے احکام قرآنی کے نزول کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اس کی تمام آیتیں اور سورتیں مرتب ہو چکی تھیں اور بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ تھے۔

دعوت اسلام اور اسکے نتائج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی ۔ اس وقت تک قریش اور ان کے حلیف قبائل میں سے ایک مختصر جماعت نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر دیگر قبائل عرب کے صرف چند افراد اسلام لائے تھے۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کے باشندے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے ان کو انصار کا لقب ملا۔ یہاں کے لوگوں میں اسلام کا عشق اور اس کی طرف ایسا رجحان تھا کہ سب کے سب مسلمان ہو جاتے ۔ لیکن ایک رکاوٹ آ پڑی کہ ان میں بعض اہل اثر یا تو اسلام کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے یا اپنی سرداری کے زوال کا ان کو خوف ہوا۔ اس وجہ سے وہ اسلام سے دشمنی کرنے لگے ان کے ساتھ اور بھی ان کے ہم خیال ہوگئے ۔ گو مسلمانوں کے غلبہ کی وجہ سے ظاہراً وہ مسلمان ہوگئے تھے لیکن درپردہ مخالفت کرتے تھے انہیں لوگوں کو قرآن نے منافق کہا۔ آنحضرتؐ ان کے ساتھ نہایت مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرتے تھے یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سرغنہ تھا۔ باوجود صحابہ کی مخالفت کے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی کفن کے لئے اپنا پیراہن مبارک بخشا اور خود اس کی قبر میں اترے ۔ حالانکہ یہ شخص اسلام پر مسلمانوں پر اور خود آنحضرتؐ کی ذات پر بہت سی مصیبتوں اور تکلیفوں کا باعث ہوا تھا لیکن رحمت عالم لوگوں کی تالیف قلب کا بہت خیال رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی صورت سے ان کا باطن بھی ظاہر کے مطابق ہو جائے کیونکہ اس سے اسلام کو بہت کچھ تقویت پہنچنے کی امید تھی۔

مدینہ منورہ کے یہود سے عبداللہ بن سلام اور چند دیگر افراد اسلام لائے۔ آنحضرتؐ عرب کے قبائل کو اسلام کی طرف بلاتے تھے ۔ ان کے پاس قاصد اور خطوط بھیجتے تھے لیکن قریش کے مغلوب ہونے سے پیشتر تک کوئی بڑا نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔

اہل عرب کے توقف کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام اور قریش میں جو لڑائیاں ہوتی تھیں وہ فیصلہ کن نہ تھیں۔ بدر میں اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو احد میں قریش غالب رہے ۔ نیز خندق کی لڑائی سے عربوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان قریش سے دو بدو مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ۔ اس وجہ سے اشاعت اسلام میں رکاوٹ پڑ گئی تھی اس کی رفتار بہت سست تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد امن و امان ہو گیا اور کفار کو مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔ جب قرآن کی آیات اور آنحضرتؐ کی تعلیمات سنیں تو عام طور پر ان کا رجحان اسلام کی طرف ہو گیا۔ لیکن پھر بھی وہ قریش کے معاملہ کے منتظر تھے۔

۸ ھ میں جب مسلمانوں نے مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا تو تمام اہل عرب کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے ساتھ غیبی امداد اور آسمانی قوت شامل ہے ورنہ بیت اللہ پر ان کا فتح یاب ہونا ناممکن تھا اسی کے ساتھ تقریباً جملہ اہل قریش جن کی مذہبی سیادت سارے عرب میں مسلم تھی اسلام میں داخل ہوگئے یہ دیکھ کر تمام عرب نے اس دین کی طرف قدم بڑھائے اپنے اپنے قبیلوں سے وفود بھیجے اور اسلام میں داخل ہو گئے چنانچہ تاریخ اسلام میں ۹ ھ عام الوفود کہا جاتا ہے۔

وفود

جب آپؐ مکہ مکرمہ سے واپس تشریف لائے تو بنی ثقیف نے اپنا وفد آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اس کے سرگروہ عبد یالیل بن

حاضر تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے لئے مسجد نبوی کے متصل خیمہ نصب کرایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن یہ درخواست کی کہ نماز ہمارے لئے معاف کر دی جائے آپ نے فرمایا کہ اس دین میں کوئی خوبی نہیں جو بلا نماز کے ہو۔

انہوں نے اپنے یہاں کے بتوں کو بھی خود ہی اپنے ہاتھوں سے توڑنے سے معافی مانگی ۔ آپؐ نے اس کو منظور کر لیا۔ اور ابو سفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو حکم دیا کہ جا کر ان کے یہاں کے طاغوت لات کو توڑ ڈالیں۔ اسی قبیلہ سے عثمان بن ابی العاص کو اس کا امیر مقرر کیا جو اگرچہ کمسن تھے لیکن قرآن اور اصول اسلام سے باخبر تھے ۔ جاتے وقت ان کو ہدایت کی کہ نماز کے معاملے میں سختی نہ کریں ان میں بہت سے کمزور مفلس بچے اور بڈھے ہوں گے ان کا لحاظ رکھنا۔ یہ قبیلہ یعنی بنی ثقیف اسلام میں نہایت صادق اور پختہ ثابت ہوا۔ بنی تمیم میں سے ان کے روساعطارد بن حاجب اقرع بن حابس اور زبرقان بن بدر وغیرہ آئے ۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر حجرہ کے پیچھے سے آنحضرتؐ کا نام لے کر بلند آواز سے پکارنا شروع کیا۔ اسی کے اوپر سورہ حجرات کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں جن میں ممانعت کی گئی ہے کہ نبی کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ورنہ تمہارے عمال اکارت ہو جائیں گے۔

آنحضرتؐ جب تشریف لائے تو بنی تمیم کے خلیب نے اپنی قوم کے مفاخر کا خطبہ سنایا اور ان کے شاعر نے اشعار پڑھے ۔ ادھر سے حضرت قیس بن شماس نے تقریب کی اور حضرت حسان بن ثابت نے ان کے قصیدے کے جواب میں قصیدہ سنایا اس کے بعد وہ لوگ مسلمان ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انعامات عطا فرمائے۔

بنی سعد بن بکر کا جو وفد آیا اس میں ایک شخص ضمام بن ثعلبہ تھے ۔ ان کے بدن پر کثرت سے بال تھے اور طبیعت کرخت واقع ہوئی تھی ۔ آنحضرتؐ کے پاس صحابہ کا مجمع تھا۔ آنے کے ساتھ ہی پوچھا کہ تم میں سے ابن عبدالمطلب کون ہے ؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ میں۔ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں! کہ میں آپ سے چند سوال کرتا ہوں۔ گراں گزریں تو مجھ پر خفا نہ ہوں۔ فرمایا کہ نہیں جو کچھ پوچھنا ہے بے تامل پوچھو۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی قسم دلا کر جو گذشتہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کا معبود ہے ۔ پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے آپؐ کو اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے فرمایا کہ ہاں بے شک ۔ پھر کہا کہ میں اسی اللہ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ کیا اس نے حکم دیا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھیں۔ فرمایا کہ ہاں بے شک! ضمام نے اسی طرح حج، زکوۃ، روزہ وغیرہ ہر ایک عبادت کے متعلق سوال کیا اور آپؐ نے سب سوالوں کا جواب پا کر آخر میں مسلمان ہوئے اور کہا کہ میں ان فرائض کو بلا کمی بیشی کے ادا کرتا رہوں گا اور جو منہیات ہیں ان سے بچوں گا۔ اس کے بعد واپس گئے ان کے قبیلے کے سب لوگ بلا استثناء اسی روز مسلمان ہوگئے۔

قبیلہ ربعیہ بن عبدالقیس میں سے جارود بن بشیر جو نصرانی تھے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور بڑے پکے مسلمان ہوئے۔ قحطان میں سے زید الخیل وفد کے سرغنہ ہو کر آئے ۔ انہیں زید کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جتنے لوگوں کی میں نے تعریفیں سنیں ان کو جب دیکھا تو اس سے کم پایا۔ لیکن زید کی جس قدر مدح سنی تھی اس سے ان کو زیادہ دیکھا ان کا نام بدل کر زید الخیر کر دیا اور مقام فید اور اس کے آس پاس کی کچھ زمینیں بھی عطا فرمائیں۔ قبیلہ طے میں سے حاتم کے بیٹے عدی آکر مسلمان ہوئے یہ پہلے عیسائی تھے ۔ قبائل زبید ۔ کندہ اور مراد سے بھی وفود آئے حمیری بادشاہ حارث بن عبد کلال اور ان کے بھائیوں نعیم اور نعمان نیز زرعہ ذویزن اور مالک بن مرہ نے قاصدوں کو بھیج کر اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی۔ آنحضرتؐ نے ان کے جواب میں خطوط بھیجے جن میں زکوۃ کی ہدایت لکھی اور چند صحابہ کو روانہ کیا کہ جا کر ان کو دین کی تعلیم دیں۔

ملک شام کے مقام معان میں فروہ بن عمرو رومیوں کی طرف سے عامل تھے انہوں نے بھی خط کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کو اپنے

مسلمان ہونے کی اطلاع بھیجی۔ رومیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں تو ان کو قید کر دیا اور پھر قتل کر ڈالا بنی حارث کا ایک وفد حضرت خالد بن ولید کے توسط سے آیا یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بڑے بہادر مشہور تھے اور اکثر اپنے حریفوں پر غالب آ جاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا وجہ تھی کہ تم لوگ اپنے دشمن پر فتح یاب ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم باہم متحد رہتے تھے اور اپنی طرف سے کبھی ظلم کی ابتداء نہیں کرتے تھے۔

الغرض اسی طرح سلسلہ وار قبائل کے رؤساء و شرفاء آآکر مسلمان ہوئے اور بیشتر اہل عرب نے دین اسلام قبول کر لیا۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان سب لوگوں میں اسلام راسخ ہو گیا تھا کیونکہ ان میں بہت سے بادیہ نشین تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کی جاہلیت کی عادتیں ان میں باقی تھیں اور اسلامی تہذیب ان کو مکمل طور پر ابھی تک شائستہ نہیں بنا چکی تھی۔

چنانچہ قرآن کی سب سے آخری سورۃ جو نازل ہوئی اس میں بعض بادیہ نشینوں کی جہالت کا ذکر موجود ہے اسی کے ساتھ بعض کی مدح بھی ہے۔ شہری باشندوں مثلاً مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمن، طائف اور بحرین کے لوگوں میں بے شک اسلام کا اثر بہت صادق تھا۔ چنانچہ انہیں میں بڑے بڑے صحابہ اور رؤسا اسلام لائے۔

مراسلات

آنحضرتؐ کی رسالت چونکہ عرب ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپؐ تمام بنی نوع انسان کے لئے نبیؐ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے جہاں تک امکان میں تھا بیرون عرب کے ملوک اور امراء کے پاس بھی دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور سفارت کے لئے صحابہ میں سے ان لوگوں کو منتخب فرمایا جن میں ان بادشاہوں اور فرمانرداؤں کے درباروں سے واقفیت تھی۔ حضرت دحیہ کلبی کو قیصر روم ہرقل کے پاس خط دیکر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

تم اسلام لاؤ محفوظ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تم کو دگنا اجر دے گا۔ ورنہ تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہارے ذمہ پڑے گا۔

اس زمانہ میں قیصر نے ایرانیوں پر فتح پائی تھی اور صلیب مقدس اس کو واپس ملی تھی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ملک شام میں آیا ہوا تھا۔ شہر حمص سے بیت المقدس تک پیدل گیا۔ راستہ بھر میں فرش پر پھول بچھائے گئے تھے۔

حضرت دحیہؓ رسولؐ کا خط لے کر وہیں پہنچے اس نے ترجمہ کرا کے سنا خود تو وہ اپنے دل میں اسلام کی حقانیت کو سمجھ گیا لیکن جب اپنے علماء اور مذہبی پیشواؤں کو جمع کر کے مشورہ کیا تو ان لوگوں نے مخالفت کی اس وجہ سے اسلام نہ لا سکا۔ شجاع بن وہب آنحضرتؐ کا خط منذر بن حارث غسانی کے پاس جو شام میں تھا لے کر گئے وہ اپنی قوت کے گھمنڈ میں اسلام نہیں لایا اور کہا مجھ سے کون میرا ملک چھین سکتا ہے۔ عمرو بن امیہ نجاشی کے پاس بھیجے گئے۔ انہوں نے جواب میں اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ چنانچہ جس دن ان کا انتقال ہوا آنحضرتؐ نے الہام کے ذریعہ اس کی اطلاع پا کر لوگوں کو خبر دی اور مدینہ منورہ میں ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

عبداللہ بن حذافہ کو ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے دربار میں بھیجا۔ اس نے خط کے عنوان پر آنحضرتؐ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر غصہ سے اس کو چاک چاک کر ڈالا کیونکہ ایرانی دستور کے مطابق بادشاہوں کے خطوط میں کاتب کا نام نیچے ہونا چاہیے تھا۔ آنحضرتؐ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ اس کی سلطنت کے پرزے پرزے ہو جائیں گے۔ خسرو نے صرف خط کے پھاڑنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ غصہ میں آکر یمن کے عامل باذان کو لکھا کہ حجاز میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کو پکڑ کر میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے دو آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا۔ انہوں نے جا کر آنحضرتؐ کو دھمکی دی اور کہا کہ شہنشاہی حکم کے مطابق آپ کو ہمارے ہمراہ دربار میں چلنا ہو گا۔

یہ وہی دن تھا جس کی رات کو شیرویہ نے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا تھا۔ آنحضرتؐ کو یہ خبر بذریعہ الہام کے معلوم ہوئی۔ ان دونوں سے کہا کہ تمہارا بادشاہ آج کی رات مارا گیا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں، ہم اس بات کو آپ کی ذمہ

داری پر بادشاہ کو لکھتے ہیں۔ اس کے نتائج آپ کو برداشت کرنے ہوں گے ۔ کیونکہ ہم جس قصور پر آپ کو لینے کے لئے آئے ہیں یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میری ذمہ داری پر تم اس خبر کو لکھ بھیجو اور اس کو یہ بھی اطلاع دے دو کہ میرے دین کا غلبہ وہاں تک پہنچ کا جہان تک اس کی سلطنت ہے بلکہ جہاں تک کہ کوئی اونٹ گھوڑا پہنچ سکتا ہے۔

ان دونوں فرستادوں نے یمن میں واپس آکر باذان کو ان باتوں کی اطلاع دی ادھر اسی زمانہ میں ایران سے مراسلہ پہنچا کہ خسرو پرویز فلاں تاریخ کو مارا گیا اور شیرویہ اس کی بجائے تخت نشین ہوا۔ شیرویہ نے باذان کو یہ بھی لکھا کہ میرے باپ نے حجاز کے جس شخص کو طلب کیا تھا تاوقتیکہ میں کوئی حکم نہ دوں۔ اس سے تعرض نہ کرنا اس کا اثر یہ ہوا کہ باذان اور اس کے ساتھ یمن میں جتنے ایرانی تھے سب مسلمان ہوگئے۔ حاطب بن ابی بلتعہ کو مصر کے والی مقوقس کے پاس بھیجا۔ وہ اسلام تو نہیں لایا لیکن ایک خچر جس کا نام دلدل تھا اور دو لونڈیاں آنحضرتؐ کے لئے تحفتاً بھیجیں۔ ان میں سے ایک ماریہ قبطیہ تھیں جن کے بطن سے آنحضرتؐ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔

سلیط بن عمرو کو بنی حنیف کے سردار ہوذہ بن علی کے یہاں علا بن حضرمی کو فرماں روائے بحرین منذر بن ساوی کی طرف اور عمرو بن عاص کو سرداران بنی یزد کے پاس بھیجا۔ ان میں سے بعض اسلام لائے اور بعض اسلام پر غور و فکر کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں اس دین کا چرچا پھیل گیا۔

تعلیمات مدینہ منورہ

مدینہ منورہ میں اکیس سورتیں نازل ہوئیں جو تقریباً ایک ثلث قرآن ہیں۔ مدنی آیتیں مکی آیتوں سے کئی حیثیتوں سے ممتاز ہیں۔ مکی آیات میں اقوام سابقہ کے قصص اور عبرت خیز واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن مدنی آیات میں بیشتر خود مسلمانوں کی لڑائیوں اور ان کے اسباب وغیرہ کا ذکر ہے۔ نیز ان میں فرائض اور احکام زیادہ ہیں جو مکی آیات میں کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکی آیتوں میں یا " بنی آدم " یأیھا الناس " یا " اہل الکتاب " کے الفاظ سے زیادہ خطاب فرمایا ہے اور مدنی آیتوں میں یأیھا الذین امنو " کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔

آیت قتال

مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد ہی آیت قتال نازل ہوئی اس ذیل میں تاریخی حیثیت سے ان اسباب کا بیان کر دینا ضروری ہے جن کی بنیاد پر جنگ کی اجازت دی گئی۔ خود قرآن مجید میں کئی جگہ تصریح کے ساتھ ان کا ذکر ہے۔ ان سب پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دراصل ان کا مرجع دو باتیں ہیں۔

1۔ غیروں کی دست درازی سے اپنی حفاظت کے لئے لڑنا۔

2۔ اشاعت اسلام میں جو رکاوٹیں ڈالی جائیں ان کی مدافعت کرنا۔ مثلاً کوئی قوم مسلمانوں کو اس غرض سے ستائے کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دیں یا کسی کو مسلمان ہونے سے جبراً روکے یا تبلیغ اسلام میں خلل انداز ہو تو اس سے لڑنے کی اجازت ہے۔ پہلی آیت جو اس کے متعلق نازل ہوئی یہ ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیرون الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ط

ترجمہ۔ جن مسلمانوں سے کافر لڑے ان کو اب کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا۔ بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ بے چارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔

اس آیت میں جنگ کی اجازت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بھی بیان کر دی کہ اہل مکہ نے مسلمانوں پر صرف اس وجہ سے ظلم کیا اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا کہ وہ اکیلے اللہ پر ایمان لائے تھے اور چونکہ یہ کوئی جرم نہیں ہے اس لئے انہوں نے سراسر ناحق ظلم کیا۔ لہذا مسلمانوں کو بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے اور ہم ان کی مدد کریں گے۔ سورہ بقر میں فرمایا۔

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنتہ ویکون الدین للہ ط

ترجمہ: تم ان کے ساتھ وہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کے لئے رہ جائے۔

فتنہ کے معنی لغت میں سونے یا چاندی کو گلا کر کھرا کھوٹا الگ کرنے کے ہیں لیکن زبان شرع میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی

کو امتحان اور آزمائش میں ڈالنا اور اس نیت سے ستانا کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دے ۔ جنگ کی غرض اور غایت اللہ تعالیٰ نے یہی قرار دی کہ تم وہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کے لئے ہو۔ یعنی دین کے معاملہ میں کوئی کسی پر جبر نہ کرسکے اور انسان کو آزادی حاصل ہو کہ وہ بلاجبر و اکراہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دین اختیار کرے۔

یہ بھی ظاہر کر دیا کہ فتنہ یعنی کسی کے عقیدے اور ایمان پر زبردستی کرنا اور انسان کے ذریعہ نجات تلاش کرنے کی حریت کو غصب کرنا سخت ترین ظلم ہے یہاں تک کہ قتل اور خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ لہذا جو کافر ایسا کریں ان سے لڑو۔

اگر کفار مسلمانوں کے راستہ میں حائل نہ ہو اور لڑائی نہ کریں تو پھر ان کے ساتھ مسلمانوں کو بھی لڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ سورہ انفال میں ہے۔

فان جنحوا للسلم فأجنح لہا

(ترجمہ) اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی جھک جا

کیونکہ اصلی غرض دعوت اسلام کی حفاظت ہے جو صلح سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے جب کافر قوم مسلمانوں سے صلح کرنے کی خواہاں ہو تو اس حکم الہی کے مطابق مسلمان اس کے قبول کرنے کے لئے مامور ہیں۔ جو کافر مسلمانوں سے دین کے بارے میں نہ لڑیں اور مصالحت کے ساتھ رہیں ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا بھی منع نہیں ہے۔ سورہ ممتحنہ میں فرمایا۔

لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرو وھم وتقسطوا الیھم

ترجمہ: جو لوگ تم میں دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ احسان اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا۔

آنحضرتؐ ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں دو مخالف گروہ تھے ایک منافق جو بظاہر مسلمان لیکن درپردہ دشمن تھے۔ دوسرے یہود آنحضرتؐ نے یہود کے ساتھ عہد نامہ کیا۔ لیکن جنگ احزاب میں انہوں نے عہد شکنی کی اور قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے صبر و ثبات میں سخت زلزلہ پڑ گیا جب وہ مصیبت کی گھٹا اٹھ گئی تو ان کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا۔

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتو الکتب حتی یعطوا الجزیتہ عن یدو ھم صاغرون ط

ترجمہ: ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر اور نہ اللہ اور نہ اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں نہ دین حق کو مانتے ہیں۔ لڑو۔ یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔

ان تمام آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام صلح اور امن کی اصلی روح لے کر آیا ہے ۔ وہ لڑائی کی اس وقت اجازت دیتا ہے جب مسلمانوں کے اوپر ناحق ظلم اور سختی کی جائے یا اشاعت اسلام میں رکاوٹ ڈالی جائے۔

قرآن چونکہ کل دنیا کے آدمیوں کے لئے اتارا گیا اس لئے اس نے اس مرکز کو معین کر دیا جس پر عالم کے امن کی بنیاد قائم ہوتی ہے ۔ یعنی اس نے بنی نوع انسان کو ہر قسم کی خود غرضی کو مٹا کر جو مخالفتوں کی جڑ ہے اس کے تمام افعال ارادیہ کا مقصد صرف رضائے الہی کو قرار دیا۔ سورۃ انعام میں ہے

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی اللہ رب العالمین لاشریک لہ

ترجمہ کہہ دے کہ میری قربانی میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

یہی وہ نقطہ جس پر تمام دنیا کے تمام انسان آکر متحد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جب سب کی غرض ایک ہو گی تو باہم نزاع نہیں ہو سکتی۔

عہد و پیمان

اسی ذیل میں عہد پیمان کا ذکر بھی ضروری ہے قرآن نے جابجا وفائے عہد کی تاکید کی ہے۔ سورہ مائدہ میں ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود

ترجمہ۔ مسلمانو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

سورہ اسراء میں ہے

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا

ترجمہ۔ اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ اس کی باز پرس ہوگی۔

سورہ نساء میں مخفی ریشہ دوانی کرنے والے بدخواہوں اور منافقوں کے بارے میں حکم ہے کہ ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔

الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینھم میثاق ط

ترجمہ۔ مگر وہ لوگ جو ایسی قوم میں جاملیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان میں معاہدہ ہو۔

یعنی اہل معاہدہ کے پاس اگر جانی دشمن بھی پناہ گیر ہو جائے تو اس کی حرمت مسلمانوں کو کرنی پڑے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کو جس قدر محترم رکھا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ قرآن میں اس نے کسی مسلمان کا قتل خطا کا جو تاوان مقرر کیا ہے بعینہ وہی تاوان اس کافر کا بھی رکھا ہے جو اس قوم کا ہو جس سے عہد نامہ ہو چکا ہو۔ سورہ انفال میں حکم دیا۔

وان استنصروا کم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق

ترجمہ۔ مسلمان اگر تم سے دین کے بارے میں مدد کے خواہاں ہوں تو تم کو ان کی مدد کرنی لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور اس میں عہد و پیمان ہو۔

یعنی اسلامی اخوت اور ہمدردی سے بھی زیادہ عہد کا لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو آنحضرتؐ اور کفار قریش کے درمیان ہوئی تھی اور جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ مکرمہ کا کوئی شخص اگر مسلمانوں کے پاس آجائے گا تو واپس کر دیا جائے گا ایک مسلمان قیدی ابو جندل کسی طرح مکہ سے بھاگ کر آنحضرتؐ کے پاس آگئے کافروں نے ان کو بہت مارا تھا۔ انہوں نے اپنے زخم دکھائے اور فریاد کی کہ مجھے اپنے ساتھ مدینہ لے چلئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے باپ سہیل کو بہت سمجھایا کہ ان کو ساتھ کر دو لیکن وہ راضی نہ ہوئے مجبوراً پابندی عہد کی وجہ سے ان کو واپس کرنا پڑا اور مسلمانوں کے دل تڑپتے رہ گئے۔

اسیران جنگ

لڑائی میں جو دشمن گرفتار ہوں ان کے بارے میں تصریح کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔

حتی اذا اثخنتمو ھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء

ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب تم ان کا زور توڑ چکو تو ان کو باندھ لو پھر یا تو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

اس کے سوا ان کے متعلق کوئی دوسرا حکم قرآن میں نہیں ہے۔

غلامی

جس وقت قرآن نازل ہوا تھا اس وقت عربوں کی ملکیت میں غلام اور کنیزیں دونوں تھے قرآن نے ان کو اپنی اصلی حالت پر قائم رکھا اور مملوکہ کنیز کو جس طرح ان کے مالک پہلے سے مباح سمجھتے چلے آتے تھے اسی طرح مباح رکھا لیکن ان کے آزاد کرنے کی

بہت ترغیب دلائی اور تین صورتیں خاص طور پر اس کے لئے آئیں۔
(۱) سورہ بلد میں انسان کی شکر گزاری کے واجبات میں سب سے مقدم اسی کو رکھا۔
الم نجعل له عينين ولسانا وشفتين وهديناه النجدين . فلا اقتحم العقبة وما ادراک ما العقبة فک رقبة ط
ترجمہ ۔ کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور بھلائی اور برائی کے راستے اس کو نہیں دکھائے پھر بھی وہ ان کے شکریہ میں گھاٹی میں ہو کر نہ نکلا اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے ۔ گردن کو غلامی سے آزاد کرنا۔
(۲) زکوۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف خاص اس کے لئے مقرر فرمایا یعنی زکواۃ کی آمدنی میں سے مال کا ایک حصہ اس غرض کے لئے مخصوص کرایا جائے کہ اس سے غلام آزاد کرائے جائیں۔
(۳) اسی کو بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیا مثلاً قتل خطا ظہار اور یمین تینوں میں قرآن نے بردہ آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔
خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر رقبہ کے فضائل بیان فرما کر اور عملی طور پر اس کی مثالیں پیش کر کے امت کو بار بار اس کی ترغیب دلاتے رہے۔

عبادات

نماز مکہ مکرمہ میں شروع ہو چکی تھی مدنی آیات نے اس کی کوئی مزید تفصیل نہیں دی صرف نماز جمعہ کا ذکر سورہ جمعہ میں اور نماز خوف کا بیان سورہ نسا میں نازل ہوا۔ البتہ اس کی پابندی اور نگہداشت کی تاکیدیں متعدد آیتوں میں کی گئیں۔
۱ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے اذان کا دستور مقرر فرمایا۔
(۱) مدینہ منورہ میں بھی نماز بیت المقدس کے رخ پڑھی جاتی تھی جو یہود نصاریٰ کا قبلہ تھا۔ آنحضرتؐ قبلہ ابراہیمی کے آرزو مند تھے ۔ ہجرت کے سترہ ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی خواہش کے مطابق کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ کر دیا اور اس کے متعلق تاکیدی احکام نازل فرمائے کہ اسی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔
(۲) روزہ مدینہ منورہ ۲ھ میں فرض ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ماہ رمضان کو جس میں قرآن نازل ہوا ہے مخصوص کر دیا۔
(۳) زکوۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی اس کے مصارف سورۃ توبہ میں بیان کر دیے گئے ۔ آنحضرتؐ نے ۹ھ میں اس کی تحصیل کے لئے عمال مقرر کئے اور ایک مکتوب میں اس کی تفصیل لکھوا دی۔
(۴) حج کی کسی قدر تاریخ اور اس کے اغراض سورۃ حج میں بیان کئے گئے ۔ ۸ھ میں سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی اولیت اور افضلیت بیان کر کے حج کو فرض کر دیا۔

نظام اجتماعی

اجتماعی معاملات میں سب سے پہلے زکوۃ اور حج آتے ہیں لیکن چونکہ فقہا ان کی تفصیل کو اپنا حصہ سمجھتے ہیں اس لئے ہم بھی ان کے حدود عمل میں قدم رکھنا پسند نہیں کرتے ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زکوۃ کی غرض یہ ہے کہ اغنیاء کی دولت سے فقراء کو مدد پہنچے اور یہ ایک تمدنی مسئلہ ہے اسی طرح حج کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے ہر حصہ کے اہل اسلام میدان عرفات میں جمع ہوں اللہ کے نام کی بڑائی کریں۔ باہمی تعارف، تبادلہ خیالات اور ایک دوسرے کی امداد کے ذرائع سوچیں یہ بھی ایک اجتماعی امر ہے۔ بہرحال ہم ان کو چھوڑ کر دیگر امور کو مختصراً لکھتے ہیں۔

اخوت اور مساوات

قرآن نے کل مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا اور ان تمام رکاوٹوں اور بندشوں کو جو بنی نوع انسان نے نسبتی شرافت

کی بنیاد پر باہمی مساوات میں ڈال رکھی تھی اٹھا دیا سورہ حجرات میں ہے۔

انما المومنون اخوۃ ط

ترجمہ ۔ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں

ہر قسم کے نسبتی فخر اور خاندانی شرافت کے دعویٰ کو مٹا کر بزرگی کا ذریعہ صرف تقویٰ کو قرار دیا چنانچہ اس کے آگے ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقکم

ترجمہ ۔ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور کنبے بنا دیے تاکہ آپس میں پہچان رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ یعنی قبیلہ اور خاندان محض پہچاننے کے لئے ہیں۔ فضیلت کا مدار تقویٰ پر ہے فتح مکہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الناس کلھم ابن ادم و ادم من التراب

ترجمہ ۔ نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر ۔ سارے آدمی آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے

احترام حقوق

قرآن نے تمام مسلمانوں کے حقوق برابر کر دیے اور ایک کی جان و مال و آبرو دوسرے پر حرام فرمائی ۔ سورہ نساء میں ہے۔

وماکان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا ط

ترجمہ ۔ کسی مسلمان کو روا نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر بھول چوک سے ۔

اس کے بعد قتل عمد کی وعید ہے۔

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاوہ جھنم خالدا فیھا وغضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما ط

ترجمہ ۔ جو کوئی قصداً کسی مومن کو قتل کرے گا اس کا بدلہ جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اس کی لعنت ہو گی اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورہ حجرات میں ہے

یا ایھا الذین آمنو لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیر منھم ولا نساء من نسا عسی ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالا لقاب ط بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ط ومن لم یتب فاولٰک ھم الظلمون یا ایھا الذین آمنو اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسو ولا یغتب بعضکم بعضا ط ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا ط

ترجمہ ۔ اے مومنو! کوئی قوم کسی قوم پر نہ ہنسے ممکن ہے کہ وہی اس سے اللہ کے نزدیک بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں پر ممکن ہے کہ وہی بہتر ہوں ۔ آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو نہ برے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد بدتہذیبی کا نام برا ہے اور جو اس سے باز نہ آئیں گے وہ ظالم ہیں اے مومنو! اکثر گمان سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں جاسوسی میں نہ پڑو۔ نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

فریضہ ملیہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مددگار اور پشت پناہ بنایا اور ان کا فرض یہ قرار دیا کہ تمام اقوام عالم میں اعلائے کلمہ حق ادا کریں۔ نیکی پھیلائیں اور برائی کو مٹائیں اسی بنا پر ان کو خیرالامت کا لقب دیا اور فرمایا۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون بالله ط

ترجمہ ۔ تم بہترین امت ہو جو انسانوں کی رہنمائی کے لئے بنائے گئے تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ

پر ایمان رکھتے ہو۔

دنیا میں ان کے لئے وعدہ فرمایا۔

وعدالله الذین امنوا منکم وعملوالصالحات لیستخلفنهم فی الارض ط

ترجمہ ۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین کی بادشاہت عطا کرے گا۔

اور آخرت کے لئے یہ وعدہ فرمایا۔

وعدہ الله المومنین والمومنت جنت تجری من تحتها الانهار خلدین فیها ط

ترجمہ ۔ مسلمان مرد اور عورتوں سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ اس فرض کو ادا نہ کریں ان کو عذاب کا مستوجب قرار دیا۔

قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموها وتجارۃ تخشرن کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامرہ والله لا یهدی القوم الفاسقین ط

ترجمہ ۔ کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جو تم کو پسند ہیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے تم کو بڑھ کر عزیز ہیں تو ٹھہرو کہ اللہ کا حکم آئے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

معاشرت خانگی

نظام خانگی کی اصل بنیاد میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر ہے اللہ تعالیٰ نے عقد نکاح کو پیمان مستحکم فرمایا ہے اور اپنے اس احسان کا اظہار کیا ہے کہ ہم نے زوجین میں باہم مہر و الفت پیدا کی اور مردوں کو عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا لباس بنایا یعنی دونوں ایک دوسرے کے پردہ عصمت کے محافظ ہیں۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے سورہ نساء میں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا نیز سورہ بقر میں مشرکوں سے اور سورہ نور میں زنا کاروں کے ساتھ خواہ مرد ہوں یا عورت نکاح کی ممانعت کی ہے سورہ مائدہ میں مسلمان مردوں کے لئے کتابیہ عورت کے ساتھ نکاح مباح کر دیا۔ نیز ان کو ایک ساتھ چار بیبیوں کی اجازت دی بشرطیکہ ان میں عدل کر سکیں اور اگر خوف ہو کہ نہیں کر سکیں گے تو ایک ہی پر اکتفا کریں۔

مرد کے اوپر عورت کے لئے مہر بھی فرض کیا اور اس کے لئے کوئی خاص حد متعین نہیں ہوئی گھر کا سردار اگرچہ مرد کو قرار دیا لیکن حقوق میاں بیوی کے مساوی رکھے مرد کو عورتوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کرنے کا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی۔

زوجین کے اختلاف طبائع کی صورت میں عقد نکاح کو قائم رکھنے کے لئے جتنی تدبیریں ممکن، وہ قرآن میں بتلائیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ شوہر کا دل بیوی کو ناپسند کرتا ہو اس کی بابت فرمایا کہ

وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن فعسی ان تکرهوا شیئا ویجعل الله فیه خیراکثیرا ط

ترجمہ ۔ اور بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو اگر تم ان کو ناپسند کرو تم کچھ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اسی میں خیر و برکت دے دے۔

اگر بیوی نافرمانی کرے تو اس کے بارے میں مرد کو حکم دیا۔

والتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن فان اطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلاً

ترجمہ ۔ "تم کو جن بیویوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ ان کے ساتھ ہم بستری ترک کر دو اور ان کو مارو اگر وہ مان جائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو۔" اگر شوہر کے بس سے معاملہ آگے بڑھ گیا ہو اور دونوں کو باہم نزاع پڑ گئی ہو تو اس کے رفع کرنے کی یہ صورت بتائی۔

وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من اهله وحكماً من اهلها ط ان يريد اصلاحاً يوفق الله بينهما ط

ترجمہ ۔ اگر تم کو باہمی مخالفت کا ڈر ہو تو ایک پنچ شوہر کے کنبہ کا اور ایک پنچ بیوی کے کنبہ کا مقرر کرو اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ دونوں میں موافقت کر دے گا۔

اگر معاملہ پنچوں کے بھی قابو سے باہر نکل گیا تو اس وقت زندگی کو تلخی سے بچانے کے لئے مجبوراً جدائی کا اختیار دیا۔

وان يتفرقا يغن الله كلا من سعته

ترجمہ ۔ اگر دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ دونوں کو اپنے خزانہ غیب سے بے نیاز کر دے گا۔

مفارقت کے لئے بھی دو شاہد عادل ہونے چاہئے۔

واشهدوا ذوی عدل منكم

ترجمہ ۔ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بنا لو۔

زوجین کی مفارقت کے لئے بھی قرآن نے ایک خاص نظام مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ طلاق کے بعد ایک مدت معینہ تک جس کو عدت کہتے ہیں بیوی کو شوہر ہی کے گھر میں رہنا پڑتا ہے اس مدت میں بھی اگر مصالحت ہو جائے تو شوہر کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے ۔ نیز عدت گزر جانے کے بعد بھی اس نے نکاح کر سکتا ہے اس نکاح ثانی کے بعد اگر دوبارہ نزاع پیدا ہو گئی اور معاملہ طلاق تک پہنچ گیا تو پھر بھی عدت میں رجعت اور بعد عدت کے نکاح کا حق حاصل رہتا ہے۔

لیکن جب تیسری بار طلاق کی نوبت پہنچ گئی تو معلوم ہو گیا کہ طبیعتوں میں باہمی نفرت اس قدر ہے کہ ایک ساتھ معاشرت ناممکن ہے ۔ اس لئے تیسری بار طلاق بائنہ ہو جاتی ہے جس کے بعد نہ عدت میں رجعت کا اختیار رہتا ہے نہ بعد عدت کے نکاح کا تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کر لے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی تاکید ہے کہ بیوی کو جو کچھ تم نے دیا تھا طلاق کے بعد اس کو واپس نہ لو بلکہ اپنے پاس سے کچھ اور ساز و سامان دے کر اس کو رخصت کرو۔

وللمطلقت متاع بالمعروف ط حقاً على المتقين ط

ترجمہ ۔ اور جن عورتوں کو طلاق دی جائے دستور کے موافق ان کو سامان دینا چاہیے پرہیزگاروں پر یہ ایک حق ہے۔

الغرض معاشرت زوجین کے متعلق کوئی دقیقہ اہتمام کا کتاب اللہ نے اٹھا نہیں رکھا۔

وراثت

وراثت کا ایک مکمل اور مفصل نظام سورہ نساء میں نازل فرمایا۔ عرب میں عورتیں ترکہ نہیں پاتی تھیں۔ ان کو بھی میراث میں حقوق دیے اور بیشتر حالتوں میں مردوں میں سے نصف حصہ ان کا رکھا۔ اسی سورہ میں نابالغ یتیموں کی پرورش اور ان کے مال کے انتظام کے متعلق آیتیں نازل فرمائیں اور مدت بھی متعین کی جس وقت ان کی ملکیت ان کے ہاتھ میں سپرد کی جائے۔

معاملات

اللہ تعالیٰ نے معاملات کے بنیادی اصول جابجا قرآن میں بیان کئے۔

(۱) پابندی قول و عہد ۔ ہر ایک قسم کے دینی اور دنیاوی کاموں میں اس کا حکم عام دیا۔

(۲) باہمی رضامندی سے جو تجارت ہو اس کا نفع حلال فرمایا اور لوگوں کے مال کو ناجائز طریق سے خورد برد کرنے کی ممانعت کی۔
(۳) سورہ بقر میں سود کو نہایت سختی کے ساتھ ممنوع کیا اور سود خواروں کی مثال سخت ترین الفاظ میں بیان کی۔
(۴) قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت میں جو سورہ بقر کے آخر میں ہے معاملہ کی صورت سکھائی اور تاکیدی حکم دیا کہ قرض خواہ کم ہو یا زیادہ لکھ لیا جایا کرے اس پر شہادت بھی ہو ہاں دست بدست خرید و فروخت میں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عدم کتابت کی صورت میں رہن بھی بطور وثیقہ کے جائز رکھی۔
شہادت کے چھپانے کو گناہ قرار دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔

آداب

(ا) سورہ نور میں حکم دیا کہ جب تک تم اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونا چاہو تو پہلے اجازت طلب کرو نیز تمہاری تنہائی کے اوقات میں غلام کنیزیں اور بچے بھی بلا اجازت اندر نہ آئیں۔
(۲) عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی غیر ظاہری زینت کا اظہار ان لوگوں کے سامنے نہ کریں جو محرم نہ ہوں اور اپنی آرائش کو چادر کے نیچے چھپائے رکھیں۔
(۳) جو تم کو سلام کرے تم اس کو اسی طرح یا اس سے بہتر طریقہ سے جواب دو۔

قصاص

زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ کسی مقتول کے بدلے میں قاتل کے قبیلے کے جس آدمی کو پا جاتے تھے قتل کر دیتے تھے۔ قرآن نے اس رسم کو مٹایا۔ اس نے بعینہٖ قاتل سے قصاص لینے کا حکم دیا اور اس حد سے آگے بڑھنے کو روک دیا نیز مقتول کے ولی کو معافی کے حق سے بھی محروم نہیں فرمایا۔

حدود

تین خاص جرموں کی سزائیں متعین کر دیں اور بقیہ دیگر جرائم کو حکومت کے اختیار تمیزی میں چھوڑ دیا۔
(ا) چور کے لئے ہاتھ کاٹنا اور باغی ڈاکوؤں کے لئے ہاتھ اور پاؤں دونوں اور اگر ان کے جرائم زیادہ سنگین ہوں تو امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ قتل کر دے یا سولی پر چڑھاوے یا ملک سے نکال دے۔
(۲) زنا کار کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت سو کوڑے۔ بشرطیکہ چار چشم دید گواہ ہوں۔
(۳) زنا کی تہمت لگانے والے کے لئے اسی کوڑے۔
ہم نے ضمنی طور پر یہ تعلیمات قرآن سے اخذ کر کے لکھ دی ہیں۔ ورنہ تفصیل سے نظر ڈالی جائے تو کتاب اللہ زندگی کے ہر شعبہ میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

صفات و اخلاق نبوی

باوجود سخت مخالفتوں اور زبردست رکاوٹوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں کے کامیاب ہونے کا بڑا سبب دراصل آپؐ کا وہ جمال صورت اور کمال خلق تھا جو آج تک دنیا میں کسی کو نصیب نہ ہو سکا بہت سے لوگ صرف شکل دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور آپؐ کے دعوے کے صدق پر کسی دلیل کی حاجت نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے ابتداء میں جس وقت آپؐ نے غار حرا کے واقعہ کے ذکر فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز خوار نہ کرے گا اس لئے کہ آپ دوسروں کا بوجھ اٹھاتے، مسکینوں پر بخشش فرماتے اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

لو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولک ط

ترجمہ۔ اگر تم سخت مزاج اور سنگدل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے الگ تھلگ ہو جاتے۔

ہم مختصراً آنحضرتؐ کے صفات اور اخلاق کا ذکر کرتے ہیں۔

لطافت جسم

آپؐ صفائی اور پاکیزگی کا ہمیشہ خیال رکھتے اور عطریات کو بہت پسند کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ " دین کا مدار پاکیزگی پر ہے۔" آپؐ کی جسمانی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ جس راستہ سے گزر جاتے وہ راستہ معطر ہو جاتا اور جو شخص آپؐ سے مصافحہ کر لیتا اس کے ہاتھ دن بھر خوشبو دار رہتے۔ حسن صورت قدرت نے ایسا عطا کیا تھا کہ بعض صحابہ بیان کرتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں نخلستان میں کام کرتے جب ہم ماندہ ہو جاتے تو مسجد میں آکر دور سے ایک نظر جمال مبارک پر ڈال لیتے اور پھر تازہ دم ہو جاتے۔

فصاحت و بلاغت

تمام قبائل عرب کی زبانیں جانتے تھے۔ ہر قبیلے کے لوگوں سے انہیں کی زبان میں خطاب فرماتے تھے جو فقرہ منہ سے نکلتا تھا وہ ایسا جامع اور پرمغز ہوتا کہ ملک بھر میں مشہور ہو جاتا تھا بہت سے علماء نے آپؐ کے جوامع کلم یعنی اس قسم کے پرمعانی جملے کتابوں میں جمع کئے ہیں۔ آپؐ کا یہ دعویٰ تھا کہ میں سب سے بڑھ کر فصیح ہوں اور اس دعوے کو سب لوگوں نے تسلیم کیا تھا۔ سحبان وائل اور قس بن ساعدہ وغیرہ جو عرب کے مشہور خطیب اور زبان آور مقرر گزرے ہیں ان کے سارے کارنامے آپؐ کی بلاغت کے سامنے فنا ہو گئے۔

حلم

آنحضرتؐ کو عرش سے بار بار تاکید ہوتی رہتی تھی کہ تم اسی طرح صبر کرو جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے کیا۔ چنانچہ آپؐ کے

پائے ثبات کو صبر کے میدان میں کبھی لغزش نہیں ہوئی جو لوگ قرابت توڑتے آپؐ ان سے رشتے جوڑتے جو دشمنی پر کر باندھتے ان کے ساتھ احسان سے پیش آتے اور جو سختیاں کرتے ان سے درگزر کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے بارے میں بدلہ نہیں لیا۔ ہاں! کوئی دین کی ہتک کرتا تو اس کو سزا دیتے۔ جنگ احد میں جب زخم لگا اور روئے مبارک سے خون بہنے لگا تو لوگوں نے کہا کہ ان کافروں پر نوح علیہ السلام کی طرح بددعا فرمائیے جواب دیا کہ میں لعنت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس کے بعد دعا کی "کہ اے اللہ! میری قوم جانتی نہیں ہے اس کو ہدایت دے۔

منافقوں سے رات دن آزار اور تلخی سہتے تھے لیکن کبھی انتقام کے درپے نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ سلوک اور مہربانی سے پیش آئے۔ قریش نے کیا کچھ اذیتیں نہیں پہنچائی تھیں سب آپؐ نے برداشت کیں اور جب ان پر قابو پایا تو یک قلم ان کو معافی عطا کر دی۔ آپؐ کو غصہ بہت دیر میں آتا تھا اور راضی جلد ہو جاتے تھے۔

کرم

آپؐ کبھی کسی سائل کو محروم نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ سب سے زیادہ سخی تھے خاص کر ماہ رمضان میں آپؐ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ نبوت کے قبل ہی سے اس وصف میں ممتاز تھے ایک بار ایک شخص کو اپنی بکریوں کا پورا گلہ بخش دیا کئی آدمیوں کو سو سو اونٹ سے زیادہ دے دیے اور بعد نبوت کے تو مال کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتے تھے جو کچھ آتا تھا شام تک ختم کر دیتے تھے ایک بار نوے ہزار درہم آئے چٹائی پر رکھے گئے جو سائل آتا اس کو عطا فرماتے یہاں تک کہ سب ختم ہو گئے پھر ایک شخص آیا فرمایا کہ اب میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ لیکن تم میرے نام سے قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ آپؐ نے اس بات کو پسند نہیں کیا اس پر ایک انصاری نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپؐ خرچ کیجئے اللہ کی مہربانی ہے تو کس چیز کی کمی ہے یہ سن کر خوش ہو گئے اور فرمایا کہ ہاں مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔

شجاعت

آنحضرتؐ کی شجاعت مسلم تھی۔ سخت لڑائیوں میں جہاں بڑے بڑے بہادر بھاگ نکلے آپؐ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ شاہ مرداں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب معرکہ سخت ہوتا تھا کہ تو ہم لوگ آنحضرتؐ کے پیچھے جا کر پناہ لیتے تھے۔ دشمنوں سے زیادہ قریب آپؐ ہی ہوتے تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک رات خوف چھایا ہوا تھا اور خیال تھا کہ غسانی بادشاہ آ گیا۔ لوگ گھبرا اٹھے۔ آنحضرتؐ نے خود جلدی سے گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا اور آکر اطمینان دلایا کہ کوئی خطرہ نہیں۔

حیا

حضرت ابو سعید نے کہا کہ آپؐ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ کسی سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں فرماتے تھے جو اس کو ناپسند ہو اور جب کوئی امر خلاف مزاج ہوتا تو ہم لوگ چہرہ دیکھ کر سمجھ جاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب کسی کیطرف سے کوئی ناپسندیدہ بات آپؐ تک پہنچتی تھی تو نام لے کر کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ یوں فرماتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس قسم کی باتیں کرتے یا کہتے ہیں۔ کبھی کسی کی طرف تیز نگاہ سے نہیں دیکھا۔ آنکھیں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے جب ہنسی آتی تھی مسکراہٹ سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔

حسن معاشرت

ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ اس محبت کے ساتھ تھا کہ سب لوگ آپؐ کو اپنے شفیق باپ سے بڑھ کر سمجھتے۔ جو

شخص آپؐ کے پاس آتا اس کی تعظیم کرتے اور جب تک وہ اٹھنے کی خواہش نہ کرتا خود نہ گھبراتے اکثر اپنا کمبل اور گدا اس کے لئے بچھا دیتے جو ملتا سلام اور مصافحہ میں اس سے پیش دستی کرتے اور جب کسی کو پکارتے تو اس کا وہ نام لیتے جو عزیز ترین ہوتا۔ کسی بات کو جب تک وہ ختم نہ کر لے نہیں کاٹتے تھے، نماز پڑھنے میں اگر کوئی حاجت مند آتا تو اس کے خیال سے نماز کو ہلکی کر دیتے ۔ نزول قرآن اور خطبہ کے علاوہ تمام حالتوں میں بشاش اور مسکراتے ہوئے رہتے ۔ آپؐ کی محفل میں عیب جوئی یا بے جا مدح یا بدگوئی مطلق نہیں ہو سکتی تھی۔

ہر شخص کی عزت کا خیال رکھتے تھے ۔ یہاں تک کہ صحابہ میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ آپؐ مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتے نہ کوئی شخص آپؐ کی ذات سے مایوس ہوتا تھا۔ ہدیہ دینے والوں کا ہدیہ قبول فرمالیتے اور اس کے عوض میں خود بھی اس کو تحفے بھیجتے ۔ لونڈی، غلام، مسکین اور محتاج تک کی دعوتیں منظور کر لیتے ۔ جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لئے ضرور تشریف لے جاتے جو کوئی کسی قسم کا احسان کرتا اس کا بدلہ اس سے زیادہ دیتے ۔ شرفاء قبائل کی عزت ان کے درجہ کے مطابق کرتے۔

باوجود اس شفقت، ترحم، اور مہربانی کے لوگوں کے دلوں پر آپؐ کی ہیبت اس قدر تھی کہ کوئی شخص نظر اٹھا کر روئے مبارک کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور اس رعب و جلال کے ساتھ بھی آپؐ کی محفل مرغوب ترین شے اور دلوں کے لئے باعث تسلی تھی۔

رافت رحمت

آپؐ کی ذات نہ صرف اپنے اصحاب اور امت بلکہ دنیا والوں کے لئے رحمت تھی ۔ بدخواہوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی آپؐ مہربانی سے پیش آتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رؤف اور رحیم کا خطاب دیا ہے اور اور رحمۃ اللعالمین فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں مجھ پر کئی فاقے گذر گئے سوال کی ہمت نہیں پڑتی تھی اس لئے اپنے گھر سے باہر نکل کر گذرگاہ میں بیٹھا کہ شاید کوئی راہ گیر دیکھ کر خود بخود میری حالت سمجھ جائے اور کچھ کھلا دے۔ اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ گذرے گھر سلام و جواب کے بعد آگے بڑھ گئے میں نے جب یہ دیکھا کہ تو ان کو بلا کر ایک آیت کے معنی پوچھے ۔ مطلب صرف یہ تھا کہ اس گفتگو میں میری حالت کا اندازہ کر لیں ورنہ اس آیت کے معانی میں خود اچھی طرح جانتا تھا۔ انہوں نے مطلب بیان کر دیا اور کوئی توجہ کئے بغیر بدھر جاتے تھے چلے گئے۔ پھر حضرت عمرؓ نکلے ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی اور وہ بھی میری کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد رحمت عالم کا ادھر سے گذر ہوا۔ دور ہی سے مجھے دیکھ کر مسکرائے ۔ قریب آکر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھر تک ساتھ لے گئے۔ ازواج مطہرات سے دریافت فرمایا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے ۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ کچھ نہیں ہے صرف ایک پیالہ دودھ ہے جو فلاں شخص کے ہاں سے ہدیہ آیا ہے فرمایا کہ بھیج دو جب وہ آیا تو میری طرف بڑھایا۔ میں نے کہا کہ جب تک حضورؐ نوش نہ فرما لیں میں نہیں پیوں گا۔ آپؐ نے چند گھونٹ پی لئے پھر مجھے عطا کیا۔

ہمیشہ اپنے اصحاب کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ کوئی کسی کی شکایت مجھ تک نہ لائے تاکہ میں اطمینان قلب کے ساتھ سب سے ملوں اور کسی کی طرف سے کوئی خدشہ اور کدورت میرے دل میں نہ ہو۔ کیسی ہی خطا ہو کوئی کسی قسم کی معذرت کرتا اس کو قبول فرمالیتے۔

وفاء عہد

آپ نے فرمایا ہے کہ جو عہد کا پابند نہیں وہ بے دین ہے ابتداء سے آپؐ کا شیوہ وفاء عہد تھا۔ جو وعدہ یا پیمان کر لیتے اس کو پورا کرتے اور کبھی بھولتے نہیں تھے ۔ دوست یا دشمن کسی سے جو عہد کر لیا اس کو ضرور پورا کیا۔

پاس مروت

جس شخص سے ذرا سا بھی تعلق ہوتا اس کا خیال رکھتے ۔ حنین کے قیدیوں میں حلیمہ دائی کی بیٹی شیماء گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ جب آپؐ کو اطلاع ہوئی تو ان کو بلایا۔ اپنی چادر بچھا کر ان کو بٹھایا اور دیر تک گفتگو فرماتے رہے پھر بہت سے تحفے دے کر احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اکثر گھر میں جب کوئی اچھی چیز آتی تو حکم دیتے کہ اس کو لے جا کر فلاں عورت کو دے آؤ۔ کیونکہ خدیجہؓ اس کو عزیز رکھتی ہیں۔ ثوبیہ ابو لہب کی لونڈی تھی انہوں نے بھی چند روز آنحضرتؐ کو دودھ پلایا تھا ان کے لئے ہر سال انعام اور جوڑا بھیجتے تھے جب وہ انتقال کر گئیں تو دریافت فرمایا کہ ان کا کوئی وارث معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔

نجاشی بادشاہ کے ہاں سے جب وفد آیا تو بذات خود اہل وفد کی خدمت میں مصروف ہوئے۔ صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم جو موجود ہیں۔ فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے لئے مصیبت زدہ اصحاب کو راحت پہنچائی اور ان کو عزت کے ساتھ رکھا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کے احسان کے عوض میں ان کی خدمت خود کروں۔

تواضع

تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ فقراء اور مساکین کے ساتھ بیٹھتے ان کی بیمار پرسی کے لئے جاتے ۔ جب کوئی تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا تو فرماتے کہ اہل عجم کی طرح تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔ صحابہؓ میں ایسے مل جل کر بیٹھتے کہ اجنبی شخص امتیاز نہیں کر سکتا تھا کہ ان میں کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حجتہ الوداع کے سفر میں آپؐ کے اونٹ پر ایک ٹوٹا ہوا کجاوہ تھا۔ جس پر ایک پرانی چادر پڑی ہوئی تھی حالانکہ اسی حج میں سو جانوروں کی قربانی فرمائی۔ اسی تواضع کا اثر تھا کہ صحابہ کو منع فرمایا کہ مجھے یونس پر فضیلت نہ دو اور نہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑھاؤ ۔

ایک بار ایک شخص آپؐ کے سامنے آیا۔ رعب و جلال کی وجہ سے کانپنے لگا اس کی تسلی کے لئے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی ۔

راستی

آپؐ کے عدل و انصاف اور امانت و دیانت کے دشمن بھی قائل تھے ۔ چنانچہ نبوت سے پہلے ہی امین کے لقب سے مشہور تھے اور اس وقت بھی لوگ آپؐ کی خدمت میں آ کر اپنے جھگڑے فیصل کراتے تھے۔ آپؐ کی راست گوئی سے ابو جہل جیسے سخت دشمن کو بھی انکار نہ تھا۔

جب ابو سفیان سے جو فتح مکہ تک اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ ہرقل نے بیت المقدس میں یہ سوال کیا کہ کیا اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے اس دعویٰ سے قبل تم جھوٹا سمجھتے تھے تو ان کو یہی جواب دینا پڑا کہ نہیں۔

وقار

خارجہ بن یزید نے کہا کہ آنحضرتؐ محفل میں ہمیشہ باوقار رہتے۔ بلا ضرورت کبھی کوئی بات نہ فرماتے ۔ اگر کوئی ناپسندیدہ گفتگو کرتا تو رخ پھیر لیتے۔ آپؐ کی محفل میں کسی کی ہتک یا بلند آواز سے گفتگو نہیں ہو سکتی تھی۔ حاضرین اس طرح سر جھکائے رہتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں کسی کی شکایت سننی مکروہ سمجھتے تھے اور اگر کوئی کرتا بھی تھا تو اس کا اثر مطلق نہیں ہوتا تھا۔ الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصاف اور اخلاق فاضلہ میں وہ رتبہ رکھتے جو آج تک دنیا کے کسی بڑے سے بڑے نبی کو بھی

نصیب نہ ہو سکا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ خود آپؐ کی مدح میں فرماتا ہے۔

انک لعلی خلق عظیم ؕ

ترجمہ: اور بے شک تو خلق کے بہت بڑے درجے پر ہے۔

کسی انسان کی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ آپؐ کے اس خلق عظیم کی پوری کیفیت بیان کر سکے ہم نے صرف نصیحت حاصل کرنے کی غرض سے چند باتیں اخذ کر کے لکھ دی ہیں۔

آپؐ کے ان صفات کمال کا یہ اثر ہوا کہ ہر قسم کی دشمنی اور عداوت کرنے کے بعد آخر کار اہل عرب آپؐ کی طرف جھکے اور اس دین کو جس کے مقابلے کے لئے انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی قبول کر لیا۔

اگر وہ معجزات جو آسمانی تائید سے آپؐ سے ظاہر ہوئے نہ بھی ہوتے تو بھی آپؐ کا خلق عظیم آپؐ کے دعوے کے صدق کی بین دلیل تھا۔

بیت نبوی

مکہ مکرمہ میں آنحضرتؐ نے نبوت سے قبل ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہیں اس وقت تک کوئی دوسری شادی نہیں کی ان کا انتقال ہجرت سے تین برس پہلے ہوا۔ جب آپؐ کی عمر پچاس سال کی تھی سوائے ابراہیم کے جو ماریہ قبطیہ کے شکم سے پیدا ہوئے باقی آپؐ کی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔

سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے جو چار سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے۔ انہیں کے نام سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ ان کے بعد زینب پھر عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا۔ یہ بھی دو سال کی عمر میں گذر گئے پھر رقیہ اس کے بعد ام کلثوم اور پھر فاطمہ الزہراؓ پیدا ہوئیں۔ زینب کا نکاح ہجرت سے پہلے ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص کے ساتھ ہوا۔ وہ برابر اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔ جنگ بدر میں جب گرفتار ہو کر آئے تو زینب نے مکہ مکرمہ سے فدیہ بھیجا جس میں حضرت خدیجہ کا دیا ہوا ہار تھا۔ وہ آنحضرتؐ کی سفارش سے واپس کیا گیا اور ابو العاص بلا فدیہ کے چھوڑ دیے گئے لیکن اس سے یہ عہد لیا گیا کہ مکہ مکرمہ واپس جا کر زینب کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر زینب کو مدینہ بھیج دیا۔

فتح مکہ مکرمہ سے قبل وہ شام میں تجارت کرنے کے لئے گئے وہاں سے واپس آکر جو اموال ان کے پاس بطور امانت کے رکھے ہوئے تھے ان کو ان کے مالکوں کے حوالہ کر کے مدینہ منورہ میں آکر مسلمان ہوئے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقد کو قائم رکھا اور بلا نکاح جدید کے زینب کو ان کے یہاں رخصت کر دیا۔ رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں اور فاطمہ کے ساتھ حضرت علی کا نکاح ہوا۔ ان میں سے سوائے فاطمہ کے کسی کی نسل نہیں چلی ان کے چار بچے ہوئے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کیے۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں نکاح کا تعلق قبائل کی ہمدردی کا ایک بڑا ذریعہ تھا کہ مکرمہ میں حضرت خدیجہ کا نکاح فائدہ مند ثابت ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی اذیتوں اور تکلیفوں سے اس کی بدولت محفوظ رہتے تھے۔ چنانچہ مدینہ میں آکر قریش اور نیز عرب اور بنی اسرائیل کے بعض قوی ترین قبائل میں آپؐ نے شادیاں کیں۔ بعض نکاحوں مثلاً حضرت جویریہ و زینب بنت حجش اور صفیہ وغیرہ کے خاص وجوہات تھے۔ علاوہ بریں اس وقت تک نکاح کی کوئی خاص حد متعین نہیں کی گئی تھی اور جس وقت تحدید نازل ہوئی کہ چار سے زیادہ بیویاں نہ ہوں اس وقت چونکہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم امہات امت قرار پا چکی تھیں اور کسی کے ساتھ ان کا نکاح حلال نہیں تھا اس لئے آنحضرتؐ کو خصوصیات کے ساتھ اجازت دی گئی کہ آپ ان بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہیں اور آئندہ نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی۔

امہات امت میں سے دو یعنی حضرت خدیجہؓ اور زینب ام المساکین آپؐ کی زندگی میں وفات پا گئیں۔ اور نو بیویاں کو چھوڑ کر آپؐ نے انتقال فرمایا ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سودہؓ بنت زمعہ - یہ قریش کے قبیلہ بنی عامر سے تھیں۔ بیوہ ہو کر آپؐ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے پہلے شوہر سکران بن عمرو تھے۔
(۲) حضرت عائشہؓ - حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ آنحضرتؐ کی تمام بیویوں میں صرف یہ ہی ایک ایسی تھیں جو کنواری آپؐ کے عقد میں آئیں۔
(۳) حضرت حفصہؓ - بنت عمرؓ بن خطاب - یہ پہلے خنیس بن خدافہ کے نکاح میں تھیں بیوہ ہو گئیں تو آنحضرتؐ نے عقد کر لیا۔
(۴) ام سلمہ مخزومیؓ - پہلے ابو سلمہ کی زوجیت میں تھیں ان کے انتقال کے بعد آپؐ کے نکاح میں آئیں۔
(۵) حضرت ام حبیبہؓ - بنت ابی سفیان - یہ عبید اللہ بن جحش کی بیوی تھیں ان کے ساتھ حبشہ میں ہجرت کر کے گئیں وہ وہاں وفات پا گئے اس کے بعد نجاشی فرمانروائے حبشہ کی وکالت سے آنحضرتؐ کا نکاح ان کے ساتھ ہوا۔
(۶) زینبؓ بنت جحش - یہ آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپؐ نے ان کا نکاح اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ زید غلام تھے اس وجہ سے یہ ان کو حقیر سمجھتی تھیں اور دونوں میں باہم موافقت نہیں رہتی تھی۔ زید ان کو طلاق دے کر چھٹکارا چاہتے تھے لیکن آپؐ ان کو تاکید کرتے تھے کہ اللہ سے ڈرو اور طلاق نہ دو۔

عرب میں رواج تھا کہ وہ لوگ متبنیٰ کی بیوی سے نکاح حرام سمجھتے تھے۔ اسلام میں متبنیٰ چونکہ کوئی چیز نہیں ہے اس لئے اس رسم کو مٹانا ضروری تھا اور اس کی صورت یہی تھی کہ زید جس وقت طلاق دیں آنحضرتؐ زینب کے ساتھ نکاح کر لیں۔ لیکن آپؐ عرب میں بدنامی کے خوف سے ڈرتے تھے اس لئے زید کو طلاق کا مشورہ نہیں دیتے تھے۔ اسی وجہ سے کسی قدر عتاب کے ساتھ اللہ نے فرمایا۔

واذ تقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه امسک علیک زوجک واتق الله وتخفی فی نفسک ماالله مبدیه وتخشی الناس والله احق ان تخشاہ ط فلما قضی زید منها وطراً زوجنکها لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم اذا قضوا منهن وطراً وکان امر الله مفعولا ط

ترجمہ: اور یاد کرو جب تم کہہ رہے تھے اس شخص کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور تم پر بھی انعام کیا کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ کا خوف کر اور تم اس بات کو دل سے چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے تم ڈرتے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو پھر جب زید نے اس کو چھوڑ دیا تو ہم نے تمہارے ساتھ اس کو بیاہ دیا تاکہ مسلمانوں کے لئے مالک جب اپنی بیویوں کو چھوڑ دیں تو ان کو (ان بیویوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہ ہوا اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے"۔ یعنی ان کے درمیان نزاع سخت تھی اور مفارقت ضروری تھی لیکن آنحضرتؐ اپنی بدنامی کے خوف سے روکتے تھے حالانکہ اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے آخر اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ کو پورا کیا۔ یعنی جب زید نے زینب کو طلاق دے دی تو آنحضرتؐ سے ان کا نکاح ہوا اس سے عرب کی ایک نامعقول رسم مٹا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد خود متبنیٰ کے قاعدہ کو منہدم کر دیا اور حکم دیا کہ:

ادعوهم لا بائهم هو اقسط عندالله

ترجمہ - ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔ یہی اللہ کے نزدیک زیادہ درست ہے۔

(۷) جویریہؓ - یہ بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ ان کے نکاح کی بدولت ان کا تمام قبیلہ آزاد ہو گیا اور ان کے باپ اسلام لائے۔
(۸) میمونہ بنت حارث - یہ پہلے ابو رہم بن عبد العزیٰ کے عقد میں تھیں بیوہ ہو کر آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔
(۹) صفیہ - حیی بن اخطب - قبیلہ یہود کے سردار کی بیٹی اور کنانہ ابن ابی الحقیق کی بیوی تھیں۔ اس کے قتل کے بعد آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں۔

ان ازواج کے علاوہ ماریہ قبطیہ ام ولد تھیں جن کے بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم پیدا ہوئے تھے اور بچپن ہی میں مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام ازواج امہات المومنین کہی جاتی ہیں یہ لقب قرآن میں ان کو دیا گیا ہے۔ ان ازدواج کی زندگی نہایت پاک اور مقدس زندگی تھی اور ان کی روایات سے بہت کچھ خانگی حالات آنحضرتؐ کے ہم تک پہنچے ہیں۔ خاص کر حضرت عائشہؓ سے جو عہد صحابہ میں علم و فضل میں بہت امتیاز رکھتی تھیں۔

وفات

حج وداع سے واپسی کے بعد ماہ صفر ۱۱ھ میں سرور عالم بخار میں مبتلا ہوئے۔ ازواج سے اجازت لے کر عائشہ کے حجرے میں جو مسجد نبوی سے ملا تھا آ گئے۔ ایک روز بیماری ہی کے زمانے میں مسجد کے منبر پر بیٹھ کر صحابہؓ کو تلقین فرمائی اور کہا کہ

اے مہاجرین! انصار کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ لوگ بڑھتے جا رہے ہیں اور انصار اسی حالت میں ہیں یہی لوگ میرے ابتدائی حامی ہیں۔ انہیں کے یہاں میں نے پناہ لی۔ ان میں سے جو نیک ہو اس کے اوپر احسان کرنا۔ اور جو خطا کار ہو اس سے درگزر کرنا میرے اہل بیت کی حرمت کا بھی خیال رکھنا اور راہ تقویٰ پر ثابت دم رہنا۔

اس زمانہ میں حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے رہیں۔

دوران مرض میں لوگوں کو اکثر وصیتیں اور نصیحتیں فرماتے رہتے تھے اور اس بات کو بار بار دہراتے تھے کہ یہود اور نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے معلون کیا کہ ان میں سے جب کوئی بزرگ مرجاتا تھا تو اس کی قبر کو وہ لوگ عبادت گاہ بنا لیتے تھے دیکھو! تم میری قبر کو بت مت بنانا اور مشرکوں کی طرح اس کی پرستش نہ کرنا۔ مرض کی شدت برابر بڑھتی چلی گئی۔ آخر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دو شنبہ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء کو شام کے وقت تریسٹھ سال قمری اس دنیا میں گزار کر وہ روح اعظمؐ کو راہی ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کی عظمت کا اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے قوی دل عالی حوصلہ شخص کو اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ موت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دسترس ہو سکتی ہے چنانچہ وہ تلوار لئے ہوئے بیتابانہ ادھر ادھر دوڑتے تھے اور کہتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے ہیں میں اس کو جان سے مار ڈالوں گا۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے تو مسجد میں جہاں مسلمانوں کا مجمع تھا جا کر انہوں نے آپؐ کی وفات کا اعلان اور فرمایا کہ

ایھا الناس من کان یعبد محمداً فانہ قد مات ومن کان یعبدو اللہ فانہ حی لا یموت

ترجمہ۔ لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ وہ گزر گئے اور جو اللہ کو پوجتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ مرنے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد اس آیت کو پڑھا

وما محمد الا رسول ط قد خلت من قبلہ الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین ط

(ترجمہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر گئے کیا اگر وہ مرجائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ شکر گزاروں کو اللہ بدلہ دے گا۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ کو آپؐ کی وفات کا یقین ہوا اور اسی وقت صدمہ کی وجہ سے گر پڑے اس کے بعد صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہوئے وہاں حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر لوگوں نے خلافت کی بیعت کی۔

سہ شنبہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تین چادروں کا کفن پہنا کر اسی حجرے میں جس میں انتقال فرمایا

تھار کو دئے گئے ۔ آپ ؑ کی وصیت کے مطابق سب لوگ اسی حجرے میں جا کر نماز جنازہ فرداً فرداً پڑھتے تھے چہار شنبہ کی آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہا اس کے بعد اسی جگہ دفن کئے گئے ۔

صلی اللہ علیہ وسلم

حصّہ دوم

خلافتِ راشدہ

خلافت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت کے متعلق دو قسم کے فرائض تھے ۔
(۱) رسالت کے فرائض یعنی احکام الہیٰ کی تبلیغ جس کے لئے آپ منجانب اللہ مامور تھے ۔
(۲) امامت کے فرائض یعنی نظام ملت کی شیرازہ بندی ۔ امت کے تنازعات کا فیصلہ ۔ جنگ اور صلح میں اس کی قائم مقامی وغیرہ ۔ ظاہر ہے کہ مہبط وحی اور ہادی شرع کے ہوتے ہوئے دوسرا کون امام ہو سکتا تھا ۔

ان دونوں فرائض میں سے پہلا فرض آپ کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا کیونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں رہا کہ شرع میں ایک ذرہ بھی اضافہ کر سکے ۔ بجزاس کے کہ انھیں اصول اور قواعد سے جو شریعت کے ہیں مسائل کا استنباط کرے ۔ یہ کام علماء اور فقہا امت کے حصہ میں آیا اس کا نام اگر ہم خلافت تشریعی رکھیں تو بے جا نہ ہوگا ۔

دوسرا فرض یعنی انتظام و تدبیر مہمات ملی بدستور باقی رہا ۔ تمدنی حیثیت سے امت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ کے بجائے کسی کو اپنا مرکز قرار دیں کہ وہ اس فرض کو ادا کرے ۔

یہ مسئلہ خلافت شروع سے لے کہ آج تک امت میں جتنا معرکۃ الارا و مختلف فیہ رہا ہے ۔ اتنا کوئی دوسرا مسئلہ نہیں رہا ۔ لہذا مختصراً اسکی تاریخ بیان کرنا ضروری ہے ۔ تمام بحثوں اور اختلافوں کا دارومدار صرف دو باتوں پر ہے ۔
(۱) خلیفہ کس خاندان سے ہو ۔
(۲) خلیفہ کے انتخاب کی شکل کیا ہو ۔

خاندان خلافت

قرآن مجید میں مطلقاً اس کا ذکر نہیں کہ خلیفہ کس خاندان اور قبیلہ سے ہو ۔ لیکن حدیث میں روایت ہے کہ

الائمة من قريش

امام قریش میں سے ہوں گے

اسی کے ساتھ یہ مروی ہے کہ تمھارے اوپر اگر کوئی ادنیٰ حبشی غلام بھی حکمراں ہو جائے تو تم اس کی فرمانبرداری کرو ۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ صحابہ میں دو مختلف الخیال جماعتیں نظر آنے لگیں ۔
(۱) خلافت کسی قبیلہ سے مخصوص نہیں ہے ۔
(۲) قریش کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اس کے جتنے قبائل ہیں ہر ایک میں سے خلیفہ ہو سکتا ہے ۔
اس دوسرے خیال کے گروہ میں بعض لوگ قریش ہونے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ رکھنے والے

کو مرجح سمجھتے تھے ۔ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت نسبتاً آپ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار حضرت عباسؓ تھے ۔ ان کے بعد ابو طالب کے دونوں بیٹے یعنی حضرت علیؓ اور عقیل رضی اللہ عنہما ۔ ان میں سے حضرت علیؓ کو یہ امتیاز تھا کہ وہ سابقین اولین میں سے تھے اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہے ۔ نیز حضرت فاطمہ زہرا ریحانۂ رسول ان کی زوجیت میں تھیں ۔ اور حضرت عباسؓ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ اگر حق وراثت ہوتا تو وہی آنحضرتؐ کے عصبہ ہو سکتے تھے ۔

پہلا خیال یعنی عدم تخصیص کی رائے انصار کی تھی جو چاہتے تھے کہ خود اپنے قبائل ہی میں سے کسی کو آنحضرتؐ کا قائم مقام منتخب کریں وہ کہتے تھے کہ ہم نے اسلام کی خدمت کی ۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور آنحضرتؐ کی امداد میں جان و مال اور اولاد کو بے دریغ صرف کیا ۔ لہذا ہمارا حق ہے کہ ہم میں سے خلیفہ ہو ۔

دوسرا خیال یعنی خلافت کی تخصیص قریش کے ساتھ جمہور کا تھا ۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق نے " الائمۃ من قریش " مجمع عام میں فرمادیا جس کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں ۔

قرابت قریبہ کی تخصیص حضرت علیؓ اور ان کی طرفداروں کی رائے تھی ۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے حق کو غالب سمجھتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے خود جب اپنی بیعت کے متعلق حضرت ابو بکرؓ سے گفتگو کی تو اس خیال کو بھی ظاہر کیا ۔ لیکن چونکہ اس وقت بالاتفاق صحابہ حضرت ابو بکر کا انتخاب عمل میں آگیا تھا اس لئے جمہور کی مخالفت نہیں کی ۔ یہ رائے اگرچہ اس وقت دب گئی لیکن حضرت عثمان کے عہد میں پھر ابھر آئی ۔ جابجا اسلامی مرکزوں میں اس کے محرک پیدا ہو گئے ۔ جن کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا ۔ اس نے عوام کو برانگیختہ کرنا شروع کیا کہ یہ کہاں سے روا ہے کہ رسالتمآب کا قریبی رشتہ دار محروم رہے اور دوسرے لوگ خلفیہ بنائے جائیں ۔ اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کو اطراف و دیار سے اس خیال کے لوگوں نے جمع ہو کر مدینہ منورہ میں قتل کر ڈالا اور حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیا ۔ لیکن ان کو سخت دشواری کا سامنا ہوا ۔ کیونکہ امت کا تقریباً نصف حصہ جو اس تحریک کے اثر سے پاک تھا ۔ ملک شام سے آکر ان کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا ۔ بہت قتل و خونریزی کے بعد آخر پھر عدم تخصیص قرابت کی رائے غالب آئی اور امیر معاویہ بن ابی سفیان جو بنی ہاشم سے بھی نہ تھے خلیفہ ہو گئے ۔

گو قوت اور سیاست کے زور سے خلافت بنی امیہ کے ہاتھ میں آگئی اور تخصیص ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ قرابت کی تحریک بظاہر دب گئی لیکن اس جماعت کے لوگوں کے دلوں میں یہ مادہ اس طرح اندر ہی اندر جوش مارتا رہا کہ آئندہ جب کبھی کوئی برق امید چمکی تو بھڑک اٹھا ۔ حضرت علیؓ کی اولاد سمجھتی تھی کہ خلافت ہمارا حق ہے جو کوئی اس کو ہم سے چھینے وہ ظالم اور غاصب ہے اور ان کے شیعہ اس آرزو میں رہتے تھے کہ وہ کسی طرح اپنے اس حق کو پا جائیں ۔ اس لئے یکے بعد دیگرے ان کو خلفائے وقت کے مقابلے کے لئے اٹھاتے رہتے تھے اور نتیجہ سوائے قتل و عذاب اور تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا ۔

مگر اس سختی سے ان کے دلوں میں کینہ کا جوش اور بھڑکتا تھا ۔ وہ ان مظالم کو بیان کر کے لوگوں کو بنی امیہ کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے ۔ انہوں نے زیادہ تر واقعہ کربلا سے اس میں مدد لی ۔ درد انگیز اشعار میں امام حسین اور ان کے قافلہ کی مصیبت ، پیاس کی تکلیف اور شدت اور اہل بیت کی گرفتاری کا حال لوگوں کو سنا سنا کر ان کے دلوں میں رقت پیدا کرتے تھے کہ لوگ بنی امیہ سے متنفر ہو کر اس کوشش میں ان کا ساتھ دیں کہ خلافت ان لوگوں کو دلائی جا سکے جو اس کے مستحق ہیں ۔

ادھر بنی عباس بھی اپنے کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے ۔ لیکن حضرت علیؓ کی اولاد کے مقابلہ میں ان کو کون خاطر میں لا سکتا تھا جس وقت ابو ہاشم بن محمد بن علی نے وفات پائی اور اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا اس وقت بنی عباس نے کہا کہ وہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو اپنا جانشین بنا گئے ہیں اس بنا پر شیعوں کے ایک فرقہ کیسانیہ نے بنی عباس کا ساتھ دے دیا ۔ اب بنی عباس نے یہ دعویٰ بھی کرنا شروع کیا کہ حضرت عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ان کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو جو چچا کے بیٹے تھے حق

وراثت نہیں پہنچ سکتا ۔ بنی عباس نے اس تحریک کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ امت میں پھیلانا شروع کیا ۔ ان کے خاص دعاۃ تھے جو بڑی مہارت کے ساتھ مخفی طور پر لوگوں سے بیعت لیتے پھرتے تھے ۔ آخر میں سب سے بڑھ کر ان کو ابو مسلم خراسانی مل گیا ۔ جس نے بنی امیہ کے تخت خلافت کو الٹ کر عباسی خلافت قائم کر دی ۔

عباسیوں کے عہد میں حضرت علیؓ کی اولاد پر اس سے بھی زیادہ مصیبت آئی ۔ جس قدر ان کے مخالفین بنی امیہ کے عہد میں تھی ان کے درباروں میں کسی شخص کے اوپر اس تہمت کا لگ جانا کہ وہ اہل بیت کے کسی فرد کی طرف میلان رکھتا ہے اس کے اتلاف نفس اور ضبطی جائداد کے لئے کافی ہوتا تھا ۔ خاص کر منصور، ہارون اور متوکل کے عہد میں ۔ چنانچہ بعض بعض امراء، وزراء اور علما کے ساتھ عملاً یہی وقوع میں آیا ۔ لیکن یہ تمام سختیاں شیعہ کے اس خیال کو مٹا نہ سکیں کہ صرف ائمہ اہل بیت ہی خلافت کے حقدار ہیں اور اس وقت عنان خلافت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے یہ ظالم، اور غاصب ہیں ۔ چنانچہ بنی امیہ کی طرح وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابلہ میں بھی ان میں سے لوگ اٹھتے رہے اور نتیجہ وہی تباہی اور بربادی ہوتا رہا۔ اس تشدد اور مصیبت میں اہل بیت کے بعض افراد کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دور دست ممالک میں نکل جائیں تاکہ عباسیوں کے دسترس سے باہر رہ کر ان کے قابو میں نہ آسکیں ۔ چنانچہ پہلے ان کے دعاۃ اور پھر وہ خود افریقہ میں چلے گئے اور وہاں انہوں نے ادریسی سلطنت اور پھر فاطمی خلافت قائم کی ۔ دعویداران خلافت کی اس باہمی کشمکش سے نظام ملت کا شیرازہ بکھر گیا اور بجائے اس کے کہ تمام امت کی ایک خلافت ہوتی ایک ہی زمانہ میں تین خلافتیں قائم ہو گئیں جو ایک دوسرے کی حریف تھیں ۔

(۱) بغداد کی خلافت عباسیہ

(۲) قاہرہ کی خلافت فاطمیہ

(۳) اندلس کی خلافت امویہ

گو افریقہ میں فاطمی خلافت قائم ہو جانے کے بعد حضرت علیؓ کی اولاد جو مشرق میں رہ گئی تھی خاموش ہو گئی ۔ اور ان میں سے کوئی خلفاء عباسیہ کے مقابلے کے لئے نہیں اٹھا ۔ لیکن اندرونی طور پر وہ اور ان کے شیعہ اس خلافت کے اسی طرح مخالف رہے جیسے پہلے تھے ۔ چنانچہ آخر میں جہاں عباسی خلافت کی تباہی کے بہت سے اسباب ہوئے ۔ وہاں ایک سبب یہ ہوا کہ خلیفہ متعصم باللہ کے وزیر ابن علقمی نے جو ایک غالی شیعہ تھا ۔ ہلاکو کو بغداد میں بلایا اور اس کے آنے میں مدد دی۔

خلافت بغداد کی تباہی کے بعد ایک شخص سید احمد جو اپنے آپ کو عباسی کہتا تھا بھاگ کر مصر چلا گیا ۔ وہاں فاطمیوں کی خلافت مٹ چکی تھی ۔ سلطان مصر الظاہر بابرس بند قداری نے اسی کو خلیفہ بنا کر اپنے لئے اس سے حکومت کا عہد لے لیا ۔ ایک مدت تک مصر میں انہیں بقایائے بنی عباس میں سے وظیفہ خوار خلفا ہوتے رہے جن کا عزل و نصب خود وہاں کے فرمانرواؤں کے ہاتھ میں ہوتا تھا ۔ ۹۲۳ھ میں جب سلطان سلیم نے مصر پر قبضہ کیا تو وہاں کی حکومت کے ساتھ خلافت بھی عثمانیوں کے ہاتھ آگئی ۔

شکل انتخاب

قرآن مجید میں خلیفہ کے انتخاب کی کوئی شکل صریح طور پر نہیں بتائی گئی ہے ۔ بعض عام احکام ہیں جن میں خلافت اور غیر خلافت دونوں شامل ہیں

۔ وامرھم شوریٰ بینھم

ترجمہ : وہ باہمی مشورہ سے اپنا کام کرتے ہیں ۔

حدیثوں میں بھی اس کا کوئی طریقہ نہیں بتایا گیا ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے اس کا نظام خود امت پر چھوڑ دیا ہے کہ زمانہ اور ضرورت کے لحاظ سے اپنے لئے جو طریقہ مناسب سمجھے اس کے مطابق عمل درآمد کرے ورنہ نماز اور وضو وغیرہ دیگر مسائل کی

طرح اسکی بھی تصریح کر دی ہوتی ۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ امت نے اس مسئلہ انتخاب میں کیا رویہ اختیار کیا ۔

(۱) پہلا طریقہ انتخاب وہ تھا جو حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے موقع پر پیش آیا کہ روسائے امت سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور بحثوں اور تقریروں کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی لیکن یہاں صورت یہ تھی کہ سوائے ابن عبادہ کے جو رئیس الانصار تھے قریش میں کوئی خلافت کا دعویدار نہ تھا اور حضرت ابو بکرؓ کی ذات صحابہ میں اس قدر ممتاز تھی کہ ان کی فضیلت کے سب لوگ معترف تھے چنانچہ باوجود اس کے انہوں نے فرمایا کہ لوگ عمر بن خطاب یا ابو عبیدہ دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو ۔ لیکن خود حضرت عمرؓ اور ان کے بعد اور سب لوگوں نے انھیں کے ہاتھ پر بیعت کی ۔

(۲) دوسرا طریقہ حضرت عمرؓ کے انتخاب کا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں سے مشورہ لے کر ان کی ولی عہدی کا فرمان لکھوایا ۔

(۲) تیسرا طریقہ وہ تھا جو حضرت عثمان کے انتخاب کے موقعہ پر عمل میں آیا ۔ یعنی جب حضرت عمرؓ کو اپنی موت کا احساس ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ اگر میں امت کو بلا خلیفہ کے چھوڑ جاتا ہوں تو ممکن ہے اس میں اختلاف پیدا ہو جائے اس لئے چاہا کہ کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کر دیں ۔ مگر انکی نگاہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا کہ اس کو خلیفہ بنا کر ان کا دل مطمئن ہو جائے اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کی طرح موت کے بعد بھی امور امت کی ذمہ داری اپنے سر لیں ۔ اس لئے بڑے چھ صحابہ کو جو ان کی رائے میں خلافت کے مستحق تھے نامزد کیا اور حکم دیا کہ میری موت کے بعد لوگ جمع ہو کر تین دن کے اندر اندر خود اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنائیں

انتخاب سے غرض یہ تھی کہ جو لوگ خلافت کے دعویدار ہو سکتے ہیں وہ سب ایک رائے پر متفق ہو جائیں تاکہ امت میں نزاع نہ پیدا ہو ۔ ان تینوں طریقوں میں سے پہلے طریقہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حق انتخاب کن لوگوں کو حاصل ہے ۔ ساری امت کو یا مخصوص افراد کو پھر وہ مخصوص افراد کون لوگ ہیں ۔ عمال سلطنت امراء لشکر یا روسا سلطنت اس لئے خلافت کے دعویدار کو تاویل کا بہت موقع مل سکتا ہے ؟ دوسرے طریقہ میں اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ کہ خلیفہ ایسے ہی شخص کو منتخب کرے جو واقعی خلافت کے قابل ہو ۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کی طرح ہر ایک خلیفہ کو ولی عہدی کے لئے عمرؓ تو نہیں مل سکتے ۔ تیسرا طریقہ بھی تقریباً دوسرے ہی طریقہ کی طرح ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے میں ایک شخص معین ہے ۔ دوسرے میں چند محدود افراد میں ایک شخص غیر معین۔

چنانچہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو اختلاف رونما ہوا ان کے نزدیک اہل مدینہ کی بیعت ان کی خلافت کے انعقاد کے لئے کافی تھی ۔ لیکن امیر معاویہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا وہ تمام امت خاص کر اعیان قریش و امراء لشکر والیان صوبجات کی شرکت اس میں ضروری سمجھتے تھے ۔

آخر کار دونوں قوتیں صفین کے میدان میں آٹکرائیں اور جب لڑائی نے فریقین کو خستہ کر دیا تو ہر ایک نے اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ کا تصفیہ قرآن کی رو سے کریں ۔ اس کا نتیجہ امت کے حق میں اور برا ہوا کیونکہ اس سے ایک تیسرا گروہ خوارج کا پیدا ہو گیا جو سابقہ دونوں جماعتوں کے خلاف تھا اس نے علی الاعلان پکارا کہ **لاحکم الا للہ** ۔ اور خود ا الگ ایک جماعت بنا لی اور اپنے تمام مخالفین کو کفار قرار دے کر ان کی جان و مال کو حلال سمجھنے لگے اور ایک جہاد عام شروع کر دیا ۔ چونکہ انہوں نے اپنے لئے خاص اصول اور حدود مقرر نہیں کئے تھے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بھی باہم مخالفتیں پیدا ہوئیں اور ان کے متعدد فرقے بن گئے ۔ امت اپنی قوت کے ساتھ ان کی شورش کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئی اور آخر بڑی خونریز جنگوں کے بعد بلااس کے کہ ان سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا یا وہ خود کوئی نفع اٹھاتے تباہ و برباد ہوگئے ۔

حضرت علیؓ کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے انہی سے بنی امیہ کی خلافت شروع ہوئی ۔ بنی امیہ نے ولی عہدی کا وہی دستور رکھا۔ جس پر حضرت ابو بکرؓ نے عمل کیا تھا ۔ لیکن فرق یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا جو نہ ان کے ہم قبیلہ تھے اور نہ رشتہ دار اور بنی امیہ اپنے قرابت مندوں اور بیشتر اپنے بیٹوں کو ولی عہد بناتے رہے ۔ بلکہ کبھی کبھی ایک کے بجائے کئے بعد

دیگرے دو ولی عہد مقرر کر دیتے تھے جو اور بھی فساد کا موجب ہوتا تھا ۔ اس طرز انتخاب سے خلافت کی جمہوریت مٹ گئی اور وہ بھی ایک قسم کی خاندانی سلطنت ہو گئی ۔ بنی امیہ کے بعد بنی عباس میں ولی عہدی کا دستور یہی رہا ۔ لیکن معتصم کے بعد سے یہ بھی مفقود ہو گیا ۔ کیونکہ خلیفہ اپنے عجمی غلاموں کے ہاتھوں میں اس قدر بے بس ہوتا تھا کہ اکثر تخت خلافت سے قبر کے تختے کے نیچے پہنچا دیا جاتا تھا اور پھر وہی نام کے اہل حل و عقد جمع ہو کر جس کو چاہتے تھے خلیفہ بنالیتے تھے ۔

معتمد کے عہد میں یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ خلیفہ کو ادنیٰ ادنیٰ ضروریات کی چیزیں بھی مشکل سے میسر ہوتی تھیں اور متقی اور مکتفی کے عہد میں جب آل بویہ کا تسلط ہو گیا تو خلیفہ عباسی صرف ایک دینی رئیس رہ گیا ۔ اس کی ملکی اور سیاسی حیثیت بجز اس کے کہ خطبوں میں اس کا نام پکارا جاتا تھا باقی نہیں رہی تھی ۔ اگر جمہور کا یہ اعتقاد نہ ہوتا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے تو یہ نام کی خلافت بھی بنی عباس کے ہاتھوں میں باقی نہ رہ جاتی ۔ یہی وجہ تھی کہ بغداد کی تباہی کے بعد سلطان مصر نے خود خلافت کا دعویٰ نہیں کیا ۔ بلکہ بغداد سے بھاگ کر جو شخص یہاں سے گیا تھا اسی کو عباسی خاندان کا ثابت کر کے خلیفہ بنا لیا ۔ تاکہ خلافت کے سایہ میں اس کی سلطنت کو مذہبی اور مرکزی عظمت حاصل ہو جائے ۔

۹۲۳ھ میں فتح مصر کے بعد خلافت عثمانی خاندان میں آگئی ۔ اگرچہ آل عثمان میں نظام ولی عہدی یہ تھا کہ خاندان کا بڑا شخص تخت نشین ہو ۔ لیکن پھر بھی اکثر تخت نشینی میں شورشیں ہوتی رہی ہیں اور بارہا ایسا ہوا کہ سلطان جب تخت پر بیٹھا ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہوا ہے کہ اپنے بھائیوں کو قتل کر دے ۔ تاکہ سلطنت کا کوئی دعویدار باقی نہ رہ جائے ۔

شیعہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ امامت صرف حضرت علیؓ کی اولاد کا حق ہے ان میں سے فرقہ اثنا عشریہ امام کے بڑے بیٹے کو امام قرار دیتا ہے ۔ چنانچہ ان کے یہاں اماموں کی ترتیب اسی طرح پر ہے ۔ دوسرے فرقے ان سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن یہاں ہم کو ان اختلافات کا بیان کرنا مدنظر نہیں ہے ۔ صرف یہ کہنا ہے کہ یہ جماعت بھی کوئی متفقہ شکل اسکی متعین نہ کر سکی ۔

متکلمین نے عہد عباسی میں مسئلہ خلافت و امامت کو عقائد میں داخل کیا اور اس پر بحثیں شروع کیں ۔ یہ مدار بحث مندرجہ ذیل امور ہیں ۔

(۱) کیا امام کا نصب کرنا امت کا فرض ہے ؟ اور پھر یہ روایتاً ہے یا عقلاً یا ہر دو طریق پر ۔ پہلا مذہب جمہور کا ہے ۔ دوسرا زیدیہ اور اکثر معتزلہ کا تیسرا بعض معتزلہ کا ۔

(۲) یا خود اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ امام کو نصب فرمائے ۔

یہ مذہب امامیہ اور اسمعیلیہ کا ہے ۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ امامیہ کے ہاں امام کی ضرورت اس لئے ہے کہ قوانین شرع کی حفاظت کرے اور اسماعیلیہ کے عقیدہ میں وہ ذات و صفات الہیٰ کا معرف ہوتا ہے ۔

(۳) امام کی مطلق ضرورت نہیں ۔

یہ مذہب خوارج کا ہے لیکن ہشام اور اس کے ہم خیال کہتے ہیں کہ امن کے وقت امام کی ضرورت ہے بے امنی کے زمانہ میں نہیں ۔ اور اصم اور اس کے ہم رائے اس کے برعکس فتنہ کے زمانہ میں امام کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں ۔ امن کی حالت میں اس کا وجود غیر ضروری ہے ۔

(۴) امام کے لئے کیا شرائط ہیں ۔

بعض شرطوں میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن بعض مختلف فیہ ہیں ۔ مثلاً جمہور کے نزدیک قریشی ہونا شرط ہے ۔ شیعہ کے نزدیک ہاشمی ہونا ضروری ہے اور نیز یہ کہ وہ دین کے کل مسائل کا علم رکھتا ہو ۔ اور بعض شیعہ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے کسی معجزہ کا ظہور ہو ۔

(۵) امامت کس چیز سے ثابت ہوتی ہے ۔
شیعہ کے نزدیک آنحضرت یا امام موجود کی نص صریح ہونی چاہیے ۔ جمہور کے نزدیک اہل حل و عقد کا اجماع بعضوں کے نزدیک صرف دو مسلمانوں کا اتفاق کافی ہے ۔
(۶) کیا ایک وقت میں کئی امام ہو سکتے ہیں ۔
(۷) امام برحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون ہے ؟ حضرت ابو بکر یا حضرت علیؓ
(۸) آنحضرت کے بعد سب سے افضل کون ہے ؟
(۹) کیا فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے ۔
یہ بحثیں "مدرسہ" کی بحثیں تھیں ۔ جن میں اگرچہ علمی لحاظ سے بعض باتیں لطیف تھیں ۔ لیکن علمی حیثیت سے بیکار ثابت ہوئیں ۔ کیونکہ ہر فریق نے اس کو اپنے عقائد کا ایک مسئلہ قرار دیا ۔ حالانکہ یہ سیاست ملیہ کا مسئلہ تھا جو جمہوری ہے اور فرقہ بندی کی دسترس سے بالاتر ۔ قرن صحابہ کا عملدر آمد جو امت کے لئے اصلی نمونہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے جو بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ خلافت خاندانی نہیں جمہوری ہے اور یہ کہ خلیفہ کے انتخاب میں امت کا مشورہ ضروری ہے ۔ خلافت راشدہ میں خلفاء اربعہ مختلف خاندان کے تھے اور گو انکے انتخاب کی شکلیں جداگانہ تھیں لیکن ہر ایک میں شوریٰ جو جمہوریت کی اصل روح ہے موجود تھا ۔ اور ان کی حکومت کا طریقہ بھی جمہوری تھا ۔ اسی خلافت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح روایت موجود ہے ۔

الخلافة بعدی ثلثون سنته ثم ملک بعد ذالك

ترجمہ : میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر سلطنت ہو جائے گی ۔

قبیلہ قریش کی تخصیص جو حضرت ابو بکرؓ نے بیان کی تھی وہ صرف بطور ایک پیشگوئی کے تھی ۔ چنانچہ انہوں نے خود اس مجمع میں اس تخصیص کا سبب یہ ظاہر کیا کہ انصار میں سے اگر قبیلہ اوس کا کوئی شخص خلیفہ ہو جائے گا تو خزرج رشک کریں گے اور خزرج کا ہو جائے گا تو اوس اور اہل عرب بجز قریش کے اور کسی کی خلافت کو تسلیم نہیں کریں گے ۔
اس توجیہ سے علامہ ابن خلدون نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خلافت کے لئے قریش کی تخصیص کا اصلی راز یہی تھا کہ وہ عرب کے تمام قبائل میں محترم اور قوی تر تھے اگر ان میں سے کوئی خلیفہ ہوگا تو بوجہ اس کی عظمت اور اس کے حامیوں کی قوت اور شوکت کے کوئی شخص اس کی مخالفت کی جرات نہیں کرے گا ۔ اسی بنا پر وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا زمانہ آجائے کہ اس میں قریش کی عظمت اور عصبیت باقی نہ رہے اور وہ اس قدر کمزور ہو جائے کہ اسلام کی حمایت اور اس پر جو حملہ ہو اس کی مدافعت نہ کر سکے تو اس زمانہ میں ممکن ہوگا کہ خلافت غیر قریش میں جو طاقت اور شوکت رکھتے ہوں منتقل کر دی جائے کیونکہ امور شریعت اسباب اور مصالح پر مبنی ہیں اور ان کا لحاظ رکھنا ہر زمانہ میں ضروری ہے ۔
لیکن علامہ موصوف نے اسلامی جمہوریت کے صحیح مفہوم کو پیش نظر نہیں رکھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ اسلام کے لئے کسی قومی اور خاندانی عصبیت کی احتیاج ہی نہیں ہے بلکہ تمام امت اس کی قوم اور اس کی حامی ہوتی ہے ۔ صحیح احادیث میں ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ غلام بھی تمہارا امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت کرو ۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب ولی عہد مقرر کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آج ابوحذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اس کو اپنا جانشین بنا دیتا ۔ حالانکہ غلاموں کا کون سا خاندان ہوتا ہے اور کہاں عصبیت ہوتی ہے ۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فاروق اعظم خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں سمجھتے تھے ۔
اسلام نے ہر قسم کے نسبی مفاخر کو مٹا دیا ۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ بزرگی کا مدار نسب پر نہیں ہے بلکہ تقویٰ پر ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ خلافت کی تخصیص کسی ایک قبیلہ سے اسلام جائز

رکھے اور جس بت کو وہ توڑنے کے لئے آیا اسی بت کو پھر نصب کرے ۔ قریش کی خلافت کی جو روایات ہیں ان میں صرف ان خلفاء کی پیشن گوئی ہے جو قریش میں ہونے والے تھے نہ کہ حکم ۔ اور خلافت اسلامیہ قطعاً جمہوری ہے ۔ کیونکہ کل مسلمانوں کے حقوق برابر ہیں ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

سقیفہ بنی ساعدہ

مدینہ منورہ کے انصار دو شعبوں میں منقسم تھے اوس اور خزرج۔ ان میں سے خزرج کی تعداد زیادہ تھی۔ ان کے رئیس سعد بن عبادہ تھے جن کا مکان مدینہ منورہ کے بازار کے قریب تھا۔ اسی کے متصل نشست کے لئے ایک سائبان بنا ہوا تھا جس کو سقیفہ بنی ساعدہ کہتے ہیں۔

جب سرور عالم کی وفات کا اعلان ہوا تو روسائے انصار اسی سقیفہ میں جمع ہوئے وہ چاہتے تھے کہ اپنے قبائل میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کریں۔ ان کا رجحان طبع سعد بن عبادہ کے انتخاب کی طرف تھا۔ حضرت سعدؓ نے اس مجمع میں انصار کی خدمت اسلام بیان کر کے کہا کہ خلافت رسول بجز انصار کے اور کسی کا حق نہیں ہے ان کو چاہیے کہ اس معاملہ میں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔ مجمع سے آواز آئی کہ تم نے جو کچھ کہا درست اور بجا ہے۔ ایک انصاری نے کہا کہ اگر مہاجرین اس کو نہ مانیں اور کہیں کہ ہم پیغمبر کے ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہیں تو ان کو کیا جواب دیا جائے گا۔ اس پر ایک دوسرے انصاری نے کہا کہ اگر وہ تسلیم نہ کریں گے تو ہم کہیں گے کہ ایک امیر تم میں سے اور ایک امیر ہم میں سے ہو اور اس سے کم پر کسی طرح راضی نہ ہوں گے۔ حضرت سعدؓ نے یہ سن کر کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔ یہ لوگ اسی قیل وقال میں تھے کہ یہ خبر مہاجرین میں پہنچی وہ لوگ عجلت کے ساتھ سقیفہ میں آگئے۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ کچھ کہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کو روک دیا اور خود وقار اور سنجیدگی کے ساتھ کھڑے ہو کر تقریر فرمائی پہلے مہاجرین کی تاریخ اور ان کی فضیلت بیان کی اور جو جو مصائب اور تکالیف راہ دین میں ان کو برداشت کرنی پڑیں ان کا ذکر کیا۔ پھر انصار کے مآثر اور خدمات اسلام کو گنایا۔ اور ان کا ایک ایک کارنامہ پیش کر کے ان کی مدح و ثنا کی اس کے بعد فرمایا کہ

الائمة من قریش

ترجمہ: امام قریش سے ہوں گے

ہم امیر ہوں اور تم وزیر۔ بلا تمہارے مشورے کے معاملات طے نہیں کئے جائیں گے۔ جب ان کی تقریر ختم ہو چکی تو انصار میں سے حباب بن منذر خزرجی کھڑے ہوئے اور کہا کہ

" اے جماعت انصار! خلافت کو تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ یہ سب لوگ تمہاری حمایت میں ہیں کسی کو یہ جرات نہیں کہ تمہاری مخالفت کر سکے۔ تم اہل ثروت اور جنگ آور ہو۔ تمہاری تعداد اور قوت زیادہ ہے۔ سب کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہاری رائے کمزور ہو جائے گی۔ اور مقصد میں کامیاب نہ ہو سکو گے اگر مہاجرین کو انکار ہے تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بھلا ایک ساتھ دو امیر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کچھ اور گفتگو کرنے کے بعد حباب پھر کھڑے ہوئے اور انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ۔ ان لوگوں کی باتیں تم ہرگز نہ مانو۔ ورنہ یہ امامت تم سے چھین لیں

گئے۔

اس پر حضرت عمرؓ اور حبابؓ میں سخت کلامی ہونے لگی ۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا کہ

" یا معشر الانصار! سب سے پہلے دین اسلام کی نصرت تم نے کی اب اس کی تخریب میں تم کو سبقت نہیں کرنی چاہیے ۔

یہ سن کر بشیر سعد انصاری جو خزرج کے قبیلہ بنی زید بن مالک میں سے تھے کھڑے ہوئے اور کہا کہ

" اے انصار! ہم نے جو مشرکین سے جہاد کرنے کی فضیلت اور دین میں سبقت حاصل کی وہ نبی کی اطاعت اور رضائے رب کے لئے تھی ۔ یہ مناسب نہیں کہ اس کے سبب سے لوگوں پر ہم اپنا حق جتائیں ۔ اور متاع دنیا کے خواہاں ہوں ہم کو ان کا اجر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے ۔ دیکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے ۔ ان کی خلافت کی زیادہ مستحق خود ان کی قوم ہو سکتی ہے اس لئے تم لوگ اللہ کا خوف کرو اور مخالفت سے باز آجاؤ " ۔

اس تقریر کے ختم ہو جانے پر انصار خاموش ہوگئے ۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ یہ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ موجود ہیں ان میں سے جس کو تم لوگ پسند کرو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو ۔ ان دونوں حضرات نے کہا کہ

" آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں ۔ غار میں رسول اللہ کے رفیق اور نماز پڑھانے میں ان کے قائم مقام رہے اور نماز وہ شے ہے جو امور دین میں سب سے افضل ہے ایسا کون شخص ہے جو آپ پر مقدم ہو اور آپ کے ہوتے ہوئے خلافت کا متولی بنے۔

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ بڑھے اور صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی پھر ابو عبیدہ اور بشیر بن سعد نے جب یہ خبر باہر پہنچی تو لوگ دوڑے اور بیعت کی ۔ حضرت علیؓ اور چند دیگر صحابہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے خلافت کی اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے ۔ حضرت علیؓ نے اس کے بعد بھی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی ۔ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنے مکان پر بلایا اور کہا کہ آپ کی فضیلت اور استحقاق خلافت سے ہم کو انکار نہیں ہے لیکن بوجہ رسول اللہ کی قرابت کے ہم اس کو اپنا حق سمجھتے تھے ۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک مجھے اپنے قرابت مندوں کی بہ نسبت زیادہ عزیز ہے ۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے مسجد میں آکر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔

خطبہ خلافت

سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ

" لوگو! قسم ہے اللہ کی نہ میں امامت کا کبھی خواہاں تھا نہ اس کی طرف مجھے رغبت تھی ۔ اور نہ میں نے کبھی پنہاں یا آشکار اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کی ۔ لیکن مجھے خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے ۔ اس لئے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا ورنہ مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں ۔ بلکہ یہ ایک ایسا بار مجھ پر ڈالا گیا ہے جس کے برداشت کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا ۔ اور بلا امداد الٰہی اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ۔ کاش آج میرے بجائے کوئی ایسا شخص ہوتا جو اس بوجھ کے اٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتا مجھے تم نے اپنا امیر بنایا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر اچھا کام کروں تو مجھے مدد دو اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کرو ۔ تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے ۔ جہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جہاں تک کہ اس سے حق لے لوں ۔ جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور اگر ان کے خلاف چلوں تو میرا ساتھ چھوڑ دو ۔ "

ترجمہ ابو بکر

ان کا نام جاہلیت میں عبدالکعبہ تھا اسلام لانے کے بعد آنحضرتؐ نے اس کو بدل کر عبداللہ کر دیا ۔ صدیق اور عتیق لقب ہیں

اور ابوبکر کنیت ہے اور بھی زیادہ مشہور ہے ۔ باپ کا نام ابو قحافہ تھا جو قریش کی شاخ بنی تمیم میں سے تھے ۔ ان کی والدہ ام الخیر بھی بنی تمیم میں سے تھیں ۔ یہ دونوں مسلمان ہوئے اور یہ حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت ہے کہ وہ اور ان کے والد ابو قحافہ اور بیٹے عبدالرحمن اور پوتے محمد بن عبدالرحمن چار پشتیں صحابی ہیں ۔

ان کی ولادت آنحضرتؐ کے دو یا ڈھائی سال بعد ہوئی ۔ نوجوانی ہی کے زمانہ سے ان کے اخلاق پسندیدہ اور خصائل شریفانہ تھے صاحب دولت تھے غریبوں اور محتاجوں کا بار اٹھاتے تھے اور قریش میں محبوب اور ہر دلعزیز تھے ۔ ابتدا ہی سے آنحضرتؐ کے ساتھی اور مصاحب تھے اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تو سب سے پہلے جس شخص نے اس کو قبول کیا وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے چنانچہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے انکے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں نے جس شخص کے سامنے اسلام کو پیش کیا اس میں اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجک ضرور دیکھی بجز ابوبکر کے کہ انہوں نے بلاتردد اس کو تسلیم کر لیا ۔ ایمان لانے کے بعد دعوت اسلام میں آنحضرت کو ان سے عظیم الشان مدد ملی اور اکثر بڑے بڑے صحابہ جن کے کارنامے تاریخ اسلام میں بہت نمایاں ہیں انہی کے اثر سے مسلمان ہوئے۔ انہوں نے دین پاک کی حمایت ، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور نبی کی امداد میں اپنا بہت سا مال صرف کر دیا ۔ جو غلام مسلمان ہو جاتے تھے اور ان کے سنگدل آقا ان پر سختیاں کرتے تھے ۔ ان میں سے اکثروں کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیتے تھے ۔

جب مشرکین مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آکر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ کو جانے لگے تو حضرت ابو بکرؓ بھی روانہ ہوئے ۔ راستہ میں قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ نے روکا اور کہا کہ اگر تمہاری قوم دشمن ہے تو میں تم کو پناہ دیتا ہوں تم مکہ مکرمہ کو لوٹ چلو ۔ چنانچہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ آیا ۔ قریش کے سرداروں کو ملامت کی اور کہا ایسا شخص جو محتاجوں کو کھلاتا اور غریبوں کی مہماں نوازی اور مصیبت زدوں کی دستگیری کرتا ہے اس کو تم لوگ ستاتے ہو اور گھر سے نکالتے ہو؟ میں نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور وہ اپنے گھر میں رہیں گے ۔ قریش نے ابن الدغنہ کی بات مان لی لیکن یہ کہا کہ یہ اپنے گھر میں رہیں اور مخفی طور پر جس طرح چاہیں عبادت کریں ۔ کچھ دنوں تک اسی شرط کے ساتھ رہے اور جب اعلان کے بغیر چارہ نہ رہا تو جا کر ابن الدغنہ کو اس کی پناہ واپس کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میرے لئے کافی ہے ۔ میں راضی ہوں جو مصیبت پڑے گی اس کو برداشت کروں گا ۔ اس کے بعد مکہ میں سکونت پذیر رہے ۔ جب سرور عالمؐ کو ہجرت کا حکم ملا اور مدینہ منورہ کو چلے تو یہی رفیق راہ ہوئے اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ صحابہ میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی ۔

ہجرت کے بعد تمام مہمات میں آنحضرت کے ہمراہ رہے کسی میں ساتھ نہیں چھوڑا جنگ تبوک میں صاحب علم یہی تھے ۹ ھ میں آنحضرتؐ نے انہیں کو امیر الحاج بنایا اور جب مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو بجائے اپنے ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ۔

اعمال خلافت

بڑے آدمیوں میں بعض بعض خاص صفتیں ہوتی ہیں جو ان کے تمام کاموں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں اور جب ان کا نام لیا جاتا ہے تو ان کی صورت ان مخصوص صفات کو لئے ہوئے ذہن میں آتی ہیں ۔ حضرت ابوبکرؓ کی دو صفتیں خاص طور پر نمایاں ہیں پختگی عزم و رقت قلب ۔

پختگی عزم کے یہ معنی ہیں کہ جو مہم پیش آئے اس میں جہاں تک ہو سکے غور و فکر اور تامل کرے اور دوسرا ارباب عقل سے رائے و مشورہ لے اور جب اس کا راستہ معین ہو جائے اس پر چل پڑے پھر کوئی چیز اس کے بڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈال سکے یہاں تک کہ اگر پہاڑ بھی سامنے آئے تو وہ بھی سد راہ نہ بن سکے ۔ یہی حالت حضرت ابوبکرؓ کی تھی ۔ رقت اس کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل درد سے اثر پذیر ہو یہاں تک کہ دوسروں کے مصائب کو بھی دیکھے تو قلب غمگین اور آنکھ پرنم ہو جائے ۔ یہ دونوں خلق باہم ایک

دوسرے کے مصلح ہیں اور بالخصوص مدبران امت میں ان دونوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ رقت قلب اثر کے لحاظ سے اس کو درد مندی کے ساتھ متفکر اور متردد کرتی ہے جس کی وجہ سے معاملہ کے ہر پہلو پر اسے غائر نظر ڈالنی پڑتی ہے اور صدق و عزیمت کی وجہ سے پھر اس کے قلب میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اور پوری قوت کے ساتھ صحیح رخ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

جیش اسامہؓ

حضرت ابو بکرؓ کی پختگی عزم کا نمایاں ظہور جیش اسامہ کے معاملہ میں ہوا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جنگ موتہ میں جو 8 ھ میں رومیوں سے ہوئی تھی اور جس میں زید بن حارثہ وغیرہ شہید ہوئے تھے اس کے انتقام کیلئے آنحضرت نے مرض الموت سے قبل ایک لشکر تیار کیا تھا اور اس کا سردار اسامہ کو مقرر فرمایا تھا۔ جب یہ لشکر کوچ کرنے لگا تو آنحضرتؐ بیمار ہوگئے اس وجہ سے یہ رک گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد سے قبائل عرب کے ارتداد کی خبریں آنی شروع ہو گئیں۔ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ اب جبکہ نو مسلم قبیلے مرتد ہوتے چلے جاتے ہیں اور مخالفت بڑھ رہی ہے یہ فوج باہر نہ بھیجی جائے بلکہ یہیں رکھی جائے کہ بروقت ضرورت کام دے انہوں نے نہایت سختی سے انکار فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کے مشوروں کو مان لیا ہوتا اور اس فوج کو نہ بھیجتے تو حکم رسول کی مخالفت کا پہلا تخم امت میں پڑ جاتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھیجنے کا قطعی حکم دے دیا تھا۔ اور انتقال سے پہلے بار بار زبان مبارک سے اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ صحابہ کرام نے ہرچند ان سے کہا کہ اس لشکر میں مسلمانوں کے منتخب اشخاص موجود ہیں اور قبائل عرب کی حالت نظر کے سامنے ہے ایسی صورت میں جمیعت کو متفرق کرنا مناسب نہیں لیکن انہوں نے فرمایا۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں یہ بھی جان لوں کہ درندے مجھ کو پھاڑ کھائیں گے تب بھی اس لشکر کو نہیں روکوں گا اور خواہ بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نہ رہ جائے پھر بھی اس کو روانہ کئے بغیر نہ رہوں گا۔

حضرت اسامہ زید بن حارث کے بیٹے تھے جو آنحضرتؐ کے غلام مشہور تھے۔ علاوہ بریں نو عمر آدمی تھے ان کا سن اس وقت سترہ سال کا تھا۔ انصار کی طرف سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ اگر آپ لشکر بھیجتے ہی ہیں تو کسی شریف النسل اور سن رسیدہ شخص کو اس کا امیر مقرر فرمایئے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ غصہ سے بے تاب ہوئے اور حضرت عمرؓ کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو سردار مقرر کر دیا ہے میں ان کو برطرف کر دوں؟

اس کے بعد خود اس فوج کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ گھوڑے پر تھے۔ خلیفہ ان کے رکاب میں پیدل چلتے تھے اور ان کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمن بن عوف تھامے ہوئے تھے۔ اسامہ نے کہا یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے اترنے کی اجازت دیں۔ فرمایا کہ نہ میں خود سوار ہوں گا نہ تم کو پیادہ ہونے کی اجازت دوں گا۔ یہ تعظیم اصل میں مسلمانوں کے دل سے زمانہ جاہلیت کے اس شائبہ کو دور کرنے کی غرض سے تھی جو ان میں رہ گیا تھا کہ وہ نو عمروں اور غلام زادوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ اس فوج میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی مدد کے لئے مدینہ میں ان کا رہنا از بس ضروری تھا اس لئے خود ابو بکرؓ نے اسامہؓ سے درخواست کی کہ اگر مناسب سمجھو تو عمر کو میری مدد کے لئے چھوڑ دو۔ اسامہ نے اجازت دیدی۔ یہ بھی امت کے لئے جمہوریت کا ایک سبق تھا۔ کیونکہ اسامہ رسول اللہ کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ اس لئے خلیفہ نے اس امر کو ان کے احترام کے منافی سمجھا کہ بلاان کے منظوری کے استبداداً خود حضرت عمرؓ کو روک لیں۔ وداع کرتے وقت حسب ذیل وصیت فرمائی۔

"لوگو! ذرا ٹھہر جاؤ! میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کو یاد رکھنا۔ خیانت نہ کرنا۔ نہ مال چھپانا۔ بیوفائی سے بچنا۔ کسی کے اعضا نہ کاٹنا۔ بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو مت قتل کرنا۔ کھجوروں اور پھل لانے والے درختوں کو نہ کاٹنا۔ بجز کھانے کے اور کسی غرض سے جانوروں کو ذبح نہ کرنا۔ تم کو وہ لوگ ملیں گے جو دنیا چھوڑ کر خانقاہوں میں عبادت کے لئے بیٹھے ہیں

ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا ۔ ایسے لوگوں پر بھی تمہارا گذر ہوگا جو برتنوں میں قسم قسم کے کھانے تمہارے سامنے لائیں گے ۔ تم جب اس میں سے کھانا تو اللہ کا نام لے کر کھانا ۔ ایک جماعت ایسی بھی ملے گی جن کے سروں میں شیطان نے گھونسلا بنا رکھا ہے ان کو تلواروں سے کاٹ ڈالنا ۔ اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ ۔ وہ تم کو دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے بچائے ۔

یہ لشکر یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہوا ۔ شام کے متصل پہنچ کر بلاد قضاعہ کو تخت و تاراج کیا اور چالیس روز کے بعد کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آگیا ۔ اس فوج کا اس وقت بھیجنا نہایت مفید ثابت ہوا کیونکہ اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر مسلمانوں کو قوت حاصل نہ ہوتی تو غسانیوں کے مقابلے کے لئے ایسے وقت میں فوج کس طرح بھیج سکتے ۔

فتنہ ارتداد

نجد اور یمن کے باشندے اور بعض دیگر صحرا نشین قبائل اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن ان کے دلوں میں دین اب تک راسخ نہیں ہوا تھا ۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کے بارے میں فرمایا ہے ۔

قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ۔

ترجمہ : دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ۔ ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے ۔ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ۔

آنحضرتؐ کی وفات پر ان کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ فرائض اسلامی سے اب ہم کو آزادی حاصل ہوگئی ان کے اوپر سب سے گراں جو چیز تھی وہ زکوۃ تھی ۔ چنانچہ انہوں نے اس کو روک لیا ۔ اس کے علاوہ چند مدعیان نبوت بھی اٹھ کھڑے ہوئے ۔ بہت سے نومسلم قبائل ان کے اثر میں آگئے ۔

حضرت ابو بکرؓ کے عزم صادق کا اس موقع پر بھی ظہور ہوا انہوں نے ان قبائل سے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ۔ یعنی جب ہر طرف سے قبیلوں کے مرتد ہونے کی خبریں آنی شروع ہوئیں اور بعض قبائل کے فرستادے مدینہ میں پہنچ گئے اور خلیفہ سے انہوں نے درخواست کی کہ ہم سے نماز پڑھوا لو مگر زکوۃ معاف کر دو تو انہوں نے صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا ۔ سب نے رائے دی کہ مصلحت وقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کی جائے ۔ حضرت عمرؓ کا بھی مشورہ یہی تھا اس پر صدیق اکبرؓ نے ان کو مخاطب کر کے کہا " اے عمرؓ جاہلیت میں تو تم بڑے جابر تھے یہ کیا ہوا کہ اسلام لا کر خوار ہوگئے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ۔ دین کامل ہو چکا کیا میرے جیتے ہوئے اس میں کمی کی جا سکتی ہے ۔ اللہ کی قسم! اگر زکوۃ کا ایک جانور بھی کوئی قبیلہ روکے گا تو میں اس سے ضرور جہاد کروں گا ۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ کلام سن کر میرے اوپر منکشف ہو گیا کہ حضرت ابو بکر کے دل کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لئے کھول دیا ہے ۔ آخر قبائل کے جو قاصد آئے تھے وہ ناکام ہوگئے ۔ حضرت ابو بکرؓ جیش اسامہ کے واپسی کے منتظر تھے ۔ جب یہ فوج واپس آگئی تو اسامہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کر کے ان کی فوج کو بھی ان کے ساتھ چھوڑ دیا ۔ اور خود صحابہ کی جمعیت لے کر مرتدین سے مقابلہ کے لئے نکلے لوگوں نے کہا کہ آپ مدینہ منورہ میں قیام فرمائیں اور بہ نفس نفیس دشمنوں کے مقابلے کے لئے نہ نکلیں کیونکہ آپ کی ذات کو نقصان ہو سکتا ہے کسی کو امیر بنا کر بھیجئے ۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس کو قبول نہیں کیا ۔ پہلا پڑاؤ مقام ابرق میں ڈالا وہاں بنی عبس سے مقابلہ اور مقاتلہ ہوا وہ شکست کھا کر بھاگے پھر آگے بڑھ کر بنی ذبیان کو مغلوب کیا اور ان کی چراگاہیں مجاہدین کے گھوڑوں کے لئے وقف کر دیں وہاں سے مدینہ میں واپس آئے ۔ اسامہؓ کے لشکر کے لوگ اب تازہ دم ہو گئے تھے ان کو ساتھ لے کر پھر مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالقصہ میں جو مدینہ سے نجد کی جانب بارہ میل فاصلہ پر ہے قیام فرمایا وہاں گیارہ جھنڈے گیارہ امیروں کو دے کر

فوج کے دستے ان میں تقسیم کر دیے اور مختلف اطراف میں ان کو روانہ کیا۔ تفصیل یہ ہے ۔
(۱) خالد بن ولید ۔ طلیحہ بن خویلد اسدی کی طرف مقام بزاخہ میں اور جب اس کی مہم سے فارغ ہو جائیں تو مقام بطاح میں مالک بن نویرہ پر بڑھیں ۔
(۲) عکرمہ بن ابی جہل ۔ مسیلمہ کذاب کی طرف ۔
(۳) شرجیل بن حسنہ ۔ عکرمہ کی امداد کے لئے ۔
(۴) مہاجر بن ابی امیہ ۔ انبار کی امداد کے لئے ۔
(۵) حذیفہ بن محصن ۔ عمان میں اہل دباء کی طرف ۔
(۶) عرفجہ بن ہرثمہ ۔ اہل مہرہ کی طرف ۔ ان کو اور حذیفہ کو حکم دیا کہ ساتھ رہیں جس کے رقبہ حکومت میں دونوں ہوں وہی امیر ہے ۔
(۷) علاء بن الحضرمی ۔ بحرین
(۸) طریفہ بن حاجز ۔ بنی سلیم اور ان کے ساتھی جو بنی ہوازن میں شامل ہوگئے تھے ان کی سرکوبی کے لئے ۔
(۹) عمرو بن عاص ۔ بنی قضاعہ کی طرف
(۱۰) خالد بن سعید ۔ مضافات شام

اس کے بعد مرتدین عرب کے نام ایک اعلان عام بھیجا ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے ۔
" مجھ کو تم لوگوں میں سے ان کا حال معلوم ہوا جو پہلے اسلام لائے تھے مگر اب اس دین کو چھوڑ بیٹھے ۔ انہوں نے اپنی نادانی سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور شیطان کے فریب میں آگئے ۔ حالانکہ وہ انسان کا دشمن ہے ۔ میں تمہارے پاس فلاں شخص کو مہاجرین اور انصار کی فوج کے ساتھ بھیجتا ہوں ۔ وہ تم کو اللہ کی طرف بلائے گا ۔ جو اس کی بات مان لے گا اور نیک کام کرے گا تو اس کو نہ قتل کرے گا نہ اس سے لڑے گا اور جو باز نہ آئے گا اس کے اوپر تلوار اٹھائے گا ۔ اور کسی سے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ کرے گا ۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ میرے اس نوشتہ کو تمہارے مجمع عام میں سنا دے اور نشانی یہ مقرر کی ہے کہ جس بستی کے لوگ اذان پکاریں ان سے ہاتھ روک لیا جائے" ۔
امراء فوج کو بھی اسی مضمون کے مطابق ہدایتیں کیں اور پھر ان کو روانہ فرمایا ۔

طلیحہ

طلیحہ بنی اسد کا سردار تھا ۔ جب اس نے سرور عالم کی بیماری کی خبر سنی تو اس کو خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی نبوت کا دعویٰ کر کے اپنا نام ملک میں روشن کرے ۔ چنانچہ اس نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ۔ قبیلہ بنی اسد اس کے ساتھ ہو گیا ۔ اور چونکہ بنی طے بھی ان کے حلیف تھے اس لئے انہوں نے بھی ساتھ دیا ۔ بنی غطفان کے لوگ بھی بجز چند خواص کے اس شورش میں شامل ہو گئے ۔ اس طرح پر طلیحہ کے پاس ایک بڑا انبوہ جمع ہو گیا اور سرزمین نجد میں چشمہ بزاخہ کے اوپر ان کا اجتماع ہوا۔
مدینہ منورہ میں اس وقت حاتم کے بیٹے حضرت عدی موجود تھے ۔ وہ حضرت ابو بکرؓ سے اجازت لے کر اپنی قوم کے پاس آئے ۔ اور ان کو سمجھایا ان کے سمجھانے سے بنی طے پھر اسلام لائے ۔ اسی اثنا حضرت خالد بھی فوج لے کر قریب پہنچ گئے ۔ قبیلہ طے کے لوگوں نے عدی سے کہا تم جا کر خالد کو روکے رہو ۔ تاکہ ہم اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو جو طلیحہ کے ساتھ ہیں بزاخہ سے نکال لائیں ۔ ورنہ ہماری مخالفت کی وجہ سے وہ یا تو ان کو قتل کر ڈالے یا پکڑ کر رہن رکھ لے گا ۔ عدی حضرت خالد کے پاس گئے اور کہا کہ آپ تین روز صبر کریں میرے قبیلہ سے انشاءاللہ پانچ سو جنگ آور اور مل جائیں گے جن سے آپ اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتے ہیں ۔ حضرت

خالد نے ان کی بات مان لی۔

بنی طے اپنے بھائیوں کو مقام بزاخہ سے امداد کے بہانے سے بلالائے اور سب کے سب اسلام پر قائم ہوگئے۔ عدی نے بھی کوشش قبیلہ جدیلہ میں بھی کی اور وہاں بھی نتیجہ حسب مراد نکلا۔ ان دونوں قبیلوں کے ایک ہزار آدمی حضرت خالد کی فوج کے ساتھ شامل ہوئے۔ مورخین نے حضرت عدی کی اس کوشش پر ان کو بنی طے کے بہترین فرزند کا لقب دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا کارنامہ نہایت عظیم الشان ہے۔ اس سے اسلام کو مدد پہنچنے کے علاوہ خود ان کا قبیلہ دینی اور دنیاوی برکتوں سے مالا مال ہوا۔ حضرت خالدؓ اپنی فوجیں لے کر بزاخہ میں پہنچے اور طلحہ کے ساتھ جنگ کرکے اس کو شکست دے دی اور اسکی تمام جماعت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھاگ گیا۔ کچھ زمانہ کے بعد ہر قسم کی ذلت و خواری اٹھا کر پھر مسلمان ہوا اور مدینہ منورہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے کذاب! تیرا ہی دعویٰ تھا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ مجھے اللہ رسوا نہ کرے گا اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ سب کفر کے فتنے تھے جن کو میرے اسلام نے مٹایا آپ مجھے معاف کردیں گے۔

بنی تمیم و مالک بن نویرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل تمیم میں متعدد امراء مقرر کئے تھے جن میں سے زبرقان بن بدر قیس بن عاصم، وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ بھی تھے۔ فتنہ ارتداد میں ان میں سے کوئی اسلام پر قائم رہا۔ کوئی مرتد ہوگیا۔ کوئی مذبذب تھا۔ اسی درمیان میں تمیمی بنی یربوع کی شاخ بنی تغلب میں سے ایک عورت سجاح بن حارث نے نبوت کا دعویٰ کیا بنی تغلب کے نصاریٰ کی جماعت اس کے ساتھ ہوگئی۔ سجاح نے ارادہ کیا کہ مدینہ پر چڑھائی کرے۔ اس نے مالک بن نویرہ کو بلایا انہوں نے مشورہ دیا کہ بنی تمیم کے بعض قبائل تمہارے مخالف ہیں پہلے ان کو اپنے قابو میں کرلو۔ اس کے بعد کہیں کا ارادہ کرو۔ وکیع بن مالک بھی اس کے ساتھ ہوگئے اس نے اپنے مخالف تمیمی قبائل کے ساتھ جنگ شروع کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ آخر کار اس مہم کو چھوڑ کر مسیلمہ کذاب کی طرف رخ کیا جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس نے صلح کرلی۔

اسی اثناء میں حضرت خالدؓ اپنی فوج لے کر اس طرف پہنچے۔ سجاح کی جمیعت منتشر ہوگئی۔ رؤسا بنی تمیم بھی اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور ان لوگوں نے مال زکوٰۃ حضرت خالد کے پاس بھیج دیا۔ مالک بن نویرہ نے نہیں بھیجا اور اپنے قبیلہ کو حکم دیا کہ وہ مخالفت پر ڈٹا رہے۔ دستے ادھر ادھر تلاش کے لئے بھیجے۔ ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو پکڑلایا۔ خالد نے ان کو قید کیا اور پھر قتل کر ڈالا۔ بعض مسلمانوں نے جن میں حضرت ابو قتادہؓ بھی تھے اس قتل کو خلیفہ کے حکم کے خلاف قرار دیا اس لئے کہ انہوں نے گرفتاری سے قبل ان مقتولین کو اذان دیتے سنا تھا اور اس کی شہادت بھی دی تھی۔ جس بات نے اس الزام کو اور زیادہ اہمیت دی وہ یہ تھی کہ خالد نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے نکاح کرلیا۔

یہ خبر جس وقت حضرت ابو بکرؓ کو پہنچی تو انہوں نے افسوس کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خالد کی تلوار خونریز ہے اگر یہ الزام صحیح ہے تو لازم ہے کہ وہ قید کئے جائیں۔ خالد کا جواب یہ تھا کہ ان لوگوں نے قتل کے خوف سے اذان پکار دی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ کو اس جواب سے تسلی نہ ہوئی ان کو خالدؓ کی گرفتاری پر اصرار تھا۔ آخر حضرت ابو بکرؓ نے کہا زیادہ سے زیادہ خالدؓ پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے ایک تاویل کی اس میں ان سے غلطی ہوگئی۔ اے عمر! تم خالد کے بارے میں اپنی زبان بند کرو۔ پھر خلیفہ نے خود مالک کا خون بہا ادا کیا۔

حضرت ابو قتادہؓ خالد سے خفا ہو کر بلا ان کی اجازت کے ان کی فوج سے نکل کر مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ چونکہ یہ امر فوجی نظام کے منافی تھے اس لئے باوجود ان کی جلالت شان اور بزرگی کے بھی حضرت ابو بکرؓ ان کے اوپر برافروختہ ہوئے اور فوراً ان کو خالد کے پاس بھیجا۔ بنی یربوع کی خواری کے بعد قبائلی تمیم عام طور پر اسلام کی طرف پلٹ آئے اور جس طرح زمانہ رسالت میں زکوٰۃ دیتے تھے اسی طرح دربار خلافت میں بھیجنے لگے۔

مسیلمہ کذاب

یمامہ کا قبیلہ بنی حنیفہ آنحضرتؑ کی زندگی ہی میں مسلمان ہو چکا تھا ان کا وفد بھی دربار رسالت میں آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر سن کر اس قبیلہ کے سردار مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور مشہور کیا کہ آنحضرت نے خود مجھے اپنا شریک بنایا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ نصف ملک عرب میرے قبضہ میں رہے اور نصف قریش کے مگر پھر کہتا تھا قریش نامنصف قوم ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کے مقابلے کے لئے یکے بعد دیگرے دو لشکر روانہ کئے۔ پہلی فوج کو عکرمہ اور دوسری کو شرجیل لے کر گئے۔ حکم دیا تھا کہ جب دونوں فوجیں جمع ہو جائیں تو تب بنی حنیفہ سے جنگ کی جائے۔ لیکن عکرمہ نے اس خیال سے کہ اس کامیابی کا سہرا میرے سر بندھے پہنچ کر اکیلے اپنی ہی فوج سے حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ حضرت ابو بکرؓ اس کو سنکر بہت برہم ہوئے ان دونوں فوجوں کو وہاں سے دوسری طرف جانے کا حکم دیا۔ اور خالد بن ولید کو جو بنی تمیم کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے بنی حنیفہ کی طرف روانہ کیا۔ مسیلمہ کے پاس بہت بڑی جمعیت تھی جس کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اکثر بادیہ نشین جو قبائل ربیعہ میں سے تھے محض قومی عصبیت کے خیال سے اس کے ساتھ ہوگئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض بعض صاف صاف طور پر کہتے تھے کہ مسیلمہ کذاب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں۔ لیکن ربیعہ کا جھوٹا نبی مضر کے سچے نبی سے ہم کو زیادہ محبوب ہے۔

حضرت خالدؓ جب وہاں پہنچے تو نہایت ہولناک جنگ پیش آئی۔ بنی حنیفہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔ لیکن چند پرجوش با حمیت اور غیرت مند صحابہ کی کوشش اور ہمت دلانے کی وجہ سے اسلام فوج ثابت قدم رہ گئی اور اس جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ خود مسیلمہ جو وسط فوج میں تھا مارا گیا اس کو وحشی غلام جو حضرت حمزہ کا قاتل تھا اور ایک انصاری شخص نے قتل کیا بنی حنیفہ شکست کھا کر بھاگے اور اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہوئے۔ بالآخر ان کے قائم مقام مجاعہ بن مرارہ نے حضرت خالد کے پاس آکر مصالحت کی۔ صلح اس بات پر قرار پائی کہ وہ لوگ قتل نہ کئے جائیں صرف ان کا نقد مال اور ہتھیار ضبط کر لئے جائیں اور جس قدر ان کے اسیران جنگ ہیں ان میں سے ایک چہارم لے لئے جائیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے خالد کے نام ہدایت نامہ لکھا تھا کہ بنی حنیفہ کے مقاتلین قتل کئے جائیں۔ یہ مکتوب معاہدہ صلح کے بعد پہنچا اس لئے حضرت خالد نے اپنی ہی شرائط کو پورا کیا۔

بنی حنیفہ اس کے بعد ارتداد چھوڑ کر اسلام کی طرف آگئے۔ حضرت خالد نے ان میں سے منتخب اشخاص کا ایک وفد بھیجا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے کہا کہ یہ تم کو کیا ہو گیا تھا کہ اپنے اور نیز ہم کو مصیبت میں ڈالا۔ انہوں نے کہا جو کچھ ہوا وہ ایسا کام تھا جو اللہ کی مرضی کے خلاف اور ہمارے لئے نامبارک تھا۔

اسود عنسی

آنحضرتؑ کی وفات سے پیشتر قحطانی قبیلہ کی ایک شاخ عنس کے سردار اسود نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یمن کے دیہاتی اس کے پیرو ہوگئے اس نے ان کی مدد سے نجران پر قبضہ کر لیا وہاں قبیلہ مذحج کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہوگئے اب وہ صنعاء کی طرف بڑھا۔ وہاں کے عامل شہر سے لڑائی کی اور ایرانی فوج کو جو انباء کے نام سے مشہور تھی شکست دیدی اس فتح کی وجہ سے تمام یمن میں اس کی دھوم مچ گئی اور اس کے فتنہ سے آگ ہر طرف پھیل گئی۔ اہل یمن میں سے کچھ لوگ اس کے پیرو ہوگئے اور کچھ لوگ اس کے خوف سے خاموش ہو رہے۔

آنحضرتؑ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو ایک خط انباء کے سرداروں کے پاس بھیجا کہ دین اسلام پر قائم رہیں اور اسود کو قتل کر ڈالیں۔ اسی درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اسود اپنے لشکر کے سردار قیس بن عبد یغوث مرادی سے بدگمان ہو گیا۔ قیس کو اپنی جان کا خطرہ ہوا اس لئے وہ انباء کے ساتھ مل گیا اور اسود کے قتل کے سازش کی اس میں حاکم شہر کی بیوی بھی جس کو اسود نے

اس کے شوہر کے قتل کے بعد جبراً اپنے نکاح میں لے لیا تھا شریک ہو گئی انباء میں سے ایک شخص فیروز نامی نے موقع پا کر رات کو اسود کے مکان میں چھپ کو اس کو اچانک قتل کر ڈالا ۔ اور جب صبح ہوئی تو اس کے کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر اذان پکاری ۔ اس طرح پر صنعاء فتنہ اور فساد سے آزاد ہوا ۔ وہاں کے لوگوں نے ان تمام واقعات کی خبر آنحضرتؐ کو لکھ بھیجی ان کا قاصد مدینہ میں اس صبح کو پہنچا جس کی شام کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ۔

اسود کی ابتداء شورش سے اس کے قتل تک کا زمانہ تقریباً چار مہینہ تھا ۔

جب اہل یمن کو آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر ملی تو اسود عنسی کے بعض حامیوں نے پھر فتنہ برپا کیا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے وہاں کے مسلمانوں کو لکھا کہ تم ان مرتدوں کے مقابلے میں جمے رہو بہت جلد فوج بھیجتے ہیں ۔ چنانچہ مہاجر بن ابی امیہ لشکر لئے ہوئے وہاں پہنچے اور صنعاء پر قبضہ کیا ۔ شورش پسندوں کے سرغنے مثلاً قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن سعدی کرب وغیرہ گرفتار کئے گئے ۔
پھر وہاں صنعاء سے حضر موت میں قبیلہ کندہ کی طرف گئے ۔ کیونکہ وہاں کے لوگ بھی مرتد ہوگئے تھے ۔ اسی مقام پر عکرمہ کی فوج بھی آکر ان کے ساتھ مل گئی بنی کندہ نے شکست کھائی اور ان کا سردار اشعث بن قیس پکڑا گیا ۔

بحرین اور حطم

بحرین میں عبدالقیس اور بکر بن ربیعہ کے قبائل آباد تھے ۔ آنحضرتؐ نے منذر بن ساوی کو ان کا والی مقرر فرمایا تھا ۔ جس مہینہ میں آپؐ نے وفات پائی اسی مہینہ میں منذر نے بھی انتقال کیا اہل بحرین مرتد ہو گئی ۔ حضرت جارو بن معلیٰ نے جو اسلام پر ثابت قدم تھے اپنے قبیلہ القیس کو جمع کیا اور کہا کہ تم سے میں ایک سوال کرتا ہوں ۔ اگر تمہیں معلوم ہو تو جواب دینا ورنہ خاموش رہنا ۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمھیں اس بات کی خبر ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء آتے رہے ہیں ؟ ان لوگوں نے کہا کہ بے شک ! حضرت جارود نے کہا کہ پھر وہ کہاں گئے ۔ ان لوگوں نے کہا کہ گذر گئے ۔ انہوں نے فرمایا کہ جس طرح وہ لوگ گذر گئے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا کو چھوڑ گئے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ ۔

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ان لوگوں نے بھی ایک زبان ہو کر کہا ہم بھی اسکا اقرار کرتے ہیں اور آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے افضل ہیں ۔ اس طرح پر قبیلہ عبدالقیس بلا کسی جنگ کے اسلام پر قائم ہو گیا ۔ لیکن بنی بکر کے سردار احطم بن ضبیعہ نے اپنے قبیلہ کو گمراہ کیا نیز اس نے قطیف اور ہجر کے باشندوں کو بھی بہکایا ۔ حضرت علا بن حضرمی خلیفہ کے حکم سے فوج لے کر وہاں پہنچے ۔ ثمامہ بن اثال بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کی ایک جماعت لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے ۔ حطم مقابلہ کے لئے آیا اور شکست کھا کر مقتول ہوا ۔ اس کے بعد بنی بکر راہ راست پر آ گئے ۔ ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں مختلف اطراف میں مرتدین کے ساتھ ہوئیں اور سب میں مسلمان ہی غالب رہے ۔

تاریخ کے ان تمام واقعات کو پڑھنے کے بعد اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کو ایسا عزم راسخ اور قلب قوی عطا فرمایا تھا جو دنیا کے ممتاز ترین لوگوں میں بھی مشکل سے پایا جا سکتا ہے ۔ ارتداد کی شورشیں جو سارے ملک میں پھیل گئی تھیں اس میں مسلمانوں کی جو حالت ہو گئی تھی حضرت عبداللہ بن مسعود اس کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ۔ فتنہ ارتداد میں مسلمانوں بکریوں کے اس ریوڑ کے مانند تھے جو موسم زمستاں کی سرد رات میں برستے ہوئے پانی میں گھر سے باہر بیابان میں بے چرواہے کے رہ جائے ۔ لیکن پورے ایک سال کا زمانہ بھی گزرنے نہ پایا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس فتنہ کو فرو کر دیا ۔ اس سے نہ صرف ان کے عزم راسخ کا پتہ چلتا ہے بلکہ جو نظام فوجوں کا انہوں نے قائم کیا تھا اور جس طرح پر امراء لشکر کے ساتھ سلسلہ وار خط و کتابت رکھتے اور ان کو ہدایتیں بھیجا کرتے اس کی بھی تعریف کرنی پڑتی ہے ۔ ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ اگر امداد الہٰی کے بعد حضرت ابو بکرؓ کا عزم راسخ نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تاریخ وہ رتبہ حاصل نہ کر سکتی جو اس کو حاصل ہوا ۔

ظہور عرب

امت عربیہ مدت دراز سے اپنے جزیرہ عرب میں محصور اور اپنے ملک کے صحراؤں اور بیابانوں پر قانع تھی ۔ باہمی جنگوں نے جو سلسلہ وار ان میں جاری رہتی تھیں ان کی قوتوں کو فنا کر رکھا تھا ۔ انکی ہمسایہ قوتیں ان پر غالب آگئی تھیں اور ان کے ملک کے جو زرخیز مقامات تھے ان پر قبضہ کر رکھا تھا ۔ گو خود بعض عربی قبائل میں بھی حکومت اور ریاست تھی ۔ لیکن وہ بااستقلال حکمراں نہیں تھے ۔ بلکہ فارس یا روم کے ماتحت تھے ۔ مگر جب اسلام آیا تو اس نے انھیں مغلوب عربوں سے ایک ایسی عظیم الشان امت تیار کی جس نے روم اور فارس کی قوتوں کو توڑ کر اپنی سلطنت قائم کی اور قدیمی حالت بدل دی ۔ عرب کے دونوں بازووں پر دنیا کی وہ عظیم الشان سلطنتیں قائم تھیں جن کی عظمت اور شوکت کے آگے زمانہ قدیم سے اہل عرب اپنے سر کو جھکاتے تھے ۔ یعنی ایران اور روم مشرقی ۔

ایران

سلطنت ایران کا پایہ تخت مدائن تھا جو واسط اور بغداد کے درمیان دریائے دجلہ کے مشرقی ساحل پر واقع تھا ۔ یہاں ساسانی خاندان کا بادشاہ رہا کرتا تھا ۔ ساسانی سلطنت کی بنیاد اردشیر بابکان نے ڈالی تھی ۔ اس نے اس طوائف الملوکی کے بعد جو اسکندریہ مقدونی کی فتح اور یونانیوں کی حکومت سے پیدا ہو گئی تھی ۔ ۲۳۰ء میں پھر ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ جمع کیا اور تمام ایرانی ممالک نیز عراق کے اوپر بھی قبضہ کر لیا اور اپنا لقب شہنشاہ رکھا ۔ یہ سلطنت سلسلہ بہ سلسلہ اسی کی اولاد میں چلی آتی تھی ۔

نوشیراوں کا پوتا خسرو پرویز تخت سلطنت پر تھا کہ رسول عرب صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دعوت اسلام کے متعلق اس کے پاس گیا اس نے غصہ میں اس کو چاک چاک کر ڈالا اور اپنے یمن کے عامل کو لکھا کہ وہ اس داعیٔ مذہب کو پکڑ کر دربار میں بھیج دے ۔ اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا کہ اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کر دیا ۔ اور خود تخت نشین ہوا ۔ لیکن وہ زیادہ عرصہ تک سلطنت نہ کر سکا اور صرف چھ مہینہ کے بعد اپنے خاندان و ملک کے ساتھ بہت کچھ سختیاں کر کے فنا ہو گیا ۔ پھر اس کا کمسن بچہ اردشیر تخت پر بٹھایا گیا اور اس کے نام سے سلطنت کے فرمان جاری ہونے لگے ۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار شہر براز جو رومی سرحد پر فوجیں لئے پڑا تھا اردشیر کی تخت نشینی کا حال سن کر مدائن میں آیا اور اس لڑکے کو قتل کر کے خود اپنے سر پر تاج رکھا چونکہ وہ شاہی خاندان سے نہ تھا اس لئے امراء اور ارکان سلطنت نے اس کی مخالفت کی اور متفق ہو کر اس کو مار ڈالا ۔ اور شیرویہ کی بہن بوران کو تخت نشین کیا ۔ یہ صرف سولہ مہینہ حکمراں رہی اس کا زمانہ آنحضرتؐ کی زندگی کا آخری زمانہ تھا ۔ بوران کے بعد جوان شیر نے سر پر تاج رکھا ۔ لیکن ایک مہینہ بھی وہ اس کے سر پر نہ رہ سکا ۔ اس کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی آرزمی دخت تخت سلطنت پر بیٹھی ۔ آخر میں شاہ یزدگرد شہریار بادشاہ بنایا گیا جس کے زمانہ میں تمام ایران اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا ۔

روم

ایران کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت روم تھی جو وسعت اور قوت و شوکت کے لحاظ سے اس کی مدمقابل تھی اس کا پایہ تخت رومتہ الکبریٰ اور اس کے حدود حکومت میں مشرقی ممالک شام، مصر اور حبش وغیرہ شامل تھے ۔ ایک مدت کے بعد اس کی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے ۔ مغربی حصہ کا مرکز بدستور رومہ رہا اور مشرقی حصہ کا پایہ تخت قسطنطنیہ قرار پایا ۔ ابتدائے اسلام میں ـــــ قسطنطنیہ کے تخت پر ہرقل قابض تھا جو اپنے تخت نشین ہونے سے پہلے افریقہ کا والی تھا ۔ پھر قیصر فوقا سے بغاوت کر کے اس کو قتل کر ڈالا اور ۶۱۰ء میں اس کے بجائے اپنے سر پر تاج رکھا ۔ اس کی حکومت ۶۴۱ء تک رہی ۔ اس کے زمانہ میں مسلمانوں نے ملک شام کو فتح کیا ۔

ایرانی اور رومی سلطنتوں میں ایک دائمی نزاع چلی آتی تھی اور شام و عراق کے میدان ان کے تنازعات کی جو لانگاہ تھے جہاں اکثر دونوں میں لڑائی کی آگ مشتعل رہتی تھی ۔ کبھی ایرانی غالب آجاتے تھے اور ان کی سلطنت بحر روم کے سواحل تک پہنچ جاتی تھی اور کبھی رومیوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا تھا اور وہ دجلہ اور فرات تک قابض ہو جاتے تھے ۔ آغاز اسلام میں قیصر فوقا اور نوشیرواں کی فوجوں میں جنگ ہوئی تھی ۔ اس میں اہل فارس کو سلسلہ وار فتوحات حاصل ہوئیں ۔ انہوں نے رومیوں کو شام سے نکال کر باسفورس کے سواحل تک دھکیل دیا ۔ اور فینیشیا اور فلسطین کو تاخت و تاراج کر ڈالا ۔ پھر ہرقل کے زمانہ میں بھی یروشلم پر حملہ آور ہوئے اور وہاں بہت سے مسیحی آثار کو مٹا دیا اور صلیب مقدس چھین لائے ۔ ۶۱۶ء میں مصر پر بڑھے اور اسکندریہ تک فتح کر لیا ۔

یہ فتوحات چونکہ ایک مشرک قوم کو اہل کتاب پر حاصل ہوئی تھیں اس لئے مشرکین عرب مسلمانوں کے مقابلے میں اس پر شادیانے بجاتے تھے ۔ سورہ روم میں اللہ تعالی نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور کہا کہ اگرچہ رومی اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند سال کے بعد وہ پھر غالب آجائیں گے اور اس وقت مسلمان خوش ہوں گے ۔ قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی ۶۲۲ء میں ہرقل اپنے خواب غفلت سے ہوشیار ہوا اور سامان اور فوجوں کو مرتب کر کے ایرانیوں پر حملہ کیا اور فتح پائی ۔

ایران و روم کی یہ لڑائیاں اسی طرح جاری رہیں جب شیرویہ نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا اور ایران کی سلطنت کا مالک ہو گیا تو اس نے ۶۲۸ میں رومیوں سے مصالحت کر لی جس قدر عیسائی قیدی اس کے پاس تھے واپس کر دیئے اور صلیب مقدس بھی دیدی ۔ ہرقل کو اس کامیابی پر انتہا درجہ کا سرور اور فخر حاصل ہوا ۔ اور ۶۲۹ء میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس میں آیا ۔ یہی وہ سال ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کا خط بھیجا تھا ۔ چنانچہ وہ خط بیت المقدس ہی میں اس کو موصول ہوا ۔ ابتداء عہد خلافت میں ان دونوں سلطنتوں کی اجمالی حالت یہی تھی ۔

جنگ ایران

ایرانی جس نگاہ سے اہل عرب اور خاص کر اسلام کو دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ خسرو پرویز نے نامہ نبوی کو چاک کر ڈالا تھا اور یمن کے عامل کو حکم دے دیا تھا کہ وہ عرب کے نبی کو گرفتار کر کے دربار میں بھیجے ۔ لیکن اس درمیان میں تخت سلطنت کے متعلق جھگڑے برپا ہو گئے اور اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی ۔ علاوہ بریں وہ اپنی قوت اور شوکت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ہم جب چاہیں گے ان کا استیصال کر دیں گے اس وجہ سے مسلمان ایرانیوں کی طرف سے مطلق مطمئن نہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ جس وقت یہ اپنی نزاعات سے فرصت پا گئے اس وقت ہماری طرف رخ کریں گے ۔ اس لئے ابو بکرؓ جب مرتدین کی مہم سے فارغ ہوئے تو اپنے سپہ سالار اعظم خالد بن ولید کو ایران پر فوج کشی کا حکم دیا ۔ اور ان کو یہ بھی تاکید کر دی کہ صرف انہیں مسلمانوں کو اپنے ساتھ جنگ پر لے جائیں جو فتنہ ارتداد سے محفوظ رہے تھے ۔ حضرت خالد کو یہ فرمان یمامہ میں موصول ہوا ۔ اس وقت انہوں نے سرحد عراق کے فرمانروا ہرمز کو یہ خط لکھا ۔

"تم اسلام لاؤ محفوظ رہو گے ۔ یا اپنی قوم کی طرف سے ذمی ہونے کا اقرار کرو ۔ اور جزیہ دینا قبول کر لو ۔ ورنہ سوائے اپنے پھر کسی کو ملامت نہ کرنا کیونکہ میں ایک ایسی قوم کو تمہارے مقابلہ میں لا رہا ہوں جو اسی قدر موت کی خواہاں ہے جس قدر تم زندگی کے خواہاں ہو" ۔ اس کے بعد ہی وہ خود بھی اپنی فوجوں کو لے کر وہاں پہنچ گئے ۔

ہرمز کو جس وقت یہ خط ملا اس نے شہنشاہ ایران کے پاس بھیجدیا ۔ اور اپنی ساری فوجیں جمع کر کے کواظم کی طرف بڑھا ۔ یہ اس سرحد کے بدترین امراء میں سے تھا اور تمام عرب جو اس وقت قرب و جوار میں بستے تھے اس کے سخت دشمن تھے ۔ جب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا تو خالد نے ہرمز کو میدان جنگ میں پکارا ۔ وہ مقابلے کے لئے آیا اور مارا گیا اس کے بعد ایرانی نہ ٹھہر سکے اور شکست کھا کر بھاگے ۔ ایرانی سپاہیوں کی ایک جماعت نے اس خیال سے کہ میدان جنگ سے بھاگ نہ سکیں ۔ اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ رکھا تھا ۔ مسلمانوں نے جب ان کو فراہم کیا تو تقریباً ایک شتر بار ہوئیں اسی وجہ سے اس جنگ کو ذات السلاسل کہتے ہیں ۔

اس فتح کی خبر حضرت ابوبکر کو پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور ازراہ قدردانی ہرمز کا تاج جو ایک لاکھ درہم کا تھا ۔ حضرت خالد کو بخش دیا ۔ خالد اپنی فوجوں کو وہاں سے لے کر آگے بڑھے اور اس مقام پر جہاں بعد میں بصرہ آباد کیا گیا قیام فرمایا ۔ دربار ایران کی طرف سے قارن کی سرکردگی میں ایک فوج ہرمز کی کمک کے لئے روانہ کی گئی تھی ۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھی کہ اس کو اس شکست کی خبر ملی اس نے مقام مدار میں خیمے ڈالدئے ۔ حضرت خالد نے اپنی فوج کو اسی طرف بڑھایا اور صف آرائی کی ۔ تھوڑے ہی عرصے میں ایرانی شکست کھا گئے اور ان کا سپہ سالار مارا گیا ۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا ۔ لیکن وہ کشتیوں میں سوار ہو کر ندی سے پار اتر گئے جس قدر ایرانی اس جنگ میں قتل ہوئے ان کی تعداد تیس ہزار تھی ۔

اس شکست کی خبر جس وقت شہنشاہ ایران کو پہنچی تو اس نے اندرزگر کی سپہ سالاری میں ایک فوج گراں روانہ کی جب وہ مدائن سے نکل کر مقام ولجہ میں پہنچا تو اس کی امداد کو ایک دوسری فوج بہمن جادویہ کی سرکردگی میں بھیجی ایرانی فوج میں اکثر نصارائے عرب بھی شامل ہو گئے ۔

جب خالد کو ان فوجوں کا حال معلوم ہوا تو مقابلے کے لئے آگے بڑھے لیکن اپنے خط رجعت کو محفوظ رکھنے کے لئے جا بجا دستے متعین کرتے گئے ۔ ولجہ میں پہنچ کر تین طرف سے ایرانیوں پر حملہ کا سامان کیا ۔ پہلے ایک جانب سے خود بڑھے اور اس کے بعد جب لڑائی کے شعلے بھڑکنے لگے تو دوسرا حصہ اور پھر تیسرا حصہ فوج کا اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر حملہ آور ہوا ۔ اس تدبیر سے ایرانی گھبرا گئے اور بہت جلد ہزیمت کھا کر بھاگے ۔ ان کا سردار ایک طرف بدحواسی میں نکل گیا اور پیاس کی شدت سے مر گیا ۔ قبیلہ بکر کے جن عیسائی عربوں نے ایرانیوں کی مدد کی تھی وہ بیشتر اس لڑائی میں قتل کر دیے گئے ۔ اس سے ان کے ہم قوم نصاریٰ جوش میں آکر مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے بہمن جادویہ کی فوج میں جا کر مل گئے وہ انبار کے متصل الیس میں اپنا لشکر لئے ہوئے پڑا تھا ۔ خالد نے پہنچ کر اس پر حملہ کیا اور اس کے فوج کے زیادہ حصہ کو قتل کر ڈالا ۔

الیس کی جنگ سے فارغ ہو کر حیرہ کا محاصرہ کیا ۔ اہل حیرہ نے یہ دیکھ کر ہم مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ مصالحت کی خواہش کی عمرو بن عبدالمسیح اور دوسرے رؤسا نے آکر صلح کی گفتگو کی ۔ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر مصالحت قرار پائی ۔ ان لوگوں نے بہت سے تحفے اور ہدیے بھی پیش کئے حضرت خالد نے خلیفہ کی ہدایت کے مطابق ان کو جزیہ کی رقم میں شمار کر لیا ۔ اور عہد نامہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا ۔

"یہ وہ عہد ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمر پسران عدی اور عمرو بن مسیح اور ایاس بن قبیصہ اور حیری بن اکال کے ساتھ کیا ۔ نامبردگان بادشندگان حیرہ کے قائم مقام اور وہاں کے روسا ہیں ۔ قرار داد یہ ہے کہ وہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے ۔ ہمارے ذمہ ان کی حفاظت ہے اگر ہم ان کی حفاظت نہ کریں تو ان کے اوپر کوئی رقم واجب نہیں اور اگر یہ لوگ

قولاً یا فعلاً بد عہدی کریں تو ہم ان سے بری الذمہ ہیں ۔"

اہل حیرہ سے صلح ہونے کے بعد صلوبانے بھی جو قس ناطف کا رئیس تھا عہد نامہ لکھ دیا۔ ایرانی مرزبانوں اور دہقانوں نے بھی جب حضرت خالد کی فتوحات اور ان کے عہد نامہ کو دیکھا اور ان کے انصاف اور برتاؤ کی خوبی کا ان کو حال معلوم ہوا تو فلالیج سے ہرمزجرد تک کے رؤسا نے آکر بیس لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی ۔ حضرت خالد نے تحصیل و خراج جزیہ اور ملکی انتظامات کے لئے عمال مقرر کئے اور ذمیوں کے امن و امان کا پورا بندوبست کیا ۔

حیرہ سے انہوں نے بادشاہ ایران کو ایک خط بھیجا ۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ

از جانب خالد بن ولید بنام فرمانروائے ایران ۔ اللہ کا شکر ہے جس نے تمہارے نظام کو قتل اور تمہاری تدابیر کو بیکار کر کے تم کو ابتر کر دیا ۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تمہارے حق میں اور زیادہ برا ہوتا تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ ہم تو کو اور تمہاری سرزمین کو چھوڑ دیں گے ۔ ورنہ بالآخر تم کو یہ ہی کرنا پڑے گا ۔ میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کے اسی قدر عاشق ہیں جس قدر تم زیست کے عاشق ہو ۔

اس زمانہ میں اہل ایران میں تخت سلطنت کے متعلق اختلافات تھے کیونکہ شاہی خاندان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کو وہ اپنا بادشاہ بنالیتے ۔ جب حضرت خالد کا خط پہنچا تو انہوں نے اپنے جھگڑوں کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنا لیا ۔ اور کہا کہ جب تک ساسانی خاندان کا کوئی شخص بادشاہت کے قابل نہ ملے اس وقت تک امور سلطنت اسی کے ہاتھ میں رہیں ۔ جب خالد جنوبی عراق کی مہم سے فارغ ہو کر شمالی عراق میں عیاض بن غنم کی امداد کے لئے روانہ ہوئے تو حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کر گئے ۔ جب انبار میں پہنچے تو وہاں کے باشندے قلعہ گیر ہو گئے ۔ ان کا محاصرہ کیا اور ان کے اوپر تیر برسائے ۔ بالآخر انہوں نے اس بات پر مصالحت کی کہ جریدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر نکل جائیں اور مع تمام مال متاع کے قلعہ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں ۔ حضرت خالد نے اس کو منظور کر لیا ۔ اس فتح کے بعد اس اطراف کے رئیسوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی ۔ وہاں زبرقان بن بدر کو اپنا جانشین بنا کر عین التمر کی طرف بڑھے ۔ جہاں مہران پسر بہرام چوبیں فوج لئے پڑا تھا ۔ نمر ۔ تغلب اور ایاد کے قبائل کے نصارائے عرب بھی عقہ بن ابی عقہ کی ماتحتی میں اس کے ساتھ شامل تھے ۔ عقہ نے مہران سے کہا کہ عرب عربوں کی لڑائی سے اچھی طرح واقف ہیں ۔ لہذا ہم کو خالد کے مقابلہ کے لئے جانے دو اس نے کہا تم سچ کہتے ہو لوہا لوہے کو کاٹتا ہے ۔

عقہ اپنی فوج لے کر حضرت خالد کے مقابلہ میں آیا ۔ انہوں نے بھی صف آرائی کی اور دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی ۔ خالدؓ نے بڑھ کر عقہ کو گرفتار کر لیا ۔ اس کی فوج شکست کھا گئی ۔ مہران یہ دیکھ کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا ۔ نصاریٰ عرب کی شکست خوردہ جمعیت جب وہاں پہنچی تو دیکھا ایرانی فوج جا چکی ہے ۔ مجبوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی ۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا اور بلا امان دیے ہوئے ان سب کو قتل کر ڈالا ۔ اس قلعہ میں چالیس لڑکے ملے جو انجیل پڑھا کرتے تھے ۔ انہیں میں سے موسیٰ ابن نصیر فاتح اندلس کے باپ نصیر ۔ محمد ابن سیرین کے باپ سیرین اور حمران مولیٰ عثمان وغیرہ تھے یہ اسلامی فوج میں تقسیم کئے گئے ۔ یہاں خالد کو عیاض بن غنم کا خط ملا جو شمالی عراق میں دومۃ الجندل کا محاصرہ کئے ہوئے تھے انہوں نے ان کو بلایا تھا ۔ حضرت خالد نے ان کو مندرجہ ذیل مختصر جواب لکھا ۔

از جانب خالد بنام عیاض ۔ میں تمہارے ہی پاس آرہا ہوں

دومۃ الجندل میں نصارائے عرب کی بہت بڑی جمعیت تھی ۔ جب حضرت خالد کے آنے کی ان کو خبر ہوئی تو ان کے رئیس اکیدر بن عبدالملک نے ان لوگوں سے کہا کہ میں خالد کو خوب جانتا ہوں ۔ ان سے زیادہ مبارک فال اور تیزدست سپہ سالار میں نے نہیں دیکھا ۔ کوئی فوج خواہ کم ہو یا زیادہ ممکن نہیں کہ خالد کے مقابلہ میں شکست نہ کھا جائے ۔ لہذا تم لوگ میری بات مانو اور ان

سے صلح کر لو ۔ لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں مانی وہ ناراض ہو کر ان کو چھوڑ کر نکلا اور اسی نکلنے میں مارا گیا ۔ دومۃ الجندل کا محاصرہ ایک طرف سے عیاض نے اور دوسری طرف سے خالد نے کیا ۔ محصورین نے تنگ آکر شکست کھائی اور سوائے بنی کلب کے جو تمیم کے حلیف تھے اور ان کو عاصم بن عمرو تمیمی نے امان دے دی تھی اور کسی کو قتل سے نجات نہ مل سکی ۔ اس فتح کے بعد خالد حیرہ واپس چلے آئے یہاں آکر ان کو معلوم ہوا کہ اہل عجم جمعیت فراہم کر کے پھر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ۔ اس لئے دو دستے حصید اور خنافس کی طرف روانہ کئے ۔ وہاں جس قدر ایرانی جمع ہوئے تھے ان کو ان دستوں نے بھگا دیا ۔ خود حضرت خالد مصیخ کی طرف بڑھے وہاں عربی قبائل ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے تھے ایک ہولناک جنگ پیش آئی جس میں غنیم نے شکست کھائی۔

مقام فراض میں جہاں شام ، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں رومیوں ایرانیوں اور عربوں نے مجتمع ہو کر مقابلہ کیا ۔ خالد نے ایک ساتھ سب کو شکست دیدی ۔ یہ واقعہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۲ھ میں پیش آیا ۔ وہاں دس روز رہ کر ۲۵ ذی قعدہ کو عاصم بن عمر کو حکم دیا کہ وہ فوجوں کو لے حیرہ واپس چلیں اپنے کو ظاہر کیا کہ میں ساقہ پر رہوں گا ۔ لیکن وہاں سے چند ساتھیوں کو لے کر سیدھے مکہ پہنچے اور حج کر کے حیرہ میں اس قدر جلد واپس آئے کہ ابھی تک فوج کا آخری حصہ یعنی ساقہ وہاں تک نہیں پہنچ سکا تھا ۔ چنانچہ اسی کے ساتھ ہو گئے اور بجز ان اشخاص کے جو ان کے ساتھ تھے اور کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ حج کر آئے ہیں ۔ حضرت ابو بکرؓ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے خفگی کا اظہار کیا کہ اس طرح فوج کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ تھا ۔

اس کے بعد فرمان خلافت ملا کہ تم شام کی طرف جاؤ اور اسلامی فوج میں جو یرموک میں ہے شریک ہو ۔ حضرت خالد عراق میں ۱۴ مہینے رہے ۔ ان کے ساتھ کل دس ہزار فوج تھی اور اسی قدر دیگر اسلامی امراء ، مثنیٰ وغیرہ کے ساتھ ۔ اس قلیل عرصہ میں اور اس قلیل سپاہ کے ساتھ انہوں نے وہ کارہائے نمایاں کئے کہ آج تک دنیا کا کوئی سپہ سالار ایسے کام نہیں کر سکا ۔ مقام ابلہ سے فراض تک ، سارا علاقہ ایران جیسی زبردست سلطنت سے چھن گیا ۔ اور ایرانیوں ، عربوں نیز رومیوں سے متعدد مواقع پر جنگ پیش آئی ۔ ہر ایک میں وہ فاتح رہے کسی میں بھی مغلوب نہیں ہوئے ۔ جس طرف بڑھتے تھے ان کا نام آگے آگے جاتا تھا اور فتح ساتھ ساتھ ۔ خط واپسی کو ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آسکے اور جب کسی مقام کو فتح کرتے تھے تو وہاں کی رعایا کی اصلاح معاملات وصولی خراج اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے امراء اور عمال اپنی طرف سے مقرر کرتے تھے ۔ کاشتکاروں اور پیشہ وروں کے ساتھ رحم اور مہربانی کا برتاؤ رکھتے تھے ۔ یہاں تک کہ وہ لوگ ایرانی حکومت کے مقابلے میں عربی حکومت کو زیادہ پسند کرنے لگے اور امن و اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہوگئے ۔ رعایا کے ساتھ جس قدر ان کا برتاؤ نرم تھا اسی قدر دشمنوں کے لئے وہ سخت تھے جب غنیم کی فوج کو دیکھ لیتے تھے تو صبر نہیں کر سکتے تھے بلکہ فوراً حملہ کر دیتے تھے اور بیشتر ان کے سرداروں سے مقابلہ کر کے ان کا خاتمہ کر دیتے تھے ۔ اس کے بعد لڑائی زیادہ طول نہیں کھینچتی تھی ۔ الغرض حضرت خالدؓ کے کارنامے فتوحات اسلام کی تاریخ کی پیشانی کا نور ہیں ۔

جنگ روم

شام کے غسانی بادشاہ رومی سلطنت کے زیر اثر تھے ۔ اور انہوں نے عیسوی مذہب بھی اختیار کر لیا تھا ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرجیل بن عمرو غسانی کے نام دعوت اسلام کا خط حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ بھیجا تو اس نے ان کو قتل کر ڈالا ۔ ان کے قصاص کے لئے ۸ ھ میں مدینہ سے تین ہزار فوج بھیجی گئی ۔ رومی اور غسانی فوجوں سے جن کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ تھی مقام موتہ میں مقابلہ ہوا اسی لڑائی میں زید بن حارثؓ اور جعفر طیارؓ وغیرہ شہید ہوئے تھے آخر میں حضرت خالد اس قلیل فوج کو غنیم کے نرغہ میں سے نکال لائے اور واپس چلے آئے اس کے بعد غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کی قیصر روم نے بھی ان کی امداد کے لئے چالیس ہزار فوج دی ۔ آنحضرتؐ اس کی خبر پا کر تیس ہزار فوج لیکر ۹ ھ میں خود تبوک تشریف لے گئے لیکن وہ لوگ مقابلہ کیلئے نہ

آئے۔ مدینہ میں غسانیوں کی طرف سے متوحش خبریں پہنچا کرتی تھیں اور ہر وقت ان کے حملہ کا خطرہ رہتا تھا۔ اس وجہ سے آنحضرتؐ نے دوبارہ ۱۱ھ میں ایک لشکر ان کے مقابلہ کیلئے تیار کیا اور اس کا سردار اسامہ کو مقرر کیا جن کے باپ حضرت زید سریہ موتہ میں سپہ سالار تھے اور شہید ہو گئے تھے۔ یہ لشکر آپ کی علالت کی وجہ سے روک لیا گیا۔ وفات نبوی کے بعد حضرت ابو بکر نے اس کو بھیجا لیکن اس سے غسانیوں اور رومیوں کو جو خطرہ تھا اس میں کمی نہیں آئی وہ ایک نہ ایک دن مدینہ پر حملہ کرنے کے واسطے تیار تھے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے ۱۲ھ کے آخر میں چار بڑے سپہ سالار منتخب کئے۔ عمرو بن عاص۔ یزید بن ابی سفیان، ابو عبیدہ بن الجراح اور شرجیل بن حسنہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک فوج نامزد کی۔ اور ان کے راستے متعین کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عبیدہ حمص۔ عمرو فلسطین۔ یزید دمشق، اور شرجیل اردن کی طرف بھیجے گئے۔ اس تمام فوج کی تعداد جو ان چاروں سپہ سالاروں کے ساتھ تھی ۳۶ ہزار تھی۔

جب رومیوں کو اسلامی فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مقابلہ کی فکر کی۔ ہرقل اس زمانہ میں حمص میں مقیم تھا اس نے یہ بھی سنا کہ اسلامی فوج الگ الگ چار حصوں میں منقسم ہے اس لئے یہ کوشش کی کہ یہ فوجیں مجتمع نہ ہونے پائیں اور ہر ایک حصہ کے مقابلہ میں اس سے دگنی تعداد میں فوج بھیجی جائے مسلمان امراء کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے باہم خط و کتابت کی اور عمرو بن عاص سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے ہر ایک کو یہ لکھا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں۔ یہ رائے سب لوگوں نے پسند کی۔ اطلاعاً ایک تحریر خلیفہ کے پاس بھیجی گئی انہوں نے بھی منظور کیا اور لکھا کہ سب لوگ یرموک میں پہنچ کر مل جائیں اور ہر ایک اپنی اپنی فوج کو نماز پڑھائے۔ ہرقل نے اپنی حقیقی بھائی تذارق کو ۹۰ ہزار فوج دے کر عمرو بن عاص اور جرجہ کو بھی اسی قدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان اور راقص کو شرجیل اور فیقار کو ۶۰ ہزار لشکر کے ساتھ ابو عبیدہ کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ مگر جب اس کو مسلمانوں کے اجتماع کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی ان فوجوں کو حکم بھیجا کہ مجتمع ہو کر لڑیں مقام داقوصہ میں وہ تمام فوجیں آکر جمع ہوئیں ان کے ایک طرف دریا اور پس پشت پہاڑ تھا۔ اس محفوظ مقام کو انہوں نے اس وجہ سے پسند کیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے دل مطمئن اور بے خوف ہو جائیں۔ رومی فوج کی کل تعداد امام طبری کے بیان کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔

اسلامی فوج نے بھی یرموک سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے مورچہ جما لیا اب رومی فوج بالکل محصور ہو گئی اور ان کے آنے جانے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ یہ حالت ماہ صفر سے لے کر ربیع الثانی تک رہی۔ مسلمانوں نے دربار خلافت سے امداد طلب کی۔ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو لکھا وہ عراق کی مہم پر مثنیٰ بن حارثہ کو چھوڑ کر خود شام میں جاکر مسلمانوں کی مدد کریں۔ وہ دس ہزار فوج لے کر تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مسلمان امراء اگرچہ ایک جگہ مجتمع ہیں لیکن اپنی اپنی فوجیں لے کر الگ الگ دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں۔ نیز انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ رومی عنقریب ایک متفقہ حملہ کرنے والے ہیں اس وجہ سے انہوں نے اسلامی فوج کے امراء کو جمع کیا اور کہا کہ:

" آج کا دن ایک ایسا دن ہے جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس میں فخر اور شرافت کے خیال کو چھوڑ کر صرف اللہ کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔ دشمن ترتیب اور نظام کے ساتھ آمادہ جنگ ہے اس لئے ہم کو مناسب نہیں کہ ہم متفرق اور منتشر ہو کر جنگ کریں، لہٰذا وہ رائے قرار دو جو مناسب ہے۔ لوگوں نے کہا آپ اپنی رائے ظاہر کیجئے۔ انہوں نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم الگ الگ نہ لڑیں بلکہ سب ایک امیر کے ماتحت ہو جائیں اس سے کسی کی شان میں فرق نہیں پڑے گا۔ اور نہ اللہ اور نہ خلیفہ رسول کے نزدیک اس کا رتبہ گھٹ جائے گا۔ رومی ہمارے اوپر حملہ کے لئے تیار ہیں اگر ہم نے ان کو پیچھے دھکیل دیا تو پھر برابر ان کو دباتے چلے جائیں گے اور اگر خدانخواستہ انہوں نے ہم کو شکست دے دی تو پھر ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا۔ مناسب یہ ہے کہ ہم باری باری

سے امیر ہوں ایک شخص آج دوسرا کل اور تیسرا پرسوں ، اور آج کے روز تمام فوج کا امیر مجھ کو بنا دو ۔" سب لوگوں نے اس بات کو منظور کر لیا ۔ حضرت خالد نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ عربی فوج کبھی اس سے پہلے اس طرح مرتب نہیں کی گئی تھی ۔ انہوں نے سارے لشکر کو ۳۸ دستوں میں تقسیم کیا ۱۸ دستے قلب میں رکھے اور وہاں ابو عبیدہ کو متعین کیا دس دستے میمنہ پر اور ان کا سردار عمرو بن عاص اور شرجیل کو بنایا اور دس دستے میسرہ پر یزید بن ابی سفیان کی سرکردگی میں رکھے ہر دستے پر ایک کارآزمودہ امیر مقرر کیا جو میمنہ یا میسرہ یا قلب کے سپہ سالاروں کے احکام پر اپنے دستہ کو حرکت دے ۔ ابو سفیان بن حرب کو نقیب اور ابو درداء کو قاضی اور مقداد کو قاری مقرر کیا ۔

اسلامی فوج میں یہ قاعدہ تھا کہ جنگ سے پیشتر سورہ انفال سنائی جاتی تھی یہ کام قاری کا تھا ۔ نقیب اپنی تقریر سے فوج کے جوش کو بڑھاتا تھا ۔ چنانچہ ابو سفیان ہر ہر دستہ کے سامنے کھڑے ہو کر فرماتے تھے ۔

اللہ اللہ ! تم جوانان عرب اور حامیان اسلام ہو اور وہ رومی سپاہی اور شرک کے مدد گار ہیں یا اللہ آج کا دن ایک یادگار دن ہے تو اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما ۔

اسلامی فوج کے ایک شخص نے حضرت خالد سے کہا کہ رومیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ اور مسلمان کم ہیں انہوں نے جواب دیا کہ مسلمان بہت زیادہ اور رومی بہت کم ہیں فوج کی کمی یا زیادتی تعداد پر نہیں بلکہ فتح اور شکست پر ہے ۔ رومیوں نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہایت شان کے ساتھ صف آرائی کی ۔ حضرت خالد نے قلب کے دونوں بازوؤں کو جن پر عکرمہ بن ابی جہل اور قعقاع بن عمرو تھے حکم دیا کہ تیر اندازی کریں اس کے بعد عام حملہ کیا ۔ وہ خود قلب کے آگے تھے ۔ اپنی فوج کو لئے ہوئے رومی سواروں اور پیادوں کے درمیان میں پہنچ گئے ۔ پہلے غنیم کے سواروں نے شکست کھائی اور ایک طرف بھاگ نکلے ۔ مسلمان اپنی جگہ جمع رہے اور ان کو بھاگنے کا راستہ دے دیا اس کے بعد اسلامی فوجیں پیادوں پر ٹوٹ پڑیں اور ان کو پیچھے ہٹا دیا ۔ چونکہ ان کے پس پشت پہاڑ تھا ۔ اس لئے ادھر راستہ نہ ملا بہت سے مارے گئے اور بقیہ دریا کی طرف پلٹے ۔ مسلمانوں نے ان کو یہاں تک دبایا کہ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار پانی میں غرق ہوگئے ۔

لڑائی دن بھر اور رات بھر جاری رہی اور جب صبح ہوئی تو حضرت خالد رومی سپہ سالار کے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ بہت سے مسلمانوں نے اس جنگ میں نمایاں کام انجام دیا ۔ عکرمہ نے چلا کر کہا میں آنحضرتؐ کے ساتھ لڑتا رہا ۔ کیا آج میں ان رومیوں سے بھاگوں گا کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرے یہ سن کر حارث اور ضرار بن ازور وغیرہ چار سو بہادر و جانباز مسلمانوں نے بیعت کی ۔ اور رات بھر خالد کے خیمے کے سامنے لڑتے رہے ان کے صبر و ثبات کا یہ عالم تھا کہ سب کے سب زخموں سے چور تھے ۔ صبح کے وقت حضرت عکرمہ اور ان کے بیٹے عمرو اٹھا کر حضرت خالد کے پاس لائے گئے ۔ انہوں نے دونوں کا سر اپنی ران پر رکھا ۔ ان کے چہروں سے خاک جھاڑتے تھے اور حلق میں پانی ٹپکاتے تھے ۔ اسی حالت میں ان کی روحیں عالم قدس کو پرواز کر گئیں ۔

مسلمان خواتین بھی اس جنگ میں اپنا دستہ الگ بنا کر رومیوں سے لڑیں بہت سے کافروں کو تہ تیغ کیا ۔ دن نکلتے نکلتے رومیوں سے میدان صاف ہو گیا ۔ مسلمان شہداء کی تعداد تین ہزار تھی ۔

اس شکست کی خبر جب ہرقل کو پہنچی تو حمص سے چلا گیا اور کہا کہ اے ملک شام تجھ کو یہ میرا آخری سلام ہے ۔ رومیوں نے اسلامی فوج کا حال دریافت کرنے کے لئے عرب جاسوس بھیجا تھا جب وہ واپس آگیا تو اس نے جو الفاظ مسلمانوں کی نسبت سے کہے وہ یاد رکھنے کے قابل ہیں اس نے کہا

" وہ لوگ رات میں فرشتے ہیں اور دن میں دیو ہیں ۔ حق پرستی کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کا شہزادہ بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور زنا کرے تو سنگسار کر دیتے ہیں "۔

اثنا جنگ میں مدینہ سے ایک قاصد خط لے کر آیا جس میں حضرت ابو بکر صدیق کی وفات اور حضرت عمر کی خلافت کی اطلاع تھی نیز یہ کہ حضرت خالد سپہ سالاری سے معزول اور ابو عبیدہ ان کے بجائے سپہ سالار عام کئے گئے ۔ حضرت خالد نے یہ خط حضرت ابو عبیدہ کو مخفی طور پر دکھلایا اور اس خیال سے اشاعت نہیں کی کہ فوج میں بد دلی نہ پیدا ہو جائے جب فتح حاصل ہو چکی تو اس خط کا اعلان کیا اور حضرت ابو عبیدہ کو امیر تسلیم کیا ۔

یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ اسلامی فوج جس کی تعداد صرف چھیالیس ہزار تھی ۔ کس طرح لپنے سے پانچ گنی رومی فوج پر غالب آگئی حالانکہ رومی فوج باقاعدہ مرتب سازو سامان سے درست جنگ دیدہ اور کار آزمودہ تھی اور ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ایرانیوں پر نمایاں فتح حاصل کر چکی تھی ۔

اس کا سبب جہاں تک معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ مسلمان سپاہی جو ان جنگوں میں شریک ہوتا تھا اس کے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا تھا کہ انجام کار فتح ہماری ہوگی ۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات اور آنحضرتؐ کے اقوال سے ان فتوحات عظیمہ کی بشارتیں اس کے کانوں میں پڑ چکی تھیں یہ اطمینان قلب اسکے حق میں تائید آسمانی کا کام دیتا تھا ۔ علاوہ بریں وہ اس بات پر کامل یقین رکھتا تھا کہ جنگ میں کام آگیا تو شہید نہیں تو غازی ہوگا لہٰذا اس کو نہ تو موت کی پرواہ ہوتی تھی ۔ نہ وہ کسی خطرہ سے جی چراتا تھا ۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو سپہ سالار بھی ایسے مل گئے تھے کہ دنیا کی تاریخ ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی ۔ خود حضرت خالد کو دیکھئے ان کے کارنامے صدر اول کی تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں ۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں جو سوا دو سال تھا رومیوں اور ایرانیوں پر فتوحات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا ۔

نظام داخلی

خلیفہ اول کے عہد میں صرف جزیرہ عرب اسلامی انتظام کے ماتحت تھا ۔ شام و عراق میں جنگ قائم تھی وہاں کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام خود امراء لشکر سے متعلق تھا ۔

کل عرب دس حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا ۔ ہر حصہ میں خلیفہ کی طرف سے ایک امیر مقدمات کے فیصلے ۔ حدود شرعیہ کے اجراء اور نماز کے لئے مقرر تھا ۔ خود وہی امیر قاضی بھی ہوتا تھا ۔ صوبوں کی تفصیل معہ امراء کے حسب ذیل ہے ۔

(۱) مکہ مکرمہ ۔ یہاں کے امیر عتاب بن اسید تھے جو زمانہ رسالت میں مقرر ہوئے تھے ۔

(۲) طائف ۔ عثمان بن ابی العاص ، یہ بھی عہد رسالت سے مامور تھے ۔

(۳) صنعاء ۔ مہاجر بن ابی امیہ نے ردۃ کے بعد جب اس کو فتح کیا تو یہاں کے والی مقرر کئے گئے ۔

(۴) حضرموت ۔ زیاد بن ولید ۔

(۵) خولان ۔ یعلیٰ بن امیہ

(۶) زبید ۔ (یمن) ابو موسیٰ اشعری

(۷) جند ۔ معاذ بن جبل

(۸) جرش ۔ عبداللہ بن ثور

(۹) بحرین ۔ علاء بن حضرمی

(۱۰) نجران ۔ جریر بن عبداللہ بجلی ۔

حضرت ابو بکرؓ نے کسی کو وزیر نہیں بنایا تھا ۔ صرف حضرت عمرؓ ان کے مشیر تھے اور مقدمات کے بھی فیصلے کیا کرتے تھے ۔

حضرت ابو عبیدہ جب تک شام کی مہم پر نہیں بھیجے گئے تھے امین بیت المال رہے ۔ فرامین حضرت زید بن ثابت لکھتے تھے اور خطوط اور حالات وغیرہ حضرت عثمان یا جو کوئی حاضر ہو ۔

خلیفہ کا گزارہ

خلافت سے قبل حضرت ابو بکرؓ کا ذریعہ معاش تجارت تھی ۔ خلیفہ ہو جانے کے بعد چھ مہینے تک وہ تجارت کرتے رہے اور اسی سے اپنا کام چلاتے رہے جب انہوں نے دیکھا کہ خلافت کی مہمات سے تجارت کی فرصت نہیں مل سکتی تو اس کو چھوڑ دیا ۔ ان کے معمولی اخراجات اور عیال کے گزارہ کے لئے بیت المال سے چھ ہزار درہم یعنی تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیا گیا ۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ میری فلاں زمین بیچ کر وہ ساری رقم جو آج تک بیت المال سے وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے ۔ ان کا خیال غالباً یہ تھا کہ جو رقم میں نے لی ہے اس کے مطابق امت کی خدمت نہیں کر سکا ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلفاء پر بڑا بوجھ ڈال لیا ۔

بیت ابو بکرؓ

اسلام سے پہلے انہوں نے دو نکاح کئے تھے ایک قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے جو قبیلہ قریش میں سے تھیں ۔ ان سے عبداللہ پیدا ہوئے ۔ پھر حضرت اسماء جن کا لقب ذات النطاقین ہے ۔ قتیلہ چونکہ اسلام نہیں لائیں اس لئے ان کو طلاق دے دی ۔ زمانہ اسلام میں دو نکاح کئے پہلے اسماء بنت عمیس کے ساتھ جو حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں ان سے محمد پیدا ہوئے ۔ دوسرا حبیبہ بنت خارجہ سے جو قبیلہ خزرج میں سے تھیں ان کے بطن سے ایک بیٹی ام کلثوم حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں ۔

وفات

۷ جمادی الثانی ۱۳ھ کو بخار آیا اور دو ہفتہ تک برابر آتا رہا ۔ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء کو شام کے وقت انتقال فرمایا ۔ عمر ۶۳ سال کی تھی ۔ مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ ایک روز ۔ نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح کہ ان کا سر آنحضرتؐ کے دوش مبارک کے بالمقابل رہے دفن کئے گئے ۔

فضائل ابو بکر

تمام مورخ متفق ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ بڑے دولتمند اور مکہ مکرمہ میں نہایت معزز و محترم تھے ۔ انساب قریش اور ان کے حالات سے سب سے زیادہ باخبر تھے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مردوں میں سب سے پہلے یہی اسلام لائے اور اپنی دولت آنحضرتؐ کی خدمت اور حمایت میں صرف کر دی ۔ انھیں کی کوشش سے بڑے بڑے سردارانِ قریش اسلام لائے ۔ ہجرت کے موقع پر آنحضرتؐ کی رفاقت کی تمام فضیلتیں انہیں کو حاصل ہوئیں ۔ مدینہ منورہ تک رفیق طریق رہے اور اپنا بقیہ سرمایہ بھی ساتھ لیتے گئے کہ آنحضرتؐ کے کام آئے گا ۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دنیا میں ادا کر دیا لیکن ابو بکر کے احسانات مجھ پر باقی رہ گئے ۔ ان کا بدلہ ان کو قیامت میں اللہ تعالیٰ دے گا ۔ تقویٰ زہد عقل اور متانت میں بھی وہ ممتاز تھے ۔

انھیں فضائل کی وجہ سے وہ اس امت کے تمام لوگوں سے بلکہ بعد انبیاء کے کل بنی انسان سے افضل تسلیم کئے گئے ۔ اور اس کی پوری شہادت ان کے کارناموں سے ملتی ہے ۔ فتنہ ارتداد کو جس اولوالعزمی اور دانشمندی کے ساتھ تھوڑی مدت میں انہوں نے مٹا دیا وہ ان کی اس عظمت اور فوقیت کا جو جماعت صحابہ پر ان کو حاصل تھی نمایاں ثبوت ہے ۔ رضی اللہ عنہ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جب حضرت ابو بکرؓ بیمار ہوئے اور ان کو اپنی موت کا احساس ہوا تو مصلحت امت کے خیال سے ان کی یہ رائے ہوئی کہ کسی کو خلیفہ منتخب کر جائیں ۔ ان کے نزدیک حضرت عمر بن خطاب خلافت کے لئے زیادہ موزوں تھے ۔ لیکن مزید احتیاط کے خیال سے بڑے بڑے صحابہ سے بھی اس امر میں مشورہ لینا زیادہ مناسب سمجھا ۔ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بلایا اور پوچھا کہ عمر کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے ؟ انہوں نے کہا کہ میں ان کو سب سے افضل سمجھتا ہوں لیکن ان کے مزاج میں کسی قدر سختی ہے ۔ فرمایا کہ وہ سختی اس لئے کرتے ہیں کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں اگر خلافت ان کے سپرد کر دی جائے گی تو انکی سختی خود بخود کم ہو جائے گی پھر حضرت عثمان کو بلایا اور ان سے بھی یہی سوال کیا ۔ انہوں نے کہ کہ میری نسبت آپ خود ان سے زیادہ واقف ہیں ۔ حضرت ابو بکرؓ نے اصرار کیا کہ تم اپنا خیال ان کے بارے میں ظاہر کرو ۔ انہوں نے کہا میں جہاں تک جانتا ہوں ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے ، اور ہم میں سے کوئی شخص ان کے برابر نہیں اس کے بعد اور لوگوں سے بھی دریافت کیا ۔

الغرض بعد مشورہ یہی رائے قرار پائی کہ حضرت عمرؓ خلیفہ بنائیں جائیں ۔ ایک روز صحابہ حضرت ابو بکرؓ کے مکان کے پاس جمع تھے وہ بیماری میں ایک شخص کے سہارے سے اپنے بالاخانہ پر چڑھے اور ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں تمھارے لئے مقرر کروں میں نے غور اور مشورہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اور اپنے کسی قرابت دار کو نہیں تجویز کیا ہے بلکہ عمرؓ کو اپنا جانشین بناتا ہوں ۔ سب لوگوں نے کہا کہ ہم کو منظور ہے اس کے بعد حضرت عثمان کو بلایا اور مندرجہ ذیل عہد نامہ لکھوا دیا ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ عہد نامہ حضرت ابو بکر بن قحافہ کی آخری زندگی کا ہے جبکہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے ۔ یہ ایسی ساعت ہے کہ جس میں کافر بھی مومن اور فاجر بھی عقید تمند اور جھوٹا بھی سچا ہو جاتا ہے ۔ میں نے تمھارے واسطے عمر کو خلیفہ منتخب کیا لہٰذا ان کی بات مانو اور ان کی اطاعت کرو اس امر میں اللہ اور رسول کی اطاعت نیز، اپنی ذات اور خود تمہاری خیر طلبی کی میں نے پوری کوشش کی ہے اگر وہ عدل کریں تو ان کی نسبت میرا یہی گمان ہے اور یہی علم ہے اگر اس کے خلاف کریں تو ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے ۔ میری نیت خیر خواہی کی ہے ۔ باقی میں غیب نہیں جانتا ۔

پھر حضرت عمرؓ کو نصیحتیں اور ہدایتیں کیں اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی ۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کی ابتدا یوم سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء سے ہوئی ۔

ترجمہ عمرؓ

حضرت عمر بن خطاب بن نفیل قبیلہ قریش کی شاخ بن عدی میں سے تھے ان کی والدہ خنتمہ بنت ہشام مخزومی تھیں آنحضرتؐ کی ولادت کے تیرہ سال بعد پیدائش ہوئی ۔ ابتدا ہی سے شہامت ، جرآت اور حق گوئی میں ممتاز تھے ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اول اول یہ رسالت کے قائل نہ ہوئے بلکہ مسلمانوں کے مخالف ہو کر ان کو ایذا دینی شروع کی ۔ جس مسلمان پر قابو چلتا اس

کو مارتے اور ستاتے ۔ ایک دن اس بات پر تیار ہوئے کہ جاکر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں ۔

آنحضرتؐ اس روز ارقم مخزومی کے مکان میں مسلمانوں کے ساتھ تھے ۔ یہ تلوار لے کر اسی طرف روانہ ہوئے ۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ خود ان کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں اسی غصہ میں خود بہن کے گھر میں پہنچے وہ اس وقت قرآن کی ایک سورۃ جو قرطاس پر لکھی ہوئی تھی پڑھ رہی تھیں ان کو دیکھ کر وہ اوراق چھپا دیے ۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں اور میں نے سنا ہے تم نے آبائی دین کو چھوڑ دیا ہے ۔ یہ کہہ کر ان کو مارا یہاں تک ان کا سر پھٹ گیا اور بدن خون سے رنگین ہو گیا ۔ انہوں نے جوش میں آکر کہا کہ میں بے شک مسلمان ہو گئی ہوں اور اس دین کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی ۔ بہن کا خون دیکھ کر غصہ کم ہوا ۔ قرآن کے اوراق مانگ کر پڑھنا شروع کیا ہدایت کا وقت آچکا تھا ۔ توفیق الٰہی شامل حال ہوئی ان کے پڑھتے ہی اسلام کی حقانیت دل میں بیٹھ گئی اور آنحضرتؐ کی خدمت میں جاکر مسلمان ہوگئے ۔

اگرچہ ان سے پہلے چالیس پچاس آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن انہیں کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو طاقت اور شوکت حاصل ہوئی یہ لوگ قریش سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور ان کی بدولت مسلمان خانہ کعبہ میں جہاں وہ اس سے پہلے جانے پر مار کھاتے تھے نماز پڑھنے لگے ۔

جب ہجرت مدینہ شروع ہوئی تو مسلمان کافروں کے خوف سے مخفی طور پر مکہ سے نکل کر جاتے تھے لیکن حضرت عمر بیس مسلمانوں کو ساتھ لیکر علانیہ نکلے اور قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہجرت کرتا ہوں ۔ جس کو منظور ہو کہ اس کی ماں اس پر نوحہ کرے وہ اس وادی میں آکر مجھ کو روکے ۔ کسی کافر کی ہمت نہ پڑی کہ سامنے جاتا ۔ ہجرت کے بعد آنحضرت کیساتھ تمام غزوات میں شریک رہے ۔ بعض بعض امور میں حضورؐ کو مشورے بھی دیتے رہے اور کئی بار آیات قرآنی ان کے مشورہ کے مطابق نازل ہوئیں ۔

یہ اور حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بمنزلہ دو وزیروں کے تھے ۔ آنحضرت نے ان کے ساتھ اپنا رشتہ بھی قائم کیا اور ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ سے ان کے شوہر کے مقتول ہو جانے کے بعد نکاح کر لیا ۔ خلیفہ اول کے زمانہ میں بھی یہ بطور مشیر کے رہے ۔ فصل قضایا کا کام بھی انھیں کے سپرد تھا ۔ ان کی صحبت سے ان میں تحمل اور دور اندیشی کی صفت زیادہ بڑھ گئی ۔ اور مزاج میں کسی قدر نرمی آگئی ۔

خطبہ خلافت

خلیفہ اول کی وفات کے بعد جب ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ

" عرب کی مثال اس اونٹ کی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو ۔ اس کے رہنما کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اس کو کس طرف لے جا رہا ہے ۔ میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم کو سیدھے راستہ پر لے چلوں گا ۔ "

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ کی اس عہد میں کس قدر صحیح تشخیص انہوں نے کی ۔ کیونکہ وہ ایک فرماں بردار جماعت تھی ۔ جو حکم دیا جاتا تھا وہی کرتی تھی اور جس بات کی ممانعت کی جاتی تھی اس سے باز رہتی تھی اس لئے ساری ذمہ داری خلیفہ امت پر عائد ہوتی تھی کہ وہ کس راستہ پر اس کو لے چلتا ہے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں سیدھے راستے پر لے چلوں گا ۔

فتوحات

ایران

حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو عراق سے جب شام کی طرف بھیج دیا اور نصف فوج لے کر وہ روانہ ہو گئے تو مثنیٰ بن حارثہ

باقی نصف فوج کو لئے ہوئے حیرہ میں مقیم رہے ۔ بہمن جادو یہ لشکر لے کر ان کے مقابلہ کے لئے آیا۔ بابل کے قریب مثنیٰ نے اس کے سامنے صف آرائی کی سخت جنگ کے بعد اس کو شکست دی اور مدائن تک تعاقب کیا ۔ پھر حیرہ میں واپس آگئے ۔ اس عرصہ میں دربار خلافت سے کسی قسم کی اطلاع اور مدد نہ پہنچی اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ ایرانی ایک جرار لشکر ہمارے مقابلہ کے لئے تیار کر رہے ہیں ۔ اس لئے بشیر بن خصاصیہ کو اپنی جگہ مقرر کر کے خود مدینہ منورہ آئے کہ خلیفہ کو ان باتوں کی اطلاع دیں اور ان سے درخواست کریں کہ جو مسلمان مرتد ہو چکے تھے اور اب ان کی توبہ اور ندامت ظاہر ہو چکی ان کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے ۔ جس روز مدینہ منورہ پہنچے وہ ابو بکر کی زندگی کا آخری دن تھا ۔ انہوں نے ان حالات کو سن کر حضرت عمرؓ کو تاکید کی مثنیٰ کے لئے فوج جمع کرنا۔

حضرت عمرؓ کی بیعت کے لئے جب دیار و امصار کے لوگ آئے تو انہوں نے ان کے مجمع میں وعظ فرمایا اور ان کو جہاد کی ترغیب دلائی ۔ عربوں پر چونکہ زمانہ قدیم سے ایرانیوں کا رعب چھایا ہوا تھا ۔ اس لئے ان کے مقابلہ میں جانے سے ڈرتے تھے ۔ مثنیٰ نے اٹھ کر کہا کہ ۔

لوگو! تم ایرانیوں کو خاطر میں نہ لاؤ ۔ ہم نے ان کو آزما لیا ہے اور ان کے اوپر غالب رہے ہیں ۔ ان کے زرخیز علاقے ہم نے چھین لئے ہیں اور وہ ہم سے دب گئے ہیں ۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جوش دلایا ۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے گا ۔ لہذا مسلمان فتح پا کر رہیں گے ۔ روئے زمین انہیں کی وراثت ہے ۔ اللہ کے نیک بندے کدھر ہیں ؟ سب سے پہلے حضرت ابو عبیدہ ثقفیؓ نے کہا کہ میں اس کے لئے تیار ہوں ۔ ان کے بعد بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے ۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ ہی کو سب کا سردار مقرر کیا ۔ کیونکہ وہی سب سے پہلے اس جنگ کے لئے تیار ہوئے تھے ۔ لیکن چونکہ وہ صحابی نہ تھے اور اس جمعیت میں بہت سے صحابہ شریک ہو گئے تھے اس وجہ سے لوگوں کو یہ اعتراض پیدا ہوئے کہ صحابہ رسولؐ کے ہوتے ہوئے غیر صحابہ کو کیوں امیر بنایا جائے ۔ حضرت عمرؓ نے اس تقرر میں تبدیلی کرنی مناسب نہ سمجھی مگر ابو عبیدہ کو تاکید کر دی کہ تمہارے ساتھ صحابہ ہیں ان کی بات سننا اور ان کو مشوروں میں شریک رکھنا ۔

اس زمانہ میں ایران کے تخت پر ملکہ آرزمی دخت تھی ۔ اس نے فارس کے ایک نامور سپہدار رستم کو کل فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ۔ اور جنگ کے تمام اختیارات اس کے سپرد کر دیے ۔ رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے دیہاتوں میں ہر طرف اپنے آدمیوں کو بھیج کر ایرانیوں کو مذہبی اور قومی حمیت کا جوش دیا اور مسلمانوں سے برگشتہ کر دیا ۔ یہاں تک کہ فرات کے سواحل کے علاقے جو اسلامی قبضے میں آچکے تھے پھر ہاتھ سے نکل گئے ۔ ایران سے دو فوجیں نرسی اور جابان کی ماتحتی میں روانہ ہوئیں ۔ جابان نمارق میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا ۔ ابو عبیدہ نے آگے بڑھ کر پہلے ہی حملہ میں اس کو شکست دے دی ۔

جابان کو قبیلہ ربیعہ کے ایک معمولی عرب نے جو اس کو پہچانتا بھی نہ تھا گرفتار کر لیا ۔ جابان نے اس سے کہا کہ میں بڈھا ہوں تمہارے کس کام آؤں گا اگر تم مجھے امان دے دو تو میں تم کو دو جوان غلام دوں گا ۔ اس نے امان دے دی ۔ لوگوں نے جب اس کو دیکھا تو پہچان لیا کہ یہی سالار فوج ہے پکڑ ابو عبیدہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس نے فریب دے کر امان لے لی ہے ایسے دشمن کو ہم نہیں چھوڑ سکتے ۔ ابو عبیدہ نے کہا جب ایک مسلمان اس کو امان دے چکا ہے تو اب بد عہدی کسی صورت جائز نہیں ہے ۔ اس کے بعد اس کو اس کی فرودگاہ تک پہنچا دیا ۔ ایرانیوں کی یہ شکست خوردہ فوج مقام کسکر میں نرسی کے لشکر میں جا کر شامل ہو گئی ۔ ابو عبیدہ اس طرف بڑھے اور مقام سقاطیہ میں لڑ کر اس کو ہزیمت فاش دی ۔

اس اطراف کے روساء اور دہاقین ابو عبیدہ کے مطیع ہوگئے ۔ ایک دن بطور تحفہ کے انکے لئے قسم قسم کے کھانے پکوا کر لائے لیکن انہوں نے کہا کہ یہ فوج جو خون بہانے میں میرے ساتھ شریک ہے بلا اس کی شرکت کے میں تنہا کوئی چیز نہیں کھا سکتا ۔ رستم کو جب اس شکست کی خبر ملی تو اس نے بہم جادویہ کے ہمراہ پھر ایک فوج بھیجی اور اس کو درفش کاویانی جو ایرانیوں کے نزدیک فتح کا نشان تھا اور فریدون کے وقت سے خزانہ میں بطور تبرک کے محفوظ تھا عطا کیا ۔ فرات کے مشرقی ساحل پر یہ فوج اتری ۔ دوسری جانب اسلامی لشکر تھا ۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آؤ یا ہم کو اس طرف آنے دو ۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ ہم خود اس طرف چل کر لڑیں گے ۔ سرداران فوج نے جن میں مثنیٰ وغیرہ بھی تھے ، ان کی رائے سے اختلاف کیا ۔ اور کہا کہ اس صورت میں ہماری فوج تباہ ہو جائے گی ۔ لیکن ابو عبیدہ نے نہیں مانا بالآخر کشتیوں کا پل باندھ کر اسلامی فوج دریا کے اس پار گئی ۔

ایرانی لشکر میں بہت سے دیو پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے بندھے ہوئے تھے ۔ عربی گھوڑے ان کو دیکھ کر ٹھہر نہ سکے ۔ مجبوراً عرب گھوڑوں پر سے کود کر پیادہ ہوگئے ۔ ہاتھیوں کے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر سواروں کو خاک پر گرادیا ۔ خود ابو عبیدہ فیل سفید پر جو سب سے بڑا تھا حملہ آور ہوئے تلوار سے اس کی سونڈھ پر وار کیا ۔ اس نے بڑھ کر ان کو گرا دیا اور سینہ پر پاؤں رکھ دیا جس سے پسلیاں چور چور ہو گئیں ۔ ایرانی چیرہ دستی کے ساتھ بڑھے چلے آتے تھے اور مسلمان پیچھے ہٹ رہے تھے ۔ بنی ثقیف کے ایک شخص نے اس نیت سے کہ مسلمان واپسی کا خیال چھوڑ دیں اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑیں جا کر پل کی رسیاں کاٹ دیں ۔ اب جو مسلمان ہٹتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے تو پل موجود نہیں تھا ۔ تقریباً چار ہزار آدمی دریا میں غرق ہوگئے ۔ یہ دیکھ کر مثنیٰ دیوار آہن کی طرح ایرانیوں کے مقابلے میں جم گئے اور ان کو روکے رکھا ۔ پھر پل بندھوایا اور بقیہ فوج کو پار اتار لائے لیکن نو ہزار میں سے صرف تین ہزار بچے تھے ۔ اس واقعہ کو دیکھ کر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ابو عبیدہ کا رؤسا فوج کی رائے سے مخالفت کرنا جو کارآزمودہ تھے مناسب نہ تھا ۔ اسی کے ساتھ دوسری غلطی عبداللہ بن مرثد ثقفی سے ہوئی جس نے پل کاٹ کر واپسی کا راستہ بند کر دیا ۔ اگر مثنیٰ ثابت قدمی کے ساتھ نہ جم گئے ہوتے تو یقیناً تمام اسلامی فوج میں سے کوئی نہ بچتا۔

یہ خبر جس وقت حضرت عمرؓ کو ملی تو انہوں نے مسلسل فوجیں مثنیٰ کی امداد کے لئے روانہ کیں ۔ جریر بن عبداللہ کو ان کے قبیلہ کے لوگوں کا سردار بنا کر بھیجا ۔ خود مثنیٰ نے بھی عراق سے ایک فوج مرتب کی اور یہ سارا لشکر بویب میں جمع ہوا ۔ رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہران کو جس نے عرب میں تربیت پائی تھی منتخب فوجیں دے کر روانہ کیا ۔ وہ بھی بویب کے متصل پہنچ کر فروکش ہوا ۔ دریائے فرات دونوں فوجوں کے درمیان حائل تھا ۔ مہران نے مثنیٰ کو لکھا کہ یا ہم کو اس پار آنے دو یا تم خود اس پار آجاؤ ۔ چونکہ واقعہ جسر کی یاد ابھی تازہ تھی ۔ اس لئے یہ جواب دیا گیا کہ تم خود اس طرح آجاؤ ایرانی دریا کو عبور کر کے صف آرا ہوئے ۔ مثنیٰ نے ان کے مقابلے میں خالدیہ طریقہ پر اپنے لشکر کو ترتیب دیا ۔

اسلامی فوج میں قاعدہ یہ تھا کہ سردار تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا تھا پہلے نعرہ پر فوج مستعد ، دوسرے پر آمادہ پیکار اور تیسرے پر حملہ آور ہوتی تھی ۔ مثنیٰ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ دوسری ہی تکبیر پر صف سے آگے بڑھنے لگے پوچھا کہ کیا بات ہے ۔ لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ واقعہ جسر میں بھاگے تھے ۔ آج اس کے کفارہ میں شہادت چاہتے ہیں ۔ مثنیٰ نے نیزہ سے ان لوگوں کو دبایا ۔ اور کہا کہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ ۔ دشمن جب آئیں تو ان کو روکو اور بلا وجہ جان نہ دو ۔ ان لوگوں نے کہا جب تک ہم اپنی جانیں راہ حق میں نہ دے دیں اس وقت تک گناہ پاک نہیں ہو سکتے پھر وہ صف میں اپنی جگہ پر آگئے ۔ لیکن بالآخر شہادت حاصل کی ۔ یہ جنگ نہایت خونریز تھی ۔ ایرانی قومی حمیت کے خیال سے بہت جوش و خروش کے ساتھ لڑے ۔ لیکن مسلمان ان کے حملہ میں ثابت قدم رہے ۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ مہران کے میمنہ پر حملہ کیا اور اس کو شکست دیتے ہوئے قلب تک پہنچ گئے ۔ ایرانی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگے ۔ مثنیٰ نے آگے بڑھ کر پل توڑ دیا ۔ جب ایرانیوں نے دریا کی طرف راستہ نہ پایا تو پشت پھیر کر دوسری

طرف رخ کیا ۔ مسلمان تعاقب کر کے دور تک ان کو قتل کرتے چلے گئے ۔ قبیلہ تغلب کے ایک شخص نے مہران کو مار ڈالا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر پکارا کہ میں نے عجمی سپہ سالار کا کام تمام کر دیا ہے ۔

اس موقع پر مثنیٰ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انہوں نے فوج کے سامنے اقرار کیا کہ ایرانیوں کو روکنے کے لئے میں نے آگے بڑھ کر جو پل کاٹ دیا تھا ۔ یہ اصول جنگ کے خلاف تھا ۔ گو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانیوں سے ہم کو فتح دے دی ۔ لیکن آئندہ اس امر کی احتیاط کرنی چاہیے اور جب تک فراریوں کے روکنے کی پوری قوت موجود نہ ہو اس طرح پر ان کے راستے میں پیش قدمی نہیں کرنی چاہیے ۔

قادسیہ

اس شکست پر ایران میں کہرام مچ گیا اور وہاں کے امراء اور رؤسا مدائن مجتمع ہوئے ۔ انہوں نے کہا کہ عورت کی حکومت اور باہمی اختلاف کا نتیجہ یہی ہوا کرتا ہے ۔ رستم اور فیروز سے جو ایران کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے اور آپس میں دشمنی رکھتے تھے کہا کہ اگر اب بھی تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم پہلے تمہارا خاتمہ کر دیں گے ۔ وہ بھی موقع کی اہمیت کو سمجھے اور نزاع کو چھوڑ کر متحد ہو گئے ۔ آرزمی دخت کو تخت سے اتارا اور اس کی بجائے یزدگرد کو جو اکیس برس کا تھا بادشاہ بنایا ۔ اس کی تخت نشینی سے سلطنت کا سہارا پا کر عراق کے سرحدی مرزبان جن کو مسلمان فتح کر چکے تھے پھر باغی ہو گئے ۔ حضرت عمرؓ نے یہ حالات سنے تو مثنیٰ کو لکھا کہ اپنی فوجوں کو جمع کر کے عرب کی سرحد کی طرف آجاؤ اور خود فوجی تیاری میں مصروف ہوئے ۔ تمام قبائل عرب میں فرمان بھیجا کہ جہاں کہیں کوئی بہادر شہسوار ، صاحب رائے شاعر یا خطیب ہو اس کو فوراً میرے پاس بھیجو ۔ اس حکم کی تعمیل میں قبائل عرب سے ایک انبوہ کثیر آکر مدینہ کے گرد جمع ہوا ۔

حضرت عمرؓ نے مقدمہ پر حضرت کو میمنہ پر حضرت زبیر کو اور میسرہ پر حضرت عبدالرحمن بن عوف کو مقرر فرمایا ۔ چاہتے تھے کہ خود اس فوج کو لے جا کر ایرانیوں سے مقابلہ کریں لیکن مدبرین صحابہ نے ان کو روکا ۔ لہذا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اس کا سپہ سالار بنایا ۔

حضرت سعدؓ شجاعت میں بہت نامور تھے ۔ لیکن ان کی جنگی تدابیر پر زیادہ اعتماد نہ تھا اس لئے احتیاطاً لشکر کی مہمات زیادہ تر اپنے اختیار میں رکھیں ۔ حضرت سعدؓ فوج کو لے کر روانہ ہوئے اور مقام زرود میں پہنچ کر اس کا شمار کیا تو یہ تیس ۳۰ ہزار تھی ۔ اسے باقاعدہ مرتب کیا اور مختلف دستے بنا کر ان کے الگ الگ امراء مقرر کئے ۔ شراف میں پہنچے تو وہاں حضرت عمر کا حکم ملا کہ قادسیہ جا کر قیام کرو ۔ اس مقام سے ایران کا پایہ تخت مدائن تین منزل تھا ۔ مثنیٰ جن کو لڑائی میں سخت زخم آگیا تھا بستر مرگ پر سعد کے انتظار میں تھے قادسیہ میں پہنچ کر حضرت سعدؓ کو معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گئے لیکن یہ وصیت کر گئے ہیں کہ ایرانیوں سے جنگ ان کی سرحد میں کی جائے ۔ اور قیام عربی سرحد کے قریب رکھا جائے تاکہ فتح ہو تو آگے بڑھتے چلے جائیں ورنہ اپنے ملک میں محفوظ رہیں ۔

حضرت عمرؓ کے یہاں سے متواتر خطوط سعدؓ کے نام آتے رہتے تھے ۔ یہ بھی فرمان پہنچا کہ قادسیہ کی سرزمین اور غنیم کی فوجوں کا حال لکھو ۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری ہدایتیں اسی سبب سے نہیں لکھیں ہیں کہ مجھ کو موقع اور دشمن کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ۔

حضرت سعدؓ نے اپنی فرودگاہ اور موقع جنگ وغیرہ کے مفصل حالات تحریر کئے اور لکھا کہ آرمینیہ کا رئیس رستم ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے ۔ اور اپنی سپاہ لئے ہوئے مقام ساباط میں خیمہ زن ہے ۔ دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ جنگ سے پیشتر چند عقیل و فہیم مسلمانوں کو دربار ایران میں بھیجو تاکہ وہ دعوت اسلام دیں ۔ حضرت سعد نے چودہ منتخب اشخاص کو بھیجا ۔ یہ لوگ مدائن میں پہنچ کر شاہ یزدگرد کے دربار گئے ۔ اس نے ان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے دربار کو نہایت ساز و سامان کے ساتھ سجایا تھا ۔ یہ لوگ عربی

قاعدے کے مطابق موزے پہنے اور ہاتھوں میں تازیانے لئے دربار میں داخل ہوئے ۔ ان کی اس ہیبت سے ارکان سلطنت اور خود بادشاہ پر خوف چھا گیا ۔ ترجمان کے توسط سے گفتگو ہوئی ۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں گھس آئے ۔ نعمان بن مقرن نے جو وفد سفارت کے سرگروہ تھے جواب میں عرب کی قدیم جہالت اور ان کے اسلام لانے کا حال بیان کیا ۔ پھر کہا کہ ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی اقوام قریبی سے دین کی تبلیغ شروع کریں ۔ ہم دو چیزیں پیش کرتے ہیں یا تو اسلام لاؤ یا جزیہ دو ۔ اگر اسلام لاؤ گے تو ہم کتاب اللہ تمہارے حوالہ کریں گے کہ اس کے مطابق چلو اور تم کو اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں گے ۔ اور اگر جزیہ دے کر ہماری حمایت میں آنا چاہتے ہو تو ہم یہ بھی منظور کر لیں گے اور تمہاری حفاظت ہمارے ذمہ ہوگی ورنہ جنگ کریں گے ۔ یزدگرد نے کہا کہ دنیا میں کوئی قوم تم سے زیادہ کمزور اور بدبخت نہ تھی جب تم ہم سے بغاوت کرتے تھے تو ہم سرحد کے کسی رئیس کو لکھ بھیجتے تھے وہ تم کو ٹھیک کر دیتا تھا ۔ اب بھی ہم سے لڑائی سے باز آجاؤ اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تم ہمارے مقابلے میں ٹھہر سکتے ہو ۔ دو چار فتوحات جو تم کو حاصل ہو گئی ہیں اس سے دھوکے میں نہ آؤ ۔ اگر تم نے مفلسی یا قحط سالی کی وجہ سے یہ غارت گری شروع کی ہے تو ہم تم کو کچھ دینے کے لئے بھی راضی ہیں اور تمہارے اوپر ایک ایسا حکمران مقرر کر دیں گے جو مہربانی کا سلوک کرے گا۔

یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے لیکن مغیرہ بن زرارہ سے نہ رہا گیا انہوں نے کہا کہ یہ میرے ساتھی شرفاء عرب ہیں ۔ حلم اور وقار کی وجہ سے زیادہ گفتگو پسند نہیں کرتے ۔ مگر آپ نے جو کچھ فرمایا اس کے جواب میں کچھ عرض کرتا ہوں ۔
یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہم ایسے ہی تھے ۔ جیسا کہ آپ نے کہا ہم سے زیادہ بدبخت اور گمراہ کوئی قوم نہ تھی ۔ ہماری مفلسی کا یہ حال تھا کہ ہم سانپ ، بچھو ، حشرات الارض تک کو کھا جاتے تھے ۔ زمین کی پشت ہمارا نشیمن تھی اور اونٹ کا اون ہمارا لباس ۔ ہم ایک دوسرے کو لوٹتے اور اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک میں ایک نبیؐ پیدا کیا جو حسب و نسب اور اخلاق و عادات میں ہم سے ممتاز تھا ۔ اول اول ہم نے اس کو جھٹلایا اور مخالفت کی لیکن رفتہ رفتہ ہم اس کی بات ماننے لگے ۔ وہ جو کچھ کرتا تھا اللہ کے حکم سے کرتا تھا اور جو کچھ کہتا تھا اللہ کے حکم سے کہتا تھا اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس دین کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں ۔ جو اس کو مان لے اس کا وہی حق ہے جو ہمارا حق ہے ۔ اور جو نہ مانے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے تو ہمارے اوپر اس کی حفاظت فرض ہے ۔ مگر جو اس سے بھی انکار کرے اس کے لئے تلوار ہے ۔ اب اگر آپ چاہیں تو جزیہ دے کر اسلام کی حمایت میں آجائیں اور نہیں تو تیغ آزمائی کریں اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں کہ آپ کی جان اور سلطنت محفوظ رہے ۔ یزدگرد نے برافروختہ ہو کر کہا کہ کیا تم نے ان الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ جس نے ہم کو مخاطب کیا تھا وہی ہمارا بھی مخاطب ہے یزدگرد بولا کہ اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو میں تم کو نہ چھوڑتا ۔ جاؤ میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے ۔ اپنے سردار سے کہہ دینا کہ رستم آرہا ہے وہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر ڈالے گا ۔ رستم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی ۔ وہ آگے بڑھ کر نجف میں خیمہ زن ہوا اسلامی فوج اس کے بالمقابل تھی ایک عرصہ تک وہ لڑائی کو ٹالتا اور کوشش کرتا رہا کہ کوئی صورت صلح کی پیدا ہو جائے لیکن نہ ہو سکی ۔ حضرت سعدؓ نے غنیم کی فوجوں کے حالات دریافت کرنے کیلئے بہت سے جاسوس مقرر کر رکھے تھے ۔ انہیں میں سے ایک شخص طلحہ رات کے وقت ایرانی لباس میں رستم کی فوج میں گئے ایک نہایت بیش قیمت گھوڑا بندھا ہوا تھا اس کو کھول کر خود اس پر سوار ہو گئے اور اپنے گھوڑے کو اس کے بجائے باندھ دیا ۔ وہ ایک سردار کا گھوڑا تھا جب اس کو پتہ لگا تو دو سواروں کو لے کر ان کے پیچھے دوڑا ۔ نزدیک پہنچ کر نیزا مارا انہوں نے وار خالی دیا اور پھرتی کے ساتھ پلٹ کر اس کے سینے میں ایسا برچھا مارا کہ وہ فوراً ہلاک ہو گیا ۔ اس کے ساتھیوں میں سے بھی ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کو پکڑ لائے وہ مسلمان ہو گئے اور ان کا نام مسلم رکھا گیا ۔ ان کے ذریعے سے ایرانی فوج کے مخفی حالات مسلمانوں کو معلوم ہو گئے ۔ مسلم آخر تک

تمام معرکوں میں شریک رہے اور نہایت خلوص کے ساتھ جانبازی کے جوہر دکھائے۔

محرم ۱۴ھ میں دونوں فوجیں میدان جنگ میں صف آراء ہوئیں۔ ایرانیوں کے پس پشت نہر عتیق اور مسلمانوں کے پیچھے خندق تھی۔ درمیان میں میدان جنگ تھا۔ حضرت سعد عرق النساء کی بیماری کی وجہ سے حرکت سے معذور تھے وہ میدان جنگ کے کنارے ایک قدیم قصر کے اوپر بیٹھ کر فوجوں کو لڑا رہے تھے۔ خالد بن عرفطہ کو محل کے نیچے کھڑا کر دیا تھا اور خود پرچوں پر حکم لکھ کر گولی بنا بنا کر اوپر سے پھینکتے جاتے تھے۔ خالد انہیں ہدایتوں کے مطابق فوجوں کو احکام پہنچاتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت سعد نے تین تکبیریں کہیں اور حملہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کو جو سب سے بڑی دشواری پیش آئی وہ ہاتھیوں کی تھی۔ ان کو دیکھ کر عربی گھوڑے بھاگنے لگے اور سواروں کے ساتھ پیدل فوج کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت سعد نے قبیلہ بجیلہ کے سردار طلحہ کو حکم دیا کہ ان ہاتھیوں سے مسلمانوں کو بچاؤ۔ طلحہ نے اپنے قبیلہ کو مخاطب کر کے کہا یارو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے ان لوگوں نے جوش میں آکر ہاتھیوں پر تیر برسائے اور ان کے سواروں کو گرادیا۔ بنی اسد کا قبیلہ بڑی مشکلوں سے ہاتھیوں کے ریلے سے بچایا گیا۔ تاہم ان میں سے پانچ سو آدمی ہلاک ہوگئے۔

میمنہ اور میسرہ نے بھی خفیف حملے کئے اور کسی قدر رات تک یہ لڑائی جاری رہی۔ اس روز بظاہر ایرانی غالب نظر آتے تھے۔ دوسرے دن مسلمان شہیدوں اور زخمیوں کو میدان سے اٹھا لائے۔ شہیدوں کو دفن کیا اور زخمیوں کو عورتوں کے حوالے کیا کہ مرہم پٹی کریں اس کے بعد لشکر کی صف آرائی کی۔ اسی اثنا میں شام کی طرف سے حضرت عمر کے فرمان کے مطابق وہ فوج جس کو حضرت خالد عراق سے لے گئے تھے امداد کے لئے آگئی۔ اس کے امیر ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد کے بھتیجے تھے۔ اس کے آجانے سے مسلمانوں کو تقویت پہنچ گئی۔ اس روز عربوں نے اونٹوں کو جھول اور برقعہ پہنا کر اس طرح کا مہیب بنایا تھا کہ جس طرف کا وہ رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بھاگ جاتے تھے۔ ان سے وہی آفت ایرانیوں پر نازل ہوئی جو پہلے دن ہاتھیوں سے مسلمانوں پر نازل ہوئی تھی۔ آدھی رات تک جنگ جاری رہی اور مسلمانوں کا پلہ بھاری معلوم ہوتا تھا۔ ایرانی سرداروں میں سے بہمن اور بزرجمہر قعقاع کے ہاتھ سے اور سیستان کا شہزادہ شہر براز اعود بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت ابو محجن جو ایک بہادر صحابی تھے اور ان کو شراب پینے کے الزام میں حضرت سعد نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا وہ اس لڑائی کو دیکھ کر جوش میں بیتاب ہوگئے اور سعد کی بیوی سلمہ سے کہا تم مجھے چھوڑ دو۔ میں جا کر جہاد کروں گا۔ اگر زندہ بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمٰی نے ان کو چھوڑ دیا۔ وہ حضرت سعد کے گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ لئے ہوئے میدان جنگ میں پہنچے اور للکار کر اس طرح دشمنوں پر گرے کہ ان کی صفیں الٹ دیں۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کون شخص ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے آکر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعد کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انہوں نے انکو رہا کر دیا اور کہا کہ جو شخص اس طرح اسلام کے اوپر اپنی جان نثار کر دے میں اس کو کبھی سزا نہیں دوں گا۔ ابو محجن نے کہا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

تیسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی تو پھر وہی ہاتھیوں کی مصیبت سامنے آئی۔ دو ہاتھی سب سے بڑے تھے ان میں سے ایک کی دونوں آنکھوں میں دو مسلمانوں نے ایک ساتھ نیزہ مارا اور تلوار سے اس کی سونڈ کو کاٹ دیا اس نے اس زور سے سر ہلایا کہ فیلبان نیچے گر پڑا۔ پھر وہ ہاتھی خود گر پڑا دوسرے ہاتھی کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی کیا وہ زخم کھا کر منہ موڑ کر نہر کی طرف بھاگا۔ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہوگئے اور ایرانیوں کی صفیں چیرتے ہوئے نکل گئے۔ اب مسلمانوں نے بے خوف ہو کر شدت کے ساتھ ایرانیوں پر دباؤ ڈالا۔ رات بھر برابر جنگ جاری رہی اور سوائے تلواروں اور گھوڑوں کی آوازوں کے اور کوئی چیز سنائی نہیں دیتی تھی۔ صبح کو قعقاع نے پکارا کہ فتح کے لئے ایک گھڑی کا صبر اور درکار ہے۔ مسلمان ثابت قدمی سے لڑتے رہے ظہر سے پہلے پہلے ایرانی فوج کے دونوں بازوؤں نے شکست کھائی۔ پھر مسلمان سیلاب کی طرح قلب کی طرف بڑھے اور درفش کادیانی چھین لیا۔ رستم اپنے تخت سے

اتر کر خود مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا لیکن زخم کھا کر بھاگا اور نہر میں کود کر چاہا کہ اس پار نکل جائے ۔ ہلال بن عرفہ نے پانی میں سے اس کو کھینچ کر قتل کر دیا ۔ اس جنگ میں ایرانی ہر چند نہایت پامردی سے لڑے لیکن مسلمانوں کے سامنے انکی کچھ پیش نہ گئی ۔ تیس ہزار کشتے میدان جنگ میں چھوڑ کر وہ بھاگے ۔ مسلمان شہداء کی کل تعداد آٹھ ہزار تھی ۔ حضرت سعد نے دربار خلافت میں فتح نامہ لکھا ۔

قادسیہ کی لڑائی کے متعلق حضرت عمر نہایت فکر مند رہتے تھے ۔ ہر روز صبح کو قاصد کے انتظار میں مدینہ سے باہر نکلتے اور دوپہر کو واپس جاتے جس روز ناقہ سوار فتح نامہ لے کر پہنچا تو مدینہ کے باہر راستہ ہی میں حضرت عمر اس سے ملے اور حالات پوچھنے لگے وہ سواری کو تیزی سے لئے آرہا تھا اور ان سے حالات کہتا جاتا تھا ۔ وہ پیچھے دوڑتے چلے آتے تھے شہر میں داخل ہونے پر جب ان کو لوگوں نے امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا اس وقت قاصد کو معلوم ہوا اس نے کہا اللہ رحم کرے آپ نے پہلے سے کیوں مجھے نہ بتلایا کہ میں رک جاتا ۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں پھر اس سے خط لے کر مجمع عام میں لوگوں کو سنایا ۔ اس کے بعد سعد نے دوسرا خط لکھا کہ میرے پاس بہت سے ایسے لوگ آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایرانی امراء نے ہمیں زبردستی پکڑ کر فوج میں بھرتی کر لیا ہم اپنی خوشی سے نہیں لڑتے تھے اور اب وہ امان کے طالب ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے ۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا انہوں نے کہا کہ جو لوگ امان چاہتے ہیں امان دے دی جائے اور جو گھر چھوڑ کر چلے گئے ہیں ان کو اختیار دیا جائے وہ چاہیں تو ذمی بن کر اپنے گھر میں آجائیں ۔

حضرت عمرؓ کو یہ خوف بھی تھا کہ مسلمانوں کے پس پشت ابلہ کی طرف سے عجمی کہیں آکر نہ ان کے اوپر حملہ کر دیں ۔ اس لئے مدینہ سے فوج کا ایک دستہ عتبہ بن غزوان کے ساتھ اس طرف روانہ کیا تاکہ وہ ایرانیوں کو اسلامی فوج کی طرف آنے سے روکے ۔ یہ لوگ اس مقام پر ٹھہرے جہاں اب بصرہ ہے اور ابلہ کو ۱۴ھ میں فتح کر لیا اس کے بعد بصرہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور اس کی آبادی شروع ہوئی ۔ قادسیہ میں حضرت سعد جب دو مہینے آرام کر چکے تو مقام برس کی طرف جہاں ہرمز شکست خوردہ فوجیں لئے ہوئے پڑا تھا بڑھے ۔ مسلمانوں کو ایرانیوں سے مال غنیمت میں اس قدر گھوڑے ملے تھے کہ بیشتر اسلامی فوج سوار تھی ۔ ہرمز زیادہ مقابلہ نہیں کر سکا اور بابل کی طرف بھاگ گیا ۔ وہیں تمام ایرانی لشکر جمع تھا ۔ جس کا سردار فیروز تھا ۔ سعد نے آگے بڑھ کر ایک حملہ میں اس کو شکست دیدی اور اس کے پیچھے زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں فوج روانہ کی ۔ مقام کوثی میں مقابلہ ہوا ایرانی فوج کا سپہ سالار شہریار خود میدان میں آیا ۔ زہرہ نے اس کے مقابلہ میں ایک غلام نابل کو بھیجا ۔ نابل نے اس کو قتل کر دیا ۔ بابل کے مرزبانوں نے حضرت سعدؓ سے آکر صلح کر لی ۔ پھر وہ کوثی ہوتے ہوئے بہرہ شیر کی طرف روانہ ہوئے ۔ دو مہینہ تک اس کا محاصرہ کیا اس دوران میں اس اطراف کے رئیسوں سے بھی عہد نامے کئے ۔

ایرانی فوج قلعہ سے کبھی کبھی نکل کر لڑتی تھی ۔ ایک دن سعد مستعد ہو کر نکلے زہرہ کی زرہ کی کڑیاں جابجا سے نکلی ہوئی تھی لوگوں نے کہا دوسری زرہ پہن لیجئے ۔ انہوں نے جواب دیا میں ایسا خوش نصیب کہاں ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری طرف آئیں اس روز پہلا تیر ان کو لگا لوگوں نے نکالنا چاہا تو بولے کہ نہ نکالو جب تک یہ جسم میں ہے اسی وقت تک میں بھی زندہ ہوں اسی حالت میں لڑتے ہوئے آگے بڑھے اور ایرانی فوج کے ایک سردار شہر براز کو قتل کیا ۔ ایرانی قلعہ میں بھاگ گئے اور بالآخر مصالحت کر لی ۔

مدائن

بہرہ شیر اور مدائن کے بیچ میں دریائے دجلہ حائل تھا۔ حضرت سعدؓ کو معلوم ہوا کہ یزدگرد مدائن کے تمام ذخیرے منتقل کر رہا ہے اس لئے عجلت کے ساتھ بڑھے ۔ ایرانیوں نے پل توڑ ڈالا تھا ۔ حضرت سعد نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا ۔ ان کو دیکھ کر کل مسلمانوں نے بھی اپنے گھوڑے ڈال دیے ۔ دریا موجیں مار رہا تھا لیکن اسلامی فوج رکاب سے رکاب ملائے آپس میں باتیں کرتی ہوئی

پار نکل آئی اس کی ترتیب میں بھی فرق نہیں آیا۔ ایرانی کنارے پر کھڑے ہوئے تماشہ دیکھ رہے تھے انہوں نے کہا یہ انسانوں کا کام نہیں ہے۔ وہ چلا اٹھے کہ "دیو آمدند" مدائن کی فوج میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ یزدگرد اپنے اہل عیال کو لے کر حلوان کی طرف بھاگا جو رہ گئے تھے انہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ ایوان کسریٰ میں شکرانہ کی نماز پڑھی گئی پھر جمعہ کی نماز بھی اسی میں ادا کی گئی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں مسلمانوں نے پڑھا۔

حضرت سعد نے ان تمام مورتیوں کو جو شاہی محل میں تھیں بدستور رہنے دیا۔ اور ان کے توڑنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد سازو سامان اور ذخیرے فراہم کئے گئے۔ اس میں سے پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا جس میں ایک فرش ساٹھ گز لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا۔ اس میں بہاریہ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ قسم قسم کے درخت اور گل بوٹے زرو جواہرات کے تھے۔ بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ یہ محفوظ رکھا جائے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی مخالفت کی۔ آخر اس کے پرزے پرزے کر کے تقسیم کر دئے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقدس زمانہ میں زخارف دنیوی کس قدر لغو اور فضول خیال کئے جاتے تھے۔

جلولاء

ایرانیوں کی ہزیمت خوردہ فوج جب جلولاء میں پہنچی تو امراء نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر آج ہم سب لوگ منتشر ہو گئے تو پھر اجتماع نہ ہو سکے گا اور یہی جگہ ہے جہاں سے مختلف صوبوں کے لوگ متفرق ہو سکتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہاں جم کر عربوں سے ایک آخری لڑائی لڑیں۔ اگر کامیاب ہوئے تو ملک کو بچالیں گے نہیں تو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے۔ یہ سوچ کر مورچہ بندی کی اور اردگرد خندق کھود کر اس کے چاروں طرف کانٹے اور گوکھرو بچھا دیے صرف اپنی گزرگاہیں محفوظ رکھیں۔
حضرت سعد نے دربار خلافت کے حکم کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ وہ صرف ۱۶ھ مطابق مارچ ۶۳۷ء میں بارہ ہزار فوج لے کر جلولاء پہنچ گئے اور دشمنوں کا محاصرہ کیا ایرانی مورچہ سے کبھی نکل کر لڑتے تھے اور پھر اسی میں پناہ گزین ہو جاتے تھے۔ ان کے پاس سامان رسد جمع تھا۔ علاوہ ازیں یزدگرد حلوان سے سلسلہ وار کمک اور خوراک بھیجتا تھا۔ مسلمانوں نے محاصرہ سے تنگ آکر ایک دن دل توڑ کر حملہ کیا اور ان کی خندقوں میں گھس گئے حملہ آوروں میں سب سے آگے قعقاع تھے۔ ایرانی بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور غنیم کا خانقین تک تعاقب کیا۔ یزدگرد نے جب اس شکست کی خبر سنی تو حلوان چھوڑ کر رے کی طرف چلا گیا۔ قعقاع نے پہنچ کر حلوان پر قبضہ کر لیا اور وہاں فوج کا ایک دستہ متعین کر دیا کہ سرحد کی حفاظت کرے کیونکہ یہ مقام کوہستانی اور میدانی علاقوں میں حد فاصل تھا۔

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مسلمان اپنی فتوحات کو سواد عراق تک محدود رکھیں۔ ایک خط میں انہوں نے لکھا بھی تھا کہ کاش ہمارے اور غنیم کے درمیان ایسی دیوار حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے نہ وہ ہماری طرف۔ مجھے مسلمانوں کی سلامتی مال غنیمت سے زیادہ عزیز ہے۔ حضرت سعد نے اپنے کاتب زیاد کے ہمراہ خمس غنیمت مدینہ کو روانہ کیا۔ زیاد نے حضرت عمرؓ سے مفصل حالات بیان کئے۔ وہ ان کی فصاحت سے خوش ہوئے اور پوچھا کہ مجمع عام میں اسی طرح بیان کر سکتے ہو۔ زیاد نے کہا کہ دنیا میں کسی شخص کا رعب میرے اوپر اتنا نہیں ہے جتنا آپ کا۔ جب میں نے آپ کے سامنے بیان کر لیا تو اوروں کے سامنے کیوں نہ بیان کر سکوں گا۔ چنانچہ انہوں نے مجمع عام میں تمام حالات جنگ سنائے اس وقت شام ہو گئی تھی اس لئے مال غنیمت رکھ دیا گیا۔ صبح کو تقسیم ہوا درہم اور دینار کے علاوہ جواہرات کے ڈھیر تھے۔ حضرت عمر ان کو دیکھ کر رو دئے۔ لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا جس قوم میں دولت آتی ہے ساتھ ہی رشک و حسد بھی آتے ہیں۔ سعد نے مدائن سے عبداللہ بن معتم کے ہمراہ ایک فوج تکریت کی طرف روانہ کی۔ وہاں ایرانی جمع تھے اور اردگرد خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ مسلمانوں نے چالیس روز تک محاصرہ رکھا اس درمیان میں چوبیس حملے کئے اور ہر ایک میں کامیاب رہے۔

ایرانیوں کے ساتھ نصارائے عرب بھی شریک تھے ۔ انہوں نے ابن معتم سے صلح کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ جب تم ہماری تکبیر سننا تو خود اللہ اکبر کے نعرے لگا دینا ۔ دوسرے دن جب مسلمانوں نے خندق کی طرف ہجوم کیا اور تکبیر پکاری تو ان نصاریٰ نے بھی ادھر سے تکبیر کے نعرے لگائے ۔ ایرانیوں کو یہ شبہ ہوا کہ پیچھے سے بھی مسلمان آگئے ہیں ۔ اس لئے وہ بھاگتے ہوئے ادھر آئے جدھر ابن معتم کی فوج تھی ۔ مسلمان ٹوٹ پڑے اور بےشمار ایرانی قتل ہوئے ۔ مدائن سے ایک دوسرا دستہ حضرت عمرؓ کے بھائی ضرار بن خطاب کی ماتحتی میں ماسبدان کی طرف گیا اور اس شہر کو فتح کیا ۔ عمر بن مالک بھی تھوڑی سی فوج لئے ہوئے ہیت اور قرقیسا کی طرف گئے اور ان مقاموں پر قبضہ کیا ۔ اطراف و دیار کے باشندوں نے آکر جزیہ پر مصالحت کی ۔ تمام خطہ عراق میں امن قائم ہو گیا ۔ انتظام کے لئے عمال مقرر کردئے گئے اور رعایا اطمینان کے ساتھ اپنے کاروبار میں معروف ہو گئی ۔ سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھی جابجا فوجیں متعین کر دی گئیں ۔

آبادی کوفہ

عراق سے جو لوگ مدینہ آتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے رنگ کو متغیر اور ان کے جسم کو کمزور پاتے تھے ۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سواحل دجلہ کی آب و ہوا اہل عرب کو راس نہیں آئی اس لئے سعد کو حکم دیا کہ سلمان اور حذیفہ کو بھیجو کہ وہ دریائے فرات کے مغرب میں کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جو عربوں کے لئے مناسب ہو اور میرے اور ان کے درمیان پانی اور پل حائل نہ ہو ۔ سعد نے ان دونوں آدمیوں کو روانہ کیا وہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں کوفہ آباد کیا گیا ۔ یہ ریتلی زمین تھی جس میں سنگ ریزے ملے ہوئے تھے ۔ ان لوگوں نے اس کو پسند کیا ۔ وہیں نماز پڑھی ، دعا کی اور سعد کو مطلع کیا انہوں نے خلیفہ کو لکھا ۔ حکم آیا کہ فوجیں لے کر اسی مقام پر چلے جاؤ ۔ وہ سب کو ساتھ لے کر محرم ۱۷ھ مطابق جنوری ۶۳۸ء کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر قیام کیا ۔

حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ فوج خیموں میں رہے پھر انہوں نے چھپر بنانے کی اجازت دے دی ۔ مگر ایک بار آتشزدگی کا حادثہ ہوا جس سے سخت نقصان ہو گیا اس لئے ابو الہیاج کو بھیجا کہ وہ اینٹ اور گارے سے شہر کے مکانات تعمیر کرائیں ۔ پہلے بیچ میں ایک جامع مسجد بنائی گئی جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے ۔ اس کے چاروں طرف بقدر ایک ایک تیر کے سپٹ کے لئے زمین چھوڑ کر شہر کی تعمیر شروع کی گئی ۔ بڑی سڑکیں چالیس ہاتھ درمیانی تیس ہاتھ اس سے چھوٹی بیس ہاتھ اور گلیاں سات ہاتھ عرض کی رکھی گئیں مسجد سے ملحق دو سو ہاتھ لمبا ایک سائبان بنایا گیا جس میں سنگ سرخ کے ستون ایوان کسریٰ سے لاکر لگائے گئے ۔ حضرت عمرؓ نے باوجود اس کے کہ ان ستونوں کا کوئی وارث نہ تھا ان کی قیمت ایرانی رعایا کے جزیہ میں مجرا کر دی۔ اسی کے ساتھ بیت المال تھا جس کے سامنے حضرت سعد کے لئے ایک مکان بنایا گیا ۔ بصرہ میں اگرچہ مسلمان ۱۴ھ میں آگئے تھے لیکن اس کی آبادی بھی کوفہ کے ساتھ اور اسی روش پر ہوئی ۔ اس وقت سے یہ دونوں مقامات فوجوں کے مرکز مقرر کئے گئے جہاں سے مشرقی مہمات کے لئے لشکر بھیجے جاتے تھے

جزیرہ

خلیفہ کے حکم سے کوفہ سے فوج کے تین دستے روانہ کئے گئے ۔پہلا سہیل بن عدی کی ماتحتی میں رقہ کی طرف دوسرا عبداللہ بن عتبان کے ساتھ نصیبین کو ۔ تیسرا عتبہ بن ولید کے ہمراہ جزیرہ کے عربی باشندوں کو دبانے کے لئے ان تینوں لشکروں کے سپہ سالار عام حضرت عیاض بن غنم تھے ۔ ان فوجوں کے بھیجنے سے حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ جزیرہ سے جو عیسائی عرب حمص میں جا کر رومی فوجوں کے ساتھ شریک ہو رہے ہیں وہ نہ جا سکیں ۔ چنانچہ جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کے دیار پر لشکر کشی ہوئی ہے تو واپس آ گئے اور شام کی اسلامی فوجوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا ۔ عیاض جب مقام رہا میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے جزیہ پر صلح کر لی ۔ حران والوں نے

بھی یہی کیا پھر نصیبین فتح ہوا ۔ جزیرہ میں جو عرب بستے تھے ان میں سے بیشتر اپنی زمینیں چھوڑ کر رومی علاقوں میں چلے گئے تھے ۔ ان کی تحریروں سے معلوم ہوا کہ واپس آنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ اس کو وہ ذلت سمجھتے تھے ۔ البتہ صدقہ کے نام سے دوسرے لوگوں سے دگنا دے دیں گے ۔ چونکہ مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ عربوں کو نفرت نہ دلائی جائے ۔ اس لئے خلیفہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ ان سے صدقہ ہی کے نام سے لیا جائے اور جزیہ کا ذکر نہ کیا جائے ۔

فتح اہواز

خوزستان کا سب سے بڑا شہر اہواز حدود بصرہ پر واقع تھا وہاں ہرمزان اپنی فوجیں لئے ہوئے پڑا تھا جو کبھی کبھی اسلامی مقبوضہ میں بڑھ کر غارت گری کرتی تھیں ۔ امیر بصرہ عتبہ بن غزوان نے ان پر فوج کشی کرنے کے لئے حضرت سعد سے امداد طلب کی ۔ انہوں نے کمک بھیجی ایرانی فوجوں نے مقابلہ میں شکست کھائی ۔ ہرمزان نے اہواز اور مرجان کا علاقہ مسلمانوں کے حوالہ کر کے صلح کر لی ۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے معاہدہ کو توڑ کر کردوں کو ساتھ لے کر چڑھائی کی ۔ عتبہ نے حضرت عمر کو اطلاع دی ۔ انہوں نے متواتر فوجیں بھیجیں جو اہواز کے پل کے متصل ہرمزان کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں ۔ وہ ہزیمت اٹھا کر بھاگا ۔ حضرت عمر کو یہ خیال ہوا کہ ہرمزان نے عہد شکنی کہیں اس خیال سے نہ کی ہو کہ مسلمانوں نے اہل ذمہ پر سختی کی ہو اس لئے عتبہ کو فرمان بھیجا کہ تم معتبر لوگوں کی ایک جماعت جس میں دس آدمی کوفہ کے بھی ہوں میرے پاس بھیجو تاکہ میں ان سے اصلی کیفیت دریافت کروں ۔ عتبہ نے اس کی تعمیل کی اور وفد روانہ کیا ۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ مسلمان اہل ذمہ پر ظلم تو نہیں کرتے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ مطلق نہیں ۔ مسلمانوں کا برتاؤ قابل تعریف ہے ۔ انہوں نے وفد کو واپس کیا اور عتبہ کو لکھا کہ لوگوں پر تاکید رکھو کہ وہ ظلم اور بیوفائی سے بچیں ۔ ہم کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ وفائے عہد سے دیا ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ پھر یہ نعمتیں ہم سے چھین لے ہم اس کے حکم کے مطابق چلیں گے تو ہماری مدد کرے گا ۔

فارس پر حملہ

حضرت علاء بن حضرمی بحرین کے امیر حضرت سعد بن وقاص کے حریف تھے ۔ خلیفہ اول کے وقت میں فتوحات ردت میں انہوں نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کی تھی ۔ ادھر مہم عراق اور خاص کر قادسیہ کی فتح سے جب حضرت سعد کی شہرت اور عظمت زیادہ ہو گئی تو ان کو رشک پیدا ہوا ۔ انہوں نے چاہا کہ میں بھی اہل عجم کے مقابلہ میں کوئی ایسا کار نمایاں انجام دوں کہ میرا رتبہ سعد سے کم نہ رہے ۔ یہ سوچ کر دربار خلافت کی منظوری کے بغیر ہی بحرین سے کشتیوں پر فارس کی طرف ایک فوج بھیجی ۔ جب کنارے پر اتر کر اصطخر کی طرف بڑھتی تو اہل فارس نے آکر گھیر لیا ۔ یہ لوگ لڑتے ہوئے آگے نکل آئے چونکہ فارسی لشکر ان کے اور کشتیوں کے درمیان حائل ہو گیا ۔ اس لئے مجبوراً خشکی کی راہ سے بصرہ کی طرف چلے ۔ ادھر ایک ایرانی مرزبان شہرک راستہ روکے ہوئے پڑا تھا ۔ اس وجہ سے رک گئے ۔ حضرت عمر کو جس وقت یہ اطلاع ملی تو ناراض ہو کر علاء بن حضرمی کو معزول کر دیا اور جو امران کے اوپر سب سے زیادہ شاق تھا اسی کا حکم دیا یعنی یہ کہ کوفہ میں جا کر سعد بن ابی وقاص کی ماتحتی میں رہیں اور عتبہ بن غزوان والی بصرہ کو فرمان بھیجا کہ لشکر روانہ کر کے ان مسلمانوں کو جن کو علاء بن حضرمی نے تری کی راہ سے بھیجا اور خشکی میں محصور ہو گئے ہیں دشمنوں کے زرغہ سے نکالیں ۔ عتبہ نے بارہ ہزار سپاہی ابو سبرہ کی ماتحتی میں بھیجے وہ ساحل کے راستے سے گئے ۔ شہرک کو شکست دی محصورین کو ساتھ لے کر بصرہ واپس آئے اور وہاں سے ان کو بحرین پہنچا دیا ۔

رامہرمز و تستر

بادشاہ یزدگرد رے سے جا کر مرو میں مقیم ہوا اور وہاں مجوسیوں کو عربوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا ۔ چنانچہ فارس اور

خوزستان کے رؤسا نے باہم مراسلت کر کے ایک جتھا باندھا اور اہل عرب کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے ۔ امراء سرحد نے خلیفہ کو ان باتوں کی اطلاع دی ۔ انہوں نے سعد کے نام فرمان بھیجا کہ ایک لشکر گراں نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں خوزستان کی طرف روانہ کرو ۔ نیز بصرہ کے والی کو بھی حکم لکھا کہ سہیل بن عدی کی ماتحتی میں تم بھی ایک فوج اس طرف بھیجو ۔ کوفہ اور بصرۃ کی ان دونوں فوجوں کے سپہ سالار عام ابو سیرہ مقرر کیئے گئے ۔ نعمان ہرمز کی طرف بڑھے ہرمزان نے شکست کھائی اور وہاں سے بھاگ کر تستر میں چلا گیا ۔ نعمان نے پہنچ کر تستر کا محاصرہ کیا ۔ بصرہ کی فوج بھی یہاں آگئی ۔ کئی مہینے تک محاصرہ رہا مسلمانوں نے دوران محاصرہ میں اسی (80) حملے کئے جن میں کبھی ایران اور کبھی مسلمان غالب رہتے تھے ۔ بالآخر مسلمانوں نے ایک رات کو اس نہر میں سے جو شہر میں سے گزرتی تھی داخل ہو کر فصیل کے دروازے کھول دیے اور شہر کے اندر گھس گئے ۔ ہرمزان نے اوپر کے برج سے پکارا کہ میں اس شرط پر اترنے کے لئے تیار ہوں کہ تم مجھے اپنے خلیفہ کے پاس بھیجو وہ میری بابت جو حکم دینگے میں اسی پر راضی ہوں ابو سیرہ نے اس کو ایک وفد کے ہمراہ مدینہ بھیج دیا ۔

حضرت عمرؓ اس وقت اکیلے مسجد میں سوئے ہوئے تھے ۔ ہرمزان یہ سمجھتا تھا کہ ان کا دربار بڑی شان و شوکت کا ہوگا ۔ پوچھا کہ بادشاہ کہاں ہے ۔ لوگ اس کو مسجد میں لے گئے ۔ اس نے دیکھا کہ نہ دربان ہے نہ پاسبان اور وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہیں پوچھا کہ کیا یہ نبیؐ ہیں ۔ لوگوں نے کہا کہ نبی تو نہیں ہیں لیکن نبی کے طریقے پر چلتے ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے ترجمان کے توسط سے گفتگو شروع کی ۔ فرمایا کہ تم نے اپنی بے وفائیوں اور بد عہدیوں کا مزا چکھا ۔ ہرمز نے کہا کہ اے عمرؓ جاہلیت میں جب خدا نہ تمہارے ساتھ تھا نہ ہمارے ساتھ ، ہم ہمیشہ تم پر غالب رہے اب اس نے تمہارا ساتھ دیدیا ہے اس لئے تم غالب آگئے ۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم یہ بتاؤ کہ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے کہ بار بار معاہدے کر کر کے ان کو توڑتے رہے ۔ جواب دینے سے قبل اس نے پینے کے لئے پانی مانگا ۔ جب پیالہ دیا گیا تو اس کا ہاتھ کانپنے لگا اس نے کہا مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا " جب تک اس پانی کو تم نہیں پی لو گے قتل نہیں کئے جاؤ گے " ۔ یہ سن کر اس نے پانی کو پھینک دیا اور کہا کہ مجھے پانی کی ضرورت نہیں تھی ۔ میں تو امان لینا چاہتا تھا ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم کو قتل کر دوں گا ۔ اس نے کہا کہ آپ مجھ کو امان دے چکے فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو لیکن انس بن مالک اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ یا امیرالمومنین ! جو الفاظ آپ نے فرمائے ان سے اس کو امان مل گئی ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ افسوس ہے ہم کو پتہ بھی نہ لگا اور اس نے امان لے لی ۔

اس کے بعد ہرمزان مسلمان ہوگیا اور کہا میں نے یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ قتل کے خوف سے اسلام لایا حضرت عمرؓ اس کی بد عہدیوں کی وجہ سے اس سے سخت ناراض تھے اور قتل کرنا چاہتے تھے لیکن اس کے اسلام لانے سے خوش ہوگئے ۔ مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور دو ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا ۔ ایران کے معاملات میں اس سے مشورے بھی لیا کرتے تھے ۔ ہرمزان کے ساتھ جو وفد آیا تھا اس سے بھی حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ عجمی بار بار جو عہد شکنی کر ڈالتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے کیا مسلمان اہل ذمہ کے ساتھ کچھ برا برتاؤ کرتے ہیں ۔ اہل وفد نے کہا کہ مسلمانوں نے عہد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کی ہے اور بالعموم اہل ذمہ کے ساتھ ان کا سلوک اچھا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے کہا پھر کیا بات ہے جو اہل عجم اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے ۔ احنف بن قیس نے جواب دیا کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ جو علاقہ ہمارے ہاتھ آچکا ہے اسی پر ہم قناعت کریں ۔ اور آگے نہ بڑھیں اور آپ جانتے ہیں کہ ایران کا بادشاہ ابھی تک اپنے ملک میں موجود ہے وہ اہل عجم کو ہمارے خلاف اکساتا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ بغاوت اور سرکشی کرتے رہتے ہیں ۔ کیونکہ ایک ملک میں دو حکومتیں نہیں رہ سکتیں اگر ہم کو عراق کی حدود سے آگے بڑھنے کی اجازت ملے اور ہم اس کو ملک سے باہر نکال کر اپنا تسلط جمالیں تو پھر ایرانی خاموش ہو جائیں گے اور انکو کوئی بھڑکانے والا نہیں رہے گا ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا اور اب اصلی وجہ میری سمجھ میں آگئی اس کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ ایرانی فوجیں نہاوند میں جمع

ہو رہی ہیں اس سے احنف کے قول کی اور بھی تصدیق ہوئی ۔

نہاوند

یزدگرد اور بالعموم ایرانیوں کو اس بات کا یقین تھا کہ عربوں کا سیلاب زیادہ سے زیادہ عراق کے حدود پر آکر رک جائے گا ایرانی سلطنت پر وہ پیش قدمی نہیں کر سکتے ۔ لیکن ان کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر مرد سے اس نے عجمی رئیسوں اور مرزبانوں کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے اور جابجا سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ جنگ آور فراہم کئے نہاوند میں ان کا اجتماع ہوا ۔ نعمان بن مقرن تیس ہزار فوج لے کر ان کے مقابلے کے لئے گئے نہایت ہولناک جنگ ہوئی ۔ میدان میں خون کی کثرت سے گھوڑوں کی ٹاپ پھسلنے لگی ۔ نعمان زخم کھا کر گھوڑے سے گرے لیکن حکم دیا کہ مجھے سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے آگے دشمنوں پر بڑھو ان کے بجائے حذیفہ بن یمان نے علم سنبھالا ۔ شام کے وقت ایرانی فوج نے شکست کھائی ۔ قعقاع فوج کے دستے لئے ہوئے ہمدان تک ان کے تعاقب میں گئے اور اس پر بھی قبضہ کر لیا ۔

فتح کے بعد ایک سپاہی نعمان کے قریب سے گزرا ۔ اتر کر دیکھا تو دم توڑ رہے تھے ۔ سر اٹھایا انہوں نے آنکھیں کھول دیں ۔ پوچھا کہ کیا ہوا اس نے کہا کہ فتح! کہا کہ اللہ کا شکر ہے امیر المومنین کو جلد اس کی اطلاع بھجوا دی جائے یہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں ۔ حضرت عمرؓ کو جب اس فتح کا حال معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے ۔ لیکن نعمان کے غم میں بہت روئے ۔ اس جنگ میں تقریباً تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور ان کا زور ٹوٹ گیا اس کے بعد پھر وہ کوئی بڑی لڑائی نہیں لڑ سکے ۔ اسی وجہ سے اس فتح کو فتح الفتوح کہتے ہیں ۔

عام پیش قدمی

احنف بن قیس کی گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ کو یقین ہو گیا تھا کہ جب تک یزدگرد ایران میں موجود ہے اس وقت تک ہمارے مفتوحہ حصوں میں فتنہ اور فساد فرو نہیں ہو سکتا اس لئے انہوں نے بقیہ ایران پر لشکر کشی کا سامان کیا ۔ سات علم تیار کئے اور سات سرداروں کو عطا کر کے فوجوں کے ساتھ انکو مختلف مقامات کی طرف روانگی کا حکم دیا ۔

۱۔ احنف بن قیس خراسان
۲۔ مجاشع بن مسعود سلمی ۔ خرہ اردشیر و سابور
۳۔ عثمان بن ابی العاص ۔ ثقفی ، اصطخر
۴۔ ساریہ بن رہم کنانی ۔ فساد دراہجرد
۵۔ سہیل بن عدی ۔ کرمان
۶۔ عاصم بن عمرو ۔ سیستان
۷۔ حکیم بن عمیر تغلبی مکران

یہ فوجیں آغاز ۱۸ھ میں روانگی کے لئے تیار ہو گئیں۔

اصفہان

عبداللہ بن عتبہ فوج لے کر اصفہان کی طرف گئے تھے ۔ وہاں کا سپہ دار فاذوسفان تھا ۔ جب فریقین نے صف آرائی کی تو اس نے عبداللہ کو کہلا بھیجا کہ سپاہیوں کی جانیں ضائع کرانے سے کیا فائدہ ۔ آؤ ہم تم خود لڑ کر فیصلہ کر لیں ۔ عبداللہ اس کے مقابلہ کے لئے گئے اور کہا کہ پہلے تم مجھ پر وار کرو یا مجھے اجازت دو ۔ اس نے کہا میں وار کروں گا ۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا اور تلوار چلائی ۔

عبداللہ نے اس کو خالی دیا ۔ لیکن گھوڑے کی تنگ کٹ گئی اور مع زین کے نیچے آگئے ۔ پھر اچھل کر ننگی پشت پر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب میری باری ہے ۔ سنبھل جاؤ اس نے کہا بس میں نے آپ کو آزمالیا اب لڑنا نہیں چاہتا ۔ شہر آپ کے حوالہ کرتا ہوں اس شرط پر کہ جو جزیہ دے کر رہنا چاہے اس کو رہنے دیجئے اور جو نہ رہنا چاہے اس کو نکل جانے کی اجازت عطا فرمایئے عبداللہ نے اس کو منظور کر کے صلح نامہ لکھ دیا ۔ اس کے بعد اصفہان میں انہوں نے ایک امیر مقرر کر دیا اور خود حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق سہیل بن عدی کی امداد کے لئے کرمان کی طرف روانہ ہوئے ۔

آذر بائیجان

نعمان بن مقرن کے بھائی نعیم جس وقت ہمدان میں تھے ان کو اطلاع پہنچی کہ مقام واج رود میں جو ہمدان اور قزوین کے درمیان صوبہ آذر بائیجان میں واقعہ ہے ایرانی مجتمع ہو رہے ہیں اس لئے وہ فوج لیکر آگے بڑھے اور مقابلہ کیا ۔ نہاوند کی طرح یہاں بھی سخت معرکہ پیش آیا ۔ آخر میں ایرانیوں کو ہزیمت فاش ہوئی ۔ نعیم دربار خلافت کے حکم کے مطابق رے کی طرف بڑھے اور وہاں کے رئیس زینبدی نے آکر صلح کر لی ۔ انہوں نے رے میں قیام کیا اور وہاں سے اپنے بھائی سوید بن مقرن کو قومس کی طرف بھیجا وہ بلا جنگ کے فتح ہو گیا ۔ نیز جرجان اور طبرستان کے لوگوں نے بھی آکر مصالحت کی ۔

باب

سراقہ بن عمرو آذر بیجان سے باب کی طرف جو صوبہ آرمینیہ سے متصل ہے بڑھے اور اس کا محاصرہ کیا ۔ وہاں کا رئیس شہر براز خود ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایرانی نسل سے ہوں اور اہل آرمینیہ سے جو نہایت بد نسل ، کمینے اور کمینہ ور ہیں مجھ کو کوئی تعلق نہیں ۔ جب تمام ایران مفتوح ہو گیا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں لیکن میرے اوپر جزیہ لگا کر مجھے ذلیل نہ کرو ۔ بلکہ جب ضرورت ہو مجھ سے فوجی خدمت لو ۔ سراقہ نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ جزیہ سے ہر سال صرف وہی لوگ بری ہوں گے جن سے اس سال فوجی کام لیا جائے گا ۔ حضرت عمرؓ بھی اس مصالحت پر راضی ہو گئے یعنی جزیہ معاف کر کے اہل شرک سے جنگی امداد لینے کو انہوں نے جائز رکھا ۔ حالاں کہ حضرت ابو بکرؓ نے خالد اور مثنیٰ کو ان مسلمانوں کے فوج میں لینے سے بھی منع فرما دیا تھا جو ارتداد کی شورش میں پڑ گئے تھے ۔ سراقہ نے یہاں سے تفلیس ، موقان وغیرہ کی طرف جو آرمینیہ کے سرحدی کوہستانی مقامات ہیں فوجیں روانہ کیں ۔

خراسان

یزدگرد خراسان کے مشہور شہر مرو شاہجہاں میں مقیم تھا ۔ اس نے وہاں کے رئیسوں اور مرزبانوں کے ساتھ خط و کتابت کر کے ان کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے متفق کیا ۔ احنف بن قیس جن کو خراسان کا علم دیا گیا تھا ۲۲ھ میں وہاں پہنچے ۔ پہلا مقابلہ ہرات پر ہوا دشمنوں کو شکست دے کر وہاں قبضہ کیا ۔ پھر مرو کی طرف بڑھے یزدگرد مرورود کی طرف روانہ ہو گیا ۔ وہاں پہنچ کر اس نے ترکستان اور چین کے بادشاہوں سے مدد مانگی ۔ احنف بھی اس کے پیچھے آئے وہ بلخ کو چلا گیا احنف بھی تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے مقابلہ میں یزدگرد نے شکست کھائی اور دریائے جیحوں سے اتر کر تاتاری حکومت میں داخل ہو گیا ۔ حضرت عمرؓ نے احنف کو فرمان بھیجا کر تم دریا سے آگے نہ بڑھو ۔ یزدگرد نے چین اور ترکستان کے بادشاہوں سے مدد لیکر پھر دریا کو عبور کیا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آراء ہوا ۔ لیکن پہلے ہی حملہ میں تاتاری اس کو چھوڑ گئے ۔ مجبوراً وہ اس پار چلا گیا مگر اس کے ساتھ کے خراسانیوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور اپنے اپنے گھروں میں آکر اپنی اپنی ملکیتوں پر قابض ہو گئے اسلامی عدل و انصاف کے سایہ میں ان کی حالت اس سے بہت بہتر ہو گئی جیسی کہ ایرانی بادشاہوں کے عہد میں تھی ۔

دیگر فتوحات

ساریہ بن رہم نے فسا اور دراجرد کو فتح کیا۔ عثمان بن ابی العاص نے اصطخر۔ سہیل بن عدی نے کرمان۔ عاصم بن عمرو نے سیستان اور حکیم نے مکران کو۔ ان فتوحات سے اس سرے سے لے کر اس سرے تک سارا ایران اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا۔

شام

جنگ یرموک میں حضرت ابو بکرؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کی خلافت کی خبر آگئی تھی۔ یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ فوجیں لیکر فحل کی طرف بڑھے۔ یہ مقام علاقہ اردن میں حوران اور فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ شکست خوردہ رومی یہیں جمع تھے پہلے ہی حملہ میں مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

دمشق

یہ شہر زمانہ سابق سے تجارت کا مرکز تھا۔ اس کے ارد گرد مضبوط فصیل بنی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے اس کا محاصرہ کیا۔ بڑے بڑے سردار جو شام کی فتح کے لئے مامور ہوئے تھے ایک ایک دروازے پر اپنی اپنی فوجیں لیکر جم گئے۔ حضرت خالد پانچ ہزار فوج کے ساتھ باب الشرق پر تھے وہ راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور شہر کی حالت کا دمبدم سراغ لیتے رہتے تھے۔
ایک رات ان کو یہ معلوم ہوا کہ دمشق کے بطریق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے اہل شہر اس کے جشن میں مجتمع ہیں انہوں نے موقع پاکر شہر پناہ کی خندق کو مشکوں کے ذریعہ تیر کر عبور کیا اور رسی کا زینہ بنا کر فصیل پر چڑھ گئے۔ پھر اپنے چند ساتھیوں کو بھی اوپر چڑھا لیا اور اندر اتر کر پہلے دربانوں کو قتل کیا پھر دروازہ توڑ دیا مسلمان شہر میں گھس گئے۔ رومیوں نے یہ دیکھ کر شہر پناہ کے دروازے کھول دیے اور جاکر حضرت ابو عبیدہؓ سے صلح کر لی۔ وہ صلحاً ایک طرف سے شہر میں داخل ہوئے اور دوسری طرف سے خالد فتح کرتے ہوئے۔ وسط شہر میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہ نے چونکہ مصالحت کر لی تھی اور ان کو خالد کے اندر داخل ہو جانے کا حال نہیں معلوم ہوا تھا۔ اس وجہ سے مفتوحہ حصہ بھی رقبہ صلح میں شامل کر دیا یعنی مال غنیمت واپس کر دیا اور قیدی چھوڑ دیے۔

مرج روم

دمشق میں معلوم ہوا کہ مرج روم میں دو سپہ سالار توذر اور شنس فوجیں لئے ہوئے پڑے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ اس طرف بڑھے مقدمہ لشکر پر خالد تھے۔ صبح کو جب صف آرائی کا وقت آیا تو خبر ملی کہ توذر اپنی فوجیں لے کر دمشق کی طرف بڑھ گیا۔ اس لئے ابو عبیدہ نے فوراً خالد کو سواروں کے دستہ کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ کیا۔ یزید بن ابی سفیان کو جو دمشق میں متعین کئے گئے تھے۔ جب توذر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس کے مقابلہ کو نکلے۔ عین معرکے میں پیچھے سے حضرت خالدؓ پہنچ گئے رومیوں کا ایک سپاہی بھی نہ بچ سکا۔ یزید دمشق کی طرف واپس گئے اور خالد ابو عبیدہ کی فوج میں آکر شامل ہو گئے۔

حمص

حمص میں رومی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں نے پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ رومیوں نے خیال کیا کہ عرب اس سردی کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے لیکن مسلمان پورے موسم سرما بھر سختی کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے رہے۔ مجبور ہو کر اہل حمص نے دمشق والوں کی شرط پر صلح کر لی۔

قنسرین

حمص سے خالد قنسرین کی طرف گئے ۔ راستہ میں مقام حاضر میں جو حلب کے متصل ہے رومی فوجیں مقابلہ میں آئیں ان کا سردار میناس تھا جس کے رتبہ کا کوئی آدمی رومی سلطنت میں بجز قیصر کے نہ تھا ۔ خالد نے ان کو شکست دی ۔ میناس مارا گیا اور اس کی فوج زیادہ تر قتل اور باقی ماندہ گرفتار ہوگئے ۔ اسیران جنگ نے خالد سے کہا کہ ہمارا لڑنے کا مطلق خیال نہ تھا ۔ میناس نے جبراً ہم کو اپنے ساتھ لے لیا تھا ۔ خالد نے ان کا عذر قبول کیا اور ان کو چھوڑ دیا ۔

وہاں سے قنسرین پہنچے ۔ وہ لوگ قلعہ گیر ہوگئے ۔ خالد نے محاصرہ کیا اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ اگر آسمان پر بھی چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو بھی ہم سے نہیں بچ سکتے ۔ یا تو اللہ تعالیٰ ہم کو تم تک پہنچا دے گا یا تم کو ہمارے پاس اتار دے گا ۔ بالآخر ان لوگوں نے بھی حمص والوں کی طرح صلح کی حضرت عمرؓ نے جب خالد کے کارنامے سنے تو فرمایا کہ : اللہ تعالیٰ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے ۔ وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے خالد اور مثنیٰ کو کسی شبہ کی بنیاد پر نہیں معزول کیا تھا بلکہ محض اس لئے کہ میں چاہتا تھا کہ مسلمان صرف انھیں کے اوپر زیادہ بھروسہ نہ کرنے لگیں ۔

قیساریہ

قیساریہ پر یزید بن ابی سفیان بھیجے گئے تھے لیکن وہ بیمار ہوگئے انہوں نے اپنے بھائی اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو بھیجا انہوں نے اس کو فتح کر لیا ۔

اجنادین

عمرو بن العاص جو فلسطین پر متعین تھے اجنادین کی طرف بڑھے وہاں رومیوں کا سب سے چالاک سردار ارطبون تھا ۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ رومی ارطبون کے مقابلہ میں ہمارا عربی ارطبون پہنچا ہے دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے ۔ عمرو بن عاص ایک عرصہ تک محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے اس درمیان میں سفیر بھی فریقین کی طرف سے آتے جاتے رہے لیکن نہ صلح ہو سکی نہ فتح کی کوئی صورت نکلی ایک بار عمرو خود سفیر بن کر اس کے دربار میں گئے اس نے ان کی باتوں سے سمجھ لیا کہ یہی عمرو بن عاص ہیں ایک آدمی سے رومی میں کہا کہ تم دہلیز میں کھڑے رہو ۔ جس وقت یہ یہاں سے نکلیں ان کو قتل کر دینا ۔ انہوں نے انداز سے اس کے منصوبے کا پتہ پا لیا اور دوران گفتگو میں اس سے کہا کہ تم جو باتیں کہیں وہ مناسب معلوم ہوتی ہیں لیکن ہم دس آدمی ہیں جو خلیفہ کی طرف سے اس کام کے لئے یہاں آئے ہیں ۔ لہٰذا ان سب کی رائے لینی بھی ضروری ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سب لوگ کل تمہارے پاس آکر معاملہ طے کر ڈالیں ۔ اس نے اس بات کو منظور کیا اور یہ سوچ کر کہ کل اور بھی اچھا موقعہ ملے گا اس آدمی کو خفیہ طور پر دہلیز سے ہٹا دیا ۔ عمرو بن عاص صحیح و سالم بچ کر وہاں سے نکل آئے اور پھر یہ عہد کیا کہ ایسی غلطی آئندہ کبھی نہ کروں گا ۔

ارطبون کو جب معلوم ہوا تو اس نے کہا افسوس میں نے دھوکا کھایا ۔ یہ شخص مجھ سے بھی زیادہ چالاک ہے اس کے بعد اسلامی فوج نے فصیل کے چاروں طرف سے جنگ شروع کر دی ۔ ارطبون فوجیں لے کر نکلا یرموک کی طرح سخت لڑائی ہوئی ، آخر مسلمان غالب آئے رومی شکست کھا کر بیت المقدس کی طرف چلے گئے اور عمرو بن عاص نے اجنادین میں قیام کیا ۔

بیت المقدس

اجنادین میں عمرو بن عاص نے فوج کو مرتب کیا ۔ اور بیت المقدس کی طرف بڑھے ۔ فصیل کے چاروں طرف سے محاصرہ کیا رومی تنگ آگئے تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم مصالحت کے لئے رضامند ہیں ۔ بشرطیکہ خود خلیفہ اسلام ہمارے ساتھ معاہدہ کرے حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی گئی ۔ وہ روانہ ہوئے اور امراء لشکر کو حکم بھیجا کہ مقام جابیہ میں آکر مجھ سے ملیں ۔ سب سے پہلے یزید اور پھر

ابو عبیدہ وغیرہ دوسرے امراء نے ان کا استقبال کیا ۔ مسلمانوں نے دیبا اور حریر کے لباس پہن رکھے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے جو دیکھا تو طیش میں آگئے ۔ سنگریزے اٹھا کر ان کو مارا اور کہا کہ اس قدر جلد تم لوگوں نے عجمیت اختیار کرلی اور عربی سادگی چھوڑ دی انہوں نے کہا یہ ریشمی لباس ہم نے اس لئے پہنا ہے کہ ہر وقت ہمارے جسم پر ہتھیار رہتے ہیں ۔ فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو کچھ حرج نہیں ۔

مقام جابیہ میں ہی بیت المقدس والوں کی طرف سے سفیر پہنچے ان کے ساتھ عہد نامہ ہوا مضمون یہ تھا ۔

ان لوگوں کا جان و مال اور دین محفوظ رہے گا نہ انکے کینسے توڑے جائیں گا نہ ان میں کوئی مسلمان سکونت رکھے گا اور نہ ان کی حدود میں کمی کی جائے گی ۔ یہ لوگ بھی دوسرے شہر والوں کی طرح جزیہ ادا کریں گے اور یہودیوں کو اس میں نہ رہنے دیں گے ۔ جو رومی یہاں ہیں وہ نکل جائیں تو ان کو ان کے گھر پہنچنے تک امان ہے ۔ نیز جو شخص بھی ان کے ساتھ جانا چاہے اس کو بھی امان ہے ۔ وغیرہ ۔ ۱۵ھ میں عہد نامہ لکھا گیا ۔ خالد بن ولید عمرو بن عاص ۔ عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اس کے شاہد ہیں ۔

جابیہ سے بیت المقدس کو گئے ۔ وہاں اسلامی فوج نے استقبال کیا ۔ خلیفہ کے بدن پر جو لباس تھا وہ اس قدر فقیرانہ تھا کہ مسلمان اس کو دیکھ کر شرماتے تھے ۔ وہ ان کے لئے ایک ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس لائے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم کو جو عزت اللہ نے دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی عزت ہمارے لئے کافی ہے ۔ بیت المقدس میں کینسہ قمامہ کو دیکھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا ۔ تبرک نے کہا کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیں لیکن انہوں نے باہر نکل کر زینہ پر تنہا نماز ادا کی ۔ اس کے بعد تبرک سے کہا کہ آج اگر میں تمہارے کینسہ میں نماز پڑھ لیتا تو کل مسلمان اس پر قبضہ کرلیتے اور کہتے کہ ہمارے خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی ۔ پھر اس زینہ کے متعلق ایک تحریر لکھ کر دی کہ یہاں نہ اذان دی جائے نہ جماعت ہو ۔ تبرک اور نیز اہل رائے کے مشورے سے مقام صخرہ کو جہاں حضرت یعقوب سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا ۔ مسجد بنانے کے لئے منتخب کیا ۔ اس پر خاک اور دھول بہت تھی ۔ حضرت عمرؓ نے اسے خود اپنے ہاتھ سے دامن میں بھر کر اٹھانا شروع کیا یہ دیکھ کر سب لوگ اس کام میں لگ گئے اور تھوڑی دیر میں وہ جگہ صاف ہو گئی پھر وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو اب تک مسجد عمر کے نام سے مشہور ہے ۔ بیت المقدس میں حضرت عمرؓ نے مغلوب عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا جو سلوک کیا اور مسلمان امراء نے جس وفاداری کے ساتھ اس عہد کو نباہا اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ سختی دیکھی جائے جو یورپ کے صلیبی فدائیوں نے اس شہر پر قبضہ کرتے وقت یہاں کے باشندوں کے ساتھ کی ۔

طاعون عمواس

۱۷ھ میں دوبارہ حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا اور مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر چلے جب مقام سرغ میں پہنچے اور امراء لشکر استقبال کو حاضر ہوئے تو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں آگے چلوں یا مدینہ کو واپس جاؤں ۔ بہت قیل و قال کے بعد واپسی کی رائے قرار پائی ۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ کیا تقدیر الہیٰ سے فرار ہے ۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہاں تقدیر الہیٰ سے تقدیر الہیٰ کی طرف ۔ اے ابو عبیدہ کاش یہ تمہارے سوا کوئی دوسرا کہتا ۔ دوسرے دن صبح کو عبدالرحمن بن عوف آگئے جو کل کی بحث میں شریک نہیں تھے ۔ ان کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم کو معلوم ہو کہ کسی شہر میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تمہارے بستی میں آئے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو ۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اللہ کا شکریہ ادا کیا اور مدینہ واپس آئے ۔

یہ وبا طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے ۔ بہت سے لوگ اس میں ہلاک ہوئے ۔ اسلامی فوج کے امراء میں سے حضرت ابو عبیدہ ۔ معاذ بن جبل یزید بن ابی سفیان ۔ حارث بن ہشام ، سہیل بن عمر اور ان کے بیٹے عتبہ سب اسی میں مبتلا ہو کر گزر گئے ۔ آخر میں عمرو بن عاص فوج لے کر پہاڑ پر چلے گئے اور ان کو جابجا متفرق کر دیا ۔ اس وقت اس سے نجات ملی ۔ طاعون کے دفع ہونے کے بعد حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کر کے پھر حضرت عمرؓ شام کی طرف روانہ ہوئے ۔ صرف ان کا غلام یرفا انکے ساتھ تھا جس وقت پہنچے اپنی

سواری ان کو دے دی تھی اور خود اس کے اونٹ پر سوار تھے ۔ وہاں پہنچ کر ملکی اور فوجی انتظامات کئے ۔ طاعون کی وجہ سے فوج کے ہزاروں سپاہی مر گئے تھے ۔ ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کیا ۔ مردوں کا مال و اسباب ان کے ورثا کو پہنچایا اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجیں متعین کیں ۔ ایک دن نماز کے وقت لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت بلالؓ سے اذان کہلائیے ۔ خلیفہ کے حکم سے انہوں نے اذان دی ۔ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن خاص تھے اس لئے ان کی اذان سن کر آنحضرتؐ صلعم کی یاد سے لوگوں پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے ۔ حضرت عمرؓ کی یہ حالت تھی کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی ۔

مصر

رومی افواج کا ایک بڑا مرکز مصر تھا ۔ وہاں سے ان کو ہر قسم کی مدد ملتی تھی ۔ عمرو بن عاص کا خیال تھا کہ ہم اگر مصر فتح کر لیں تو پھر شام میں رومی فوجیں ہمارا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہیں گی ۔ حضرت عمرؓ نے جب دوبارہ ملک شام کا سفر کیا تو انہوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ۔ خلیفہ نے پہلے تو انکار کیا لیکن پھر ان کے اصرار سے رضامند ہو گئے اور چار ہزار فوج دے کر مصر کی طرف روانہ کیا ۔ پہلے شہر فرما میں رومی فوجوں سے مقابلہ ہوا ۔ تقریباً ایک مہینے تک لڑائی ہوتی رہی ۔ آخر میں رومیوں کو شکست ہوئی ۔ وہاں سے دریائے نیل کے کنارے مصر کی طرف بڑھ کر اسلامی فوج خیمہ زن ہوئی ۔

مقوقس والی مصر جو قبطی نژاد تھا مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فوجیں تیار کر رہا تھا ۔ جب مسلمان اس کے قریب پہنچ گئے تو وہ قلعہ میں بیٹھ رہا ۔ اس کا محاصرہ کیا گیا ۔ امداد کے لئے حضرت عمرؓ نے زبیرؓ اور مقدادؓ کے ساتھ دس ہزار فوج بھیجی ۔ یہ محاصرہ سات مہینے رہا ۔ حضرت زبیر ایک دن زینہ لگا کر فصیل پر چڑھ گئے اور اندر اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا ۔ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے ۔ مقوقس نے امان طلب کی اس کی درخواست منظور کی گئی ۔

یہ عہد نامہ تمام ملک مصر کے لئے تھا لیکن قیصر نے اس کو نہیں تسلیم کیا اور سمندر کی راہ سے ایک فوج گراں اسکندریہ میں اتار دی ۔ مسلمان بھی اس طرف بڑھے ۔ مقوقس چونکہ لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے مسلمانوں سے عہد لے لیا کہ میری قوم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے ۔ ہم لوگ اس لڑائی میں رومیوں کے ساتھ شریک نہیں ہیں ۔ چنانچہ جب مسلمان اندرون ملک میں بڑھے تو انہوں نے قبطیوں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا ۔ قبطیوں نے جا بجا ان کو مدد دی ۔ البتہ رومی جو وہاں سکونت گزین ہو گئے تھے اسکندریہ کے راستہ میں کئی بار مقابلہ کے لئے آئے لیکن شکست کھاتے رہے ۔ اسلامی فوج نے جا کر اسکندریہ کا محاصرہ کیا ۔ چونکہ رومیوں کو سمندر کی راہ سے سامان رسد وغیرہ پہنچتا رہتا تھا اس لئے اس محاصرہ نے طول کھینچا آخر میں مصالحت ہوئی ۔ اسکندریہ رومیوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر مسلمان مصر کی طرف واپس آئے ۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے عمرو بن عاص نے وہاں فوج کے قیام کے لئے ایک شہر آباد کیا جو فسطاط کے نام سے مشہور ہے ۔ فسطاط خیمہ کو کہتے ہیں اور مسلمان پہلے اسی جگہ خیمہ زن ہوئے تھے ۔ یہ بات یہاں ذکر کرنے کے قابل ہے کہ اسکندریہ کی طرف روانگی کے لئے جس وقت فوج کے خیمے اکھاڑے جا رہے تھے تو عمرو بن عاص کے خیمے میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنا لیا تھا ۔ انہوں نے اس پرندے کی خاطر اپنے خیمہ کو بدستور چھوڑ دیا اور کہا کہ اس کو نہ اکھاڑو ورنہ ہمارے اس مہمان کو تکلیف ہو گی ۔ حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا ۔ مشرق میں دریائے جیحوں تک اور مغرب میں شام اور مصر اسلامی جھنڈوں کے نیچے آ گئے تھے ان تمام ممالک کا انتظام اسلامی عدل کے اصول پر قائم کیا گیا اور ہر قسم کے ظلم و ستم جو جابر بادشاہوں کے ہاتھوں سے رعایا پر ہوتے تھے مٹا دیے گئے اور ذمی امن و امان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے لگے ۔

عہد فاروقی پر ایک نظر

فتوحات

عہد فاروقی کی یہ تمام فتوحات ساڑھے دس برس کا کارنامہ ہیں اس قلیل عرصے میں اسلامی مقبوضہ کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع تک پہنچ گیا اور یہ فتوحات مغلوب اور گمنام عربی قوم نے ایک ساتھ دو عظیم سلطنتوں پر حاصل کیں جو اس زمانہ میں دنیا میں سب سے زبردست اور متمدن تھیں یعنی ایران و روم۔ ایران کی حالت یہ تھی کہ زمانہ قدیم سے وہ مسلمہ طاقت ور سلطنت تھی۔ آغاز اسلام میں وہاں کی فوجوں نے رومیوں پر مسلسل فتوحات حاصل کی تھیں اور ان کو سواحل بحیرہ روم تک بھگا دیا تھا۔ گو جس وقت عرب ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اس وقت نزاعات باہمی کی وجہ سے ان کی حالت خراب تھی لیکن پھر بھی عربوں کے لئے ان کا ایک ایک امیر کافی تھا ان کے پاس لاکھوں کی تعداد میں جنگ آزمودہ فوج تھی جو آئین نرم و پکار کی ماہر اور ہر قسم کے آلات جنگ اور فوجی سازو سامان سے مسلح و آراستہ تھی سلطنت کے خزانے ان کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ رومیوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ ایک ایک معرکہ میں دو دو لاکھ فوجیں میدان جنگ میں لاتے تھے۔ دولت اور سامان کی ان کے پاس کمی نہیں تھی۔ فنون حرب میں مشاق اور میدان جنگ میں تربیت پائے ہوئے تھے۔

ادھر اہل عرب کی کیفیت یہ تھی کہ کسی ایک معرکہ میں بھی وہ پچاس ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ لاسکے۔ زرہ بکتر۔ چلتہ۔ جوشن۔ چار آئینہ، آہنی دستانے وغیرہ جو اس زمانہ میں سپاہی کے لئے لازمی چیزیں تھیں۔ ان میں سے ان کے پاس صرف زرہ تھی جو اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی بناتے تھے۔ گرزو کمند سے ناآشنا اور ترتیب فوج اور فنون جنگ سے ناواقف مگر باوجود ان سب باتوں کے انہوں نے دونوں سلطنتوں سے ایک ساتھ لڑائی شروع کی۔ ہر ہر معرکہ میں انہیں کو فتح حاصل ہوئی اور ایک قلیل عرصہ میں ان دونوں قدیمی اور زبردست سلطنتوں کے پرخچے اڑا دیے۔ بادی النظر میں ان فتوحات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ لیکن غائر نظر ڈالنے سے کچھ اسباب کا بھی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب میں اسلام کی تعلیم اور آنحضرتؐ کی صحبت پاک کے اثر سے بےنظیر ہمت، ایثار، استقلال، عالی حوصلگی اور شجاعت پیدا ہو گئی تھی اور وہ اخلاق فاضلہ میں انسانیت کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے تھے اور چوں کہ اللہ تعالیٰ کو اس قوم سے تبلیغ حق کا کام لینا تھا اس لئے ان میں ملکوتی صفات پیدا کر کے ان کے دلوں کو باہم متفق کر دیا تھا۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ اقوام عالم کے سامنے حق کو پیش کرنے کے لئے نکلے۔ ایسی حالت میں کون سی دنیاوی طاقت ہو سکتی تھی جو ان کی ٹکر کو اٹھا سکتی۔ ہر ملک کی رعایا ان کی عدل و انصاف اور وفاداری اور راست بازی کی وجہ سے ان کی گرویدہ ہو جاتی تھی بلکہ ان میں سے اکثر اسلام قبول کر کے اس لشکر حق میں شریک ہو جاتے تھے یا جزیہ دینا قبول کر لیتے تھے۔ لیکن یہ امت عربیہ کی تعریف ہے۔ حضرت عمر کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے امت کے ان صفات عالیہ کی تربیت کی اور ان سے کام لیا ورنہ یہی لوگ ان کے بعد بھی تھے مگر وہ شان کہاں رہی۔

فاروق اعظم گو بذات خود ان لڑائیوں میں سے کسی ایک میں بھی شریک نہیں ہو سکے لیکن ان کی دور بین نگاہ ان فوجوں کے

جو ایران و روم میں معروف پیکار تھیں جزوی سے جزوی واقعہ کی طرف رہتی تھی سلسلہ وار ہدایات اور احکام بھیجتے رہتے تھے ان کی حالت اگر غور سے دیکھی جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان فوجوں کے اصلی سپہ سالار وہی تھے اور مدینہ میں بیٹھے ہوئے ان کو پوری توجہ کے ساتھ دونوں طرف لڑا رہے تھے۔ دنیا میں اور جو بڑے بڑے فاتح ہوئے ہیں ان کو دیکھو تو وہ حضرت عمر کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے کیونکہ ان کے کارنامے سفاکیوں اور خون ریزیوں سے لبریز ہیں اور ان کی فتوحات اسلامی اصول کی پابندی کے ساتھ ہوئیں جن میں ناجائز خون کا ایک قطرہ اور ناانصافی کا ایک داغ نظر نہیں آتا۔ اس احتیاط کے ساتھ دنیا میں زمین کا ایک چپہ بھی کسی کشور کشا نے نہیں لیا۔

جمہوریت

اسلام کل بنی نوع انسان کو جو اس کے حدود میں داخل ہوں مساوات عطا کرتا ہے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں عمال حکومت بلکہ خود خلیفہ بھی ایک معمولی فرد رعایا کے برابر تھا ہر شخص کو اس کے اوپر نکتہ چینی کا اختیار تھا اور یہی وہ چیز ہے جو جمہوریت کی اصلی روح ہے۔ وہ کسی امر کو بذات خود بلا مشورے کے طے نہیں کرتے تھے بلکہ مہاجرین اور انصار سے ہر کام میں رائے لیتے تھے اور جب کوئی بڑی مہم درپیش آجاتی تھی تو مسلمانوں کے مجمع عام میں اس کو پیش کرتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اگر کوئی صحیح رائے دیتا تھا تو اس کو فوراً مان لیتے تھے۔

ایک بار جب انہوں نے دیکھا کہ لوگوں نے عورتوں کے مہروں میں بہت اضافہ کر دیا ہے چاہا کہ کوئی خاص حد مقرر کر دیں مسجد میں لوگوں کے سامنے بیان فرمایا۔ کسی کونے سے ایک عورت کی آواز آئی کہ یہ کیا! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔

واذا اتیتم احدا من قنطارا فلا تا خدوا منہ شیا

اور تم نے بیویوں میں سے کسی کو بہت سا مال دے دیا تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

یہ سن کر بول اٹھے کہ عورت نے سچ کہا عمر غلطی پر تھا۔ ہمیشہ لوگوں سے یہی کہتے رہتے تھے کہ جو خیر خواہی کی بات ہو مجھ تک پہنچاؤ۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے راہ حق دکھاؤ اور جو حق پر چل رہا ہوں تو میری مدد کرو۔ ایک بار مسجد میں اسی قسم کی تقریر کی ایک شخص نے اٹھ کر تلوار کھینچ لی اور کہا کہ اگر آپ حق سے منہ موڑیں گے تو ہم اس کے ذریعے سے راہ راست پر لائیں گے۔ یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد اللہ میری قوم میں ایسے لوگ ہیں کہ میں اگر کجروی اختیار کروں تو وہ مجھے سیدھا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ صحابہ کبار میں سے صاحبان عقل و رائے مثلاً حضرت عباسؓ عبدالرحمٰنؓ بن عوف، عثمانؓ اور علیؓ رضی اللہ عنہم کو مشورہ کی غرض سے سفر اور حضر میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اجتماعیات کے متعلق ان کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کی مجلسیں مخصوص اشخاص پر محدود نہیں ہونی چاہئیں بلکہ ہر قسم کے لوگ باہم ملکر بیٹھا کریں۔ کیونکہ چند اشخاص جب اپنی محفل کو مخصوص کر لیتے ہیں تو ان کی رائے عام رائے سے الگ ہو جاتی ہے اور اس اختلاف رائے کا نتیجہ ہے تفرق۔ اس لئے نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی مجلسوں کو عام رکھو اور سب باہم مل کر بیٹھو۔ اس سے آپس میں محبت بڑھے گی اور اتحاد اتفاق قائم اور دشمنوں پر رعب غالب رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ آئندہ آنے والی نسلیں یہ کہیں کہ فلاں کی رائے یہ تھی اور فلاں کا خیال یہ تھا کیونکہ اس سے اسلام کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور امت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

عمال حکومت

حضرت عمرؓ امراء کی مصلحت خاصہ پر رعایا کی بہبود عامہ کو مرجح سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں والی بھی رعایا کا ایک فرد تھا۔ اس کے اوپر بھی قانون عدل اسی قدر حاوی تھا جس قدر دوسرے لوگوں پر۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اگر کسی عامل کی شکایت کر دیتا تھا تو

عدل فاروقی اس عامل کو لاکر اس کے برابر کھڑا کر دیتا تھا اور پھر جس سزا کا وہ مستوجب ٹھہرتا اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔

مدبرین سیاست کی رائیں اس مسئلہ میں مختلف ہیں بعض لوگ معمولی باتوں پر عمال حکومت کی گرفت کو سلطنت کے رعب کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ رائے اس وقت جب کہ ملک میں کسی قسم کا اضطراب ہو درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایسی حالت میں مصلحت عامہ کے لئے عمال کا رعب مفید ہوتا ہے غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے امراء کے اقتدار کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے کیونکہ ان کے عہد میں جا بجا شورشیں برپا تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ مساوات کے عاشق تھے اور ان کا عہد بھی اندرونی شورش سے پاک تھا اس لئے وہ بڑے سے بڑے والی اور امیر اور ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت کے فقیر کو یکساں سمجھتے تھے۔ جب وہ کسی کو کسی علاقے کا عامل مقرر کرتے تھے تو اس کو اس کے فرائض اچھی طرح سمجھا دیتے تھے۔ خود اس کو رخصت کرنے کے لئے جاتے تھے اور روانگی کے وقت تک مساوات اور عدل کا سبق دیتے رہتے تھے مسلمانوں کے مجمع عام میں بار بار اس کی تصریح کرتے تھے کہ عمال اس لئے مقرر کئے جاتے ہیں کہ امت کو دین کی تعلیم دیں سنت پر چلائیں۔ مال غنیمت تقسیم کریں۔ خراج اور زکواۃ کو ان کے مستحقین تک پہنچائیں نہ کہ خود اس میں سے اپنا حصہ لگائیں یا رعایا کو ستائیں اگر میرے پاس اس قسم کی کوئی شکایت کسی والی کی آئی تو میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اس کو ضرور اس کی سزا دوں گا۔ حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ اگر کوئی امیر اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب دینے کے لئے سزا دے تو کیا آپ اس کا بدلہ لیں گے۔ فرمایا کہ ہاں ضرور بدلہ لوں گا۔ میں نے تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ خود اپنی ذات سے بدلہ لینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے، میں یہ کیونکر گوارا کر سکتا ہوں کہ کوئی امیر کسی شخص کو ذلیل کرے یا مارے یا اس کا حق زائل کرے۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عام حکم دے رکھا تھا کہ امراء اور عمال ہر سال حج کے موسم میں مکہ میں آکر مجھ سے ملیں وہاں جس شخص کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے۔ اس رسوائی عام سے ڈر کر ان کے عہد میں ملک کے تمام کارپرداز انصاف و احتیاط اور عدل و مساوات کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔

جس امیر کی شکایت ان کے پاس پہنچتی تھی اس کو بلا کر پوری تفتیش کرتے تھے۔ حضرت سعد فاتح قادسیہ و مدائن کی جب شکایت ہوئی تو ان کو بلا کر مجمع عام میں تحقیقات کی اور جب وہ بری ثابت ہوئے تو فرمایا کہ اے سعد! میرا گمان بھی تمہارے متعلق یہی تھا۔ مغیرہ بن شعبہ والی بصرہ پر جب الزام لگایا گیا تو انکو بھی طلب کیا گواہ جھوٹے ثابت ہوئے لہذا ان پر حد شرعی جاری کی۔ عمار بن یاسر والی کوفہ کی شکایت ہوئی یہ طرز حکومت سے واقف نہیں ہیں۔ ان کو بلا کر چند سوالات کئے معلوم ہوا کہ شکایت صحیح ہے اس لئے معزول کر دیا۔ عمرو بن عاص والی مصر پر ایک قبطی نے نالش کی کہ ان کے بیٹے عبداللہ نے بلاوجہ مجمع عام میں مجھ کو مارا۔ دونوں باپ بیٹوں کو مصر سے طلب کیا اور عبداللہ کو سزا دی۔ بجز چند امراء کے جن میں ابو عبیدہ اور امیر معاویہ ممتاز تر ہیں ان کے عہد میں کوئی عامل یا والی ان کی باز پرس سے محفوظ نہیں رہا۔ ان سب پر مزید یہ کہ انہوں نے محمد بن سلمہ کو جن پر کامل اعتماد رکھتے تھے امراء اور عمال کی نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا وہ ہر جگہ کا دورہ کرتے تھے ہر شخص کو کامل آزادی تھی کہ ان کے پاس جاکر عامل کی جو شکایت ہو بلا کم و کاست بیان کرے وہ علی رؤس الاشہاد اس کی تحقیقات کرتے تھے۔ حضرت عمر کا ہاتھ اس قدر قوی تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ کوئی والی اپنے اقتدار کی وجہ سے کسی شہادت پر اثر ڈال سکے۔ عمال کی آمدنی اور خرچ اور ان کی ثروت پر بھی نظر رکھتے تھے اگر کسی کے پاس آمدنی سے زیادہ ذخیرہ دیکھتے تھے تو اس کی پرسش کرتے تھے۔ کارپردازان حکومت کو تجارت کی قطعی اجازت نہیں تھی۔

بہی خواہی امت

حضرت عمرؓ جس قدر امراء اور عمال کے لئے سخت تھے اسی قدر رعایا کے لئے نرم۔ ان کی بہبود اور فلاح کے خیال میں ہمیشہ

غرق رہتے تھے اور خلافت کی عظیم الشان ذمہ داری کا ان کو حد سے زیادہ احساس تھا فرماتے تھے کہ اگر ساحل فرات پر بھی کوئی اونٹ ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اسکی جوابدہی کرنی پڑے گی۔

قبائل کے دفاتر خود اٹھا کر لے جاتے تھے اور بچوں اور عورتوں کو نام بنام بلا کر خود ان کے ہاتھوں میں ان کا وظیفہ دیتے تھے نواح مدینہ میں راتوں کو گشت لگاتے تھے اور اکثر جب کوئی قافلہ وہاں آکر اترتا تھا تو خود جا کر رات کو پاسبانی کرتے تھے۔ ایک رات اپنے غلام اسلم کو لے کر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام صرار میں پہنچ دیکھا کہ ایک خیمہ میں ایک بڑھیا کچھ پکا رہی ہے اور چند بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ قریب جا کر کیفیت دریافت کی اس نے کہا کہ یہ بچے بھوک کے مارے رو رہے ہیں پوچھا کہ ہانڈی میں کیا پک رہا ہے؟ اس نے کہا کہ کچھ نہیں بچوں کو بہلانے کے واسطے خالی پانی چڑھا دیا ہے کہ کھانے کی امید میں ان کا جی بہل جائے اور سو جائیں۔ یہ سن کر کانپ اٹھے اور اپنے غلام کو ساتھ لئے ہوئے فوراً مدینہ واپس آئے بیت المال کا دروازہ کھولا آٹے کا تھیلا اور گھی کا برتن اٹھایا غلام نے کہا کہ میرے کندھے پر رکھ دیجئے فرمایا کہ کیا قیامت میں بھی تم میرا بوجھ اٹھاؤ گے خود لا کر بڑھیا کے سامنے رکھ دیا اور چولہا پھونکنے لگے اس نے پکا کر بچوں کو کھلایا جب وہ کھا کر خوش ہو گئے اور ہنسنے اور کھیلنے لگے تو وہاں سے واپس چلے بڑھیا نے کہا کہ اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔ خلیفہ تم کو ہونا چاہیے نہ کہ عمر کو فرمایا کہ کل تم مدینہ میں اپنے بچوں کو لیکر خلیفہ کے پاس آؤ وہاں انشاء اللہ تمھیں ملوں گا۔ تمہارا کچھ وظیفہ مقرر ہو جائے گا۔

ہر چند کہ یہ جزوی واقعات ہیں لیکن ان سے ان کی رعیت پروری اور شفقت کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے فرض اور مسولیت کا کس قدر ان کو احساس اور خوف تھا۔ باوجود اس شفقت اور رحمت کے ان کی ہیبت اس قدر دلوں پر چھائی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے امراء ان سے بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے اور زیادہ تر حضرت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف کے توسط سے اپنے معاملات ان تک پہنچاتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں صرف ایک درہ یعنی ایک چھوٹا عصا رہتا تھا جس کا خوف لوگوں کے اوپر تیغ و دوم سے بھی زیادہ تھا اور بجز چند صحابہ کبار کے اس سے بچے بھی کم لوگ تھے۔ ایک بار لوگوں نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ خلیفہ کا رعب ہمارے اوپر اس قدر ہے کہ ہم ان کے آگے لب نہیں ہلا سکتے بلکہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوئے بھی دل لرزتا ہے انہوں نے حضرت عمرؓ سے اس کو بیان کیا فرمایا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جس قدر لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ میں خود ان سے ڈرتا ہوں کیونکہ ان کی ذمہ داری میرے اوپر ہے۔ ایک شخص جو نہ محافظ رکھتا ہو نہ دربان نہ اس کے پاس نیزہ ہو نہ تلوار لباس میں پیوند در پیوند لگے ہوئے ہوں۔ ادنیٰ ادنیٰ رعیت کی خود خدمت کرتا ہو اس کے رعب کا یہ عالم اس کو سوائے جلال حق کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بیت المال کی حفاظت

حضرت عمرؓ جس طرح خود عدل و مساوات کے عاشق تھے اسی طرح یہ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان اس کا خیال رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی مثال سے اس کو لوگوں کے خاطر نشین کرنا چاہتے تھے۔ بیت المال کے خزانے کو سوائے مستحقین کے اور کسی کے لئے حلال نہیں سمجھتے تھے۔ خود اپنے اخراجات کے لئے اس قدر کم رقم لیتے تھے کہ نہایت تنگی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ جو کی روٹی ان کی غذا تھی اور زیتون کا تیل ان کا سالن۔ حضرت عثمان اور زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ترس کھا کر ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ ہمارا نام ظاہر نہ کریں۔ لیکن اپنے باپ سے جا کر یہ کہیں کہ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپ بیت المال سے جو روزینہ لیتے ہیں وہ آپ کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس میں کچھ اور اضافہ کیجئے۔ انہوں نے جا کر جب کہا تو فرمایا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایسی ترغیب دیتے ہیں میں ان کی خبر لوں گا۔ حضرت حفصہ نے کہا کہ ان کا نام ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔

فرمایا اچھا تم میرے اور ان کے درمیان میں ہو ۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے نہیں کئے ۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے نہیں پہنے ۔ پھر جب انہوں نے فضولیات دنیا کی طرف توجہ نہیں کی تو مجھے بھی اسی حالت میں رہنے دو ۔ میری مثال یہ ہے کہ تین ساتھی ایک منزل کی طرف چلے ۔ پہلا پہنچ گیا دوسرا بھی اس کے پیچھے گیا وہ بھی پہنچ گیا اب میں بھی اگر اسی توشہ پر راضی ہو کر اسی راستہ پر چلونگا تو اپنے ساتھیوں سے جا ملوں گا ۔ نہیں تو بھٹک کر دور جا پڑوں گا ۔

اپنے اہل و عیال کو بھی وہ اپنے ہی طرح رکھتے تھے ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبید اللہ عراق کی فوج میں تھے ۔ جب مدینہ واپس آنے لگے تو بصرہ کے والی ابو موسیٰ اشعری نے ان سے کہا کہ یہاں خزانہ میں ایک رقم جمع ہے جس کو میں خلیفہ کے پاس بیت المال میں بھیجنا چاہتا ہوں تم اس کو لے کر یہاں سے کوئی تجارتی سامان خرید لو ۔ مدینہ میں پہنچ کر اس کو فروخت کر کے اصل رقم بیت المال میں داخل کر دینا اور نفع خود لے لینا ۔ ان دونوں بھائیوں نے ایسا ہی کیا حضرت عمر کو جب معلوم ہوا تو ان کو بلا کر کہا کہ اس کا نفع کہاں ہے ؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ مال والی بصرہ نے ہم کو قرض دیا یہاں آکر ہم نے وہ قرض ادا کر دیا فرمایا کہ صرف امیر المومنین کے بیٹوں کو قرض دیا گیا تھا یا ساری فوج کو یہ سن کر عبداللہ خاموش ہو گئے ۔ لیکن عبید اللہ نے کہا کہ اس کی ذمہ داری بھی تو ہمارے اوپر تھی ۔ اگر نقصان ہوتا یا یہ مال ضائع ہو جاتا تو ہم کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑتا ۔ اس پر لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ منافع میں سے نصف ان لوگوں کو دیا جائے اور نصف بیت المال میں داخل ہو ۔

اسی طرح جب ایک بار قیصر روم کو خط بھیجا تو ان کی بیوی ام کلثوم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ کی بیٹی تھیں ۔ اسی قاصد کے ہاتھ اپنی طرف سے ملکہ روم کے لئے کچھ تحفے بھیجے ، وہاں سے قیصرہ نے ان کے لئے ہدیہ بھیجا ۔ جس میں موتیوں کی ایک بیش قیمت مالا بھی تھی حضرت عمر کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو لے کر بیت المال میں داخل کر دیا ۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ملکہ روم کا ہدیہ ہے جو نہ آپ کے زیر فرمان ہے نہ اس کے مال سے آپ کو کچھ تعلق ہے ۔ فرمایا کہ قاصد مسلمانوں کا تھا اور اس کے اخراجات بیت المال سے دیے گئے تھے ۔ ام کلثوم کو صرف اس قدر دلا دیا جتنا ان کا صرفہ پڑا تھا ۔ یہ سب تشدد اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر اس لئے تھا کہ لوگوں کو اس بات کا سبق دیں کہ مسلمانوں کے مال سے وہ پرہیز کریں اور بلا استحقاق اس کو نہ لیں ۔ جب وہ مسلمانوں کو کسی بات سے منع کرتے تھے تو گھر میں آکر اپنے عیال کو جمع کر کے کہہ دیتے تھے کہ دیکھو! لوگوں کو میں نے فلاں چیز سے منع کیا ہے تم اس کے قریب نہ جانا ۔ سب کی نگاہیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں ۔ تم میں سے اگر کوئی اس کا مرتکب ہوگا تو اس کو دونی سزا دوں گا ۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے امت عربیہ کی صحیح تشخیص کی اور سیدھے راستے پر ان کو چلایا ان کی مثال اس نسخہ کامل کی تھی جس کے تمام اجزا مریض کی صحت کے لئے ضروری ہوتے ہیں ۔ اگر اس میں سے کوئی دوا کم کر دی جائے تو پھر اس کا وہ اثر باقی نہیں رہتا ۔ زمانہ مابعد میں خلفائے اسلام میں سے کوئی فاروق اعظم جیسا مجموعہ کمالات نہیں ہوا ۔ یہی وجہ ہے کہ امت کسی کے عہد میں اتنے کارہائے نمایاں انجام نہ دے سکی ۔

بیت عمرؓ

اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر نے زینب بن مظعون سے جو بنی جمح سے تھیں نکاح کیا ۔ ان سے عبداللہ ، عبدالرحمن اکبر اور ام المومنین حفصہ پیدا ہوئیں ۔ یہ مسلمان ہوئی تھیں مکہ میں ہجرت سے پہلے انتقال کر گئیں ۔ دوسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی ان سے عبید اللہ پیدا ہوئے ۔ تیسری بیوی قریبہ مخزومیہ تھیں ان دونوں کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے زمانے میں طلاق دے دی ۔ مدینہ میں جمیلہ بنت قیس انصاریہ ان کے نکاح میں آئیں ۔ ان کے بطن سے عاصم تھے ۔ پھر حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم سے عقد کیا ان سے زیاد اور رقیہ دو بچے ہوئے لیکن دونوں بلا اولاد کے گزر گئے لہیہ یمنی سے نکاح کیا ان سے عبدالرحمن اصغر پیدا ہوئے ۔

آخری بیوی عاتکہ بنت زید تھیں ۔

وفات

مدینہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام ابو لو لو فیروز نامی تھا اس نے ایک بار حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ مغیرہ نے مجھ پر محصول زیادہ لگا رکھا ہے اس کو کم کرا دیجئیے پوچھا کس قدر ہے اس نے کہا کہ دو درہم روزانہ ، کہا تم کیا کرتے ہو اس نے جواب دیا نجاری نقاشی اور آہنگری ۔ فرمایا کہ ان دستکاریوں کے ساتھ تو دو درہم روزانہ کچھ زیادہ نہیں وہ اس فیصلہ سے ناراض ہوا ۔ دوسرے دن فجر کے وقت مسجد میں گیا ۔ حضرت عمر نماز پڑھا رہے تھے اس نے خنجر دودم سے ان پر کئی وار کئے ایک زخم ناف کے نیچے لگا ۔ اور وہی ہلاکت کا باعث ہوا ان کے پیچھے صف میں کلیب بن بکیر لیثی تھے ان کو بھی اس نے قتل کر ڈالا ۔ جب لوگوں نے اسکو پکڑا تو اس نے خود کشی کر لی ۔ حضرت عمرؓ زخم کھا کر گر پڑے اور کہا کہ دیکھو کس نے مجھے قتل کیا لوگوں نے جب نام بتایا تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ کو کبھی سجدہ نہیں کیا ۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے نماز پڑھائی اور لوگ حضرت عمر کو اٹھا کر گھر میں لائے ۔ جب دوا پلائی گئی تو زخم کی راہ سے باہر نکل پڑی ۔ اس لئے یقین ہو گیا کہ یہ جانبر نہیں ہو سکتے ۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ حضرت عائشہ کے پاس جا کر درخواست کرو کہ وہ اپنے حجرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مجھے دفن کرنے کی اجازت دے دیں ۔ وہ گئے حضرت عائشہ اس حادثہ پر رو رہی تھیں فرمایا کہ اس جگہ کو میں نے اپنے لئے محفوظ رکھا تھا لیکن حضرت عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں ۔ عبداللہ نے واپس آکر خوشخبری سنائی ۔ فرمایا یہی سب سے بڑی آرزو تھی ۔ زخم لگنے کے تیسرے دن ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کے روز شام کو وفات پائی ۔ دوسرے دن صبح کو دفن کئے گئے ۔ ان کی وصیت کے مطابق حضرت صہیب نے جنازہ کی نماز پڑھائی ۔ عمر ۶۳ سال کی تھی ۔ کل مدت خلافت دس سال چھ مہینے چار دن تھی ۔

صفات عمر

حضرت عمر قبول اسلام سے پہلے شہسواری اور پہلوانی میں مشہور تھے ۔ انہوں نے عرب کے مشہور بازار عکاظ میں کئی دنگل جیتے تھے انساب قبائل سے خوب واقف تھے اور قریش کی سفارت کا منصب ان کو حاصل تھا ۔ کئی بار شام اور عراق کے بادشاہوں کے پاس سفیر بن کر گئے تھے ۔ حجاز میں اگرچہ اس زمانہ میں کتابت کا رواج بہت کم تھا لیکن یہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ۔ مدینہ میں آکر عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی ۔ ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی ۔ ان کی جرات کی بدولت مسلمان خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے ۔ ہجرت کے بعد آنحضرت کے ساتھ بلا استثناء تمام غزوات میں شریک رہے ۔

جب خلیفہ ہوئے تو ان کی قوت تدبیر اور حسن سیاست سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظیم الشان شوکت بخشی ۔ بڑی بڑی سلطنت اسلامی جھنڈے کے نیچے آگئیں اور یہ دین حق اقوام و ملل پر غالب آگیا ۔ بزرگی اور عظمت کے لحاظ سے حضرت ابو بکرؓ کے بعد ان کا درجہ امت میں سب سے بلند ہے لیکن ان کا رعب و جلال ان سے زیادہ تھا ۔ فوج کا دفتر ان ہی کے عہد میں مرتب ہوا ۔ کوفہ بصرہ فسطاط موصل اور جیزہ یہ سب شہر انہوں نے آباد کرائے ۔ سنہ ہجری انھیں کا مقرر کیا ہوا ہے ۔

ان کے عہد میں کتاب و سنت کا سمجھنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا ۔ فقہ کے مجتہد اول یہی ہیں ۔ نہایت بلند پایہ خطیب اور مقرر تھے ۔ ان کی ذات امت اسلامیہ کے لئے مایہ شوکت و عزت و باعث رحمت و برکت تھی ۔ رضی اللہ عنہ ۔

عمال عہد عمرؓ

طائف - سفیان بن عبداللہ ثقفی
صنعا - یعلی ابن منیتہ
کوفہ - مغیرہ بن شعبہ
شام - امیر معاویہ
مکہ - نافع بن عبدالحارث خزاعی

جند - عبداللہ بن ربعیہ
بحرین - عثمان بن ابی العاص
بصرہ - ابو موسیٰ اشعری
مصر - عمرو بن عاص

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جب صحابہ نے دیکھا کہ اس مہلک زخم سے حضرت عمرؓ کا بچنا مشکل ہے، تو ان سے درخواست کی کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ وہ متردد تھے فرمایا کہ میں کسی کو خلیفہ بنا دوں تو یہ بھی بے جا نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے جو مجھ سے بہتر تھے ایسا کیا ہے اور اگر نہ بناؤں تو بھی نامناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلعم نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا۔ آج ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا قائم مقام کر دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس کرتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبیؐ سے سنا تھا کہ ابو عبیدہ اس امت میں امین ہیں۔ یا ابو حذیفہ کا غلام سالم ہوتا تو اس کو خلیفہ بنا دیتا اور اللہ سے کہتا میں نے تیرے نبی سے سنا تھا کہ سالم للہیت کا شیدائی ہے۔ کسی شخص نے کہا کہ آپ کے بیٹے عبداللہ اس کے لئے موزوں ہیں۔ فرمایا کہ نہیں، جسے بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہ آیا اس کو میں امت کا خلیفہ کیسے بنا دوں۔ میرے اوپر یہ امارت خود ایک بار گراں تھی اس لئے اب میں اپنے خاندان کے کسی شخص پر اس بوجھ کو ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ ایک عمری کے لئے اس کی جوابدہی کیا کم ہے کہ وہ اپنے کنبہ میں سے دوسروں کو بھی مصیبت میں ڈالے۔ میں نے اپنے کو اور اپنے متعلقین کو بہت سی آسائشوں سے محروم رکھا پھر بھی خلافت کی ذمہ داریوں سے اگر اللہ کے دربار میں بلا ثواب اور بلا عذاب کے چھوٹ جاؤں تو سمجھوں گا کہ بڑا خوش قسمت ہوں۔

یہ سن کو لوگ خاموش ہو گئے۔ لیکن معاملہ چونکہ زیادہ اہم تھا اس لئے دوسرے وقت پھر اس کو چھیڑا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں بھی چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو امت کا امیر بنا دوں جو اس کے بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ لیکن میں نے سوچا کہ زندگی کی طرح مرنے کے بعدؒ بھی اس کی ذمہ داری میرے ہی اوپر رہے گی اس لئے میری ہمت نہیں پڑتی۔ یہ چھ آدمی ہیں حضرت علی، عثمان، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے ان میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے امیر بنا لو اور نیک نیتی کے ساتھ اس کی اطاعت کرو۔ جو امانت جس کے سپرد ہو وہ اس میں خیانت نہ کرے۔ یہ کہہ کر مذکورہ بالا صحابہ کو بلایا اور فرمایا کہ جہاں تک میں نے نظر ڈالی تم چھ آدمی میری نگاہ میں امت کے سردار معلوم ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا سے تشریف لے گئے تم لوگوں سے راضی گئے۔ اگر تم راہ راست پر رہے تو تمہارے لئے کسی کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن اگر خود تم میں باہم مخالفت ہوئی تو امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ اس کے بعد ان کے لئے میعاد مقرر کی کہ میری موت کے بعد زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر انتخاب ہو جانا چاہیے۔ مقداد بن اسود کو حکم دیا کہ جب مجھ کو دفن کر کے فارغ ہو جائیں تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا۔ تاکہ یہ اپنے آپ میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں۔ عبداللہ بن عمر کو رائے دینے کے لئے بلا لینا۔ لیکن امارت سے ان کو کوئی سروکار نہ ہوگا۔ فیصلہ کثرت رائے سے ہو۔ اگر دونوں طرف رائیں برابر ہوں تو عبداللہ کی رائے لیکر فیصلہ کر دینا۔ اگر ان کی رائے قابل قبول نہ سمجھی جائے تو وہ فریق غالب ہوگا جس کی طرف عبدالرحمن بن عوف ہوں گے۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ نہ مانیں اور اپنے دعوے پر اڑے رہیں ان کو قتل کر دینا۔

حضرت عمرؓ کے دفن کرنے کے بعد مقداد ان صحابہ کو لیکر مسور بن مخرمہ کے گھر میں آئے اندر بٹھا کر دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہا خلیفہ کی وصیت کے مطابق تین دن کے اندر آپ لوگ اپنے آپ میں سے امیر منتخب کر لیں ۔ تھوڑی دیر تک سب لوگ خاموش بیٹھے رہے ۔ پھر حضرت عبدالرحمن نے کہا کہ ہم میں سے کون ہے جو خلافت سے دستبردار ہو جائے اسی کو یہ اختیار ہو گا کہ اس جماعت میں سے جس کو افضل سمجھے خلیفہ منتخب کر دے یہ سن کر لوگ چپ رہے ۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا کہ میں دست بردار ہوتا ہوں ۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہوں کہ تم جس کو چاہو ہم میں سے امیر بنا دو ۔ ان کے بعد اور لوگوں نے اس بات کو منظور کیا ۔ لیکن حضرت علیؓ کچھ نہیں بولے ۔ عبدالرحمن نے ان سے کہا آپ کیا کہتے ہیں ۔ فرمایا کہ اس بات کا عہد کرو کہ بلا نفسانیت اور رشتہ داری کے خیال کے محض حق پرستی اور امت کی خیر خواہی پیش نظر رکھ کر انتخاب کرو گے انہوں نے کہا کہ تم اس بات کا پختہ وعدہ کرو کہ جس کو منتخب کروں گا اس پر رضامند ہو جاؤ گے اور جو نہ مانے گا اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو گے میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ بلا رو رعایت اور بلا خیال کسی قرابت کے محض امت کی خیر خواہی اور حق پرستی کی بنیاد پر انتخاب کروں گا ۔ دونوں طرف سے عہد و پیمان ہو جانے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ۔ عبدالرحمن تین دن اور تین رات مدینہ میں صحابہ سے مشورہ کرتے رہے ۔ تمام لوگ بالا اتفاق حضرت عثمان کے انتخاب کی رائے دیتے تھے ۔ صرف چند شخص تھے جو حضرت علیؓ کو چاہتے تھے جس رات کی صبح کو تین دن کی مدت ختم ہونے والی تھی عبدالرحمن نے اس میں پہلے حضرت زبیر کو بلایا اور ان سے کہا کہ امارت بنی عبد مناف کے دونوں بیٹوں (عثمان علی) کے حوالہ کرو ۔ انہوں نے کہا کہ علی کے حق میں چھوڑتا ہوں ۔ پھر سعد بن ابی وقاص کو طلب کیا ان سے کہا تم اپنا حق میرے حوالہ کرو ۔ انہوں نے کہا اگر تم خلیفہ ہونا چاہتے ہو تو خوشی سے لیکن اگر عثمان کا انتخاب کرنا چاہتے ہو تو میں علی کو ان کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہوں ۔ بہتر تو یہ ہے کہ تم خود بیعت لے لو اور ہم کو ان جھگڑوں سے رہائی مل جائے ۔ عبدالرحمن نے کہا کہ میں تو خلافت سے وست بردار ہو چکا ہوں ۔ حضرت طلحہ ان دنوں مدینہ میں نہیں تھے ۔ اس لئے ان کی رائے لینے کا موقع نہیں مل سکا ۔

اس کے بعد حضرت علیؓ کو بلا کر دیر تک ان سے مشورہ کرتے رہے جب وہ چلے گئے تو حضرت عثمان کو بلایا اور ان سے صبح تک باتیں کیں ۔ نماز کے بعد مہاجرین انصار اور دیگر اہل رائے کو مسجد میں جمع کیا اور کہا کہ دیار و امصار کے لوگ جو یہاں موجود ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقامات کو روانہ ہونے سے قبل ان کو معلوم ہو جائے نہ امت کا امیر کون قرار پایا ہے ۔

اس پر مسجد میں چاروں طرف سے لوگوں نے اپنی اپنی رائیں ظاہر کرنی شروع کیں ۔ حضرت سعد نے کہا کہ عبدالرحمن معاملہ کو جلد طے کرو کہیں فتنہ نہ واقع ہو جائے ۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اچھی طرح غور کیا اور جہاں تک میری طاقت میں تھا ہر طبقہ کے لوگوں سے مشورہ لیا ۔ میرے فیصلہ سے اب کسی کو انکار کی گنجائش باقی نہیں ہے ۔ یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور کہا کہ اللہ کو درمیان میں دے کر یہ عہد کرو کہ کتاب ، سنت اور شیخین کے طریقے پر چلو گے ۔ انہوں نے جب اقرار کر لیا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ ان کے بعد سب لوگ بیعت کرنے لگے ۔ حضرت علیؓ اندوہگیں ہو کر مسجد سے باہر نکل آئے لیکن پھر پلٹے اور صفیں چیرتے ہوئے جا کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ھ سے ہوئی ۔

ترجمہ عثمان

۱ حضرت عثمان بنی امیہ سے ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے ۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ۔ ان کی والدہ اروے بنت کریز بن ربیعہ بن عبد شمس تھیں ۔ آنحضرت صلعم کی ولادت کے پانچ سال بعد ان کی پیدائش ہوئی تھی ۔

یہ سابقین اولین میں سے ہیں ۔ آغاز بعثت ہی میں حضرت ابو بکرؓ کے سمجھانے سے اسلام لائے تھے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی بیٹی رقیہ کے ساتھ کیا ۔ مشرکین مکہ نے جب اذیت پہنچانی شروع کی تو حضرت عثمانؓ معہ رقیہ کے ملک حبش کی

طرف ہجرت کر گئے۔

یہ اسلام میں سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ درمیان میں پھر مکہ آئے۔ اور جب مدینہ جانے کی اجازت ملی تو وہاں چلے گئے دونوں ہجرتیں انہوں نے کیں۔ تمام غزوات میں بجز بدر کے آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ بدر کے موقع پر چونکہ حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں اس لئے سرور عالمؐ نے ان کی تیمارداری کے لئے ان کو چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ فتح بدر کے بعد رقیہ کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے بدر کے مال غنیمت میں سے حضرت عثمانؓ کو بھی حصہ عطا فرمایا۔ اور شرکائے جنگ میں ان کو قرار دیا۔ رقیہ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم کو انکے نکاح میں دیا اس لئے ذی النورین ان کا لقب ہوا۔

عمرہ حدیبیہ کے موقع پر یہ قریش کی طرف سفیر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جب یہ خبر شائع ہوئی کہ کفار نے ان کو قتل کر ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے جان دینے کی بیعت لی اور خود اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا قرار دے کر بائیں ہاتھ پر مارا اور ان کی طرف سے بیعت کی۔

جیش العسرۃ جو تبوک کے لئے تیار کی گئی اس کا سامان انھیں کی کوشش مدد اور فیاضی سے ہوا۔ انہوں نے اس میں بے دریغ اپنا مال صرف کیا۔ بر رومہ جو مدینہ کا ایک مشہور کنواں تھا اور جس کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ جو اس کو مسلمانوں کے لئے خرید لے وہ جنتی ہوگا۔ اس کو انہوں نے خرید کر وقف کر دیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں کاتب وحی اور حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں معتمد اور امین رہے وہ لوگ بڑے بڑے امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔

خطبہ خلافت

بیعت ہو جانے کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس وقت مال و متاع دینوی کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کی حالت میں جو تغیر آ چکا تھا اس سے باز رکھنے کے لئے عمل صالح اور ثواب آخرت کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ دنیائے فانی کے چند روزہ جاہ و جلال پر مائل نہیں ہونا چاہیے۔ شیطان کے پھندے سے بچو اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں گزارو۔

پھر امراء فوج اور والیان صوبجات کے نام ایک مراسلہ جاری کیا۔ کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں اور جس طریقہ سے خلیفہ سابق کے عہد سے خدمات انجام دیتے چلے آتے ہیں اسی پر قائم رہیں۔ امانت داری اور وفا عہد کا لحاظ رکھیں۔

پہلا مقدمہ

حضرت عمرؓ کے زخمی ہونے کے بعد ہی یہ خبر شائع ہوئی کہ اکیلا فیروز ہی ان کا قاتل نہیں ہے بلکہ اس میں ایک جماعت شریک ہے کیونکہ عبدالرحمن بن ابو بکر نے بیان کیا کہ شام کے وقت میں نے دیکھا کہ ہرمزان اور جفنیہ اور فیروز تینوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ کوئی مشورہ کر رہے تھے۔ جب میں اچانک ان کے قریب پہنچ گیا تو وہ گھبرا اٹھ کھڑے ہوئے ان میں سے کسی کے پاس سے ایک خنجر گرا جس کے دونوں طرف دھار تھی۔ جب فیروز کا خنجر دیکھا گیا تو ٹھیک اسی قسم کا تھا جیسا عبدالرحمن نے بتایا تھا۔ چنانچہ جب اس زخم سے حضرت عمرؓ انتقال کر گئے تو عبیداللہ بن عمر نے غصہ میں جا کر ہرمزان کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد جفنیہ کی طرف چلے یہ حیرہ کا رہنے والا ایک عیسائی غلام تھا جس کو سعد بن ابی وقاص مدینہ میں لائے تھے کہ بچوں کو کتابت سکھائے۔ حضرت صہیب کو جو اس وقت عارضی طور پر خلافت کا کام کرتے تھے جب عبیداللہ کے اس فعل کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان کو گرفتار کر کے تلوار ان کے ہاتھ سے چھین لی اور اس وقت تک کے لئے قید کر دیا جب تک کوئی خلیفہ منتخب نہ ہو۔

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے سب سے پہلے یہی معاملہ پیش ہوا۔ انہوں نے مہاجرین اور انصار سے پوچھا کہ اس میں کیا کرنا چاہیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ قصاص لینا چاہیے لیکن دوسرے مہاجرین نے کہا کہ کل عمر کا انتقال ہوا اور آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے عمرو بن عاص نے کہا اے امیر المومنین! اس معاملہ سے آپ کو کیا سروکار یہ واقعہ آپ کی خلافت سے قبل کا ہے۔

حضرت عثمان نے آخر میں خود ہرمزان کے خون کی دیت اپنے ذمہ لی اور اس معاملہ کو طے کر دیا لوگ اس فیصلہ سے خوش ہوئے۔

فتوحات

کوفہ میں چالیس ہزار فوج رہتی تھی اور آذر بے جان کی حفاظت اسی کے ذمہ تھی۔ چھ ہزار سپاہی آذر بائیجان اور چار ہزار رے کی حدود پر متعین رہتے تھے۔ جو یہاں سے باری باری بھیجے جاتے تھے۔ ولید بن عقبہ عامل کوفہ کے زمانہ میں اہل آذر بائیجان نے بغاوت کی وہاں فوج کشی کی گئی۔ آخر کار وہ پھر اپنی شرائط کو پورا کرنے پر رضامند ہو گئے۔ آرمینیہ میں بھی وہاں کے باشندوں نے سازش کر کے سرکشی کی سلمان بن ربیعہ باہلی فوج کے ساتھ اس طرف بھیجے گئے۔ انہوں نے فتنہ کو دبا دیا۔ سعید بن عاص ایک لشکر جرار لے کر طبرستان میں گئے۔ اس میں امام حسن، امام حسین عبادلہ اربعہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عباس۔ نیز حضرت حذیفہ بن یمان وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے متعدد سخت معرکے ہوئے۔ اہل طبرستان نے ہزیمت اٹھا کر مصالحت کی۔

۳۳ھ میں حضرت عبدالرحمن بن ربیعہ باہلی نے بحر خزر کے سواحل پر فوج کشی کی اور فتح کرتے ہوئے مقام ور بند تک پہنچ گئے۔ وہاں غنیم نے بہت بڑی جمعیت فراہم کر کے مقابلہ کیا۔ عبدالرحمن شہید ہو گئے اور اسلامی فوج نے شکست کھائی۔ پھر عبدالرحمن کے بھائی سلمان بن ربیعہ اس سرحد پر متعین ہوئے۔ انہوں نے دشمنوں کو روکا۔ فارس، خراسان اور حدود سندھ تک کا فوجی سرکز بصرہ تھا۔ عبدالرحمنؓ بن عامر والی بصرہ کے عہد میں اہل فارس نے وہاں کے امیر عبید اللہ بن معمر کو قتل کر ڈالا اور بغاوت کر دی۔ ابن عامر خود فوج لے کر اس طرف بڑھے اور ان کی سخت گوشمالی کی۔ انہیں کی امارت میں ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد مارا گیا۔ اس کی موت سے ساسانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ ۳۱ھ میں خراسان میں بغاوت ہوئی۔ ابن عامر نے فوج کشی کی قہستان والوں نے امان مانگ لی پھر وہ نیشاپور کی طرف بڑھے ان لوگوں نے بھی صلح کی وہاں سے احنف بن قیس کو طخارستان کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے مرورود تک فتح کیا۔ اس کے بعد بلخ پر قابض ہوئے پھر خوارزم کی طرف بڑھے مگر وہاں سے محاصرہ اٹھا کر واپس چلے آئے۔ ابن عامر نے ایک دوسرے سردار عبدالرحمن بن سمرہ کو سیستان کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کابل اور ازبکستان کو فتح کیا۔ ابن عامر ان فتوحات کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔

شام میں حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہ کو پورے صوبہ کا والی کر دیا۔ انہوں نے رومیوں پر فتوحات حاصل کیں۔ راستہ میں ان کے جس قدر قلعے ملے۔ ان میں اپنی فوجیں رکھ دیں۔ دربار خلافت کے حکم سے حبیب بن مسلمہ کو آرمینیہ کی طرف فوج دے کر روانہ کیا جنہوں نے تفلیس تک فتح کیا۔

امیر معاویہ کا چونکہ زیادہ تر مقابلہ رومیوں کے ساتھ رہتا تھا جن کے پاس جنگی کشتیاں تھیں، اس لئے وہ اس بات کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ ہم بھی اپنی بحری طاقت تیار کریں تاکہ سمندر میں ان کا مقابلہ کر سکیں اور ان کو اپنے سواحل پر فوجیں نہ اتارنے دیں۔ لیکن حضرت عمرؓ بحری جنگ کو مسلمانوں کے لئے ایک قسم کی تعزیر سمجھتے تھے اس لئے ان کی درخواست نہیں منظور کرتے تھے۔ حضرت عثمان کے عہد میں ان کو کشتیوں کے بنانے کی اجازت ملی لیکن اس شرط پر کہ مسلمان جبراً یا قرعہ اندازی کر کے بحری فوج میں نہ لئے جائیں۔ صرف وہی لوگ بھرتی کئے جائیں جو خوشی سے اس میں آنا چاہیں۔

امیر معاویہ نے جنگی کشتیاں تیار کرائیں۔ اور ۲۸ھ میں پہلا بحری حملہ جزیرہ قبرص پر کیا۔ اس میں حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ بہت سے صحابہ رسولؐ بھی مدینہ سے آکر شامل ہوئے۔ عبداللہ بن سعد سپہ سالار مصر بھی مدد کے لئے خود ساتھ گئے اہل قبرص نے صلح کی۔ شرائط یہ تھیں کہ وہ ہر سال سات ہزار دینار مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں گے۔ اور اسی قدر رقم جو وہ رومیوں کو سالانہ

دیتے ہیں مسلمان اس میں مزاحمت نہ کریں گے ۔ اگر کوئی یہاں حملہ آور ہو تو مسلمان پر مدافعت لازم نہ ہوگی ۔ رومی جس وقت اسلامی ملک پر حملہ کا سامان کریں گے تو اہل قبرص مسلمانوں کو اطلاع دیں گے اور اسلامی فوج اگر یہاں سے گزرنا چاہے گی تو اس کو گزرنے کا حق ہوگا ۔ امیر معاویہ نے فوج کے دو حصے کئے تھے ۔ شاتیہ اور صائفہ یعنی سرمائی و گرمائی ۔ ایک حصہ جاڑے کے موسم میں جنگ میں مصروف رہتا تھا دوسرا گرمی میں ۔ عبداللہ بن قیس حارثی امیر البحر تھے ۔ انہوں نے رومیوں کے ساتھ متعدد لڑائیاں کیں کبھی انکے بیڑے کا کوئی آدمی غرق نہیں ہوا ۔

مصر میں اسکندریہ کے رومیوں کے ساتھ بعض قبطی سردار مل گئے ۔ انہوں نے ہرقل سے خط و کتابت کر کے امداد طلب کی ۔ اس نے ایک عظیم الشان بیڑہ روانہ کیا اور اسکندریہ میں فوجیں اتار دیں ۔ عمرو بن عاص والی مصر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے پہنچ کر رومیوں کو سخت شکست دی ۔ اور اسکندریہ پر قبضہ کر کے اس کی فصیل کو توڑ دیا ۔ ۲۵ھ میں عبداللہ بن سعد افریقہ کے سپہ سالار مقرر ہوئے ، حضرت عثمان نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے وہاں رومیوں کو مغلوب کر لیا تو اس غنیمت کا پانچواں حصہ تم کو انعام دیا جائے گا ۔ انہوں نے خلیفہ سے امداد طلب کی ۔ بمشورہ صحابہ ۲۶ھ میں امداد روانہ کی گئی جس میں عبادلہ اربعہ اور امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے جب برقہ سے آگے بڑھے تو قیصر کی طرف سے شہر یعقوبہ کا والی جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لیکر مقابلہ میں آیا اور لڑائی ہونے لگی ۔ عبداللہ بن زبیر نے ابن سعد کو میدان میں نہ دیکھا ۔ پوچھا کہ کہاں ہیں لوگوں نے کہا کہ جرجیر نے اعلان کرایا ہے کہ جو شخص ابن سعد کا سر کاٹ لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار دوں گا اور اسی کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دوں گا ۔ اس وجہ سے وہ فوج کے پیچھے ہیں ۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ ہماری طرف سے اعلان کرا دو کہ جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا ہم اس کو ایک لاکھ دینار دیں گے اور اس کی بیٹی سے اس کی شادی کر دیں گے نیز یہ کہ اس کے بجائے اس کو یعقوبہ کا والی بنا دیں گے ۔ چند روز تک لڑائی ہوتی رہی اس کے بعد مسلمانوں نے جی توڑ کر حملہ کیا اور غالب آگئے ۔ جرجیر کو عبداللہ بن زبیر نے قتل کیا اس کی بیٹی انہیں کو ملی اس فتح میں بہت مال غنیمت ہاتھ آیا ۔ عبداللہ بن سعد کو خمس غنیمت کا پانچواں حصہ جو دیا گیا تھا وہ ایک لاکھ دینار تھا ۔ پھر وہاں سے فوجی دستے مختلف اطراف میں بھیجے گئے ۔ ابن سعد کے عہد میں قیصر نے چھ سو کشتیوں کا ایک بیڑا لیکر مصر پر حملہ کیا شام سے امیر معاویہ اپنی بحری فوج لے کر ابن سعد کی امداد کو پہنچ گئے ۔ جب رومیوں سے سمندر میں مقابلہ ہوا تو اسلامی فوج نے اپنی کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا اور سطح بحر پر میدان کی طرح جنگ کی رومیوں نے سخت شکست کھائی ۔ ان کی بہت سی کشتیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں ۔ اس طرح پر اسلامی بیڑہ کی طاقت بڑھ گئی اور رومیوں کے بحری حملوں اور تاخت و تاراج سے شام و افریقہ کے سواحل محفوظ ہو گئے ۔

فتنہ داخلیہ

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اعیان قریش کو مدینہ میں روک رکھا تھا ان کو کہیں دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے کبھی ان میں سے اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آجاتی تو ایک مدت معینہ کی اجازت لے کر جاتا اور پھر واپس آجاتے اگر کوئی کسی جنگ میں بھی شریک ہونا چاہتا تو اس کو اجازت نہ دیتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جن جہادوں میں تم شریک ہو چکے ہو ان کا ثواب تمہارے لئے کافی ہے ۔ ہر چند کہ لوگ اس کو اپنے حق میں ایک سختی سمجھتے تھے اور حضرت عمرؓ کو تنگ کرتے تھے لیکن وہ ان کو مدینہ منورہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے ڈرتا ہوں وہ یہ

کہ تم لوگ جب یہاں سے باہر نکلو گے اور شہروں میں متفرق ہو جاؤ گے تو تمہاری رایوں میں اتفاق نہیں رہے گا اور تمہارے اختلاف سے ساری امت میں تفرقہ پڑ جائے گا ۔ حضرت عثمان نے اپنے عہد میں اس رکاوٹ کو اٹھا دیا اور رؤسا قریش جا بجا دیار و امصار میں پھیل گئے ۔ قریش کی خلافت کی وجہ سے یہ لوگ بمنزلہ شاہی خاندان کے ارکان کے سمجھے جاتے تھے ۔ اس وجہ سے جہاں جہاں گئے ان کی عزت اور حرمت ہوئی اور ایک سال کا زمانہ بھی نہ گزرنے پایا کہ مختلف شہروں میں ان کی بڑی بڑی ملکیتیں اور جائدادیں ہو گئیں ۔ لوگ ان کے پاس جمع ہونے لگے اور چونکہ استحقاق خلافت کے شرائط ان میں مجتمع تھے اس لئے ان کے مصاحبین توقع رکھنے لگے کہ ممکن ہے کہ ایک دن یہ خلیفہ ہو جائیں ۔ یہ تمنائیں دلوں سے زبانوں تک آنے لگیں اور ان کی وجہ سے خیالات و آراء میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا ۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کی دور اندیشی کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ انہوں نے انہی نتائج کو پیش نظر رکھ کر ان رؤسا کو اپنے پاس روک رکھا تھا اور کہیں جانے نہیں دیتے تھے تاکہ ان میں باہمی اختلاف کے اسباب نہ پیدا ہو سکیں ۔ چنانچہ ان کے آخر عہد تک وہ لوگ متفق اور متحد اور شقاق و افتراق سے ناآشنا تھے اور جب رؤسا باہم متفق رہیں تو امت میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔
عہد عثمان میں اعیان قریش کے متفرق ہو جانے سے ان میں وہ اتحاد جو پہلے تھا باقی نہ رہ سکا ۔ علاوہ بریں خلیفہ کی نرم مزاجی کی وجہ سے شورش انگیز لوگوں نے غوغا عام شروع کیا ۔ چونکہ اس شورش میں کوفہ ، بصرہ اور مصر تینوں مقامات کے لوگ شریک تھے اس وجہ سے ہر ایک جگہ کی مختصر کیفیت لکھنی ضروری ہے ۔

کوفہ

حضرت عثمان نے کوفہ کا امیر سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا ۔ خراج کی تحصیل پر حضرت عبداللہ بن مسعود مشہور صحابی تھے ۔ حضرت سعد نے ان سے کوئی رقم ایک مدت معینہ کے لئے قرض لی ۔ جب وہ مدت گزر گئی تو عبداللہ بن مسعود نے تقاضا کیا ۔ سعد بروقت ادا نہ کر سکے دونوں میں باہم کچھ گرم گفتگو ہوئی ۔ بعض لوگ سعد کے طرف دار ہو گئے اور بعض ابن مسعود کے ۔ ردو قدح کے بعد ابن مسعود واپس آئے لیکن دونوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے مکدر ہو گئے ۔ حضرت عثمانؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے دونوں پر عتاب فرمایا اور سعد کو معزول کر کے ان کی بجائے ولید بن عقبہ کو بھیجا ۔ ولید کا برتاؤ اچھا تھا اور لوگ ان کا احترام کرتے تھے ایک دن یہ واقعہ ہوا کہ چند اوباش کسی شخص کے گھر میں نقب لگا کر گھسے اور اس کو مار ڈالا وہاں ہنگامہ ہوا ۔ سرکاری سپاہی موقع پر پہنچ گئے انہوں نے مجرموں کو پکڑ لیا ۔ وہ قصاص میں قتل کئے گئے ۔ اب ان کے رشتہ داروں نے موقع ڈھونڈنا شروع کیا کہ کسی طرح ولید کی شکایت خلیفہ کے سامنے کریں ۔

ولید کی محفل میں رات کے وقت جو لوگ جمع ہوتے تھے ان میں ابو زبید طائی بھی تھا جو پہلے عیسائی تھا ۔ پھر مسلمان ہو گیا تھا اس کے بارے میں یہ شہرت تھی کہ شراب خور ہے ۔ ولید کے ان دشمنوں نے یہ خبر اڑائی کہ وہ بھی ابو زبید کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں ۔ ابن مسعود سے بھی جا کر کہا انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص ہم سے چھپا کر کوئی کام کرے ہم کو اس کے تجسس کی کیا غرض ہے ۔ ولید نے جب یہ سنا تو ابن مسعود سے کہا کہ ان فتنہ پردازوں کو اس قسم کا جواب نہیں دینا چاہیے تھا جیسا آپ نے دیا ۔ میں کونسا کام چھپا کر کرتا ہوں اس جواب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی ان کی باتوں کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا ۔ اس پر ولید اور ابن مسعود میں سخت کلامی ہوئی اور دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی ۔ ان مخالفین نے خلیفہ کے پاس جا کر ولید پر شراب خوری کا الزام لگایا اور دو شخصوں کو جن کو ولید نے ان کی بدلیاقتی کی وجہ سے ملازمت سے معزول کر دیا تھا شہادت میں پیش کیا ۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم ولید کی محفل میں شریک تھے ۔ ہم نے دیکھا کہ اس نے قے کی اور اس میں شراب نکلی ۔ ولید کوفہ سے بلائے گئے ان پر حد

جاری کی گئی اور ان کی بجائے سعید بن عاص کوفہ کے امیر مقرر ہوئے ۔ سعید نے کوفہ کی حالت نہایت خراب دیکھی ۔ دربار خلافت میں لکھ بھیجا کہ یہاں کی مخلوق شورش پسند ہے ۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ سعید کی محفل میں کسی نے حضرت طلحہ کی فیاضی کا ذکر کیا ۔ انہوں نے کہا کہ جس کے پاس نشاستج جیسی زرخیز ملکیت ہو اس کو فیاض ہونا ہی چاہیے ۔ اگر میرے پاس بھی ایسا کوئی قطعہ زمین کا ہوتا تو میں تم کو خوش کر دیتا ۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا کہ سواحل فرات کا علاقہ جو آل کسریٰ کی جاگیر میں تھا اس کو آپ لے لیجئے ۔ یہ سن کر کوفہ کے چند آدمی بول اٹھے کہ اللہ تجھے غارت کرے ہماری زمین تو امیر کو دینا چاہتا ہے ۔ مالک اشتر نخعی اور عمیر بن ضابی تو اس قدر برہم ہو گئے کہ اٹھ کر اس نوجوان کو پیٹ دیا ۔ یہ دیکھ کر اس کے قبیلہ کے لوگ بھی طرف داری کے لئے کھڑے ہو گئے ۔ اگر خود سعید نے بیچ میں پڑ کر اس جھگڑے کو نہ روک دیا ہوتا تو سخت بلوہ ہو جاتا ۔

اس کے بعد سعید نے ان لوگوں کو اپنی محفل میں آنے سے روک دیا ۔ اب ان کا کام بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ سعید کو بدنام کر کے لوگوں کو ان کی طرف سے بھڑکائیں ۔ ہر روز ایک نہ ایک قسم کا فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ خود شرفا کوفہ نے خلیفہ کے پاس درخواست بھیجی کہ یہ فتنہ پرداز یہاں سے نکال دیے جائیں ۔ وہاں سے حکم آیا کہ ان کو شام میں بھیج دو تاکہ امیر معاویہ کی نگرانی میں رہیں ۔ چنانچہ ان شورش انگیزوں کے سرغنہ مالک بن حارث اشتر نخعی ثابت بن قیس نخعی کمیل بن زیاد نخعی زید بن صوحان عبدی جندب بن زہیر غامدی جندب بن کعب ازدی عروہ بن جعد عمرو بن الحمق الخزاعی امیر معاویہ کے پاس بھیجے گئے ۔ وہاں تھوڑے دنوں تک رہے ۔ انہوں نے ان کو سمجھایا بھی اور دھمکایا بھی لیکن ان کے سروں میں شورش کا سودا بھرا تھا ۔ راہ راست پر نہ آئے ۔ امیر معاویہ نے خلیفہ کو خط لکھا کہ مجھ سے ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی ۔ خلیفہ نے لکھا کہ حمص میں عبدالرحمن بن خالد کے پاس بھیج دو ۔ عبدالرحمن نے ان لوگوں کی سخت گوشمالی کی ۔ آخر انہوں نے توبہ اور ندامت کا اظہار کیا اس لئے خلیفہ نے ان کو کوفہ واپس جانے کی اجازت دے دی ۔ کوفہ میں جب آئے تو پھر وہی فتنہ انگیزی شروع کی اور حضرت عثمانؓ اور ان کے اعمال کی برائیاں کرنے لگے ۔ یہاں تک کہ فتنہ بہت بڑھ گیا ۔ سعید بن عاص خود مدینہ گئے تاکہ خلیفہ کو یہاں کی حالت سے مطلع کریں ۔ جب واپس آنے لگے تو یہ لوگ متفق ہو کر ایک جماعت کثیر اپنے ساتھ لئے ہوئے کوفہ سے نکلے کہ اب ہم سعید کو یہاں نہیں آنے دیں گے حضرت عثمانؓ نے رفع شر کے خیال سے سعید کو بلا لیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہاں کا والی بنا کر بھیج دیا لیکن وہ ان کی فتنہ پردازی کا انسداد نہیں کر سکے ۔ بلکہ دن بدن ان کی جماعت بڑھتی جاتی تھی اور حکومت کا نفوذ اور اثر کم ہوتا جاتا تھا ۔

بصرہ

یہاں کے والی عبداللہ بن عامر تھے جنہوں نے ایران کی فتوحات میں بڑے بڑے کام انجام دیئے تھے ۔ ان کے عہد میں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ تھا جو غارت گری کیا کرتا تھا ۔ اور بھیس بدل کر ذمیوں کے مال لوٹتا تھا ۔ جب کسی لڑائی میں بھیجا جاتا تو چھپ کر نکل جاتا ۔ اور ادھر ادھر چوریاں کرتا پھرتا ۔ حضرت عثمانؓ کے پاس اس کی شکایتیں پہنچیں انہوں نے والی بصرہ کو لکھا کہ مع اس کے ساتھیوں کے بصرہ میں نظر بند رکھو اور کسی وقت ان کو شہر کے باہر نہ نکلنے دو ۔

عبداللہ بن سبا

یہ صنعا کا ایک یہودی تھا جو اسلام ظاہر کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گیا تھا ۔ اس کی کنیت ابن سودا ہے سب سے پہلے اس کا ظہور بصرہ میں ہوا ۔ یہ حکیم بن جبلہ مرحوم کے پاس ٹھہرا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مخفی طور پر اپنی تعلیمات کو ان میں

پھیلانے لگا چونکہ وہ جانتا تھا کہ اہل اسلام اپنے نبیؐ کی دل سے محبت اور تعظیم کرتے ہیں ۔ اس لئے اسی راستہ سے ان کے دلوں میں اپنے خیالات کا اثر ڈالنا شروع کیا ۔ کبھی کہتا کہ مجھے مسلمانوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے اور اس کے قائل نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے ۔ کبھی کہتا کہ اے مسلمانو! یہ کس قدر حیرت ناک امر ہے کہ تمہارے درمیان محمد صلعم کی آل موجود ہے، اس کو تم خلیفہ نہیں بناتے ۔

الغرض اسی قسم کے خیالات پھیلاتا تھا اور چونکہ ان میں نبی صلعم اور ان کی آل کی محبت اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا تھا ۔ اس لئے عوام اس کو عقیدتمندی کے ساتھ سنتے تھے ۔

عبداللہ بن عامر کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو اس کو بلوایا اور پوچھا کہ تم کون ہو ۔ اس نے کہا کہ اہل کتاب میں سے ہوں ۔ دین اسلام کا ذوق رکھتا ہوں اس لئے یہاں آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کے سایہ حمایت میں رہوں ۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری جو باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں ان سے میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے آئے ہو ۔ میں تمہارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتا ۔ وہ بصرہ سے کوفہ چلا گیا ۔ وہاں بھی اس نے اہل فتنہ سے مل کر ان میں اپنے خیالات پھیلائے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں نکالا گیا اور مصر پہنچا ۔

مصر

عبداللہ بن سبا نے یہاں آکر مخفی جماعت بنائی اور ان میں اپنے وہی خیالات پھیلانے لگا لیکن اب ان پر کچھ اور اضافہ کیا یعنی یہ کہ دنیا میں ایک ہزار نبی گزرے ہیں ۔ ہر نبی کا ایک وصی بھی ہوا کرتا ہے ۔ حضرت علی نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اسی طرح حضرت علی خاتم الاوصیا ہیں جن لوگوں نے اپنے نبیؐ کی وصیت پوری نہیں کی ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے ۔ حضرت عثمانؓ خلافت کے مستحق نہیں ہیں جبکہ وصی رسول موجود ہے تو اس کے سوا کسی کو خلیفہ ہونے کا کیا حق ہے ۔ تم لوگ اٹھو اس تحریک کو پھیلاؤ اور ان ظالم امراء کو جو تمہارے اوپر طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے ہیں نکال دو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا فرض ہے وغیرہ وغیرہ ۔ اس خیال پر جو لوگ پختہ ہو جاتے ان کو جابجا شہروں میں بھیج دیتا تاکہ مخفی طور پر اس کی اشاعت کریں ۔ چنانچہ مختلف مقامات پر اس کی ہم خیال ایک جماعت تیار ہو گئی ۔ یہ لوگ اپنے شہر سے دوسرے شہروں میں خطوط بھیجتے جن میں عمال حکومت کی ظلم و ستم کی مصنوعی شکایتیں لکھتے ان خطوط کے مضمون لوگوں کو سنا کر خلیفہ اور امراء وقت کے خلاف ان کے جذبات بھڑکائے جاتے تھے ۔ جب یہ خطوط پہنچتے تو اہل عراق مصریوں پر اور اہل مصر عراقیوں پر ترس کھاتے اور شکر کرتے کہ ہم اس مصیبت سے محفوظ ہیں ۔ مدینہ والے جہاں ہر طرف سے اس قسم کے خطوط جاتے تھے سب کی حالت پر افسوس کرتے اور کہتے کہ الحمداللہ ہم عافیت میں ہیں ۔ صحابہ نے حضرت عثمان سے اس کا تذکرہ کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کے خطوط آتے ہیں ۔ آپ کو بھی ان امور کی کچھ اطلاع ہے یا نہیں انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس تو ہر جگہ سے یہی خبر آتی ہے کہ عافیت اور امن ہے ۔

لوگوں کے مشورہ سے حالات دریافت کرنے کے لئے جابجا معتبر صحابہ کو روانہ کیا ۔ محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمر کو ملک شام اور عمار بن یاسر کو مصر ان کے علاوہ اور بھی اپنے خاص خاص آدمیوں کو اطراف ملک میں روانہ کیا کہ جو اصلیت ہو بے کم و کاست کی اطلاع دیں یہ سب فرستادے بجز حضرت عمار بن یاسر کے واپس آئے اور کہا کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں دیکھی ۔ تمام حالات بدستور سابق ہیں ۔ عمار بن یاسر کے متعلق عبداللہ بن سعد والی مصر نے لکھا کہ وہ یہاں آکر ایک جماعت

میں شامل ہوگئے ہیں جن کے سرکردہ عبداللہ بن سبا خالد بن جم سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ہیں۔

مصر میں دو شخص حضرت عثمان کے سخت مخالف تھے۔ ایک محمد بن ابی حذیفہ۔ دوسرے محمد بن ابی بکر۔ محمد بن ابی حذیفہ یتیم تھے۔ بچپن سے ان کو حضرت عثمان نے اپنے آغوش شفقت میں پرورش کیا تھا۔ جب بڑے ہوئے تو انہوں نے خواہش کی کہ میں کہیں کا عامل مقرر کیا جاؤں۔ حضرت عثمان نے ان کو اس قابل نہ سمجھا۔ اس لئے انکار کر دیا وہ مصر چلے آئے اور ان کے دشمن ہوگئے محمد بن ابی بکر کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ایک بار ان سے کسی کا حق آتا تھا۔ حضرت عثمان نے ان سے اس کو دلا دیا تھا۔ ادھر مصر میں سبائی جماعت نے ان کو سبز باغ دکھایا جس کی وجہ سے باوجود اس عظیم الشان رتبہ کے جو اسلام میں ان کو حاصل تھا اس فتنہ پرداز جماعت کے ساتھ شامل ہوگئے۔ عمار بن یاسر کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ایک بار ان میں اور عباس بن عتبہ بن ابی لہب میں سخت کلامی ہوگئی تھی حضرت عثمان نے دونوں کو سزا دی تھی سبائی جماعت نے اس کینہ کا جوش دلا کر ان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

شام

ملک شام میں حضرت امیر معاویہ کے عزم و تدبیر کی وجہ سے شورش نہ پھیل سکی۔ لیکن عبداللہ بن سبا کی فتنہ پردازی سے وہاں بھی ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس سے اس جماعت نے حضرت عثمان کے خلاف بھڑکانے کا کام لیا۔ وہ یہ کہ جس وقت وہ شام میں گیا وہاں حضرت ابو ذر صحابی قیام پذیر تھے ان سے کہا کہ معاویہ کی چال تو دیکھیے کہ بیت المال کے خزانہ کو جو مسلمانوں کا ہے اللہ کا مال کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کو نہ دیں بلکہ خود اپنے قبضہ میں رکھیں۔ یہ سن کر حضرت ابوذر امیر معاویہ کے پاس گئے اور کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مال کو تم اللہ کا مال کہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمام مخلوق اللہ کی ہے۔ سارا مال اللہ کا ہے ابوذر نے کہا اس طرح نہیں کہنا چاہیے وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ انہوں نے کہا میں تو نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا مال نہیں ہے لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق آئندہ سے مسلمانوں کا مال کہا کروں گا۔ اس کے بعد عبداللہ بن سبا حضرت ابوداؤد سے ملا۔ انہوں نے جب اس کی باتیں سنیں تو فرمایا میرا گمان یہ ہے کہ تو یہودی ہے ان کے پاس سے اٹھ کر وہ حضرت عبادہ بن صامت کی خدمت میں گیا۔ وہ اس کے خیالات کو سن کر بہت برہم ہوئے اس کو پکڑ کر امیر معاویہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو تم سے لڑا دیا تھا۔ حضرت ابوذر نے ملک شام میں فقراء کو اغنیاء کے خلاف ابھارا اور کہا کہ دولت میں سب لوگ شریک ہیں۔ فقراء نے چاہا کہ ہم اغنیاء کو لوٹ لیں امیر معاویہ نے خلیفہ کو لکھا کہ ابوذر کی وجہ سے یہاں مسلمانوں میں تفرقہ کا خوف ہے۔ حضرت عثمان نے ابوذر کو مدینہ میں طلب کیا اور کہا کہ اہل شام تمہارے شاکی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ دولت مندوں کو یہ حق کہاں سے حاصل ہے کہ مال جمع کر کے رکھیں اور تنگ دست فاقہ کریں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اللہ اور رسول کا جو حق رعایا پر ہے اس کو میں ان سے لوں گا اور جو حق ان کا میرے اوپر ہے اس کو ادا کروں گا۔ زہد اور ترک دنیا پر میں کسی کو مجبور نہیں کر سکتا۔

خلیفہ نے دیکھا کہ اشتراکیت کا مضر خیال ان کے دل میں بیٹھ گیا ہے۔ اس لئے ان کی سکونت آبادی میں مناسب نہیں لہذا ان کی تنخواہ مقرر کر دی اور حکم دیا کہ ریذہ میں جو بیابان میں واقع ہے جا کر رہیں وہ وہیں چلے گئے اور ۳۲ھ میں اسی مقام میں وفات پا گئے۔

سبائی فرقے کے جو خطوط مدینہ پہنچے تھے ان کے اثر سے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں بھی حضرت عثمان اور ان کے امراء کے خلاف ایک غصہ پیدا ہو گیا تھا۔ محفلوں میں اسی بات کے تذکرے ہوتے تھے۔ بعض لوگ خلیفہ کے ساتھ سخت کلامی سے بھی پیش آتے تھے مگر انہوں نے صبر و حلم سے کام لیا۔ جب زیادہ چرچا پھیلا تو حضرت عثمان نے دیار و امصار کے امراء کو حکم بھیجا کہ حج کے

موقع پر سب آکر مجھ سے ملیں ۔ جب وہاں اجتماع ہوا تو ان سے پوچھا کہ ملک میں یہ کیسا فتنہ ہے اور یہ کون لوگ ہیں جو اس قسم کی شورش پھیلا رہے ہیں ۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم بھی اسی قسم کی افواہیں سنتے رہتے ہیں لیکن ان کی بنیادوں پر کسی کی گرفت نہیں کر سکتے ۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ عجیب فتنہ ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔ تم لوگ مشورہ دو کہ اس کا انسداد کس طرح کیا جائے ۔ سعید بن عاص نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبریں مخفی طور پر گھڑی جاتی ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیج کر ناواقفوں میں مشہور کی جاتی ہیں تاکہ خلیفہ اور امراء وقت سے لوگ بدظن ہو کر مخالف ہو جائیں ۔ میری رائے یہ ہے کہ جو لوگ اس کی تہ میں ہوں گرفتار ہو جائیں ۔ عبداللہ بن سعد نے بھی اسی کی تائید کی ۔ امیر معاویہ نے کہا کہ میرے صوبہ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے ۔ میرے نزدیک ان امراء کی رائے زیادہ صائب ہے جن کے علاقوں میں یہ فتنہ انگیز جماعت ہے ۔ مفسدوں کی گوشمالی بہرصورت لازم ہے عمرو بن عاص نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی طرف سے نرمی ہو رہی ہے ۔ اشخاص کی آزادی کو اسی حد تک قائم رکھنا چاہیے جہاں تک کہ امت میں فساد پڑنے کا اندیشہ نہ ہو ۔ جو لوگ مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں کرتے اور ان میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ان سے کیوں چشم پوشی کی جائے ۔ حضرت عمرؓ کا یہ دستور نہیں تھا آپ کو بھی انہیں کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے ۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے تمہارے مشورے سن لئے ۔ مجھے خوف ہے کہ یہ وہی فتنہ نہ ہو جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی ۔ بے شک حدود شرعیہ میں کسی قسم کی کوتاہی جائز نہیں سمجھتا ۔ لیکن جن امور میں شریعت مجھے کسی کے اوپر سختی کرنے کی ہدایت نہیں کرتی ان میں نرمی سے کام لونگا اور اگر اس میں میری جان بھی چلی جائے تو اس کا جانا اپنے لئے مبارک سمجھونگا لوگوں کے حقوق کو میں کسی طرح ہضم نہیں کر سکتا اور جانتا ہوں کہ جو امر تقدیری ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا ۔ بعد اس کے امراء کو رخصت کیا اور ان کو کسی قسم کی کاروائی کرنے کا حکم نہیں دیا ۔ روانگی کے وقت امیر معاویہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ملک شام میں چلے چلیں ۔ ایسا نہ ہو یہ فتنہ کوئی برا نتیجہ پیدا کرے ۔ فرمایا کہ میں آنحضرت کے قرب کو کسی قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا ۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں شام سے ایک فوج بھیج دوں کہ مدینہ میں رہے اور آپ کی حفاظت کرے جواب دیا کہ اس سے اہل مدینہ کو تکلیف ہو گی ۔

سبائی جماعت نے یہ طے کیا تھا کہ جس وقت امراء اپنے اپنے مقامات کو چھوڑ کر حج کے لئے روانہ ہوں اس وقت ہم لوگ اٹھ کھڑے ہوں لیکن اس میں رکاوٹیں پڑ گئیں ۔ اس وجہ سے انہوں نے جابجا سے باہمی خط و کتابت کر کے یہ طے کیا کہ ہر ہر مقام سے کچھ کچھ لوگ نکل کر مدینہ چلیں اور یہ ظاہر کریں کہ ہم خلیفہ سے امور سلطنت کے متعلق چند باتیں دریافت کرنے کے لئے جاتے ہیں ۔ تاکہ لوگوں میں سے یہ شہرت ہو جائے کہ مسلمانوں کی ایک حق جو اور خیر خواہ جماعت خلیفہ کی غلطیوں کا اس سے مواخذہ کرنے جا رہی ہے ۔ اس قرار داد کے مطابق بصرہ ، کوفہ اور مصر تینوں مقامات سے ان کا ایک ایک وفد روانہ ہوا اور مدینہ کے متصل پہنچ کر سب مل گئے اور شہر کے باہر ٹھہر گئے ۔ حضرت عثمان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ معلوم کریں کہ کس غرض سے یہ دفود آئے ہیں ۔ انہوں نے واپس جا کر اطلاع دی کہ ان کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی غلطیاں ظاہر کر کے اصرار کریں کہ خلافت سے دست کش ہو جائیں ورنہ آپ کو قتل کر ڈالیں ۔ حضرت عثمانؓ یہ سن کر ہنسے ان لوگوں کو بلایا اور مہاجرین و انصار کو جمع کیا پھر ان کی ساری شکایتیں سنیں اس کے بعد صحابہ سے مشورہ لیا کہ ان کے بارے میں کیا کرنا چاہیے ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیجئے فرمایا کہ نہیں جب تک کسی سے کفر ظاہر نہ ہو یا حد شرعی نہ واجب ہو اس وقت تک ان کو سزا دینا قرین انصاف نہیں ۔ اس کے بعد ان کی ایک ایک شکایت کا مفصل جواب دینا شروع کیا ۔ فرمایا :-

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے منا میں پوری نماز پڑھی اور قصر نہیں کیا حالانکہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ جب کسی مسافر کے اہل و عیال کسی مقام پر ہوں تو وہ مقیم ہے ۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے ؟ مہاجرین اور انصار نے کہا کہ صحیح ہے ۔

(۲) یہ کہتے ہیں کہ تم نے چراگاہ کو مخصوص کر دیا ۔ میں پوچھتا ہوں کہ میں نے کون سی چراگاہ کو مخصوص کر دیا ۔ مدینہ میں صرف ایک

چراگاہ بیت المال کے جانوروں کے لئے ہے جو میری خلافت سے قبل مخصوص کر دی گئی ہے ۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے جب میں خلیفہ ہوا تھا اس وقت مجھ سے زیادہ مدینہ میں نہ کسی کے پاس اونٹ تھے نہ بکریاں تھیں ۔ آج میرے پاس صرف دو اونٹ ہیں جن کو میں نے حج کی سواری کے لئے رکھ چھوڑا ہے ۔ اور جو چرائی پر نہیں جاتے ۔ کیا یہ درست نہیں ہے ؟ سب نے کہا درست ہے ۔

(۳) یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کئی کتابوں کا مجموعہ تھا تم نے صرف ایک کتاب رکھی ۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن صرف ایک کتاب ہے اور اکیلے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں کون گھٹا بڑھا سکتا ہے اس کی کتابت میں نے نہیں کی ہے بلکہ معتمد صحابہ کی ایک جماعت نے کی ہے کیا اس میں کوئی بات غلط ہے آواز آئی کہ نہیں ہرگز نہیں ؟

(۴) یہ کہتے ہیں کہ حکیم بن العاص کو طائف سے تم نے کیوں بلا لیا ۔ میں کہتا ہوں کہ حکیم کو مکہ سے آنحضرتؐ نے نکال کر طائف میں بھیجدیا تھا ۔ پھر اپنی زندگی ہی میں ان کو طائف سے مکہ میں بلا لیا کیا یہ میرا قول ٹھیک نہیں ہے ؟ ہر طرف سے جواب ملا کہ ٹھیک ۔

(۵) یہ کہتے ہیں کہ تم نے نوجوان شخص (عبداللہ بن عامر) کو والی بنادیا ہے ۔ حالانکہ میں نے لیاقت ۔ عقل و دینداری اور ایمانداری کو جانچ کر ان کو امیر مقرر کیا ہے ۔ محض نوجوان ہونا کوئی عیب نہیں ۔ مجھ سے پہلے بھی ایسا ہوا ہے ۔ اسامہ کو جن کی عمر صرف ۱۷ سال کی تھی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا تھا کیا میں بیجا کہتا ہوں ۔ متفقہ طور پر لوگ بول اٹھے کہ نہیں آپ نے بجا فرمایا ۔

(۶) یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے رشتہ داروں کو سارا مال غنیمت بخش دیا ۔ حالانکہ میں نے عبداللہ بن سعد کو خمس غنیمت میں سے صرف پانچواں حصہ دیا تھا ۔ مجھ سے پہلے حضرت ابو بکر اور عمرؓ کے زمانوں میں بھی ایسا ہوا ہے ۔ باوجود اس کے جب مجھے علم ہوا کہ فوج نے اس کو ناپسند کیا تو میں نے وہ رقم ابن سعد سے واپس لے لی ۔ یہ واقعہ نہیں ہے ؟ سب نے کہا کہ ہے ۔

(۷) یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے اقرباء کو امارتیں دے رکھی ہیں ۔ میرے نزدیک یہ کوئی عیب نہیں بشرطیکہ ان میں صلاحیت ہو اس لئے کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں تاہم اگر لوگ اس امر کو ناپسند کرتے ہیں تو ان کی بجائے دوسروں کو مقرر کرنے کے لئے تیار ہوں جو ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ کام کر سکیں ۔

(۸) یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل خاندان کی محبت رکھتا ہوں اور ان کو عطیے دیتا ہوں دنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ اپنے کنبہ والوں کی محبت رکھنا گناہ ہے جب تک کہ اس سے کسی کا حق ضائع اور کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو ۔ میں ان کو عطیے بھی دیتا ہوں لیکن اپنے خاص مال میں سے عہد رسالت سے میں ان کے ساتھ اس قسم کے سلوک کرتا رہا ہوں ۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ۔ بیت المال میں سے آج تک میں نے خود اپنے خرچ کے لئے ایک حبہ نہیں لیا ۔ کیا اپنے ذاتی مال میں بھی مجھ کو تصرف کا اختیار نہیں ہے کہ اپنے کنبہ کے جس شخص کو چاہوں دوں ؟

اس وقت ان وفود کے ساتھ اور کچھ نہیں کیا ۔ صرف جواب دینے پر اکتفا کی اور ان کو رخصت کر دیا ۔

لیکن ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات سے تسلی حاصل کریں بلکہ وہ تو چاہتے تھے کہ خلیفہ کے خلاف ملک میں شورش پھیلائیں ۔ مدینہ منورہ سے واپس آکر انہوں نے پھر باہم مراسلت شروع کی اور آپس میں طے کیا کہ تینوں مقامات سے پھر ایک ایک جماعت یہ ظاہر کر کے کہ ہم مکہ میں عمرہ کے لئے جاتے ہیں اور سب مدینہ میں آکر جمع ہو جائیں ۔ چنانچہ مصر سے ایک ہزار آدمی روانہ ہوئے جن کا سردار غافقی بن حریب تھا ۔ عبداللہ بن سبا بھی ساتھ تھا ۔ ان لوگوں کو یہ جرات نہ ہو سکی کہ مدینہ کے نام سے نکلتے ۔ بلکہ حسب قرار داد مکہ کی زیارت کا قصد مشہور کر کے روانہ ہوئے ۔ کوفہ سے بھی اسی قدر آدمی چلے ۔ ان کا امیر عمرو بن اصم تھا اور بصرہ والوں کی تعداد بھی اسی قدر تھی اس کا سرغنہ حرقوص بن زہیر سعدی تھا ۔ ہر مقام کے لوگ ایک ہی بار نہیں نکلے بلکہ چار چار مختلف قافلے بنا کر نکلے ۔ پھر آگے بڑھ کر ایک ساتھ ہوگئے اور مدینہ کے متصل پہنچ کر تینوں مقامات کے لوگ مل گئے ۔

اس امر میں سب متفق تھے کہ خلیفہ وقت کو قتل کر دیں لیکن ان کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں اس میں اختلاف تھا۔ بصرہ کے چند لوگ حضرت طلحہ کے خواہاں تھے اور بعض اہل کوفہ حضرت زبیر کے۔ لیکن بقیہ لوگ اور خاص کر اہل مصر عبداللہ بن سبا کی تعلیم اور محمد بن ابو بکر کے اثر سے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیب تھے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ٹھہر گئے اور دو آدمیوں کو بھیجا کہ مدینہ کی حالت دیکھ آئیں کیونکہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ان کے آنے کی اطلاع وہاں نہ پہنچ گئی ہو اور اہل مدینہ ان کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو گئے ہوں۔

ان لوگوں نے جب مدینہ کی حالت دیکھ لی کہ یہاں سکون ہے تو حضرت علیؓ طلحہؓ اور زبیر رضی اللہ عنہم سے ملے اور کہا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو خلیفہ کے پاس لے چلیں تاکہ ہم ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنے والی کو جس کے ظلم سے ہم تنگ آ گئے ہیں واپس بلا لیں لیکن ان سب لوگوں نے انکار کر دیا۔ وہ دونوں اپنی جماعت میں واپس آ گئے اور مدینہ کے حالات بیان کئے دوبارہ تینوں مقامات کے لوگ زیادہ تعداد میں آئے۔ اہل مصر حضرت علیؓ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ جب حضرت عثمان ہماری شکائتیں نہیں سنتے تو بہتر یہ ہے کہ خلافت کی باگ آپ اپنے ہاتھ میں لیں انہوں نے قطعی انکار کیا۔ پھر حضرت طلحہ اور زبیر کے پاس گئے وہاں سے بھی اسی قسم کا جواب ملا۔ یہ لوگ پھر اپنی فرودگاہ پر واپس چلے آئے اس کے بعد متفقہ طور پر یہ ساری جماعت مدینہ کے پاس پہنچ گئی اور چاروں طرف سے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اپنی تلوار کو میان میں رکھے گا اس کو امان ہے۔

حضرت علیؓ ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم لوگ یہاں سے جانے کے بعد پھر کیوں واپس آ گئے ؟ اہل مصر نے کہا کہ ہم نے ایک خط پکڑا جو قاصد کے ہاتھ خلیفہ نے والی مصر کے نام بھیجا ہے جس میں حکم لکھا ہے کہ ہم جس وقت وہاں پہنچیں وہ ہم کو قتل کر دے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے اہل کوفہ و بصرہ سے پوچھا کہ تم کیسے آئے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے مصری بھائیوں کی امداد کو آئے ہیں انہوں نے کہا کہ تمہارا راستہ بالکل دوسری سمت میں تھا۔ یہاں سے تین منزل جانے کے بعد تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ مصریوں کے متعلق ایسا فرمان نافذ ہوا ہے اور اس کو انہوں نے پکڑ لیا ہے جو تم ان کو امداد کے لئے واپس آ گئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب لوگوں کا بیان غلط ہے۔ تم نے پہلے ہی سے اس کی سازش کر رکھی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ جو چاہیں خیال کریں ہم کو اس خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا خون بہانا حلال ہے آپ بھی اس میں ہمارے ساتھ شرکت کیجئے انہوں نے کہا کہ میں اس میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا ان لوگوں نے کہا کہ پھر آپ نے ہم کو لکھا کیوں تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کچھ تم کو نہیں لکھا یہ سن کر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسدوں نے حضرت علیؓ کی طرف سے جعلی خطوط بھیج کر لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسایا تھا۔ حضرت علیؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ سے باہر چلے گئے۔

وہ لوگ اس فرمان کو جس کی بابت وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم نے خلیفہ کے قاصد کو پکڑ کر چھینا ہے لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے ہمارے بارے میں یہ حکم لکھا ہے ؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ دو صورتیں ہیں یا تو تم اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرو۔ ورنہ مجھ سے قسم لے لو جو میں نے اسے لکھا ہو یا اس کا علم بھی ہو۔ تم جانتے ہو کہ کسی کی طرف سے خط لکھ لینا بہت آسان ہے۔ نیز ایک مہر کی طرح دوسری مہر بھی بنوائی جا سکتی ہے۔ چند دنوں تک یہ مسجد میں امن کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ لیکن پھر باغیوں نے ان کو ان کے گھر میں محصور کر دیا۔ یہاں تک کہ پانی بھی روک دیا۔ بڑی کوشش سے مخفی طور پر ایک پڑوسی کے ذریعہ سے ان کے یہاں پینے کے لئے پانی پہنچایا جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ ان سرکشوں کو بار بار سمجھاتے اور نصیحت کرتے تھے لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔

محاصرہ ہی کی حالت میں عبداللہ بن عباس کو امیر الحاج مقرر کیا اور اپنی مفصل حالت لکھ کر ان کو دی کہ مکہ میں مسلمانوں کو

سنا دیں ۔ باغیوں نے سوچا کہ محاصرہ میں زیادہ دیر ہو گئی تو جا بجا سے مسلمان خلیفہ کی مدافعت کے لئے آ جائیں گے اس لئے انہوں نے عجلت کر کے گھر کے دروازے میں آگ لگا دی اور اس کو گرا کر اندر گھس آئے ۔ بعض لوگ ابن حزم کے مکان میں سے جو خلیفہ کے پڑوسی تھے کود کر داخل ہوئے ۔ حضرت عثمانؓ نے یہ حالت دیکھ کر اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا۔ حضرت علی طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بیٹے وغیرہ جو ان کی مدافعت کے لئے آگئے تھے اور جن کی تعداد اس قدر کم تھی کہ ان سے کچھ ہو نہیں سکتا تھا ۔ ان کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تم لوگ میرے لئے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور خود اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنے لگے ۔ پہلے باغیوں کی ایک جماعت ان کی طرف آئی جن میں محمد بن ابو بکر تھے لیکن اس نے قتل نہیں کیا۔ پھر مصریوں کا سردار غافقی پہنچا اس نے چہرے سے وار کیا اس کے بعد سودان بن حمران نے تلوار ماری ۔ حضرت عثمان کی وفادار بیوی نائلہ بنت الفرافصہ روکنے کی غرض سے ان کے اوپر آکر گریں سودان کی تلوار سے ان کی نصف ہتھیلی معہ انگلیوں کے کٹ کر دور جا پڑی ۔ پھر کسی تیسرے شخص نے خلیفہ کی گردن تن سے جدا کر دی ۔ اس کے بعد باغیوں نے گھر کا سارا مال و متاع لوٹ لیا ۔ اور مدینہ میں ان کے قتل کا اعلان کر دیا ۔

محاصرہ کی کل مدت ۲۲ روز تھی اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ء کو وہ قتل ہوئے ۔ اسی منحوس تاریخ سے امت میں فتنہ کا آغاز ہوا اور ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان پر چلنے لگی ۔

قتل کے اسباب

۱۔ بزرگان ملت جب باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ اور حامی ہوں تو امت میں کوئی فتنہ برپا نہیں ہو سکتا ۔ لیکن جب ان کے دلوں میں محبت کے بجائے نفرت پیدا ہو جائے تو مفسدوں کو موقع مل جاتا ہے ۔ یہی حال اس وقت رؤسا مدینہ کا تھا ۔ ان میں سے بعض دو بدو اور بعض پس پشت حضرت عثمان کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے ان کی تحقیر ہوتی تھی ۔ عام طور پر ان کو نعثل کا خطاب دے رکھا تھا جو ایک مصری شخص کا نام تھا جس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی اور غالباً اس کے سوا اور کوئی عیب ان کے اندر پایا بھی نہیں جاتا تھا ۔ حضرت عثمانؓ ان باتوں کو برداشت کرتے تھے کیونکہ کسی کے اوپر سختی کرنا بالطبع ان کو ناگوار تھا ۔ رؤسا کی ان حقارت آمیز باتوں کا اثر عوام پر بہت برا پڑا ۔ ان کے دلوں سے خلیفہ اور اسی کے ساتھ خود خلافت کی ہیبت و عظمت جاتی رہی ۔ یہاں تک کہ ایک روز کسی شخص نے اٹھ کر اس عصا کو توڑ کر پھینک دیا جس کو ہاتھ میں لے کر حضرت عثمانؓ مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھا کرتے تھے حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا تھا ۔

۲۔ حضرت عثمانؓ حلم ، حیا اور نرم مزاجی میں ہمیشہ سے مشہور تھے اور وہ اس سے بہت خائف رہتے تھے کہ کسی فتنہ کا آغاز ان کی ذات سے ہو ۔ اسی لئے اکثر امور میں چشم پوشی کرتے تھے اور نرمی سے کام لیتے تھے ۔ یہ خلق کسی حکیم یا عالم میں ہو تو بہت قابل تعریف ہے لیکن فرماں روا اور خلیفہ کے لئے پسندیدہ نہیں ۔ کیونکہ اس سے حکومت اور خلافت کا رعب رعایا کے دلوں میں قائم نہیں رہتا اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں ۔ نیز فتنہ پرداز اس کی نرم خوئی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں میں شورش پھیلانے لگتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت عثمان کو ان کے امراء نے حج کے موقع پر متفقہ طور پر مشورہ دیا تھا کہ ان مفسدوں کی گوشمالی کیجئے ۔ لیکن انہوں نے سختی کو پسند نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بڑھ گیا ۔ پھر جب وہ لوگ پہلی بار مدینہ میں آئے تو وہاں بھی اہل رائے نے یہی کہا کہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیجئے ۔ لیکن انہوں نے اس وقت بھی کچھ نہیں کیا ۔ صرف ان کے جوابات دینے پر کفایت کی حالانکہ ان مفسدوں کا مقصد اصلاح نہ تھا ۔ بلکہ فساد پیدا کرنا چاہتے تھے ۔

۳۔ عبداللہ بن سبا جو اس تمام فتنہ کا بانی تھا اس کی اصل غرض یہی تھی کہ مسلمانوں میں سیاسی تفرقہ ڈال کر ان کو برباد کر دے ۔ اس نے اس زمانہ کے نیک اور سادہ دل عوام کو رسول اللہ اور ان کی آل کی محبت کے اظہار سے اپنے دام فریب میں پھنسا لیا اور وہ اس کے کہنے سے بالکل جھوٹے اور غلط الزامات لگا کر خلیفہ اور امراء وقت کے مخالف ہو گئے ۔ انہوں نے ولید بن عقبہ کی شکایت کی ۔ یہی

ولید حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کی وفات تک عامل رہے تھے۔ وہ سعید بن عاص کے دشمن ہوگئے جن کو بصرہ کے باشندے سب سے بہتر امیر تسلیم کر چکے تھے۔ امیر معاویہ پر الزامات تراشتے تھے جو خلیفہ اول بلکہ عہد رسالت سے معتمد علیہ تھے اور جن کی بدولت رومیوں کے مقابلہ میں اسلام کو زبردست قوت اور شوکت حاصل ہوگئی تھی عبداللہ بن سعد والی افریقہ کے مخالف تھے اس وجہ سے کہ آنحضرتؐ نے ایک بار ان کے قتل کا حکم دیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے بیچ میں پڑ کر معاف کرا لیا تھا حالانکہ جب دربار رسالت سے ان کا جرم معاف کر دیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے اوپر ایک دائی پردہ ڈال دیا گیا۔

افسوس یہ ہے کہ اس فساد انگیز جماعت کی طرف امت کے رہنماؤں نے بھی بر وقت توجہ نہ کی۔ آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے عظیم الشان فتنہ کا دروازہ کھل گیا جو بڑی تباہیوں کا موجب ہوا۔ اس حادثہ کی ذمہ داری جن لوگوں پر عائد ہوتی ہے حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کا ان میں سب سے کم قصور ہے۔ کیونکہ بردباری اور نرم خوئی کسی زمانہ میں بھی قابل ملامت نہیں سمجھی گئی ہے رؤسا مدینہ جن میں اعیان صحابہ اور امراء لشکر موجود تھے ان کے اوپر تاریخ یہ گرفت کر سکتی ہے کہ انہوں نے خلیفہ کی حمایت اور مدافعت میں پوری کوشش نہیں کی۔ ورنہ شورش انگیز آفاقی کبھی اس طرح خلیفہ کو قتل اور خلافت کو ذلیل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ دراصل نتیجہ تھا اس بات کا کہ دلوں میں باہم وہ اتحاد باقی نہیں رہ گیا تھا۔ جو پہلے خلفاء کے وقت میں تھا۔

دفن عثمان

عجیب بات یہ ہے کہ ان باغیوں نے قتل کرنے کے بعد حضرت عثمان کے دفن کی بھی اجازت نہیں دی۔ بڑی مشکل سے مخفی طور پر رات کو چند آدمیوں نے لے جا کر ان کو دفن کیا۔ حضرت جبیر بن مطعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

بیت عثمان

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جن کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ پھر رقیہ کے بعد ان کی دوسری بہن ام کلثوم ان کے نکاح میں آئیں۔ تیسری بیوی فاختہ بن غزوان تھیں۔ ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ اصغر رکھا۔ یہ بھی کمسنی میں گزر گئے۔ چوتھا نکاح ام عمرو بنت جندب کے ساتھ کیا۔ ان سے عمر، خالد، ابان اور مریم چار اولادیں ہوئیں۔ پانچواں نکاح فاطمہ مخزومیہ کے ساتھ ہوا۔ ان سے ولید سعید اور ام سعید تین بچے ہوئے۔ ام النبین بنت عینیہ بن حصن فزازی بھی ان کے نکاح میں آئیں۔ ان کے شکم سے عبدالمالک پیدا ہوئے جو لڑکپن میں وفات پا گئے۔ ساتواں نکاح رملہ بنت شیبہ سے ہوا۔ ان سے عائشہ ام ابان اور ام عمر تین بیٹیاں ہوئیں۔ آخری بیوی نائلہ بنت الفرافصہ تھیں۔ ان سے ایک بیٹی مریم پیدا ہوئیں۔ جس وقت قتل ہوئے اس وقت فاختہ۔ ام النبین۔ رملہ اور نائلہ چار بیویاں تھیں۔

مآثر عثمان

حضرت عثمان ابتدا سے حیا۔ حسن صورت و سیرت اور دانائی میں مشہور اور قریش میں ہر دلعزیز تھے۔ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ یہی تھے۔ پھر مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ جیش عسرۃ کی امداد کے لئے ایک ہزار اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دیئے۔ بر رومہ جو یہودیوں کا کنواں تھا اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا۔ ۲۶ھ میں کعبہ کے ارد گرد کے مکانات خرید کر حرم کو بڑھایا۔ اسی طرح ۲۹ھ میں مسجد نبوی میں اضافہ کیا اور چونے اور پتھر سے اس کی تعمیر کی۔ رمضان میں اہل مدینہ کو کھانا کھلاتے تھے اور کوفہ میں بھی ضیافت خانے بنوائے تھے۔ شرافت، خوش خلقی، عبادت، تقویٰ اور کرم میں نہایت ممتاز تھے اور عدل و انصاف و مساوات کے اسی قدر عاشق تھے جس قدر حضرت عمرؓ۔ آخری

زمانہ خلافت میں کبر سنی کی وجہ سے اگر بنی امیہ اور خاص کر مروان بن حکم کی رائے میں نہ آگئے ہوتے تو ان کا زمانہ عہد فاروقی سے کم نہ ہوتا۔ صحابہ میں کتاب اللہ کا حافظ ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ قرآن سے ان کو سیری نہیں ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ساری رات اس کی تلاوت میں گزار دیتے تھے۔ جب اختلاف قرآت کا خوف ہوا تو امت کو ایک قرآت پر جمع کرنے کے لئے مصحف اصلی کا ایک ایک نسخہ نقل کرا کے ہر ہر صوبہ میں بھیج دیا جن میں سے بعض اب تک محفوظ ہیں۔

عمال عہد عثمان

مکہ۔ عبداللہ بن حضرمی

طائف۔ قاسم بن ربیعہ ثقفی

صنعا۔ یعلیٰ بن منیہ

جند۔ عبداللہ بن ربیعہ

بصرہ۔ عبداللہ بن عامر

کوفہ۔ ابو موسیٰ اشعری

شام۔ امیر معاویہ

قنسرین۔ حبیب بن مسلمہ فہری

مصر۔ عبداللہ بن سعد

بیت المال پر عقبہ بن عامر اور قضا پر حضرت زید بن ثابت تھے۔

اگرچہ ان امراء میں سے صرف تین شخص حضرت عثمان کے رشتہ دار تھے۔ یعنی امیر معاویہ، عبداللہ بن عامر، اور عبداللہ بن سعد۔ لیکن اصلیت یہ ہے کہ بڑی بڑی ولایتیں صرف پانچ تھیں۔

بصرہ۔ اس کے تابع تمام مشرقی مقبوضات تھے۔

کوفہ۔ رے اور آذر بیجان کا دار الحکومت تھا۔

قنسرین۔ اس کے ماتحت سارا آرمینیہ تھا۔

مصر۔ کل افریقی مفتوحات کا مرکز تھا۔

شام۔ پورے چار صوبوں حمص، دمشق، فلسطین اور اردن کا مجموعہ تھا۔

ان پانچ میں سے تین پر ان کے رشتہ دار تھے جو اپنے ماتحت عمال کو خود مقرر کرتے تھے۔ کوفہ میں بھی پہلے سعد بن عاص تھے جو حضرت عثمان کے قرابت مند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے ان پر نکتہ چینی کی تھی کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو حکومتیں دیتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علیؓ کے انتخاب کی کیفیت سابقہ خلفاء کے انتخاب سے بالکل جداگانہ تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خفیف اختلاف کے بعد لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کو خلیفہ تسلیم کر لیا ۔ جب وہ گزر گئے تو حضرت عمرؓ بذریعہ فرمان ولی عہدی خلیفہ مقرر ہوئے اور کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا ۔ اسی طرح خلیفہ ثالث کے انتخاب کے موقع پر چند افراد میں سے ایک خاص شخص کا تعین کرنا تھا ۔ وہ بھی کثرت رائے سے طے پا گیا اور باہم کوئی نزاع نہیں پیدا ہوئی ۔ کیونکہ ان تینوں موقعوں پر اکابر صحابہ اور اعیان مہاجرین و انصار بیشتر مدینہ میں موجود تھے جن کے اتفاق کے بعد تمام امت کا اتفاق ہو جاتا تھا ۔

انتخاب

حضرت عثمانؓ کے حادثہ کے وقت بیشتر بزرگان امت دوسرے مقامات میں تھے اور قدرتاً مدینہ میں انہیں لوگوں کا غلبہ حاصل ہو گیا تھا ۔ جنہوں نے خلیفہ کو قتل کیا تھا ۔ ان کی نگاہ میں حضرت علیؓ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نہ تھا ۔ چنانچہ باوجود ان کے انکار کے بھی اصرار کر کے ان کو خلیفہ بنایا ۔ سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر مالک اشتر نے بیعت کی پھر دوسرے لوگوں نے ۔ ان کے نزدیک اب سب سے اہم یہ بات تھی کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی بیعت کر لیں ۔ کیونکہ یہ لوگ بھی رجال شورائے اور خلافت کے امیدواروں میں سے تھے ۔ اس لئے ان کی طرف سے خطرہ تھا ۔ چنانچہ وہ بلائے گئے ۔ حضرت طلحہؓ کو کچھ پس و پیش ہوئی ۔ اس پر اشتر نے تلوار کھینچ کر کہا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو ایک وار میں پیشانی کے دو ٹکڑے کر دوں گا ۔ مجبوراً انہوں نے ہاتھ بڑھایا ۔ حضرت زبیر نے بھی انہیں کی تقلید کی ۔

سعد بن ابی وقاص بھی طلب ہوئے ۔ انہوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ جب تک سب لوگ بیعت نہ کر لیں گے میں نہیں کروں گا لیکن میری طرف سے کسی خطرہ کا اندیشہ نہ کرو ۔ لوگوں نے ان کو مہلت دی حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی یہی کہا ۔ ان سے کہا گیا کہ ضامن لاؤ ۔ انہوں نے انکار کیا اس پر اشتر نے غصہ میں کہا کہ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دوں حضرت علیؓ نے رد کا اور کہا کہ یہ جہالت ہے ؟ ان کا ضامن میں ہوں ۔ رؤسا انصار میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ کعب بن مالکؓ مسلمہ بن مخلد ابو سعید خدری ، محمد بن مسلمہ ، نعمان بن بشیر ، زید بن ثابت ، فضالہ بن عبیدؓ اور کعب بن عجرہؓ نے بیعت نہیں کی ۔ دیگر مشاہیر میں سے حضرت عبداللہ بن شعبہؓ عبداللہ بن سلام اور قدامہ بن مظعون بھی بیعت میں شریک نہیں ہوئے ۔ کچھ لوگ اس خیال سے کہ ان کو بیعت نہ کرنی پڑے مدینہ سے شام کی طرف روانہ ہو گئے ۔

ترجمہ علیؓ

حضرت علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں ۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے ۔ علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم ۔

ان کی والدہ فاطمہ بن اسد تھیں ۔ ہجرت سے ۲۱ سال قبل ان کی ولادت ہوئی ۔ بچپن ہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہے اور وہیں ان کی پرورش ہوئی ۔ آنحضرت صلعم کو جس وقت نبوت عطا ہوئی اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی ۔ لڑکوں میں سب سے پہلے یہی ایمان لائے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہجرت مدینہ کا حکم ملا اور رات کو گھر سے نکل کر چلنے لگے تو حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور حکم دیا کہ لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں ان کو ادا کر کے مدینہ چلے آنا باوجود اس کے کہ دشمنان دین گھر کے چاروں طرف ننگی تلواریں لئے ہوئے کھڑے تھے لیکن حضرت علیؓ بے خوف و خطر اس بستر پر آپ کی ردا مبارک اوڑھ کر سو رہے ۔ ہجرت سے تقریباً پانچ مہینے کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلعم نے ان کا نکاح حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ کر دیا اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال ۵ ماہ اور حضرت فاطمہ کی اٹھارہ سال چھ ماہ کی تھی ۔ سوائے جنگ تبوک کے باقی تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ہم رکاب رہے اور بے نظیر شجاعت کا اظہار کیا ۔ سخت سے سخت لڑائی میں بھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر عہد نامے اور خطوط یہی لکھتے تھے جب آنحضرتؐ نے وفات پائی تو بوجہ قرابت قریبہ کے خلافت کے لئے یہ اپنے حق کو مرجح سمجھتے تھے ۔ لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر لوگوں نے اتفاق کر لیا اس لئے انہوں نے بھی بیعت کر لی ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہو گئے ان کے عہد میں یہ مشیر خاص رہے ان کی وفات پا جانے پر امید قوی تھی کہ ان کا انتخاب ہو جائے گا لیکن حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے بالآخر ان کے قتل کے پانچ روز کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ۔

خطبہ خلافت

بیعت کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا ۔ اس میں مسلمانوں کے باہمی حقوق کی تشریح اور ان کو فتنہ سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی ۔ نیز یہ بتلایا کہ ہم میں سے ہر شخص کی ذمہ داری کیا ہے ، پھر خصوصیت کے ساتھ تقویٰ کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ جو کچھ ہم دنیا میں کریں گے اسی کا نتیجہ آخرت میں دیکھیں گے ۔

خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ خلیفہ کا پہلا فرض یہ ہے کہ حدود شرعیہ کو قائم رکھے ۔ لہٰذا جو لوگ خلیفہ کے قتل میں شریک ہوئے ان سے قصاص لینا چاہیے ۔ فرمایا کہ میں بھی اس بات کو جانتا ہوں لیکن تم دیکھتے ہو کہ وہی لوگ ہمارے اوپر غالب ہو رہے ہیں اس لئے جب تک ہم مغلوب ہیں کیونکر قصاص لے سکتے ہیں ۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے جو فعل کیا ہے وہ جاہلیت کا فعل ہے ۔ اطمینان اور سکون ہو جانے دو اس وقت کہنا اس وقت مجھے مہلت دو ۔ لوگ واپس چلے آئے لیکن مختلف قسم کے خیالات دلوں میں پیدا ہونے لگے ۔ بعض لوگوں نے اس جواب کو معقول سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان باغیوں کی حالت اگر یہی رہی تو ان کا زور دن بدن بڑھتا جائے گا اور پھر ہم کبھی ان سے قصاص لینے پر قادر نہ ہوں گے ۔ بنی امیہ بالعموم اور بعض دیگر صحابہ مدینہ سے نکل گئے تھے ۔ اس لئے جو لوگ باقی رہ گئے تھے حضرت علیؓ نے ان کو مدینہ میں روک لیا ۔ وہ لوگ اس سے بد دل ہو گئے اور کہنے لگے کہ خلافت ان کے ہاتھ میں رہی تو یہ قریش پر سب سے زیادہ سختی کریں گے ۔

پہلا کام

خلیفہ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے عہد کے تمام والیوں کی معزولی کا فرمان لکھوایا اور ان کے بجائے دوسرے لوگوں کو مقرر کر کے روانہ کیا ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو مدبرین عرب میں ممتاز خیال کئے جاتے تھے ان کو اس سے روکنے کی کوشش کی ۔ نیز ان کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے کہ وہ بھی عقلا قریش میں سے تھے اس کا انجام سمجھا کر اس سے باز رکھنا چاہا لیکن انہوں نے نہیں مانا ۔ غالباً ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ امراء اس قابل نہیں ہیں کہ ایک دن

بھی والی رکھے جائیں لیکن قانونی حیثیت سے اگر اتنا انتظار کیا جاتا کہ خود یہ امراء اور دیار و امصار کے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ اس کے بعد بلا خوف و خطر جس کو چاہتے معزول کر دیتے اس لئے خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہے والی بنائے اور جس کو چاہے برطرف کر دے اور بلا تکمیل بیعت یہ اندیشہ ضرور تھا کہ امراء ان کی خلافت ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے۔ اس لئے عجیب و غریب عجلت کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس انتظار میں کوئی شرعی مواخذہ بھی نہ تھا۔ بخلاف اس کے خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں تاخیر کو انہوں نے خود روا رکھا حالانکہ وہ ایک شرعی حد ہے جس میں تساہل کرنے پر مواخذہ عقبیٰ کا خطرہ تھا۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمارہ بن شہاب کو کوفہ، عبیداللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر اور سہل بن حنیف کو شام کی امارت کا فرمان دے کر روانہ کیا۔

سہل جس وقت تبوک میں پہنچے شامی سواروں کا ایک دستہ ان کے سامنے آیا اور پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا میں خلیفہ کی طرف سے شام کا امیر مقرر ہوا ہوں ان لوگوں نے کہا کہ اگر حضرت عثمان نے آپکو مقرر کیا ہے تو خوشی سے تشریف لائیے ورنہ واپس جائیے، مجبوراً سہل واپس چلے آئے۔ قیس بن سعد جب مصر پہنچے تو وہاں تین جماعتیں ہو گئیں۔ کچھ لوگ مخالف تھے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہوئے اور کہنے لگے کہ جب تک خلیفہ ہمارے بھائیوں سے قصاص نہ لیں گے، ہم ان کے طرفدار ہیں۔ بعض لوگ دونوں فریق کا ساتھ چھوڑ کر کہنے لگے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر حضرت علیؓ نے خلیفہ مقتول کا قصاص لیا تو خیر، ورنہ ہم ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے۔

والی بصرہ عبداللہ بن عامر حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ عثمان بن حنیف کے پہنچنے پر مصر کی طرح وہاں بھی تین جماعتیں بن گئیں۔ عمارہ سے کوفہ کے راستہ میں مقام زبالہ میں طلحہ بن خویلد اسدی ملے جو حضرت عثمان کے قتل کی خبر سن کر ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آ رہے تھے۔ انہوں نے عمارہ سے کہا کہ یہیں سے پلٹ جاؤ ورنہ ہم تمہارا سر کاٹ لیں گے۔ یمن میں عبیداللہ بن عباس کے آنے خبر سن کر یعلیٰ بن منبہ خراج کی کل رقم جو وصول ہوئی تھی لے کر مکہ چلے آئے۔

شورش عام

تمام اسلامی صوبوں کے صدر مقامات میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ امیر معاویہ والی شام جو بنی امیہ کے رئیس اعظم تھے حضرت علی کی خلافت پر رضامند نہ ہوئے۔ کیونکہ وہ خلیفہ کے قتل کے حادثہ میں حضرت علی کو متہم سمجھتے تھے اور اس تہمت کو اس سے تقویت پہنچی کہ حضرت علیؓ نے انکے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا بلکہ انکو اپنے لشکر میں رکھا۔ علاوہ بریں حضرت علی کی طرف سے ان کی معزولی کا فرمان صادر ہوا جس سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ ان کی خلافت کا نتیجہ میری حق میں اچھا نہ ہوگا۔ چونکہ ان کے ساتھ ایک عظیم الشان فوج بھی تھی جس میں وہ ہر دلعزیز تھے اور خود بہ نسبت کسی دوسرے شخص کے انہیں خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتی تھی اسی لئے انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ نے سبرجہنی کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا لیکن امیر معاویہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عثمان کے قتل کے تیسرے مہینے اعلان مخالفت کے لئے بنی عبس کے ایک شخص کو ایک سادہ قرطاس دیا جس پر نیچے ان کی مہر لگی ہوئی تھی اور عنوان پر صرف یہ لکھا ہوا تھا۔

از معاویہ بہ علی (رضی اللہ عنہ)

اس سے کہہ دیا کہ جب تم مدینہ میں داخل ہونا تو اس کو نیچے سے پکڑ کر ہاتھ میں لٹکائے رکھنا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔

یکم ربیع الاول ۳۶ھ کو عبسی مدینہ میں داخل ہوا لوگوں نے اس طومار کو دیکھا پھر وہ حضرت علیؓ کے پاس آیا اور اس کو ان کے حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ اس میں تو کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ تم بتلاؤ کہ بات کیا ہے اس نے کہا کہ جامع دمشق کے منبر پر خلیفہ مقتول کے خون آلود پیراہن اور نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ رکھا ہوا ہے اور ساٹھ ہزار آدمی ان کا ماتم کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جب تک ان کے

خون کا بدلہ نہ لے لیں گے کبھی راضی نہ ہوں گے ۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ کس سے بدلہ لیں گے اس نے کہاآپ سے فرمایا کہ میں تو خود عثمان کی طرح مغلوب ہوں ۔ اب حضرت عثمان کے قاتل بچ گئے ان سے قصاص ملنا مشکل ہے ۔ اس کے بعد آسمان کی طرف رخ کر کے کہا" اے اللہ ! تو جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں " ۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب عبسی فرستادہ واپس چلا تو سبائی فرقہ کے لوگوں نے قتل کرنے کے لئے اس کا پیچھا کیا اس نے مدینہ کے قبائل کو پکارا آخر لوگوں نے بڑی مشکل سے اس کی جان بچائی ۔

امام حسن نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ باہم مسلمانوں میں خونریزی نہیں ہونی چاہیے لیکن وہ مقابلہ کے لئے تیار ہوئے ۔ قثم بن عباس کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کیا اور اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو علم عطا فرما کر خود فوج اور سامان کی فراہمی میں مصروف ہوگئے اسی اثنا میں ایک دوسری خبر آئی جو اس سے بھی سخت تھی ۔ یعنی یہ کہ ام المومنین عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ اور زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ پہنچ گئے اور وہاں حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لئے اجتماع ہو رہا ہے ۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ مدینہ سے حضرت عثمانؓ کی محصوری کے زمانہ میں حج کے لئے تشریف لے گئی تھیں وہیں ان کو اطلاع ملی کہ باغیوں نے خلیفہ کو قتل کر ڈالا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ ان کو خلیفہ کے قتل سے نہایت صدمہ ہوا ۔ انہوں نے حرم میں مسلمانوں کے سامنے ایک مؤثر تقریر کی جس میں ثابت کیا کہ جن لوگوں نے خلیفہ کو قتل کیا ہے اسلام کا ایک بہت بڑا اصول توڑ ڈالا ہے اور وہ لوگ باغی ہیں ۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس فساد کی اصلاح کی کوشش کریں ۔

مکہ مکرمہ میں اس وقت عبداللہ بن حضرمی عامل تھے بصرہ سے یعلیٰ بن منبہ بھی آگئے ادھر مدینہ سے حضرت طلحہ اور زبیر بھی پہنچ گئے ۔ ان سب لوگوں نے باہم طے کیا کہ بصرہ میں چل کر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا جائے ۔ مروان وغیرہ اکثر افراد بنی امیہ کے بھی اس جماعت میں شامل ہوگئے ۔ حضرت عبدالرحمن بن عتاب بن اسید میر قافلہ مقرر ہوئے ۔ وہی نماز پڑھاتے تھے ۔ جب بصرہ کے قریب پہنچے تو وہاں کے امیر عثمان بن حنیف نے جو حضرت علیؓ کی طرف سے مقرر ہوئے تھے عمران بن حصین اور ابوالاسود دئلی کو اس قافلہ میں بھیجا کہ دریافت کریں کہ آنے کی غرض کیا ہے ۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ہم خلیفہ مقتول کا قصاص چاہتے ہیں ۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے بھی یہی جواب دیا ۔ ان دونوں نے کہا کیا تم لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی کہا بے شک لیکن جبراً ہم سے بیعت لی گئی ۔ عثمان بن حنیف نے یہ سن کر چاہا کہ اس قافلہ کو بصرہ میں آنے سے روکیں لیکن وہاں کے سب لوگ ہم خیال نہیں تھے ۔ عثمان اپنی جماعت لے کر نکلے اور اس قافلہ کے بائیں پہلو پر مقام مرید میں ٹھہرے ۔ بصرہ کی دوسری جماعت جو ام المومنین کی ہم آہنگ تھی دائیں طرف جا کر مجتمع ہوئی ۔

حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں کو مخاطب کر کے خلیفہ مقتول کے قصاص کے مطالبہ کے لئے جوش دلایا ۔ عثمان کے ساتھی مخالفت پر آمادہ ہوئے اور لڑنے کے لئے بڑھے ۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ نے جن کی آواز بلند اور رعب دار تھی مجمع کے سامنے تقریر شروع کی ۔ ان کے بیان سے نہ صرف لڑائی رک گئی بلکہ مخالفین نصف سے زائد آکر ان کے ساتھ شامل ہوگئے اور کہنے لگے کہ ام المومنین نے جو کچھ فرمایا بالکل درست اور صحیح ہے ۔ حکیم بن جبلہ جس کے یہاں عبداللہ بن سبا سب سے پہلے آکر ٹھہرا تھا اس نے جنگ شروع کر دی ۔ لوگوں نے اس کو منع کیا اور اس سے ہاتھ روکے رکھا لیکن جب وہ نہ مانا تو مدافعت کی ۔ تھوڑی دیر میں رات کی تاریکی نے لڑائی کو ختم کر دیا ۔ دوسرے دن صبح کو عثمان اور حکیم دونوں نے جنگ شروع کی حضرت عائشہ کا منادی برابر ان کو آواز دیتا رہا کہ نہ لڑو لیکن وہ دوپہر تک لڑتے رہے ۔ آخر میں جب شکست کھائی تو صلح کی ۔ قرار داد یہ ہوئی کہ مدینہ میں ایک معتبر آدمی بھیجا جائے جو وہاں کے لوگوں سے دریافت کر کے آئے کہ حضرت طلحہ اور زبیر سے جبراً بیعت لی گئی ہے یا نہیں اگر واقعی جیسا کہ ان کا بیان ہے کہ ان کے سروں پر تلوار رکھ کر بیعت لی گئی ہے تو ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو جائیں گے ۔ ورنہ آپ ہمارے ساتھ ہو جائیں ۔

بصرہ کے قاضی کعب بن سور مدینہ روانہ کئے گئے انہوں نے پہنچ کر مسجد نبوی میں پکار کر کہا کہ مجھ کو اہل بصرہ نے یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ حضرت طلحہ اور زبیر سے خلافت کی بیعت جبراً لی گئی یا انہوں نے اپنی خوشی سے کی ہے اس لئے جو اصلیت ہو مجھ کو بتا دی جائے سب لوگ سن کر خاموش رہے لیکن حضرت اسامہ بن زید نے صاف کہدیا کہ دونوں سے جبراً بیعت لی گئی ہے سہل بن حنیف اور ان کے چند ہم خیال حضرت اسامہ پر حملہ کر بیٹھے ۔ اگر حضرت صہیب، ابو ایوب انصاری اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے بچا نہ لیا ہوتا تو یقیناً وہ لوگ ان کو مار ڈالتے ۔ حضرت صہیب اسامہ کو اپنے گھر لے گئے اور کہا کہ جس طرح ہم سب لوگ خاموش رہے اگر اسی طرح تم بھی چپ رہ جاتے تو کیا حرج تھا ۔ حضرت علی کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں عثمان بن حنیف کو خط لکھا کہ تم تساہل کر رہے ہو اگر ان سے جبراً بھی بیعت لی گئی تو کیا ہوا ۔ کیونکہ وہ اتحاد پر مجبور کئے گئے نہ کہ افتراق پر ۔ کعب بن سور اور یہ خط دونوں ایک ساتھ بصرہ میں پہنچے ۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے عثمان سے کہا کہ کعب نے چونکہ ہماری بات کی تصدیق کر دی اس لئے قرار داد کے مطابق تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ ۔ لیکن انہوں نے خلیفہ کے حکم کی بنیاد پر انکار کر دیا آخر لڑائی ہوئی اور گرفتار کئے گئے ۔ حضرت عائشہ نے حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو جہاں چاہیں چلے جائیں ۔ وہ رہا ہو کر مدینہ میں حضرت علیؓ کے پاس آ گئے ۔ حکیم بن جبلہ اور اس کے بہت سے ساتھی جو حضرت عثمان کے خون میں شریک تھے مارے گئے ۔ اس کے بعد اعلان عام کر دیا گیا کہ جس جس قبیلہ میں ایسے لوگ ہوں جو حضرت عثمان کے قتل میں شرکت رکھتے تھے پکڑ کر لائے جائیں چنانچہ اس قسم کے بہت سے لوگ لائے گئے ان میں سے جس جس کا جرم پایا بصرہ سے کوفہ اور شام میں بھی خطوط بھیجے گئے کہ وہ لوگ بھی خلیفہ مظلوم کے قصاص کے مطالبہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ۔

واقعہ جمل

حضرت علی شام پر لشکر کشی کی تیاری کر رہے تھے لیکن جب بصرہ کے اجتماع کی خبر معلوم ہوئی تو پہلے اسی طرف رخ کرنا مناسب سمجھا ۔ مدینہ سے ایک انبوہ ان کے ساتھ چلا مقام زبدہ میں پہنچ کر چند آدمیوں کو کوفہ بھیجا کہ وہاں سے لوگوں کو مدد کے لئے لائیں ۔ جب وہ کوفہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے رؤسا والی کوفہ ابو موسیٰ اشعری کے پاس جمع ہوئے اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ چاہا ۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس سے بالکل الگ رہنا چاہیے اس میں جو سویا ہے وہ بیٹھے سے اور جو بیٹھا ہے وہ چلنے والے سے بہتر ہے ۔ حضرت علیؓ کے فرستادوں نے اپنی تقریروں میں ابو موسیٰ کی سخت مخالفت کی اور ان کو سخت و سست بھی کہا ۔ سب کے بعد امام حسن نے لوگوں کو مخاطب کیا اور ان کو نرمی کے ساتھ سمجھا کر کہا کہ خلیفہ کے حکم سے سرتابی نہ کرو اور جو مصیبت اس وقت نازل ہوئی ہے اس کے دفع کرنے میں ان کی امداد کرو ۔ ان کے سمجھانے سے لوگ چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور کم و بیش نو ہزار آدمی دریا اور خشکی کی راہ سے گئے ۔

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علیؓ نے قعقاع بن عمرو کو ام المومنین کی خدمت میں بھیجا ۔ انہوں نے آکر دریافت کیا کہ آپ کا کیا مقصد ہے ؟ ام المومنین نے فرمایا کہ اصلاح ۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے بھی یہی کہا قعقاع نے پوچھا کہ اصلاح سے کیا مراد ہے ؟ فرمایا کہ خلیفہ مقتول کا قصاص کیونکہ قصاص نہ لینا قرآن کو پس پشت ڈالنا ہے ۔ قعقاع نے کہا ۔

" تم نے بصرہ کے باغیوں سے خود قصاص لینا شروع کیا ۔ اگر اس اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا ہوتا تو تمہارا دعویٰ زیادہ قوی ہوتا ۔ تم نے یہاں کے ایک کم چھ سو آدمیوں کو جو حضرت عثمانؓ کے خون میں شرکت رکھتے تھے قتل کیا جس کی وجہ سے چھ ہزار آدمی تمہارا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے ۔ جب اس ایک حرقوص بن زہیر کو بھی تم نے پکڑنا چاہا تو وہی چھ ہزار اس کی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے اور آخر وہ گرفتار نہ ہو سکا ۔ لہذا اس سے قصاص لینا تم نے ترک کر دیا ۔ یہ قرآن کا پس پشت ڈالنا نہیں ہے جس بات کو خود

چھوڑتے ہو ، اسی کا دوسروں سے مطالبہ کرتے ہو ۔ میرے خیال میں اس فتنہ کا علاج صرف یہ ہے کہ سکون پیدا کیا جائے ۔ اس کے بعد ہر قسم کی اصلاح ہو سکتی ہے اگر تم بیعت کر لوگے تو امت کی بہتری کے لئے وہ ایک فال نیک ہوگی اور خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص بھی مل جائے گا ورنہ باہمی خونریزی کی شکل میں وہ لوگ بچ جائیں گے اور امت مصیبت اور آفت میں مبتلا ہو جائے گی ۔ میں اللہ کا واسطہ دلا کر کہتا ہوں کہ یہ ایک آدمی یا ایک خاندان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ساری امت کا ہے ۔ اس میں غور فکر سے کام لیجئے اور ایسی روش اختیار کیجئے کہ نہ ہم مصیبت میں پڑیں نہ آپ اور نہ یہ امت ۔ جو اس وقت حوادث کے تیروں کا نشانہ ہوئی ہے " ۔

قعقاع کی تقریر سب لوگوں نے پسند کی اور کہا کہ تمہاری باتیں نہایت مناسب اور درست ہیں اگر حضرت علیؓ کا بھی خیال ہے جو تم نے ظاہر کیا تو مصالحت بہت آسان ہے ۔ قعقاع نے واپس جا کر تمام ماجرا حضرت علیؓ کو سنایا ۔ وہ خوش ہوئے دوسرے دن صبح کو بصرہ کی طرف چلے اور حکم دیا کہ ہمارے لشکر میں جو لوگ اس قسم کے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان کے قتل میں کسی قسم کی اعانت کی ہے وہیں رہ جائیں اور ساتھ نہ چلیں ۔ یہ سن کر عبداللہ بن سبا نے اپنی جماعت کے لوگوں سے کہا کہ ساتھ ساتھ لگے رہو اور اور جب دونوں فریق ملیں تو فوراً جنگ شروع کر دو ۔ مصالحت کا موقع کسی طرح نہ آنے دو ۔ حضرت علی بصرہ کے متصل فروکش ہوئے ۔ دونوں طرف سے سفیروں کی آمد و رفت شروع ہوئی اور اور صلح کی باتیں طے ہو گئیں ۔ رات کو لوگ اطمینان کے ساتھ سوئے ان کو یقین تھا کہ صلح میں اب کسی قسم کا شبہ نہیں ۔ لیکن طلوع صبح سے پیشتر سبائی فرقہ نے بصرہ کی جمعیت پر ایک جانب سے حملہ کر دیا ۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسا ہنگامہ ہے معلوم ہوا کہ کوفیوں نے جنگ شروع کر دی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمارا پہلے ہی سے گمان تھا کہ حضرت علی بلا خونریزی کئے ہوئے نہیں مانیں گے ۔ ادھر حضرت علی نے بھی لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی شورش ہے ۔ سپاہیوں نے جو ان کے ساتھ لگے رہتے تھے فوراً جواب دیا کہ اہل بصرہ نے رات کو ہمارے اوپر چڑھائی کی ہم نے ان کو پیچھے دھکیلا ۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ میں تو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ طلحہ اور زبیر جنگ کئے ہوئے نہیں رہیں گے ۔

اب فریقین میں جنگ عام شروع ہوئی ادھر سے حضرت علیؓ سوار ہو کر نکلے اور ادھر سے حضرت عائشہ اونٹ پر ہودج میں بیٹھ کر میدان میں نمودار ہوئیں ۔ یہ پہلا دن تھا کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں باہمی خونریزی کے لئے تلواریں کھینچ کر آمنے سامنے آئیں ۔ نہایت سخت جنگ ہوئی ۔ بصرہ کے اکثر رؤسا ام المومنین کے اونٹ کے ارد گرد محافظت کے خیال سے آکر جمع ہو گئے ۔ وہاں کشتوں کے پشتے لگ گئے خود ہودج میں اس قدر تیر آکر لگے کہ دور سے وہ کانٹوں کا ایک گچھا معلوم ہوتا تھا ۔ حضرت علی نے جب دیکھا کہ اس طرح لڑائی کا خاتمہ نہیں ہو سکے گا تو حکم دیا کہ اونٹ کا پاؤں کاٹ دیا جائے جب وہ گر پڑا تو اہل بصرہ شکست کھا گئے ۔ محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر نے آکر ہودج کی رسیاں کاٹیں اور اس کو اٹھا کر لشکر سے الگ لے جا کر رکھا اس کے بعد حضرت عائشہؓ کو بصرہ میں لے گئے ۔

اس جنگ میں طرفین سے تقریباً دس ہزار آدمی مارے گئے جن میں حضرت طلحہ اور ان کے بیٹے محمد اور عبدالرحمن بن عتاب وغیرہ نامور ان قریش شامل تھے ۔ حضرت زبیرؓ مدینہ کی طرف چل نکلے عمرہ بن جرموز نے جو ان کے پیچھے لگا تھا وادی سباع میں پہنچ کر ان کو تیر سے ہلاک کر ڈالا ۔ مقتولین کو دفن کرانے کے بعد حضرت علیؓ نے بصرہ میں قیام کیا اس کے بعد ام المومنین کی خدمت میں گئے ۔ ان سے گفتگو کی اور ان کی مدینہ کی روانگی کا سامان کیا ۔ جس دن وہ روانہ ہوئیں خود بصرہ سے ان کے ساتھ نکلے ۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ۔ مجھ میں اور علی میں بجز ان شکوؤں کے جو باہم رشتہ داروں میں ہوا کرتے ہیں اور کسی قسم کی عداوت یا دشمنی نہیں تھی اور میں باوجود ناراضگی کے ان کو بہترین لوگوں میں سمجھتی ہوں ۔

حضرت علی نے کہا کہ " ام المومنین نے بالکل سچ فرمایا ۔ مجھ میں اور ان میں سابقہ کوئی رنجش نہیں تھی ۔ ان کا رتبہ بہت بڑا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح دنیا میں بیوی تھیں اسی طرح آخرت میں بھی ہوں گی " ۔ بصرہ سے ان کی روانگی یکم رجب

۳۶ھ کو ہوئی۔ کئی میل تک خود حضرت علیؓ ساتھ تھے۔ امام حسن اور حسین ایک منزل تک آئے اور محمد بن ابی بکر مدینہ تک ساتھ رہے۔ جب سکون ہو گیا تو حضرت علی نے اہل بصرہ سے بیعت لی وہاں کی امارت کے عہدے پر عبداللہ بن عباس اور خراج کی تحصیل پر زیاد بن ابی سفیان کو مقرر فرمایا۔

یہ جنگ جس نے آئندہ کے لئے مسلمانوں میں باہمی خونریزی کا دروازہ کھول دیا اس کی ذمہ داری سے فریقین میں سے کوئی بھی بہمہ وجوہ بری نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم خلیفہ مقتول کے خون کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ قصاص لینے کا حق صرف امام کو حاصل ہے۔ اگر اس الزام پر کہ امام کسی شرعی حد میں کوتاہی کرتا ہے دوسرے رؤسا امت اس حق کو اپنے ہاتھ میں لینے لگیں تو اسلامی نظام کی بنیاد ہی مٹ جائے گی۔ اس لئے حیرت ہوتی ہے کہ کس اختیار سے انہوں نے اہل بصرہ سے خود قصاص لینا شروع کر دیا۔

علاوہ بریں ایک طرف تو وہ حضرت علیؓ کی امامت کو تسلیم ہی نہیں کرتے دوسری طرف خود انہیں سے مطالبہ کرتے تھے کہ قصاص لیں حالانکہ ایسی صورت میں ان کا مطالبہ صرف یہ ہونا چاہیے کہ ارباب حل و عقد پہلے امامت کا فیصلہ کر دیں۔ اقامت حد کا سوال اس کے بعد کا تھا۔ ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی صبر و تامل سے کام نہیں لیا کہ اس رخنہ کو بہتر طریقہ سے بلا خونریزی کے بند کرتے۔ مدبر کی صفت یہ ہے کہ مشکلات کو حسن تدبیر سے حل کرے اور تلوار صرف اس وقت اٹھائے جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان سبائی شیاطین نے جو مصالحت کے دشمن تھے اپنی عیاری سے امت کو جنگ میں پھنسا دیا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے وقت میں جب کہ چاروں طرف سے امت قصاص کا مطالبہ کر رہی ہو۔ ایسے لوگوں کو اپنی فوج میں رکھنا جن کو باہمی مصالحت سے اپنا نقصان نظر آتا ہو مصلحت کے خلاف تھا کیونکہ وہ بالطبع ہر قسم کے اتفاق اور آشتی میں رخنہ انداز ہوں گے۔ نیز یہ امر بھی اصول لشکر کشی کے مطابق سپہ سالار کے لئے ایک الزام ہے کہ اس کی فوج کی کوئی جماعت اس کی نیت کے خلاف اس کو جنگ پر مجبور کر دے۔

جنگ صفین

جمل کی لڑائی دراصل دیباچہ تھی ایک اس سے بھی دردناک جنگ کا جو صفین کے میدان میں ہونے والی تھی۔ حضرت علیؓ نے بصرہ سے کوفہ میں آکر جریر بن عبداللہ بجلی کو امیر معاویہ کے پاس بیعت کے لئے بھیجا۔ انہوں نے دمشق پہنچ کر اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ امیر معاویہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ شام کے سرداروں اور سپاہیوں نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک خلیفہ مقتول کا قصاص نہ لے لیں گے اس وقت نہ فرش پر سوئیں گے نہ اپنی بیویوں سے ملیں گے اور شام اسلامی فوج کا بہت بڑا مرکز تھا۔ رومیوں کے مقابلہ کی وجہ سے وہاں کی فوج جنگ میں مشاق اور سازو سامان سے آراستہ تھی اور امیر معاویہ جو اسلامی امراء میں سب سے بڑے سیاسی مدبر تھے ایک مدت سے ان کے اوپر حکومت کرتے چلے آتے تھے اور ان کے دلوں پر پورا قابو حاصل کئے ہوئے تھے۔

اس عظیم الشان طاقت کی وجہ سے انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا اور ان پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ خود خلیفہ مظلوم کے قتل میں شریک یا یہ کہ کم از کم ان کے قاتلوں کے حامی ہیں۔ جریر بن عبداللہ نے واپس آکر حضرت علیؓ کو شام کی کیفیت سنائی۔ اب ان کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ لشکر کشی کریں اس لئے فوج لے کر نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا امیر معاویہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی شامی فوجوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت علیؓ جزیرہ کے راستہ سے رقہ پہنچے وہاں دریائے فرات کو عبور کیا جب آگے بڑھے تو شامی فوجیں آگئیں۔ دونوں لشکروں کے طلایوں میں ایک خفیف سی جنگ ہو کر رک گئی۔ اس کے بعد

فریقین ایک دوسرے کے بالمقابل خیمہ زن ہوگئے۔

حضرت علیؓ نے بشیر بن عمرو انصاری سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ جب یہ لوگ ان کے خیمے میں پہنچے تو بشیر نے کہا۔ اے معاویہ! دنیا فانی ہے تم کو اللہ کے سامنے جانا ہے اور وہاں اپنے عمل کا حساب دینا ہے۔ میں تم کو اللہ کا واسطہ دلا کر کہتا ہوں کہ امت میں تفریق نہ ڈالو اور مسلمانوں کا خون بہانے سے پرہیز کرو۔ امیر معاویہ نے کہا کہ تم نے یہ وعظ حضرت علیؓ کو کیوں نہیں سنایا انہوں نے کہا کہ وہ سابقین اولین میں سے ہیں اور اپنے فضائل اور آنحضرتؐ کے ساتھ قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے کل مسلمانوں سے زیادہ امت کے مستحق ہیں۔ آپ بھی ان کے ہاتھ بیعت کر لیجئے تاکہ امت کا شیرازہ نہ ٹوٹے۔ امیر معاویہ نے کہا خلیفہ مظلوم کا خون کہاں جائے گا۔ کیا ہم اس کو بلا قصاص کے چھوڑ دیں اس پر شبث بن ربعی کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کر کے کہا کہ:۔ تم نے جو کچھ کہا اس سے تمہارا مطلب سمجھ گئے۔ جس غرض کے لئے تم لڑنا چاہتے ہو وہ ہم سے مخفی نہیں ہے۔ تم نے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے یہ دعویٰ اٹھایا ہے کہ خلیفہ کا قتل ناجائز تھا۔ اس لئے ان کے قصاص کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ ہم کو خوب معلوم ہے کہ تم خود چاہتے تھے کہ وہ مارے جائیں تاکہ تم کو خلافت حاصل کرنے کا موقع مل سکے اور یہی وجہ تھی کہ تم نے قصداً ان کی امداد میں دیر لگائی۔ لیکن یہ بات یاد رکھو ہر شخص اپنی آرزو میں کامیاب نہیں ہوا کرتا۔ اگر تم ناکام رہے تو تم سے بڑھ کر کوئی بدبخت نہیں ہو سکتا اور اگر کامیاب بھی ہوگئے تو مسلمانوں کی خونریزی کی بدولت جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکتے۔ لہٰذا دونوں صورتیں تمہارے حق میں بری ہیں اس لئے اللہ کا خوف کر کے اس تفریق سے باز رہو اور جو شخص امامت کا مستحق ہے اس کی مخالفت نہ کرو۔ اس سخت گفتگو کا جواب امیر معاویہ کی طرف سے بھی سخت دیا گیا اور یہ سفارت ناکام واپس آئی۔

لڑائی شروع ہوئی مسلمانوں کا دل آپس میں لڑتے ہوئے دکھتا تھا۔ نیز وہ ڈرتے تھے کہ باہمی خونریزی سے اسلامی قوت فنا ہو جائے گی اس لئے فریقین میں سے ایک ایک دستہ نکل کر کبھی کبھی جنگ آزمائی کر لیتا تھا۔ اسی طرح ذی حجہ کا سارا مہینہ گزر گیا۔ جب محرم ۳۷ھ شروع ہوا تو ایک ماہ کے لئے لڑائی ملتوی ہو گئی۔ امید تھی کہ اس درمیان میں مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائیگی۔ حضرت علی نے عدی بن حاتم طائی، یزید بن قیس، زیاد بن خصفہ اور شبث بن ربعی کو جو پہلی بار بھی گئے تھے اور جن کی سخت کلامی سے بے نیل مراد واپس آنا پڑا تھا۔ امیر معاویہ کے پاس بھیجا پہلے عدی نے تقریر کی۔ ہم تمہارے پاس ایک درخواست لے کر آئے ہیں اگر تم اسے منظور کر لوگے تو امت میں اتحاد و اتفاق قائم ہو جائے گا۔ اور باہمی خونریزی نہ ہوگی وہ یہ ہے کہ حضرت علی کو انکے فضائل کی وجہ سے تمام امت نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہے۔ صرف ایک تم اور تمہارے ساتھی ایسے باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے بیعت نہیں کی ہے۔ لہٰذا تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ اور تفریق سے باز رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا بھی وہی حال ہو جو جمل والوں کا ہوا۔ امیر معاویہ نے کہا کہ تم مصالحت کے لئے آئے ہو یا دھمکانے کے لئے؟ میں حرب کا بیٹا ہوں جنگ سے نہیں ڈرتا۔ عدی! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم بھی عثمان کے قاتلوں کے ساتھ شریک تھے انشاءاللہ انہیں ظالموں کے ساتھ قتل بھی کئے جاؤ گے۔ یزید بن قیس نے کہا کہ:۔ ہم صرف اس لئے آئے ہیں کہ وہاں کا پیغام یہاں پہنچا دیں اور جو جواب ملے اس کو جا سنا دیں۔ لیکن اس ضمن میں آپ کے فائدے کی جو باتیں ہیں خیر طلبی کے خیال سے ان کو بھی خدمت میں عرض کر دیں۔ حضرت علیؓ جس درجہ اور رتبہ کے آدمی ہیں آپ جانتے ہیں۔ امت اسلامیہ ان کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو خلافت کے لئے قبول نہیں کر سکتی۔ ہم نے ایسا متقی، دنیا سے بے تعلق اور اخلاق حسنہ کا جامع کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا اس لئے ان کی مخالفت آپ کو نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ جماعت کی تفریق کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ امیر معاویہ نے کہا۔ جس کو تم جماعت کہتے ہو وہ ہمارے ساتھ ہے علی (رضی اللہ عنہ) کی اطاعت کو ہم جائز نہیں سمجھتے۔ انہوں نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا امت میں تفریق ڈالی۔ قاتلوں کو اپنے پاس پناہ دی۔ اگر تم یہ کہو کہ انہوں نے خلیفہ کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کی تردید نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ وہ ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں گے ہم ان سے قصاص لیکر پھر تمہاری بات مانیں گے۔

شبث بن ربعی نے کہا:۔ معاویہ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم عمار بن یاسر کو تمہارے حوالہ کر دیں اور تم ان کو قتل کردو۔ امیر معاویہ نے کہا کہ بے شک! میں تو ان کو حضرت عثمان کے غلام نائل کے قصاص میں بھی قتل کر دوں گا حدود شرعیہ میں کیا رعایت۔ شبث نے جواب دیا کہ یہ تو اس وقت تک ممکن ہے کہ جب تک ہزاروں آدمیوں کے سران کے کندھوں پر سے نہ اڑ جائیں اور سطح زمین باوجود اس وسعت کے تمہارے لئے تنگ نہ ہو جائے۔ امیر معاویہ نے کہا اگر ایسا ہوا تو سطح زمین بہ نسبت میرے تمہارے لئے زیادہ تنگ ہو جائے گی۔ پہلی سفارت کی طرح اس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا بلکہ فریقین کے دلوں میں نفرت بڑھ گئی۔

امیر معاویہ کی طرف سے حبیب بن مسلمہ، شرجیل بن سمط، معن بن یزید اور اخنس بن شریق حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ حبیب نے کہا کہ:۔ عثمان بن عفان خلیفہ برحق تھے اور کتاب و سنت پر عمل کرتے تھے آپ لوگوں نے ان کو قتل کر ڈالا۔ اگر آپ ان کے قتل میں شریک نہیں تھے تو ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔ ہم ان سے قصاص لیں اور آپ خلافت چھوڑ دیں، امت مشورہ عام سے جس کو چاہے گی خلیفہ منتخب کرے گی۔ حضرت علیؓ نے بگڑ کر کہا کہ چپ رہو۔ تم کو یہ کہنے کا کہاں سے حق حاصل ہے کہ خلافت چھوڑ دو۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ حبیب نے کہا پھر میں ہوں اور میدان۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ تم اور تمہارا سارا لشکر جاؤ جو کچھ ہو سکے میرے مقابلے کے لئے کرو۔ شرجیل نے کہا کہ میں بھی اگر کہوں گا تو وہی کہوں گا جو حبیب نے کہا کیا اس کے سوا کوئی دوسرا جواب آپ دیں گے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں! پھر ایک طویل تقریر کی اور اللہ و رسول کے ذکر کے بعد خلافت کا بیان شروع کیا اور کہا کہ

جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ پھر انہوں نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو ولی عہد کر دیا۔ یہ دونوں عادل اور نیک سیرت تھے، ہم کو ان سے صرف یہ شکایت تھی کہ ہم رسول اللہ کے قریبی رشتہ دار تھے ہمارے ہوتے ہوئے خلافت ان کا منصب نہ تھا۔ مگر ان کی خوبیوں کی وجہ سے ہم خاموش رہے اور اس شکایت سے در گزرے۔ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو ان سے چند امور ایسے سرزد ہوئے جن کی توجہ سے بہت سے لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ناراضی یہاں تک بڑھی کہ ان کو قتل کر ڈالا۔ ان کے بعد میرے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی۔ میں نے انکار کیا مگر لوگوں نے اصرار کیا کہ اور کہا کہ امت تمہارے سوا دوسرے شخص کو منظور نہیں کر سکتی اور اگر تم بیعت نہیں لوگے تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ ناچار میں اس کے لئے تیار ہو گیا پہلے وہ دونوں شخص (طلحہؓ اور زبیرؓ) باوجود بیعت کر لینے کے میرے مقابلے میں آئے اور اب معاویہ مخالفت پر آمادہ ہیں جو سابقین تو کجا مہاجرین میں سے بھی نہیں ہیں نہ اسلام کی خدمت میں ان کا کوئی کارنامہ ہے بلکہ وہ اور ان کے باپ برابر اللہ و رسول کی دشمنی کرتے رہے اور فتح مکہ کے دن مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے۔ ان سے اس مخالفت کو میں کچھ بعید نہیں سمجھتا۔ لیکن مجھ کو حیرت اس بات پر ہے کہ تم لوگ کیوں ان کا ساتھ دے رہے ہو۔ اپنے نبیؐ کے قریبی رشتہ داروں کو چھوڑتے ہو اور ان کی اطاعت سے منہ موڑتے ہو۔ میں تم کو کتاب اور سنت کی طرف بلاتا ہوں۔ اور بس ہمارا کام یہ کہ باطل کو مٹائیں اور حق کا ساتھ دیں۔ شرجیل نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کا قتل ظلم تھا۔ جو شخص ان کے قاتلوں سے قصاص نہ لے بلکہ ان کو پناہ دے، ہم اس سے بری ہیں اس کے بعد سب لوگ اٹھ کر چلے آئے اور یہ سفارت بھی بے نتیجہ رہی۔ ماہ محرم کے گزر جانے کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج میں اعلان کرا دیا کہ مخالفین کو ہم نے ہر طرح پر سمجھایا اور حق کی طرف بلایا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اسی لئے اب سوائے جنگ کے کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ رات بھر دونوں فریق صبح کی جنگ کے لئے تیاری کرتے رہے یکم صفر، ۳۷ھ کو لڑائی شروع ہوئی۔ لیکن روزانہ ایک دو دستے ادھر ادھر سے نکل کر خفیف مقابلہ کر کے واپس چلے آتے تھے۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ آٹھویں روز حضرت علی نے عام حملہ کا حکم دیا۔ فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان جنگ میں آ گئے اور ہولناک جنگ شروع ہوئی یہی وہ نامبارک تاریخ تھی جس میں اسلامی الفت اور اخوت کا شیرازہ ٹوٹ گیا اور امت کی طاقت اور شوکت کو صدمہ پہنچا۔

دن بھر معرکہ کارزار گرم رہا ۔ شام کو عراقی اور شامی دونوں فریق غیر مغلوب واپس آئے ۔ دوسرے دن پھر جنگ ہوئی ۔ شامیوں کے پیاپے حملوں سے عراقیوں کے میمنہ نے شکست کھائی ۔ حضرت علیؓ نے میسرہ کو اپنا قرار گاہ بنایا وہاں سے بھی اہل مصر تاب نہ لا کر بھاگے ۔ حضرت علیؓ نے اشتر سے کہا کہ ان لوگوں سے کہو موت سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو ۔ اشتر کے جوش دلانے سے مصری پھر پلٹے اور ایسا سخت حملہ کیا کہ شامیوں کی صفیں الٹ دیں ۔ عصر کے وقت قلب تک بڑھ گئے ۔ اشتر تو بالکل امیر معاویہ کے محافظوں تک پہنچ گئے ۔ امیر معاویہ نے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن کچھ سوچ کر رک گئے ۔ نہایت خونریز جنگ ہوئی ۔ اس میں عمار بن یاسر مقتول ہوئے ۔ شام کو بھی لڑائی بند نہ ہوئی بلکہ قادسیہ کی طرح رات بھر دونوں فریق مصروف پیکار رہے ۔ صبح کے وقت اشتر نے شامیوں کے میمنہ پر حملہ کیا حضرت علیؓ سلسلہ وار ان کی مدد کے لئے دستے پر دستے بھیجتے تھے اور وہ شامیوں کو دباتے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے تھے کہ یکایک نیزوں پر قرآن اٹھا کر اہل شام پکارنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں کتاب اللہ ہے ۔ اہل عراق اگر فنا ہوگئے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا ۔ اور شامی مٹ گئے تو مغربی حملوں کی مدافعت کے لئے کہاں سے لوگ آئیں گے ۔

عراقیوں نے قرآن دیکھ کر ہاتھ روک لیا اور کہا کہ ہم کو کتاب اللہ کا فیصلہ منظور ہے ۔ حضرت علی نے کہا کہ اللہ کے بندو! تم حق پر اپنا ہاتھ نہ روکو فتح میں اب دیر نہیں ہے ۔ معاویہ ، عمرو بن عاص ، ابن ابی معیط ، حبیب بن مسلمہ ، ابی ابن سرح اور ضحاک بن قیس ان سب کو میں بچپن سے جانتا ہوں لڑکوں میں یہ سب سے برے لڑکے تھے اور جوانوں میں بدترین جوان ۔ انہوں نے یہ قرآن اس نیت سے ہرگز نہیں اٹھائے ہیں کہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ یہ ان کی ایک چال ہے جس سے تم کو فریب دینا چاہتے ہیں کہ تم لڑائی سے باز رہو ۔ اہل عراق بولے کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی کتاب اللہ کی طرف بلائے اور ہم انکار کر دیں ۔ مسعر بن فدکی اور اس کے ہمراہیوں نے کہا کہ آپ کتاب اللہ کے فیصلے کو منظور کیجئے ورنہ ہم ساتھ چھوڑ دیں گے ۔

اشتر ابھی تک شامیوں کو دھکیلتے آگے بڑھے چلے جاتے تھے لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ان کو واپسی کا حکم دیجئے ۔ انہوں نے کہلا بھیجا لیکن اشتر نے جواب دیا کہ یہ واپسی کا وقت نہیں ہے فتح قریب آگئی ہے ۔ عراقیوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے درپردہ لڑائی کا حکم دے رکھا ہے اگر واپس نہیں بلاتے تو آپ کے ساتھ بھی وہی معاملے کرینگے جو ہم نے عثمانؓ کے ساتھ کیا ۔ حضرت علیؓ نے پھر اشتر کے پاس حکم بھیجا کہ جلد آجاؤ ادھر فتنہ برپا ہوگیا ۔ مجبوراً ان کو میدان چھوڑ کر واپس آنا پڑا ۔ جب لڑائی بند ہوگئی تو حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو بھیجا کہ معاویہ کا مقصد دریافت کریں ۔ امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک پنچ تمہاری طرف سے ایک پنچ ہماری طرف سے مقرر ہو وہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے ہماری اور تمہاری نزاع کا فیصلہ کر دیں اور ہر فریق ان کے فیصلہ پر رضامند ہو جائے ۔ اشعث نے کہا یہ بہت معقول تجویز ہے ۔ وہاں سے واپس سے آکر حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع دی ۔ عراقیوں نے ایک زبان ہو کر کہا یہ صورت نہایت مناسب ہے ۔ اشعث وغیرہ رؤسا عراق نے اپنی طرف سے ابو موسیٰ اشعری امیر کوفہ کو پنچ منتخب کیا ۔ حضرت علیؓ کو معلوم تھا کہ وہ ان کے موافق نہیں ہیں ۔ وہ عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہتے تھے اس لئے بہت اصرار کے ساتھ کہا کہ تم لوگوں نے پہلے میری خلاف ورزی کی اور جنگ کو بند کر دیا مگر اس میں مخالفت نہ کرو لیکن عراقیوں نے عبداللہ بن عباس کو پسند نہ کیا اور کہا کہ وہ اور آپ تو ایک ہی ہیں ۔ اہل شام کی جانب سے عمرو بن عاص مقرر ہوئے ۔

ثالثی نامہ

دونوں پنچوں نے فریقین سے عہد لکھوایا کہ جو فیصلہ کتاب اللہ کی رو سے کریں گے وہ اس کو مانیں گے اور جو نہ مانے گا اس کے مقابلہ میں ہماری مدد کریں گے ۔ تافیصلہ جنگ بند رہے گی ۔ فریقین آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں آئیں جائیں ۔ پنچوں سے یہ پیمان لیا گیا کہ نیک نیتی سے امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر معاملہ کو طے کریں گے وہ امت میں باہمی جنگ اور تفرق نہ پیدا ہونے دیں

گے ۔ فیصلہ کی میعاد رمضان کے مہینے میں رکھی گئی اور پنچوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر مزید مدت کی ضرورت سمجھیں تو اور بھی تاخیر کر سکتے ہیں ۔ ان کو جس شخص کی شہادت کی ضرورت ہوگی وہ ان کے طلب کرنے پر بلا دیا جائیگا اور شہادتیں قلمبند کی جائیں گی جو متفقہ فیصلہ ہو گا اس پر فریقین کو عمل کرنا ہوگا یہ فیصلہ کا مقام شام اور عراق کے وسط میں رہے ۔ اگر پنچ یہ چاہیں گے کہ ان کے فیصلہ کے وقت مجمع عام نہ ہو تو صرف خاص خاص اشخاص کو اس موقع کے لئے طلب کر لیں ۔ اگر قضائے الہیٰ سے کوئی پنچ قبل از فیصلہ گزر جائے تو اس کے بجائے اس کا فریق دوسرے شخص کو منتخب کر کے بھیج دے گا ۔ یہ عہد نامہ ۱۳ صفر ۳۷ھ میں لکھا گیا اور اس پر فریقین کے نام ثبت کئے گئے ۔ اس طرح پر اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ ہوا جس میں نوے ہزار جانباز مسلمان مقتول ہو گئے ۔ یہ وہ تعداد ہے کہ عہد نبوی سے لیکر اس واقعہ تک جس قدر فتوحات ہوئی تھیں ان سب میں ملا کر بھی اتنے مسلمان کام نہ آئے تھے ۔

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے حالات کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ طرفین کے خیالات میں بے حد تباین تھا ۔ حضرت علیؓ ذاتی فضیلت سابقۂ اسلامی و قرابت رسول کی وجہ سے اپنی حق خلافت کو اس قدر مرجح سمجھتے تھے کہ شیخین نے ان کے خیال میں دیدہ و دانستہ اس کو نظر انداز کیا تھا اور معاویہؓ کو تو طلیق بن طلیق سمجھتے تھے جنہوں نے ہمیشہ رسول اللہؐ کی دشمنی کی اور فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام میں داخل ہوئے ۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کے مطالبہ کی وجہ سے خلافت سے دست بردار ہو جائیں ۔ ادھر معاویہؓ اپنے آپ کو مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے رئیس ابو سفیان کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قریش کا ایک بڑا رکن سمجھتے تھے ۔ خلفا سابقین کے عہد میں وہ معتمد علیہ تھے اور عزت و شوکت کے ساتھ اس صوبے کے والی تھے جو رومیوں کے مقابلہ کی وجہ سے اسلامی ممالک میں خاص اہمیت رکھتا تھا ۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت میرے لئے موجب اہانت ہو گی ۔ کیونکہ سب سے پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ میری معزولی تھی اس لئے مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور ان کو ایسے چند شبہات بھی نظر آئے جن سے اس مخالفت کی گنجائش مل گئی ۔ انہوں نے کہا ۔

(۱) حضرت علیؓ ان باغیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ۔

(۲) اکثر صحابہ کبار نے جو مدینہ میں موجود تھے ان کی بیعت سے انکار کیا ۔

(۳) وہ امراء رؤسا امت و اعیان قریش جو مدینہ سے باہر تھے اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے نہ ان سے مشورہ لیا گیا ۔

(۴) انہوں نے خلیفۂ مظلوم کے قاتلوں کو جو باغی ہیں اور جن سے قصاص لینا فرض ہے اپنے لشکر میں پناہ دی اور عہدے دے رکھے ہیں ۔

ایسے دو شخص جو ایک دوسرے کو اس نظر سے دیکھتے ہوں کیونکر باہم صلح کر سکتے تھے ۔ علاوہ بریں دونوں طرف سے جو سفیر آئے گئے انہوں نے بھی عقل سے کم اور جذبات سے زیادہ کام لیا کسی نے کوئی ایسا طریقہ نہیں سوچا جس پر دونوں فریق متفق ہو جاتے اور امت کے سر سے یہ وبال ٹل جاتا ۔ ان سب پر مزید یہ کہ عراقی فوج میں سبائی جماعت موجود تھی جو کسی طرح باہمی مصالحت کو پسند نہیں کرتی تھی بلکہ ایسی صورتیں نکالتی تھی ۔ جن سے جنگ کی آگ مشتعل ہو جائے ۔

خوارج

عہد نامہ ثالثی کے لکھے جانے کے بعد امیر معاویہؓ اپنی فوج لیکر دمشق کو روانہ ہو گئے ادھر عراقیوں میں جس وقت اشعث بن قیس اس عہد نامہ کو سنانے کے لئے نکلے تو بنی تمیم کے ایک سردار عروہ بن ادیہ نے کہا کہ قرآن کے فیصلہ میں تم نے آدمیوں کو کیوں ثالث مانا ۔ ہم سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں مانیں گے اور پھر تلوار کھینچ کر اشعث پر وار کیا ۔ ان کے گھوڑے پر ضرب آئی یہ دیکھ کر ان کے اہل قبیلہ بھی آکر جمع ہو گئے ۔ قریب تھا کہ باہم کشت و خون ہو جائے لیکن لوگوں نے بیچ میں پڑ کر روک دیا ۔ جب فوج وہاں سے روانہ ہوئی تو راستہ میں ان میں جھگڑے جاری رہے ۔ اہل عراق جس وقت کوفہ سے نکلے تو سب متحد اور متفق تھے لیکن جب

صفین سے واپس آئے تو باہم دشمن اور مخالف تھے ۔ ہر ہر منزل میں ان میں لڑائی اور بدزبانی ہوتی تھی اور کبھی کوڑوں سے مار پیٹ بھی ہو جاتی تھی ۔

خوارج کہتے تھے کہ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں مداہنت کی ۔ شیعہ جواب دیتے تھے کہ تم نے امام کا ساتھ چھوڑ دیا ۔ جب کوفہ کے قریب آئے تو بارہ ہزار آدمی فوج سے الگ ہو کر مقام حروراء میں جا کر خیمہ زن ہوئے اور اعلان کیا کہ ہمارا امیر شبث بن ربعی ہے ۔ یہ وہی شخص ہے جو حضرت علیؓ کی طرف سے سفیر بن کر امیر معاویہ کے پاس گیا تھا اور ان سے سختی کے ساتھ پیش آیا تھا کہ کیوں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے ۔ عبداللہ بن عباس ان کی فہمائش کے لئے بھیجے گئے ۔ ان لوگوں نے ان کے ساتھ بحث شروع کر دی ۔ پھر حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور پوچھا کہ تم لوگ کیوں ہماری جماعت سے خارج ہو گئے ۔

خوارج: اس لئے آپ نے اللہ کے حکم میں انسانوں کو ثالث بنایا ۔

حضرت علی: ۔ کیوں میں نے تم کو پہلے اس ثالثی کے قبول کرنے سے منع نہیں کیا تھا کہ تم لوگوں نے تو خود اصرار کر کے مجھے اس پر مجبور کیا ۔ علاوہ بریں پنچوں سے یہ شرط کی گئی ہے کہ وہ قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے لہٰذا قرآن کے حکم پر چلنے میں کیا قباحت ہے

خوارج: مسلمانوں کے خون کے معاملہ میں اشخاص کو ثالث بنانا کہاں سے روا ہے ؟

حضرت علی: ہم نے اشخاص کو کب حکم مانا ہے ۔ ہمارا فیصلہ تو قرآن پر ہے ۔ اشخاص اسی کی رو سے حکم دیں گے ۔

خوارج: پھر اس فیصلہ کے لئے مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟

حضرت علی: تاکہ اتنے عرصہ میں امت اس سے واقف ہو جائے لوگوں کو غور و فکر کا موقع مل سکے اور صحیح راستہ پر آجائیں ۔ میں کہتا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ بیجا نہیں ہوا ہے ۔ تم لوگ ہمارے ساتھ شہر میں چلو اپنے اپنے گھروں میں قیام کرو ۔

خوارج: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارا ثالثی قبول کرنا کفر تھا ہم اس کفر سے توبہ کرتے ہیں ۔ آپ بھی اگر تائب ہو جائیں تو ہم ساتھ چلنے کے تیار ہیں ۔

حضرت علی: صرف چھ مہینے کی بات ہے ۔ شہر میں چلو اس درمیان میں خراج کی وصولی بھی ہو جائے گی اور سواریاں فربہ اور توانا ہو جائیں گی اس کے بعد دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلیں گے ۔ الغرض بڑی مشکلوں سے ان کو کوفہ میں لائے ۔

اس فرقہ کے نظریہ کی توضیح یہ ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ برحق تھے ۔ ان کی بیعت واجب تھی ۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا وہ باغی ہیں کیونکہ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں جن کے لئے قرآن میں صحیح حکم قتل کا موجود ہے ۔ اس لئے معاویہ کی جماعت ازروئے قرآن واجب القتل ہے ۔ لہٰذا ان کے ساتھ مصالحت کرنے اور ان کے معاملہ میں اشخاص کو ثالث بنانے کے کیا معنی ! اور چونکہ حضرت علیؓ اس جرم کے مرتکب ہوئے کہ انہوں نے حکم قرآنی میں اشخاص کو ثالث بنایا اس لئے ان کی خلافت ناجائز ہے اور ان کی جماعت اور معاویہؓ کی جماعت دونوں یکساں ہیں ۔ خوارج کی اس دلیل میں منطقی غلطی ہے ۔ ان کا یہ کہنا ہے جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں ان کے لئے قرآن میں حد مقرر ہے بے شک صحیح ہے لیکن یہ امر کہ اہل شام اسی جرم کے مرتکب ہیں ، ثبوت کا محتاج ہے ۔ کیونکہ ان لوگوں کا دعویٰ خود حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق تھا کہ آیا وہ منعقد بھی ہوئی یا نہیں اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اس کے فیصلے کے لئے کسی کو ثالث مقرر کرنا ناجائز نہیں ہو سکتا ۔ اور اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ اشخاص کو اللہ کے حکم میں فیصلہ کا اختیار دیا گیا کیونکہ ان کے ثالث ماننے کا منشا صرف اس قدر ہے کہ وہ متعین کر دیں کہ اللہ کا حکم ان پر صادق آتا ہے یا نہیں ۔ باقی رہا خوارج کا یہ اعتراض کہ ثالث مان لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو خود اپنی امامت سے شک تھا اور ایسے مشکوک امر میں ناحق انہوں نے مسلمانوں کی خونریزی کرائی ۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ صاحب حق کا جب فریق ثانی انکار کرے تو اس کے لئے اپنے حق

کے اثبات کے واسطے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ کسی عدالت کی طرف رجوع کرے ۔

بہر صورت اس جماعت جدید یعنی خارجیوں نے بے بنیاد مقدمات ترتیب دیکر بالکل غلط نتیجہ نکالا اور امت کی مصیبت میں اور اضافہ کر دیا ۔ اب مسلمانوں میں بجائے دو کے تین سیاسی فرقے ہو گئے اور حضرت علی کو شامیوں کی بیرونی جماعت کے ساتھ خود اپنی جماعت کے ان اندرونی مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہ ان کے وہی شیعہ تھے جو کل تک ان کو افضل المسلمین اور امیر المومنین تسلیم کرتے تھے اور آج ان کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو گئے ۔

فیصلہ ثالثی

جب رمضان کا مہینہ قریب آیا تو حضرت علیؓ نے ابو موسیٰ اشعری اور شریح بن ہانی کو چار سو آدمیوں کے ہمراہ مقام فیصلہ گاہ کی طرف روانہ کیا ۔ عبداللہ بن عباس اس قافلہ کے پیش نماز تھے ۔ شام سے امیر معاویہ نے بھی عمرو بن عاص کو اسی قدر آدمیوں کے ساتھ بھیجا ۔ یہ دونوں جماعتیں دومۃ الجندل کے قریب مقام اذرح میں مجتمع ہوئیں ۔ امیر معاویہ کی طرف سے قاصد خطوط لے کر سلسلہ وار عمرو بن عاص کے پاس آیا کرتے تھے جن کے مضمون سے ان کے سوا کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا تھا اور نہ پوچھتا تھا کہ کیا مراسلہ آیا ہے ۔ لیکن ادھر سے حضرت علیؓ کا جب کوئی خط عبداللہ بن عباس کے پاس پہنچتا تو اہل عراق مجتمع ہو کر ان سے سوال کرتے کہ امیر المومنین نے کیا لکھا ہے اور پھر اس کو مشہور کرتے اگر وہ نہ بتاتے تو طرح طرح کے قیاسات لڑاتے اور ان پر بحثیں کرتے تھے ۔ حضرت ابن عباس ان کے اس شور و شغب سے تنگ تھے ۔

اس موقع پر رؤسا امت میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ عبدالرحمن بن حارث مخزومی اور مغیرہ بن شعبہ موجود تھے ۔ دونوں ثالثوں نے باہم ملکر مسئلہ زیر بحث پر گفتگو کی ۔ جو کچھ تاریخی روایتیں اس گفتگو کے متعلق ہم تک پہنچی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے ۔

عمرو بن عاص: کیا آپ کو اس امر کا یقین ہے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم قتل ہوئے ۔

ابو موسیٰ: بے شک

عمرو بن عاص: یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ان کے قصاص کے ولی اور وارث ہیں ۔

ابو موسیٰ: ہاں!

عمرو بن عاص: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے ۔

ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً

ترجمہ: جو شخص ظلم سے مارا جائے اسکے ولی کو ہم نے صاحب اختیار کیا ہے ۔

پھر آپ کو امیر معاویہ کے خلیفہ بنانے سے کیا شے مانع ہے ۔

خاندان قریش میں ان کو جو شرف حاصل ہے وہ ظاہر ہے کہ اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ اسلام کی ابتدائی کوششوں میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خلیفہ مظلوم کے ولی ہیں ۔ نیز سیاست میں ماہر اور حسن تدبیر میں شہر آفاق ۔ ان سب پر مزید یہ کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی اور کاتب وحی ہیں ۔ یہ یقین رکھئے کہ اگر وہ خلیفہ ہو گئے ہو تو آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے کہ کوئی دوسرا خلیفہ نہیں کر سکتا ۔

ابو موسیٰ: عمرا اللہ سے ڈرو ۔ خلافت کے لئے دین اور تقویٰ کی فضیلت درکار ہے ۔ محض خاندانی شرافت سے کام نہیں چلتا ۔ علاوہ بریں اگر اسی پر نظر رکھی جائے تو خود حضرت علیؓ قریش میں اس لحاظ سے سب سے افضل ہیں ان کے سوا دوسرا کون خلیفہ ہو سکتا ۔ امیر

معاویہ خلیفہ مقتول کے خون کے ولی ضرور ہیں لیکن امت کی ولایت کا استحقاق ان کو کہاں سے حاصل ہوا ابھی تک مہاجرین اولین موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے معاویہ خلیفہ نہیں ہو سکتے ۔ تم نے ان کے سلوک کی طرف جو اشارہ کیا تو اس کے جواب میں قسم کھاتا ہوں کہ اس وقت جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی اگر نکل جائے تب بھی میں ان کو خلیفہ نہیں بناؤں گا اور رشوت نہیں لوں گا ۔ ہاں اگر تمہاری رائے ہو تو لاؤ حضرت عمر بن خطاب کے نام کو زندہ کریں اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنائے ۔

عمرو بن عاص : اگر آپ خلافت کے لئے عبداللہ بن عمر کو پسند کرتے ہیں تو میرے بیٹے عبداللہ کو کیوں منتخب نہیں فرماتے ۔ اس کی فضیلت اور صلاحیت سے تو تمام امت واقف ہے ۔

ابو موسیٰ : بے شکر تمہارا بیٹا بھی اس کا مستحق ہو سکتا تھا لیکن تم نے اس کو اس لڑائی میں شریک کر کے فتنہ میں آلود کر دیا ۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں پنچ اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں سے کسی کو خلافت نہ دی جائے لیکن کون خلیفہ ہو اس میں اختلاف تھا ۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اس امر کو امت پر چھوڑ دیا جائے وہ جس کو چاہے منتخب کرے ۔ اب بجز اس کے کچھ باقی نہیں رہا کہ مجمع میں اس فیصلہ کا اعلان کر دیا جائے ۔ چنانچہ سب لوگ مجتمع ہوئے اور یہ دونوں ثالث وہاں گئے ۔

عمرو بن عاص ، ابو موسیٰ کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ہر بات میں ان کو مقدم رکھتے تھے ۔ اعلان کے لئے بھی حسب معمول انہیں کو کھڑا کیا انہوں نے کہا کہ : ۔

جہاں تک ہم نے غور کیا امت کی فلاح کے لحاظ سے ہم کو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے اور اسی پر میری اور عمرو بن عاص کی رائے متفق ہوئی کہ حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں کو چھوڑ کر مسلمان جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں ۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے ان دونوں کو معزول کیا اور امت کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ جس کو مناسب سمجھے اپنا امیر بنائے ۔

اس کے بعد عمرو بن عاص کھڑے ہوئے اور کہا کہ :

جو کچھ فیصلہ ہوا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا ۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت علی کی معزولی سے میں بھی متفق ہوں ۔ لیکن معاویہ کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ خلیفہ مقتول کے ولی اور ان کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں ۔

یہ سن کر ابو موسیٰ نے ان کی مخالفت کی اور دونوں میں باہم سخت کلامی ہوئی ۔ عام مؤرخوں کا بیان یہی ہے ۔ لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے زبانی نہیں اعلان کیا تھا بلکہ فیصلہ لکھا تھا کہ جو مجمع میں سنایا گیا ۔ اس میں حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں کی معزولی تھی اور پنچوں میں باہم کوئی اختلاف نہیں واقع ہوا تھا ۔ یہ روایت قرین قیاس ہے کیونکہ ثالثی نامہ جب لکھا گیا تھا اور شہادتیں قلمبند کی گئی تھیں تو فیصلہ زبانی ہونے کے کیا معنیٰ ؟..

نتیجہ فیصلہ

جس وقت اس ثالثی کا اقرار نامہ لکھا گیا تھا اسی وقت ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا تھا کہ اس کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلے گا ۔ کیونکہ شامیوں کا قرآن اٹھانا مصالحت کی غرض سے نہیں بلکہ بطور ایک جنگی تدبیر کے تھا ۔ ورنہ واقعی اگر ان کو فیصلہ منظور ہوتا تو قبل از جنگ جب سفیر دونوں طرف سے آتے جاتے تھے اور اور صلح کی گفتگو جاری تھی وہ کتاب اللہ کو پیش کرتے ۔ دوسرا فریق بھی اس پر خوشی سے راضی نہیں ہوا تھا بلکہ مجبوراً اس کو تسلیم کرنا پڑا تھا اس لئے بالطبع ثالثی کا فیصلہ فریقین کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا ۔ حضرت علیؓ نے اس فیصلہ کو قرآن کے خلاف قرار دیکر نہیں تسلیم کیا ۔ لیکن امیر معاویہ خوشی سے اس پر راضی ہو گئے ۔ کیونکہ کم سے کم ان کی رو سے حضرت علی تو خلافت سے معزول کئے گئے تھے اور امت کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو چاہے خلیفہ

منتخب کر لے اور وہ جانتے تھے کہ امت کا ایک بڑا حصہ میرے زیر اثر ہے اس لئے انکو اپنے خلیفہ ہونے کی امید قوی ہو گئی ۔ حضرت علیؓ نے چاہا کہ اہل شام پر لشکر کشی کریں لیکن خوارج کا معاملہ بیچ میں سد راہ ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب انہوں نے شریح بن ہانی کو فیصلہ ثالثی کے موقع پر ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا تو خارجیوں نے مخالفت کی ۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ثالثی کے معاملہ کو جو ہم نے کفر سمجھا ہے تو حضرت علیؓ بھی اس میں ہمارے ہم خیال ہیں لیکن اس جماعت کے بھیجنے سے ان کو یقین ہو گیا کہ وہ مخالف ہیں ۔ اس لئے شورش پر آمادہ ہو گئے ۔ انہوں نے عبداللہ بن وہب کے مکان میں مجتمع ہو کر اس کو اپنا امیر مقرر کیا اور یہ طے کیا کہ ہم اس شہر کو جہاں کے لوگ ظالم ہیں چھوڑ کر باہر نکل چلیں ۔ چنانچہ متفق طور پر نکلے اور جسر نہروان پر سب کے سب مجتمع ہو گئے ۔ وہاں سے بصرہ وغیرہ دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی اپنے خروج کی اطلاع دی ۔

کوفہ کے بقیہ لوگوں نے حضرت علیؓ کے پاس آکر کہا کہ ہم آپ کے مطیع ہیں جو حکم دیں گے اسی کے مطابق عمل کریں گے ۔ حضرت علیؓ نے ان کے سامنے تقریر فرمائی اور کہا کہ پنچوں نے فیصلہ قرآن کے خلاف کیا اب تم لوگ شام کی روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ اس کے بعد خوارج کو لکھا کہ تم بھی ہماری جماعت میں آجاؤ ۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لڑائی آپ اپنی ذات کے لئے لڑنا چاہتے ہیں نہ کہ حق کے لئے ۔ اس لئے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے اس جواب سے ان کی طرف سے مایوسی ہو گئی چاہا کہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ کر شام کی طرف چلیں ۔ کوفہ سے باہر نکل کر نخلیہ میں خیمہ زن ہوئے ۔ والی بصرہ عبداللہ بن عباس اور امیر مدائن کو لکھا کہ وہ فوجیں بھیجیں چنانچہ مختلف مقامات سے تقریباً ستر ہزار لشکر جمع ہو گیا ۔

اس کے بعد خبر ملی کہ خوارج لوگوں کو اس فوج میں جانے سے روکتے ہیں اور کئی آدمیوں کو قتل بھی کر ڈالا حضرت علیؓ نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا ۔ انہوں نے اس کو بھی مار ڈالا ۔ امراء فوج نے کہا کہ اگر ان لوگوں کو یہاں چھوڑ کر ہم شام کی طرف روانہ ہو جائیں گے تو یہ ہمارے گھروں کو لوٹ لیں گے ۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ پہلے ان کا فیصلہ کر دیا جائے حضرت علیؓ نے ان کی رائے کو مناسب سمجھ کر اسی طرف رخ کیا ۔ وہاں پہنچ کر ان سے کہا کہ تمہاری جماعت کے جن لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو ہمارے سپرد کر دو ۔ دوسروں سے ہم کو سروکار نہیں اس پر خارجیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم سب نے ان کو قتل کیا ہے اور ہم سب ان کے خون کو حلال سمجھتے ہیں ۔ حضرت علی نے ہرچند ان کو نصیحت کی لیکن کچھ اثر نہ ہوا ۔ آخر حضرت ابو ایوب انصاری کو حکم دیا کہ امان کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو جائیں ۔ پھر اعلان کرا دیا کہ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا یا کوفہ وغیرہ کسی شہر کی طرف چلا جائے گا اس کو امان ہے ۔ خارجیوں میں سے بہت سے لوگ جھنڈے کے نیچے آگئے اور کچھ لوگ کوفہ میں داخل ہو گئے ۔ ابن وہب کے ساتھ صرف ۲۸۰۰ آدمی رہ گئے ۔ ان کے ساتھ جنگ ہوئی ان میں سے اکثر مارے گئے ۔ چار سو زخمی ہوئے جو میدان میں پڑے ہوئے تھے ان کو حضرت علی نے اٹھوا کر ان کے رشتہ داروں کے سپرد کیا کہ کوفہ میں لے جا کر علاج کریں ۔ اس فتح کے بعد شام کی روانگی کا حکم دیا لیکن لوگوں نے کہا کہ ہمارے تیر اس لڑائی میں ختم ہو چکے ۔ تلواریں کند ہو گئیں اور نیزے خراب ہو گئے چند روز قیام کیجئے تاکہ ہم اپنے اسلحے ٹھیک کرالیں ۔ ممکن ہے کہ اس درمیان میں اور لوگ بھی آکر شریک ہو جائیں جن سے ہماری تعداد اور قوت میں اضافہ ہو جائے ۔ حضرت علی واپس آکر مقام نخیلہ میں کچھ دنوں کے لئے ٹھہر گئے اور سازو سامان کی تیاری کا حکم دیا ۔ اہل عراق چھپ چھپ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے اور بجز روسا اور امرا فوج کے بہت کم لوگ وہاں رہ گئے ۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت علی بھی کوفہ میں آگئے ۔ امراء اور سرداران قبائل کو جمع کر کے شام کی لشکر کشی کے متعلق مشورہ لیا ان میں سے بعضوں نے مخالفت کی بعضوں نے بیماری کا عذر کیا اور کم لوگ ایسے تھے جنہوں نے خوشی سے رضامندی ظاہر کی ۔ حضرت علیؓ روزانہ پرجوش خطبے سنا سنا کر اہل کوفہ کو ابھارتے تھے ۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں ہوتا تھا وہ زبان سے چلنے کا اقرار کر لیتے اور وقت پر گھروں میں بیٹھ جاتے آخر جب دیکھا کہ یہ لوگ تیار نہیں ہوتے تو مایوس ہو کر شام کی لشکر

کشتی کا ارادہ ترک کر دیا۔

اہل شام کی حالت اس کے برعکس تھی۔ وہاں کی تمام فوج تابع اور یک دل اور یک زبان تھی۔ امیر معاویہ کی نظر میں اس وقت سب سے اہم مسئلہ مصر کا تھا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد محمد بن حذیفہ نے وہاں اپنا تسلط جما لیا تھا۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے آغاز ۳۶ھ میں قیس بن سعد کو جو ان کے خاص طرفداروں میں تھے مصر کا والی مقرر کیا۔ قیس ایک بیدار مغز اور عقلمند امیر تھے۔ انہوں نے اہل مصر کو اپنے قابو میں کر لیا البتہ ایک جماعت جس کے سردار مسلمہ بن مخلد انصاری تھے اور جو حضرت عثمان کے قصاص نہ لینے کی وجہ سے حضرت علی کی خلافت کو ناجائز سمجھتی تھی۔ قیس کے خلاف ہو کر مقام خرتبا میں آکر مجتمع ہو گئی۔ قیس نے کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں کو بیعت پر مجبور نہیں کروں گا اور نہ تمہارے وظیفے بند کرونگا بشرطیکہ امن کے ساتھ رہو۔

امیر معاویہ مصر میں قیس کی موجودگی کو اپنے حق میں مضر سمجھتے تھے۔ ان کو یہ خطرہ تھا کہ ایک طرف سے عراق کی فوجیں آ گئیں اور دوسری طرف سے مصر کی تو ہم بیچ میں پڑ جائیں گے اور دونوں سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے قیس کو اپنا طرفدار بنانے کے لئے ایک خط لکھا ادھر سے حسب منشا جواب نہ آیا۔ پھر دوسرا خط لکھا قیس نے صاف لکھ دیا کہ مجھ سے کسی قسم کی توقع نہ رکھو۔ امیر معاویہ نے باوجود اس جواب کے پھر بھی اہل شام میں یہ مشہور کیا کہ قیس ہمارے حامی ہیں۔ انہوں نے خطوط میں ہماری خیر خواہی کا اظہار کیا ہے۔ تم لوگ ان کی طرف سے مطمئن رہو۔ دیکھو جو ہماری حامی خرتبا میں مقیم ہیں ان کے ساتھ انہوں نے کیسا اچھا برتاؤ کیا ہے نہ ان پر کسی قسم کی سختی کی ہے۔ نہ ان وظیفوں کو بند کیا ہے۔ جب اس خبر کا چرچا پھیلا تو شام میں حضرت علی کے جو جاسوس تھے انہوں نے ان کو اس سے مطلع کیا۔ حضرت علی کے دل میں قیس کی طرف سے بد گمانی پیدا ہو گئی۔ حکم لکھا کہ اہل خرتبا سے جنگ کرو۔ قیس نے کہا کہ ان کی تعداد دس ہزار ہے اور ان میں زیادہ تر اعیان و شرفاء مصر ہیں۔ میں نے جس طریقہ پر ان کو رکھ چھوڑا ہے یہی مناسب ہے اس میں کوئی ضرر نہیں اور جنگ کی صورت میں ایک فتنہ عام برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ ایک تو خود وہ لوگ اس نیستاں کے شیر ہیں دوسرے معاویہ ان کی مدد کریں گے۔

حضرت علیؓ نے ان کے عذر کو قبول نہیں کیا اور لڑنے کی تاکید لکھی۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ اگر میرے اوپر کسی قسم کی بد گمانی ہے۔ تو میں امارت چھوڑتا ہوں کسی دوسرے کو یہاں بھیج دیجئے۔۔۔ محمد بن ابو بکر وہاں کے امیر بنائے گئے انہوں نے اہل خرتبا کو لکھا کہ تم لوگ بیعت کر لو ورنہ ملک مصر سے نکل جاؤ وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی دوران میں معرکہ صفین شروع ہو گیا۔ اس لئے دونوں فریق نتیجہ کے انتظار میں خاموش رہے۔ جب اہل خرتبا کو صفین سے حضرت علیؓ کی واپسی کا حال معلوم ہوا تو وہ محمد بن ابو بکر کے مقابلہ میں آگئے اور مصری فوجوں کو شکست پر شکست دینی شروع کی۔ حضرت علی نے یہ حال سن کر اشتر کو جو جزیرہ کے والی تھے مصر کی ولایت کا فرمان بھیجا۔ وہ روانہ ہوئے لیکن راستہ میں مقام قلزم میں پہنچ کر انتقال کر گئے اور مصر کی حکومت محمد بن ابو بکر ہی کے ہاتھ میں رہی۔ فیصلہ ثالثی کے بعد امیر معاویہ نے اپنی خلافت کی اہل شام سے بیعت لے لی۔ اس سے ان کی عظمت اور قوت بڑھ گئی۔ انہوں نے اہل خرتبا کے سرداروں مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج کو لکھا کہ تم لوگ دل میں ہراس نہ لانا۔ میں تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں ان لوگوں نے لکھا کہ ہم مقابلہ میں جمے ہوئے ہیں۔ یہاں کا والی ہم سے خود خوف زدہ ہے لیکن مدد جلد بھیجئے امیر معاویہ نے عمرو بن عاص فاتح مصر کو چھ ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ہاتھ سے تم کو کوئی صدمہ پہنچے لیکن وہ مقابلہ کے لئے نکلے اور شکست کھا کر کسی کے گھر میں چھپ رہے۔ معاویہ بن خدیج نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا۔ بعض کہتے ہیں کہ آگ میں جلا دیا۔

محمد بن ابی بکر نے حضرت علیؓ کو امداد کے لئے لکھا تھا۔ بڑی کوشش سے دو ہزار آدمی مصر جانے کے لئے آمادہ کر سکے۔ جس وقت روانہ کیا اسی وقت محمد کے قتل کی خبر آگئی۔ اس لئے راستہ سے واپس بلا لیا حضرت علی کو محمد کے قتل ہو جانے کا بہت صدمہ

ہوا ۔ مصر کے قبضہ نے امیر معاویہ کے حوصلے کو بہت بڑھا دیا ۔ اب انہوں نے ہر طرف اسلامی صوبوں پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کرنی شروع کیں ۔ نعمان بن بشیر کو عین التمر کی جانب بھیجا ۔ وہاں کے والی مالک بن کعب نے حضرت علیؓ سے امداد طلب کی انہوں نے اہل کوفہ کو حکم دیا لیکن کوئی نہیں گیا ۔ سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج کے ساتھ انبار اور مدائن کی طرف روانہ کیا وہ ان مقامات سے سارا مال و خراج جمع کر کے لے گئے حضرت علیؓ اطلاع پا کر تعاقب کے لئے نکلے لیکن وہ ہاتھ نہ آئے ۔ عبداللہ بن مسعدہ کو تیماء کی طرف بھیجا اور وہاں سے مکہ اور مدینہ جانے کا حکم دیا ۔ حضرت علی نے ان کے مقابلہ کے لئے مسیب کو روانہ کیا ۔ تیماء میں فریقین میں جنگ ہوئی آخر میں مسیب نے ان کو بھاگنے کا موقع دے دیا اور ابن مسعدہ فوجیں نکال لے گئے ۔

ضحاک بن قیس کو بصرہ اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار فوج دے کر حجاز اور یمن کی طرف بھیجا ۔ بسر نے آکر مدینہ پر قبضہ کر لیا اور اہل مدینہ سے امیر معاویہ کی خلافت کی بیعت لی پھر مکہ میں پہنچ وہاں کے لوگوں نے بھی بیعت کر لی اس کے بعد یمن کی طرف بڑھے ۔ عبیداللہ بن عباس والی یمن حضرت علیؓ کے پاس کوفہ چلے آئے ۔ بسر نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور اہل یمن سے بھی بیعت لے لی بسر ایک خونریز آدمی تھا ۔ اس نے عبیداللہ بن عباس کے دو کم سن بچوں کو جنہیں وہ صنعاء میں چھوڑ گئے تھے قتل کر ڈالا ۔ اس وقت اسلامی صوبوں کی اجمالی حالت یہی تھی ۔ امت کا شیرازہ متفرق اور نظام ابتر تھا۔ سب سے عجیب بات یہ ہوئی کہ عبداللہ بن عباس بھی حضرت علیؓ کی حمایت چھوڑ کر مکہ میں چلے آئے کیونکہ ان کے اوپر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ رقم لے لی ہے ۔ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ فیصلہ کے بعد سے حضرت علیؓ دعائے نماز میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت بھیجا کرتے تھے ۔ ادھر معاویہ نے جب سنا تو وہ بھی حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں پر نماز کے بعد لعنت بھیجنے لگے ۔یہاں تک کہ بنی امیہ میں اس کا دستور ہو گیا اور وہ جمعہ کے خطبوں میں بھی لعنت بھیجنے لگے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس رسم کو اپنے عہد میں مٹایا ۔

ابن ملجم

عالم اسلامی کا یہ اضطراب دیکھ کر خوارج میں سے تین شخص عبدالرحمن بن ملجم ۔ مرادی برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی باہم مل کر بیٹھے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس مصیبت سے امت کو رہائی کی کیا صورت ہے ۔ آخر میں انہوں نے طے کیا کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہ اور عمرو بن عاص تینوں آدمی اگر قتل کر دیے جائیں تو جھگڑا مٹ جائے ۔ لہذا ہم میں سے ہر شخص ان میں سے ایک ایک کے قتل کا ذمہ لے ۔ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے قتل کا ذمہ لیا ۔ عمرو بن بکر نے عمرو بن عاص اور اور برک نے امیر معاویہ کا ۔ اور تینوں نے قسم کھائی کہ یا تو ہم ماریں گے یا مر جائیں گے ۔ ۱۵ رمضان ۴۰ھ تاریخ مقرر ہوئی کہ اس روز حملہ کریں ۔ ابن ملجم نے اپنے اس ارادہ کی اطلاع اپنے بھائیوں میں سے کسی کو نہیں دی اور کوفہ میں آگیا ۔ یہاں تیم رباب کے قبیلہ کے کچھ لوگ تھے جن کے دس آدمی نہروان کی لڑائی میں حضرت علی کی فوج نے قتل کئے تھے ۔ ان مقتولین میں شحنہ اور اس کا بیٹا بھی تھا ۔ شحنہ کی بیٹی قطام کوفہ میں تھی ۔ ابن ملجم نے جو اسی قبیلہ میں ٹھہرا تھا جب اس کو دیکھا تو اس کے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے فریفتہ ہو گیا اور نکاح کا پیغام بھیجا قطام نے کہا کہ اس شرط پر کہ پہلے مہر ادا کر دو ۔ اس نے کہا کہ کس قدر ؟ کہا تین ہزار درہم ایک لونڈی اور ایک غلام اور حضرت علی کا سر ابن ملجم نے منظور کر لیا اور کہا میں اس شہر میں خاص اسی کام کے لئے آیا ہوں کہ حضرت علیؓ کو قتل کر دوں ۔ اگر تجھ کو منظور ہے کہ میں اس کامیاب ہو جاؤں تو کسی کے سامنے اس لفظ کو زبان پر نہ لانا ۔ ورنہ راز فاش ہو جائے گا ۔ اس نے کہا کہ میں کسی سے نہیں کہوں گی ۔ تم اچانک پہنچ کر ان کو مار ڈالو ۔ اگر بچ گئے تو ہم دونوں عیش و آرام کی زندگی بسر کریں گے ورنہ آخرت کا عیش تمہارے لئے دنیا کے عیش سے بدرجہا بہتر ہو گا ۔

قتل

ابن ملجم نے اپنے دوستوں میں سے ایک معتمد کو جو اس کو کام میں مدد دے سکے اپنا ہمراز بنایا ۔ قطام نے بھی اپنے قبیلہ کے ایک شخص کو اس کے ساتھ کر دیا ۔ حسب قرار داد ۱۵ رمضان کو مسجد میں جہاں حضرت علی نماز پڑھایا کرتے تھے جا کر گھات میں بیٹھ گئے ۔ جب وہ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے تو انکے سر پر تلوار ماری ۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کرو ۔ لوگوں نے پکڑ لیا ۔ زخم زیادہ کاری پڑا تھا ۔ تیسرے دن یوم شنبہ ۱۷ رمضان ۴۰ ھ کو حضرت علیؓ رحلت فرماگئے ۔ آخری وقت میں لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم آپکے بعد امام حسن کو خلیفہ بنائیں ۔ فرمایا کہ نہ تم کو اس کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں ۔ وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کیا اور وصیت کی کہ اگر میں گزر جاؤں تو صرف قاتل سے قصاص لیا جائے ۔ دوسرے لوگ نہ قتل کئے جائیں اور قاتل کے بھی اعضاء نہ کاٹے جائیں کیونکہ اسلام میں دیوانے کتے کا بھی مثلہ کرنا روا نہیں ہے ۔

حضرت علی کی مدت خلافت چار سال اور چند روز کم نو مہینے تھی ۔ برک بن عبداللہ نے اسی تاریخ کو دمشق میں امیر معاویہ پر جب وہ مسجد کے دروازے سے نکلنے لگے وار کیا ۔ لیکن ان کو خفیف زخم آیا جو چند روز علاج کرنے سے اچھا ہو گیا ۔ اس کے بعد سے انہوں نے مسجد میں مقصورہ بنوا لیا اور ہر وقت اپنے ساتھ محافظ رکھنے لگے ۔ یہاں تک کہ جس وقت نماز پڑھتے تھے اس وقت بھی دونوں طرف دو سپاہی مسلح کھڑے رہتے تھے ۔ عمرو بن عاص اس روز بیمار تھے ۔ اس لئے اپنی بجائے خارجہ بن خذافہ کو نماز پڑھانے کے لئے بھیجا ۔ عمرو بن بکر کو جو گھات میں بیٹھا ہوا تھا ، گمان ہوا کہ یہی عمرو بن عاص ہیں اور انہیں قتل کر ڈالا ۔

بیت علی

حضرت علی نے ۹ نکاح کیے ۔

(۱) فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سب سے پہلی بیوی تھیں جب تک یہ زندہ رہیں ، دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا ۔ ان کے بطن سے دو بیٹے امام حسن اور حسین اور دو بیٹیاں زینب کبریٰ و کلثوم کبریٰ تھیں ۔

(۲) ام البنین بنت حزام ۔ ان سے عباس ، جعفر ، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے ۔

(۳) لیلیٰ بنت مسعود تمیمی ان سے دو بیٹے عبداللہ اور ابوبکر ہوئے ۔

(۴) اسماء بنت عمیس ۔ محمد اصغر کی والدہ ہیں ۔

(۵) صہباء بنت ربعیہ ۔ بنی تغلب کے اسیران جنگ میں آئی تھیں ۔ ان سے عمر اور رقیہ دو بچے پیدا ہوئے ۔

(۶) امامہ بنت ابی العاص ۔ یہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں ۔ ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے ۔

(۷) خولہ بنت جعفر الحنفیہ ۔ ان سے محمد پیدا ہوئے جو اپنی ننھیالی نسبت سے محمد بن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں ۔

(۸) ام سعید بنت عروہ بن مسعود ۔ ان سے دو بیٹیاں ام الحسین اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں ۔

(۹) محیاۃ بنت امراء القیس ۔

ان کے علاوہ مختلف امہات ولد سے کئی بیٹیاں تھیں ۔

ام ہانی ۔ میمونہ ۔ زینب ، رملہ صغریٰ ، ام کلثوم صغریٰ ، فاطمہ امامہ ، خدیجہ ، ام الکرام ، ام سلمہ ، ام جعفر ، جمانہ اور نفیسہ ۔

تمام اولاد میں صرف پانچ نسل چلی ۔

حسن ، حسین ، محمد بن حنفیہ ، عباس اور عمر رضی اللہ عنہم ۔

مناقب علی

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے صفات عالیہ میں نمایاں تر شجاعت ہے ۔ بڑے بڑے سخت معرکے پیش آئے ۔ لیکن کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی ۔ سب سے پہلے ان کی بہادری کا اظہار اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ان کو اپنے بستر پر سلایا تھا ۔ مکان کے باہر دشمن شمشیر بکف قتل کرنے کے لئے کھڑے تھے لیکن یہ بے خوف و خطر سو رہے ۔ اس کے بعد غزوہ بدر اور خیبر کے کارناموں نے ان کو بہت مشہور کر دیا ۔ بڑے بڑے جنگ آور ان کے سامنے آتے ہوئے لرزتے تھے ۔ لڑائیوں میں کبھی ان کو پروانہ ہوتی تھی کہ میں موت کی طرف جا رہا ہوں یا موت میری طرف آ رہی ہے ۔ عہد رسالت کے بعد اگرچہ ۲۴ سال تک ان کی تلوار میان میں رہی لیکن پھر اپنے زمانہ خلافت میں اس کو باہر نکالا تو اس میں وہی کاٹ اور وہی روانی تھی ۔ فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا ۔ فطری طور پر ان میں ہاشمی فہم و ذہانت تھی ۔ ہمیشہ آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے اور قرآنی تفقہ سیکھا ۔ نیز دربار خلافت کے کاتب خصوصی تھے ۔ ان وجوہات سے احکام دینی کے استنباط صحیح کا بے نظیر ملکہ ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا ۔ خلفاء سابقین خاص کر حضرت عمرؓ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور کسی دینی مسئلہ میں جب اختلاف واقع ہوتا تھا تو بیشتر انہیں کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے ۔

فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثال تھے ، ان کے خطبات مکاتیب کا جو مجموعہ شریف مرتضیٰ نے نہج بلاغہ کے نام سے جمع کیا ہے اس کے دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ دراصل وہ حکیم العرب اور آنحضرتؐ کے بعد سب سے زیادہ خوش بیان تھے ۔ ان کے بعض بعض خطبے اور خطوط تو اس قدر لطیف و پر معنی و دلنشین و حکمت آموز ہیں کہ ان کو انسانی فضل و کمال و گویائی و دانائی کی آخری حد کہہ سکتے ہیں ۔ اسی طرح زہد ترک دنیا ایثار و رضا جوئی حق عبادت و ریاضت ، کمال حلم و حکمت جس بات پر ہم نظر ڈالتے ہیں وہ صحابہ میں ممتاز نظر آتے ہیں ۔

اسباب مخالفت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بات تھی کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ جو خاندان رسالت سے کوئی قریبی تعلق نہیں رکھتے تھے ان کی تو امت نے کامل وفاداری کے ساتھ اطاعت کی اور متفق و متحد ہو کر انکے اشاروں پر چلتی رہی لیکن حضرت علیؓ کے عہد میں جو آنحضرتؐ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اور خود بھی صفات عالیہ میں ممتاز تھے مخالفت کے لئے آمادہ ہو گئے ۔ اس سوال کا جواب ان کے عہد کے حالات پڑھنے سے جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں مل سکتا ہے لیکن ۔ اجمالی طور پر مخالفت کے اسباب یہاں بیان کر دیتے ہیں ۔

(۱) حضرت علی اپنی خصوصیات اور قرابت رسولؐ کی وجہ سے خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور اس امر کو بار بار اپنی تقریروں میں ظاہر بھی کیا کرتے تھے اور انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جو شخص اپنے تفوق کا اظہار کرے اس کی طرف اس کا میلان نہیں ہوتا ۔ لوگ تو بالطبع اس کی طرف جھکتے ہیں جو حضرت ابو بکر کی طرح یہ کہے کہ ۔ میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں ہوں ۔ حضرت علیؓ جو رائے کسی معاملہ میں رکھتے تھے اسی کو ٹھیک سمجھتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے ۔ لوگوں کی مخالفت کی ان کو پروا نہیں ہوتی تھی مشورہ جو خلفاء سابقین کا دستور تھا ان کے عہد میں جاتا رہا ۔ چنانچہ ایک بار حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے بیعت کرنے کے بعد شکایت بھی کی کہ آپ نے ہمیں کسی کام میں شریک نہ کیا نہ کسی معاملہ میں رائے لی ۔ جواباً کہا کہ کون سا معاملہ میرے سامنے ایسا پیش ہوا جس کی صحیح حقیقت سمجھنے سے میں قاصر رہا جو تم کو بلا کر مشورہ لیا ۔ میرے لئے کتاب و سنت کافی ہے مجھے تمہاری یا کسی دوسرے کی مدد کی

احتیاج نہیں ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کی طبیعتیں اس کو برداشت نہیں کر سکتیں۔
(۲) جس وقت وہ خلیفہ ہوئے سب سے پہلے والیان صوبہ کی معزولی کا فرمان صادر کیا۔ خیر خواہوں نے ہر چند اس کو ملتوی کرنے کی رائے دی لیکن نہیں قبول فرمایا۔ امراء نے خیال کیا کہ ان کی خلافت ہمارے لئے مصیبت ہوگی اس لئے سب کے سب ان کے مخالف ہوئے۔
(۳) خلفاء کے ان فیصلوں کی جو ان کی رائے میں صحیح نہ تھے۔ از سر نو اصلاح شروع کی۔ حضرت عثمان نے جو اقطاع زمین کو دیے تھے ان کو واپس لے لیا۔ عبیداللہ بن عمر کو جنہوں نے ہرمزان کو حضرت عمر کے قتل کی سازش کے شبہ میں مار ڈالا تھا اور جن کے مقدمہ کو حضرت عثمان نے ہرمزان کی دیت کو اپنے ذمہ لے کر طے کر دیا تھا قصاص میں قتل کرنا چاہا۔ حالانکہ حضرت عثمان خلیفہ تھے ان کے فیصلہ کا احترام واجب تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبیداللہ مدینہ منورہ سے بھاگ کر دمشق چلے گئے اور امیر معاویہ کی طرف سے صفین میں ان کے مقابلے میں ایک فوج لیکر آئے۔ امیر معاویہ امراء فوج اور رؤسا قبائل کے ساتھ مراعات و مدارات اور ان کی بہت سی باتوں سے چشم پوشی کر کے ان کو قابو میں رکھتے تھے لیکن حضرت علیؓ ایک ایک جو کا حساب لیتے تھے اس سے بھی لوگوں کے دل برگشتہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ خود ان کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حالانکہ ایسے زمانہ میں چغلخور خیر خواہوں کے متعلق طرح طرح کی تہمتیں گھڑ کر مشہور کر دیتے ہیں ممکن ہے کہ قیس بن سعد والی مصر اور عبداللہ بن عباس دونوں پر اسی قسم کے لوگوں نے الزام لگایا ہو۔ بے شک عمرؓ بھی اپنے عمال سے سخت محاسبہ کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کی اور حضرت علیؓ کی حالت میں بڑا فرق تھا۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتے تھے اس میں امت ان کے ساتھ ہوتی تھی اور یہ جو کچھ کرتے تھے اس میں امت کا زیادہ تر حصہ ان کے خلاف ہوتا تھا۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت علیؓ امت کو حق پر چلانا چاہتے تھے لیکن اس سے پہلے دلوں پر قابو حاصل کر لینا ضروری تھا۔
(۴) حضرت علی کو جن لوگوں سے سابقہ پڑا تھا یعنی اہل عراق ان کو راہ راست پر چلانے کے لئے ان پر سخت قابو رکھنے کی ضرورت تھی اور حضرت علیؓ یہ کر نہیں سکتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نے ان کو خلیفہ بنایا ہے اور اسی وجہ سے ان کے اوپر حاوی ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کے بعد ان کے دلوں میں خلیفہ اور خلافت کی ہیبت بھی مٹ چکی تھی۔ چنانچہ جنگ صفین میں شامیوں کے قرآن اٹھانے کے موقع پر ہر چند حضرت علیؓ نے اہل عراق سے لڑائی جاری رکھنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے قطعی انکار کر دیا اور ان کو حکم ماننے پر مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہ اگر آپ نہیں مانیں گے تو ہم آپ کے ساتھ بھی وہی کرینگے جو عثمان کے ساتھ کیا ہے۔ آخر میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ حضرت علیؓ پکارتے تھے وہ نہیں سنتے تھے۔ حکم دیتے تھے وہ نہیں مانتے تھے اسی وجہ سے مجبوراً شام کی لشکر کشی کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ بلکہ وہی لوگ خود ان کے اعمال پر نکتہ چینیاں کرنے لگے۔ چنانچہ جب انہوں نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا والی مقرر کیا تو عراقیوں نے کہا کہ حجاز کے والی قثم بن عباس یمن کے عبیداللہ بن عباس مصر کے عبداللہ بن عباس پھر ہم نے فضول حضرت عثمان کو قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی جماعت اور ایسی فوج سے وہ کیا کام لے سکتے تھے۔ چنانچہ ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کی کاہلی کا نتیجہ ہے جو قریش کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب اگرچہ مرد شجاع ہے لیکن فنون جنگ سے واقف نہیں۔ روز بروز عراقیوں کی نافرمانی بڑھتی گئی۔ حضرت علیؓ ان سے تنگ آکر دعا کرتے تھے کہ یااللہ! مجھ کو ان سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور ان کے اوپر کسی ظالم کو مسلط کر دے۔ غالباً انہی کی دعا کا یہ اثر پڑا کہ کوفہ ان کے بعد حوادث کا مرکز بن گیا اور ایسے ایسے سفاک اور خون ریز حاکم یہاں آئے جنہوں نے اہل عراق کو ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا یہاں تک کہ ویران ہو گیا۔
(۵) فرقہ خوارج جو انہیں عراقیوں میں سے ایک جاہل اور باغی گروہ پیدا ہو گیا تھا اس نے بھی حضرت علیؓ کے راستے میں بہت رکاوٹ ڈالی اور آخر میں اسی جماعت کے ایک سیاسی دیوانے نے انہیں قتل بھی کر ڈالا۔ الغرض حضرت علیؓ کی شخصیت بہ لحاظ اپنی بے نظیر

خوبیوں کے اگرچہ جماعت صحابہ میں ممتاز تھی لیکن ان کا عہد خلافت اسباب مندرجہ بالا کے باعث خانہ جنگی اور شورش کا عہد ہو گیا۔ اسلامی طاقت اور شوکت کو نقصان پہنچا اور فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند ہو گیا۔

امام حسن

حضرت علی کے بعد اہل عراق نے امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر معاویہ فوجیں لے کر آگئے۔ عراقی پہلی ہی حملے میں شکست کھا گئے۔ امام حسن بھی زخمی ہو گئے اس وجہ سے انہوں نے صلح کی خواہش کی اور مصلحت عام کو پیش نظر رکھ کر مزید خون ریزی سے کنارہ کش ہو گئے۔ امیر معاویہ نے ایک سادہ قرطاس پر دستخط کر کے ان کے پاس بھیج دیا کہ جو شرائط آپ چاہیں اس پر لکھ دیں۔ انہوں نے لکھا کہ اہل عراق کو امن عام دے دیا جائے۔ گزشتہ لڑائیوں کے انتقام میں کسی کی گرفت نہ ہو۔ اہواز کا خراج مجھے ملتا رہے اور میرے بھائی حسین کو بیس لاکھ درہم سالانہ دیے جائیں۔ اور عطیہ اور صلح میں بنی ہاشم دوسرے لوگوں سے مقدم رکھے جائیں امیر معاویہ نے ان سب باتوں کو منظور کر لیا۔ امام حسین نے امام حسن سے کہا کہ علیؓ کے مقصد کو آپ نے مٹا کر معاویہ کے منصوبہ کو پورا کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خاموش رہو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

ربیع الاول ۴۱ ھ میں یہ عہد نامہ مکمل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو امام حسن کے بارے میں فرمائی تھی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا امام حسن اور حسین وغیرہ سب لوگوں نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر ساری امت ایک علم کے نیچے آگئی اس لئے اس سال کو عام الجماعت کہتے ہیں۔

خلافت راشدہ میں مدنیت اسلام

جو زمانہ حضرت ابو بکر کی خلافت سے امیر معاویہ کی بیعت عام تک ختم ہو جاتا ہے اور جس کی مدت تیس سال ہے تاریخ میں خلافت راشدہ کہتے ہیں ۔ اس عہد میں جو اسلامی مدنیت تھی اس پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں ۔ سے ہماری مراد وہ نظام ہے جس پر امت اپنے اجتماعی امور میں کاربند ہوئی ۔ خواہ وہ امور اندرونی اصلاحوں سے تعلق رکھتے ہوں یا بیرونی جنگوں سے ۔

خلافت

مدنیت کا سب سے پہلا مظہر خود اسلامی خلافت کا قیام تھا رئیس امت کا لقب خلیفۂ رسول رکھا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے لئے بجائے خلیفہ کے امیرالمومنین کا لفظ پسند کیا جس سے انکے عہدہ کے صحیح مفہوم اور جمہوریت دونوں کا اظہار ہوتا تھا ۔ ان کے بعد سے یہی لفظ تمام خلفاء کے لئے مستعمل رہا۔ خلافت دراصل دنیاوی ریاست ہے جس کی بنیاد دین پر رکھی گئی ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ اصول دین کے مطابق ہر قسم کی صلاح و فلاح کی طرف امت کی عملی راہنمائی کرے ، اس لئے خلیفہ جب تک نفوس شرعیہ کے خلاف کوئی حکم نہ دے اس کی اطاعت واجب ہے ۔ خلافت راشدہ میں تشریع کی بنیاد قرآن اور سنت تھی ۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا جس کے بارے میں کوئی صریح حکم ان دونوں میں نہ ملتا تو امثال و نظائر پر قیاس کر کے اس کا حکم نکالتے تھے ۔ خلیفہ استنباط مسائل میں دیگر علماء و مجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اکثر خود ان سے سوال کرتا یا اپنے اجتہاد میں مدد لیتا تھا ۔ اگر کسی امر میں سب لوگ متفق ہو جاتے تھے اس کا اتباع لازمی ہو جاتا ۔ اسی کو اصطلاح فقہ میں اجماع کہتے ہیں اور اگر باہم اختلاف ہوتا تو خلیفہ ان میں سے کسی صورت کو ترجیح دے کر اس کے مطابق حکم دیتا تھا ۔ الغرض خلیفہ کو کوئی تشریعی اختیار یا کوئی اس قسم کی دینی ریاست حاصل نہ تھی کہ وہ جو چاہے حکم دیدے وہی مذہبی مسئلہ قرار پا جائے بلکہ وہ احکام دینی کو صرف نافذ کرنے کا مجاز تھا ۔

انتخاب خلیفہ کی بنیاد شوریٰ پر تھی ۔ خلیفہ جو دوسرے کو اپنا ولیعہد بناتا تھا تو وہ بھی سب سے مشورہ لے کر بناتا تھا ۔ اس لحاظ سے اسلامی خلافت دراصل جمہوری ہے صرف فرق یہ ہے کہ عام خیال کے مطابق رئیس اسلام یعنی خلیفہ کو قبیلہ قریش میں سے ہونا چاہیے ۔ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت اس سے شرط لی جاتی تھی کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق عمل کرے گا ۔ حضرت عثمان کی بیعت میں سنت شیخین کا لفظ اور بڑھایا گیا لیکن یہ زیادتی حضرت علی کی بیعت میں حذف کر دی گئی ۔

خلفاء اکثر امور میں اصحاب رائے سے مشورہ لیتے تھے ۔ حضرت عمرؓ خصوصیت کے ساتھ اس کا زیادہ خیال رکھتے تھے ۔ وہ کل کاموں میں اعیان صحابہ حضرت عثمان ، علی اور عبدالرحمن بن عوف وغیرہ رضی اللہ عنہم سے رائے لیا کرتے تھے ۔ عبداللہ بن عباس اگرچہ کم سن تھے لیکن چونکہ عقل و فہم میں ممتاز تھے اس لئے ان کو بھی مشوروں میں شریک کر لیتے تھے کبھی کبھی جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو تمام مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے ۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ جو اس کو سمجھ میں آتا تھا کہتا تھا ۔ عام معاملات میں

اگرچہ رجال شوریٰ خود ان کے منتخب کردہ ہوتے تھے لیکن کوئی دوسرا شخص بھی اگر مناسب رائے دے سکے تو اسکے لئے رکاوٹ نہ تھی الغرض نظام خلافت میں جمہوریت اور مساوات کی پوری روح تھی ۔ اگر کچھ کمی تھی تو صرف اس بات کی کہ یہ متعین نہ تھا کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے ورنہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں نزاع نہ واقع ہوتی ۔ کیونکہ حضرت علی سمجھتے تھے کہ حق انتخاب صرف اہل مدینہ کو حاصل ہے ۔ انہوں نے جب کسی کو منتخب کر لیا تو بیعت خلافت مکمل ہو گئی اہل شام کا خیال تھا کہ جب تک تمام امراء اور دیار و امصار کے اعیان و رؤسا بیعت نہ کرلیں اس وقت تک خلافت مسلم نہیں ہو سکتی ۔ خلافت راشدہ میں شاہانہ تمکنت اور جاہ جلال کی کوئی شان نہ تھی ۔ عام لوگوں کی طرح خلیفہ بھی سڑکوں پر پیدل پھرتا تھا نہ اس کے ساتھ محافظ ہوتے تھے نہ نقیب ۔ سب لوگ اس سے ملتے تھے اور سب سے وہ ملتا تھا ۔ دوسرے مسلمانوں میں اس میں بجز عہدہ خلافت کے اور کوئی امتیاز نہ تھا

صیغہ قضا

مقدمات کا فیصلہ قانون شرع کے مطابق خلیفہ کے فرائض میں سے تھا اس لئے خلفاء اس کام کے واسطے خود اپنی طرف سے نائب مقرر کرتے تھے ۔ خلیفہ اول کے عہد میں ہر شہر کا جو عامل ہوتا وہی فصل و خصومات کی خدمت بھی انجام دیتا ۔ لیکن عہد فاروقی میں محکمہ قضا ایک جداگانہ مستقل صیغہ قرار دیا گیا ۔ اس کو انتظامی امور سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ قاضیوں کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی اور تجارت وغیرہ کرنے کی ممانعت تھی ۔

ان تمام قاضیوں میں سے جو اس عہد میں مقرر ہوئے تھے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مقدمہ میں رو رعایت یا انصاف کا خیال نہ رکھا ہو ۔ ان کی نگاہوں میں ادنیٰ اور اعلیٰ رعیت اور خلیفہ سب برابر تھے ۔

یہ قضاۃ مجتہد مطلق نہیں ہوتے تھے ۔ بلکہ ان کا کام یہ تھا کہ قانون شرعی کو اچھی طرح سمجھ کر جن واقعات اور حوادث میں کوئی صریح حکم نہ ملے تو نظائر و امثال پر قیاس کر کے ان کا فیصلہ کریں ۔ یعنی قواعد کلیہ کا استنباط کر کے ان سے کوئی جزئی احکام نکالیں قاضیوں کے علاوہ ہر شہر میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہو گئی تھی جو قوانین شرعیہ سے استنباط احکام کا تفقہ حاصل کرتی تھی ۔ قاضی مشکل امور میں اس جماعت سے بھی مدد لیتے تھے ۔

سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس زمانہ تک احادیث رسول مدون نہیں ہوئی تھیں ۔ صحابہ دیار و امصار میں متفرق تھے اور ایک کے پاس جو حدیثیں تھیں وہ دوسرے کے پاس نہیں تھیں ۔ اس لئے قاضیوں کے فیصلے ایک ہی قسم کے معاملات میں باہم مختلف ہوتے تھے ۔ کسی کو کوئی حدیث مل جاتی تھی اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا تھا اور کسی کو اس کا علم نہیں ہوتا تھا وہ استنباط اور اجتہاد سے کام لے کر دوسرے نتیجہ پر پہنچتا تھا ۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکا ان فیصلوں کا اندراج کسی دفتر میں نہیں ہوتا تھا نہ فریقین کو اس کی باقاعدہ نقل دی جاتی تھی اور نہ ان کے تنفید و اجراء کے لئے کوئی طاقت استعمال میں لائی جاتی تھی بلکہ قاضی جو حکم دیتا تھا محکوم علیہ فوراً تعمیل کر دیتا تھا ۔

اس زمانہ میں فریقین کی حیثیت مستفسر سے زیادہ نہیں ہوتی تھی ۔ جب ان کو اپنے معاملہ میں شرعی حکم قاضی کی عدالت سے معلوم ہو جاتا تھا تو وہ خود اس کے مطابق کاربند ہو جاتے تھے ۔

قصاص اور حد کا اجراء خود خلیفہ یا امراء صوبہ کے اختیار میں تھا ۔ قضاۃ کو اس سے تعلق نہ تھا ۔ یہ قضاۃ صرف بڑے بڑے شہروں میں تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس عہد میں باہمی تنازعات بہت کم ہوتے تھے ۔ کوفہ میں حضرت عمر نے شریح بن حارث کندی کو قاضی مقرر کیا تھا ۔ جو متواتر ۷۵ سال تک اپنے عہدے پر رہے ۔ ابن زبیر کی لڑائیوں کے دوران میں صرف تین سال معطل رہے تھے اسلامی قضاۃ میں یہ نامور اور مشہور ہیں ۔ مدینہ کے سب سے پہلے قاضی حضرت ابو درداء اور مصر کے قیس بن ابی العاص تھے

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن قیس کو اصول عدالت پر ایک ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے ۔

عدالت فرض محکم اور سنت رسولؐ ہے اجلاس میں فریقین کو اپنے سامنے مساوی رکھو تاکہ جو ادنیٰ ہو وہ تمہارے عدل سے ناامید اور جو اعلیٰ ہو وہ تمہارے عدل سے امیدوار نہ ہو جائے ۔ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور (وہ ثبوت نہ لائے تو) قسم مدعا علیہ پر مصالحت جائز ہے لیکن ایسی کہ جس سے حلال حرام اور حرام حلال نہ ہونے پائے جو فیصلہ تم نے کیا ہے غور کرنے سے اگر حق کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر ڈالو جس معاملہ میں خلجان ہو اور وہ کتاب سنت میں نہ ملے تو خوب غور کرو اس کے نظائر کو دیکھو ۔ پھر انہیں پر قیاس کر لو ۔ مدعی کو ثبوت کے لئے ایک مدت معینہ کی مہلت دو اگر وہ ثبوت لائے تو اس کا حق دلا دو ۔ ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کر دو ۔ تمام مسلمان ایک پر دوسرے شہادت کے لئے قابل اعتبار ہیں بجز ان لوگوں کے جنہوں نے حد شرعی میں درے کھائے ہوں یا جھوٹی شہادت میں ان کا تجربہ ہو چکا ہے یا دلا اور وراثت کے معاملہ میں مشتبہ ہوں ۔ اس مکتوب کو عام طور پر اس عہد کے قاضیوں نے اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا۔

حضرت عثمان کے عہد میں مدینہ کے قاضی زید بن ثابت مقرر ہوئے اور وہاں دارالقضاء بنایا گیا اس سے پہلے بیشتر مقدمات مسجد میں فیصل کئے جاتے تھے ۔

فوج

خلیفہ اول کے عہد میں کل فوج رضاکار تھی نہ ان کے نام کسی دفتر میں مندرج تھے نہ ان کو تنخواہ دی جاتی تھی صرف مال غنیمت کے چار حصے ملتے تھے ۔ امراء لشکر اسی میں سے حصہ رسدی کے مطابق ہر سپاہی کو تقسیم کرتے تھے جو شخص کوئی نمایاں کام کرتا اس کو خاص انعام بھی دیا جاتا ۔ علاوہ بریں جو مجاہد کسی کافر کو قتل کرتا اس کو مقتول کا ساز و سامان ملتا ۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں فوج کا دفتر مرتب کرایا اور بیت المال سے مجاہدین کی تنخواہ مقرر کی ۔ اسلامی فضیلت کے لحاظ سے تنخواہیں مختلف رکھی گئیں ۔ طبقہ اول میں اہل بدر تھے ۔ جن کی تنخواہیں سالانہ پانچ ہزار درہم تھیں ۔ حضرت عمر بھی چونکہ بدری تھی اس لئے یہی تنخواہ ان کی بھی تھی ۔ پھر شرکاء جنگ احد تھے جو چار ہزار درہم پاتے تھے اسی طرح درجہ بدرجہ کم ہوتے ہوتے معمولی سپاہی کی تنخواہ دو سو سے تین سو تک درہم سالانہ تک تھی ۔ تنخواہوں میں اضافے بھی ہوتے تھے ۔ مجاہدین کی اہل و عیال کی بھی تنخواہیں مقرر تھیں اور ان میں بھی مراتب کے لحاظ سے اختلاف تھا ۔ البتہ غلام اور آقا میں کوئی فرق نہیں تھا ۔ جس طبقہ کا غلام ہوتا اسی طبقہ کے آقاؤں کی تنخواہ اس کو بھی دی جاتی ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے زمانہ میں یہ اختلاف اٹھا دیا گیا اور کل مجاہدین کی تنخواہ خواہ وہ کسی طبقہ کے ہوں برابر کر دی گئی ۔

عہد فاروقی میں دمشق ، حمص فلسطین اردن موصل فسطاط ، بصرہ اور کوفہ صدر فوجی مقامات قرار دیے گئے ۔ ان میں کثیر التعداد فوجیں رکھی جاتی تھیں ۔ نیز ان آٹھوں مقامات پر چار چار ہزار گھوڑے ہمیشہ تیار رہتے تھے کہ فوری ضرورت پر رسالے مرتب ہو سکیں ۔ سرحدوں پر خاص کر شام اور مصر کے سواحل پر حفاظت کے لئے فوجی دستے رہتے تھے جو بیشتر اس نواح کے صدر مقام سے باری باری بھیجے جاتے تھے ۔ سپاہیوں کو بقدر ضروریات سامان خوراک دیا جاتا تھا اور چھاؤنیوں میں رسد کا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا تھا ۔ فوج میں تمام عربی قبائل کے لوگوں کے نام مندرج کئے گئے تھے ۔ ان کے علاوہ دیگر اقوام کے مسلمانوں کے نام بھی مندرج ہوتے تھے ۔ ہر دس آدمیوں پر ایک عریف ہوتا تھا جو ان کی شناخت رکھتا تھا اور ان کو تنخواہ دلاتا تھا ۔ ہر سال تقریباً تیس ہزار جدید فوج بھرتی ہوتی تھی اور یہ سارا انتظام اس قدر مرتب تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ بروقت ضرورت کوئی شخص اپنے گھر بیٹھا رہے اور خلیفہ کو اس کا علم نہ ہو جائے ۔ حضرت عمرؓ ایسے لوگوں کو قبیلہ کی مسجد یا مجمع عام میں کھڑا کر کے یہ کہتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس نے جہاد سے جان چرائی یہ سزا ان کے لئے قتل سے بھی بڑھ کر تھی کیونکہ عرب کے نزدیک بزدلی سے زیادہ کوئی بدنامی نہیں تھی ۔

فوج کے ساتھ قاضی ، معلم ، ترجمان اور معالج وغیرہ بھی رکھے جاتے تھے ۔ نیز راستہ نکالنے اور پل باندھنے کا سامان بھی رہتا

تھا۔ خلیفہ کا حکم تھا کہ فوج سفر میں ہو تو جمعہ کے دن ضرور قیام کرے تاکہ لوگ تازہ دم ہو جائیں اور اپنے ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ ہر روز صرف اتنی ہی مسافت طے کریں کہ ماندہ نہ ہونے پائیں۔ ان سپاہیوں کو جو کسی مہم پر نہ بھیجے جاتے تھے بیشتر چار مہینے کے بعد گھر آنے کے لئے ایک مدت معینہ کی رخصت ملتی تھی۔

حضرت عثمان کے زمانہ میں امیر معاویہ کے مشورہ سے بحری فوج بھی تیار کی گئی۔ اور مسلمانوں کے پاس سمندر میں ایسی قوت ہو گئی کہ کئی بار رومیوں کو شکست دی اور جزیرہ قبرص وغیرہ فتح کر لیا۔

عربوں میں جنگ کا پرانا دستور یہ تھا کہ دشمن کے سامنے کبھی بے ترتیب اور کبھی صف بندی کر کے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک یا دو دو آدمی نکل کر لڑتے تھے۔ اس کے بعد عام حملہ کرتے تھے پھر بھاگتے تھے اور پھر پلٹتے تھے۔ چونکہ متمدن اقوام کے مقابلہ میں یہ طریق جنگ کارآمد نہ تھا۔ اس لئے حضرت خالد نے جو ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ لڑتے لڑتے ان کے اصول جنگ اور صف آرائی کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے اسکو چھوڑ کر جنگ یرموک میں انہی کی روش کے مطابق اپنی فوجوں کو مرتب کیا۔ اس وقت سے تمام اسلامی امراء انہی اصولوں پر فوجوں کو ترتیب دینے لگے سب سے پہلے مقدمہ لشکر ہوتا تھا۔ جو جنگ شروع کرتا تھا۔ دائیں میمنہ بائیں میسرہ اور بیچ میں قلب جہاں سر لشکر رہتا تھا اور انکے الگ امراء ہوتے تھے جو سپہ سالار کے حکم کیمطابق اپنے دستے کو حرکت میں لاتے تھے۔ کوئی سپاہی نہ اپنی صف سے آگے بڑھتا نہ پیچھے ہٹتا تھا۔ عربی امراء اپنے خط و رجعت کی حفاظت کا خاص اہتمام رکھتے تھے تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آپڑے اور جاسوسی کا انتظام اس قدر مکمل رکھتے تھے کہ غنیم کی کوئی بات ان سے چھپی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔

محاصل

حضرت عمرؓ کے عہد سے صیغہ خراج کے عمال جداگانہ مقرر کئے جانے لگے جو رقم وصول ہوتی تھی اس سے فوج کی تنخواہ اور صوبے کے اخراجات ادا کئے جاتے تھے۔ باقی دارالخلافہ میں بھیج دی جاتی تھی۔ محصول کی دو قسمیں تھیں مستقل اور غیر مستقل، مستقل آمدنی خراج۔ زکوۃ اور جزیہ تھی اور غیر مستقل غنیمت اور عشور۔

خراج

اس زمین کے لگان کا نام جسکو مسلمانوں نے فتح کر کے خود وہاں کے باشندوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہو۔ یہ لگان اس زمین کے کرایہ کے طور پر لیا جاتا تھا۔ کبھی رقم معین کر دی جاتی تھی اور کبھی پیداوار کا کوئی حصہ لیا جاتا تھا۔

زکوۃ

اس محصول کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی زمین یا مویشی یا نقدی وغیرہ پر لیا جاتا ہے جس کی تصریح کتب فقہ میں کر دی گئی ہے۔ مسلمانوں کے پاس جو زمین ہوتی تھی اس پر عشر لیا جاتا تھا یعنی ہر فصل کی پیداوار کا دسواں حصہ اور اگر خراجی زمین ان کے قبضہ میں آ جاتی تھی تو اس پر ان سے وہی خراجی لگان لیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں حضرت عثمان بن حنیف جو مساحت کے کام سے واقف تھے۔ عراق کی پیمائش کے لئے بھیجے گئے۔ انہوں نے کل عراق کی پیمائش کی۔ حضرت عمرؓ نے تشخیص لگان میں خود عراقی کاشتکاروں سے مشورہ لے کر لیاقت دار خفیف شرح مقرر کی۔

جزیہ

وہ رقم تھی جو اہل ذمہ سے لی جاتی تھی۔ یہ صرف ان مردوں سے وصول کی جاتی جو بیس برس سے پچاس برس کی عمر تک کے

ہوتے تھے ۔ بشرطیکہ وہ اپاہج اور معذور نہ ہوں ۔ بوڑھے بچے اور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اس کی شرح اشخاص کی حالت کے مطابق رکھی جاتی تھی ۔ زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم سالانہ اور کم سے کم ۱۲ درہم ۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں زکوۃ کا نکالنا خود مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا ۔ حالانکہ اس کی تحصیل خود امام کا فرض تھا ۔

عشور

مسلمان تاجر جب دوسری سلطنتوں میں اپنا مال لے جاتے تھے تو وہاں ان سے چنگی لی جاتی تھی ۔ ابو موسیٰ اشعری نے اسکی کیفیت سے حضرت عمرؓ کو مطلع کیا ۔ انہوں نے حکم دیا کہ جس حساب سے غیر سلطنتیں ہمارے تاجروں سے چنگی وصول کریں اسی حساب سے تم انکے تاجروں سے لو ۔ لیکن دو سو درہم سے کم کے مال پر کچھ نہ لیا جائے ۔ زیاد بن حدیر اس صیغہ کے نگران مقرر کئے گئے ایک بار قبیلہ بنی تغلب کا ایک نصرانی تاجر گھوڑا لیکر آیا جس کی قیمت بیس ہزار درہم تھی ۔ زیاد نے اس سے ایک ہزار درہم چنگی لی ۔ اسی سال وہ دوبارہ اسی گھوڑے کو لے کر گزرا تو پھر انہوں نے ایک ہزار کی طلبی کی ۔ اس نے کہا کہ ایک بار اس کی چنگی آپ لے چکے ہیں اب ہر بار میں کہاں تک ادا کرونگا ۔ لیکن زیاد نے اسکو گزرنے نہیں دیا ۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لایا ۔ حج کے موقع پر مکہ میں جاکر ان سے ملا اور اپنا معاملہ سنایا ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں بندوبست کرونگا ۔ تغلبی نے اس کو ایک سرسری بات سمجھا اور دل میں کہا کہ ایک ہزار درہم پھر دینا ہوگا لیکن جس وقت سرحد پر آیا تو وہاں خلیفہ کا حکم پہنچ چکا تھا جس چیز پر ایک بار عشور لے لیا جائے سال آئندہ کی اسی تاریخ تک اس پر کچھ نہ لیا جائے ۔ وہ اس قدر خوش ہوا کہ زیاد سے کہا کہ میں دل میں طے کر آیا تھا کہ ایک ہزار درہم ادا کروں گا ۔ اب اقرار کرتا ہوں کہ میں اسی شخص کے دین پر ہوں جس نے یہ حکم بھیجا ہے ۔

مسلمانوں کے مال تجارت پر چنگی بقدر زکواۃ کے رکھی گئی یعنی چالیسواں حصہ ذمیوں پر اس سے دونی اور اہل حرب پر دہ یک

غنیمت

مال وہ ہے جو فوج کو دشمنوں سے حاصل ہوتا تھا ۔ اس کے چار حصے فوج میں تقسیم کئے جاتے تھے اور ایک حصہ بیت المال میں آتا تھا ۔ اس زمانہ کی مالیہ کی کل میزان کا پتہ نہیں لگ سکا صرف عراق اور مصر کی وصولی معلوم ہوئی ۔ عہد فاروقی میں عراق سے ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم سالانہ کی آمدنی تھی اور مصر سے ۱۲ کروڑ درہم کی ۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں مصر کی وصولی میں دو کروڑ درہم کا اور اضافہ ہو گیا تھا ۔ اخراجات محاصل کے مطابق رکھے جاتے تھے اور خزانہ میں کوئی توفیر نہیں رہتی تھی ۔

نماز

اقامت صلوۃ خلیفہ کے فرائض میں داخل تھی ۔ وہ خود نماز پڑھاتا تھا یا کسی کو اپنا نائب مقرر کر دیتا تھا ۔ ہر شہر میں صرف ایک ہی جامع مسجد ہوتی تھی جس میں خلیفہ یا والی جمعہ پڑھاتا تھا ۔ بجز جامع مسجد کے دوسری مسجدوں میں منبر نہیں بنائے جاتے تھے ۔

حج

اسلام کا ایک عظیم الشان رکن حج ہے جس میں حکم ہے کہ اطراف عالم سے مسلمان آکر عرفات میں جمع ہوں ۔ اس اجتماع کی غرض یہ ہے کہ چند مقرر دنوں تک اللہ کا ذکر کریں اور اس کے نام پر قربانیاں چڑھائیں اور آپس میں تعارف بڑھائیں اور ان کو یہ علم ہو کہ وہ اپنے غیر ممالک کے مسلمان بھائیوں سے کیا مدد لے سکتے ہیں ۔ یا کس طرح ان کی امداد کر سکتے ہیں ۔ علاوہ بریں خلفاء امراء ملکی اور انتظامی معاملات میں باہم مشورہ کریں اور رعایا کی شکایتیں ضرورتیں اور خواہشیں ان کو معلوم ہوں ۔ اس طرح حج میں

دینی اور اخروی فائدوں کے علاوہ دنیاوی اور ملکی منافع بھی بیشمار ہیں اور حرم مسلمانوں کا صرف دینی و مذہبی ہی نہیں بلکہ قومی و ملی مرکز بھی ہے ۔

خلافت راشدہ میں امراء ملک حج کے موقع پر مکہ میں آتے تھے ۔ بیشتر خود خلیفہ وقت امیرالحاج ہوتا تھا اگر کسی وجہ سے وہ نہیں آسکتا تھا تو اپنے بجائے کسی کو قائمقام کر کے بھیجتا تھا ۔ حضرت ابو بکرؓ اپنے عہد خلافت میں ایک بار خود تشریف لائے تھے ، دوسری بار حضرت عثمان کو بھیجا تھا ۔ حضرت عمرؓ اس کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے وہ ہر سال حج کو آتے رہے صرف اپنی خلافت کے پہلے سال خود نہ آسکے تھے اس لئے عبدالرحمن بن عوف کو بھیجا تھا ۔ حضرت عثمانؓ بھی بجز دو سال کے اپنے عہد خلافت میں کبھی حج سے غیر حاضر نہ رہے البتہ حضرت علیؓ اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے اپنے عہد خلافت میں کبھی نہ آسکے لیکن نائب بھیجتے رہے ۔

رفاہ عام

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسجد حرم بڑھائی گئی ۔ انہوں نے بیت المقدس میں بھی مسجد تعمیر کرائی ۔ اسکے علاوہ کل ممالک اسلام میں انکے عہد میں تقریباً چار ہزار مسجدیں بنائی گئیں ۔ اسلامی مرکزوں میں امراء اور عمال کیلئے مکانات ، فوجی چھاؤنیاں ، مہمان خانے ، دفاتر اور خزانے تعمیر ہوئے ۔ مدینہ سے مکہ تک کا راستہ انہوں نے درست کرایا اور اس میں جا بجا سرائیں بنوا دیں اور نہر آبپاشی اور دیگر ضروریات کیلئے عراق میں متعدد نہریں دجلہ سے نکلوائیں جن میں سے نہر ابی موسیٰ اور نہر سعد خاص طور پر مشہور تھیں ۔ مصر میں دریائے نیل کو ستر میل کھدوا کر دریائے قلزم سے ملا دیا تاکہ کشتیوں کے ذریعہ سے غلہ مدینہ تک آسکے اسی قدر فاصلہ بحر روم اور بحر قلزم میں تھا ۔ عمرو بن عاص والی مصر نے خواہش کی کہ ان دونوں سمندروں کو بھی ملا دیں لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ رومی کشتیاں اس راستہ سے آکر عرب پر حملہ کرنے لگیں گی ۔ اجازت نہیں دی انکے حکم سے کوفہ ، فسطاط ، موصل اور جزیرہ میں متعدد شہر بھی آباد کئے گئے ۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسجد حرم اور مسجد نبوی میں اضافہ کیا گیا ۔ مدینہ اور کوفہ وغیرہ میں ضیافت خانے قائم ہوئے اور جا بجا راستے اور دریاؤں کے پل بنائے گئے ۔ ملک شام میں جہازوں کی تعمیر کا کارخانہ قائم ہوا جہاں لبنان کے جنگلات سے درخت کاٹ کر پہنچائے جاتے تھے اور کشتیاں تیار ہوتی تھیں ۔

تعلیم

قرآن مجید عہد رسالت میں ۲۳ سال تک تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہوتا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھواتے بھی تھے اور صحابہ کو زبانی یاد بھی کرا دیتے تھے ۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ اور سینکڑوں ایسے تھے جن کو زیادہ تر حصے یاد تھے ۔ یہ لوگ حفاظ اور قراء کہے جاتے تھے ۔ مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں تقریباً چار سو حفاظ اور قراء شہید ہو گئے اس وقت حضرت عمرؓ نے سوچا کہ اگر اسی طرح حاملان قرآن ختم ہوتے چلے گئے تو قرآن کس طرح محفوظ رہے گا ۔ اس لئے حضرت ابو بکر سے کہا کہ قرآن پورا ایک جگہ لکھا کر محفوظ کر لیا جائے ۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابت کو جو کاتب وحی تھے اور اسی سال رمضان میں آنحضرت کے ساتھ قرآن مجید کا آخری دور کر چکے تھے اس کام کیلئے منتخب فرمایا ۔ حضرت زید نے ممتاز صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر اسکی تمام سورتوں کو جو متفرق صحیفوں ۔ تختیوں ، کھجور کے پتوں اور اونٹ کی ہڈیوں پر لکھی ہوئی تھیں نہایت احتیاط کے ساتھ قرطاس پر لکھ کر ایک شیرازہ میں جمع کر دیا ۔ یہ مصحف ابو بکر کے پاس رکھ دیا گیا ۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے جابجا معلمین مقرر کئے گئے کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور کتابت سکھائیں بعض بعض اہل علم صحابہ قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے دیار و امصار میں بھیجے گئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں ۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں حذیفہ بن یمان نے جو آذربیجان کی لڑائی میں شریک تھے۔ جب نو مسلم اہل عجم کا قرآن سنا اور اس میں قرآۃ کے اختلافات دیکھے تو گھبرا کر عجلت کے ساتھ مدینہ میں آئے اور خلیفہ سے کہا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی آسمانی کتابوں میں اختلافات پیدا کر دیے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسی طرح مسلمان بھی قرآن میں اختلافات نہ کر دیں۔ ابھی وقت ہے جلد خبر لیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے وہی مصحف جو حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں لکھا گیا تھا اور جس کو حضرت عمرؓ اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالہ کر گئے تھے منگایا۔ زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمن بن حارث کو مقرر کیا کہ اس کو نقل کریں۔ زید بن ثابت کے سوا باقی تینوں شخص قریش میں سے تھے۔ حضرت عثمان نے کہا اگر تم لوگوں میں کسی لفظ کی کتابت میں اختلاف واقع ہو تو قریش کی زبان کی رو سے فیصلہ کرنا کیونکہ یہی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور اسی میں قرآن مجید اترا۔ جب ان لوگوں نے متعدد نسخے لکھ لئے تو ہر ہر صوبے میں ایک نسخہ بھیج دیا اور حکم لکھا کہ اسی کے موافق قرآت رکھی جائے۔

اصل نسخہ ام المومنین کے پاس واپس بھیج دیا۔ تعلیم قرآن و سنت کا سلسلہ عہد عثمانی میں بھی بدستور بلکہ زیادتی کے ساتھ جاری رہا۔ معلمین کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ صحت اعراب کا لحاظ رکھیں۔ علاوہ بریں قرآن سمجھنے کیلئے عربی اشعار اور لغات کی بھی تعلیم دیں۔ ان کے عہد میں تفقہ قرآنی اور استنباط مسائل کا طریقہ لوگ مستند اور ممتاز صحابہ سے سیکھتے تھے۔

سکہ

عرب میں اسلام سے قبل سونے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکے رائج تھے۔ آنحضرتؐ اور خلیفہ اول کے وقت یہی سکے چلے تھے۔ جب ایران فتح ہو گیا تو ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے ایرانی سکے کے نمونے پر مختلف وزن کے درہم ڈھالے گئے نقش میں تبدیلی کر دیگئی۔ کسی پر "الحمد اللہ" کسی پر "لاالہ الہ اللہ" کسی پر "محمد رسول اللہ" اور کسی پر صرف "عمر" تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو درہم ڈھائے گئے ان کا نقش "اللہ اکبر" تھا۔

اشاعت اسلام

خلافت راشدہ میں عموماً ہر مسلمان تعلیم نبوی کا صحیح نمونہ اور پیکر اسلام تھا اس لئے جہاں جہاں اہل اسلام پہنچتے تھے۔ لوگ نہ صرف ان کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے بلکہ ان کے خلوص کو دیکھ کر اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ شام، مصر، عراق، ایران کے باشندوں نے جب ان کے تقویٰ، نیکی، وفاداری، حسن معاملات اور سب سے بڑھ کر مخلوق کی ہمدردی کو دیکھا تو دین اسلام کی خوبیوں کے قائل ہو کر اس کی طرف ٹوٹ پڑے اور کثرت سے مسلمان ہو گئے۔ جنگ شام میں دمشق کا بطریق خود حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا اس کو دیکھ کر جو لوگ اس کے اثر میں تھے سب مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح مصر کا ایک رئیس شیطا پہلے ہی سے اسلام کا گرویدہ تھا۔ جب اسلامی فوج وہاں پہنچی تو وہ مع دو ہزار آدمیوں کے اسلام لایا۔

عراقی رئیسوں اور ایرانی مرزبانوں نے بھی تیزی سے اسلام کی طرف قدم بڑھایا۔ قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلمی ایک ساتھ مسلمان ہو گئے۔ جلولا کی فتح کے بعد وہاں کے اکثر رؤسا اسلام لائے۔ حضرت عثمان کے عہد میں خراسان میں خاندان کے خاندان مسلمان ہونے لگے۔ اسی طرح افریقہ میں سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا۔ الغرض یہ مسلمانوں کے خلوص اور ان کے اسلامی صفات کا اثر تھا کہ جہاں جہاں وہ گئے ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ اس دین حق کے نور سے منور ہوتے چلے گئے۔

حصّہ سوم

خلافتِ بنو اُمیّہ

خلافت بنی امیہ

امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف زمانہ جاہلیت میں سادات قریش میں ممتاز اور بلحاظ شرف اور رتبہ کے اپنے چچا ہاشم بن عبد مناف کے مقابل تھے ان کا تجارتی کاروبار بھی بہت زیادہ تھا اور دولت و ثروت میں قبائل قریش میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ بھائی بندوں اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے ان کی شوکت اور قوت بھی زیادہ تھی۔ امیہ کے دس بیٹے تھے۔ حرب۔ ابو حرب۔ سفیان۔ ابو سفیان۔ عمرو۔ ابو عمرو۔ عاص۔ ابو العاص۔ عیص۔ ابو العیص یہ سب کے سب عظما قریش تھے۔ چنانچہ جنگ فجار میں حرب بن امیہ تمام قبائل قریش کے سپہ سالار تھے اور جب انہوں نے دیکھا کہ یہ منحوس لڑائی بڑھتی جاتی ہے تو جس قدر خون ہوئے تھے سب کی دیت اپنے ذمہ لیکر باہم صلح کرادی اور اپنے بیٹے ابو سفیان کو مال کی ادائیگی تک رہن رکھ دیا اس سے ان کا نام ملک میں مشہور ہو گیا حرب بن امیہ اور عبد المطلب بن ہاشم ہمدم و ہمنشین تھے اور ان میں باہم بہت الفت تھی۔ یہی الفت ان کے بعد ابو سفیان بن حرب اور عباس بن عبد المطلب میں رہی۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں جیسا کہ بعض ناواقفوں کا گمان ہے کسی قسم کی عداوت اور دشمنی نہ تھی البتہ کبھی کبھی خاندانی معاملات میں حریفانہ رشک واقع ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ اکثر بڑے گھرانے کی شاخوں میں ہوا کرتا ہے قریش میں عبد مناف کے یہ دونوں خانوادے اسباب شرف کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جس طرح بنی ہاشم کے بعض لوگ اسلام لائے اسی طرح بنی عبد شمس کے بھی بعض لوگوں نے اس کو قبول کر لیا۔ لیکن آنحضرتؐ کی حمایت خاندانی عصبیت کی وجہ سے بنی ہاشم نے کی اور یہ شرف انھیں کو حاصل ہوا۔

جب مشرکین مکہ نے دار الندوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ کیا تو اس میں تمام قبائل قریش شریک تھے لیکن بنی ہاشم میں سے ابو لہب کے سوا کوئی نہ تھا۔ ہجرت کے بعد جنگ بدر میں مشرکین قریش کا سردار عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس تھا اور جب اس لڑائی میں اکثر روساء مکہ مقتول ہوگئے تو قریش کے رئیس اعظم ابو سفیان بن حرب قرار پائے جنگ احد و احزاب میں وہی مشرکین کے سپہ سالار تھے۔

۸ ھ میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لئے لشکر لیکر گئے تو ابو سفیان کو حضرت عباسؓ اپنے ساتھ بارگاہ نبوی میں لائے اس وقت انھوں نے اسلام قبول کیا اور چونکہ وہ فخر پسند آدمی تھے اس لئے حضرت عباسؓ کی استدعا پر آنحضرتؐ نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص مسجد حرم یا ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے یعنی آپؐ نے ازراہ تالیف قلب کعبہ اور ابو سفیان کے گھر کو بلحاظ امان کے برابر قرار دیا۔ یہ شرف ان کی بڑی عزت کا باعث ہوا۔

زیادہ تر بنی امیہ و نیز عام اہل قریش فتح مکہ مکرمہ کے دن اسلام میں داخل ہوئے آنحضرتؐ ان کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے۔ اور ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ ان سے ملتے رہے مکہ مکرمہ کا والی بھی بنی عبد شمس کے ایک نوجوان عتاب بن اسید کو مقرر فرمایا۔

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب زیادہ تر اہل عرب مرتد ہوگئے تو یہی سرداران قریش اپنی تاخیر اسلام کی تلافی کے لئے مستعد ہوئے اور نہایت جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ انہوں نے نئے سرے سے تمام ملک عرب میں اسلام کو قائم کیا ۔ شام کی لڑائیوں میں بھی بڑے شوق سے جاکر شریک ہوئے اور وہ عظیم الشان کام انجام دیے جن سے ان کے اس گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے جس کے شروع شروع میں یہ اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ ڈالکر مرتکب ہوئے تھے ۔ بنی امیہ میں سے جن لوگوں نے فتوحات شام میں نمایاں حصہ لیا ان میں خود حضرت ابو سفیان ہیں جو وہاں کے اکثر معرکوں میں شریک رہے نیز ان کے بیٹے یزید بن ابو سفیان ہیں جن کو حضرت ابو بکرؓ نے ان چاروں لشکروں میں سے جو شام میں بھیجے گئے تھے ایک لشکر کا امیر مقرر فرمایا تھا ۔ پھر دمشق کی فتح ہونے پر ان کو وہاں کا والی کر دیا ۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی یہ اپنے عہدہ پر قائم رہے ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان بھی شام کے ایک ضلع کے عامل مقرر کئے گئے ۔

یزید نہایت متقی ، نیک نہاد ۔ شجاع اور بیدار مغز رئیس تھے ، طاعون عمواس میں جب وہ انتقال کر گئے تو حضرت عمرؓ نے دمشق کو بھی امیر معاویہ کے رقبہ حکومت میں شامل کر دیا ۔ امیر معاویہ میں سیاست ، حسن تدبیر ، امانت داری اور حلم ایسی صفتیں تھیں کہ حضرت عمرؓ ہمیشہ ان سے خوش اور ان کے مداح رہے ۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کی ولایت میں پورا ملک شام آگیا ۔ اس صوبہ کے تمام عمال کو خود یہی مقرر کرتے تھے ۔ قریش اور بنی عبد شمس کے بہت سے سردار ان کے پاس پہنچ گئے انہوں نے ان کو فوجی خدمات پر لگایا اور ان کی مدد سے فوج کو مطیع اور کارگزار اور رعایا کو وفادار اور فرماں دار بنا لیا ۔ رومیوں کو متعدد شکستیں دیں اور جزیرہ قبرص کو فتح کیا ۔ الغرض بنی امیہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں محترم اور ممتاز تھے اسلام میں بھی انہوں نے اپنے کارہائے نمایاں سے وہی سیادت اور عظمت حاصل کر لی ۔

بنی امیہ کی دو شاخیں ہیں جن کو شہرت اور خلافت نصیب ہوئی ایک حرب کی دوسری ابو العاص کی ۔ حرب کی اولاد میں سے تین اور ابو العاص کی اولاد میں سے دس خلیفہ ہوئے ۔

شجرہ یہ ہے

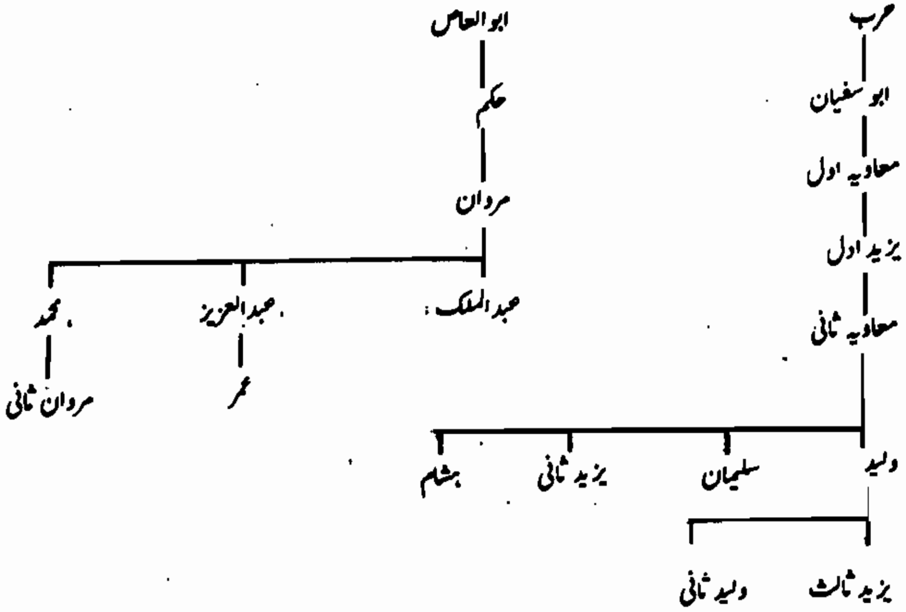

امیر معاویہ بن ابو سفیان

خلافت بنی امیہ کے بانی امیر معاویہ ہجرت سے ۱۵ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:
معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف

فتح مکہ کے دن جب کہ ان کا سن ۲۳ سال کا تھا اہل قریش کے ساتھ اسلام لائے اس کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ مدینہ آئے اور کاتبان وحی میں شامل کئے گئے ۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو ایک فوج دیکر یزید بن ابی سفیان کی امداد کے لئے شام کی طرف بھیجا ۔ صیدا ۔ عرقہ ۔ جبیل ، بیروت وغیرہ کی فتوحات میں مقدمہ لشکر انہیں کی ماتحتی میں تھا ۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اردن کے حاکم مقرر ہوئے اور جب ان کے بھائی یزید نے طاعون عمواس میں وفات پائی تو اردن کے ساتھ دمشق کی ولایت بھی ان کو ملی ۔ حضرت عثمان کے عہد میں ملک شام کے والی عام ہوگئے اور بری اور بحری فوجیں تیار کرکے اسکو اسلام کا قوی ترین صوبہ بنا دیا ۔

حضرت عثمان کے قتل کے بعد مدینہ میں حضرت علیؓ کی خلافت کی بیعت ہوئی اور ان کی معزولی کا فرمان صادر ہوا ۔ انہوں نے یہ الزام رکھ کر کہ علیؓ خلیفہ مظلوم کے قاتلوں کے حامی ہیں ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ کے لئے تیار ہوئے اہل شام نے بھی ان کا ساتھ دیا ۔ بالآخر فریقین میں میدان صفین میں جنگ ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کشت و خون کے بعد دونوں نے ایک ایک پنچ مقرر کیا کہ وہ از روئے قرآن باہمی نزاع کا فیصلہ کر دیں ۔ پنچوں نے اپنے فیصلوں میں حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں کو خلافت سے معزول کیا اور امت کو یہ اختیار دیا کہ وہ خود مشورہ کرکے جس کو مناسب سمجھے خلیفہ منتخب کر دے اہل شام نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ یہ شام کے خلیفہ ہوئے اور حضرت علی عراق کے امام رہے ۔ حضرت علیؓ کی زندگی تک یہ باہمی اختلاف قائم رہا جب وہ قتل ہوگئے تو امام حسنؓ نے یہ دیکھ کر امت کی مصلحت کا لحاظ کرکے مزید خونریزی اور جنگ کو پسند نہ کیا اور ان کے ساتھ مصالحت کر لی ۔ ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو انکے ہاتھ پر بیعت عام ہوئی اس وقت سے یہ کل عالم اسلامی کے خلیفہ ہوگئے ۔

ان کا انتخاب عام نہیں ہوا تھا بلکہ اہل شام نے خود اپنی خوشی سے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اہل عراق نے مغلوب ہو کر ان کی خلافت کو تسلیم کیا لیکن آخر میں یہ مغلوبیت رضامندی سے بدل گئی اس طرح فرقہ خوارج کے سوا تمام امت کے نزدیک ان کی خلافت مسلم ہو گئی ۔

فرقہائے امت

امیر معاویہ کے ہاتھ میں جس وقت زمام خلافت آئی اس وقت امت کے تین سیاسی فرقے تھے ۔

(۱) شیعہ بنی امیہ ۔ اس میں کل اہل شام اور دیگر دیار و امصار کے لوگ بھی شامل تھے ۔ (۲) شیعہ علی ۔ اس میں زیادہ تر اہل عراق اور کچھ لوگ مصر کے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ امامت کا حق صرف حضرت علیؓ کو اور ان کے بعد ان کی اولاد کو حاصل ہے ۔ (۳) خوارج یہ سابقہ دونوں جماعتوں کو دین سے خارج اور ان کے خون کو حلال سمجھتے تھے. اور اپنے عقیدہ میں نہایت سخت اور خونریز اور جنگ میں بہت بیباک تھے ۔ امیر معاویہؓ کو بھی حضرت علیؓ کی طرح خوارج کے معاملہ میں بڑی دشواری پیش آئی کیونکہ اس جماعت کو اپنے عقیدہ

میں سخت غلو تھا اور اس پر ہر وقت جان دینے کو تیار رہتی تھی ۔ جب کوفہ میں امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو فروہ بن نوفل اشجعی پانچ سو خارجیوں کو لیکر علانیہ مخالفت کے لئے نکلا اور مقام نخیلہ میں ٹھہرا اس کے مقابلہ کے لئے شامی فوج کا ایک دستہ آیا لیکن شکست کھا گیا ۔ امیر معاویہ نے اہل کوفہ سے کہا کہ یہ لوگ تمہارے ہی قبیلہ کے ہیں جا کر ان کو سمجھاؤ اور واپس لاؤ ۔ کوفہ کے لوگ گئے ہر چند ان کو واپس لانے کی کوشش کی لیکن کچھ بھی کارگر نہ ہوئی خوارج نے کہا کہ معاویہ ہمارے اور تمہارے دونوں کے دشمن ہیں ہم کو ان کے ساتھ لڑنے دو اگر ہم نے فتح کر لیا تو ایک متفقہ دشمن تباہ ہوا نہیں تو ہم خود فنا ہو جائیں گے ۔ قبیلہ اشجع نے فروہ کو زبردستی پکڑ کر باندھ لیا اور اپنے ساتھ کوفہ میں لائے ۔ خوارج نے اس کی بجائے عبداللہ بن ابی الحوساء کو اپنا سردار بنا لیا کوفیوں نے ان کے ساتھ لڑائی کی عبداللہ مارا گیا اس کے بجائے حوثرہ اسدی خارجیوں کا رئیس ہوا اس کے ساتھ کل ۱۵۰ آدمی تھے ۔

امیر معاویہ نے ابو حوثرہ کو بھیجا کہ تم جا کر اپنے بیٹے کو سمجھاؤ وہ گئے لیکن ان کی فہمائش کا حوثرہ پر کچھ اثر نہ ہوا ۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ اب میں تیرے بچہ کو لاتا ہوں جب تو اسے دیکھے گا تو اس کی محبت کی وجہ سے اس بغاوت سے باز آجائے گا ۔ حوثرہ نے کہا کہ میں اپنے بچہ کی بہ نسبت راہ حق میں اس نیزہ کی انی کا زیادہ شائق ہوں جو میرے جگر سے پار ہو جائے اور جس کے زخم سے تڑپ تڑپ کر جان دیدوں ۔

ابو حوثرہ نے یہ تمام کیفیت آکر امیر معاویہ کو سنائی انہوں نے کہا کہ اس کا سوداہت بڑھ گیا ہے اس کے بعد کوفہ سے ایک فوج ان کے مقابلہ کے لئے بھیجی حوثرہ نے ان سے کہا کہ ظالمو! کل تک تم معاویہ کو باغی سمجھ کر ان کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار تھے اور آج ان کی خلافت کو قائم کرنے کے لئے تلوار اٹھائی اللہ تم سے سمجھے ۔ حوثرہ کے مقابلہ میں خود ان کے باپ گئے اس نے کہا بہتر یہ ہے کہ آپ کسی اور سے مقابلہ کیجئے ۔ یہ کہہ کر وہ دوسرے کوفیوں پر حملہ آور ہوا ۔ بنی طے کے ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا لیکن جب دیکھا کہ اس کی پیشانی پر سجدہ کا گہرہ داغ ہے تو بہت پچھتایا اور افسوس کیا ۔ خوارج کی جماعتیں اسی طرح سلسلہ وار نکلنے لگیں ۔ یہاں تک کہ تمام عراق پر ان کا خوف چھا گیا امیر معاویہ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس صوبہ میں کارآزمودہ مدبروں کو والی مقرر کریں جو حسن سیاست سے اس قسم کی شورشوں کا انسداد کر سکیں چنانچہ انہوں نے مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیہ دو شخصوں کو منتخب کیا ۔

زیاد

زیاد شیعہ علی میں سے تھے اور ان کی طرف سے فارس کے والی تھے ۔ امیر معاویہ نے ان کے سلیقہ حکومت کو دیکھکر مغیرہ کو ان کے پاس امان نامہ دیکر بھیجا جب وہ آئے تو ان سے فارس کا حساب طلب کیا جو کچھ حساب انہوں نے پیش کیا اس کی تصدیق کر دی ۴۴ھ میں امیر معاویہ نے زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کیا کیونکہ بعض لوگوں نے یہ بیان کیا کہ زیاد کی والدہ سمیہ کے ساتھ ابو سفیان نے زمانہ جاہلیت میں نکاح کیا تھا اور یہ انھیں کے بیٹے ہیں اس وقت سے یہ زیاد بن ابی سفیان کہے جانے لگے لیکن اکثر لوگ اس نسبت کو تسلیم نہیں کرتے تھے ۔ زیاد نے ایک بار ام المومنین حضرت عائشہؓ کو کوئی خط بھیجا اس میں لکھا کہ " از جانب زیاد بن ابی سفیان " مقصد یہ تھا کہ وہ بھی اس کنیت سے مخاطب کریں تو یہ مسلم ہو جائے لیکن انہوں نے جواب میں بجائے زیاد بن ابو سفیان کے لکھا کہ " میرے بیٹے زیاد " ۔

۴۵ھ میں امیر معاویہ نے زیاد کو بصرہ کا والی مقرر کیا وہاں پہنچ تو دیکھا کہ اہل بصرہ بالعموم شریر اور فاسق ہیں اور ان کے اوپر سختی کرنے کی ضرورت ہے ۔ اس لئے جامع مسجد میں ایک زبردست تقریر کی جو خطبہ تبراء کے نام سے مشہور ہے ۔ کیونکہ اس کو اللہ کی حمد سے شروع نہیں کیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے ۔

" تم لوگوں نے احکام الہٰی کی پابندی چھوڑ رکھی ہے اور عذاب آخرت کا تم کو خوف نہیں رہا ۔ تمہاری نیکیاں کم اور شرارتیں

زیادہ ہیں ۔ چوریاں کرتے ہو اور ایک دوسرے کا مال حلال سمجھتے ہو ۔ تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر اور قبیلہ کے لوگوں کو برائیوں سے روکے ورنہ گنہگار کے عوض میں بیگناہ کو بھی سزادوں گا اور بھاگنے والے کے بدلے میں مقیم کو پکڑوں گا ۔ جس کا جس قدر مال چوری جائے میں اس کا ضامن ہوں کہ کوئی شخص رات کو باہر نہ نکلے ورنہ قتل کیا جائے گا ۔ جو شخص کسی کا گھر جلائے گا میں خود اس کو جلادوں گا جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا اس کا دل چیر ڈالوں گا۔ جاہلیت کا کسی قسم کا دعویٰ اگر کسی کی زبان سے سنوں گا تو اس کی زبان کاٹ کر پھینک دونگا ۔ جو لوگ میرا حکم مانیں گے میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا مجھ کو یہاں کے بعض لوگوں کے ساتھ عداوت بھی لیکن ان کو ڈرنا نہیں چاہیے ۔ کیونکہ میں نے اس کو اپنے دل سے نکال دیا جو شخص خیر خواہی کرے گا میں اس کا خیر خواہ ہوں اور جب تک مجھ سے رو برو مقابلہ کے لئے نہیں آئے گا خواہ وہ دل میں میرا کتنا ہی بدخواہ کیوں نہ ہو میں اس کی گرفت نہیں کروں گا ۔ میں کسی کی تنخواہ اور روزینہ بند نہیں کروں گا اور نہ میرا دروازہ کسی کے لئے بند ہے ہر حاجتمند میرے پاس جس وقت چاہے خواہ آدھی رات کیوں نہ ہو آئے میں اس کی حاجت کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوں ۔ "

عبداللہ بن حصن کو شہر کا کوتوال مقرر کیا ۔ عشاء کی نماز میں تاخیر کرتے اس کے بعد اتنا انتظار کرتے کہ آدمی اطمینان کے ساتھ سورہ بقرہ پڑھ لے اور مسجد سے شہر پناہ تک جا سکے ۔ پھر عبداللہ بن حصن کو حکم دیتے وہ سپاہیوں کو لے کر شہر میں گشت لگاتے جو شخص ملتا اس کو قتل کر دیتے یہاں تک کہ ایک رات ایک بدو ملا جو شہر کے کسی گوشے میں اپنی بکریاں لیکر ٹھہر گیا ۔ عبداللہ نے اس کو پکڑ لیا اور زیاد کے پاس لائے انہوں نے پوچھا کہ کیا تجھ کو امیر کا حکم معلوم نہیں کہ رات کو جو شخص شہر میں سڑک پر ملے کا قتل کر دیا جائے اس نے کہا کہ مجھے مطلق علم نہیں میں تو رات زیادہ گزر جانے کی وجہ سے مجبوراً یہاں رہ گیا تھا ۔ زیاد نے کہا اگرچہ تیرا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن تیرے قتل میں امت کی مصلحت ہے آخر اس کو قتل کر دیا ۔ زیاد کی اس سختی کی وجہ سے شہر کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ کسی کے ہاتھ سے سڑک پر کوئی چیز گر جاتی تو کوئی شخص اس پر نظر بھی نہ ڈالتا ۔ یہاں تک کہ مالک ہی خود آکر اس کو اٹھاتا تھا اور لوگ بالعموم راتوں کو بھی دکانوں اور مکانوں کے دروازے بند نہیں کرتے تھے ۔ چوری ، غارت گری ، لڑائی وغیرہ سب بند ہو گئی راستوں کی حفاظت کے لئے بھی انہوں نے چوکیاں قائم کیں اور کارواں اور مسافر لوٹ سے محفوظ ہو گئے ۔

خوارج کے ساتھ ان کا برتاؤ اسی کے مطابق تھا جو انہوں نے خطبہ میں کہا تھا یعنی جب تک کوئی مقابلہ کے لئے نہیں اٹھتا تھا اس وقت تک اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے ایک دن ان کو معلوم ہوا کہ بنی سعد کا ایک شخص خارجی ہے اس کو گرفتار کرایا جب وہ آیا تو اس سے دریافت کیا اس نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی تعریف کی حضرت عثمانؓ کا نام نہیں لیا ۔ زیاد نے اس پر سختی کرنی چاہی اس نے کہا آپ نے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص ہمارے مقابلہ میں نہ آئے خواہ وہ دل میں کتنی ہی مخالفت رکھتا ہو اس کی گرفت نہیں کی جائے گی اب اس کے خلاف مجھے کیوں سزا دی جاتی ہے زیاد نے اس بات کو تسلیم کیا اور رہا کر کے خلعت و انعام بخشا ۔

زیاد وہاں کے لوگوں کو اپنے پاس بلاتے تھے ان کے ساتھ بیٹھتے تھے اور ان کی خاطر و مدارت کرتے تھے ۔ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ ابوالخیر جو ایک بہادر اور عقلمند شخص ہے خوارج کا ہم خیال ہے اس کو بلایا اور جندیسابور کا عامل مقرر کر کے بھیجا چار ہزار درہم ماہوار اس کی تنخواہ کر دی اس کے بعد سے ابوالخیر کہا کرتا تھا جماعت سے خارج ہونا بڑی غلطی ہے ۔ ۵۱ھ میں مغیرہ بن شعبہ کی وفات کے بعد امیر معاویہ نے زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کی ولایت بھی سپرد کی اس وقت سے وہ سال بھر میں چھ مہینہ بصرہ اور چھ مہینہ کوفہ میں رہنے لگے ۔

اہل کوفہ حکام کی تحقیر اور حکومت کی خلاف ورزی کے عادی تھی زیاد نے جب وہاں جا کر جامع مسجد میں اپنی تقریر شروع کی تو بعض لوگوں نے ان کے اوپر سنگریزے پھینکے انہوں نے فوراً خطبہ روک دیا اور مسجد کے دروازے کو بند کرا کے ایک کرسی منگوا کر وہاں بیٹھ گئے ۔ چار چار آدمیوں کو بلا کر قسم لیتے تھے کہ انہوں نے سنگریزے نہیں پھینکے ہیں جو قسم کھا لیتا اسے چھوڑ دیتے اور جو انکار

کرتا اسے پکڑ لیتے اس قسم کے تیس آدمی نکلے ان کے ہاتھ کٹوا دیے اس کے بعد سے مسجد میں اپنے واسطے مقصورہ بنا لیا۔

کوفہ میں شیعان علی کی ایک جماعت تھی جس کے سرغنہ حجر بن عدی کندی اور عمرو بن الحمق وغیرہ تھے زیاد کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ جمع ہو کر امیر معاویہ اور ان کے عمال کی برائیاں کرتے ہیں اس لئے کوفہ میں آکر جامع مسجد میں تقریر کی اور کہا کہ ایسے فتنہ پرداز لوگوں سے میں کوفہ کو پاک کر کے چھوڑوں گا۔ اس کے بعد سپاہیوں کو بھیجا کہ حجر کو مسجد میں بلا لائیں انہوں نے آنے سے انکار کیا اور سپاہیوں کو گالیاں دیں زیاد نے یہ سنکر اہل کوفہ سے کہا تم لوگ اطاعت کا اظہار کرتے ہو لیکن تمہارے دل حجر کے ساتھ ہیں یا تو تم ان سے برات اختیار کرو ورنہ میں تم لوگوں کو بھی کوفہ سے نکالوں گا۔ لوگوں نے کہا معاذ اللہ! سوائے اطاعت کے ہمارا کوئی خیال نہیں ہے زیاد نے کہا اگر ایسا ہے تو جا کر اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو حجر کے پاس سے الگ کرو۔ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی اس کے بعد انہوں نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ حجر کو معہ ان کے ساتھیوں کے لاؤ۔ اگر وہ نہ آئیں تو زبردستی پکڑ لاؤ۔ کچھ لوگ ان میں سے بھاگ گئے لیکن حجر اور ان کے تیرہ ساتھی گرفتار ہو کر آئے اور قید خانے میں رکھے گئے۔ کوفہ کے بہت سے لوگوں نے شہادت دی کہ حجر خلیفہ کے حق میں کلمات ناجائز استعمال کرتے ہیں اور بغاوت کے لئے ایک جماعت انہوں نے فراہم کی تھی۔ یہ کہتے تھے کہ خلافت سوائے حضرت علیؓ کی اولاد کے کسی اور کا حق نہیں ہے اور امیر معاویہ اور ان کے عمال سے تبریٰ لازم ہے۔

زیاد نے ان تمام شہادتوں کو قلمبند کر کے امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا اور حجر اور ان کے ساتھیوں کو بھی دمشق روانہ کیا جب یہ لوگ مرج عذرا میں پہنچے تو امیر معاویہ کے حکم سے ان میں سے آٹھ آدمی جن میں حجر بھی تھے قتل کر دیے گئے اور باقی چھ جنہوں نے حضرت علیؓ سے تبریٰ کی رہا ہو کر کوفہ واپس آئے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حجر کی گرفتاری کا حال سنکر عبدالرحمن بن حارث کو امیر معاویہ کے پاس سفارش کے لئے بھیجا تھا لیکن وہ اس وقت دمشق میں پہنچے جب حجر قتل ہو چکے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو حجر کے حادثہ کا بہت افسوس ہوا کیونکہ وہ نہایت بزرگ اور عابد آدمی تھے۔ زیاد نے ۵۳ھ میں طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔

زیاد نے حکومت کا جو طریق عراق میں رکھا یعنی بھاگنے والے کے عوض میں مقیم۔ غلام کے بدلے آقا اور گنہگار کے بجائے بے گناہ کو سزا دینا یہ قانون شرع کے بالکل خلاف تھا بعض سخت مزاج الحکام اس قسم کی سیاست اس وقت اختیار کرتے ہیں جب جرائم کی کثرت اور رعایا کی اخلاقی حالت بالکل خراب ہو جاتی ہے چنانچہ زیاد کے زمانہ میں خوارج نے بہت کم سر اٹھایا اور ملک میں امن و امان ہو گیا مگر اس کے لئے شرعی اصول توڑے گئے اور ناجائز خون بہائے گئے تعریف کی مستحق وہی سیاست ہے جس سے اصول عدالت کے ساتھ مفاسد کی اصلاح ہو جائے تاہم وہ ان خونریزیوں او ظلموں کے باوجود عراق کے بہت سے والیوں سے بہتر تھے ان کے عہد میں وہاں امنیت اور رفاہیت تھی سب لوگ خوشحال تھے۔ وہ سب کی تنخواہیں وقت پر پہنچا دیتے تھے ہر حاجت مند جس وقت چاہتا ان سے جا کر ملتا۔ وہ اس کی امداد کے لئے تیار رہتے ان کی سچائی اور وفائے عہد پر سب کو اعتماد تھا۔

یہ بات تاریخ افسوس کے ساتھ دکھلاتی ہے کہ اہل عراق ایسے ظلم پسند لوگ تھے کہ بلا سختی اور خونریزی کے وہ ٹھیک بھی نہیں رہتے تھے جب کوئی نرم خو اور رحمدل حاکم وہاں آتا تو اس سے سرکشی کرنے لگتے۔

مغیرہ بن شعبہ

کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ کی سیاست بہ نسبت زیاد کے زیادہ نرم تھی۔ لوگ ان سے آکر کہتے کہ فلاں شخص شیعہ ہے اور فلاں خارجی ہے وہ جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ لوگ ہمیشہ باہم مختلف رہیں گے۔ وہی ان کے اختلافات کا قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ لوگ یہ سن کر ان کی طرف سے بے خوف ہو گئے۔ خوارج نے مجتمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ نکل کر اہل قبلہ سے پھر جہاد کریں کیونکہ ان کے خیال میں اس میں سستی کرنا موجب گناہ تھا۔ چنانچہ مشورہ کے بعد انہوں نے مستور بن علقمہ کو اپنا امیر مقرر کیا۔ اور قرار داد ہوئی کہ یکم شوال ۴۳ھ کو یعنی عین عید کے دن شہر سے نکل کر جہاد عام شروع کر دیں۔ حضرت مغیرہ کو خبر مل گئی کہ

خارجیوں کی ایک جماعت حیان بن ظبیان کے گھر میں جمع ہے اور یکم شوال کو اس کا ارادہ بغاوت کرنے کا ہے ۔ سپاہیوں کو بھیجا انہوں نے گھر کا محاصرہ کیا اور جو لوگ وہاں ملے ان کو گرفتار کرلائے وہ قید کئے گئے ۔ مستورؔ نے جب یہ دیکھا تو اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر کوفہ سے نکل گیا ۔ مغیرہ نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ اس کے مقابلہ میں کس کو بھیجنا چاہیے ۔ عدی بن حاتم نے کہا کہ کوفہ کے جتنے رؤساہیں سب ان کے دشمن ہیں آپ جس کو چاہیں بھیج دیں کوئی انکار نہیں کرے گا ۔ معقل بن قیس نے کہا کہ ان کے مقابلہ میں اگر آپ کسی کو بھیجنا چاہتے ہیں تو مجھ کو بھیج دیجئے میں ان سے سخت عداوت رکھتا ہوں کیونکہ وہ لوگ امت کے بدخواہ اور اہل بیت کے دشمن ہیں ۔ مغیرہ نے جماعت شیعہ کے تین ہزار سوار منتخب کرکے معقل کے ساتھ روانہ کئے ۔ خوارج سے متعدد لڑائیاں ہوئیں وہ اگرچہ تین سو تھے لیکن ہر لڑائی میں غالب رہے ۔ آخر میں مستور کے لئے مقابلہ کے خود معقل گئے ۔ مستور کی تلوار ان کے سر پر ان کا نیزہ اس کے سر پر پڑا دونوں ایک ساتھ گرے اور مرگئے ۔ اس وقت خارجیوں نے شکست کھائی اور بجز پانچ شخصوں کے سب مارے گئے ۔ حضرت مغیرہ سات سال اور چند ماہ والی رہے ۔ امام شعبی کا قول ہے کہ ان سے بہتر کوئی امیر کوفہ میں نہیں آیا ۔ وہ امن پسند ، نیک سیرت اور سلف صالح کا بقیہ تھے ۔ لوگ ان کے اوپر یہ گرفت کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ حضرت علی اور قاتلین عثمان کی برائی کیا کرتے تھے ۔ ان کی وفات ۵۱ ھ میں ہوئی ۔

عبیداللہ بن زیاد

۵۵ ھ میں امیر معاویہ نے عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کا والی مقرر کیا اس نے خوارج پر نہایت سختی کی ۔ ۵۸ ھ میں بہت سے خارجیوں کو پکڑ کر قتل کر ڈالا ۔ اور جو بھاگے ان کے پیچھے فوج روانہ کی ۔ ایک بار گھوڑ دوڑ میں شریک تھا وہاں ایک خارجی عروہ بن ادیہ نے اس سے سخت کلامی کی اب زیاد کو خیال ہوا کہ اس کے ساتھ کوئی جماعت ہے ورنہ ایسے کلام کی جرات اس کو نہ ہو سکتی تھی ۔ اس لئے گھوڑ دوڑ چھوڑ کر اپنے قصر کو واپس چلا آیا ۔ عروہ خوف کے مارے چھپ رہا لیکن سپاہیوں نے اس کو تلاش کر کے گرفتار کر لیا اب زیاد نے اس کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیے اور کہا کہ اب بتاؤ اس نے جواب دیا کہ تم نے میری دنیا خراب کی اور اپنی آخرت کو برباد کیا اس کے بعد ابن زیاد نے اس کو مار ڈالا اور پھر اس کی بیٹی کو بھی قتل کر دیا ۔ عروہ کا بھائی سرداس چالیس آدمیوں کو لے کر باغی ہو گیا اور اہواز کی طرف چلا گیا ابن زیاد نے اس کے تعاقب میں ابن تمیمی کے ساتھ دو ہزار فوج روانہ کی ان خارجیوں نے دو ہزار کو شکست دی ۔ ابن زیاد امیر معاویہ کی وفات تک بصرہ کا والی رہا ۔

مصر کے والی حضرت عمرو بن عاص تھے ۔ ۴۳ ھ میں ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ والی ہوئے ۔ حجاز کی ولایت ہمیشہ بنی امیہ کے امراء کے ہاتھ میں رہتی تھی خاص کر مروان بن حکم اور سعید بن العاص کے ان میں سے اگر ایک مکہ کا مکرمہ حاکم ہوتا تو دوسرا مدینہ منورہ کا اس کی وجہ یہ تھی کہ امیر معاویہ خود حج کے لئے نہیں آتے تھے اس لئے انھیں والیان حجاز میں سے کسی کو اپنا قائم مقام بنا دیتے تھے ۔

فتوحات

امیر معاویہ کے عہد میں مشرق میں فتوحات کا سلسلہ نہیں بڑھا ۔ صرف یہ ہوا کہ بعض بعض صوبوں میں جو بغاوتیں ہو رہی تھیں وہ فرو کی گئیں ۔ عبداللہ بن سوار نے جو سندھ کے سرحد پر متعین تھے قیقان پر دوبارہ فوج کشی کی ۔ دوسری بار وہاں کے لوگوں نے ترکوں کو اپنی امداد کے لئے بلایا تھا ۔ عبداللہ جنگ میں مارے گئے ان کے بعد اسلام کے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ نے ان پر چڑھائی کی اور مقام نبہ تک جو کابل اور ملتان کے درمیان واقع ہے فتح کیا ۔ یہ واقعہ ذکر کے قابل ہے کہ ایک بار راستہ میں مہلب کو اکیلا پاکر اٹھارہ ترکی سواروں نے گھیر لیا انہوں نے ان سب کو مار لیا ۔ ترک اپنے گھوڑوں کی دم کے بال

تراش دیتے تھے مہلب نے اس طریقہ کو پسند کر کے اپنی فوج میں بھی رائج کیا۔

امیر معاویہ کے عہد میں زیادہ تر توجہ رومیوں کی طرف مصروف کی گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں اب تک طاقت باقی تھی۔ ان کے زمانہ میں دو قیصر ہوئے پہلا قسطنطین پسر ہرقل جو ۶۴۱ء سے ۶۶۸ء تک حکمران رہا اور دوسرا بوغا ناتس جو ۶۶۸ء میں تخت پر بیٹھا۔ اور ۶۸۵ء تک رہا یہ دونوں اسلامی علاقوں پر حملے کرتے رہے۔ امیر معاویہ نے ان سے مقابلہ کرنے کے لئے بری اور بحری دونوں فوجیں تیار کیں ان کے عہد میں ایک ہزار سات سو جنگی کشتیاں مکمل ساز و سامان کے ساتھ ہر وقت مقابلہ کے لئے تیار رہتی تھیں۔ امیر البحر جنادہ بن ابی امیہ تھے جنہوں نے رومیوں کو کئی بار سطح آب پر شکست دی اور قبرص و رودس وغیرہ کو فتح کیا۔ بحری فوج کی تنخواہ بھی زیادہ مقرر کی تاکہ مسلمان خوشی سے اس میں بھرتی ہوں۔

بری فوج کی دو قسمیں تھیں جو سردی کے موسم میں جنگ پر بھیجی جاتی تھی وہ شاتیہ اور جو گرمی میں جاتی تھی وہ صائفہ کہلاتی تھی اس طرح پر جنگ کا سلسلہ سال بھر جاری رہتا تھا۔ ۴۸ھ میں امیر معاویہ نے رومیوں کے اصل مرکز یعنی قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاری کی اور اس کیلئے عظیم الشان لشکر جمع کیا۔ سفیان بن عوف کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا اور اپنے بیٹے یزید کو بھی ایک دستہ کا امیر بنایا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جیسا کہ امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ہے۔

اول جیش من امتی یغزو مدینة قیصر مغفور لھم

ترجمہ: میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا اس کو اللہ نے بخش دیا ہے۔

اس بنیاد پر مدینہ منورہ سے بہت سے صحابہ مغفرت موعودہ حاصل کرنے کے لئے اس لشکر میں جاکر شریک ہوئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، ابو ایوب انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ بعض تاریخی روایات میں امام حسین کا بھی نام ہے۔

یہ لشکر بری اور بحری دونوں راستوں سے روانہ ہو کر قسطنطنیہ پہنچا اور اس کا محاصرہ کیا۔ متعدد سخت معرکے پیش آئے۔ عبدالعزیز بن زرارہ شوق شہادت میں بار بار آگے بڑھ کر لڑتے تھے اور جب یہ دیکھا کہ یہ تمنا پوری نہیں ہوتی ہے تو دشمنوں کی فوج میں گھس گئے اور آخر کار شہادت سے سرخرو ہوئے امیر معاویہ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے زرارہ سے کہا کہ عرب کا جوانمرد اٹھ گیا انہوں نے پوچھا کہ کون جوانمرد؟ میرا بیٹا یا آپ کا؟ کہا کہ تمہارا بیٹا۔ اللہ اس کا اجر تم کو دے انہوں نے صبر کیا اور دعا مانگی۔

قسطنطنیہ کی فصیل چونکہ نہایت مضبوط اور قدرتی طور پر محفوظ واقع ہوئی تھی اس لئے مسلمان اس کو فتح نہ کر سکے۔ رومیوں نے آتش افشانی کر کے بہت سی اسلامی کشتیوں کو بھی جلا دیا۔ علاوہ بریں وہاں کی سردی عربوں کے لئے سخت تھی۔ مجبوراً بہت کچھ نقصان اٹھا کر واپس چلے آئے۔ اثنائے محاصرہ میں حضرت ابو ایوب انصاری وفات پاگئے۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کے ہاں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہمان ہوئے تھے۔ قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب شہر کے باہر دفن کئے گئے۔ جب عثمانی ترکوں نے اس مقام کو فتح کیا تو ان کے مزار کے متصل ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جو اب تک جامع ابو ایوب کے نام سے مشہور ہے اسی میں خلفاء آل عثمان کی تاجپوشی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ افریقہ میں حضرت عمرو بن عاص کی ولایت میں برقہ تک فتوحات کا سلسلہ پہنچا تھا امیر معاویہ نے عقبہ بن نافع کو وہاں کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور دس ہزار فوج ان کی امداد کے لئے بھیجی انہوں نے قوم بربر پر حملہ کیا اور ان کو مغلوب کیا۔

اہل بربر کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی سپہ سالار ان کے اوپر فوج کشی کرتا تو مسلمان ہو جاتے اور پھر جب موقع پاتے مرتد ہو کر بغاوت کر بیٹھتے اس لئے عقبہ نے یہ مناسب سمجھا کہ وہاں ایک فوجی چھاؤنی قائم کریں چنانچہ قیروان آباد کیا ۵۵ھ میں اس کی تکمیل ہوئی اس دوران میں ہر سمت فوج کے دستے بھیجتے رہے اکثر بربری قبائل اسلام میں داخل ہو گئے۔ فوج کے قیام سے وہاں

کے مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہو گیا اور اطراف و دیار میں اسلام پھیلنے لگا ۔ مسلم بن مخلد اس زمانہ میں امیر معاویہ کی طرف سے والی مصر و افریقہ تھے انہوں نے عقبہ کو معزول کر کے ان کے بجائے اپنے ایک غلام ابو المہاجر کو سپہ سالار مقرر کیا ۔ ابوالمہاجر نے جیسا کہ کوتاہ اندیش لوگوں کا دستور ہے عقبہ کی برائی کرنی شروع کی اور ان کے تمام کاموں میں خرابیاں نکال کر ان کو بدنام کرنے لگا ۔ عقبہ شام میں چلے آئے اور امیر معاویہ سے ابوالمہاجر کی شکایت کی انہوں نے وعدہ کیا کہ میں تم کو تمہاری جگہ بھیج دوں گا لیکن کچھ دن صبر کرو ۔

یزید کیلئے بیعت

مغیرہ بن شعبہ ایک بار دمشق گئے انہوں نے یزید سے بھی ملاقات کی اور اثنائے گفتگو میں کہا کہ اعیان صحابہ اور بزرگان قریش سب گزر گئے اب ان کے بیٹے ہیں تم فضیلت ، شرافت ، علم اور سیاستدانی کے لحاظ سے ان میں سے کسی سے کم نہیں ہو پھر میں نہیں سمجھتا کہ امیر المومنین کے لئے کون سی رکاوٹ ہے کہ وہ تمہاری ولیعہدی کی بیعت نہیں لیتے ۔ یزید نے کہا کہ کیا آپ کی رائے میں اس بیعت میں کامیاب ہونا ممکن ہے مغیرہ نے کہا بے شک ! یزید نے امیر معاویہ سے اس کا ذکر کیا ۔ انہوں نے مغیرہ کو بلا کر اس معاملہ میں گفتگو کی ۔ مغیرہ نے کہا کہ وہ ساری فرقہ بندیاں اور خوں ریزیاں جو حضرت عثمان کے قتل کے بعد ہوئیں میری نگاہوں میں ہیں ۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ امت کو اختلاف اور فتنہ فساد سے بچانے کے لئے اگر آپ یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لیں تو مناسب ہے ورنہ پھر آپ کے بعد وہی حالت ہو جائے گی ۔ امیر معاویہ نے کہا اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ لوگ بیعت کر لیں گے ۔ مغیرہ نے کہا میں کوفہ کی طرف سے ضامن ہوتا ہوں ۔ اہل بصرہ کو زیاد رضامند کر لیں گے اور اہل عراق نے جب بیعت کر لی پھر کوئی مخالفت نہیں کر سکتا ۔ امیر معاویہ نے کہا کہ تم کوفہ میں جا کر وہاں کے عمائد سے اس معاملہ میں مشورہ لے کر مجھے مطلع کرو ۔

مغیرہ جب کوفہ میں واپس آئے تو وہاں کے روساء اور کبراء کو بلا کر اس بات کا ذکر کیا وہ بیعت کرنے پر راضی ہو گئے ۔ انہوں نے اپنے بیٹے موسیٰ کے ہمراہ اعیان کوفہ کا ایک وفد دمشق بھیج دیا ۔ ان لوگوں نے امیر معاویہ سے کہا کہ ہم اس رائے کو پسند کرتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی جائے ۔ امیر معاویہ نے ان کو رخصت کیا اور کہا کہ آپ لوگ اپنی رائے پر قائم رہیں جب وقت آئے گا تو ہم آکر بیعت لیں گے ۔ کوفہ کے وفد سے امیر معاویہ کی رائے کو بہت تقویت پہنچی انہوں نے زیاد والی بصرہ کو بھی لکھا کہ تم وہاں کے سرداروں سے یزید کی ولی عہدی کے متعلق مشورہ لو ۔ زیاد نے عبید بن کعب نمیری کو جو ممتاز روسا میں سے تھا بلا کر امیر معاویہ کا خط دکھایا اور کہا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ لکھوں کہ ابھی یہ معاملہ ملتوی رکھا جائے کیونکہ تمام لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ یزید لاابالی نوجوان ہے اور رات دن شکار میں مشغول رہتا ہے اس لئے مجھے ڈر ہے کہ لوگ اس کی ولی عہدی کی بیعت میں پس و پیش کریں گے ۔ عبید نے کہا کہ میرے خیال میں امیر کی رائے درست معلوم ہوتی ہے بہتر یہ ہے کہ میں دمشق میں جا کر یزید سے ملوں اور ان سے کہوں کہ تم ولی عہد ہو سکتے ہو لیکن لوگوں کو تمہارے بابت یہ شکایت ہے کہ تم شکار میں اپنا وقت ضائع کرتے ہو ۔ لہذا بہتر ہے کہ جلد اپنی اصلاح کرو ۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یزید کی حالت بھی سدھر جائے گی اور امیر جو بات چاہتے ہیں وہ آسانی کے ساتھ پوری ہو گی ۔ زیاد اس کے مشورہ سے خوش ہوا اور فوراً اس کو دمشق روانہ کیا یزید نے اس کے سمجھانے سے اپنی حالت ٹھیک کر لی اور اب لوگوں کو اس کے عیب گیری کا موقع نہیں رہا ۔

امیر معاویہ نے مروان بن حکم والی مدینہ منورہ کو لکھا کہ : ۔ اب میرا سن زیادہ ہو گیا ۔ اور ہڈیاں کمزور ہو گئیں ہیں ۔ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد کہیں امت میں پھر فتنہ نہ پیدا ہو جائے ۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں کسی شخص کو متعین کر دوں کہ میرے بعد خلیفہ ہو لیکن بلا اہل مدینہ منورہ کے مشورہ کے ایسا کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا لہذا تم وہاں کے اہل رائے

کے سامنے اس معاملہ کو پیش کرو اور جو کچھ وہ جواب دیں اس سے مجھے مطلع کرو۔

مروان نے شرفاء و روساء مدینہ منورہ کو جمع کر کے یہ خط سنایا سب لوگوں نے امیر کی رائے کو پسند کیا اور کہا ہم اس تجویز سے متفق ہیں وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر امت کی خیر خواہی کو پیش نظر رکھ کر جس کو چاہیں ولی عہد بنائیں ۔ جواب پہنچنے کے بعد پھر یہ مراسلہ موصول ہوا کہ ہم نے غور و خوض کر کے امت کی مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے یزید کو ولی عہدی کے لئے منتخب کیا ہے مروان نے یہ خط لوگوں کو سنایا عبدالرحمن بن ابی بکر نے کہا کہ تم لوگوں کو امت کی خیر خواہی منظور نہیں ۔ تم خلافت اسلامیہ کو بھی قیصریت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرجائے تو اس کے بجائے اس کا بیٹا قیصر ہو ۔ نیز امام حسینؓ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے بھی اس کی مخالفت کی ۔ امیر معاویہ نے اپنے امراء اور عمال کو لکھا تھا کہ یزید کی خوبیاں لوگوں سے بیان کریں اور دیار و امصار کے روسا و کبرا کے وفود میرے پاس بھیجیں کہ میں اس معاملہ میں خود بھی گفتگو کروں ۔

ان وفود میں مدینہ منورہ سے محمد بن عمرو بن حزم اور بصرہ سے احنف بن قیس گئے محمد بن عمرو نے امیر معاویہ سے کہا کہ آپ یزید کو منتخب تو کرتے ہیں لیکن اس مسئولیت کو بھی پیش نظر رکھیے جو اللہ کی درگاہ میں اس معاملہ سے آپ کے اوپر عائد ہوتی ہے امیر معاویہ یہ سن کر چپ رہے اس کے بعد دربار عام کیا جس میں امراء روسا عمال اور وفود نیز ہر طبقہ کے لوگوں کو بلایا اور کھڑے ہو کر تقریر کی پہلے اسلام کی عظمت ، خلافت کی حرمت ، خلفا کے حقوق ، والیان امر کی اطاعت اور اس معاملہ میں امت کے فرائض بیان کئے اس کے بعد یزید کی خوبیاں مثلاً اس کی شجاعت عقل ، کرم اور سیاسی واقفیت کا ذکر کیا پھر لوگوں سے خواہش کی کہ وہ اس کی ولیعہدی پر بیعت کریں ۔

ان کے بعد ضحاک بن قیس فہری کھڑے ہوئے انہوں نے کہا اے امیرالمومنین ! یہ امر نہایت ضروری ہے کہ آپ کے بعد جو خلیفہ ہو وہ ابھی سے متعین ہو جائے ہم نے خوب آزما لیا ہے کہ باہمی الفت اور اتحاد سے بڑھ کر کوئی چیز خونریزی سے بچانے والی نہیں ہے رعایا کی آسائش ملک کی امنیت و رفاہیت عام سب اسی پر منحصر ہیں کہ امت کا ایک مرکز ہو اور وہ خلیفہ کی ذات ہے

یزید بن امیرالمومنین حسن سیرت عقل ، علم اور حلم ہر صفت میں ممتاز ہے اس کی دانشمندی اور سیاسی واقفیت پر سب کو اعتماد ہے اس کی رائے معاملات میں صحیح ہوتی ہے اور وہ ہر طرح پر خلافت کا مستحق ہے ۔ ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ اس کو ولیعہد مقرر کر دیں تاکہ آپ کے بعد وہ ہمارا پشت پناہ اور ملجا و ماویٰ ہو اور اس کے سایہ میں امت فتنہ اور فساد سے محفوظ رہے ۔

ضحاک کے بعد اور لوگوں نے بھی اس قسم کی تقریریں کیں ۔ امیر معاویہ نے احنف بن قیس سے کہا کہ آپ کیوں نہیں بولتے انہوں نے کہا کہ جھوٹ کہوں تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور سچ کہوں تو آپ سے آپ خود بہ نسبت ہم لوگوں کے یزید کے حالات سے زیادہ واقف ہیں اگر آپ کے خیال میں یزید کی بیعت اللہ و امت کی رضامندی کا موجب ہے تو پھر مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ خلافت کے قابل نہیں ہے تو پھر کیوں اس کی دنیا کے پیچھے اپنی عقبیٰ کو بگاڑتے ہیں ۔ امیر معاویہ لوگوں کو انعام و اکرام و خاطر و مدارت سے راضی رکھتے تھے اس لئے اس سب لوگوں نے بیعت کر لی اس کے بعد عراق میں جا کر وہاں کے لوگوں سے بیعت لی پھر ایک ہزار سوار لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے ، پہلے مدینہ منورہ پہنچے ۔ عبداللہ بن عمر ، عبداللہ بن زبیر ، عبداللہ بن عباس اور امام حسن رضی اللہ عنہم جو اس بیعت کے خلاف تھے ان کی آمد کی خبر سن کر مکہ مکرمہ کو چلے گئے امیر معاویہ نے اہل مدینہ منورہ کے سامنے بھی تقریر فرمائی ۔ اس میں کہا کہ یزید سے زیادہ کوئی خلافت کا مستحق نہیں ہے ۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ اس کے مخالف ہیں اور وہ اس وقت تک اس سے باز نہیں آئیں گے جب تک ان پر سختیاں نہ ہوں اور ان کی جڑ اکھاڑ کر نہ پھینک دی

جائے ۔ کاش میری تنبیہ کو وہ لوگ سمجھ جاتے ۔

پھر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے اورر ان چاروں حضرات کو بلایا اور ان کی طرف سے عبداللہ بن زبیر گفتگو کے لئے منتخب کئے گئے۔

امیر معاویہ : ۔ آپ لوگ میری سیرت سے واقف ہیں ۔ میں رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا ہوں اور ان کے ہر قسم کے ناز اٹھاتا ہوں ۔ یزید آپ کا بھائی ہے میری خواہش ہے کہ آپ لوگ اس کو خلافت کے لئے نامزد کریں اور اس کے جس قدر کام ہیں مثلاً والیوں کا عزل، نصب، تحصیل و خرچ مالیہ وغیرہ سب اپنے ہاتھ میں لیں اور وہ کسی بات میں بھی تعرض نہیں کرے گا ۔

عبداللہ بن زبیر: ۔ ہم تین صورتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ان میں جس کو آپ چاہیں اختیار کریں ۔

امیر: ۔ فرمایئے

ابن زبیر: ۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین منتخب نہیں کیا اسی طرح آپ بھی بلا انتخاب چھوڑ دیں ۔

امیر: ۔ آنحضرتؐ کے بعد ابو بکر جیسے لوگ موجود تھے جن کو بالا اتفاق امت نے خلیفہ بنالیا ۔ اب ہم میں ایسے لوگ کہاں ہیں جن پر سب لوگ متفق ہو جائیں اس لئے اگر میں کسی کو ولی عہد نہ بناؤں تو امت میں سخت اختلاف پڑنے کا خطرہ ہے ۔

ابن زبیر: ۔ تو پھر وہ صورت اختیار کیجئے جو حضرت ابو بکر نے کی تھی کہ ایسے شخص کو اپنا قائم مقام مقرر کیا جو نہ ان کے قبیلہ کا تھا نہ ان کا رشتہ دار تھا ۔

امیر: ۔ مجھے حضرت عمر جیسا کون ملے گا کہ میں اس کا انتخاب کروں ۔

ابن زبیر: ۔ اگر یہ بھی آپ نہیں چاہتے تو حضرت عمر کے طریقہ پر چلئے کہ انہوں نے چھ شخصوں کو نامزد کیا کہ یہ لوگ اپنے آپ میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں جس میں نہ کوئی ان کا بیٹا تھا نہ بھائی نہ ہم قبیلہ ۔

امیر: ۔ کیا ان کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی ۔

ابن زبیر: ۔ نہیں

یہ سنکر امیر معاویہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے جو کچھ آپ لوگوں سے کہنا تھا وہ کہہ چکا جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا ۔ خواہ آپ مانیں نہ مانیں ۔ امیر معاویہ نے اہل مکہ مکرمہ سے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی پھر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس آکر وہاں بھی بیعت لی۔

مکہ مکرمہ سے جب روانہ ہونے لگے تو عبداللہ بن عمر نے ان سے کہا میں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ تمہارے بعد جس شخص کی خلافت پر لوگ متفق ہو جائیں گے میں اس کو تسلیم کر لوں گا ۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک حبشی غلام کو بھی اگر لوگ خلیفہ بنالیں گے تو میں ہرگز اختلاف نہ کروں گا اور نہ جماعت کا ساتھ چھوڑوں گا ۔

خلافت و سلطنت

امیر معاویہ کے عہد حکومت پر نظر ڈالنے سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ اس میں خلافت نے سلطنت کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا ۔ خلاف راشدہ میں ہر شخص کو وہی حریت حاصل تھی جو خلیفہ وقت کو تھی ۔ ان میں باہم اختلافات بھی نہیں تھے ۔ قرآن مجید جو امت میں ہمدردی اور اخوت کی تعلیم دیتا ہے اس کی آیات میں ایسی تاویلات نے مطلق دخل نہیں پایا تھا جن سے اصلی مفہوم ہی بدل جائے ۔ لیکن امیر معاویہ کے عہد میں یہ سب کچھ ہوا اور آزاد امت غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئی ۔ خفیف خفیف جرموں پر بلکہ بعض اوقات بلا جرم خونریزی کی جاتی تھی

زیاد والی بصرہ نے اس غریب بدو کو جو رات کو اپنی بکریاں لے کر شہر کے کسی گوشہ میں ٹھہر گیا تھا باوجود اس کے بیان کے صحیح مان لینے کے بعد بھی قتل کر ڈالا اور کسی کو یہ جرات نہ ہو سکی کہ وہ اس خون ناحق کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا حالانکہ اسی بصرہ میں وہ لوگ موجود تھے جو جتھا باندھ کر مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت عثمان سے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی باز پرس کی کہ آپ نے نماز سفر میں قصر کیوں نہیں کیا؟۔

مسجد کا منبر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت خلق کے لئے نصب فرمایا تھا اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو دنیا چھوڑ کر اپنے رب سے جا ملے تھے علی الاعلان برا کہا جاتا تھا۔ اور باوجود اس کے کہ اس سے اکثر مسلمانوں اور بالخصوص شیعہ علی کی دل آزاری ہوتی تھی۔ معلوم نہیں کیا فائدہ سمجھ کر اس کو بطور حتمی فرض کے قرار دے رکھا تھا۔ سب سے آخر میں انہوں نے جو کام کیا یعنی یزید کی ولیعہدی کی بیعت لی۔ اس سے تو اسلامی جمہوریت کی بنیاد ہی اکھڑ گئی۔

بہت سے لوگ ان کی طرف سے یہ معذرت پیش کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں سلطنت کے حدود بہت وسیع ہو گئے تھے اور ذرائع الحاق و اتصال موجود تھے اس لئے خلافت کے امیدواروں کی جس قدر زیادتی ہوتی اسی قدر امت میں فتنہ فساد و تفرقہ کا زیادہ خوف ہوتا۔ ایسی حالت میں اگر امیر معاویہ نے ایک خاندان میں اس کو محدود کر دیا تو کچھ بے جا نہیں کیا اس زمانہ کے لوگوں کی حالت اور عوام کی جہالت کو دیکھتے ہوئے مصلحت اسی کی متقاضی تھی کہ امت کا رجحان طبع ایک ہی طرف رکھا جائے۔ چنانچہ خود شیعہ جو امیر معاویہ کی اس بیعت ولی عہدی لینے پر سب سے زیادہ شدومد کے ساتھ اعتراض کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی امامت ایک ہی نسل میں محدود ہے اور باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو پہنچتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کے برکات اور استبداد کے نقصانات اس قدر عظیم الشان ہیں کہ یہ عذر ان کے مقابلے میں قابل سماعت نہیں۔ اسلام کی اصلی ترقی کی بنیاد حریت اور مساوات کی روح تھی جو اس نے امت میں پھونکی تھی۔ جس کی بدولت ہر شخص بجائے خود بادشاہ تھا امیر معاویہ کی اس کاروائی سے ساری امت غلامی کے شکنجے میں آگئی۔

انتظام ممالک

امیر معاویہ نرم مزاج۔ حلیم اور صلح جو تھے ان کی ملک داری کی قابلیت میں کسی شخص نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے ان کے عہد میں تمام صوبوں میں امن و امان رہا۔ اسلام کی شوکت اور طاقت میں اضافہ ہوا۔ بحری فوج کی وجہ سے رومیوں پر سطوت قائم ہو گئی وہ نہایت بیدار مغزی اور مستعدی کے ساتھ حکومت کے فرائض ادا کرتے تھے۔

چونکہ مقبوضات کا رقبہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور دور دست ممالک سے مراسلات میں بہت زمانہ لگتا تھا اس لئے انہوں نے برید کا سلسلہ تمام سلطنت میں قائم کیا۔ ہر بارہ میل پر ایک چوکی ہوتی تھی جہاں ایک سوار رہتا تھا۔ خطوط کا تھیلا ان سواروں کے ہاتھ جس قدر جلد ممکن ہوتا تھا ملک کے اس سرے سے اس سرے تک پہنچتا تھا۔ دفاتر کی مہر بھی انہیں کی ایجاد ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے عمرو بن زبیر کو ایک لاکھ درہم عطیہ کا حکم لکھدیا انہوں نے اس کو دو لاکھ بنا کر خزانہ سے وصول کر لیا۔ جب امیر معاویہ کے سامنے حساب پیش ہوا تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو صرف ایک لاکھ درہم دیے تھے۔ چنانچہ عمرو کو طلب کر کے قید کر دیا اور ایک لاکھ درہم ان سے واپس لئے اس وقت سے قاعدہ مقرر کیا کہ جو حکم دفتر سے برآمد ہو اس پر مہر لگائی جائے اور اس کی ایک نقل بھی رکھی جائے۔ ان کے عہد میں شام کا دفتر سریانی زبان میں تھا اور سرجون رومی سر دفتر تھا۔

بیت معاویہ

ان کی پہلی بیوی میسون بنت بحدل تھیں۔ جن سے یزید پیدا ہوا۔ دوسری فاختہ بن قرظہ نوفلی ان کے شکم سے دو بیٹے

عبدالرحمن اور عبداللہ تھے ۔ عبدالرحمن نے بچپن میں وفات پائی فاختہ کے انتقال کے بعد ان کی دوسری بہن کتوہ سے نکاح کیا ۔ جنگ قبرص میں یہ ساتھ تھیں ۔ وہیں انتقال کر گئیں ۔

وفات

امیر معاویہ جمادی الثانی میں بیمار ہوئے یزید اس وقت کسی مہم پر گیا ہوا تھا ۔ جب بیماری بڑھ گئی اور زیست کی امید کم رہ گئی تو ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کو یزید کے لئے وصیت نامہ لکھوایا جس کا خلاصہ یہ ہے ۔

" میں نے تیرے لیے تمام راستے ہموار کر دیے اور عرب کو تابع فرمان اور دشمنوں کو مغلوب بنا لیا ۔ اہل حجاز کا خیال رکھنا کیونکہ وہی ہمارا گہوارہ ہے اور عراق والے اگر ہر روز فرمائش کریں کہ عامل کو نکال دے تو انکی بات مان لینا اس لئے کہ ایک عامل کا معزول کر دینا بہ نسبت اس کے زیادہ آسان ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تیرے خلاف میان سے نکل آئیں ۔ اہل شام پر نظر رکھنا ۔ یہ تیرے وفادار اور مددگار ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں انھیں سے کام لینا ۔ اور جب ان کو کسی دوسری جگہ بھیجنا پڑے تو مہم سے فارغ ہونے کے بعد فوراً ان کو شام میں بلا لینا ورنہ ان کے اخلاق بدل جانے کا اندیشہ ہے خلافت کے معاملہ میں بجز چار شخصوں کے مجھے اور کسی کا خوف نہیں ہے کہ وہ تیرے مقابلہ میں آئے ۔ عبداللہ بن عمرؓ ۔ حسینؓ بن علیؓ ۔ عبداللہ بن زبیرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم ۔ لیکن عبداللہ بن عمر عبادت گزار اور دنیا سے بے زار ہیں جب سب لوگ بیعت کر لیں گے تو وہ جماعت کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے ۔ حسینؓ بن علیؓ سبک مزاج ہیں عراقی ضرور ان کو اکسا کر مقابلہ میں لائیں گے اگر ایسا ہوا اور تجھ کو ان کے اوپر دسترس ہو جائے تو ان سے درگزر کرنا کیونکہ وہ ہمارے قریبی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں ان کا ہمارے اوپر بہت بڑا حق ہے مگر جو شخص لومڑی کی طرح چکمے دے گا اور شیر کے مانند حملے کرے گا ۔ وہ عبداللہ بن زبیر ہے اس پر قابو مل جائے تو اس کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالنا ۔ دیکھو جہاں تک ہو سکے کوشش کرنا کہ امت کا خون نہ بہنے پاوے ۔ (عبدالرحمن بن ابو بکر معاویہ سے پہلے وفات پاگئے تھے)

آخر اسی بیماری میں یکم رجب ۶۰ ھ مطابق ۱۷ اپریل ۶۸۰ء کو انہوں نے انتقال کیا ۔ ضحاک بن قیس ہاتھوں میں ان کا کفن لئے ہوئے نکلے ۔ منبر پر کھڑے ہو کر اور لوگوں کو مخاطب کر کہا کہ :۔

" معاویہ عرب کے سالار ۔ عرب کی طاقت اور عرب کے سرمایہ ناز تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے امت کے سر سے فتنہ کو رفع کیا ۔ ان کو فرماں رواں بنایا ۔ اور ان کے ہاتھ پر فتوحات کیں آج وہ اس دنیا سے گزر گئے یہ میرے ہاتھوں میں ان کا کفن ہے اسی میں لپیٹ کر وہ دفن کئے جائیں گے اب وہ ہیں اور ان کا عمل دونوں اللہ کے حوالے " ۔

ضحاک نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی وہ دمشق میں مدفون ہوئے یزید کئی دن کے بعد آیا اس نے قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کی ۔

یزید اول

یزید کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی ۔ جب کہ امیر معاویہ حضرت عثمان کی طرف سے کل ملک شام کے والی ہو چکے تھے ۔ اس کی والدہ کا نام میسون بنت بحدل ہے ۔ یزید کی تربیت امارت کی آغوش میں ہوئی ۔ شروع سے امیر معاویہ اس کو فرمانروائی اور ملک کے طریقے سکھاتے تھے ۔ دو بار امیر حج مقرر کیا ۔ ایک بار صائفہ فوج کا سر لشکر بنا کر رومیوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا نیز قسطنطنیہ پر جو لشکر بھیجا گیا تھا ۔ اس میں بھی یہ شامل تھا ۔ شعر گوئی میں مہارت رکھتا تھا ۔ یزید کو شکار اور شکاری کتوں کا بہت شوق تھا اس بات پر لوگ اس کی عیب گیری کرتے تھے ۔

خلافت

امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں صوبہ جات کے امراء اور وفود سے مشورہ لے کر یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے لی تھی لیکن مدینہ منورہ کے چند ممتاز رؤسا امت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، امام حسین اور عبداللہ بن عباس اس بیعت کے مخالف تھے ۔ امیر معاویہ کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو اس نے سب سے پہلے اپنی توجہ انھیں لوگوں سے بیعت لینے کی طرف منعطف کی اور والی مدینہ منورہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو لکھا کہ ان لوگوں کو اپنے یہاں طلب کر کے بغیر مہلت دیے ہوئے بیعت لے لو ۔

ولید نے پہلے امام حسین کو بلایا ان کو یزید کا خط دکھایا اور بیعت کی درخواست کی ۔ انہوں نے امیر معاویہ کے انتقال کا حال معلوم کر کے اناللہ پڑھی ان کے حق میں کلمات خیر کہے اور دعا کی ۔ پھر فرمایا کہ مجھ جیسا آدمی مخفی طور پر بیعت نہیں کرے گا تم جس وقت سب لوگوں کو بیعت کے لئے بلاؤ گے اور مجھے بھی طلب کرو گے اس وقت دیکھا جائے گا ۔ ولید امن پسند تھے انہوں نے ان کی بات مان لی ۔ عبداللہ بن زبیر یہ حال سن کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو روانہ ہوگئے اس کے بعد امام حسینؓ بھی اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ چلے ۔ محمد بن حنفیہ نے ان کو بہت سمجھایا اور باز رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں رکے ۔ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس نے جب دیکھا کہ یزید کی خلافت پر اجماع عام ہو گیا تو ان لوگوں نے بیعت کر لی ۔

حادثۂ کربلا

امام حسینؓ جب مکہ مکرمہ میں آئے تو یہاں ان کے پاس لوگوں کا اژدہام رہتا تھا ۔ عبداللہ بن زبیر خانہ کعبہ میں دن بھر طواف اور نماز میں مشغول رہتے تھے کبھی کبھی امام حسین کے پاس بھی جاتے تھے اور جو رائے اور مشورہ ہوتا تھا ۔ اس میں شریک ہوتے تھے اہل کوفہ کو جب امیر معاویہ کے انتقال اور یزید کی خلافت کی خبر ملی تو وہ رئیس شیعہ سلیمان بن صرد کے گھر میں جمع ہوئے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ یزید کی خلافت کو نہ تسلیم کریں ۔ بلکہ امام حسین کو بلا کر اپنا امام بنائیں ۔ چنانچہ ان کو خطوط بھیجنے شروع کئے ۔ جب امام حسین کے پاس ان کی طلبی کے ڈیڑھ سو خط پہنچ گئے تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ :۔

" تمہارے مقصد سے میں آگاہ ہوا ۔ اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو جو میرے معتمد خاص ہیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں تاکہ وہ

تمہاری باتوں کو سن کر اور کیفیت کو دیکھ کر صورت حال سے مجھ کو مطلع کریں ۔ اگر انہوں نے یہ لکھا کہ کوفہ کے رؤسا اور اہل الرائے میری امامت کے خواہاں ہیں تو میں آجاؤں گا ۔ حقیقت یہ ہے کہ امام وہی ہے جو کتاب اللہ پر عمل کرے اور سنت پر قائم رہے"۔

پھر مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا ۔ اور ہدایت کی ایسے راستہ سے جاؤ کہ کسی کو علم نہ ہو سکے ۔ وہاں پہنچ کر اگر لوگ میری امامت پر متفق ہوں جیسا کہ انہوں نے ظاہر کیا ہے تو فوراً مجھ کو مطلع کرنا ۔ مسلم جب کوفہ میں پہنچے تو شیعہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو ٹوٹ پڑے انہوں نے یہ حالت دیکھ کر امام حسین کو لکھا کہ یہاں کے سب لوگ آپ کی امامت کے خواہشمند ہیں آپ تشریف لائیے ۔ نعمان بن بشیر اس زمانہ میں کوفہ کے والی تھے ان کو جب یہ اطلاع ہوئی کہ اہل کوفہ مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں تو انہوں نے جامع مسجد میں سب کو مخاطب کر کے کہا کہ :۔

" تم لوگ امت میں فتنہ اور تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو ۔ اس کا نتیجہ بربادی اور تباہی ہے جیسا کہ تم خود تجربہ کر چکے ہو ۔" نعمان چونکہ عابد و زاہد اور عافیت جو شخص تھے اس لئے انہوں نے کسی قسم کی سختی نہیں کی اور کہا کہ جب تک لوگ لڑنے کے لئے نہیں نکلیں گے میں خود پیش قدمی نہیں کروں گا۔

شیعہ بنی امیہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کا طرز عمل ٹھیک نہیں ہے کہ اس سے کمزوری کا اظہار ہوتا ہے ۔ نعمان نے کہا معصیت الٰہی میں اگر کمزور ہوں تو کچھ حرج نہیں اطاعت میں قوی رہنا چاہیے ۔ اس شخص نے یزید کو خط لکھا کہ کوفہ کی حالت یہ ہے کہ یہاں امام حسینؓ کے بھائی مسلم بن عقیل آئے ہوئے ہیں ۔ یہاں کے لوگ ان کے ہاتھ پر امام حسین کے لئے بیعت کر رہے ہیں ۔ اگر کوفہ کو تم اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو تو کسی دوسرے والی کو بھیجو جو اس فتنہ کا انسداد کر سکے ۔ نعمان سے کچھ نہیں ہو سکے گا ۔ یزید نے نعمان کو معزول کر کے عبداللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی والی کر دیا اور حکم دیا کہ فوراً وہاں پہنچ کر مسلم کو نکال دو یا قتل کر دو ابن زیاد کوفہ میں آیا اور اعلان کیا کہ

" میں فرمان برداروں پر مہربان ہوں اور فتنہ پردازوں کا دشمن ہر محلہ کے جو رئیس ہیں وہ اپنے اہل محلہ کے نام لکھ کر مجھ کو دیں ۔ اور جو اجنبی یا خارجی یا مشکوک آدمی ملے اس کو میرے پاس لائیں ۔ ہر شخص اپنے اپنے حلقہ کا ذمہ دار ہے ۔ جس محلہ میں کوئی باغی ملے گا اس محلہ کے رئیس کو اسکے دروازے پھانسی دی جائے گی "۔

مسلم کو جب ابن زیاد کے اس اعلان کی اطلاع ملی تو انہوں نے ہانی بن عروہ کے گھر میں پناہ لی اس نے بادل نخواستہ منظور کیا ابن زیاد کو معلوم ہو گیا اس نے ہانی کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے گھر میں اسلحہ جمع کئے جا رہے ہیں اور بغاوت کا سامان ہو رہا ہے تم خلیفہ کے دشمن ہو اور تم نے مسلم کو پناہ دی ہے ۔ ان کو ہمارے حوالہ کرو ۔ ہانی نے بدنامی کے ڈر سے ان کی حوالگی سے انکار کیا ابن زیاد نے اس کو مارا اور قید کر دیا ۔ مسلم کو جب اس کی خبر ملی تو منصور کا نعرہ لگایا اٹھارہ ہزار آدمیوں میں سے جوان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے چار ہزار اس وقت جمع ہو گئے اور پہنچ کر دارالامارۃ کا محاصرہ کیا ۔ ابن زیاد کے پاس اس وقت کل تیس سپاہی اور چند رؤسا کوفہ اور بعض شرفا بنی امیہ تھے سب کی مجموعی تعداد پچاس سے بھی کم تھی ابن زیاد نے رؤسا کوفہ کو حکم دیا کہ تمہارے قبیلہ کے جو لوگ مسلم کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو جا کر سمجھاؤ کہ وہ اس سے باز آئیں ۔ ان لوگوں نے اپنے ہم قوموں کو ڈرایا دھمکایا اور سمجھایا پھر امان کا جھنڈا کھڑا کیا ۔ لوگ مسلم کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر الگ ہونے لگے یہاں تک آخر میں ان کے پاس صرف تیس آدمی رہ گئے ۔ وہ حیران ہو کر ایک شخص کے گھر میں چھپ رہے ۔ ابن زیاد کو پتہ لگ گیا اس نے محمد بن اشعث کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا ۔ جب وہ گئے تو مسلم نے ان سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے امان نہیں دے سکتے لیکن اگر میرا ایک کام کر دو گے تو بہت ہی بڑا احسان ہو گا ۔ یعنی امام حسینؓ کو میرے حال سے مطلع کر دینا اور لکھدینا کہ وہ یہاں ہرگز نہ آئیں اور اگر روانہ ہو گئے ہوں

تو راستے سے واپس چلے جائیں کوفہ والے اعتماد کے قابل نہیں ہیں ان کے فریب میں آکر اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں ۔ محمد نے کہا میں اس فرمائش کی ضرور تعمیل کروں گا ۔ زیاد نے مسلم اور ان کے ساتھ ہانی کو قتل کر ڈالا۔

ادھر امام حسینؓ کو مکہ مکرمہ میں جب مسلم کا خط ملا تو وہ کوفہ چلنے کے لے تیار ہو گئے ۔ خیر خواہوں نے ان کو منع کیا ۔ سب سے پہلے عبدالرحمن بن حارث آئے انہوں نے یہ کہا کہ مشہور ہو رہا ہے کہ آپ عراق کو روانہ ہونے والے ہیں۔ میرے نزدیک آپ کا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں وہاں امیر عراق موجود ہے جس کے ہاتھ میں فوج اور خزانہ ہے اور آپ جانتے ہیں کہ لوگ روپے پیسے کے غلام ہوتے ہیں کچھ عجب نہیں کہ جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے وہی آپ سے لڑنے کے لئے آئیں ۔ امام حسین نے ان کی خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے ان کو رخصت کیا ۔ حضرت عبداللہ بن عباس بھی پہنچے اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کا ارادہ کوفہ جانے کا ہے ۔ امام حسین نے کہا ہاں! آج سے کل تک روانہ ہو جاؤں گا انہوں نے کہا میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا اہل کوفہ نے وہاں کے امیر کو نکال کر اپنا قبضہ کر لیا ہے اگر ایسا ہے تو جو لوگ آپ کو بلا رہے ہیں در حقیقت جنگ کے لئے بلا رہے ہیں ۔ امراء اور عمال کے ہوتے ہوئے کوئی شخص ان میں سے آپ کا ساتھ دے نہیں سکتا ۔ بلکہ مجھے تو یہ خطرہ ہے کہ وہی لوگ جو آپ کے طرفدار ہیں وعدہ خلافی اور بے وفائی کریں گے اور خود آپ کے مقابلہ میں لڑنے کے لئے آئیں گے ۔ امام حسین نے فرمایا کہ میں اللہ سے استخارہ کروں گا۔

دوسرے دن پھر عبداللہ بن عباس گئے اور کہا کہ میں ہر چند اپنے دل کو سمجھاتا ہوں لیکن کسی طرح صبر نہیں آتا ۔ میں دیکھتا ہوں کہ جو ارادہ آپ نے کیا ہے اس میں کسی طرح آپ کی جان سلامت نہیں رہ سکتی ۔ اہل عراق نہایت بے وفا ہیں ان کے فریب میں نہ آئیے اور اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں تو پہلے ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کو طلب کیا ہے لکھیے کہ کوفہ کے امیر کو نکال دیں اور وہاں کی فوج کو اپنے قبضہ میں کر لیں ۔ اس وقت جائیے ۔ میں تو یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ بجائے عراق کے آپ یمن کی طرف تشریف لے جائیں ۔ وہاں آپ کے والد کے بہت سے شیعہ رہتے ہیں اور کثرت سے قلعے اور پہاڑ ہیں اور وہ ایک وسیع ملک ہے ۔ ہر طرف اپنے مبلغ بھیجئے سرداروں سے مراسلت کیجئے وہاں کامیابی کی زیادہ امید ہے اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ اہل حجاز آپ کو سردار مانتے ہیں یہیں قیام کیجئے ۔ لیکن امام حسین نے ان کی کسی بات کو منظور نہ کیا اور عراق کی روانگی پر مصر رہے ابن عباس نے کہا کہ میں آپ کے اونٹ کے آگے اس سفر سے روکنے کے لئے لیٹ جاتا لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ پھر بھی نہیں مانیں گے کم سے کم اتنا تو کیجئے کہ اہل و عیال کو ساتھ نہ لیجائیے ۔ مجھے ڈر ہے کہ جس طرح حضرت عثمان اپنے بچوں کے سامنے قتل کئے گئے اسی طرح کہیں آپ کا بھی یہی حال نہ ہو ۔ امام حسین نے انکے کسی مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور معہ اہل و عیال کے کوفہ کو روانہ ہو گئے ۔ راستہ میں عرب کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی وہ کوفہ سے آرہا تھا ۔ اس سے وہاں کی کیفیت پوچھی اس نے کہا کہ اہل کوفہ کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں ۔ جب اور آگے بڑھے تو مدینہ منورہ سے عبداللہ بن جعفر کا قاصد دوڑتا ہوا پہنچا اور ان کا خط دیا انہوں نے لکھا تھا کہ آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ پلٹ آئیے اسی کے ساتھ والی مدینہ منورہ کا خط منسلک تھا کہ آپ مدینہ منورہ میں آکر رہیں آپ کو امان ہے لیکن امام حسین نے واپسی سے انکار کیا۔

چند منزلوں کے بعد عبداللہ بن مطیع ملے جو عراق سے مکہ مکرمہ آرہے تھے انہوں نے بھی کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ واپس چلئے اور عراقیوں کے فریب میں نہ آئیے ۔ بنی امیہ سے اگر آپ خلافت لینے کی کوشش کریں گے تو وہ یقیناً آپ کو قتل کر ڈالیں گے اور پھر کسی ہاشمی کسی عرب اور کسی مسلمان کے قتل میں ان کو باک نہ ہو گا لہذا آپ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈال کر قریش کی حرمت، عرب کی حرمت اور اسلام کی حرمت نہ مٹائیے مگر امام حسین نے ان کی بات نہیں سنی ۔ مقام ثعلبہ میں پہنچ کر محمد بن اشعث کی تحریر اور مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی اس وقت ان کے بعض ہمراہیوں نے کہا کہ اب جانا لاحاصل ہے کیونکہ اب کوفہ میں

کوئی حامی اور مددگار ہم کو نہیں مل سکتا۔ بلکہ یہ خوف ہے کہ جو وقت مسلم پر آیا وہی ہم پر بھی نہ آئے۔ یہ سنکر بنی عقیل بگڑ کو بولے کہ ہم ہرگز منہ نہیں موڑ سکتے یا تو مسلم کا عوض لیں گے یا انہیں کی طرح جان دیدیں گے۔ اس لئے یہ قافلہ آگے بڑھا۔ غیر قبائل کے لوگ رفتہ رفتہ ساتھ چھوڑتے چلے گئے۔ صرف خاص کنبہ کے لوگ جو جاں نثار تھے رہ گئے۔

مقام شراف سے نکل کر ایک ہزار سوار جن کا سردار حر بن یزید تمیمی تھا سامنے آئے۔ امام حسین نے ان سے کہا کہ میں اس وقت تمہاری طرف آیا جب تم لوگوں نے خود مجھ کو بلایا اور لکھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے لہذا اگر اسی بات پر قائم ہو جو مجھے لکھی تھی تو میں تمہارے شہر میں داخل ہوں ورنہ جہاں سے آیا ہوں پھر وہاں واپس چلا جاؤں ان لوگوں نے جواب نہیں دیا۔ حر نے کہا کہ ہم کو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہیں اور کوفہ میں ابن زیاد کے سامنے لے چلیں۔ امام حسین نے کہا اس سے تو مرجانا بہتر ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سوار ہو کر واپس چلیں لیکن حر نے روکا اور جانے نہیں دیا۔ امام حسین شمال کی طرف چلے اور جب مقام نینوا میں پہنچے تو دوسرا لشکر ملا جس کو عمرو بن سعد کی ماتحتی میں ابن زیاد نے امام حسین کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔

ابن سعد نے قاصد بھیج کر امام حسین سے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے یہاں آئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ خود اہل کوفہ نے بار بار خط لکھ کر مجھ کو بلوایا ہے۔ اس لئے میں یہاں آیا۔ اب اگر میرے آنے کو لوگ پسند نہیں کرتے تو واپس چلا جاؤں گا۔ ابن سعد نے یہ کیفیت ابن زیاد کو لکھ بھیجی اس نے کہا کہ اب ہمارے پنجہ میں آجانے کے بعد رہائی ناممکن ہے۔ امام حسین یہ کہتے تھے کہ جہاں سے ہم آئے ہیں وہاں واپس جانے دو یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو۔ لیکن ابن زیاد نے لکھا کہ سوائے میرے حکم کی تعمیل کے اور کوئی صورت نہیں۔ امام حسین اس کو کب گوارا کر سکتے تھے۔ آخر ۱۰ محرم ۶۱ھ کو کربلا کے میدان میں جنگ ہوئی ایک طرف امام حسین کے ۸۰ ہمراہیوں کی مختصر جماعت تھی دوسری طرف عراقی فوج تھی۔ جس میں ایک شخص بھی شام کا نہ تھا بہت تھوڑے عرصہ میں لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ امام حسین اور ان کے ۷۱ ہمراہی مقتول ہوئے اور ابن سعد کے ۸۸ آدمی مارے گئے۔ اہل عراق امام حسین کے سر اور ان کے حرم کو معہ علی بن حسین کے جو مریض تھے ابن زیاد کے سامنے لائے اس نے ان کو شمر وغیرہ چند عراقی رؤسا کے ساتھ دمشق کو روانہ کیا۔

جب یزید کے پاس پہنچے تو اس کو یہ کیفیت دیکھ کر بہت رنج ہوا آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عراقیوں سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا۔ میں تمہاری اطاعت سے بلا حسین کے قتل کئے ہوئے بھی راضی تھا۔ ابن زیاد پر اللہ کی لعنت! اگر اس کے بجائے میں ہوتا تو درگذر سے کام لیتا۔ وہ پھر اپنے درباریوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ حسین رضی اللہ عنہ کیوں اس حال کو پہنچے یہ کہتے تھے کہ میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر ہے۔ میری ماں یزید کی ماں سے بہتر۔ میرے جد یزید کے جد سے بہتر اور میں خود یزید سے بہتر۔ اور خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ سو میرے اور ان کے باپ میں محاکمہ ہوا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ کیا فیصلہ ہوا۔ باقی رہیں ان کی والدہ وہ فاطمہ بنت رسول اللہؐ ہیں امت میں کون سی عورت ہے جو ان کے درجہ کی ہو سکتی ہے اور ان کے جد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنکو ہر ایک مسلم تمام انبیاء سے افضل سمجھتا ہے لیکن جو کچھ ہوا وہ ان کے اس تفقہ کی وجہ سے ہوا جس کے باپ دادا بہتر ہوں وہی خلیفہ ہو۔ انہوں نے قرآن کی اس آیت کا خیال نہ کیا کہ:۔

اللهم مالک الملک توتی الملک من تشاء۔

ترجمہ: اے اللہ تو ہی ملک کا مالک ہے جس کو تو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے۔

اس کے بعد اہل بیت کا یہ لٹا ہوا اور مصیبت زدہ قافلہ یزید کے محل میں اتارا گیا اس کے گھر کی عورتیں ان کے پاس جمع ہوئیں بہت روئیں اور تین دن تک ماتم کرتی رہیں۔ چند دنوں کے بعد یزید نے ان کو ہر طرح کا ساز و سامان دیکر مدینہ منورہ رخصت

کیا جو کچھ ان کا مالی نقصان ہوا تھا اس سے دگنا دیا اور چلتے وقت علی بن حسین سے کہا کہ جو تم کو ضرورت پیش آئے براہ راست مجھ کو لکھنا میں پوری کروں گا۔

اس دردناک طریقے سے اس واقعہ کا خاتمہ ہوا۔ اصلیت یہ ہے کہ اہل عراق بھروسہ کے قابل نہ تھے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنہوں نے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا تھا۔ آخر میں ان کی نافرمانیوں سے تنگ آگئے تھے اور دعا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے ان سے نجات دے۔ خواہ بذریعہ موت کے ہو یا قتل کے اسی طرح امام حسن کے ہاتھ پر ان لوگوں نے خلافت کی بیعت کی تھی۔ جب شامی فوجوں سے مقابلہ ہوا تو پہلے ہی حملہ میں ان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگے جس کی وجہ سے آخر ان کو صلح کرنی پڑی۔ امام حسین بھی انھیں کے اعتبار پر مکہ مکرمہ سے کوفہ آئے اور جب قریب آکر ان کو معلوم ہوا کہ ان کے تمام وعدے جھوٹے تھے تو واپسی کا ارادہ کیا لیکن جفاکار ابن زیاد نے ان کو یزید کی بیعت پر مجبور کیا جس کو انہوں نے گوارا نہ کیا اس لئے ناچار لڑنا پڑا۔ اور بہادری کے ساتھ لڑ کر جان دے دی۔ عقلاء قریش عبداللہ بن عباس وغیرہ جو اہل کوفہ کی عادت اور طبیعت سے واقف تھے اس نتیجہ کو پہلے ہی سے خوب سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے جس قدر ان سے ہو سکا امام موصوف کو روکنے کی کوشش کی تھی۔

واقعہ حسرہ

یزید نے خلیفہ ہونے کے بعد اہل مدینہ کی تعظیم و تکریم کا بہت لحاظ رکھا ان کو بڑے بڑے عطیے بخشے اور ان کے ساتھ مراعات کی لیکن وہاں کے لوگ عبداللہ بن زبیر کے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں خلافت کی بیعت لینی شروع کی تھی طرفدار ہو گئے۔ عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار بنایا اور یزید کی بیعت کو فسخ کر کے علانیہ مخالفت کے لئے آمادہ ہوئے۔ یزید نے جس وقت یہ حال سنا نعمان بن بشیر کو بھیجا کہ جاکر اپنی قوم کو سمجھاؤ انہوں نے ازراہ خیر خواہی اہل مدینہ کو بہت سمجھایا اور کہا کہ تم لوگ فتنہ اور تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ کرو اور امت کا ساتھ چھوڑ کر اپنے دین اور دنیا کو نہ بگاڑو۔ اہل شام کے مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت بھی نہیں ہے پھر تم کس بھروسے پر بغاوت کر رہے ہو لیکن ان کی نصیحت مطلق کارگر نہ ہوئی آخر وہ واپس چلے گئے۔ ادھر مدینہ منورہ والوں نے بنی امیہ کے ان لوگوں پر جو وہاں تھے حملہ کیا وہ مروان کے گھر میں مجتمع ہو گئے انہوں نے اس کا محاصرہ کیا بنی امیہ نے قاصد دوڑا کر یزید سے درخواست کی اس نے بارہ ہزار فوج مسلم بن عقبہ کی ماتحتی میں مدینہ منورہ کی طرف بھیجی اور ہدایت کی کہ تین بار اہل مدینہ کو سمجھانا کہ وہ سرکشی سے باز رہیں۔ جو اس پر بھی نہ مانیں تو ان سے لڑنا اور تین دن تک قتل و غارت کرنا۔ لیکن دیکھنا علی بن حسین کو کوئی اذیت نہ پہنچے ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا کیونکہ ان کا خط میرے پاس آیا ہے کہ وہ مدینہ والوں کے ساتھ اس شورش میں شریک نہیں ہیں۔

مسلم کی آمد کی خبر سن کر اہل مدینہ نے بنی امیہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور اس شرط پر ان کو چھوڑا کہ نہ وہ مسلم کے ساتھ شریک ہوں نہ اس کو یہاں کی اندرونی حالت سے مطلع کریں۔ جب یہ لوگ نکل کر وادی القراء میں پہنچے تو مسلم سے ملاقات ہوئی اس نے حضرت عثمان کے بیٹے عمرو سے مدینہ منورہ کی حالت دریافت کی انہوں نے کہا کہ میں عہد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ مسلم نے کہا کہ تمہارے باپ کا خیال کرتا ہوں ورنہ گردن اڑا دیتا۔ اسکے بعد عبدالملک بن مروان سے پوچھا اس نے مدینہ منورہ کی مفصل کیفیت مسلم کو بتائی اور مشورہ دیا کہ آج ذی نخلہ میں قیام کرو۔ صبح کو دائیں سمت سے مدینہ منورہ سے آگے بڑھ جانا پھر مقام حرہ سے مغرب رو ہو کر مدینہ کی طرف پلٹنا اس طرح پر سورج اہل مدینہ کے سامنے پڑے گا اور تمہارے پیچھے جس کی وجہ سے تمہارے اسلحہ کی چمک ان کی آنکھوں کو خیرہ اور ان کے دلوں کو مرعوب کر دے گی۔ مسلم نے اسی کے مطابق عمل کیا اور مدینہ منورہ کے متصل پہنچ کر وہاں کے روساء کو بلایا اور کہا کہ امیرالمومنین نے فرمایا ہے کہ اہل مدینہ امت کی اصل بنیاد ہیں مجھے ان کی خونریزی

سخت ناگوار ہے ۔ لہذا تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اس میں جو لوگ سرکشی سے باز آجائیں گے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور جو باز نہ آئیں گے وہ پھر مجھ کو معذور سمجھیں ۔ اہل مدینہ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی ۔ اس لئے تین دن کے بعد لڑائی ہوئی اور ان کو شکست نصیب ہوئی بہت سے روسا و اشراف مدینہ مارے گئے اور تین دن تک وہاں قتل عام رہا ۔ اس کے بعد مسلم نے اعلان کیا کہ لوگ آکر بیعت کر لیں جو انکار کرے گا وہ قتل کیا جائے گا ۔ سب لوگوں نے آکر بیعت کی ۔ یزید کی ہدایت کے مطابق علی بن حسین کے ساتھ مسلم نے نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا ان سے بیعت کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا ۔ یہ واقعہ آخر ذی الحجہ ۶۳ھ میں ہوا۔

یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ اہل مدینہ منورہ جن میں نہ مقابلہ کی طاقت تھی ۔ نہ دوسرے صوبوں کے لوگ ان کے شریک حال تھے ۔ فسخ بیعت کی عجیب و غریب جسارت کس طرح کر بیٹھے اس لئے مدینہ منورہ کی ہتک حرمت کی بہت کچھ ذمہ داری خود اہل مدینہ پر عائد ہوتی ہے ۔ اسی کے ساتھ مسلم نے بھی جو طریقہ اختیار کیا وہ دانشمندی سے بعید تھا وہ اگر صرف محاصرہ پر اکتفا کرتا اور مدینہ منورہ کے پانی کو جو باہر سے آتا ہے دو روز کے لئے بھی بند کر دیتا تو وہاں کے لوگ مجبور ہو کر اس کی بات مان لیتے اور حرم رسول اللہ خونریزی سے محفوظ رہتا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ منورہ نے خود جنگ میں عجلت کی یہاں تک کہ اپنی حفاظت کے لئے جو خندق انہوں نے کھو دی تھی ۔ اس کو بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گئے اور لڑنا شروع کر دیا لیکن پھر بھی یہ الزام مسلم پر رہ جاتا ہے کہ فتح کرنے کے بعد قتل عام کرنے کے کیا معنی اور شامی مسلمانوں کی غیرت نے کیونکر گوارا کیا کہ مدینہ منورہ میں بلا ضرورت خونریزی اور غارت گری کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ سروں میں جب شورش کا جنون سما جاتا ہے اور فتنہ کے سودا کا ہیجان ہوتا ہے ۔ اس وقت عاقبت اندیشی باقی نہیں رہتی نعوذ باللہ منہا۔

محاصرہ مکہ مکرمہ

مدینہ منورہ کی مہم سے فارغ ہو کر مسلم نے عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کیا کیونکہ انہوں نے اہل حجاز سے بیعت لے کر اپنی اپنی خلافت کا علم بلند کیا تھا۔ راستہ میں مسلم نے وفات پائی اور اس کے بجائے حصین بن نمیر یزید کی ہدایت کے مطابق سر لشکر ہوا۔ ۲۶ محرم کو یہ لشکر مدینہ منورہ پہنچا۔ ابن زبیر مقابلہ کے لئے نکلے لیکن شکست کھائی اور مکہ مکرمہ میں آ گئے ۔ شامیوں نے محاصرہ کیا اور منجنیق سے شہر پر پتھر پھینکے اسی دوران میں خبر آ گئی کہ یزید نے وفات پائی شامیوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور لڑائی ختم ہو گئی۔

یہ تین واقعات ہیں جن کی وجہ سے یزید کا نام امت میں بدنام ہو گیا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس پر لعنت کرنا بھی روا رکھا ہے ۔ لیکن ان واقعات میں یزید کے لئے صرف دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ مخالفین کے لئے خلافت سے دست بردار ہو جاتا۔ دوسری یہ کہ ان کا مقابلہ کرتا۔ ظاہر ہے کہ بالعموم امت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اس لئے آسان نہ تھا کہ وہ امام حسن کی طرح ایثار نفسی سے کام لے کر سریر خلافت سے اٹھ جائے اس لئے دوسری صورت اختیار کی ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کے امراء نے دانش مندی اور ہمدردی کے ساتھ ان عقدوں کو حل نہیں کیا بلکہ اس میں غیر ضروری اور ناجائز سختی سے کام لیا اس لئے ان واقعات کو مفصل دیکھنے کے بعد یہ انصاف کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ اکیلا یزید ہی ان کا مجرم قرار دیا جائے۔

فتوحات

یزید نے عقبہ بن نافع کو دوبارہ افریقہ کا سپہ سالار مقرر کیا اور جو وعدہ امیر معاویہ کر گئے تھے اس کو پورا کیا عقبہ نے قیروان پہنچ کر اپنے ابو المہاجر کو زنجیروں میں مقید کیا اور ایک عظیم الشان لشکر لے کر مقام باغایہ کی طرف بڑھے جہاں رومیوں کا اجتماع تھا۔

سخت لڑائی کے بعد رومیوں نے شکست کھائی اور پیچھے ہٹ کر شہر میں داخل ہوگئے عقبہ نے محاصرہ کو غیر ضروری سمجھ کر بلا ذراب کی طرف چڑھائی کی اور وہاں کے سب سے بڑے شہر اربہ کو رومیوں کے ہاتھ سے چھین لیا آگے بڑھ کر تاہرت پر پھر مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے بربر کو اپنا شریک بنا لیا تھا۔ غنیم کی کثرت تعداد سے مسلمانوں کو بڑی مشکل پیش آئی لیکن صبر اور کوشش سے اللہ نے ان کو کامیاب کیا رومی اور بربر دونوں نے شکست کھائی اور بے شمار اسلحہ اور اموال غنیمت ہاتھ آئے۔

مسلمان پھر طنجہ کی طرف بڑھے ۔ وہاں ایک رومی رئیس بلیان تھا۔ اس نے تحائف پیش کئے اور صلح کر لی اس کے بعد طنجہ کے مغرب میں سوس ادنیٰ کو فتح کیا پھر سوس اقصیٰ کی طرف پیش قدمی کی وہاں روم اور بربر کی متحدہ جمعیت سے مقابلہ ہوا۔ سب کو شکست دیتے ہوئے بحر ظلمات تک پہنچ گئے ۔ عقبہ نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا اور کہا کہ

یا اللہ ! اگر سمندر حائل نہ ہو جاتا تو جہاں تک زمین ملتی ہے ۔ تیری راہ میں جہاد کرتا ہوا چلا جاتا۔ اب قیروان کو واپس ہوئے چونکہ سارا ملک فتح ہو چکا تھا اس لئے زیادہ خطرہ نہ تھا۔ فوجوں کے دستے الگ الگ روانہ ہوئے عقبہ کے ساتھ تھوڑی سی فوج رہ گئی راستہ میں مقام تھودا میں رومیوں نے اس قلیل جماعت کو دیکھ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک بربری سردار کسیلہ جو ابوالمہاجر کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا عقبہ کے ساتھ تھا لیکن عقبہ نے ابوالمہاجر پر جو سختیاں کی تھیں ان کی وجہ سے وہ دل میں ان کا سخت دشمن تھا۔ یہاں تک کہ خود ابوالمہاجر نے عقبہ سے بار بار تاکید کی تھی کہ مجھے جو کچھ خوف ہے کسیلہ سے ہے تم اس سے غافل نہ رہنا لیکن عقبہ نے خیال نہیں رکھا۔

اس موقع پر کسیلہ بھی رومیوں کے ساتھ جا کر مل گیا۔ اور پھر اپنے ہم قوموں کی ایک کثیر جماعت فراہم کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ عقبہ کے ساتھ جس قدر فوج تھی اس میں سے کوئی نہ بچ سکا کسیلہ اپنی جماعت لئے ہوئے قیروان کی طرف بڑھا۔ وہاں عقبہ نے قیس بن زہیر کو اپنا نائب بنا کر چھوڑا تھا اس نے مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن فوج کمزور تھی ۔ لڑنے پر راضی نہیں ہوئی اس لئے مجبوراً مسلمان بھاگ کر برقہ میں چلے آئے۔ کسیلہ نے قیروان پر قبضہ کیا وہاں مسلمانوں کے اہل و عیال جو رہ گئے تھے ان کو امان دی۔

ازدواج و اولاد

یزید کا پہلا نکاح ام ہاشم بنت عتبہ بن ربیعہ کے ساتھ ہوا تھا اس سے دو بیٹے پیدا ہوئے معاویہ اور خالد اور اس نے دوسرا نکاح عبداللہ بن عامر کی بیٹی ام کلثوم کے ساتھ کیا اس کے شکم سے عبداللہ پیدا ہوا۔ جو تمام عرب میں تیر اندازی میں فرد تھا۔ نیز امہات اولاد سے بھی یزید کے کئی بیٹے تھے ۔ عبداللہ ، اصغر، عمر، ابوبکر، عتبہ ، حرب اور عبدالرحمن

وفات

۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ مطابق ۱۰ نومبر ۶۸۳ء کو یزید نے سرزمین شام کے شہر حوران میں وفات پائی اس کا سن ۳۹ سال کا تھا مدت خلافت ۳ سال ۸ مہینے ۱۴ دن رہی۔

معاویہ ثانی مروان بن حکم

عبداللہ بن زبیر

یزید کی وفات کے بعد دو بیعتیں ہوئیں۔ ایک شام میں معاویہ بن یزید کی خلافت کے لئے دوسری حجاز میں عبداللہ بن زبیر کے لئے۔ معاویہ کا سن ۲۱ سال کا تھا۔ جب لوگوں نے بیعت کی تو اس نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ

تم لوگوں نے مجھ کو خلیفہ بنایا لیکن میں اپنے اندر اس کے فرائض ادا کرنے کی قوت نہیں پاتا میں نے نظر دوڑائی کہ امت میں کوئی شخص حضرت عمر جیسا ملے تو امارت کو اس کے سپرد کر دوں لیکن نہیں ملا۔ پھر چاہا کہ حضرت عمر کی طرح چند بہترین افراد کو نامزد کر دوں کہ وہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں۔ مگر ایسے لوگ بھی مجھ کو نہ مل سکے۔ اس لئے تم لوگ خود جس کو چاہو منتخب کر لو مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور تین مہینے کے بعد جب وفات پائی تو اس کا جنازہ نکلا۔ اس نوجوان کی خیر خواہی نیک نیتی اور دنیا سے بے نیازی امت میں نہایت پسندیدہ نظروں سے دیکھی گئی۔

ادھر حجاز میں ابن زبیر کی یہ حالت ہوئی کہ یزید کی وفات کے بعد حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھا لیا تو جا کر ان سے ملا اور کہا کہ اب میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نہیں ہے۔ میں بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آپ شام کی طرف چلیں میرے ساتھ جو فوج ہے اس میں وہاں کے اکثر رؤساء و شرفاء ہیں اس لئے مجھے یقین ہے کہ کل اہل شام بلا اختلاف آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے لیکن جو لوگ آپ کے مقابلہ پر لڑے ہیں ان کو امن عام دے دیجئے۔ تاکہ ان کے دل آپ کی طرف سے مطمئن ہو جائیں۔

یہ باتیں حصین نے ان سے آہستہ سے کہی تھیں لیکن وہ بگڑ کر جوش کے ساتھ بلند آواز سے بولے کہ میں معافی کبھی نہیں دوں گا اور قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اپنے ایک ایک مقتول کے بدلے میں دس شامیوں کو قتل کروں گا۔ حصین نے کہا کہ میرا گمان یہ تھا کہ آپ عقل و رائے رکھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ وہ غلط نکلا میں آپ کو خلافت دے رہا ہوں اور آپ قتل و خونریزی پر تلے ہوئے ہیں۔ میں آہستہ کہتا ہوں اور آپ بلند آواز میں بولتے ہیں اس کے بعد وہ اپنی فوج کو لیکر واپس چلا گیا۔

بصرہ میں جب یزید کے مرنے کی خبر پہنچی تو عبداللہ بن زیاد نے وہاں کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ

" اہل بصرہ! میرا مولد و منشا یہی شہر ہے اسی مقام کے والی میرے باپ تھے۔ اور ان کے بعد پھر میں ہوا۔ جس وقت اس صوبہ کی حکومت میں نے اپنے ہاتھ میں لی تھی اس وقت فوج کے دفتر میں کل ۷۰ ہزار نام تھے لیکن اب ان کی تعداد ایک لاکھ ہے اور اس وقت صرف ۹۰ ہزار اشخاص کو وظائف ملتے تھے آج ایک لاکھ چالیس ہزار روپے تقسیم ہوتے ہیں جو لوگ مفسد اور امن میں خلل انداز تھے وہ سب قید خانوں میں ہیں۔ میں نے تمام خطرات مٹا دیئے جس سے امن عام ہو گیا اور رفاہیت اور خوشحالی بہت ترقی کر گئی۔ اب ایسا کوئی دشمن باقی نہیں رہا جس سے تم کو کوئی اندیشہ ہو۔ "

یزید اس دنیا سے گزر گیا اور اہل شام نے ابھی تک کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ آج تمام اسلامی صوبوں میں بلحاظ قوت اور تعداد کے عراق ممتاز ہے تم لوگ جس کو خلیفہ بناؤ سب سے پہلے میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں پھر اگر اہل شام نے کسی کو منتخب کر لیا تو تم کو اختیار ہوگا چاہے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ یا اپنی خلافت جداگانہ قائم رکھو۔ کیونکہ تم دوسرے صوبوں سے مستغنی ہو اور وہ تمہارے محتاج ہیں۔ اہل عراق نے کہا کہ تم سے زیادہ خلافت کے لئے ہم کسی کو موزوں نہیں سمجھتے تم اپنے لئے ہم سے بیعت لو تو ابن زیاد نے انکار کیا لیکن انہوں نے اصرار کیا آخر تین انکار کے بعد اس نے ہاتھ بڑھایا۔ عراقی بیعت کرتے تھے مگر وہاں سے نکل کر اپنے اپنے ہاتھوں کو دیواروں پر رگڑ کر صاف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ابن زیاد یہ سمجھتا ہے کہ ہم اتحاد اور تفرقہ ہر حال میں اس کے تابعدار رہیں گے۔

اہل بصرہ سے بیعت لینے کے بعد اس نے کوفہ والوں سے خواہش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا یہ سن کر بصرہ والوں نے بھی اس کی بیعت فسخ کر دی اس نے خوف زدہ ہو کر حارث بن قیس اور پھر مسعود بن عمرو سالار ازد کے پاس پناہ لی ۔ اس کے بعد ملک شام کی طرف چلا گیا۔ اہل بصرہ نے باہمی مشورہ سے عبداللہ بن حارث کو اور ۔۔۔ اسی طرح اہل کوفہ نے بھی ایک شخص کو اپنا والی بنا لیا۔ پھر دونوں مقامات کے باشندوں نے اپنے اپنے وفود بھیج کر عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ اہل مصر نے بھی انہیں کے ہاتھ پر بیعت کی اب سوائے اہل شام کے جملہ عالم اسلامی ان کی خلافت پر متفق ہو گیا۔

اہل شام

دمشق کے امیر ضحاک بن قیس حمص کے نعمان بن بشیر اور قنسرین کے زفر بن حارث تینوں ابن زبیر کے حامی تھے ۔ اور ان کی خلافت کے لئے بیعت لیتے تھے صرف فلسطین کا والی حسان بن مالک بنی امیہ کا طرفدار تھا۔ اس کے پاس بنی امیہ مجتمع ہوئے ان میں سب سے بہتر مروان بن حکم تھے انہیں کے ہاتھ پر ذی قعدہ ۶۵ ھ میں سب نے بیعت کی ۔ قبیلہ غسان ، کلب اور سکاسک وغیرہ سب اس بیعت میں شریک ہوئے اس کا حال سن کر ضحاک بن قیس نے دمشق سے فلسطین پر فوج کشی کی ۔ محرم ۶۵ ھ میں مرج راہط میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ بیس دن تک میدان کار زار گرم رہا۔ سخت کشت و خون کے بعد آخر بنی امیہ غالب آئے اور ضحاک مارے گئے ۔ نعمان بن بشیر بھی حمص چھوڑ کر بھاگے لیکن وہاں کے لوگوں نے تعاقب کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔ زفر بن حارث قنسرین سے قرقیسا میں جا کر قلعہ گیر ہوگئے بنی امیہ نے اس کا محاصرہ کیا لیکن وہ اپنی جان بچا کر وہاں سے نکل آئے اب سارا ملک شام مروان کے قبضہ میں آگیا اہل مصر نے بھی ان کی خلافت تسلیم کر لی لیکن مروان کا زمانہ بہت کم رہا اور رمضان ۶۵ھ میں وہ انتقال کر گئے۔

مروان

مروان کی ولادت ۲ ھ میں ہوئی تھی ۔ سلسلہ نسب یہ ہے کہ مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ان کی والدہ آمنہ بنت علقمہ بن صفوان تھیں۔ حضرت عثمان کے عہد میں ان کے کاتب اور مشیر رہے اور امیر معاویہ کے عہد میں کئی بار مدینہ منورہ کے والی مقرر ہوئے یزید کی وفات کے بعد بنی امیہ کے ہاتھ سے خلافت تقریباً نکل چکی تھی ۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان کو بیعت لینے کا مشورہ دیا۔ اس کے ہمت دلانے سے تیار ہو گئے ۔ اور بالآخر مرج راہط کی فتح کے بعد شام اور مصر دو صوبوں میں ان کی خلافت قائم ہو گئی۔

عبدالملک بن مروان

مروان نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد مقرر کیا تھا ان کے بعد وہی خلیفہ ہوا۔ عبدالملک کی ولادت ۲۶ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ اس کی والدہ عائشہ بنت معاویہ بن ولید بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ تھیں۔

عبدالملک نہایت عاقل، دور اندیش، ادیب اور فاضل تھا۔ علم میں شیوخ مدینہ منورہ مثلاً سعید ابن مسیب اور عروہ بن زبیر کے ہم رتبہ سمجھا جاتا تھا امام شعبی کا قول ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں جس کو دیکھا اس سے اپنے آپ کو علم و فضل میں زیادہ پایا۔ بجز عبدالملک کے کہ جن مسائل یا اشعار کا اس کے سامنے ذکر آیا۔ ان میں اس نے کچھ نہ کچھ ضرور میرے علم میں اضافہ کر دیا۔

جس وقت اس کے ہاتھ میں خلافت آئی اس وقت عالم اسلامی میں اضطراب عظیم تھا۔ اہل حجاز نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ عراق میں تین فرقے تھے۔ زبیری، شیعہ اور خوارج اور یہ سب کے سب بنی امیہ کے خلاف تھے۔ لیکن وہ اپنی دانش مندی اور عزم راسخ کی وجہ سے تمام مشکلات پر غالب آیا یہاں تک کہ کل ممالک اسلامیہ پر اس کی خلافت مسلم ہو گئی۔

مروان نے ابن زیاد کو ایک فوج دے کر جزیرہ کی طرف بھیجا تھا۔ اور اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جس قدر ملک تم فتح کر لو گے وہ تمہاری ولایت میں رہے گا اس نے جزیرہ کو فتح کر لیا۔ اسی اثناء میں مروان نے وفات پائی عبدالملک نے اس تقرر کو بحال رکھا اور فرمان بھیجا کہ عراق کی طرف پیش قدمی کرو۔

توابین

ابن زیاد جب عین الوردہ پر پہنچا تو اہل عراق کی ایک جماعت سامنے آئی اس کو کسی امیر یا خلیفہ نے نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ یہ شیعہ کی ایک جماعت تھی جو امام حسین کے خون کا مطالبہ اور ان کے قاتلوں سے قصاص لینے کو نکلی تھی ان کی تعداد چھ ہزار تھی اور ان کا سردار سلیمان بن صرد رئیس کوفہ تھا ان لوگوں نے اپنا لقب توابین رکھا تھا کیونکہ امام حسین کی حمایت میں ان سے جو قصور ہوا تھا ان کے قتل ہو جانے کے بعد اس پر سخت نادم ہوئے اور یہ طے کیا کہ جب تک ہم اس خون کا انتقام نہ لیں ہمارے اس گناہ کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مخفی طور پر اسی زمانہ سے ساز و سامان اور اسلحہ فراہم کرتے رہے اور لوگوں کو اپنے ساتھ شرکت کی ترغیب دلاتے رہے۔ ۶۵ھ میں موقع پا کر نکلے اور عین الوردہ پہنچ کر اصل مجرم یعنی ابن زیاد کا مقابلہ ہوا۔ سخت معرکہ ہوا جس میں سلیمان بن مرد اور ان کے اکثر ساتھی مارے گئے۔

مختار

توابین کی بربادی کے بعد کوفہ میں مختار بن ابی عبید ثقفی امام حسین کے خون کے مطالبہ کے بہانے سے اٹھ کھڑا ہوا اس نے مشہور کیا کہ محمد بن حنفیہ نے جو امام مہدی ہیں اس کام کے لئے مجھ کو مامور فرمایا ہے یہی پہلا موقع تھا کہ امام مہدی کا لقب عالم وجود میں آیا۔ مختار یہ چاہتا تھا کہ ابراہیم بن اشتر کو بھی جو شجاع اور نامور رئیس تھا اپنے ساتھ متفق کرے جب اس کے پاس یہ پیغام بھیجا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنی جماعت کا سردار بناؤ تو تیار ہوں ورنہ نہیں۔ تین دن کے بعد مختار خود اس کے پاس گیا اور امام مہدی یعنی محمد بن حنفیہ کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر اس کو دکھلایا جس میں لکھا ہوا تھا کہ مختار کو میں قصاص حسین کے مطالبہ کے لئے نامزد کرتا ہوں تم اس کی بیعت کرو۔ ابراہیم نے کہا کہ میرے پاس محمد بن حنفیہ کے خطوط برابر آتے ہیں۔ لیکن ان میں کبھی انہوں نے اپنا لقب امام مہدی نہیں لکھا جو اس خط میں لکھا ہوا ہے اس پر کئی شخصوں نے شہادت دی کہ امام موصوف نے ہمارے سامنے یہ خط لکھا ہے اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

ابراہیم کو ان شہادتوں پر یقین ہو گیا۔ فوراً صدر سے ہٹ کر وہاں مختار کو بٹھایا اور خود حاشیہ پر بیٹھا اس کے بعد باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ فلاں تاریخ کو ہم لوگ مطالبہ کے لئے نکلیں گے چنانچہ ربیع الاول ۶۶ھ میں یہ جماعت نکلی۔ پہلے عبداللہ بن مطیع کو جو ابن زبیر کی طرف سے کوفے کے والی تھے نکال کر شہر پر قبضہ کیا پھر وہاں کے لوگوں سے اس بات پر بیعت لینی شروع کی کہ کتاب و سنت پر عمل کریں گے اور امام کے قاتلوں سے بدلہ لیں گے۔ اہل بصرہ بھی اس بیعت میں شامل ہوگئے۔ کوفہ کے جو لوگ اس فوج میں شریک تھے جو امام حسین کے مقابلہ کے لئے گئی تھی مثلاً عمر بن سعد وغیرہ۔ مختار نے ان سب کو قتل کر ڈالا اور ان کے مکانات کھدوا کر پھینک دیئے۔ ابن زبیر کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اشتباہ میں محمد بن حنفیہ کو قید کر دیا لیکن مختار نے آدمی بھیج کر ان کو چھڑا لیا۔

اس کے بعد کوفہ سے ایک لشکر ابراہیم اشتر کی ماتحتی میں ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا جو عراق کی طرف فوج لے کر آ رہا تھا۔ فریقین میں چشمہ خازر پر نہایت سخت جنگ ہوئی ابراہیم فتح یاب ہوا اور ابن زیاد مارا گیا۔ عبداللہ بن زبیر نے مختار کی اس شورش کو رفع کرنے کے لئے حجاز سے اپنے بھائی مصعب کو فوج دے کر روانہ کیا۔ انہوں نے پہلے آکر بصرہ کو قابو میں کیا بہت سے لوگ کوفہ کے بھی جو مختار کے خلاف تھے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ مصعب نے خود لشکر لے کر کوفہ پر چڑھائی کی۔ مقام مدار میں مختار نے نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھائی مصعب اس کا تعاقب کرتے ہوئے کوفہ میں داخل ہوئے اور اس کو مع ساتھیوں کے قتل کر ڈالا۔ یہاں تک کہ اس کی بیوہ عمرہ کو بھی جو نعمان بن بشیر کی بیٹی تھی اس سے تبریٰ نہ کرنے پر مار ڈالا۔ حالانکہ عورتوں کو مارنا سپہ گری کی روح کے منافی ہے۔

اس کے بعد پھر سارا عراق ابن زبیر کے قبضہ میں آگیا۔ اب رؤسا عراق نے جن میں وفاداری کم تھی مخفی طور پر عبدالملک سے خط و کتابت شروع کی اس نے ان کا سہارا پا کر عراق پر فوج کشی کی جب فریقین کا مقابلہ ہوا تو اہل عراق مصعب کا ساتھ چھوڑ کر میدان سے ہٹ گئے آخر انہوں نے شکست کھائی اور قتل ہوئے۔ عبدالملک کوفہ میں داخل ہوا اور وہاں کے لوگوں سے بیعت لی۔ اور عراق کے انتظام کے لئے عمال مقرر کئے۔

مثل مشہور ہے کہ تاریخ واقعات کو دہراتی ہے یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس قصر میں ابن زیاد کے سامنے امام حسین کا سر کٹ کر آیا تھا اسی قصر میں ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے آیا اور مختار کا سر مصعب کے اور مصعب کا عبدالملک کے اور یہ سارے انقلابات ۷۱ھ تک یعنی دس سال میں واقع ہوئے۔ عبدالملک نے اس قصر کو منحوس سمجھ کر منہدم کرا دیا۔

محاصرہ مکہ مکرمہ

عراق پر قبضہ ہو جانے کے بعد اب بجز حجاز کے۔ کوئی صوبہ عبدالملک کے تسلط سے خارج نہیں رہا۔ اس لئے اس نے کوفہ سے حجاج ابن یوسف ثقفی کی ماتحتی میں جمادی الاول ۷۲ھ میں ایک فوج اس طرف روانہ کی اس نے پہنچ کر مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا۔ اور منجنیق سے شہر پر پتھر برسانے شروع کئے۔ محاصرہ نے طول کھینچا ابن زبیر کے طرفدار تنگ آگئے اور امان لیکر حجاج کے پاس آنے لگے۔ یہاں تک کہ خود ابن زبیر کے دو بیٹے حمزہ اور حبیب بھی حجاج سے آکر مل گئے۔ عبداللہ بن زبیر نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی والدہ حضرت اسماء کے پاس گئے اور کہا کہ میرے ساتھی یہاں تک کہ میرے بیٹے بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ دشمن مجھے دنیا دینے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ میں اس کی اطاعت کر لوں۔ اب آپ کی کیا رائے ہے۔؟

انہوں نے کہا کہ اگر تجھے یقین ہے کہ تو حق پر ہے تو جس راہ میں تیرے ساتھیوں نے گردنیں کٹائی ہیں اسی میں تو بھی اپنی جان دے دے اور بنی امیہ کی غلامی قبول نہ کر۔ لیکن اگر تو دنیا کے لئے لڑتا رہا ہے تو نہایت برا کیا اپنے کو بھی ہلاک کیا۔ اور اپنے

ساتھیوں کی بھی جانیں گنوائیں۔ اگر تو یہ سوچتا ہے کہ میں حق پر تھا لیکن حامیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اب دشمن سے دب جانا مناسب ہے تو یہ شرفاء اور دین داروں کا شیوہ نہیں۔ اس سے تو قتل ہو جانا بہتر ہے زندگی چند روزہ ہے آخر تو کب تک دنیا میں رہے گا۔ عبداللہ نے کہا کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ قتل کرنے کے بعد اہل شام میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے حضرت اسماء نے کہا کہ بکری جب ذبح ہو گئی تو کھال کھینچنے سے اس کو کیا تکلیف۔

عبداللہ نے اپنی نابینا والدہ کا سر چوم لیا۔ اور کہا کہ میری رائے بھی یہی ہے اور اسی ارادہ سے آج چلا ہوں لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ اپنا خیال ظاہر کرنے سے پہلے تمہاری رائے لے لوں۔ الحمد اللہ کہ تم نے میری بصیرت میں اضافہ کیا اور ہمت میں قوت بخشی لیکن دیکھنا آج میں ضرور قتل ہو جاؤں گا ایسا نہ ہو کہ تم میرے اوپر زیادہ رنج و غم کرو۔ میرے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنا۔ سچ سچ کہتا ہوں کہ نہ میں نے کبھی برائی کو پسند کیا نہ کسی مسلمان پر ظلم کیا۔ نہ کوئی عہد توڑا نہ امانت میں خیانت کی میرے کسی عامل کی اگر کوئی بیجا کاروائی مجھ تک پہنچی تو میں کبھی اس سے راضی نہیں ہوا۔ بلکہ تنبیہہ کی بجز رضائے الہی کے کوئی شے مجھے مطلوب نہیں رہی اے اللہ! میں یہ سب کچھ اپنی مدح کے لئے نہیں بلکہ اپنی ماں کی تسلی کے لئے کہتا ہوں۔ حضرت اسماء نے کہا کہ انشاء اللہ میں صبر جمیل اختیار کرونگی۔ اس کے بعد وہ نکلے اور لڑ کر مقتول ہوگئے۔ حجاج نے ان کی نعش کو سولی پر چڑھا دیا تین دن کے بعد اتار کر حضرت اسماء کے پاس بھیج دیا انہوں نے دفن کرایا اور اس واقعہ کے بیس دن بعد خود بھی انتقال کر گئیں۔

ابن زبیر

عبداللہ کے والد زبیر بن العوام حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابو بکر تھیں جن کا لقب ذات النطاقین تھا۔ ہجرت کے بعد یہ اسلام کے اولین فرزند ہیں ان کی ولادت مسلمانوں کے لئے مبارک فالی اور باعث خوشی ہوئی تھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ ہجرت کے بعد ایک عرصہ تک مدینہ منورہ میں کسی مہاجر کے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی۔ کفار مکہ کہتے تھے کہ ہمارے معبودوں کے دشمنوں کی نسل نہیں چل سکتی۔ جب عبداللہ پیدا ہوئے تو ان کی زبان بند ہوئی۔ اولاد صحابہ میں شجاعت زہد اور عبادت میں ممتاز تھے خلافت راشدہ میں متعدد جنگوں میں شریک ہوئے۔ امیر معاویہ کے عہد میں حملہ قسطنطنیہ میں بھی شامل تھے بلاد خزر اور نیز افریقہ کی فتح میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

یزید کی خلافت پر انہوں نے اور امام حسین نے بیعت نہیں کی۔ اور مکہ مکرمہ میں چلے آئے۔ امام حسین مکہ مکرمہ سے نکل کر جب کوفہ چلے آئے اور کربلا کا واقعہ پیش آیا تو اس کے بعد حجاز میں انہوں نے اپنی خلافت کی بیعت لینی شروع کی۔ یزید نے فوج بھیجی لیکن عین محاصرہ کی حالت میں اس کی وفات کی خبر آگئی اس لئے وہ واپس چلی گئی۔ ۶۶ ھ میں بجز شام کے اور تمام اسلامی صوبوں پر ان کی خلافت قائم ہو گئی۔ ۹ سال خلیفہ رہ کر ۷۲ھ میں مقتول ہوئے۔

حجاج

ابن زبیر کے قتل کے بعد عبدالملک نے حجاج کو حجاز کا امیر مقرر کیا۔ اہل عراق کی شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں اس قدر بڑھ گئیں۔ کہ عبدالملک تنگ آگیا اس لئے ان کی اصلاح کے واسطے حجاج کو حجاز سے منتقل کر کے عراقین یعنی بصرہ اور کوفہ کا والی بنایا۔ وہ صرف بارہ سواروں کو لئے ہوئے کوفہ میں داخل ہوا۔ اس کے سر پر اس وقت سرخ ریشم کا عمامہ اور منہ پر اسی کا ڈھاٹا بندھا ہوا تھا جامع مسجد میں جا کر منبر پر کھڑا ہوا۔ اہل کوفہ نے وہاں ہجوم کیا۔ چونکہ وہ امراء کی تذلیل اور تحقیر کے عادی تھے اس لئے ان میں سے بعض بعض تیر و کمان اور بہت سے حجاج کے اوپر پھینکنے کے لئے مٹھی میں سنگریزے لئے ہوئے تھے۔ حجاج نے ڈھاٹا کھولا۔ اور ایسی ہولناک تقریر کی کہ لوگ لرز اٹھے اور ان کے ہاتھوں سے تیر و کمان اور سنگریزے سب چھوٹ کر گر پڑے اس تقریر کا

خلاصہ یہ ہے۔

" حاضرین! میں یہاں بہت سے سروں کو دیکھتا ہوں کہ ان کے کٹنے کا وقت قریب آگیا ہے اور مجھ کو بہت سے عمامے اور داڑھیاں نظر آتی ہیں جو خون میں شرابور ہونے والی ہیں۔ امیر المومنین نے اپنے تمام تیروں کو دیکھا ان میں جو سب سے سخت اور جگر دوز تھا اس کو تمہارے اوپر چلایا۔ دیکھو! میں وہی تیر ہوں میں تمہاری شرارتیں بھلا دوں گا اور تمہارے سارے بل نکال دوں گا۔ تم ایک زمانہ سے فتنہ اور فساد انگیزی کے بستر پر لوٹتے اور گمراہی اور تفرقہ پردازی کی خواب گاہ میں سوتے رہے اب وقت آیا ہے کہ میں تمہاری آنکھیں کھول دوں اور تمہیں بتاؤں کہ کون سا راستہ ٹھیک ہے تمہاری مثال اس بستی والوں کی مثال ہے جو قرآن میں بیان کی گئی ہے کہ اطمینان کے ساتھ وہ رہتے ہیں اور ہر طرف سے ان کی روزی چلی آتی ہے لیکن انہوں نے اللہ کی ناشکری کی اس لئے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو گیا۔ امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ تمہاری تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں اور تم لوگ مہلب بن ابی صفرہ کے پاس خارجیوں کے مقابلہ میں پہنچ جاؤ۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ تقسیم تنخواہ کے چوتھے دن اگر کوئی مہلب کے پاس نہ گیا اور کوفہ میں نظر آیا تو اس کی گردن اڑا دوں گا تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ میں جو کچھ زبان سے کہتا ہوں اس کو پورا کر کے چھوڑتا ہوں۔"

اسکے بعد غلام سے کہا کہ لوگوں کو امیر المومنین کا فرمان سنا دے اس نے پڑھنا شروع کیا۔

من جانب عبدالملک بہ اہل کوفہ۔ اسلام علیکم! حاضرین میں سے کسی نے بھی سلام کا جواب نہیں دیا۔ حجاج نے یہ دیکھ کر غلام کو روک دیا اور ڈانٹ کر لوگوں سے کہا کہ امیر المومنین تم کو سلام کہتے ہیں اور تمہارے منہ سے جواب نہیں نکلتا۔ یہاں کے امراء نے یہی سبق تم کو سکھایا ہے میں تم کو ٹھیک کر کے رہوں گا۔ یہ سن کر تمام مجمع نے ہم آواز ہو کر سلام کا جواب دیا۔

حجاج نے تنخواہیں تقسیم کرنی شروع کیں ایک نہایت سن رسیدہ شخص جس کے جسم میں رعشہ تھا آیا۔ اس نے تنخواہ لی اور کہا کہ اب میں لڑائی کے قابل نہیں رہا میرے بجائے میرے بیٹے کو بھیج دیجئے حجاج نے منظور کیا کسی نے کہا کہ آپ کو خبر بھی ہے کہ یہ بڈھا کون ہے۔ یہ عمیر بن ضابی برجمی ہے جو حضرت عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد ان کے گھر میں پہنچا تھا اور ان کے سینے پر چڑھ کر ان کی دو پسلیاں توڑ ڈالی تھیں اور اس پر فخریہ اشعار کہے تھے۔ حجاج نے اس کو واپس بلایا اور کہا کہ اے شیخ! خلیفہ مظلوم کی پسلیاں توڑنے کے لئے اپنے بدلہ میں کسی اور کیوں نہیں بھیجا۔ پھر اس کو اپنے سامنے قتل کرا دیا۔ لوگوں کا یہ حال تھا کہ تنخواہیں لے لے کر اپنے رشتہ داروں کے حوالے کرتے تھے کہ ہم مہلب کے پاس جاتے ہیں۔ تم ہمارا سامان ٹھیک کر کے وہیں بھیج دینا۔

حجاج کے خطبہ اور اس کے عمل پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سختی اور ظلم کا رویہ اختیار کیا تھا اور یہ سیاست وہ ہے کہ اس سے حقیقی اصلاح کبھی نہیں ہو سکتی۔ صرف دہکتے ہوئے انگاروں پر خاکستر ڈالی جا سکتی ہے لیکن جب پھر ہوا چلے گی تو آگ بھڑک اٹھے گی۔ نیز اہل عراق کی ذلت اور دنائت طبع کی بھی اس سے شہادت ملتی ہے کہ وہ صرف بارہ سواروں کے ساتھ ان کے شہر میں داخل ہوتا ہے اور وہاں کے بڑے بڑے رؤسا و شرفاء کے مجمع کو ڈراتا دھمکاتا ہے اور پھر ان کے اوپر طرح طرح کے بیجا ظلم و ستم کرتا ہے اور وہ خاموشی کے ساتھ بھیڑوں کی طرح سر جھکائے رہتے ہیں اور ان سب کو برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ فتنہ اور فساد کے وقت یہی لوگ شیر نظر آتے تھے۔ لیکن آئندہ معلوم ہو گا کہ ان کی فروتنی بھی وقتی تھی اور جب تفرقہ کا موقع ملا تو پھر اس جوش و خروش کے ساتھ انہوں نے حصہ لیا۔

حجاج نے بصرہ میں بھی اسی قسم کی تقریر کی جیسی کوفہ میں کی تھی وہاں ایک شخص نے آکر تنخواہ واپس کی اور کہا کہ مجھ کو فتق کا عارضہ تھا امیر سابق بشیر بن مروان نے اس معذوری کی وجہ سے مجھے فوجی خدمت سے سبکدوش کر دیا تھا آپ بھی معاف کیجئے حجاج نے اس کو قتل کر دیا اس سے اہل بصرہ پر اس قدر رعب غالب ہوا کہ فوراً وہ لوگ مہلب کی فوج میں مقام رامہرز میں پہنچ کر

شریک ہوئے۔ ۲۷ھ میں حجاج نے عبداللہ بن ابی بکرہ کو سیستان کی مہم پر روانہ کیا۔ کیونکہ وہاں کا فرماں روا رتبیل باغی ہو گیا تھا اور بہت سے مسلمانوں کو اس نے قتل کر ڈالا تھا۔ عبداللہ نے پہنچ کر جنگ شروع کی اور اس کے اندرون ملک میں گھستے چلے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں سے گھر گئے اور ان کی فوج کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔

حجاج نے بیس ہزار فوج بصرہ سے اور اسی قدر کوفہ سے نہائت ساز و سامان کے ساتھ عبدالرحمن بن اشعث کی ماتحتی میں پھر روانہ کی۔ عبدالرحمن نے فتح کرنا شروع کیا جس جس شہر پر قبضہ کرتا تھا اس کا پورا انتظام کر کے آگے بڑھتا تھا۔ جب بہت سے مقامات فتح ہو چکے تو کہا کہ اب اس تمام مفتوحہ علاقہ کا بندوبست کرنے کے بعد ہم سال آئندہ آگے بڑھیں گے۔ حجاج نے لکھا کہ تمہاری یہ رائے کمزوری اور سستی کی وجہ سے ہے غنیم نے عہد شکنی کی ہے سرحدی مقامات کو تاخت و تاراج کیا ہے مسلمانوں کو قتل کر کے ان کے اہل و عیال کو پکڑ کر لے گیا ہے۔ تم کو چاہیئے کہ اس کے قلعوں کو مسمار کر کے ڈھادو اور اس کے ملک پر قبضہ کر کے اس کو سزا دو اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو اپنے بھتیجے اسحاق بن اشعث کو فوج کی سپہ سالاری سپرد کر دو اور خود میرے پاس واپس چلے آؤ۔

فتنہ ابن اشعث

یہ فرمان جس وقت پہنچا تو اہل فوج نے جس میں تمام تر عراقی تھے متفق ہو کر حجاج کی مخالفت کی اور کہا کہ ہم اس کو اپنا امیر نہیں مانتے عبدالرحمان کے ہاتھ پر امارت کی بیعت ہوئی۔ رتبیل کے ساتھ مصالحت کر کے یہ لوگ عراق کی طرف واپس چلے کہ وہاں سے حجاج کو نکال دیں فوج کے آگے اعشیٰ شاعر تھا جو حجاج کی ہجو اور عبدالرحمن کی مدح میں اشعار پڑھتا تھا۔ صوبہ فارس میں پہنچ کر عراقیوں نے کہا کہ جب ہم نے حجاج کو امیر نہیں رکھا تو عبدالملک ہمارا خلیفہ نہیں رہا۔ لہٰذا عبدالرحمن کو ہم خلیفہ مانتے ہیں چنانچہ کل فوج نے اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ حجاج نے ان واقعات سے عبدالملک کو مطلع کیا اس نے امداد کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ حجاج ان کو لیکر تستر کی طرف آیا۔ جب مقابلہ ہوا تو عراقیوں نے اس مقدمہ لشکر کو شکست دے دی۔ حجاج وہاں سے ہٹ کر مقام زاویہ میں آکر مقیم ہوا۔ عبدالرحمن نے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے فوج لے کر آیا۔ زاویہ میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ بہت خونریز جنگ ہوئی۔ پہلے شامیوں نے شکست کھائی لیکن حجاج کی ثابت قدمی کی وجہ سے پھر پلٹے اور عراقیوں کے میمنہ کو الٹ دیا۔ عبدالرحمن میدان چھوڑ کر کوفہ کی طرف گیا اور دار الامارۃ پر قبضہ کر لیا حجاج اس کے پیچھے جا کر دیر قرہ میں خیمہ زن ہوا۔

عبدالملک نے مصلحت اندیشی اور عراقیوں کو خوش کرنے کے خیال سے محمد بن مروان کو روانہ کیا اور رؤسا عراق کو لکھا کہ اگر تم حجاج کے مخالف ہو تو میں اس کو معزول کر کے اس کے بجائے اپنے بھائی کو تمہاری امارت کے لئے بھیجتا ہوں۔ اہل عراق نے جواب دیا کہ ہم حجاج کی امارت اور تمہاری خلافت کسی کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ محمد بن مروان نے حجاج سے کہا کہ یہ سرکش نہیں مانتے۔ اب تم یہاں کے والی ہو جس طرح ہو سکے اس مہم کو سر کرو۔

عبدالرحمن اور حجاج کی فوجوں میں دیر جماجم میں پورے سو دن تک جنگ قائم رہی آخر ۱۴ جمادی الثانی ۸۳ھ کو عبدالرحمن نے شکست کھائی حجاج نے اعلان کیا کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے اور جو پلٹ آئے یا رے میں قتیبہ کے پاس چلا جائے اس کو امان ہے۔ فتح کے بعد وہ کوفہ میں داخل ہوا اور تجدید بیعت کے لئے لوگوں کو بلایا۔ ہر شخص سے پہلے اس کے کافر ہونے کا اقرار کرا کے پھر بیعت لیتا تھا۔ جو اپنے کفر کا اقرار نہیں کرتا تھا اس کو قتل کر دیتا تھا۔ اعشیٰ شاعر بھی گرفتار ہوا۔ حجاج نے کہا کہ اپنے وہ اشعار سناؤ جن سے باغیوں کو جوش دلاتے تھے اس نے ایک نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ حجاج کی مدح میں پڑھا لوگوں کو امید ہوئی کہ شاید اس کو معافی مل جائے لیکن حجاج نے وہیں اپنے سامنے قتل کرا دیا۔

عبدالرحمن کا فتنہ اہل عراق کی آخری شورش تھی اس میں وہ بالکل تباہ و برباد ہوگئے اور ان کے زیادہ تر رؤسا و شرفا مٹ گئے چنانچہ اس کے بعد پھر وہ کوئی فتنہ برپا نہیں کر سکے۔ عبدالرحمن نے بھاگ کر رتبیل کے یہاں پناہ لی۔ حجاج نے لکھا کہ ہمارے مجرم کو بھیج دو ورنہ ہم خود آئیں گے۔ عبدالرحمن نے جب رہائی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو کوٹھے پر سے گر کر خود کشی کر لی۔ رتبیل نے اس کے اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر حجاج کے پاس بھیج دیئے۔ ۶۱ھ سے ۸۶ھ تک امت اسلامیہ کا ۲۵ سال کا زمانہ شورش، فتنہ اور اضطراب میں گزرا۔ بڑے بڑے اشخاص خلافت کا دعویٰ لے کر کھڑے ہو جاتے تھے جس کی بدولت تفرقہ پڑ جاتا تھا اور امت میں باہم جنگ و خونریزی ہونے لگتی تھی۔ تعجب یہ ہوتا ہے کہ کیا یہ لوگ کتاب اللہ کو نہیں پڑھتے تھے جس میں دنیا طلبی اور امت میں تفرقہ اندازی اور فتنہ انگیزی کی سخت مذمت ہے یا عاقبت اندیش نہ تھے کہ امت کی قوت اور شوکت کو آپس میں لڑا کر فنا کر دینے کا انجام کیا ہوگا یا ان کو عقبیٰ کا خوف نہ تھا کہ اپنے اغراض کے لئے مسلمانوں کا خون بہانے میں کوئی باک نہیں ہوتا تھا۔

خود خلفائے وقت بھی اس مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے امت کو مطیع بلکہ غلام بنانے کے لئے سخت جابرانہ سیاست رکھی اور ان کے دلوں میں اپنی محبت اور ہمدردی پیدا کرنے کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا اس وجہ سے جس وقت اس کو کوئی خلیفہ کا مخالف ملتا وہ اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتی۔

خوارج

یزید کے زمانہ میں جب شامی فوج نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا اس وقت خارجیوں کی ایک جماعت وہاں پہنچی کہ اگر عبداللہ بن زبیر ہمارے ہم خیال ہوں تو ہم ان کی امداد کریں اس جماعت کے سرگروہ نجدہ بن عامر اور نافع بن ارزق تھے۔ یہ لوگ ان سے ملے اور پوچھا کہ شیخین کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ بہترین خلفاء تھے خوارج نے کہا کہ حضرت عثمان کو آپ کیسا سمجھتے ہیں جنہوں نے ایسی باتیں کیں جو اسلام اور انصاف کے خلاف تھیں جن کی وجہ سے ان کی بیعت فسخ اور امامت فاسد ہو گئی تھی اور اپنی خلافت کے آخری چھ سال میں وہ واجب القتل ہو گئے تھے۔ پھر ان کے بعد جس نے بیعت لی اور حکم الٰہی میں اشخاص کو ثالث بنایا۔ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ نیز اپنے والد اور حضرت طلحہ کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے جو ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کے بعد محض دنیاوی خواہش سے اس کے مقابلہ کو نکلے اور حضرت عائشہ کو بھی اپنے ساتھ لا کر میدان جنگ میں کھڑا کیا۔ حالانکہ حرم رسول کو اللہ تعالیٰ نے صاف صاف الفاظ میں حکم دیا ہے کہ تم اپنے گھروں میں جاگزیں رہو۔ اگر ان سب باتوں میں آپ ہمارے ہم خیال ہوں تو اللہ اس کا اجر دے گا۔ اور ہم آپ کی مدد کے لئے تیار ہیں ورنہ آپ قیامت میں رسوا اور دنیا میں ذلیل ہوں گے۔

عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں بھی حضرت موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردوں کی برائی کر کے زندوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ چنانچہ اسی خیال سے عکرمہ بن ابی جہل آزردہ نہ ہوں لوگوں کو ابو جہل کو برا کہنے سے منع فرما دیا۔ جب فرعون اور ابو جہل جیسے لوگوں کو برا کہنے کی اجازت نہیں ہے تو میں ان بزرگوں اور خاص کر اپنے باپ کو کیونکر برائی کے ساتھ یاد کر سکتا ہوں باپ کے جو حقوق اولاد پر ہیں وہ تو تم کو معلوم ہیں ہاں بلا تصریح یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ ظالموں سے بری ہوں اب جو بھی ظالم ہے وہ اس میں داخل ہے۔ دوسرے دن خوارج پھر ان کے پاس گئے اور تصریح چاہی انہوں نے کھڑے ہو کر حضرت عثمان زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم کی مدح و ثنا میں ایک مدلل تقریر فرمائی اور خوارج کے جس قدر اعتراضات تھے سب کے جواب دیئے۔ خوارج ان سے مایوس ہو گئے۔ انکی ایک جماعت یمامہ کی طرف گئی دوسری نافع بن ازرق کے ساتھ اہواز پہنچی۔ اور وہاں سے خلیفہ کے عامل کو نکال کر خراج وصول کرنا شروع کیا۔

اب تک یہ فرقہ متحد تھا لیکن نافع کی وجہ سے اس میں تفرقہ پڑ گیا کیونکہ اس نے کل دارالسلام کو دارالحرب قرار دیا اور کہا کہ ان کے بچوں کا مار ڈالنا اور ان کی امانتوں کا غصب کر لینا حلال ہے۔ نہ ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ روا ہے جو لوگ دین کی مدد کے لئے تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو جائیں صرف وہی مسلمان ہیں اور باقی سب کافر ہیں۔ تقیہ حرام ہے جو لوگ فتنہ سے کنارہ کشی کر کے الگ بیٹھ جائیں اور تیغ بکف ہو کر اسلام کی خدمت کے لئے نہ نکلیں وہ بھی بمنزلہ کفار کے ہیں۔ نجدہ بن عامر نے اس کی مخالفت کی دونوں کے درمیان تحریری بحث ہوئی نیز ہیصم بن جابر اور عبداللہ بن اباض نے بھی جو خارجیوں کے سرغنے تھے نافع کے قول کو نہیں تسلیم کیا ان کا خیال یہ تھا کہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے مخالف بھی حق کے اسی طرح دشمن ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداء تھے لیکن فرق یہ ہے کہ یہ لوگ توحید کا اقرار اور کتاب اللہ کو تسلیم کرتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ مناکحت وغیرہ ناجائز نہیں ہے۔ عبداللہ بن صفار رئیس خوارج کے پیرو جو صفریہ کہے جاتے تھے ان لوگوں کو جو فتنہ سے الگ ہو کر بیٹھ جائیں برا نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ یہ ساری جماعت خانہ نشین ہو گئی۔

نافع بن ارزق جو تمام خوارج میں سخت تر تھا اس کا قبضہ اہواز سے بصرہ کے قریب تک پہنچ گیا۔ دس ہزار اہل بصرہ سلیم بن عبیس کی ماتحتی میں اس سے لڑنے کے لئے گئے۔ دولاب میں مقابلہ ہوا۔ نافع اور سلیم دونوں مارے گئے۔ خوارج نے عبیداللہ بن بشیر کو اپنا سردار بنایا اور اہل بصرہ نے ربیع بن عمرو کو تقریباً ایک مہینے تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر میں بصریوں نے شکست کھائی۔ اس ہزیمت کی خبر سے اہل بصرہ میں بہت پریشانی پھیل گئی۔ وہاں کے اہل رائے و رؤساء مجتمع ہو کر مہلب کے پاس گئے اور کہا کہ خوارج کی مہم بلا تمہارے سر نہیں ہو سکتی اس نے کہا کہ تین شرطیں ہیں۔

(۱) جس قدر علاقہ میں ان سے لوں اس کی حکومت میرے ہاتھ میں رہے۔

(۲) جنگ کے لئے ساز و سامان اور اسلحہ کا بندوبست بیت المال سے کیا جائے۔

(۳) بصرہ کے شہسواروں اور بہادروں میں سے جن کو میں منتخب کروں کا وہ لوگ میرے ساتھ چلیں۔

یہ تینوں شرطیں منظور کی گئیں اور مہلب ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا ایک ایک مقام سے ان کو ہٹاتا ہوا اہواز تک گیا۔ وہاں انہوں نے اپنے قدم جمالئے یہاں تک کہ اہل بصرہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر میدان سے بھاگ چلے۔ لیکن مہلب کی ثابت قدمی دیکھ کر پھر پلٹے خوارج کا سردار مارا گیا۔ اور وہ ہزیمت اٹھا کر بھاگے۔ تعاقب میں بہت سے مارے گئے۔ بقیۃ السیف نے کرمان میں آکر دم لیا۔ مہلب اپنی فوجیں لے کر برابر ان کے پیچھے لگا رہا۔ عراق میں جب عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب امیر ہو کر آئے تو انہوں نے مہلب کو موصل کا عامل بنا کر بھیج دیا اور خوارج کے مقابلہ میں عمر بن عبیداللہ بن معمر کو مقرر کیا۔ خوارج اس وقت ارجان میں مجتمع تھے اور ان کا سردار زبیر بن علی تھا۔ عمر نے پہنچ کر ان کو شکست دی۔ وہ اصفہان میں آگئے۔

عمر نے فوج کو لیکر سابور میں مقام کیا۔ مالک بن حسان نے کہا کہ مہلب کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ رات کو نگہبان اور طلائے رکھا کرتے تھے تاکہ دشمن پیچھے سے نہ آ پڑے۔ عمر نے کہا کہ تم کو معلوم نہیں کہ موت قبل از وقت نہیں آ سکتی۔ اتفاق یہ ہوا کہ اسی رات کو خوارج نے شبخون مارا مگر نقصان اٹھا کر گئے۔ عمر نے مالک سے کہا کہ تم نے دیکھا، اس نے کہا ہاں! لیکن مہلب کے ساتھ ان کو جرات نہیں ہو سکتی تھی۔ خوارج اصفہان سے اہواز اور وہاں سے اصطخر تک تاخت و تاراج اور قتل و غارت کرتے پھرتے تھے۔ آخر مصعب نے پھر مہلب کو موصل سے بلا کر خوارج کی مہم پر مامور کیا۔ ان کا سردار اس وقت قطری بن الفجاۃ تھا جس کو وہ امیر المومنین کہتے تھے۔

مہلب فوج لے کر اہواز پہنچا۔ خوارج وہاں سے رامہرمز کی طرف چلے گئے۔ اسی دوران میں مصعب مارے گئے اور عبدالملک نے فتح پائی۔ خوارج کو یہ خبر پہلے معلوم ہو گئی انہوں نے مہلب کی فوج سے پکار کر پوچھا کہ مصعب کو تم لوگ کیسا سمجھتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ امام ہادی ۔ پھر پوچھا کہ عبدالملک کو ۔؟ ادھر سے جواب دیا گیا کہ گمراہ اور گمراہ کن ۔ دو روز کے بعد مہلب کے پاس بھی اطلاع آ گئی تو خوارج نے پوچھا کہ مصعب کو کیسا سمجھتے ہو ادھر سے لوگ چپ رہے پھر انہوں نے کہا عبدالملک کو؟ لوگوں نے جواب دیا۔ " امام ہادی ؟" خوارج نے کہا کہ کل جو گمراہ اور گمراہ کن تھا وہی آج امام مہدی ہو گیا اے دنیا کے بندو ! تم پر لعنت ہو۔

عبدالملک نے بصرہ کا والی خالد بن عبداللہ کو مقرر کیا اس نے مہلب کو معزول کرنا چاہا اہل بصرہ نے کہا کہ یہاں محض اسی وجہ سے امن قائم ہے کہ مہلب اہواز میں ہے اگر تم اس کو معزول کر دو گے تو خوارج چڑھائی کر دیں گے لیکن خالد نے ان کے مشورہ کو قبول نہیں کیا۔ مہلب کو خراج کی تحصیل پر لگایا اور اپنے بھائی عبدالعزیز کو اس کے بجائے امیر الجیش بنا کر بھیجا۔ خوارج نے دار الجبرد میں اس کو سخت شکست دی۔ عبدالملک نے خالد کو لکھا کہ یہ نقصان تمہاری غلطی سے ہوا۔ مہلب جیسے شجاع اور تیغ آزما سردار کو ہٹا کر عبدالعزیز کو سالار فوج بنانا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ لہٰذا اب تم خود فوج لے کر جاؤ اور مہلب کے مشورہ سے خوارج کا مقابلہ کرو۔ میں نے اپنے بھائی بشیر بن مردان والی کوفہ کو حکم لکھا ہے وہ بھی تمہاری امداد کے لئے فوج بھیجے گا۔ خالد اس حکم کے مطابق مہلب کے ساتھ اہواز کی طرف گیا کوفہ سے بھی کمک کے لئے چار ہزار سوار آ گئے ۔ خوارج مقابلہ کی تاب نہ لا کر وہاں سے ہٹ گئے فوج نے ان کا تعاقب کیا لیکن راستہ اس قدر دشوار گزار تھا کہ فوج کے اکثر گھوڑے مر گئے اور بیشتر سوار پیادہ واپس آئے۔ اسی زمانہ میں بحرین میں ابوفدیک خارجی نے سر اٹھایا خالد نے اس کے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی لیکن وہ شکست کھا گئی ۔ عبدالملک نے یہ دیکھ کر خالد کو معزول کر دیا اور اس کے بجائے بشیر والی کوفہ کو مقرر کیا اور لکھا کہ خارجیوں کی مہم کو بالکل مہلب کے سپرد کر دو مجھے اس کی شجاعت جنگی تدابیر اور امت کی خیر خواہی پر اعتماد ہے اور منتخب فوج اس کے ساتھ کر دو۔

بشیر کو مہلب کا تقرر خود خلیفہ کی طرف سے ناگوار گزرا چنانچہ اس کینہ ور اور بدخواہ امیر امت نے جب فوج روانہ کی تو اس کے سردار عبدالرحمن بن مخنف کو ناعاقبت اندیشی سے یہ ہدایت کی کہ تم خود اپنی رائے سے کام کرنا۔ مہلب کے حکم کی تابعداری کرنے کی تم کو کچھ ضرورت نہیں ہے میں بلحاظ تمہاری شجاعت اور شرافت کے تمہیں کو سپہ سالار مقرر کرنا چاہتا تھا لیکن خلیفہ نے بے سمجھے بوجھے یہ مہم مہلب کے سپرد کر دی۔

یہ فوج رامہرمز میں پہنچی خوارج مقابلہ میں آئے لیکن اسی دوران میں بشیر کی وفات کی خبر آ گئی اس کو سن کر کوفہ اور بصرہ کے بہت سے لوگ میدان چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ بشیر کے بجائے خالد بن عبداللہ مقرر ہوا تھا اس نے ہر چند لوگوں سے کہا کہ تم جنگ میں جا کر شریک ہو اور خلیفہ کے حکم سے سرتابی نہ کرو۔ لیکن کوئی نہیں گیا۔ عبدالملک نے ان کی نافرمانی کا حال سن کر ۷۵ھ میں جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ حجاج بن یوسف کو عراق کا والی بنا کر بھیجا۔ اس کے دباؤ سے اہل کوفہ و بصرہ پھر مہلب کے پاس پہنچ گئے۔

مہلب سابور میں مقیم تھا۔ تقریباً ایک سال تک خوارج سے مقابلہ ہوتا رہا۔ چونکہ کرمان پر خارجیوں نے قبضہ کر لیا تھا اس لئے مہلب نے اسی طرف پیش قدمی کی اور صوبہ فارس میں بھی تقریباً ایک سال تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ حجاج نے براء بن قبیصہ کے ہمراہ ایک فوج امداد کے لئے بھیج دی اور مہلب کو لکھا کہ بہت زمانہ گزر گیا اس مہم کو جلد ختم ہونا چاہیئے۔ مہلب ساری فوج لے کر خارجیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوا اپنے ساتوں بیٹوں کو ایک دستہ ایک کا امیر بنایا اور خود ایک ٹیلہ پر کھڑا ہو کر لڑانا شروع کیا۔ سخت معرکہ آرائی ہوئی رات کو فوجیں واپس آئیں۔ براء نے کہا تمہارے بیٹوں جیسا بہادر اور تمہارے سواروں جیسے سوار میں نے آج تک نہیں دیکھے اور نہ اس قسم کی سخت لڑائی میری نظر سے گزری مگر بات یہ ہے کہ فتح آسمان سے اترتی ہے اور انسان کی کوشش پر موقوف نہیں۔ براء نے واپس آ کر حجاج کو اصل کیفیت سے مطلع کیا اور کہا کہ نہ مہلب کا قصور ہے نہ فوج کا بلکہ خوارج کی جماعت نہایت جانباز اور سرفروش ہے ان سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں ہے۔

مہلب وہاں اٹھارہ مہینے تک لڑتا رہا اور خوارج مغلوب نہیں ہوسکے۔ لیکن اسی اثناء میں خود خوارج کی جماعت میں ایک ایسا واقعہ ہوگیا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔ یعنی ان کے ایک نامی شہسوار مقعطر نے کسی جھگڑے کی بنیاد پر اپنی ہی جماعت کے ایک شخص کو مار ڈالا۔ مقتول کے ورثا امیر خوارج قطری کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ قاتل کو ہمارے حوالے کردو اس نے انکار کیا اور کہا کہ مقعطر ایک فاضل اور دیندار شخص ہے اس نے تاویل شرعی کی بناء پر اس کو قتل کیا ہے اگر اس کا جرم ثابت ہو سکتا ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس نے تاویل میں غلطی کی ایسی حالت میں میں قصاص کو لازم نہیں سمجھتا اس فیصلہ کی وجہ سے جماعت خوارج میں اختلاف پیدا ہوگیا اور ایک گروہ نے قطری کی بیعت فسخ کر کے عبدربہ الکبیر کو اپنا سردار بنایا اب دونوں فریق میں باہم لڑائی شروع ہوئی جو تقریباً ایک مہینہ تک جاری رہی۔ حجاج کا یہ خیال تھا کہ اسی حالت میں ان پر حملہ کیا جائے لیکن مہلب نے اس کو پسند نہیں کیا اور وہ خاموش رہا۔

جب دونوں فریق خوب لڑ چکے اور قطری شکست کھا کر اپنے ساتھیوں کو لے کر طبرستان کی طرف چلا گیا تو مہلب نے عبدربہ کی جماعت کے مقابلہ کے لئے اپنی فوج بڑھائی اور ان سب کو قتل کر دیا۔ اس فتح کے بعد مہلب کوفہ میں آیا۔ حجاج نے ایک عظیم الشان دربار کیا اس کو اپنے برابر مسند پر بٹھایا شعراء نے اس کی مدح میں قصیدے پڑھے جن لوگوں نے خوارج کے مقابلہ میں بہادری کے جوہر دکھائے تھے ان کو انعامات دیئے گئے۔ ان میں سب سے بہتر خود مہلب کے ساتوں بیٹے تھے ان کی تنخواہوں میں دو دو ہزار سالانہ کا اضافہ کیا گیا۔

رقاد ایک دراز قد شخص نے بھی اس جنگ میں شہرت حاصل کی تھی حجاج نے بلا کر اس سے گفتگو کی اس نے کہا کہ میں پہلے بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوا ایک معمولی سوار سمجھا جاتا تھا۔ خوارج کے مقابلہ میں خود مہلب اور ان کے بیٹوں کی شجاعت دیکھ کر میری جرات بڑھ گئی اور مجھ سے وہ کام ہوئے جو دوسری لڑائیوں میں نہیں ہو سکے تھے۔ حجاج نے قطری کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی طبرستان میں مقابلہ ہوا۔ قطری ایک ٹیلہ پر چڑھتے ہوئے گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوگیا اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگے۔ قومس تک ان کا تعاقب کیا گیا وہاں سب کے سب مقتول ہوگئے۔ خوارج کا یہ فرقہ نافع بن ارزق کی پیروی کرنے کی وجہ سے ازارقہ بولا جاتا ہے ایک مدت تک امت کو قتل و جنگ میں مشغول اور ہر قسم کے مصالح سے محروم رکھ کر بلا کسی فائدہ اور نتیجہ کے آخر ۷۸ھ میں تباہ برباد ہوا۔ دوسرے فرقہ کے خوارج میں سے صالح بن مسرح اور اس کے رفیق شبیب بن یزید نے ۷۶ھ میں سرزمین موصل میں سر اٹھایا۔ امیر جزیرہ محمد بن مروان نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک ہزار سوار روانہ کئے انہوں نے مار کر بھگا دیا پھر دوبارہ تین ہزار سپاہی بھیجے جب لڑائی ہوئی تو خوارج کا سردار صالح مارا گیا انہوں نے متفق ہو کر شبیب کے ہاتھ پر جو بڑا زاہد اور عابد شخص تھا۔ بیعت کر لی وہ ان کو ساتھ لے کر مدائن کی طرف چلا گیا۔ حجاج ان کے پیچھے برابر فوجیں بھیجتا رہا اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے ان کی کل تعداد ایک ہزار سے زائد نہ تھی۔

آخر شبیب جرات کر کے خود کوفہ میں گھس آیا کئی دن تک وہاں رہا بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور باشندوں پر سختیاں کیں حجاج امراء و رؤسا قبائل کو جمع کر کے ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ خوارج وہاں سے نکل کر چلے گئے اور کوئی ان کا تعاقب بھی نہ کر سکا۔ پھر حجاج نے پچاس ہزار عراقیوں کو روانہ کیا کہ ان کا استیصال کر دیں لیکن ان ایک ہزار خارجیوں نے ان پچاس ہزار کو شکست دے دی اور دوبارہ پھر کوفہ میں آگئے وہاں چار ہزار شامی فوج موجود تھی اس نے چاروں طرف سے نیزوں سے ان کو محصور کر لیا شبیب کا بھائی مصاد اور بہت سے خارجی مارے گئے باقی بچ کر نکل بھاگے شامیوں نے تعاقب کر کے مقام انبار میں گھیرا۔ وہاں شبیب نالہ میں ڈوب کر مرگیا اور اس کے کل ساتھی مقتول ہوگئے۔ اس طرح خارجیوں کا یہ فرقہ بھی ختم ہوا۔

فتوحات

عبدالملک کے عہد میں ہر چند کہ اندرونی شورشیں برپا رہیں اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی تاہم چونکہ اس وقت امت کے جنگی اور فاتحانہ جذبات جوش پر تھے اس لئے کچھ نہ کچھ ممالک تسخیر ہوتے رہے۔ خوارج کی مہم سے فارغ ہو کر مہلب نے مشرق کا رخ کیا۔ ۸۰ھ میں دریائے جیحوں سے آکر شہر کس میں فروکش ہوا۔ ترکستان کا ایک امیر سبل مقابلہ کے لئے آیا۔ مہلب کے بیٹے یزید نے اس کو شکست دی وہ قلعہ گیر ہو گیا اور پھر کچھ پیشکش دیکر صلح کر لی۔

شاہ بخارا چالیس ہزار فوج لے کر نکلا۔ مہلب کا دوسرا بیٹا حبیب اس کے مقابلے کے لئے گیا۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ مہلب دو سال تک وہاں رہا اسی زمانہ میں اس کا بیٹا مغیرہ جو اس کی طرف سے مرو کا عامل تھا انتقال کر گیا اس کا اس کو سخت صدمہ ہوا خود مرو میں آیا اور وہیں ذی حجہ ۸۲ھ میں وفات پا گیا۔ عبدالملک نے اس کے بیٹے یزید کو اس کے بجائے خراسان کا والی بنا دیا تھوڑے دنوں کے بعد حجاج نے یزید کو معزول کر کے اس کے بھائی مفضل کو اس کی جگہ پر مقرر کیا اس نے بادغیس کو فتح کیا پھر مفضل کو بھی علیحدہ کر کے قیتبہ بن مسلم باہلی کو بھیجا۔

اندرونی خلفشار کی وجہ سے شمال میں رومیوں کا غلبہ زیادہ ہو گیا تھا عبدالملک جس وقت مصعب کے مقابلہ کے لئے شام سے عراق کی طرف روانہ ہو گیا اس وقت رومیوں نے شام پر حملہ کیا عبدالملک نے ایک ہزار دینار روزانہ خراج پر مجبوراً ان سے صلح کر لی۔ جب باہمی شورش کی گھٹا اٹھ گئی اور شام میں شواتی اور صوائف فوجیں مرتب ہو گئیں تو مقام قیساریہ میں رومیوں کے ساتھ ایک بڑا معرکہ ہوا جس میں ان کو شکست ہوئی۔ ۸۱ھ میں قالیقلا اور ۸۴ھ میں مصیصہ کو ان کے ہاتھ سے عبداللہ بن عبدالملک نے چھین لیا۔

بناء کعبہ

آنحضرت کی بعثت سے قبل قریش نے جب کعبہ کی تعمیر کی تھی تو سرمایہ گھٹ جانے کی وجہ سے شمالی سمت میں بنیاد ابراہیمی سے چھ گز عمارت چھوٹی کر دی گئی۔ یزید کے عہد میں حصین نے جب محاصرہ کیا اور منجنیق سے پتھر پھینکے تو کعبہ کی دیواریں جابجا سے ٹوٹ گئیں۔ عبداللہ بن زبیر نے ۶۵ھ میں کعبہ کو منہدم کرا کے نئے سرے سے تعمیر شروع کی اور چونکہ انہوں نے نبی سے یہ سنا تھا کہ اگر اہل مکہ نئے نئے مسلمان نہ ہوتے تو میں کعبہ کو گرا کر پھر بنیاد ابراہیمی پر بناتا۔ اس لئے قدیم بنیادوں پر اس کو بنایا۔ اور شمال جانب چھ گز بڑھا دیا۔

جب عبداللہ قتل ہو گئے اور حجاج مکہ مکرمہ کا والی ہوا تو اس نے پھر کعبہ کو قریش کی بنیادوں پر کر دیا۔ اب اس کی موجودہ عمارت کسی قدر ابن زبیر کی بنائی ہوئی ہے اور باقی حجاج کی۔

حج

اپنی خلافت کے زمانہ میں عبداللہ بن زبیر امیر حج ہوتے رہے۔ ۶۸ھ میں امت میں ایسا تفرقہ تھا کہ میدان عرفات میں ایک وقت میں چار جھنڈے کھڑے کئے گئے ایک عبداللہ بن زبیر دوسرا محمد بن حنفیہ تیسرا نجدہ بن عامر خارجی اور چوتھا بنی امیہ کا تھا لیکن خیریت رہی باہم جنگ نہیں ہوئی ابن زبیر کے بعد بنی امیہ کے زیر انتظام حج ہونے لگا۔

ولایت عہد

مروان نے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور اس کے بعد عبدالعزیز کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ ۸۵ھ میں عبدالملک نے چاہا کہ

عبدالعزیز کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد بنائے اس معاملہ میں اس نے قبیصہ بن ذویب سے مشورہ لیا اس نے منع کیا اور کہا کہ لوگوں کو آپ کے اوپر اعتبار نہیں رہے گا اسی دوران میں عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ عبدالملک نے اپنے حسب منشاء اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنایا۔ سب لوگوں نے بیعت کی لیکن شیخ مدینہ سعید بن مسیب نے انکار کیا اس پر ان کو وہاں کے امیر ہشام بن اسماعیل نے مارا اور تشہیر کرا کے قید کر دیا۔ عبدالملک نے جب سنا تو ہشام پر عتاب نازل کیا اور لکھا کہ تم نے بہت برا کیا سعید نے اگر بیعت نہیں کی تو کیا ہوا ان سے کسی قسم کی مخالفت کا خطرہ نہیں۔

ازواج و اولاد

عبدالملک نے نو نکاح کیے ۔

(۱) ولادہ بنت عباس اس سے ولید سلیمان اور مروان اکبر پیدا ہوئے۔

(۲) عاتکہ ۔ بنت یزید اول اس کے بطن سے یزید مروان اصغر، معاویہ اور ام کلثوم پیدا ہوئے۔

(۳) ام ہشام ۔ بنت ہشام بن اسمٰعیل اس سے ایک بیٹا ہشام پیدا ہوا۔

(۴) ام ایوب ۔ بنت عمرو بن عثمان یہ حکم کی والدہ تھیں۔

(۵) بنت مغیرہ بن خالد ۔ اس سے ایک لڑکی فاطمہ پیدا ہوئی۔

(۶) شعراء بنت سلمہ طائی ۔

(۷) حضرت علی ابن طالب کی ایک بیٹی

(۸) بنت عبداللہ بن جعفر

(۹) عائشہ بنت موسیٰ بن طلحہ اس سے بکار پیدا ہوا۔

ان کے علاوہ متعدد امہات اولاد سے کئی بیٹے عبداللہ ۔ مسلمہ ۔ منذر ۔ عتبہ ۔ محمد ۔ سعید الخیر اور حجاج تھے ۔

وفات

۱۵ شوال یوم پنجشنبہ ۸۶ ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۷۰۵ء میں عبدالملک نے دمشق میں وفات پائی ۔ عمر ۶۰ سال کی تھی مدت خلافت ۲۱ سال اور ایک ماہ ۱۵ دن ۔

صفات

عبدالملک علم و فضل اور ہمت و شجاعت میں ممتاز تھا اس نے اپنے عزم راسخ کی بدولت امت کے سیاسی تفرقے مٹا کر ۷۴ھ میں پھر ان کو ایک علم کے نیچے مجتمع کیا وہ کہا کرتا تھا کہ میں آج تمام امت میں بجز اپنے کسی شخص کے ہاتھ میں یہ قوت نہیں دیکھتا کہ وہ عنان خلافت کو سنبھال سکے ۔ عبداللہ بن زبیر کے متعلق اس کی رائے یہ تھی کہ وہ بڑے نمازی اور عابد و زاہد ہیں لیکن چونکہ ان کی طبیعت میں بخل ہے اس لئے خلافت کے قابل نہیں۔ اس نے اپنے مقاصد کو پورا کرنے میں جن سختیوں سے کام لیا اس کی معذرت میں کہا کرتا تھا کہ اگر حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم کو بھی ایسے جاہل اور سرکش لوگوں سے پالا پڑتا جن سے ہم کو پڑا ہے تو لامحالہ وہ بھی یہی کرتے جو ہم نے کیا۔ اس کے اوپر سب سے بڑا جو الزام ہے وہ یہ ہے کہ اس نے عمرو بن سعید کو امان دینے کے بعد بد عہدی کر کے قتل کر ڈالا یہ پہلی غداری تھی جو کسی خلیفہ اسلام سے ظہور میں آئی ۔

ایک گرفت اس کے اوپر یہ بھی کی گئی کہ ایک بار اس نے خطبہ میں برسر منبر کہا کہ آج سے جو شخص اس مقام پر مجھ سے یہ

کہے گا کہ اللہ کا خوف کر میں اسے قتل کر دوں گا۔ جب لوگوں نے اس کے متعلق اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اکثر لوگ اپنی شہرت کی خاطر مجھ کو خطبہ میں ٹوکتے ہیں اس لئے ممانعت کی ہے لیکن یہ کوئی معقول جواب نہیں۔

ولید اول

ولید بن عبدالملک ولادہ بنت عباس کے شکم سے ۵۰ ھ میں پیدا ہوا تھا۔ عبدالملک نے اس کو اپنی زندگی میں ولی عہد قرار دے دیا تھا۔ اس کے دفن سے واپس آکر ولید نے جامع دمشق میں تقریر کی لوگوں نے ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ ولید کا زمانہ امن و سکون کا زمانہ تھا۔ خوارج کی قوت ٹوٹ چکی تھی اور شیعہ بالکل دب گئے تھے اس لئے نہ کوئی مخالف کھڑا ہوا نہ کسی قسم کی شورش برپا ہوئی ۔ اس نے اندرونی اصلاحات کی طرف اپنی توجہ منعطف کی نیز اس کے عہد میں بڑے بڑے سپہ سالاروں نے نام اچھالا اور عظیم الشان فتوحات کیں۔

اصلاحات داخلیہ

ولید کو امت کی خوشحالی کا بہت خیال تھا اس نے تمام اسلامی صوبوں میں سڑکیں نکلوائیں جابجا دریاؤں اور چشموں پر پل بندھوائے راستے درست کرائے اور ان میں جہاں جہاں ضرورت دیکھی کنوئیں کھدوائے نیز ہر قسم کے خطرات سے ان کو محفوظ رکھنے کا بھی سامان کیا۔ اور عمال سلطنت کے نام ہر جگہ احکام بھیجے کہ وہ راستوں کی حفاظت کا انتظام اور باشندوں کی آسائش کا سامان کریں۔ اس نے بیماروں اور اپاہجوں کے لئے شفاخانے اور محتاج خانے اور جذامیوں کے لئے الگ مکانات بنوائے جہاں ہر ایک کو کھانا کپڑا دیا جاتا تھا اور علاج کیا جاتا تھا معذوروں اور اندھوں کی خدمت اور رہنمائی کے لئے ایک ایک خادم بھی ملتا۔ مدینہ منورہ میں پانی کی قلت تھی وہاں چشمہ سے ایک نہر لاکر فوارہ بنا دیا جس سے یہ شکایت جاتی رہی۔

ولید کو عمارت کا بھی بہت شوق تھا مسجد دمشق کی عظیم الشان عمارت اسی کی تعمیر کردہ ہے اس کی تیاری پر بہت بڑا جشن کیا تھا۔

۸۸ ھ میں اس نے مدینہ منورہ میں حکم بھیجا کہ مسجد نبوی بڑھائی جائے اور امہات المومنین کے حجرے بھی اس میں شامل کر دئے جائیں۔ اہل مدینہ منورہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حجرے بدستور قائم رکھے جائیں تاکہ امت کے لوگ جو ہر طرف سے یہاں زیارت کے لئے آئیں وہ دیکھیں کہ کس سادگی کے ساتھ ان کے نبی نے دنیا میں زندگی بسر کی تھی لیکن ان کے نالہ و فریاد کو کسی نے نہیں سنا۔ اور بجز حجرہ عائشہ کے جس میں ان کی قبریں تھیں باقی حجرے مسجد کے رقبہ میں شامل کر لئے گئے۔

ولید نے مسجد نبوی کی تعمیر میں قیصر روم سے بھی امداد چاہی اس نے ایک لاکھ زر سرخ ۔ چالیس شتر بار رنگ برنگ کے سنگ مہرے پچی کاری کے لئے اور ایک سو کاریگر بھیج دیئے ۔ حجرہ عائشہ کو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کی قبریں ہیں اس خیال سے کہ نماز میں سامنے نہ پڑے لوگ مسجد سے خارج کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو اس زمانہ میں والی مدینہ منورہ تھے غور کر کے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ مسجد کے شمالی حصہ کو مثلث نما بنا دیا جس کی وجہ سے حجرہ مذکورہ اس کے کنارے کے زاویہ میں اس طرح آگیا کہ وہ نمازیوں کے قبلہ رخ نہیں پڑ سکتا۔ تیار ہو جانے کے بعد ۹۱ ھ میں ولید خود اس کے معائنہ کے لئے آیا۔ عمر بن عبدالعزیز اس کے ساتھ ساتھ تھے ولید کے داخلے کے بعد مسجد نبوی سے سب لوگ خارج کر دیئے گئے لیکن فقیہہ مدینہ سعید بن مسیب حسب معمول اپنی جگہ پر بیٹھے رہے ایک شخص نے ان سے جا کر کہا کہ اس وقت آپ باہر چلے جائیے

جواب دیا کہ روزانہ میرے اٹھنے کا جو وقت ہے اس سے پہلے نہیں جاؤں گا اس نے کہا کہ خلیفہ ولید مسجد میں آیا ہوا ہے اس کو اٹھ کر سلام کیجئے انہوں نے اس سے بھی انکار کیا۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھے اطمینان کے ساتھ اپنے ورد میں مشغول رہے۔

عمر بن عبدالعزیز اس خیال سے کہ کہیں ولید کی نظر نہ ان کے اوپر پڑ جائے اور وہ کوئی سخت حکم نہ دے دے اس کو ان سے دور مسجد میں لئے لئے پھرتے تھے آخر منبر کے قریب آ کر اس کی نگاہ پڑ گئی۔ پوچھا کہ کیا یہ شیخ سعید ہیں؟ عمر بن عبدالعزیز نے کہا ہاں! اور پھر ان کی تعریف شروع کی اور کہا کہ کبر سنی کی وجہ سے ان کو کم نظر آتا ہے ورنہ وہ آپ کو سلام کرتے اور ملتے ولید نے کہا ہم خود ان کو سلام کریں گے اور ملیں گے۔ چنانچہ ان کے پاس آیا اور سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مزاج پوچھا لیکن اپنی جگہ سے نہیں ہلے ولید نے بھی خیر و عافیت دریافت کی اور چلا گیا اور عمر سے کہا کہ یہ بزرگان سلف کی یادگار ہیں۔

فتوحات

ولید کے زمانہ میں چار سپہ سالاروں نے بہت عظمت اور شہرت حاصل کی محمد بن قاسم بن محمد ثقفی۔ قتیبہ بن مسلم باہلی۔ موسیٰ بن نصیر۔ اور مسلمہ بن عبدالملک جو خود ولید کا بھائی تھا۔

ان کے کارناموں کو ہم ترتیب وار لکھتے ہیں۔

محمد بن قاسم

سراندیپ کے راجہ نے چند جہازوں میں قیمتی تحفے اور ان مسلمانوں کے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کو جو اس جزیرہ میں گزر گئے تھے حجاج کے پاس روانہ کیا راستہ میں مقام دیبل میں سندھ کے راجہ داہر کے سپاہیوں نے ان جہازوں کو لوٹ لیا اور مسلمان بچوں اور بیوہ عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ حجاج نے جب یہ واقعہ سنا تو راجہ داہر کو لکھا کہ ہمارے آدمیوں کو جو تمہارے سپاہیوں نے لوٹ لئے ہیں ہمارے پاس بھیج دو راجہ داہر نے جواب دیا کہ جن لوگوں نے لوٹا ہے ان سے تم خود آکر چھڑا لو۔ حجاج نے دربار خلافت کی منظوری سے عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ راجہ داہر کی فوج نے اس کا مقابلہ کیا اور شکست دے دی۔ عبداللہ مقتول ہوا۔ حجاج نے پھر چھ ہزار فوج روانہ کی اس نے بھی شکست کھائی اس کے بعد اس نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو جو سترہ سالہ نوجوان تھا چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ سندھ کی مہم پر بھیجا پہلے اس نے صوبہ مکران پر جو مسلمانوں کا تھا اور جس پر داہر کی فوجیں قابض ہو گئی تھیں قبضہ کیا اور اس کے بعد سندھ کی سرحد کی طرف آیا حجاج نے ایسا بندوبست کیا تھا کہ ہر تیسرے دن دونوں طرف کے خطوط ایک دوسرے کے پاس پہنچتے تھے۔

محمد نے دیبل کا محاصرہ کیا۔ دشمن اثنائے محاصرہ میں ایک بار نکل کر صف آرا ہوا محمد نے شکست دے دی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا ایک مسجد تعمیر کرائی اور چار ہزار سپاہی طلب کر کے وہاں متعین کئے پھر آگے بڑھا۔ بیرون کے باشندوں سے مصالحت کر لی دریائے سندھ کے قریب جس وقت پہنچا تو سربیدس کے رؤسا نے آکر صلح کر لی اور خراج دینا منظور کیا۔ وہاں سے سہوان کی طرف پیش قدمی کی اور اس کو فتح کیا۔ اب راجہ داہر فوجیں تیار کر کے خود مقابلہ میں آیا۔ ہاتھیوں کی وجہ سے تازی گھوڑے قابو سے باہر ہو گئے مسلمانوں نے پیدل جنگ کی۔ شام کے وقت داہر مارا گیا۔ اس کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور برہمنا آباد میں جا کر مجتمع ہوئی محمد بھی اسی طرف بڑھا اور پہلے راوڑ پر لڑائی ہوئی اس کو فتح کر کے برہمنا آباد پہنچا۔ غنیم کو شکست دی اور اپنا عامل مقرر کر کے ساوندری کا محاصرہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے امان مانگ لی۔ پھر بسمد اور روڑ کے رئیسوں نے صلح نامے لکھے۔ محمد نے روڑ میں بھی ایک مسجد بنوائی۔ پھر دریا کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کیا۔ اس کی فتح میں بہت مال غنیمت ہاتھ آیا ملتان سے مختلف سمتوں میں فوج کے دستے بھیجے اور بہت تھوڑے عرصہ میں سارا سندھ فتح کر لیا۔

قتیبہ بن مسلم باہلی

قتیبہ کو حجاج نے ۸۶ ھ میں خراسان کا امیر مقرر کیا اس نے وہاں پہنچ کر فوج کے سامنے جہاد کی فضیلت پر ایک بلیغ خطبہ پڑھا اس کے بعد ایک شخص کو مرو میں اپنا قائم مقام چھوڑ کر خود فوج لے کر طالقان کی طرف روانہ ہوا جب دریائے جیحون کو عبور کیا تو فرمانروائے صنعانیان حاضر ہوا اس نے ہدیے اور تحفے پیش کئے وہاں سے آگے بڑھا کفتان اور طخارستان کے بادشاہوں نے بھی آکر مصالحت کر لی قتیبہ لشکر پر اپنے نائب چھوڑ کر مرو میں آگیا۔ حجاج نے اعتراض کیا اور لکھا کہ لشکر چھوڑ کر چلے آنا اصول سپہ سالاری کے خلاف ہے تم جب کہیں لشکر کشی کرو تو فوج کے آگے رہو اور جب واپس آؤ تو پیچھے۔ ۸۷ ھ میں ایک توزائی رئیس نیزک نے آکر صلح کی اس کے پاس بہت سے مسلمان قیدی بھی تھے اس نے سب کو رہا کر دیا۔

دریائے جیحون کے قریب شہر بیکند کے رئیس نے اہل سغد سے مدد لے کر ایک بہت بڑی جمعیت فراہم کی تھی قتیبہ اس طرف بڑھا انہوں نے چاروں طرف سے راستے روک دیئے دو مہینے تک برابر جنگ رہی اس عرصہ میں قتیبہ کی کچھ خبر حجاج کو نہ مل سکی اس لئے وہ سخت متردد تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے جی توڑ کر آخری حملہ کیا اسی روز اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی دشمن چاہتے تھے کہ بھاگ کر شہر میں داخل ہو جائیں لیکن قتیبہ نے ان کا راستہ روک دیا مجبوراً وہ دائیں بائیں نکل گئے شہر کے لوگوں نے صلح کر لی وہاں ایک عامل مقرر کر دیا جب واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ بیکند والوں نے غداری کی اور وہاں کے عامل اور مسلمانوں کو قتل کر ڈالا قتیبہ نے واپس آکر پھر شہر کو فتح کیا اور مجرموں کو سزائیں دیں اسکے بعد مرو میں واپس آگیا۔

موسم بہار میں فوج کا سامان درست کر کے بخارا کی متصل نومشکث پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے آگے بڑھا۔ راستہ میں سغدیوں اور فرغانیوں اور ترکوں نے متفق ہو کر مقابلہ کیا اور شکست کھا گئے امیر نیزک نے بھی جو اسلام نہیں لایا تھا اس لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیا اور سپہ گری کے جوہر دکھائے قتیبہ نے ترمذ میں پہنچ کر دریا کو عبور کیا اور مرو میں آیا۔

چند مہینے کے بعد بخارا کا محاصرہ کیا مگر بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ حجاج نے جب اس ناکامی کا حال سنا تو قتیبہ سے بخارا کا نقشہ طلب کیا اس کے بعد لکھا کہ فلاں سمت سے اس پر فوج کشی کی جائے قتیبہ نے اس کے حکم کے مطابق ۹۰ ھ میں پھر چڑھائی کی والی بخارا نے ترکوں اور سغدیوں سے امداد طلب کی وہ لوگ آگئے اور اہل بخارا بھی شہر سے نکلے مسلمان جو محاصرہ میں تھے بیچ میں پڑ گئے اس لئے زیادہ نہ بڑھ سکے۔ بہت سے لوگوں کے قدم اکھڑ گئے اس ہنگامہ میں غنیم قلب لشکر تک چڑھ آیا اور وہاں سے بھی گزر کر ساقہ اور حرم تک پہنچ گیا عربی عورتوں نے بھاگنے والے مسلمانوں کو روکا اور چلائیں اس لئے لوگ پلٹے۔ قتیبہ نے کہا آج کون قبیلہ ہے جو ان دشمنوں کو مار کر پیچھے ہٹا دے کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن بنی تمیم کا سردار وکیع مستعد ہوا اور اپنے قبیلہ کو ساتھ لے کر دوسری طرف سے دریا عبور کیا دوسرا تمیمی سردار ہریم بھی سواروں کا دستہ لئے ہوئے اس کے ساتھ گیا وکیع نے دریا سے اترتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ جو شہادت چاہتا ہے وہی صرف میرے ساتھ چلے دوسرے لوگ نہ جائیں آٹھ سو آدمیوں نے اس کا ساتھ دیا وہ پیچھے دشمنوں پر آپڑا۔ اور اس بے جگری کے ساتھ حملہ کیا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہر نہ سکے۔ خاقان اور اس کا بیٹا دونوں زخمی ہو گئے اس کے بعد قتیبہ حملہ کر کے شہر میں داخل ہو گیا اور بخارا کو فتح کر لیا۔ اس عظیم الشان فتح سے گرد و نواح کے بادشاہ مرعوب ہو گئے اور سب نے آکر جزیہ پر صلح کر لی۔

۹۳ ھ میں خوارزم پر قبضہ کیا پھر سمرقند پر جنگ ہوئی اس میں بخارا اور خوارزم کے غیر مسلم باشندوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا جب وہ فتح ہوا تو قتیبہ نے وہاں ایک مسجد بنوائی اور اس میں نماز ادا کی اور اپنے بھائی عبداللہ کو وہاں کا عامل مقرر کر کے خود مرو میں آگیا۔ ۹۴ ھ میں شاس اور فرغانہ کو فتح کرتے ہوئے خجند اور کاشان تک مسخر کیا۔ ۹۶ ھ میں کاشغر پر قبضہ کیا وہاں سے ہبیرہ بن مشمرج کلابی کو معہ چند شخصوں کے بادشاہ چین کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ اثنائے گفتگو میں بادشاہ چین نے ان سے کہا کہ قتیبہ کے پاس

فوج کم اور حرص زیادہ ہے میری طرف سے انؑ سے کہنا کہ وہ واپس چلے جائیں ورنہ میں اتنی فوج بھیجوں گا جو ان کے ساتھیوں کا نام و نشان مٹا دے گی۔ ہبیرہ نے جواب میں کہا کہ اس لشکر کی تعداد کا تم کیا اندازہ کر سکتے ہو جس کا ایک سرا تمہارے ملک سے لگا ہوا ہے اور دوسرا شام کی سرحد تک ہے اور اس شخص کو تم کیسے حریص کہہ سکتے ہو جس نے دنیا کو باوجود اس پر قبضہ رکھنے کے بھی چھوڑ رکھا ہو۔ آخر میں بادشاہ چین نے ان کی دل جوئی کی اور ہدیئے دے کر ان کو رخصت کیا۔

موسیٰ بن نصیر

موسیٰ بن نصیر قیروان کا والی تھا اس نے ولید سے درخواست کی کہ اندلس پر لشکر کشی کی اجازت دے دی جائے ۔ ولید نے لکھا کہ پہلے امتحاناً وہاں کوئی دستہ بھیج کر وہاں کی حالت کا اندازہ کرو۔ موسیٰ نے اپنے غلام طریف کو چار سو سپاہیوں کے ساتھ چار کشتیوں میں روانہ کیا وہ اندلس کے جنوبی جزیرہ نما کے مغربی ساحل پر جواب اسی کے نام سے موسوم ہے اترا۔اور آگے بڑھ کر الخضراء کو تاخت و تاراج کیا وہاں سے مال غنیمت لیکر واپس آیا۔ ۹۱ھ میں موسیٰ نے اپنے دوسرے غلام طارق بن زیاد کو سات ہزار فوج دیکر بھیجا اس میں زیادہ تر بربر شامل تھے یہ آبنائے کو عبور کرکے جزیرہ نمائے مذکور کی مشرقی ساحلی چٹان پر قابض ہوا جو اسی کے نام جبل طارق مشہور ہے وہاں سے اتر کر الخضراء کو فتح کیا اندلس کا بادشاہ راڈرک اطلاع پا کر ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لئے چلا۔ طارق نے موسیٰ کو یہ کیفیت لکھی اور اس سے امداد طلب کی موسیٰ نے پانچ ہزار سپاہی اور بھیج دیئے اور بارہ ہزار کی تعداد پوری کر دی کیونکہ یہ وہ تعداد ہے جس کو مسلمان ہمیشہ بڑی سے بڑی لڑائی فتح کرنے کے لئے کافی سمجھتے رہے ہیں۔

راڈرک سے جب مقابلہ ہوا تو سخت جنگ ہوئی مسلمانوں کے لئے یا موت تھی یا فتح کیونکہ واپسی کا خیال ترک کر کے کشتیوں کو انہوں نے پہلے ہی آگ لگا دی تھی اللہ کا نام لے کر نہایت جانبازی سے لڑے اور آخر کار میدان جیت لیا راڈرک شذونہ کی نواحی میں دریائے لکہ میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اس فتح کی خبر جب موسیٰ کو ملی تو وہ خود فوجیں لے کر ۹۲ھ میں وہاں پہنچا اور سارے اندلس کو فتح کر لیا ۔ قرطبہ کو صدر مقام قرار دے کر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا عامل مقرر کر دیا۔ مشرقی اندلس میں برشلونہ فتح کرنے کے بعد موسیٰ یہ چاہتا تھا کہ وسط یورپ سے گزر کر قسطنطنیہ فتح کرتا ہوا دارالخلافہ کو واپس چلوں لیکن جب اس ارادہ کی ولید کو اطلاع ملی تو اس نے بوجہ ان دشواریوں کے جو راستہ میں حائل تھیں اجازت نہیں دی اور براہ افریقہ اس کو اپنے پاس طلب کیا۔ وہ بہت سے تحفے اور ہدیئے لیکر روانہ ہوا لیکن جب دارالخلافہ میں پہنچا تو ولید کا انتقال ہو چکا تھا۔

مسلمہ بن عبدالملک

یہ ہمیشہ رومیوں کے مقابلہ میں رہا۔ ہر سال ان کے اوپر فوج کشی کرتا تھا اور ان کے ہاتھ سے بڑے بڑے قلعے چھین لیتا تھا اس نے جو قلعے لئے ان میں سے بعض کے نام قلعہ طوانہ عموانہ ،مرقلہ ، قمونیہ ، سطیہ ، اور طرسوس وغیرہ ہیں۔

وفات حجاج

حجاج نے ۹۵ھ میں کوفہ میں وفات پائی س کی عمر ۵۴ سال کی تھی وہ تین سال مکہ مکرمہ کا امیر رہا اس کے بعد پورے بیس سال تک عراقین یعنی کوفہ ۔ بصرہ اور کل مشرقی ممالک کا نائب سلطنت رہا۔ وہ دنیاوی عروج کا شیدائی ، جاہ پسند ، نہایت خونریز اور

ظالم امیر تھا ۔ یہاں تک کہ سفاکی میں اس کا نام بھی بلاکو وغیرہ کی طرح ضرب المثل ہے وہ خود کہتا تھا کہ میں سخت حاسد اور کینہ ور آدمی ہوں لیکن اس کے ساتھ اس میں خوبیاں بھی تھیں وہ نہایت زبردست مقرر اور زبان آور خطیب تھا۔ قرآن دانی میں سوائے امام حسن بصری کے اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اور شجاعت ۔ جفاکشی ۔ راست گوئی اور کارگزاری میں ممتاز تھا اس نے عراق میں اپنے قوی بازوؤں سے امن و امان قائم کیا لیکن اس اصلاح میں جس قدر خون بہایا اس کو دیکھتے ہوئے یہ اس کا کوئی قابل تعریف کارنامہ نہیں کہا جا سکتا۔

ولایت عہد

عبدالملک نے اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنایا تھا۔ ولید نے خلیفہ ہو جانے کے بعد سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد کرنا چاہا امراء سے مشورہ لیا بجز قتیبہ اور حجاج کے اور کوئی اس کا موافق نہ نکلا ولید اس فکر میں تھا کہ اس کی کوئی صورت نکالے کہ اسی درمیان میں اس کی وفات ہو گئی اور سلیمان تخت خلافت پر آگیا۔

وفات ولید

ولید نے ۱۵ جمادی الثانی ۹۶ھ مطابق ۲۵ فروری ۷۱۵ء کو سرزمین شام کے مقام پر دیرمراں میں وفات پائی اس کا سن ۶۴ سال کا تھا ۹ سال ۸ مہینے خلافت کی اور ۱۹ بیٹے چھوڑے۔

سلیمان بن عبدالملک

سلیمان کی ولادت ۵۴ھ میں ہوئی جب ولید کا انتقال ہوا تو وہ رملہ میں تھا۔ جمادی الثانی ۹۶ میں اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی۔ حجاج چونکہ سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کرانے میں ولید کا ہم خیال تھا اس لئے سلیمان حجاج اور اس کی جماعت کا سخت دشمن تھا اور یزید بن مہلب کو جو حجاج کا حریف تھا اپنا مخلص سمجھتا تھا یہی وجہ تھی کہ حجاج کو خوف دامنگیر رہتا تھا کہ ولید کے بعد اگر میں سلیمان کے قابو میں پڑ گیا تو وہ بری طرح میرے ساتھ پیش آئے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ولید سے ایک سال قبل ہی دنیا سے اٹھا لیا۔

سلیمان جب خلیفہ ہوا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا کہ وہ محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے بھیج دے جب وہ وہاں سے بھیجا گیا تو واسط میں اس کو قید کر کے صالح بن عبدالرحمن کو اس کے اوپر مسلط کیا۔ اس نے اس قدر سختیاں کیں کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کینہ پرور خلیفہ نے اس نوجوان سپہ سالار کے عظیم الشان کارناموں کا کچھ لحاظ نہ کیا اور محض اس جرم پر کہ وہ حجاج کا عزیز تھا اپنے انتقام کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کو ضائع کر کے امت اور خلافت کی شوکت کو نقصان پہنچایا کیونکہ جو سلطنت ایسے نامور کی خدمت کا یہ صلہ دے اس میں اور لوگوں کو بڑے بڑے کام کرنے کا کس امید پر حوصلہ ہو گا۔ چنانچہ قتیبہ بن مسلم باہلی امیر خراسان و فاتح بخارا اور ترکستان محمد بن قاسم کا نتیجہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا اور اپنی کل فوج کو جمع کر کے چاہا کہ سلیمان کی خلافت سے انکار کر دے لیکن قبیلہ بنی تمیم کا سردار وکیع اس پر راضی نہیں ہوا اور جب زیادہ اختلاف بڑھا تو اس نے قتیبہ کو قتل کر دیا۔ فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک ہوا اس کو ولید نے اپنے زمانہ میں بلایا تھا جب وہ دمشق پہنچا تو ولید گزر گیا تھا سلیمان اس سے برگشتہ خاطر تھا قید کر دیا اور اس پر اس قدر تاوان لگایا کہ وہ ادا نہیں کر سکا مجبوراً امراء عرب سے مانگ تانگ کر پورا کیا۔ الغرض سلیمان کا آغاز عہدان نامور حامیان اسلام اور فاتحان ملک کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ سے امت کے لئے ایک شگون بد تھا۔

فتوحات

خراسان میں قتیبہ کے بجائے یزید بن مہلب کو بھیجا گیا اس نے دہستان کا محاصرہ کیا اس کو فتح کر کے جرجان کی طرف گیا وہاں کے باشندوں نے صلح کی پھر طبرستان کی طرف بڑھا سپہدار طبرستان قلعہ گیر ہو گیا اس محاصرہ میں خبر ملی کہ جرجان والوں نے بغاوت کر دی اور وہاں کے مسلمانوں کو مار ڈالا اس لئے پھر واپس آکر اس کو فتح کیا اور مجرموں کو سزائیں دیں۔ اس کے بعد طبرستان پر قبضہ کیا۔ خمس غنیمت کا شمار ساٹھ لاکھ درہم تھا۔ ۹۸ھ میں سلیمان نے اپنے بھائی مسلمہ کو جو رومیوں کے مقابلہ میں متعین تھا ایک فوج گراں دیکر قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا اس نے ایک سال تک محاصرہ رکھا۔ اسی درمیان میں سلیمان کی وفات کی خبر پہنچی۔

ولایت عہد

سلیمان نے پہلے اپنے بیٹے ایوب کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا لیکن وہ مر گیا اس کے بعد رجاء بن حیات سے عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں مشورہ لیا انہوں نے تائید کی اس لئے انہوں نے ولی عہدی کا فرمان لکھ دیا اور اپنے تمام خاندان کو جمع کر کے بلا اظہار نام کے سر بمہر فرمان پر ان سے بیعت لے لی کہ اس میں جس کا نام ہو گا وہی خلیفہ ہو گا۔

وفات

سلیمان نے یوم جمعہ ۲۱ صفر ۹۹ھ قنسرین کے قریب مقام وابق میں انتقال کیا سن ۴۵ سال کا تھا مدت خلافت دو سال آٹھ ماہ پانچ روز تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز

عمر بن عبدالعزیز کی ولادت ۶۲ھ میں ہوئی ان کے والد عبدالعزیز بن مروان عبدالملک کے بعد ولی عہد تھے لیکن اس کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے اس لئے خلیفہ نہ ہو سکے ان کی والدہ حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے عاصم کی لڑکی تھیں۔ بچپن میں ان کے باپ نے ان کو مدینہ منورہ بھیج دیا تھا وہیں ان کی تربیت ہوئی تھی اور وہاں کے فقہاء اور علماء سے علم اور تفقہ حاصل کیا علوم دینیہ میں ان کا وہ پایہ تھا کہ اگر یہ امارت اور خلافت کے جھگڑوں میں نہ مبتلا رہتے تو منجملہ ائمہ شرع کے ایک امام مانے جاتے میمون بن مہران کہا کرتے تھے کہ تمام علماء عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ان کے شاگرد معلوم ہوتے ہیں مجاہد کا بیان ہے کہ ہم عمر کے پاس اس خیال سے آئے کہ ہم سے وہ کچھ سیکھیں گے لیکن ہم کو خود ان سے کچھ سیکھنا پڑا۔ اخلاق کی کیفیت یہ تھی کہ انہوں نے خود کہا کہ مجھے جب سے یہ معلوم ہوا کہ جھوٹ انسان کے لئے مضر ہے اس وقت سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ولید کے زمانہ میں یہ عامل بھی مقرر ہوئے تو مدینہ منورہ کے علماء و صلحاء ان کے جلیس رہتے تھے۔ امارت مدینہ کے زمانہ میں کئی بار امیر حج مقرر ہوئے۔

خلافت

۹۹ھ میں جب سلیمان کا انتقال ہو گیا تو رجاء بن حیات نے بنی امیہ کو دابق کی مسجد میں جمع کر کے ان سے دوبارہ فرمان ولی عہدی پر بیعت لی۔ اس کے بعد خلیفہ کی وفات کی خبر سنائی۔ پھر وہ فرمان جو سربمہر تھا کھول کر پڑھا۔ اس میں عمر بن عبدالعزیز کا نام تھا ان کو اٹھا کر منبر پر بٹھا دیا یہ اناللہ پڑھ رہے تھے کہ یہ بار میرے سر پر کیسے آ پڑا اور ہشام بن عبدالملک انا اللہ پڑھ رہا تھا کہ خلافت مجھے کیوں نہ ملی۔ بیعت ہو جانے کے بعد شاہی سواری آئی لیکن انہوں نے تزک و احتشام کو پسند نہ کیا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گئے لوگوں نے قصر خلافت میں لے جانا چاہا، فرمایا کہ وہاں ایوب کے اہل و عیال ہیں جب تک وہ منتقل نہ ہوں میں اپنے خیمہ میں رہوں گا۔

اصلاحات

عمر بن عبدالعزیز نے جمہوریت کی روح پھر مسلمانوں میں پھونکی اور سیاست ملیہ کی تجدید کر کے اس کو صحیح اسلامی تعلیم کے مطابق مقرر کر دیا اسی بناء پر علماء امت نے ان کو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے اور دوسری صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ صوبجات میں جو ظالمانہ رقمیں اور نذرانے وغیرہ امراء نے اپنے اغراض سے مقرر کر رکھے تھے ان کو ایک قلم منسوخ اور جس قدر ظالم عمال تھے ان سب کو موقوف کیا خاص کر حجاج کے رشتہ داروں کو جو ظلم و ستم کے عادی تھے تمام مناصب سے معزول کر کے یمن کی طرف بھیج دیا اور منتق و منتشر کر دیا۔

یزید بن مہلب امیر خراسان نے سلیمان کے زمانہ میں لکھا تھا کہ میں نے دو کروڑ درہم وصول کئے ہیں اس کو بلا کر حساب طلب کیا اس نے کہا میں نے محض شہرت کی غرض سے لکھا تھا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ سلیمان اس رقم کا مطالبہ مجھ سے نہیں کرے گا

فرمایا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے تم کو دینا پڑے گا اس نے جب ادا نہیں کیا تو اس کو قید کر دیا۔

سمرقند کے ذمیوں کا ایک وفد ان کی خدمت میں آیا اور کہا کہ قتیبہ بن مسلم نے ہماری زمینیں ہم سے زبردستی چھین کر مسلمانوں کو دے دیں اب آپ ہمارا انصاف کیجئے عمر بن عبدالعزیز نے وہاں کے عامل سلیمان بن ابی السری کے نام حکم بھیجا کہ اہل سمر قند میرے پاس قتیبہ کے ظلم کی شکایت لائے تم ایک قاضی کو مقرر کر دو جو اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس کا تصفیہ کر دے اگر واقعی ان کی زمینیں ناجائز طور پر سپاہیوں کو دے دی گئی ہوں تو تم ان کو شہر سے لشکر میں بلا لو اور زمین واگذاشت کر دو۔

سلیمان نے قاضی جمیع بن حاضر کو اس مقدمہ کے لئے متعین کیا انہیں نے فیصلہ کیا کہ قتیبہ نے جو کچھ کاروائی کی وہ سب بے قاعدہ تھی لہٰذا معاہدہ منسوخ سپاہی شہر چھوڑ کر لشکر میں چلے آئیں اس کے بعد جدید فتح ہو یا نیا صلح نامہ سمرقندیوں نے دوبارہ جنگ یا نیا عہد نامہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور خود نزاع سے دست بردار ہوگئے۔ مار ڈالنا یا ہاتھ کاٹ لینا حدود شرعیہ ہیں اور خاص خاص جرائم میں جاری کی جاتی ہیں ستم پیشہ حکام بات بات پر اس قسم کی سزائیں دینے لگے تھے عمر بن عبدالعزیز نے عام حکم شائع کیا کہ خلیفہ کو مطلع کئے بغیر اس قسم کی سزائیں کسی کو نہ دی جایا کریں۔

خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے قریش اور دیگر قبائل کے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا پھر ابو بکر اور ان کے بعد عمر اس کا انتظام کرتے رہے آخر میں مروان نے اس کو اپنی جاگیر میں لے لیا۔ اس کے بعد وہ مجھے ملا میں تم لوگوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں پھر اسی مصرف میں اس کو مسترد کرتا ہوں جس میں وہ آنحضرت کے عہد میں تھا اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ جو قطعات مجھے جاگیر میں ملے تھے نہ ان کے دینے والوں کو دینے کا اختیار تھا نہ مجھے لینے کا حق تھا لہٰذا میں نے طے کیا ہے کہ ان سے دست بردار ہو جاؤں مزاحم نے کہا عیال کا پھر کیا سامان ہو گا ان کی آنکھوں سے یہ سن کر آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ وہ اللہ کے سپرد ہیں مزاحم نے وہاں سے آکر ان کے نو عمر بیٹے عبدالملک سے کہا کہ امیر المومنین اپنے اقطاع زمین کو مسترد کر رہے تھے میں نے تم لوگوں کے نقصان کے خیال سے ان کو اس سے باز رکھا عبدالملک نے کہ وہ بھی اپنے باپ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے کہ تم خلیفہ کے بڑے مشیر ہو۔ پھر وہ خود عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے اور کہا کہ مزاحم کی زبانی میں نے یہ خبر سنی ہے اب آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے جواب دیا کہ آج شام تک انشاء اللہ یہ کام کر ڈالوں گا۔ عبدالملک نے یہ کہا کہ جلدی کیجئے معلوم نہیں کہ رات کو کیا گزرے یا آپ کے دل میں کوئی دوسرا خیال پیدا ہو جائے۔

عمر نے اپنے بیٹے کی یہ سعادت مندی دیکھ کر کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسی اولاد عطا فرمائی جو دین کے کام میں میری مدد کرتی ہے اور پھر اسی وقت اپنی ملکیت کو اور جو کچھ ان کے اہل و عیال کے پاس تھا ان سب کو لے کر ان لوگوں کو واپس کر دیا جو اس کے اہل تھے۔ اس کے بعد اپنے خاندان والوں یعنی بنی امیہ کے پاس جو جائدادیں اور ملکیتیں تھیں اور جن پر انہوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا ان سب کو لے کر جو ان کے اصلی مستحق تھے ان کو دے دیا۔

بنی امیہ پر یہ امر نہایت گراں گزرا وہ ان کی پھوپھی فاطمہ بن مروان کو جن کا کہ وہ بہت ادب کرتے تھے بلا لائے تاکہ وہ انہیں سمجھائیں جب وہ آئیں تو عمر بن عبدالعزیز نے ان سے کہا کہ

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا آپ نے ایک ایسا چشمہ چھوڑا کہ اس میں سب کو یکساں پینے کا حق حاصل تھا پھر ابو بکر نے بھی اس چشمہ کو اسی حالت میں رکھا اور عمر نے بھی انہیں کی پیروی کی اس کے بعد یزید مروان عبدالملک ولید اور سلیمان کے ہاتھوں میں آیا۔ انہوں نے اس میں سے نہریں نکالیں جن کی وجہ سے وہ خشک ہو گیا اب پھر جب تک وہ اپنی اصلی حالت پر لایا نہیں جائے گا لوگ اس سے سیراب نہیں ہو سکیں گے۔ فاطمہ نے یہ سن کر کہا کہ میں تمہارے بھائیوں کے اصرار سے تم کو سمجھانے کے لئے آئی تھی لیکن جب تمہارا خیال ایسا ہے تو اب میں کچھ نہیں کہتی۔

پھر ان کے پاس سے آکر یہ بات بنی امیہ کو سنائی اور کہا کہ تم لوگوں نے سب کچھ خود ہی کیا ہے عمر بن خطاب کی پوتی سے رشتہ کیا اب وہی نانیہالی ڈھنگ کی اولاد ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز اپنی امارت کے زمانہ میں نہایت شان و شوکت سے رہتے تھے لیکن خلافت کے زمانہ میں اپنا روزانہ خرچ صرف دو درہم رکھا لباس اور غذا میں حضرت عمر کی سی سادگی اختیار کی۔

فتوحات

ان کے عہد میں آذر بائی جان پر دشمنوں نے حملہ کر کے مسلمانوں کو قتل کیا اور لوٹا انہوں نے ابن حاتم بلبلی کو فوج دے کر اس طرف روانہ کیا اس نے جا کر غنیم کو نکالا اور اس کو سزا دی۔ اندلس کے لئے بھی امدادی فوج معہ ساز و سامان کے بھیجی۔ اور مسلمہ کو جو سلیمان کے زمانہ سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا۔ اور مسلمان سپاہی وہاں خستہ حال ہو رہے تھے واپس بلا لیا۔ مقام طرندہ میں چونکہ رومی حملے کیا کرتے تھے اس لئے وہاں کی فوج کو ملطیہ میں بلا لیا اور طرندہ کی چھاؤنی کو منہدم کرا دیا۔

خوارج

خارجیوں نے ان کے عدل و داد کو دیکھ کر کہا کہ ایسے خلیفہ کے مقابلہ میں خروج کرنا فضول ہے صرف عراق میں ان کی ایک جماعت نے سر اٹھایا۔ عمر بن عبدالعزیز نے وہاں کے عامل کو لکھا کہ کسی منتخب سردار کے ہمراہ ایک فوج ان کی نگہبانی کے لئے متعین کر دو تاکہ وہ کوئی دراز دستی نہ کرنے پائیں۔ اور اس سردار سے کہہ دو کہ جب تک وہ کسی کو نہ ماریں اس وقت تک ان سے تعرض نہ کرے چنانچہ محمد بن جریر بن عبداللہ بجلی دو ہزار سواروں کے ساتھ ان کے اوپر متعین کئے گئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے خود خوارج کے سردار بسطام لشکری کو لکھا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تم اللہ اور رسول کی حمایت میں نکلے ہو اس کا حق تم سے زیادہ ہم کو ہے لہذا تم ہمارے پاس آؤ باہم مناظرہ کر لیں اگر ہم حق پر ہیں تو ہمارا ساتھ دو! اگر تم حق پر ہو تو ہم تمہاری بات مان لیں۔ بسطام راضی ہو گیا اور اپنی طرف سے دو شخصوں کو بھیجا۔ مناظرہ شروع ہوا۔

عمر بن عبدالعزیز: تم نے جماعت کا ساتھ کیوں چھوڑا ہماری کون سی بات تم کو ناپسندیدہ معلوم ہوئی۔؟

خارجی: آپ عادل اور نیک سیرت ہیں آپ کی ذات سے کوئی شکایت نہیں لیکن یہ فرمایئے آپ امت کے مشورہ سے خلیفہ ہوئے ہیں یا قہر و غلبہ سے؟

عمر: میں نے نہ خلافت کی خواہش کی نہ قوت و غلبہ سے اس کو حاصل کیا بلکہ مجھ سے پہلے ایک شخص جو خلیفہ تھا مجھ کو اپنا ولی عہد بنا گیا میں نے منظور کر لیا اور بجز تمہارے کوئی مخالفت کے لئے ابھی نہیں کھڑا ہوا تم لوگ عادل اور منصف مسلمان کی خلافت جائز سمجھتے ہو لہذا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اگر میں نے عدل و انصاف کیا تو خیر۔ ورنہ پھر میری اطاعت نہ کرنا۔

خارجی: ہم صرف ایک بات عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ آپ کے سلف بنی امیہ نے ظلم و ستم سے ناجائز حقوق غصب کئے تھے جن کو آپ نے مسترد فرمایا اور ان کا نام ظالم رکھا جزاک اللہ! لہذا اگر آپ ہدایت پر ہیں اور وہ گمراہ تھے تو ان کے اوپر لعنت بھیجئے۔

عمر: مجھے یقین ہے کہ تم نے دنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے لئے جماعت کا ساتھ چھوڑا ہے لیکن افسوس ہے کہ راستہ غلط اختیار کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل کیا ہے۔

فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفور رحيم ط

ترجمہ: جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو نافرمانی کرے تو اے اللہ! تو بخشنے والا ہے۔

کیا انبیاء کی پیروی مسلمان کا فرض نہیں ہے۔؟ میں نے ان کاموں کو "مظالم" قرار دیا یہی ان کی مذمت کے لئے کافی ہے یہ کہاں حکم

ہے کہ جو گنہگار ہو اس پر لعنت کرنی بھی فرض ہے میں پوچھتا ہوں کہ تم نے فرعون پر لعنت بھیجی ہے ۔؟

خارجی: مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس پر لعنت بھیجی ہے۔

عمر: پھر تم تو فرعون پر جو بدترین خلائق اور دشمن دین الٰہی تھا لعنت نہ بھیجو اور مجھے مجبور کرو کہ میں اپنے سلف پر جو مسلمان تھے اور شرعی فرائض بھی ادا کرتے تھے لعنت بھیجوں۔

خارجی: لیکن بوجہ ظلم کے وہ کافر ہو گئے تھے۔

عمر: ہرگز نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ فرمائی جو اقرار کرلے وہ مسلمان ہے اب اگر اس سے کوئی قصور یا خطا ہو تو وہ اسلام سے خارج نہیں۔ بلکہ بقدر اپنے جرم کے سزا کا مستحق ہو گا۔

خارجی: اسلام میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت بھی داخل ہے جو ان کے احکام پر عمل نہ کرے وہ کافر ہے۔

عمر: میرے سلف میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ میں اللہ اور رسول کے احکام پر عمل نہیں کروں گا لیکن بدنصیبی سے وہ پوری پوری تعمیل احکام نہیں کر سکے۔

خارجی: ان لوگوں نے جو شریعت کے خلاف کام کئے ان کی وجہ سے آپ ان سے تبریٰ کیجئے۔

عمر: تم جانتے ہو کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی تو ان کے اہل و عیال کو بھی گرفتار کیا تھا۔

خارجی: ہاں

عمر: تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عمر نے اپنے عہد میں مرتدین کے اہل و عیال کو غلامی میں رکھنا روا سمجھا اور فدیہ لیکر ان کو واپس کر دیا۔

خارجی: ہاں

عمر: پھر کیا عمرؓ نے حضرت ابو بکر کے اس فعل کی وجہ سے ان سے تبریٰ کی تھی؟

خارجی: نہیں

عمر: اس اختلاف عمل کی وجہ سے تم نے بھی شیخین سے تبریٰ کی۔؟

خارجی: نہیں

عمر: اہل نہروان جو تمہارے اسلاف ہیں ان میں سے اہل کوفہ نے کسی کو لوٹنا یا قتل کرنا روا نہیں سمجھا لیکن اہل بصرہ نے عبداللہ بن جناب اور اس کی لونڈی کو جو حاملہ تھی مار ڈالا کیا اہل کوفہ نے اس سے تبریٰ کی۔

خارجی: نہیں

عمر: کیا تم ان دونوں جماعتوں سے جن میں اس قدر اختلاف تھا اپنے آپ کو بری رکھتے ہو۔؟

خارجی: نہیں

عمر: تم تو شیخین اور نیز اہل عراق سے تولا رکھو اور مجھے مجبور کرو کہ اپنے بزرگان خاندان سے تبریٰ کروں۔ تم لوگ جاہل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو شخص کلمہ شہادت پڑھ دیتا تھا اس کی جان و مال و عزت محفوظ ہو جاتی تھی تم اس کے برعکس مسلمانوں کو قتل کرتے ہو اور کافروں اور مشرکوں کی جان و مال و آبرو کو حرام سمجھتے ہو۔

خارجی: اچھا ایک امر اور دریافت طلب ہے وہ یہ ہے کہ ایک قوم کا والی ہو اس نے عدل و انصاف سے حکومت کی ۔ لیکن اپنے بعد ولایت ایک ایسے شخص کے سپرد کر گیا جس سے خطرہ ہے کہ وہ عدل و انصاف نہیں کرے گا کیا آپ کے نزدیک اس نے حق ادا کر دیا۔

عمر: نہیں
خارجی: پھر آپ اس خلافت کو اپنے بعد یزید بن عبدالملک کے سپرد کر کے مواخذہ سے بری ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ اس سے عدل و داد کی مطلق توقع نہیں۔
عمر: لیکن یہ میرا فعل تو نہیں ہے مجھ سے پہلے سلیمان مجھ کو اور میرے بعد یزید کو ولی عہد مقرر کر گیا ہے۔
خارجی: کیا سلیمان کی اس کاروائی کو آپ جائز سمجھتے ہیں۔؟
اس کے جواب میں عمر بن عبدالعزیز خاموش ہوگئے اور دو روز کی مہلت چاہی۔ اس مناظرہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں خارجیوں میں سے ایک راہ راست پر آگیا اور اپنے فرقہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خارجیوں کی جماعت نے بھی خاموشی اختیار کی۔

اہل و عیال

عمر بن عبدالعزیز کی تین بیویاں تھیں۔
(۱) فاطمہ بنت عبدالملک اس کے بطن سے اسحاق یعقوب اور موسیٰ تین بیٹے پیدا ہوئے۔
(۲) لمیس بنت علی بن حارث اس سے عبداللہ اور بکر دو بیٹے اور ایک بیٹی عمارہ پیدا ہوئی۔
(۳) ام عثمان بنت شعیب اس کے شکم سے صرف ایک بیٹا ابراہیم ہوا۔
عبدالملک۔ ولید۔ عاصم۔ یزید۔ عبداللہ۔ عبدالعزیز۔ ریان اور دو بیٹیاں امہات ولد سے تھیں۔

وفات

صرف دو برس پانچ مہینے اور چار دن خلافت کر کے ۲۵ رجب ۱۰۱ھ میں دیر سمعان میں انتقال فرمایا۔ عمر ۳۹ سال تھی۔

ترکہ

عمر بن عبدالعزیز کا کل ترکہ ۲۱ دینار تھا اسی میں سے چند دینار کفن دفن میں صرف ہوئے بقیہ ورثے میں تقسیم کئے گئے۔
عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے گیارہ بیٹے چھوڑے تھے جن کو ایک ایک دینار ترکہ ملا تھا۔ اور ہشام بن عبدالملک نے بھی گیارہ بیٹے چھوڑے تھے جنہوں نے دس دس لاکھ درہم وراثت میں پائے تھے لیکن میں نے عمر کے بیٹوں میں سے ایک کو دیکھا کہ اس نے ایک دن میں جہاد کے لئے سو گھوڑے دیئے اور ہشام کے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ لوگوں سے صدقے لے رہا تھا۔

سیرت عمر بن عبدالعزیز

حضرت عمر بن عبدالعزیز شاہانہ جاہ و جلال اور سطوت و جبروت سے نہ صرف بری بلکہ بیزار تھے۔ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں پھر ایک بار امت میں خلافت راشدہ کے عدل و مساوات کا نمونہ قائم کر دیا۔ رعایا کے اموال اور ان کے حقوق کی نگہداشت کی۔ خلائق پر وہ اس طرح مہربان تھے جس طرح باپ اپنی اولاد پر شفقت کرتا ہے ان کی آسائش کے لئے جابجا سرائیں بنوائیں اور مہمان خانے تعمیر کرائے سابقہ ظلم و ستم سے جو خرابیاں پیدا ہو گئیں تھیں ان کی اصلاح کی۔ ان کے عدل و داد کی وجہ سے اہل ملک اس قدر خوش حال ہو گئے تھے کہ صدقہ لیکر فقراء کی تلاش میں نکلتے تھے اور کوئی لینے والا نہیں ملتا ان کے عہد میں ذمی کثرت سے مسلمان ہوئے اور ماوراء النہر کے اسیروں اور سندھ کے راجاؤں نے اسلام قبول کیا۔
ان کو اپنی ذمہ داری کا اس طرح احساس تھا جس طرح حضرت عمر کو تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ جب سے ان کے اوپر خلافت کا بار پڑا وہ نحیف و ناتواں ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ پورے ڈھائی سال کا زمانہ بھی نہ گزرنے پایا کہ رحلت فرماگئے۔

ان کے سعی اور خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ باوجود اس کے کہ ہمیشہ انہوں نے امیرانہ عیش و آرام سے زندگی گزاری تھی لیکن خلیفہ ہوتے ہی بالکل درویشانہ روش اختیار کر لی اپنی بیوی فاطمہ کو جو خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھی کہا کرتے رہتے تھے کہ دنیا کی چند روزہ تکلیف برداشت کر لینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم آخرت میں جہنم کے عذاب میں گرفتار ہوں۔ سب سے زیادہ ان کا مددگار اور معاون ان کا بیٹا عبدالملک تھا۔ جس کی عمر ۱۷ سال کی تھی جب وہ مرض الموت میں گرفتار ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے آخری وقت میں اس سے کہا کہ بیٹے! تمہارا میرے نامہ اعمال میں ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ میں تمہارے نامہ اعمال میں ہوں اس سعادت مند نے جواب دیا کہ مجھے اپنی آرزو کی بہ نسبت آپ کی خواہش زیادہ عزیز ہے۔ ہر چند کہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ بہت کم رہا لیکن پھر بھی انہوں نے بہت کچھ اصلاحات کر دیں اور خلافت کو اسی سطح پر لائے جس سطح پر وہ سابقین اولین کے عہد میں تھی۔ بنی امیہ عداوت کی وجہ سے امیر معاویہ کے زمانہ سے منبروں پر خطبوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہ پر لعن طعن کرتے تھے اور یہ ان میں دستور ہو گیا تھا انہوں نے اپنے زمانہ میں اس رسم بد کو بھی مٹا دیا۔ اور اس کے بجائے خطبہ میں یہ آیت رکھ دی۔

ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان ایتاء ذی القربیٰ وینھا عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔

ترجمہ۔ اللہ حکم دیتا ہے عدل و احسان اور قرابت مندوں کے ساتھ سلوک کرنے کا اور بے حیائی برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور تم کو سمجھاتا ہے کہ کیا عجب کہ تم یاد رکھو!

یزید ثانی

یزید بن عبدالملک ۶۵ھ میں پیدا ہوا تھا سلیمان بن عبدالملک عمر بن عبدالعزیز کے بعد اس کو ولی عہد مقرر کر گیا تھا چنانچہ ان کی وفات کے بعد اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ یزید نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی ان تمام اصلاحات کو جو عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ہوئی تھیں مٹا کر نظام حکومت پھر بنی امیہ کے پرانے دستور کے مطابق کر دیا۔ یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے شراب پینی شروع کی اور مغنیات کے راگ سننے میں وقت برباد کرنے لگا۔

فتنہ ابن مہلب

یزید بن مہلب والی خراسان کو عمر بن عبدالعزیز نے مال خراج کے ادا نہ کرنے پر قید کر رکھا تھا اس نے قید خانے میں جب ان کے مرض الموت کی خبر سنی تو اس ڈر سے کہ یزید بن عبدالملک کے ہاتھ میں پڑ جاؤں گا تو مجھے مار ڈالے گا قید خانے سے نکل کر بھاگا اور بصرہ میں آیا یہاں کا والی عدی بن رطاہ تھا اس کو نکال کر بصرہ پر اپنا قبضہ جما لیا اور فارس اور اہواز تک حکومت قائم کر لی پھر اہل شام کے مقابلہ کے لئے بہت بڑی فوج تیار کی اور تقریر میں کہا کہ شامیوں سے جہاد کرنا ترک و دیلیم کے جہاد سے بھی زیادہ افضل ہے امام حسن بصری نے اس کی مخالفت کی لیکن لوگوں نے اس خیال سے کہ ابن مہلب سنے گا تو قتل کر دے گا انہیں خاموش کر دیا۔

وہ اس فوج کو لے کر واسط کی طرف آیا۔ شام سے یزید بن عبدالملک نے اس کے مقابلہ کے لئے اپنے بھائی مسلمہ کے ساتھ لشکر روانہ کیا۔ فریقین میں سخت خونریزی ہوئی میدان جنگ میں یزید اور اس کا بھائی حبیب دونوں مارے گئے اور مسلمہ فتح یاب ہوا۔ بقیہ آل مہلب بصرہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر مشرق کی طرف بھاگے۔ ان کے تعاقب میں فوج کا ایک دستہ بھیجا گیا۔ کرمان کے متصل جب وہ کشتیوں پر سے اتر کر خشکی کی راہ چلے تو مقام قندابیل میں اس دستہ سے مقابلہ ہو گیا۔ بجز دو بچوں ابو عتبہ بن مہلب اور

عثمان بن مفضل بن مہلب کے کوئی ان میں سے زندہ نہیں چھوڑا گیا اور مہلب جیسے عظیم الشان سپہ سالار کا کل خاندان جس کے کارنامے امت کے لئے مایہ فخر ہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ مسلمہ کچھ دنوں تک عراق کا امیر رہا۔ پھر عمرو بن ہبیرہ فزاری وہاں کا والی مقرر ہوا۔

فتوحات

سمرقند کے ترکوں اور اہل سغد نے بغاوت کی۔ عمرو بن ہبیرہ نے سعید حرشی کو خراسان کا امیر مقرر کیا اور اس کو فوج دے کر بھیجا اس نے پھر ان کے ساتھ جنگ کی اور ان کو قابو میں کیا۔ بلاد خزر اور آرمینیہ میں ثبیت بہرانی سرحد پر متعین تھا اہل خزر نے قبچاق وغیرہ سے مدد لے کر مرج حجارہ میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی ۔ اسلامی فوج کے زیادہ حصہ کو ہلاک کر ڈالا اور لوٹ لیا ہزیمت خوردہ فوج بھاگ کر شام میں آئی یزید بن عبدالملک نے جراح بن عبداللہ حکمی کو ایک لشکر گراں کے ساتھ اس طرف روانہ کیا وہ بردعہ پہنچا پھر خزر کی طرف بڑھا۔

دریائے کر سے عبور کر کے ان کے متعدد مقامات پر قبضہ کیا۔ اہل خزر اپنے شاہزادہ کی ماتحتی میں مقابلہ کے لئے آئے لیکن شکست کھا کر بھاگے ۔ اور مسلمانوں کو ان کے اوپر بہت بڑی فتح حاصل ہوئی وہاں سے آگے بڑھ کر ان کے ایک نہایت سنگین قلعہ پر قبضہ کیا۔ پھر بلجز پر چڑھائی کی سخت معرکہ ہوا لیکن اللہ نے مدد کی اور مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی۔ جراح نے وہاں کے بادشاہ کے پاس جو بھاگ گیا تھا اس کے اہل و عیال کو بھیج دیا یہ مہربانی دیکھ کر وہ خود حاضر ہو گیا پھر اس کا سارا مال اس کو واپس کیا۔ اور شہر بھی اس کے حوالہ کر دیا اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں کا وفادار اور دشمنوں کی حالت سے ان کو مطلع کرتا رہے۔

ولایت عہد

یزید نے بھی اپنے بعد بھائی ہشام اور اپنے بیٹے ولید کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنایا۔

ہشام بن عبدالملک

ہشام بن عبدالملک ۷۲ھ میں پیدا ہوا تھا جب کہ عبدالملک عراق میں مصعب بن زبیر کے ساتھ جنگ میں مشغول تھا اسکی والدہ عائشہ بنت ہشام بن اسماعیل مخزومی تھی۔ اپنے بھائی یزید کے انتقال کے وقت یہ حمص میں مقیم تھا وہیں بذریعہ برید کے عصا اور خاتم خلافت اس کو بھیجی گئی وہاں سے دمشق میں آیا اور خلافت کی بیعت لی ۔ ہشام حلیم الطبع ، عاقل و فرزانہ خلیفہ تھا اس نے ایک بار شرفا میں سے کسی کو گالی دی اس نے کہا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ خلیفہ ہو کر بد زبانی کرتے ہو ہشام نے ندامت سے سر جھکا لیا اور اس سے معافی مانگی۔

احوال داخلیہ

بنی امیہ کے عہد میں زمانہ جاہلیت کی طرح عربوں میں قومی عصبیت اور منافرت پیدا ہو گئی تھی۔ ہشام کا میلان زیادہ تر قحطانیوں کی طرف تھا اس وجہ سے اس نے عراق سے ابن ہبیرہ کو معزول کر کے اس کے بھائے خالد بن عبداللہ قسری کو جو قحطانیوں کا سردار تھا وہاں کا والی مقرر کیا۔ خالد نے اپنی طرف سے اپنے بھائی اسد بن عبداللہ کو خراسان کا اور جنید بن عبدالرحمن کو سندھ کا عامل بنا کر بھیجا۔ اسد بن عبداللہ شجاع اور شیر دل تھا اس نے ہرات اور غور کے کوہستانوں میں متعدد لڑائیاں لڑیں اور کامیاب رہا۔ ۱۰۷ھ میں اس نے بلخ کو آباد کیا۔ برمک جو مشہور برمکی خاندان کا باپ تھا اس نے اس شہر کی داغ بیل ڈالی اور عمارتیں بنوائیں اس کے بعد

فوجی چھاؤنی لو جو بروقان میں تھی یہاں منتقل کر لیا۔

اسد بن عبداللہ میں قومی تعصب بہت زیادہ تھا یعنی قحطان کا خیر خواہ تھا اور مضر کا مخالف چنانچہ نصر بن سیار، عبدالرحمن بن نعیم، سورہ بن حر اور نختری بن ابی درہم کو جو بڑے بڑے نام آور صنادید مضر تھے کوڑوں سے پٹوا کر اور ان کے سر منڈوا کر اپنے بھائی خالد امیر عراق کے پاس بھیج دیا۔ ایک دن مجمع میں دوران تقریر میں اس نے کہا کہ میں مضر کا جو اہل نفاق و شقاق اور فتنہ جو ورد باہ خوہیں منہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس کی اطلاع جب ہشام کو پہنچی تو اس نے خالد کو لکھا کہ تم اپنے بھائی اسد کو معزول کر دو۔ ہشام نے خود اس کے بجائے اشرس بن عبداللہ سلمی کو خراسان کا عامل بنا کر بھیجا لیکن اس سے یہ کہہ دیا کہ تم جو کچھ مجھے لکھنا بتوسط خالد کے لکھنا۔ اشرس نیک نہاد اور فاضل آدمی تھا اہل خراسان اس کی خوبیوں کی وجہ سے اس کو کامل کہتے تھے اس نے ماوراالنہر میں اشاعت اسلام کے لئے ابو صیداء صالح بن طریف کو بھیجا۔ ان کی کوشش سے ذمی مسلمان ہونے لگے اور اس کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ بیت المال کے بتوسط اشرس کے امیر سمرقند کے نام حکم آیا کہ امسال تمہارے یہاں سے جزیہ کی بہت کم وصولی ہوئی ہے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ اہل سغد نے دلی رغبت سے اسلام کو قبول نہیں کیا ہے بلکہ محض جزیہ سے بچنے کے لئے اس دین میں داخل ہو گئے ہیں لہٰذا تم دیکھو کہ ان میں سے جو ختنہ کرائے قرآن پڑھے اور شرعی فرائض پابندی کے ساتھ ادا کرے اس کا جزیہ چھوڑ دو اور باقیوں سے وصول کرو۔ یہ فرمان چونکہ اصول اسلام کے خلاف اور محض حکام کی زر پرستی کی بنیاد پر تھا جو چند پیسوں کی خاطر دین کی اشاعت میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لئے سب سے پہلے خود ابو صیداء نے اس کی مخالفت کی اور نو مسلموں سے کہا کہ تم ہرگز جزیہ کی رقم نہ ادا کرو بعض دیگر مسلمان امراء نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

اشرس کے امیر فوج نے ان لوگوں کو پکڑ کر قید کر دیا اور اہل سغد پر جزیہ کے لئے سختی کرنی شروع کی یہ دیکھ کر انہوں نے دین اسلام چھوڑ دیا اور باغی ہو کر ترکوں کے ساتھ مل گئے ان کے مقابلہ کے لئے خود اشرس فوج لے کر گیا اور آمل کے متصل دریا کو عبور کیا۔ وہیں فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ مسلمان بہت مارے گئے اور قریب تھا کہ شکست کھا جائیں لیکن اشرس کی ثابت قدمی کی وجہ سے میدان سے جنبش نہیں کی آخر میں دشمن ہٹ کر بیکند کی طرف چلے گئے اشرس بھی ان کی طرف بڑھا ترکوں نے ہر طرف سے پانی پر قبضہ کر لیا اب پیاس کی وجہ سے تمام مسلمان جاں بہ لب ہو گئے آخر ایک جماعت نے ہمت کر کے چشمہ پر سے غنیم کو ہٹا دیا اور پانی لائی پھر لڑائی ہوئی جس میں مسلمان غالب آئے۔

خاقان نے یہ خلفشار دیکھ کر خراسان کے اس زمانہ کے سب سے بڑے شہر کرجہ پر حملہ کر دیا جہاں کچھ مسلمان اور باقی سغدی نسفی۔ فرغانی اور افشینی ذمی تھے مسلمانوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور باوجود قلت تعداد کے مدافعت کے لئے تیار ہو گئے عورتوں اور بچوں نے بھی شرکت کی۔ خاقان نے ہر چند ان کو دھمکایا لیکن انہوں نے کہلا بھیجا کہ جب تک ہمارا ایک بچہ بھی زندہ ہے ہم مدافعت کریں گے۔

اس نے جب کوئی صورت نہیں دیکھی تو اس بات پر صلح کی کہ ہم محاصرہ اٹھا کر چلے جاتے ہیں لیکن تم لوگ بھی اس شہر کو چھوڑ کر اپنا مال و اسباب لے کر دبوسیہ کی طرف چلے جاؤ دونوں فریق نے اس معاہدہ پر ایک دوسرے کے آدمی رہن میں رکھے۔ خاقان چلا گیا۔ مسلمان وہاں سے نکل کر دبوسیہ میں آگئے پھر ہر فریق نے ایک دوسرے کے آدمیوں کو رہن سے آزاد کر دیا۔ ۱۱۱ھ میں ہشام نے اشرس کو معزول کر کے جنید بن عبدالرحمن کو خراسان کا امیر بنایا۔ اس نے قحطانیوں کو یک قلم موقوف کر دیا۔ اور چن چن کر مضری عمال مقرر کئے۔

جنید نے ۱۱۲ھ میں اٹھارہ ہزار فوج طخارستان کی طرف اور بارہ ہزار دوسری طرف بھیجی اسی درمیان میں سورہ بن الحر امیر سمرقند نے لکھا کہ خاقان نے حملہ کر دیا ہے میرے پاس اس کی مدافعت کے لئے فوج کافی نہیں ہے فوراً مدد کیجئے۔ جنید کے پاس اس وقت

فوج تھوڑی تھی لوگوں نے اس سے کہا کہ جب تک پچاس ہزار سپاہ نہ ہو امیر خراسان کو دریا پار نہیں جانا چاہئیے اس نے کہا کہ سبحان اللہ! وہاں سورہ مصیبت میں گرفتار ہے یہاں ہم پچاس ہزار کا انتظار کریں بے تامل جیحوں کو عبور کر کے آگے بڑھا۔ جب سمرقند چار فرسخ رہ گیا تو خاقان نے ایک ٹڈی دل فوج کے ساتھ آکر راستہ روکا۔ جنید نے پہاڑ کو اپنے پس پشت رکھ کر مقابلہ کیا سخت لڑائی ہوئی اور کئی روز تک جاری رہی باوجود قلت تعداد کے مسلمانوں نے بے نظیر شجاعت کا اظہار کیا جنید نے معرکہ کی شدت دیکھ کر سورہ کو لکھا کہ تم بھی ایسی حالت میں سمرقند سے نکل کر حملہ کرو اس کے پاس کل بارہ ہزار سپاہی تھے اس کو لئے ہوئے وہ بڑھا جب دونوں اسلامی فوجوں میں صرف ایک فرسخ کا فاصلہ رہ گیا تو ترک بیچ میں آگئے سورہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا ترک آخر میں شکست کھا کر میدان سے ہٹ گئے لیکن گرد و غبار کی کثرت سے کچھ نظر نہیں آتا تھا پہاڑ کے غار میں دونوں طرف کے بہت سے آدمی گر کر ہلاک ہو گئے۔

خود سورہ بھی گرا اور اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی اس کی وجہ سے مسلمانوں میں ابتری پھیل گئی بیشتر ترکوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور بہت کم بچے۔ جنید نے دوسری سمت سے غنیم پر حملہ کر کے اس کو ہزیمت فاش دی اور سمرقند میں داخل ہو گیا وہاں سے مسلمانوں کے اہل و عیال لے کر مرو میں آیا۔ چار مہینے بعد خاقان نے پھر بخارا پر چڑھائی کی۔ جنید نے بڑھ کر پھر راستہ میں روکا اور مار بھگایا۔

۱۱۶ھ میں جنید خراسان کی امارت سے معزول کیا گیا اور اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اس نے یزید بن مہلب کی بیٹی فاضلہ سے نکاح کر لیا تھا اس پر ہشام اس قدر برہم تھا کہ اس نے عاصم بن عبداللہ ہلالی کو خراسان کا امیر بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ جنید اگر سکرات موت کی حالت میں بھی تم کو ملے تو اس کا گلا گھونٹ دینا۔ لیکن جنید کو اللہ تعالیٰ نے اس کینہ پرور خلیفہ کے انتقام لینے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیا۔ عاصم نے خراسان پہنچ کر جب اس کو نہ پایا تو اس کے جس قدر عمال تھے ان کو قید کر دیا۔

عاصم نے ہشام کو لکھا کہ چونکہ دارالخلافہ یہاں سے بہت فاصلہ پر ہے اس لئے خراسان کا الحاق اگر عراق کے ساتھ رہے تو بہتر ہے کیونکہ قرب کی وجہ سے یہاں سے بروقت ضرورت امداد کے لئے فوجیں جلد آسکتی ہیں ہشام نے اس کو منظور کیا۔

اس کے بعد عاصم کو معزول کر کے پھر اسد بن عبداللہ کو خراسان میں بھیج دیا۔ اور اس کو اس کے بھائی خالد والی عراق کا ماتحت کر دیا۔ عاصم نے بغاوت کرنی چاہی لیکن اہل لشکر نے اس کا ساتھ نہ دیا اسد نے آکر اس کو قید کیا اور جنید کے عمال کو جو قید خانے میں تھے رہا کیا۔ خاقان نے پھر سر اٹھایا۔ اسد نے جوزجان میں اس کو شکست دی اور اس کے سارے مال و متاع پر قبضہ کر لیا اس نے بلخ کو جو خود اس کا آباد کیا ہوا تھا اپنا مرکز بنایا۔ اس کے عہد میں مشرق میں پھر اسلامی شوکت قائم ہو گئی اور امن و امان کے ساتھ لوگ رہنے لگے۔

۱۱۹ھ میں اسد نے ختل پر فوج کشی کی اور وہاں کے قلعہ پر قبضہ کر کے اطراف و دیار میں فوج کے دستے بھیجے اور رئیسوں اور امیروں کو تابع فرمان بنایا۔ ۱۲۰ھ میں اس نے بلخ میں وفات پائی اس کے بجائے نصر بن سیار امیر خراسان ہوا نصر نے مشرق میں بہت سی لڑائیاں لڑیں اور ہر ایک میں کامیاب رہا۔ اس نے نومسلموں کا جزیہ بھی جس کے اوپر پہلے بہت کچھ فساد ہو چکا تھا معاف کر دیا جس کی وجہ سے وہاں کثرت کے ساتھ اسلام پھیلنے لگا۔ ۱۲۰ھ میں ہشام نے خالد بن عبداللہ قسری کو عراق سے معزول کر کے یوسف بن عمر ثقفی کو وہاں کا امیر بنایا۔ اس شخص میں متضاد صفتیں تھیں۔ ایک طرف تو نہایت عبادت گزار۔ متواضع اور شیریں سخن تھا۔ دعا میں بہت گریہ و زاری کیا کرتا تھا اور فجر کی نماز کے بعد سے درود و وظیفہ میں مصروف رہ کر اشراق پڑھ کر مصلے سے اٹھتا تھا دوسری طرف نہایت بددل سفاک بے رحم اور احمق تھا کتب محاضرات میں اس کی حماقت کے بہت سے قصے مندرج ہیں۔

کوئی کپڑا خریدنے کے لئے دیکھنے کو منگاتا تو پہلے اس پر ہاتھ پھیرتا اگر اس کا کوئی تار ناخون میں الجھ جاتا تو کپڑے والے کو یا تو

قید کر دیتا یا اس کے ہاتھ کٹوا لیتا۔

امام زید

یوسف بن عمر ثقفی کے عہد امارت میں ۱۲۲ھ میں امام زید بن علی بن حسین نے علم مخالفت بلند کیا ان کے ہاتھ پر کوفہ کے پندرہ ہزار آدمیوں نے مخفی طور پر بیعت کی امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بھی ان کے حامیوں میں تھے بعض لوگوں نے امام زید کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ اہل کوفہ اعتماد کے قابل نہیں ہیں لیکن انہوں نے نہیں مانا۔ جب یوسف فوج کو لے کر چلا اور مقابلہ کا وقت آیا تو کوفیوں نے امام زید سے پوچھا کہ آپ شیخین کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ ان کے اوپر رحم فرمائے اور ان کی مغفرت کرے میں نے اپنے اہل بیت میں سے کسی کو ان کے متعلق کوئی برا کلمہ کہتے نہیں سنا۔ زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں ہماری جماعت کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم خلافت کے حقدار تھے ان لوگوں نے ہمارا خیال نہ کیا اور خود اس کے متولی ہو گئے لیکن اس سے وہ کافر نہیں ہوئے کیونکہ انہوں نے عدل و انصاف کیا اور کتاب و سنت پر عمل کرتے رہے۔ اہل کوفہ نے کہا کہ جب وہ آپ سے خلافت چھین کر ظالم نہیں قرار پائے تو پھر بنی امیہ سے جہاد کرنے کی آپ کیوں دعوت دے رہے ہیں؟ امام زید نے کہا کہ ان کی حالت ان سے مختلف ہے یہ لوگ ہمارے اوپر تمہارے اوپر اور خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر تم میرا ساتھ دو تو تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ تمہارا حساب تمہارے ذمہ ہے یہ سن کر کوفیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اس وجہ سے امام زید نے ان کو رافضی کہا اسی دن سے ان کا یہ لقب ہو گیا۔

امام زید کے پاس صرف دو سو آدمی رہ گئے تھے آخر وہ قتل ہوئے اور دفن کر دیئے گئے۔ یوسف نے قبر سے نکلوا کر ان کے جسم کو سولی پر چڑھا دیا اور سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیج دیا۔ اس نے دمشق کے دروازے پر لٹکا دیا۔ یمن کی ایک جماعت انہیں امام زید کی پیرو ہے جو زیدی کہی جاتی ہے۔

آرمینیہ اور آذر بائیجان میں جراح بن عبداللہ امیر فوج تھا۔ اس نے بلجز تک فتح کیا۔ ۱۰۷ھ میں ہشام نے اسے معزول کر کے اپنے بھائی مسلمہ کو وہاں بھیج دیا اس نے اپنی طرف سے حارث بن عمر طائی کو نائب مقرر کر کے سرحد پر رکھا۔ حارث نے متعدد شہر فتح کئے۔ ۱۱۰ھ میں مسلمہ خود فوج لے کر گیا اور مقام لان کے متصل ترکوں سے جنگ کر کے ان کو شکست دی۔ ۱۱۱ھ میں ہشام نے مسلمہ کو واپس بلا کر پھر جراح کو بھیجا۔ اس نے تفلیس کی طرف سے بلاد خزر پر چڑھائی کی۔ اہل خزر نے مجتمع ہو کر مقابلہ کیا ترک بھی امداد کو آ گئے اور نہایت خونریز جنگ ہوئی آخر کار اردبیل میں جراح شہید ہو گیا اور اس کی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ اس فتح سے اہل خزر کی ہمت بڑھ گئی انہوں نے اسلامی مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کرتے ہوئے موصل کی طرف پیش قدمی کی جس کی وجہ سے عالم اسلامی میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔

ہشام نے سعید خرشی سابق والی خراسان کو ایک فوج گراں دیکر روانہ کیا اور پھر برابر کمک پر کمک بھیجنی شروع کی مقام ازرن میں جراح کی ہزیمت خوردہ فوج بھی مل گئی۔ سعید نے اس کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ ایک ایک شہر اور ایک ایک قلعہ سے غنیم کو نکالتے ہوئے دبیل تک پہنچا۔ وہاں اس کو معلوم ہوا کہ دشمن کی ایک فوج چند فرسخ کے فاصلے پر پڑی ہوئی ہے جس کے ہاتھ میں پانچ ہزار مسلمان قیدی ہیں۔ رات کو ان پر شبخون کیا۔ دشمن کا ایک فرد بھی قتل سے نہ بچ سکا اور کل مسلمان قیدی آزاد ہو گئے ان کو لئے ہوئے باجرواں میں پہنچ کر قیام کیا۔ اہل خزر پھر جمع ہو کر مقابلہ میں آئے لیکن سعید نے ان کو ایسا پامال کیا کہ وہ منہ پھیر کر بھاگے اور سارا مفتوحہ علاقہ چھوڑ گئے۔

ہشام نے سعید کے بجائے پھر مسلمہ کو بھیجا اس کے مقابلہ کے لئے اہل خزر جتھا باندھ کر آئے مسلمہ نے دیکھا کہ اسلامی فوج بہت تھوڑی ہے اس لئے تمام مال و متاع و خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر بچوں اور عورتوں کو آگے اور فوج کو پیچھے رکھ کر ایک ایک دن میں دو

دو مرحلے طے کرتا ہوا دربند میں بھاگ ایا اور وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ 114 ھ میں مروان بن محمد کو ہشام نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج دے کر بلجز کی طرف بھیجا اس کی قوت دیکھ کر سواحل بحر خزر کے امراء اور رؤساء نے بلا جنگ آکر مصالحت کر لی اور سارے جھگڑے مٹ گئے۔ شمال میں رومیوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ شواتی اور صوائف اپنے اپنے موسم میں ان کے مقابلہ میں بھیجی جاتی تھیں جن کے سپہ سالار بیشتر خاندان خلافت کے افراد ہوتے۔ مثلاً مسلمہ بن عبدالملک۔ مروان بن محمد عباس بن ولید۔ معاویہ بن ہشام، سعید بن ہشام اور سلیمان بن ہشام ان لوگوں نے رومیوں پر متعدد فتوحات حاصل کیں۔

ان معرکوں میں سب سے زیادہ جس شخص نے شہرت حاصل کی وہ عبداللہ بطال تھا اس کو عبدالملک نے جزیرہ اور شام کی دس ہزار فوج کا امیر بنا کر اپنے بیٹے مسلمہ کے مقدمہ لشکر پر متعین کر دیا تھا اس کے ساتھ عبدالوہاب بن بخت بھی ایک جانباز اور سرفروش شہسوار تھا ان دونوں کی تاخت و تاراج سے رومی عاجز تھے وہ ان کے نام سے لرزتے تھے اور ان کے متعلق ان میں طرح طرح کے عجیب و غریب قصے مشہور تھے۔ ۱۱۳ھ میں عبدالوہاب نے اور ۱۲۲ھ میں بطال نے شہادت پائی۔ داستان امیر حمزہ کی طرح ان دونوں بہادروں کے افسانے عربی میں دلہمہ کے نام سے لکھے گئے۔ بحری فوج بھی برابر مصروف پیکار رہتی تھی عبدالرحمن بن معاویہ بن خدیج امیر البحر تھا۔

افریقہ میں بنی امیہ کا سب سے بڑا سپہ دار عبداللہ بن عقبہ تھا جو اندلس کی مہموں کو سر کرتا رہتا تھا۔ حجاز کا والی محمد بن ہشام مخزومی تھا وہی بیشتر امیر حج مقرر ہوتا تھا۔ ہشام کے زمانہ میں ممالک اسلامیہ کی اندرونی حالت بھی تھی تاہم سرحد اقوام پر اسلامی قوت اور شوکت غالب تھی۔ خزانے معمور تھے اور رعایا خوشحال تھی۔ ہشام کے عہد میں ایک بہت بڑی خرابی بھی پیدا ہو گئی وہ یہ کہ اس نے عربی قبائل کے لوگوں میں جاہلانہ عصبیت کو بہت بڑھا دیا جو تھوڑے دنوں کے بعد بنی امیہ کی خلافت کی تباہی کا موجب ہوئی۔

ولایت عہد

یزید بن عبدالملک کی وصیت کے مطابق ہشام کے بعد ولید بن یزید ولی عہد تھا ہشام چاہتا تھا کہ اس کو معزول کر کے اس کے بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے۔ بہت سے امراء کو ہم خیال بنایا۔ لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ اس رنجش سے وہ ولید کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا رہا۔ یہاں تک کہ ولید کا مزاج خراب اور غضب ناک ہو گیا۔

وفات

۶ ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں ہشام نے وفات پائی اس کی خلافت ۱۹ سال ۶ مہینے اور ۱۱ روز رہی۔

ولید ثانی

ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان۔ اس کی والدہ ام الحجاج بنت محمد بن یوسف ثقفی تھی۔

ہشام کی موت کے بعد جب یہ خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے سلف کے دستور کے مطابق مخالفوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ سب سے پہلے ہشام کے اہل و عیال کے مال و جائداد کو ضبط کیا۔ اس کے بعد جن امراء نے اس کو ولی عہدی سے معزول کرانے میں ہشام کی موافقت کی تھی ان کی طرف متوجہ ہوا۔ ہشام بن اسماعیل مخزومی والی مدینہ کے دونوں بیٹے محمد و ابراہیم کو گرفتار کر کے کوڑوں سے پٹوایا۔ پھر ان کو یوسف بن عمر ثقفی والی عراق کے سپرد کر دیا اس نے اس قدر ستایا کہ دونوں مر گئے۔ سلیمان بن ہشام کے سو کوڑے مارے اور سر اور ڈاڑھی منڈوا کر شام سے عمان کی طرف نکلوا دیا۔ اور یزید بن ہشام و نیز ولید بن عبدالملک کے کئی بیٹوں کو قید کر دیا۔ روح بن ولید اور اس کی بیوی میں جدائی کر دی۔ نیز خالد قسری کو گرفتار کر کے یوسف بن عمر والی عراق کے پاس بھیج دیا اس نے

عذاب دے دے کر اس کو مار ڈالا۔ ولید کے یہ ظلم و ستم دیکھ کر قضاعہ اور اہل یمن کے دل اس سے سخت ہو گئے اور زیادہ تر یہی لوگ فوج میں تھے۔

بنی امیہ بھی خود اس کے دشمن ہو گئے۔ اور انہوں نے اس کے متعلق طرح طرح کی افواہیں مشہور کرنی شروع کر دیں سب سے زیادہ یزید بن ولید بن عبدالملک اس کی برائیاں کرنے لگا اور وہ چونکہ عابد اور زاہد آدمی تھا اس کی باتوں کا لوگوں پر اثر ہوا اس لئے تمام خاص و عام ولید کے دشمن ہو گئے اور مخفی طور پر یزید مذکور نے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کا ساتھ دیا اس نے دارالخلافہ پر قبضہ کر لیا جب ولید محل میں محصور ہو گیا تو قرآن مجید کو کھول کر تلاوت کرنے بیٹھ گیا اور کہا کہ آج میری وہی حالت ہے جو خلیفہ مظلوم حضرت عثمان کی ہوئی تھی لوگوں نے اندر پہنچ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ اور اس کو نیزے پر رکھ کر شہر بھر میں پھرایا اس کے قتل کا واقعہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۶ھ میں ہوا مدت خلافت ایک سال تین مہینے تھی اس قتل سے بنی امیہ پر مصیبت کا دروازہ کھل گیا۔

یزید ثالث

یزید بن ولید بن عبدالملک بن مروان، اس کی والدہ فیروز پسر یزدگرد شاہ ایران کی بیٹی تھی جس کا نام شاہ آفرید تھا۔ ولید کے قتل کے بعد اس کے خلافت کی بیعت ہوئی اس کا لقب یزید ناقص ہے کیونکہ ولید نے فوج کی تنخواہوں میں جو اضافہ کیا تھا۔ اس نے اس کو گھٹا دیا۔

یزید اگرچہ نیک نیت تھا لیکن بنی امیہ نے اس کو ولید کے قتل کا مجرم قرار دیا سب سے پہلے مروان بن عبداللہ بن عبدالملک نے جو حمص کا امیر تھا ولید کے خون کے انتقام کے لئے اہل حمص کو آمادہ کیا اور معاویہ بن یزید بن حصین کی ماتحتی میں ان کو دارالخلافہ کی طرف بھیجا۔ یزید نے ان کے پاس یعقوب بن ہانی کی زبانی کہلا بھیجا کہ میں اپنی ذات کے لئے خلافت کا خواہاں نہیں ہوں بلکہ جو شخص مشورہ عام سے خلیفہ بنایا جائے اس کو تسلیم کر لینے کے واسطے تیار ہوں تم لوگ باہمی خونریزی سے باز آؤ لیکن اہل حمص اس پر راضی نہیں ہوئے۔ انہوں نے ولید کے خون کا مطالبہ کیا مجبور ہو کر یزید نے سلیمان بن ہشام کو فوج دیکر ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا اہل حمص اکثر مارے گئے جو باقی رہے انہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اہل فلسطین نے بھی حمص کی تقلید کی اور اپنے عامل کو نکال کر یزید بن سلیمان بن عبدالملک کو امیر بنایا۔

اہل اردن بھی ان کے ساتھ مل گئے ان کا سردار محمد بن عبدالملک تھا۔ ان دونوں جماعتوں کی تعداد ۸۴ ہزار تھی لیکن چونکہ ان میں آپس میں اختلاف واقع ہو گیا۔ اس وجہ سے یہ بھی شکست کھا کر یزید کی بیعت پر مجبور ہوئے۔ شام میں شقاق و افتراق کی حالت یہ تھی ادھر مشرق میں معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت تھا یزید نے یوسف بن عمر کو موقوف کر کے کوفہ کا والی منصور بن جمہور کو مقرر کیا تھا اس نے اہل عراق سے یزید کے لئے بیعت لی۔ اور اپنی طرف سے مشرقی صوبوں کے عمال مقرر کر کے بھیجے نصر بن سیار امیر خراسان نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور منصور کے عمال کو واپس بھیج دیا۔ جدیع بن علی ایک یمنی رئیس جو کرمان میں پیدا ہونے کی وجہ سے کرمانی کے لقب سے مشہور تھا۔ نصر بن سیار کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ قحطانی عرب اس کے ساتھ ہو گئے اور مضری قبائل نے قومی عصبیت کی وجہ سے نصر کی حمایت کی۔ نصر نے کرمانی کو پکڑ کر قید کر دیا لیکن قحطانی اس کو چھڑا کر لے گئے۔ فریقین میں جنگ ہونے والی تھی مگر بعض لوگوں کی کوشش سے صلح ہو گئی لیکن وہ صلح اسی قسم کی تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے پرحذر اور پرخطر تھے۔

ولایت عہد

یزید نے اپنے بھائی ابراہیم بن ولید اور پھر عبدالعزیز بن حجاج عبدالملک کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کیا۔

وفات

یزید صرف ۵ مہینے ۲۲ دن خلافت کر کے ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کی وصیت کے مطابق ابراہیم خلیفہ ہوا لیکن مروان بن محمد جو جزیرہ کا والی تھا اس کی خلافت پر رضامند نہ ہوا۔ اور فوجیں لے کر شام کی طرف چلا۔ حمص اور قنسرین پر قبضہ کر کے دمشق کی طرف بڑھا۔ خفیف مقابلہ کے بعد اس پر قبضہ کرلیا اور اپنی خلافت کی بیعت لی ابراہیم خوف سے بھاگ گیا لیکن مروان نے اس کو امان دے دی چونکہ ابراہیم کی خلافت مروان کی وجہ سے قائم نہیں ہو سکی اس لئے اکثر مورخین نے اس کو خلفاء میں نہیں شمار کیا ہے۔

مروان ثانی

مروان بن محمد بن مروان بن حکم اس کی والدہ کردستان کی ایک کنیز تھی جو پہلے ابراہیم اشتر کے پاس تھی اس کے قتل کے بعد محمد نے اس کو لے لیا تھا اور اسی کے شکم سے ۷۰ھ میں مروان پیدا ہوا۔ مروان نہایت طاقتور اور توانا شخص تھا اس کی جفاکشی کی وجہ سے لوگ اسے حمار کہتے تھے ۔ افراد بنی امیہ میں شجاعت اور فن سپہ گری میں ممتاز تھا متعدد لڑائیوں میں کامیابی حاصل کی اور بلا دغزر پر اسی کی کوشش سے پورا تسلط قائم ہوا۔ ۱۲۷ھ میں جب ابراہیم پر غلبہ پا کر دمشق میں داخل ہوا تو وہاں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ اس کا عہد شروع سے آخر تک شورش اور اضطراب کا عہد رہا۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کے ہاتھ سے خلافت بھی اسی میں جاتی رہی۔

سب سے پہلا حادثہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے کوفہ میں امامت کا دعویٰ کیا ان کے ساتھ شیعہ کی ایک کثیر تعداد تھی اس زمانہ میں عراق کے والی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے عبداللہ تھے جن کی لوگ بہت عزت اور محبت کرتے تھے انہوں نے ابن معاویہ کو مغلوب کر کے گرفتار کیا اور عراق سے نکال دیا۔ پھر شام میں خود رؤساء بنی امیہ کی سازش سے مروان کے خلاف بغاوت پر بغاوت ہونے لگی اہل حمص سب سے پہلے مقابلہ میں آئے مروان نے بہت کشت و خون کے بعد ان کو مغلوب کیا اس کے بعد اہل غرطہ نے مخالفت کی انہوں نے بھی بہت نقصان اٹھایا۔ پھر فلسطین کے لوگوں نے بغاوت کی ان کا بھی وہی نتیجہ ہوا۔ آخر میں سلیمان بن ہشام بن عبدالملک اپنی خلافت کا دعویٰ لیکر کھڑا ہوا بیشتر اہل شام اس کے ساتھ شریک ہو گئے مروان قرقیساء میں تھا وہاں سے فوج لے کر مقابلہ کے لئے آیا۔ سلیمان نے شکست کھائی اور میدان میں تیس ہزار لاشیں چھوڑ کر حمص کی طرف بھاگا۔ مروان نے تعاقب کیا وہ تدمر کی طرف نکل گیا اور ہاتھ نہ آیا۔

خوارج

ادھر یہ خانہ جنگیاں ہو رہی تھیں ادھر عراق میں خوارج نے سر اٹھایا ان کا سردار ضحاک بن قیس شیبانی تھا اس نے کوفہ پر قبضہ کر لیا عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز والی عراق وہاں سے بھاگ کر واسط میں پناہ گزین ہوئے اور ضحاک نے وہیں آکر ان کو پکڑ لیا اور جبراً ان سے بیعت لی سلیمان بن ہشام بھی مروان سے زک اٹھا کر ضحاک کے ساتھ مل گیا اب اس کا زور بڑھ گیا اور اس نے موصل پر چڑھائی کی مروان نے اپنے بیٹے عبداللہ والی جزیرہ کو لکھا کہ ضحاک کو ادھر آنے سے روکو وہ سات ہزار فوج لے کر نصیبین میں آیا۔ ضحاک کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھے اس نے نصیبین کا محاصرہ کر لیا۔ مروان اطلاع پا کر اپنی کل فوج لے کر آگیا۔ سخت جنگ کے بعد ضحاک مارا گیا۔ خوارج نے سعید بن بہدل کو اپنا امیر بنا لیا۔ اس نے مروان کے لشکر پر حملہ کیا۔ قلب کو توڑتا ہوا خود مروان

کے خیمہ تک پہنچ گیا لیکن وہاں مارا گیا۔ اس کے بعد شیبان بن عبدالعزیز خارجیوں کا سر لشکر ہوا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ اس کی جماعت کے لوگ ساتھ چھوڑ چھوڑ کر الگ ہونے لگے اس لئے موصل میں آگیا مروان نے بھی تعاقب کیا چھ مہینے تک موصل پر جنگ ہوتی رہی۔

مروان نے اس درمیان میں یزید بن عمر و بن ہبیرہ کو عراق کا والی بنا کر بھیجا اسؓ نے وہاں سے خوارج کو نکال کر ان کی جائدادیں ضبط کرلیں۔ اور شیبان کے مقابلہ کے لئے ایک فوج بھیجی شیبان نے جب سنا تو اس خوف سے کہ کہیں عراقی اور شامی دونوں فوجوں کے درمیان میں نہ پڑ جائے موصل چھوڑ کر فارس کی طرف چلا۔ راستہ میں مقام جیرفت میں عراقی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا۔ شکست کھا کر سیستان کی طرف بھاگا۔ اور وہیں ۱۳۰ھ میں ہلاک ہو گیا۔ اسی زمانہ میں ابو حمزہ مختار بن عوف ازدی نے بغاوت کی ۔ حضر موت کا رئیس عبداللہ بن یحییٰ بھی اس کے ساتھ شریک ہو گیا ابو حمزہ نے پہلے مدینہ منورہ پر قبضہ کیا اس کے بعد شام کی طرف بڑھا۔ مروان نے ابن عطیہ سعدی کو چار ہزار سواروں کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ وادی قریٰ میں فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی ابو حمزہ مارا گیا۔ ابن عطیہ وہاں سے روانہ ہو کر یمن میں عبداللہ بن یحییٰ کی گوشمالی کے لئے گیا۔ اور اس کو قتل کر کے اس کا سر مروان کے پاس بھیج دیا۔

خاتمہ

شیعہ بنی عباس خراسان میں ایک مدت سے اپنی کوشش میں مصروف تھے بنی امیہ کی اس باہمی کشاکش اور خوارج کی شورشوں میں ان کو اپنے لئے میدان صاف مل گیا۔ چنانچہ بنی عباس کے سب سے بڑے حامی ابو مسلم خراسانی نے وہاں اپنا پورا تسلط جما لیا پھر قحطبہ بن شبیب کو کوفہ کی طرف بھیجا۔ وہاں ربیع الاول ۱۳۲ھ میں پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور اس کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا اس نے عبداللہ بن علی کی ماتحتی میں ایک لشکر کراں مروان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ دریائے زاب پر مقابلہ ہوا ۔ مروان شکست کھا کر مصر کی طرف چلا گیا۔ صالح بن علی اس کے تعاقب میں تھا مصر کے ایک گاؤں بوصیر کے کنسیہ میں مروان نے قیام کیا۔ صالح نے پہنچ کر اس کو پکڑا اور ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں قتل کر دیا اس دن خلافت بنی امیہ کا خاتمہ اور خلافت بنی عباس کا آغاز ہو گیا۔

قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر ط

خلافت بنی امیہ کے اسباب زوال

(۱) بنی امیہ امت کی رضامندی اور مشورہ سے خلافت کے متولی نہیں ہوئے تھے بلکہ انہوں نے قوت اور غلبہ سے اس پر تسلط کر لیا تھا کیونکہ امیر معاویہ نے شامی فوجوں کی مدد سے عراق اور حجاز سے بیعت حاصل کی تھی گو اس وقت ظاہر میں سب لوگوں نے ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن بہت سے دلوں میں مخالفت کی آگ دبی ہوئی تھی امت کی دو جماعتیں ان کے خلاف تھیں یعنی خوارج اور شیعہ بنی ہاشم۔

اول الذکر فرقہ نہایت جنگ جو بے باک اور اپنے دعاوی پر جان فدا کر دینے والا تھا اور دوسرا گروہ جس کی تعداد عراق میں زیادہ تھی اہل بیت کی امامت اور ان کی حمایت کا دعویدار تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ کا شرف رکھتے تھے۔ اس لئے امت کے بہت سے افراد کو اپنے ساتھ ملا لینا ان کے لئے بہت آسان تھا۔ ایسی صورت میں بنی امیہ کو اپنی خلافت سنبھالنے کے لئے نہایت احتیاط حزم، دور اندیشی اور ان سب سے زیادہ عدل و انصاف اور رحم گستری کی ضرورت تھی تاکہ امت کے دلوں میں ان کی وقعت اور محبت پیدا ہو جائے اور کسی جماعت کی مخالفت یا سازش سے اس کی بنیاد میں تزلزل نہ پیدا ہو سکے۔ امیر معاویہ اس حقیقت سے آگاہ تھے انہوں نے رؤسا بنی ہاشم اور کبراء شیعہ کے ساتھ فیاضانہ سلوک کئے اور ان کی خاطر مدارت کر کے ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کیا جس سے مخالفت کا جوش دب گیا اور نفرت کم ہو گئی۔ لیکن باوجود علم دانش مندی اور دور بینی کے انہوں نے منبروں پر خطبوں میں حضرت علیؓ پر لعن و طعن کو جاری رکھا یہ ایسی سیاسی غلطی تھی کہ اس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کی وجہ سے بلا کسی فائدے کے لوگوں اور خاص کر شیعہ کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑکتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بعض لوگ جس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اٹھ کر رو در رو خود خلفاء یا امراء کی تردید کر دیتے تھے اس پر ان کو سزا دی جاتی تھی جس کی بدولت لوگوں میں کینہ کا جوش اور بڑھتا تھا۔

علاوہ بریں سیاسی حیثیت سے قطع نظر کر کے خود شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ کسی مردہ کو برائی کے ساتھ یاد کیا جائے چہ جائیکہ حضرت علی جیسے سالار امت کو جس نے اس وقت سے اسلام کی حمایت کی جب سے کہ اس کا ظہور ہوا۔ امیر معاویہ کے بعد ان کے جانشینوں نے اپنی قوت اور سطوت کے غرور میں مخالفین کی استمالت کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ ہمیشہ قہر اور غلبہ سے ان کو دباتے رہے چنانچہ سب سے پہلے امام حسین اور پھر امام زید اور عبداللہ بن معاویہ کا واقعہ پیش آیا ان کی وجہ سے شیعہ میں انتقام کا شعلہ بھڑک اٹھا۔

(۲) بنی امیہ اور خاص کر ہشام نے عربی قبائل میں زمانہ جاہلیت کی عصبیت کو جس کو اسلام نے فنا کر دیا تھا پھر زندہ کر دیا سب سے پہلے اس کا ظہور مروان کے عہد میں ہوا۔ مرج راہط میں ایک طرف ضحاک کے ساتھ قیس عیلان کے قبائل تھے دوسری طرف مروان کے ساتھ بنی کلب تھے۔ اس وقت مروان فتح یاب ہو گیا لیکن خلیفہ ہو جانے کے بعد جب ابن زیاد کے ساتھ عراق کی طرف مختار بن ابی عبید کے مقابلے کے لئے فوج بھیجی اور اس کے میسرہ کا امیر عمر بن حباب سلمی کو جو قیس عیلان میں سے تھا مقرر کیا تو اس

نے عین اس وقت جب کہ ابن زیاد کی فتح ہونے والی تھی قومی عصبیت کی وجہ سے میدان جنگ چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ ہم کشتگان مرج رابط کے قاتلوں کا ساتھ نہیں دے سکتے ۔ آخر کار ابن زیاد کو بجائے فتح کے شکست نصیب ہوئی اور بیشتر اہل شام معہ اس کے مارے گئے۔

اس زمانہ کے شعراء جریر، فرزدق اور اخطل وغیرہ بھی جیسا کہ ان کا کلام شاہد ہے اس حمیت جاہلیت کے بھڑکانے میں اپنے اشعار سے مدد پہنچاتے تھے اور تفریق کا شیطان ان کی زبانوں سے بولتا تھا۔

خراسان میں یہ قومی منافرت بہت زیادہ تھی ۔ وہاں قحطانی اور نزازی عربوں میں مخالفت تھی پھر نزاریوں میں بھی ربیعہ اور مضرمیں عداوت قائم تھی اور مضر کی دونوں شاخوں قیس عیلان اور تمیم میں دشمنی تھی خلفاء امراء اپنے سیاسی مقاصد کے لحاظ سے اس خبیث روح کو ان میں تازہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے کبھی کسی یمنی کو مقرر کر دیتے تھے وہ نزاریوں کو نکال دیتے تھے پھر جب اس سے کسی بات کا اندیشہ ہوتا تھا تو اس کی بجائے نزاری یا مضری امیر بھیج دیتے تھے وہ اپنے حریفوں کا استیصال کر دیتا تھا۔ اور یہ نہیں سوچتے تھے کہ وہ اس جاہلانہ قومی منافرت کو پیدا کر کے شوکت خلافت اور امت عربیہ کی طاقت کو توڑ رہے ہیں۔

(۳) بنی امیہ میں ولی عہدی کا جو دستور تھا وہ بھی ایک بڑا سبب ان کے زوال کا ہوا کیونکہ وہ اکثر ایک کی بجائے دو کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بناتے تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ پہلا جب خلیفہ ہو جاتا تھا تو اس فکر میں پڑتا تھا کہ دوسرے کو معزول کر کے اس کی بجائے اپنے بیٹے یا کسی عزیز خاص کو مقرر کرے اس کی وجہ سے خود خاندان بنی امیہ میں باہمی عداوت اور رنجش پیدا ہوتی گئی۔ سب سے پہلے مروان اول نے دو ولی عہد مقرر کئے عبدالملک پھر عبدالعزیز جب عبدالملک تخت خلافت پر آیا تو اس نے چاہا کہ عبدالعزیز کو ولی عہدی سے نکال کر اس کی بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرے وہ اس منصوبہ کو پورا کرنے کی تدبیر میں تھا کہ اسی درمیان میں عبدالعزیز انتقال کر گیا۔ دو ولی عہدوں کے تقرر کی خرابی دیکھ لینے کے بعد بھی عبدالملک نے عبرت نہیں حاصل کی اور خود بھی ولید اور اس کے بعد سلیمان کو ولی عہد بنا گیا ۔ ولید نے خلیفہ ہو جانے کے بعد سلیمان کی بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کی خواہش کی لیکن اس کی موت نے مہلت نہ دی ۔ اور سلیمان خلیفہ ہو گیا اس نے بھی عبرت حاصل نہ کی اور اپنے بعد عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک دو شخصوں کو ولی عہد کر گیا۔

عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو وہ نہ صرف یزید بلکہ خود بنی امیہ کے ہاتھ سے خلافت کو نکال دینا چاہتے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہو کہ اسی خوف سے عجلت کر کے بنی امیہ نے ان کے کھانے میں زہر دے دیا جس سے وہ جان بر نہ ہو سکے ۔ یزید نے بھی اسی غلطی کا اعادہ کیا یعنی اپنے بعد ہشام اور پھر اپنے بیٹے ولید کے لئے وصیت کی ہشام نے ولید کی بجائے اپنے بیٹے کو مقرر کرنا چاہا اس سے دونوں میں کشیدگی ہو گئی۔ چنانچہ ولید کے مزاج میں غصہ پیدا ہو گیا اور جب وہ خلیفہ ہوا تو اس کے برے نتائج نکلے۔

(۴) خلفائے بنی امیہ نے اپنے جوش انتقام میں اکثر امراء اور رؤساء کے ساتھ نہایت برے سلوک کئے اور امت کے بہت سے نامور سپہ سالاروں اور بے نظیر بہادروں کو اپنے اس ناپاک نفسانی جذبہ پر قربان کر ڈالا۔ سلیمان بن عبدالملک نے خلیفہ ہونے کے بعد اس غصہ میں کہ حجاج نے اس کو ولی عہدی سے معزول کرانے میں ولید کی موافقت کی تھی اس کے تمام رشتہ داروں اور ماتحت عاملوں کو سزائیں دیں اور محمد بن قاسم فاتح سندھ کو سروا ڈالا۔ اسی طرح موسیٰ بن نصیر جیسے خدمت گزار خلافت سے جس نے اسلامی علم کو یورپ میں جا کر گاڑا تھا ناقابل برداشت جرمانہ وصول کیا اور سزا دی۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو اس کے بیٹے عبدالعزیز والی اندلس کا سر کٹوا کر منگایا اور اس مظلوم سپہ سالار کے سامنے طشت میں رکھ کر پیش کیا۔ پھر جب یزید بن عبدالملک کے ہاتھ میں عنان خلافت آئی تو اس نے آل حجاج کی حمایت کی ۔ اور مہلب بن ابی صفرہ جیسے نیک نام سپہ سالار کے سارے خاندان کو برباد کر دیا۔ خلیفہ ولید

بن یزید نے خالد بن عبداللہ قسری سے اپنے بیٹے کی ولی عہدی میں مدد چاہی اس نے انکار کیا محض اس قصور پر اس کے جانی دشمن کو یوسف بن ثقفی کے ہاتھ پانچ کروڑ درہم پر فروخت کر دیا یوسف نے اس کو شکنجہ میں ڈال کر لوہے کی ریتی سے اس کے سینہ کو ریت ڈالا۔ وہ غریب ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتا تھا یہاں تک کہ انہیں سختیوں سے ہلاک ہو گیا حالانکہ وہ قحطان کا سب سے بڑا رئیس اور یمن کا میر قبائل تھا اور پندرہ سال تک عراق کا والی اور خلافت کا خدمت گزار رہ چکا تھا۔ خلفائے بنی امیہ کی ان ناقدر دانیوں اور سختیوں کو دیکھ کر لوگوں کی طبیعتیں ان سے متنفر ہو گئی تھیں۔ خلفاء کے علاوہ ان کے عہد کے بعض امراء مثلاً زیاد ابن زیاد۔ حجاج یوسف بن عمر وغیرہ بھی ایسے ظالم اور سفاک تھے کہ لوگ ان کے مظالم کی وجہ سے اس خلافت سے تنگ آ گئے تھے۔

(۵) خاندان بنی امیہ کے رؤسا خود ایک دوسرے کے مخالف ہو کر آپس میں لڑائیاں کرنے لگے یزید ثالث کے اوپر شام کے تمام اضلاع سے خود امرائے بنی امیہ نے فوج کشی کی تھی پھر مروان ثانی کے مقابلہ میں چاروں طرف سے یہی لوگ چڑھ کر آئے تھے اس تفریق کی وجہ سے ان کی متفقہ طاقت ٹوٹ گئی۔

(۶) بنی امیہ کی اس باہمی کش مکش میں جماعت شیعہ کو جو ہمیشہ سے ان کی مخالفت اور ان کی خلافت کو مٹانے کی تاک میں لگی ہوئی تھی اپنے مقصد کی تکمیل کا پورا موقع مل گیا اور انہوں نے مخفی کوششوں سے انقلاب برپا کر کے آل مروان سے خلافت نکال لی۔

عہد بنی امیہ میں مدنیت اسلام

اس عنوان پر کچھ لکھنے سے قبل یہ امر ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ بنی عباس چونکہ بنی امیہ کے سخت ترین دشمن اور مخالف تھے اور ان کی خلافت کو مٹا کر جانشین ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے درباروں میں خلفائے بنی امیہ کے معائب میں مبالغہ کیا جاتا تھا اور ان کے کارناموں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ نیز بعض فرقے جو بنی امیہ سے مذہبی عداوت رکھتے تھے وہ بھی ان کی برائیوں میں غلو کرتے تھے تاریخ کی کتابیں چونکہ دولت عباسیہ میں لکھی گئیں اس لئے بنی امیہ کے متعلق وہ روائیتیں جو ان کے دشمنوں یا خلفائے عباسیہ کے تقرب کے لئے ان کے حاشیہ نشینوں نے تراشی تھیں ان کتب میں مندرج ہوئیں اس لحاظ سے بنی امیہ کی تاریخ یک طرفہ ہم تک پہنچی ہے انہیں سے جو کیفیت معلوم ہوئی لکھی جاتی ہے۔ عہد بنی امیہ کی ابتداء اس دن ہوئی جس دن امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت عام کی گئی یعنی ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ میں اور اس کا خاتمہ مروان ثانی کے قتل پر ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کو ہوا اس خاندان میں خلافت ۹۱ سال اور نو مہینہ رہی۔

خلافت

بنی امیہ کے زمانے میں خلافت اسلامیہ نے شاہانہ شان و شوکت اختیار کر لی۔ خلفاء راشدین نہ محافظ رکھتے تھے نہ دربان۔ لیکن خلفائے بنی امیہ کے لئے جامع مسجد میں بھی مقصورے بنائے جاتے تھے اور جب وہ نماز پڑھتے تو دائیں بائیں مسلح سپاہی کھڑے رہتے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا کہ جو شخص مجھ میں کوئی کجی دیکھے اس کو سیدھا کر دے اور عبدالملک اموی خلیفہ نے بر سر منبر کہا کہ آج سے اس مقام پر جو شخص مجھ سے کہے گا کہ "اللہ کا خوف کر" میں اسے قتل کر دوں گا۔ خلفائے راشدین عام لوگوں کی طرح بازاروں میں پھرتے اور سب کے ساتھ مسجدوں میں جا کر نماز پڑھتے اور بیٹھتے تھے لیکن ولید بن عبدالملک جس وقت مسجد نبوی دیکھنے کے لئے گیا تو وہاں سے سب لوگ نکال دیئے گئے شیخ مدینہ سعید بن المسیب کی جلالتہ قدر اور بزرگی کا احترام نہ ہوتا تو وہ بھی اس میں نہ رہنے پاتے۔ خلفائے راشدین کے لئے کوئی امتیازی علامت نہ تھی لیکن بنی امیہ کے عہد میں ہم عصائے خلافت اور خاتم خلافت کا بھی ذکر پاتے ہیں۔ خلفائے راشدین رعایا کے معمولی افراد کی طرح بسر کرتے تھے۔ بیت المال کی خود اپنے مال سے زیادہ حفاظت کرتے تھے اور اس پر بھی کہتے تھے کہ قیامت کے دن خلافت کی ذمہ داریوں سے ہم اگر بلا عذاب اور بلا ثواب نکل گئے تو بہت بڑی کامیابی ہے لیکن خلفاء بنی امیہ شاہانہ شان سے رہتے تھے۔ اور بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے بلکہ ان میں سے بعض بعض مثلاً یزید بن عبدالملک اور ولید بن یزید کی نسبت مے نوشی اور مغنیات کا راگ سننے کی روائیتیں بھی ہمارے کانوں تک پہنچی ہیں۔

خلافت راشدہ میں سیاست کتاب و سنت کے مطابق تھی لیکن عہد بنی امیہ میں قوت۔ غلبہ اور قہر کی حکمرانی قائم ہوئی یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان نے لوگوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم کیونکر یہ خواہش رکھتے ہو کہ ہم شیخین کے طریقے سے تمہارے

اوپر حکومت کریں بیٹے خود تو ویسے بنو جیسے ان کے زمانہ کے لوگ تھے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے بنی امیہ نے عربیت اور ایک حد تک اس کی سادگی کو قائم رکھا۔ ان میں عجمی خصائل اور عجمی تکلفات نہیں پیدا ہوئے ان کی سیاست کی بنیاد عیاری اور چالاکی پر نہیں۔ بلکہ قوت اور شوکت پر رہی اور اپنے تقریباً صد سالہ عہد خلافت میں انہوں نے کل اسلامی ممالک کو ایک جھنڈے کے نیچے رکھا جن کو بنی عباس ایک دن بھی نہ رکھ سکے۔

انتخاب خلیفہ

خلفائے راشدین میں سے ہر ایک کی نوعیت انتخاب جداگانہ تھی مگر مشورہ اور بیعت عام یعنی جمہوریت کی روح ہر ایک میں موجود تھی لیکن بنی امیہ نے انتخاب کا یہ دستور رکھا کہ صرف اپنے خاندان میں سے جس کو پسند کرتے تھے اسی کو ولی عہد بنا دیتے تھے بنی امیہ کے تیرہ خلفاء میں سے ۹ اسی طرح خلیفہ منتخب ہوئے باقی چار یعنی امیر معاویہ ۔ مروان بن حکم ۔ یزید بن ولید اور مروان بن محمد نے قوت اور غلبہ کے ذریعہ سے خلافت حاصل کی یہی وجہ تھی کہ بنی امیہ کی خلافت پر استبداد کا رنگ غالب تھا۔

فوج

خلافت بنی امیہ اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کا تمام زمانہ فتوحات اور اسلامی شوکت کا زمانہ تھا ہرچند کہ ان کے عہد میں اندرونی شورشیں بھی برابر جاری رہیں کبھی شیعہ اٹھے اور کبھی خوارج نے سر اٹھایا لیکن یہ دولت فوجی لحاظ سے اس قدر قوی تھی کہ باوجود ان رکاوٹوں کے اس کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں اندرونی جھگڑوں سے ذرا پناہ ملی تو ایک دم فتوحات کا رقبہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا مشرق میں سندھ اور چینی ترکستان تک شمال میں بحر خزر ، آذر بائیجان اور بلاد روم تک مغرب میں اندلس تک۔ چونکہ یہ جنگی دولت تھی اس میں بہت سے ایسے نامور ممتاز سپہ سالار ہوئے جن کے کارنامے یادگار زمانہ ہیں اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا مفصل ذکر ہم لکھ آئے ہیں لیکن اس موقع پر ان کی فہرست لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) مہلب بن ابی صفرہ ۔ عراق و فارس میں خوارج کی لڑائیوں میں نہایت بہادری اور جانبازی کا ثبوت دیا اور بڑی عزت اور شہرت حاصل کی۔

(۲) قتیبہ بن مسلم باہلی ۔ ماوراء النہر کی فتوحات میں عظیم الشان کارنامہ چھوڑا۔

(۳) یزید بن مہلب ۔ جرجان اور طبرستان میں فتوحات حاصل کیں اپنے باپ سے بھی زیادہ شجاع تھا کہیں اس کا قدم پیچھے نہیں ہٹا۔

(۴) اسد بن عبداللہ قسری ۔ ماوراء النہر میں اس کے رعب کی وجہ سے وہاں کے رؤساء اس کو ملک العرب کہتے ہیں۔

(۵) محمد بن قاسم ثقفی۔ فاتح سندھ ۔ سترہ سالہ سپہ سالار جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

(۶) محمد بن مروان ۔ آرمینیہ اور آذر بائیجان میں خطرناک معرکوں میں دشمنوں پر فتوحات حاصل کیں۔

(۷) جراح بن عبداللہ حکمی ۔ بلاد خزر میں متعدد فتوحات حاصل کیں اور وہیں شہادت پائی۔

(۸) مسلمہ بن عبدالملک ۔ بنی امیہ کا سب سے شجاع فرد ۔ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ بلاد روم و خزر میں فتوحات حاصل کیں اسکی والدہ ام الولد تھی اور ابتداء میں بنی امیہ کے نزدیک الولد کی اولاد خلافت کی مستحق نہیں سمجھی جاتی تھی ورنہ یہ ضرور خلیفہ ہو جاتا۔

(۹) مروان بن محمد ۔ بنی امیہ کا آخری خلیفہ اسی نے حدود آرمینیہ و سواحل بحر خزر کو قابو میں کیا۔

(۱۰) عبداللہ بطال ۔ اس کے نام سے رومی لرزتے تھے اس کا افسانہ داستان امیر حمزہ کی طرح داہمہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۱۱) عباس بن ولید ۔ یہ مسلمہ بن عبدالملک کا ہمسر اور ہم رتبہ امیر تھا کئی بار اس نے رومیوں کو شکست دی۔

(۱۲) عقبہ بن نافع فاتح مراقش و سپہدار قیروان ۔ اس نے بحر ظلمات میں اپنا گھوڑا ڈال دیا تھا اقوام بربر کے ساتھ اس کی لڑائیاں مشہور

ہیں وہیں شہید بھی ہوا۔

(۱۳) موسیٰ بن نصیر۔ فاتح اندلس۔

(۱۴) طارق بن زیاد۔ موسیٰ بن نصیر کا غلام جس نے اندلس میں پہلے جا کر ۱۲ ہزار فوج سے راڈرک کی ایک لاکھ فوج کو شکست دی ان کے علاوہ اور بھی امرائے فوج تھے جنہوں نے شجاعت اور شہامت کے جوہر دکھائے۔ لیکن اس قدر ممتاز نہ ہو سکے۔

فوج کی تعداد ہر صوبہ میں بڑھا دی گئی خاص کر افریقہ میں اور عراق اور شام توان کے مرکز تھے۔

بری فوج کے علاوہ بحری بیڑہ بھی نہایت زبردست تھا سترہ سو مسلح کشتیاں امیر معاویہ کے عہد میں تیار ہو چکی تھیں ان کے بعد اور بھی اضافہ ہوتا رہا۔ عبداللہ بن قیس حارثی اور جنادہ بن ابی امیہ نے بحری لڑائیوں میں بڑی شہرت حاصل کی۔ رومیوں کو سطح آب پر کئی بار شکست دی جزائر قبرس رودس۔ اور کریٹ فتح کئے۔ اور قسطنطنیہ پر کئی بار حملہ آور ہوئے۔ سواحل افریقہ کی حفاظت کے لئے بھی ایک بحری بیڑہ متعین تھا۔ دولت بنی امیہ کی یہ خصوصیت قائم رہی کہ تمام ملکی حکومتیں اور فوجی امارتیں بری اور بحری خود اہل عرب کے ہاتھ میں تھیں۔

امراء بنی امیہ

امراء بنی امیہ بالعموم مسلم اور غیر مسلم اقوام پر مہربان تھے اور خلق و فیاضی کا برتاؤ کرتے تھے محمد بن قاسم سندھ کے ہندو راجاؤں کو جو اس کی اطاعت میں آگئے تھے اپنے برابر تخت پر جگہ دیتا تھا۔ اور ان کا اعزاز کرتا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اس کا ساتھ دیا چنانچہ جب اس نے ملتان پر فوج کشی کی تو اس کے لشکر کا سپہ سالار راجہ کاکسا تھا جو راجہ داہر کا چچازاد بھائی تھا۔

قتیبہ امیر خراسان کی فوج میں اس کے حسن سلوک کی وجہ سے خود سغدی اور تورانی امراء شریک ہو گئے تھے امیر نیزک کا حال ہم لکھ چکے ہیں اس نے کس قدر مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ جس وقت باہمی اختلاف کی وجہ سے قتیبہ کو وکیع نے قتل کر دیا اس وقت ایک خراسانی امیر نے یہ الفاظ کہے۔

مسلمانو! تم اپنے بڑے آدمیوں کی قدر نہیں کرتے قتیبہ نے یہاں جیسے عظیم الشان کام کئے آج تک کوئی نہ کر سکا۔ وہ ہماری قوم کا ہوتا تو اس کی وفات کے بعد اس کی نعش کو ہم تابوت میں رکھ لیتے اور جب کسی لڑائی پر جاتے تو اس کو آگے لئے ہوئے اس کی برکت سے فتح کے طالب ہوتے۔ جراح حکمی نے جو بلاد خزر پر متعین تھا جب بلنجر کو فتح کیا تو وہاں کے بادشاہ کے پاس جو بھاگ گیا تھا اس کے اہل و عیال کو عزت و آرام کے ساتھ پہنچا دیا۔ یہ مہربانی دیکھ کر وہ خود حاضر ہو گیا جراح نے اس کا شہر اور ملک واپس دے دیا اور صرف یہ شرط کی کہ دشمن جب ادھر سے آنے کی تیاری کرے تو ہم کو مطلع کر دینا۔ موسیٰ بن نصیر کے سلوک نے تو افریقہ کے بربر قوموں کو نہ صرف اس کا تابعدار بلکہ مذہبی بھائی بنا دیا۔ اور اس نے انہیں کی امداد سے ماوراء بحر فتوحات حاصل کیں۔

انتظام ممالک

خلفاء اپنی طرف سے ان امراء کو جن کو ملکی انتظام کے مستقل اور مکمل اختیارات ہوتے تھے اپنا قائم مقام بنا کر صوبوں میں بھیج دیتے تھے یہ امراء پورے صوبے کے حکومت کے ذمہ دار ہوتے تھے اور اپنے ماتحت عمال کو خود مقرر کرتے تھے۔

بنی امیہ کے عہد میں تمام اسلامی مقبوضہ چھ امارتوں پر منقسم تھا۔

(۱) حجاز۔ یعنی مکہ۔ مدینہ۔ طائف وغیرہ۔ یمن بھی کبھی حجاز کے ساتھ ملحق کر دیا جاتا تھا اور کبھی وہاں ایک مستقل امیر رہتا تھا۔

(۲) عراق۔ کوفہ سے لیکر کل مشرقی حدود تک خراسان بھی اسی امارت کے ماتحت تھا کبھی کبھی وہاں کا امیر براہ راست خود دربار خلافت سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔ بلاد یمامہ کبھی حجاز میں شامل کر دیئے جاتے تھے کبھی عراق میں۔

(۳) جزیرہ و آرمینیہ ۔ اس میں موصل سے لے کر آذر بائیجان اور آرمینیا تک کا تمام علاقہ شامل تھا۔
(۴) شام ۔ اردن، حمص، دمشق، قنسرین چاروں ولایت کا مجموعہ۔
(۵) مصر ۔ اس ولایت میں شمالی افریقہ بھی شامل تھا کبھی کبھی دو والی بھی رہتے تھے ایک مصر کا ایک قیروان کا۔
(۶) اندلس ۔ یہاں کبھی مستقل امیر رہتا تھا۔ اور کبھی قیروان کے امیر کے ماتحت کر دیا جاتا تھا۔ وہ اپنی طرف سے کسی عامل کو بھیج دیتا تھا۔

ہر ایک ولایت کا امیر اندرونی معاملات میں خود مختار ہوتا تھا۔ صرف بیرونی اور سیاسی امور میں خلیفہ سے اس کو اجازت لینی پڑتی تھی ان تمام امراء بنی امیہ میں حجاج بن یوسف امیر عراق و وزیر مشرق زیادہ با اختیار تھا کیونکہ اس پر خلفاء کو پورا اعتماد تھا۔

دیوان حکومت

دفاتر تین قسم کے تھے۔
(۱) دفتر فوج ۔ اس کو حضرت عمر کے عہد میں انہیں کے حکم سے حضرت عقیل بن ابی طالب ۔ مخزمہ بن نوفل اور جبیر بن معطم رضی اللہ عنہم نے مرتب کیا تھا اس لئے یہ ابتداء ہی سے عربی میں تھا۔
(۲) دفتر الانشاء ۔ جہاں سے امراء اور عمال وغیرہ کے نام احکام اور خطوط بھیجے جاتے تھے یہ عربی کے سوا اور کسی زبان میں کیونکر ہو سکتا تھا۔
(۳) دفتر خراج ۔ جس میں سلطنت کے مالیہ کا حساب رہتا تھا۔
ایران کا دفتر خراج فارسی میں شام کا سریانی میں اور مصر کا قبطی میں چلا آتا تھا۔ ابتدائے عہد میں چونکہ مسلمان ان زبانوں سے واقف نہ تھے اس لئے ان کو بدستور رہنے دیا اور انہیں مقامات کے عملے سے کام لیتے رہے۔ حجاج بن یوسف والی عراق کے پاس ایک نوجوان صالح نامی جس کا باپ عبدالرحمن سیستان کے اسیران جنگ میں آیا تھا ملازم ہوا وہ چونکہ عربی اور فارسی دونوں زبانیں جانتا تھا اس لئے حجاج نے اس کو حکم دیا کہ دفتر کو فارسی سے عربی میں منتقل کرے ۔ صالح نے اس کے حکم کی تعمیل کی ۔ عجمی عملہ نے جب یہ دیکھا تو اس کے سامنے ایک لاکھ درہم لا کر رکھا اور کہا کہ امیر تم کو اس کام کا اس سے زیادہ انعام نہیں دے گا۔ لہٰذا تم یہ رقم لے لو اور اس کو کہہ دو کہ عربی میں ترجمہ نہیں ہو سکتا مگر صالح نے ان کی بات قبول نہیں کی اسی زمانہ میں ایران کا دفتر عربی میں آگیا۔
عبدالحمید بن یحییٰ وزیر کہا کرتا تھا کہ اللہ صالح کا بھلا کرے اس نے اسلامی حکومت پر بڑا احسان کیا۔ ملک شام میں ولید کے زمانہ میں سلیمان بن سعید کاتب نے دفتر کو سریانی سے عربی میں ترجمہ کر دیا۔ جب سر دفتر ابن سرجون رومی نے دیکھا کہ ترجمہ بالکل صحیح ہے تو اس نے ان رومیوں سے جو دفتر میں کام کرتے تھے پکار کر کہا آج کے دن سے دفتر تمہارے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب تم اپنی روزی کے لئے کوئی اور دروازہ تلاش کرو۔ مصر میں بھی وہاں کے والی عبداللہ بن عبدالملک نے ولید کے زمانہ میں ۸۳ھ میں ابن یربوع فزاری باشندہ حمص سے قبطی دفتر کو عربی میں منتقل کرا لیا اس طرح پر اسلامی حکومت کے کل دفاتر عربی زبان میں آگئے۔

محکمہ قضاء

بنی امیہ کے عہد میں بھی یہ محکمہ اسی سادہ طریقہ پر رہا جس طرح خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔ قاضیوں کا تقرر اور انتخاب بیشتر امراء کے ہاتھوں میں تھا کبھی کبھی دربار خلافت سے بھی مقرر کر کے بھیجے جاتے تھے۔ دار الخلافہ کے قاضی کو ہمیشہ خود خلیفہ منتخب کیا کرتا تھا لیکن دوسرے قاضیوں پر اس کو کوئی خاص امتیاز نہیں حاصل ہوتا تھا۔
احکام فقہیہ چونکہ اس وقت تک کتابوں میں مدون نہیں ہوئے تھے اور نہ سلطنت کی طرف سے کوئی جامع قانون مرتب ہوا تھا

اس لئے یہ قضاۃ اپنی رائے اور اجتہاد اور شہر کے مفتیوں سے مدد لے کر مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے اور ان کو اس میں پوری آزادی تھی۔ ان کی تنخواہیں ۱۲۰ دینار سالانہ سے لے کر ۲۰۰ دینار تک ہوتی تھیں۔ اوقاف اور یتیموں کے مال کی نگرانی بھی انہیں کے ذمہ ہوتی تھی ۔ حدود شرعیہ یعنی قصاص و قطع ید وغیرہ کا اجراء خلفاء اور امراء کے اختیار میں تھا۔

اشاعت اسلام

خلافت راشدہ میں ایران ، شام اور مصر کی قوموں میں بالعموم اسلام پھیل چکا تھا۔ عہد بنی امیہ میں جو رقبہ اسلامی حکومت میں شامل ہوا۔ اس میں بھی یہی حالت ہوئی خراسان ۔ ماوراء النہر ۔ سواحل بحر قزوین ۔ پھر مغرب میں طرابلس تونس اور مراکش ہر جگہ کے باشندوں نے کثرت کے ساتھ اسلام کو قبول کیا۔ خاص کر عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں سغدی امیروں اور سندھی راجاؤں نے اس دین کو اختیار کیا یہاں تک کہ بیت المال میں جزیہ کی آمدنی کم ہو گئی اور وہاں سے امیر سمرقند کے نام فرمان پہنچا کہ لوگ جزیہ سے بچنے کی غرض سے اسلام قبول کر رہے ہیں لہذا تم دیکھو جو ختنہ کرائے قرآن پڑھے اور شرعی فرائض کا پابند ہو اس کا جزیہ معاف کر دو اور باقیوں سے وصول کرو۔ لیکن یہ فرمان چونکہ اسلام کے خلاف تھا اس لئے سب سے پہلے اس کی مخالفت خود ابو صیداء نے کی جو اس دربار میں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے ۔ یہ جھگڑا زیادہ بڑھا آخر میں نصر بن امیر خراسان کو نو مسلموں کے جزیہ کی رقم بالکل معاف کرنی پڑی ۔ پھر فرغانی ۔ اشتینی اور تورانی قومیں بیشتر مسلمان ہو گئیں۔ مغرب میں بربر اقوام تمام تر اسلام لائیں لیکن بار بار مرتد ہوتی رہیں۔ آخر میں موسیٰ بن نصیر کے عہد میں بارہویں مرتبہ مسلمان ہوئیں۔ اس وقت سے ثابت قدم ہو گئیں اور اس نے انہیں کے ذریعہ سے اندلس اور پرتگال فتح کیا۔

امن و رفاہیت خلق

ہر چند کہ ملک میں اندرونی شورشیں بھی اکثر برپا ہوئیں اور بیرونی لڑائیاں بھی جاری رہیں لیکن عمال سلطنت کی انتظامی قابلیت کی وجہ سے امن عامہ عمدگی کے ساتھ قائم رہا چوری یا رہزنی کے دعوے کم ہوتے تھے راستے اور کارواں اور مسافر محفوظ تھے۔

خلق کی رفاہیت اور خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ لوگ اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر تلاش میں نکلتے تھے اور کوئی صدقہ لینے والا نہیں ملتا تھا۔

زیاد اور حجاج وغیرہ والیان عراق اگرچہ سفاک اور خونریز تھے لیکن ان کی تمام سختیاں زیادہ تر اپنے مخالفین کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ملکی انتظام میں ان کی بیدار مغزی سے کون انکار کر سکتا ہے چنانچہ زیاد نے کوفہ میں اعلان کرا دیا تھا کہ جس کا جس قدر مال چوری جائے وہ مجھ سے آکر وصول کر لے اس کے عہد میں خود کوفہ جو شورشوں کا مرکز تھا لوگ راتوں کو بھی اپنے مکانوں اور دکانوں کے دروازے نہیں بند کرتے تھے۔ حجاج کے ظلم کی اس قدر شہرت ہے لیکن ابن اشعث کے فتنہ میں جب کوفہ کی حکومت اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور پھر تھوڑے دن کے بعد وہ آکر قابض ہوا تو اس نے امام شعبی سے پوچھا کہ ہمارے بعد کیسی حکومت رہی انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے بعد خوف کے بستر پر سوئے اور بیداری کا سرمہ لگایا۔

علوم

امیر معاویہ کو تاریخ سے بہت ذوق تھا وہ لوگوں کو ملازم رکھ کر ان سے گزشتہ حالات سنا کرتے تھے ان کے حکم سے عبیدہ بن شریہ ایک یمنی شخص نے قدیم واقعات کو ایک کتاب کی شکل میں مدون کیا تھا۔ خاندان بنی امیہ میں سے خود خالد بن یزید اول بڑا عالم اور علم دوست تھا۔ اس نے یونانی فنون حاصل کئے اور کیمیا اور طب میں رسائل لکھے۔ علامہ ابن جبیر نے عبدالملک کی استدعا پر فن تفسیر کی پہلی کتاب لکھی ۔ اسی عہد میں دیگر بزرگوں مثلاً موسیٰ بن عقبہ اور وہب بن منبہ نے بھی کتابیں مدون کیں۔ حضرت عمر

بن عبدالعزیز کے عہد میں ان کے حکم سے علماء نے احادیث نبوی کے مجموعے تیار کئے۔ حجاج بن یوسف نے اہل عجم کو تلاوت میں غلطیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے قرآن میں نقطے اور اعراب لگوائے۔ ہشام بن عبدالملک نے ایران کی تاریخ کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کرایا۔

تعلیم

فتوحات اور مہمات جنگ کی مصروفیتوں کی وجہ سے خود خلفاء بنی امیہ نشر علم کی طرف زیادہ توجہ نہ کر سکے لیکن سینکڑوں ائمہ اور علماء ملک کے ہر گوشے میں اس فریضہ کو اچھی طرح انجام دے رہے تھے مکہ میں عطاء بن رباح۔ مدینہ میں سعید بن مسیب۔ شام میں امام مکحول۔ بصرہ میں امام حسن بصری۔ کوفہ میں امام شعبی اور ابراہیم نخعی خاص طور پر مشہور ہوئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ فقہ مرتب کر رہے تھے امام خلیل بن احمد نے فن عروض اور ابو الاسود نے علم نحو ایجاد کر لیا تھا۔ الغرض اسلامی علوم کا وہ چمن جو خلافت عباسیہ میں برگ و بار لایا۔ عہد بنی امیہ میں لگایا جا چکا تھا۔ جریر۔ فرزدق اور اخطل وغیرہ اسلامی عہد کے ممتاز شعراء بنی امیہ کے درباروں سے تربیت پاتے تھے۔

رفاہ عام

امیر معاویہ کے حکم سے اطراف مدینہ میں چشمے نکالے گئے اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جہاں پانی جمع ہوتا تھا۔ بند بندھوائے گئے۔ ان سے کھیتوں اور نخلستانوں کی آب پاشی ہوتی تھی۔ ولید نے جامع دمشق بنوائی اور مسجد اقصیٰ اور مسجد مدینہ کو اضافہ کر کے از سر نو تعمیر کرایا اس زمانہ میں اسلامی ممالک میں تعمیر کا کام عام ہو گیا تھا ہر ہر شہر میں امراء اور رؤسا نے بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ ولید نے شہروں کے راستے بھی درست کرائے ان میں جہاں جہاں خطرات تھے ان کی حفاظت کا سامان کیا۔ مسافروں کے لئے سرائیں بنوائیں اور کنوائیں کھدوائے۔ شہروں میں مہمان خانے اور شفاخانے بنوائے غرباء اور مساکین کے لئے محتاج خانے قائم کئے۔ اندھوں کے واسطے رہبر اور اپاہجوں اور جذامیوں کے لئے خدمت گار مقرر کئے اور ان کو وظیفہ دیا۔ ہشام نے اپنے عہد میں مکہ مکرمہ کے راستے میں زائرین کے پانی پینے کے لئے جابجا حوض بنوائے اور کنوئیں کھدوائے۔ دولت بنی امیہ میں متعدد شہر بھی آباد ہوئے عقبہ بن نافع نے قیروان۔ حجاج نے واسط۔ اسد بن عبداللہ نے بلخ اور سلیمان بن عبدالملک نے رملہ آباد کرایا۔

سکہ

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ خلافت راشدہ میں حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان نے اپنے عہد میں ایرانی شکل کے درہم اسلامی نقوش کے ساتھ ڈھلوائے تھے امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں درہم کا وزن کم کر دیا اور اسکی شکل بدل دی دینار میں جو طلائی سکہ تھا ایک طرف انسان کی تصویر بنوائی جس کے گلے میں تلوار حمائل تھی۔ عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اور ان کے بھائی مصعب نے عراق میں مدور درہم ڈھلوائے۔ عبدالملک نے ۷۶ھ میں بڑی احتیاط کے ساتھ حسابی اصول کے مطابق درہم اور دینار کے اوزان مقرر کر کے نئے سکے مضروب کئے دینار پر تصویر تھی جب یہ مدینہ میں پہنچے تو وہاں چند صحابی جو باقی رہ گئے تھے انہوں نے اس کی تصویر کو ناپسند کیا لیکن سعید بن مسیب فقیہہ مدینہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا وہ انہیں سکوں کو خرید و فروخت میں استعمال کرتے تھے۔ اس کے بعد عراق۔ واسطہ اور جزیرہ میں ٹکسالیں قائم کی گئیں۔ جن میں اسلامی سکے مضروب ہونے لگے۔

حصّہ چہارم

خلافتِ بنو عباسیہ

خلافت عباسیہ

تاریخ الامت کے اس چوتھے حصے میں پوری سو برس کی تاریخ ہے۔ ۱۳۲ھ سے جبکہ بنی عباس کی خلافت قائم ہوئی ۔ ۲۳۲ھ تک نویں عباسی خلیفہ واثق باللہ کی وفات تک کے حالات اس میں آگئے ہیں۔ یہ زمانہ خلافت عباسیہ کے عروج کا تھا اس کے بعد سے زوال شروع ہو گیا جس کی تاریخ انشاء اللہ پانچویں حصہ میں آئے گی۔

(۲) ان نو خلفاء میں سے بجز ہارون اور مامون کے اور کسی کے حالات اب تک اردو زبان میں مورخانہ حیثیت سے نہیں لکھے گئے ۔ ان میں سے بھی الہارون جو سلسلہ آصفیہ سے شائع ہوئی ہے ایک انگریزی کتاب کا محض کورانہ ترجمہ ہے جو کسی طرح امت کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں تھا کیونکہ یورپین مصنفین تاریخ اسلام میں بالعموم یہ غلطی کرتے ہیں کہ کتب محاضرات کے قصوں کو لے کر جو بازاری خرافات کا مجموعہ ہیں اپنے حسب منشاء نتائج ان سے نکالتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اس قسم کے اغلاط سے پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امت کی تاریخ قومی میراث ہے اغیار کے زاویہ نظر سے اس کو اپنی قوم کو دکھلانا ایک جرم قبیح ہے۔

(۳) ایک عجیب بات یہ ہے کہ عوام میں تاریخی اشخاص میں سے جو کسی لحاظ سے مقبول ہو گیا ہے اس کی ہر ایک بات ان کے نزدیک پسندیدہ ہے اور جس کو کسی وجہ سے انہوں نے برا خیال کر لیا ہے اس میں کسی خوبی کو نہیں مانتے ۔ ان کے ذہن میں اس طرح کا کوئی تاریخی انسان مشکل سے آتا ہے۔ جس میں بھلائی اور برائی دونوں پائی جاتی ہوں ۔ حالانکہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے تمام نبی آدم اسی قسم کے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان کے عیب و ہنر دونوں کو دکھلانے کی کوشش کی ہے کیونکہ بلا اس کے تاریخی بصیرت پیدا نہیں ہو سکتی۔

(۴) ہم نے اس کتاب کا عمود تاریخ خلافت کو قرار دیا ہے ۔ اسی کا جال آخر تک انشاء اللہ تعالیٰ مسلسل لکھیں گے اور جس جس عہد میں جو جو حصے اس میں شامل یا اس سے الگ ہوتے گئے ہیں ان کو ضمناً دکھلاتے جائیں گے۔

چونکہ ہم نے فائدہ عام کے خیال سے اس کتاب کو ضروری تاریخی معلومات پر محدود رکھنے اور اس میں صرف سیاسی حالات لکھنے پر اکتفا کرنا مناسب سمجھا اس لئے علمی کیفیات کو جن کے لئے ایک دفتر درکار تھا مفصلاً نہیں بیان کیا۔ مختصراً ذکر کر دیا ہے۔
علاوہ بریں خلافت عباسیہ میں جو علمی تحریک شروع ہوئی وہ اس کی شوکت و قوت یا ضعف و انحطاط کی تابع نہیں رہی چنانچہ سلجوقیوں کے زمانہ میں یہ خلافت اگرچہ بعد کمزور ہو گئی تھی لیکن علمی تحریک اس وقت بھی زبردست تھی ۔ اس لئے علمی تاریخ کے واسطے ایک جداگانہ مستقل کتاب کی ضرورت ہے جس میں وہ سلسلہ وار ترتیب کے ساتھ لکھی جائے عام تاریخ میں میرے خیال میں اس کی تفاصیل کا شامل کرنا موزوں بھی نہ تھا۔

بنی عباسؓ

المطلب بن ہاشم کے اگرچہ دس بیٹے تھے لیکن ان کے دو بیٹوں ابو طالب اور عباس کی اولاد کثرت کے ساتھ بڑھی اور افریقہ سے لے کر وسط ایشیا تک اسلامی ممالک کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ تاریخ اسلام میں ان دونوں خاندانوں کا عظیم الشان حصہ ہے اس موقع پر ہم عباسی خاندان کا حال لکھتے ہیں۔

حضرت عباسؓ

ان کی والدہ نتیلہ بنت جناب تھیں ولادت عام فیل سے تین سال قبل ہوئی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن میں تین سال بڑے تھے۔ حضرت عباس عقلاء اور سادات بنی ہاشم میں سے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو گو اس وقت یہ اسلام نہیں لائے لیکن ان کے ساتھ خلوص بحد رکھتے تھے چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پچھلے پہر انصار سے ملنے کو تشریف لائے تو حضرت عباس بھی ان کے ساتھ تھے اور انہوں نے انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اپنی قوم میں عزت اور امن کے ساتھ ہیں تم لوگ جو ان کو اپنے شہر میں لے جانا چاہتے ہو تو یہ سوچ لو کہ تم کو سارے عرب سے لڑنا پڑے گا۔ لہذا ابھی سے خوب سمجھ کر مشورہ کر لو اگر تم اپنے اندر محافظت اور مدافعت کی قوت پاتے ہو تو لے جاؤ ورنہ باز رہو کیونکہ وہی بات اچھی ہوتی ہے جو پکی ہو۔ یہ سن کر انصار نے جان نثاری کے وعدے کئے اور حضرت براء بن معرور انصاری نے فرمایا کہ

اگر ہمارے دل میں کوئی اور بات ہوتی تو اس کا اظہار کرنے میں ہم کو کوئی باک نہ تھا۔ ہم لوگ وفادار اور راست باز ہیں اور اپنی جانوں کو رسولؐ اللہ پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

جب انصار بیعت کرنے لگے اس وقت حضرت عباسؓ ان کو تاکید کرتے تھے کہ دیکھو! جو کچھ عہد کرتے ہو اس کو پورا کرنا۔ جنگ بدر کے لئے جب کل قریش بلا استثناء مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلے تو حضرت عباس اور ان کے دونوں بھتیجوں طالب اور عقیل کو بھی قوم کے ساتھ مجبوراً نکلنا پڑا یہی سبب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم دے دیا تھا کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی تمہارے سامنے پڑ جائے تو اس کو قتل نہ کرنا۔ چنانچہ جب وہ گرفتار ہوئے تو حضرت عباس نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا۔ پھر مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔ یہاں جو کمزور مسلمان کفار کی سختیوں میں گرفتار تھے ان کی دستگیری کرتے تھے اور آنحضرت صلعم کو حالات سے اطلاع دیتے رہتے تھے کچھ دنوں کے بعد مدینہ منورہ آنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں لکھا کہ تمہارا وہاں رہنا زیادہ مفید اور اچھا مجاہدہ ہے اس وجہ سے نہیں آئے۔ جب صلح حدیبیہ ہو چکی اور قبائل میں آمد و رفت ہونے لگی اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔

۸ ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تو حضرت عباسؓ ساتھ تھے۔ ان کا دردمند دل اپنی قوم قریش

کے لئے بے چین تھا۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب یہ لشکر خیمہ زن ہوا۔ تو رات کو نکلے راستہ میں ابو سفیان سے جن کے ساتھ بچپن سے ان کو دلی محبت تھی ملاقات ہوئی ان کو اپنی پناہ میں لائے ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے پاس لیجا کر اسلام کی حقیقت کھائی چنانچہ وہ صبح کو آں حضرت کی خدمت میں جا کر مسلمان ہوئے۔

حضرت عباس کی سفارش پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کے گھر کو امان کے لحاظ سے خانہ کعبہ کے برابر کر دیا جس کی وجہ سے انہوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر قریش کو ڈرایا اور لڑائی سے روکا جس سے بلاجنگ کے مکہ مکرمہ میں مسلمان داخل ہو گئے ۔ قریش کشت و خون سے بچ گئے اور امان عام پانے کے بعد اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہوگئے۔ جنگ حنین میں بھی حضرت عباسؓ شریک تھے اور جس وقت سب کے منہ دشمنوں کے تیروں سے پھر گئے تھے اس وقت بھی یہ نہایت ثابت قدمی کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے خچر کی لگام تھامے ہوئے رہے۔ آں حضرتؑ ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور آپ کے بعد خلفاء کا بھی یہی برتاؤ رہا۔

حضرت عباس کی وفات حضرت عثمانؓ کے عہد میں یوم جمعہ ۱۴ رجب ۳۲ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی ۔ عمر اٹھاسی سال کی تھی بقیع میں دفن ہوئے ان کے بیٹوں میں فضل سب سے بڑے تھے اسی وجہ سے ان کی کنیت ابو فضل تھی ۔ باقی اولاد یہ ہیں۔

عبداللہ ، عبیداللہ ، عبدالرحمن ، قثم ، معبد ، ام حبیبہ ، ان سب کی والدہ لبابہ بنت حارث تھیں۔ دو بیٹے کثیر اور تمام اور دو بیٹیاں صفیہ اور امیمہ ام ولد سے تھیں۔ ایک بیٹا حارث نامی جمیلہ بنت جندب ہذلی کے شکم سے تھا۔ لیکن بجز عبداللہ کے کسی کی نسل نہیں چلی۔

عبداللہ بن عباس

ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی ۔ آنحضرت صلعم ان کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ان کے لئے دعا بھی مانگی تھی کہ " الھم فقھہ فی الدین " چنانچہ جماعت صحابہ میں قرآن دانی میں ممتاز تھے علمائے اسلام میں ان کا لقب اسی وجہ سے حبر امت ہے۔ فصاحت اور طلاقت میں مشہور تھے۔ حضرت عمرؓ ان سے بہت محبت رکھتے تھے اور باوجود کم سن ہونے کے بھی ان کو اپنی مجلس مشورہ میں شریک کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی محصوری کے زمانہ میں انہیں کو امیر الحاج بنایا تھا۔

جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو یہ ان کے حامی اور مددگار رہے انہوں نے ان کو بصرہ کا والی کر دیا لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کے اوپر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے بیت المال میں سے کوئی رقم لے لی ہے اس وجہ سے حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ کر طائف میں چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کی۔ امیر معاویہؓ اپنے زمانہ میں ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ان کے ساتھ وہی محبت کرتے تھے جو ابو سفیان کو عباس کے ساتھ تھی۔

عبداللہ بن عباسؓ نے ۶۸ھ میں طائف میں انتقال کیا۔

علی بن عبداللہ

یہ اسی رات کو پیدا ہوئے جس رات میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے وفات پائی تھی۔ اسی وجہ سے ان کا نام علیؓ رکھا گیا تھا۔ نہایت حسین آدمی تھے اور اس قدر بلند و بالا کہ طواف میں جس وقت ہجوم ہوتا تھا اس وقت ایسے نظر آتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ کھڑے ہیں۔ خلفائے بنی امیہ نے ایک گاؤں حمیمہ جو مدینہ منورہ سے دمشق جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے ان کو جاگیر میں دیا تھا اسی میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ بائیس بیٹے اور گیارہ بیٹیاں چھوڑیں بیٹوں میں سب سے بڑے محمد تھے اور وہی ان کے جانشین ہوئے۔

محمد بن علی

دعوت عباسی کی بنیاد ان ہی سے پڑی یہ امام ابراہیم اور ابوالعباس سفاح خلیفہ اول اور ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی کے والد تھے۔ اس موقع پر مختصراً یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ عباسیوں میں خلافت کا خیال کیونکر پیدا ہوا۔

خلافت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مرض الموت میں تھے اس وقت حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ محمد صلعم کے بچنے کی امید کم ہے کیونکہ آخری وقت میں بنی ہاشم کی جو صورت ہوتی ہے اس کو بارہا میں دیکھ چکا ہوں اور خوب پہچانتا ہوں لہذا تم ان کی خدمت میں جا کر خلافت کے معاملہ کو طے کر لو۔ اگر بنی ہاشم میں رہے تو خیر ورنہ جو خلیفہ ہو اس کو ہمارے متعلق وصیت فرما دیں، حضرت علیؓ نے جانے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر آج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خلافت سے محروم کر دیا تو پھر وہ قیامت تک کبھی ہم کو نہیں مل سکے گی۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جمہور اہل اسلام نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین رشتہ دار حضرت عباسؓ تھے۔ پھر حضرت علیؓ۔ حضرت عباسؓ اگرچہ رشتہ میں قریب تر اور سن میں بزرگ تر تھے لیکن حضرت علیؓ کو سابقہ اسلامی اور خدمت دینی کا شرف ان سے بڑھ کر حاصل تھا۔ علاوہ بریں حضرت فاطمہؓ بنت رسول ان کی زوجیت میں تھیں اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو زیادہ خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ اسی خیال کی بنیاد پر وہ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت عامہ میں شریک نہیں ہوئے۔ چھ مہینے کے بعد جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا اس وقت آکر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت ابو بکرؓ کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ اور عباسؓ دونوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت عمرؓ کے بعد خلافت جب رجال شوریٰ میں آئی تو حضرت علیؓ کو قوی امید ہو گئی کہ ان کا انتخاب ہو جائے گا لیکن کثرت رائے سے حضرت عثمانؓ خلیفہ ہو گئے اس سے حضرت علیؓ کبیدہ خاطر ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ساتویں سال ۳۰ھ میں بڑے بڑے اسلامی مرکزوں میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ خلافت حضرت عثمانؓ سے نکال کر حضرت علیؓ کو دلائی جائے۔ کوفہ، بصرہ، شام اور مصر میں ایک جماعت نے اس خیال کو پھیلانا شروع کیا جس کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔

ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے والیوں کے بیشتر فرضی افسانے مشہور کرنے شروع کئے اور عوام کو ان کی طرف سے بدظن کرنے لگے۔

اسی قسم کے خطوط ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیجے جاتے تھے وہاں کے اہل فتنہ ان کو لوگوں میں شائع کرتے تھے۔ عوام اس کو سن کر رنج اور افسوس کرتے تھے کہ فلاں شہر میں مسلمانوں پر اس قسم کے مظالم ہو رہے ہیں۔ بصرہ والے کوفیوں پر اور کوفہ والے بصریوں پر ترس کھاتے تھے اور ہر ایک یہ کہتا تھا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس آفت سے محفوظ ہیں۔ مدینہ منورہ میں جہاں ہر طرف سے خطوط پہنچتے تھے لوگ سب کی حالت زار پر ہمدردی کا اظہار کرتے تھے اور شکر کرتے تھے کہ ہم عافیت میں ہیں اس طرح پر ان فتنہ پردازوں نے عام اہل اسلام کو والیان صوبجات کے مظالم کے جھوٹے افسانوں سے متاثر کر کے برگشتہ کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کے لیے اطراف و دیار میں معتبر صحابہؓ کو بھیجا۔ معلوم ہوا کہ یہ تمام شکایات مصنوعی ہیں صرف

چند اشخاص اس کی تہہ میں ہیں جن کی سازش سے جعلی خطوط جابجا مخفی طور پر بھیجے جاتے تھے۔

حضرت عثمانؓ چونکہ نرم خو تھے اور اس بات سے بہت ڈرتے تھے کہ ان کی ذات سے کسی فتنہ کا آغاز ہو جائے اس لئے انہوں نے اس مفسد جماعت کی تفتیش نہیں فرمائی نہ اس کی سزا کے در پے ہوئے یہاں تک کہ ان لوگوں نے خود حضرت عثمانؓ کی شکایت شروع کی اور ان کے اوپر الزامات لگائے پھر مصر، کوفہ اور بصرہ تینوں مقامات سے اس جماعت کے لوگ ان کے پاس آئے اور رو در رواں شکایات کو بیان کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے جوابات دے کر رخصت کر دیا اور اس وقت بھی ان کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔

چند روز کے بعد یہ لوگ پلٹ کر پھر مدینہ منورہ میں آگئے اور ایک جعلی خط لا کر دکھایا۔ کہ حضرت عثمانؓ نے یہ مصر کے والی کے نام لکھا ہے کہ جب ہم وہاں پہنچیں تو وہ ہم کو سزائیں دے۔ اس پر حضرت عثمانؓ کے دستخط اور ان کی مہر بھی بنی ہوئی تھی جس وقت یہ خط ان کو دکھایا گیا انہوں نے اللہ کو گواہ کر کے کہا کہ میں نے اس کو نہیں لکھا نہ مجھ کو اس کا علم ہے ان لوگوں نے کہا کہ اگر یہ فعل ان کا نہیں ہے تو آپ کے کاتب مروان کا ہے اس کو ہمارے حوالہ کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ دستخط کے مشابہ دستخط اور ایک مہر کی طرح دوسری مہر بھی بن سکتی ہے۔ ثبوت کے لئے دو گواہ عادل چاہئیں۔

ان لوگوں نے یہ سن کر بغاوت کا اعلان کر دیا اور حضرت عثمانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر لیا۔ پھر چند روز کے بعد اس میں آگ لگا دی۔ اور اندر گھس کر ان کو شہید کر ڈالا۔

خلیفہ ثالث کو قتل کر کے ان لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی مگر ان کو بھی ایک دن اطمینان حاصل نہ ہو سکا اور وہ اپنے چند سالہ عہد خلافت میں بصرہ، نہروان اور صفین کی لڑائیوں میں مبتلا رہے۔ آخر میں پنچوں نے ان کو خلافت سے معزول کیا اور جب انہوں نے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تو ایک خارجی نے رمضان 40 ھ میں رات کو چھپ کر ان کو خنجر مارا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے معاویہؓ بن ابی سفیان کی طاقت اس وقت بڑھ گئی تھی اور شام، حجاز، یمن اور مصر کے لوگ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر چکے تھے اس وجہ سے حضرت علیؓ کے بعد جمہور اہل اسلام کا انہیں کی طرف میلان ہوا۔ صرف کوفہ جو شیعہ علیؓ کا مرکز تھا ان کی بیعت سے خارج رہا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ حضرت علیؓ کو نہ صرف امیر معاویہؓ بلکہ خلفائے سابقین سے بھی افضل سمجھتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے بعد امام حسنؓ کو ان کا جانشین بنایا۔ امیر معاویہؓ فوجیں لے کر آئے پہلے ہی حملہ میں عراقیوں نے شکست کھائی اور امام حسنؓ زخمی ہو گئے۔ اس لئے انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں عراقیوں کے عدم اخلاص کی وجہ سے میرے والد اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ لہذا ان سے مجھے بھی کچھ توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ یہ سوچ کر امیر معاویہؓ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور مدینہ منورہ میں آکر قیام پذیر ہو گئے اور وہیں ۵۰ ھ میں وفات پائی۔

امیر معاویہؓ نے نہایت حلم۔ فیاضی۔ دانش مندی اور فرزانگی کے ساتھ خلافت کا کام کیا جس سے ان کی مخالفت کا جوش فرو ہو گیا اور اہل بیت کی خلافت کی دعوت بھی دب گئی اگرچہ مناسب وقت کے انتظار میں وہ دلوں میں مخفی رہی۔ امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لی اس وقت چند افراد کی طرف سے مخالفت ظہور میں آئی اور جب ان کے بعد یزید خلیفہ ہوا تو مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ اور کوفہ تین مقامات میں اس کے خلاف شورش برپا ہوئی۔

مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر نے پناہ لی تھی وہاں انہوں نے اپنی خلافت کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں ایک جماعت مخالفت کے لئے کھڑی ہوئی جس نے یزید کی بیعت فسخ کر دی۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو فوج دے کر روانہ کیا اس نے وہاں پہنچ کر نہایت سختی کے ساتھ اس بغاوت کو دبایا۔ کوفہ کے شیعہ اہل بیت نے قاصد اور خطوط بھیج کر امام حسینؓ کو طلب کیا ان کو ان کو خلیفہ بنائیں۔ امام موصوف باوجود اس کے کہ ان کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کا جو رویہ حضرت علیؓ اور امام حسنؓ سے ساتھ رہا تھا خود دیکھ چکے تھے مگر پھر بھی ان کے بلاوے پر بلا کسی فوج و ساز و سامان کے روانہ ہو گئے وہاں پہنچ کر عبیداللہ بن زیاد

کی فوجوں سے مقابلہ ہوا اور آخر ان ہی کوفیوں نے جن میں ایک شخص بھی شام کا نہ تھا ان کو اور ان کے قافلہ کو قتل کر ڈالا۔

یہ حوادث گزر گئے۔ ۶۴ھ میں یزید بھی مر گیا اب عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا۔ اور اہل حجاز۔ مصر اور عراق سب ان کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ حجاز میں بنی ہاشم کے صرف چند اشخاص رہ گئے گئے جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی تھی مثلاً محمد بن ابی طالب جو ابن الحنیفہ کے نام سے مشہور ہیں اور عبداللہ بن عباس وغیرہ۔ ابن زبیر نے ان لوگوں کو قید کر دیا۔

شام میں بنی امیہ نے مروان بن حکم کو خلافت کے لئے اٹھایا وہاں کچھ لوگ ابن زبیر کے حامی تھے ان میں اور بنی امیہ میں ایک جنگ عام شروع ہو گئی۔ اس ہنگامے میں ایک شخص مختار بن ابی عبید ثقفی ۶۶ھ میں اٹھا اس نے چاہا کہ اس فتنہ اور شورش میں عراق پر اپنا تسلط قائم رہے اہل عراق چونکہ اہل بیت کے طرفدار تھے اس لئے ان کی امداد حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اہل بیت کی حمایت اختیار کی جائے چنانچہ اس نے امام حسینؓ کے قصاص لینے کے نام سے جھنڈا بلند کیا اور محمد بن الحنیفہ کی بیعت کی طرف جو اس وقت حضرت علیؓ کے سب سے بڑے بیٹے تھے لوگوں کو بلایا اور ان کا لقب امام مہدی مشہور ہو گیا۔ مختار نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی مؤثر عبارتیں اور خطبے خواہ سچے ہوں یا جھوٹ استعمال کئے اس کی **کثرو دروغ** بانی کی وجہ سے عقلاء کوفہ نے اس کا لقب کذاب رکھا تھا۔

اس نے رؤساء شیعہ کو اپنے ساتھ ملایا اور اپنے آدمی بھیج کر محمد بن الحنیفہ کو جو مکہ میں قید تھے چھڑا لیا۔ اس سال مسلمانوں میں ایسا تفرقہ تھا کہ میدان عرفات میں چار مختلف علم مجتمع ہو گئے تھے ایک ابن زبیر کا۔ دوسرا بنی امیہ کا تیسرا ابن الحنیفہ کا اور چوتھا خوارج کا۔ لیکن خیریت رہی اور حرم میں خونریزی نہیں ہوئی۔ مختار کی چیرہ دستیوں کو دیکھ کر عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی معصب کی قیادت میں ایک فوج اس کے استیصال کے لئے روانہ کی چونکہ شرفاء و کبریٰ عراق مختار کی نیت اور اس کے افعال سے واقف ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے معصب کا ساتھ دیا وہ غالب آئے اور مختار مارا گیا۔

آخری وقت میں جب وہ دارالامارت میں محصور ہو گیا اور اس کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے ایک شخص نے کہا کہ یہ تم کو کیا ہو گیا تھا کہ خواہ مخواہ کھڑے ہو گئے اور لاکھوں آدمیوں کو مصیبت میں ڈال دیا۔ مختار نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا کہ شام میں مروان اور حجاز میں ابن زبیر اپنی اپنی خلافت کے دعوے کر رہے ہیں مجھے یہ خیال ہوا کہ کیا میں ان میں سے کسی سے کم ہوں۔

شام میں بنی امیہ غالب آ گئے لیکن مروان کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا عبدالملک خلیفہ ہوا۔ اس نے مصر اور عراق پر بھی غلبہ حاصل کر کے اپنی بیعت لے لی۔ اب صرف حجاز رہ گیا۔ ۷۲ھ میں اس نے حجاج کو فوج دے کر مکہ مکرمہ کی طرف بھیجا ابن زبیر مارے گئے اور تمام ممالک اسلامیہ پر عبدالملک کی خلافت مسلم ہو گئی۔

محمد بن الحنفیہ نے بھی اس کے ساتھ بیعت کر لی لیکن باوجود اس کے شیعہ ان ہی کو خلافت اور امامت کا حقدار سمجھتے رہے اور جب انہوں نے انتقال کیا تو ان میں سے بعضوں نے ان کی موت کا انکار کر دیا اور کہا کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ غائب ہو گئے ہیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد ان کا ظہور ہو گا اور وہ خلافت لے لیں گے لیکن اکثروں نے ان کے بیٹے ابو ہاشم کو ان کا جانشین تسلیم کر لیا۔ یہ لوگ کیسانیہ کہے جاتے ہیں کیونکہ یہ مختار ثقفی کے ساتھی تھے جس کا لقب کیسان تھا۔

شیعہ امامیہ نے علی بن حسین یعنی زین العابدین کو امام بنایا جنہوں نے یزید نیز عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور جو کبھی اپنی ذات کے لئے خلافت کے طالب نہیں ہوئے ان کے بعد ان کے بیٹے محمد باقرؒ کو اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امامت حضرت علیؓ کی اس اولاد میں محدود ہے جو حضرت فاطمہؓ سے ہے اور چونکہ امام حسینؓ نے اسی معاملہ میں اپنی جان دے دی اس لئے یہ ان ہی کی نسل میں آ گئی۔ ۔ ۔ ۔ فرقہ یہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم کے وصی تھے۔

اس لئے آنحضرتؐ کے بعد امام اول وہی ہیں اور ان کے بعد امام حسن پھر امام حسینؓ اور پھر ان کے بیٹے زین العابدین ان کے

بعد ہر فاطمی جو علم سخاوت اور شجاعت سے موصوف ہو امام ہو سکتا ہے چنانچہ ان لوگوں نے زید بن علی بن حسین کو اپنا امام تسلیم کر لیا۔ یہ زیدی کہلائے اور اب تک اسی نام سے مشہور ہیں۔

کیسانیہ کے امام ابو ہاشم حمیمہ میں چلے گئے تھے وہیں بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔ چونکہ انہوں نے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا تھا اس وجہ سے بنی عباس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ علی بن عبداللہ کو اپنے حق امامت کی وصیت کر گئے ہیں فرقہ کیسانیہ اس بنیاد پر ان کا طرفدار ہو گیا لیکن علی بن عبداللہ صرف نام کے وصی تھے کام جو کچھ کیا ان کے بیٹے محمد نے کیا اور وہی ان کے بعد امام بھی قرار پائے۔ جس زمانہ میں علی بن عبداللہ نے وفات پائی تقریباً اسی زمانہ میں امامیہ کے امام محمد باقر کا انتقال ہوا۔ امامیہ نے ان کے بیٹے جعفر صادق کو امام تسلیم کر لیا۔ یہ لوگ کبھی طالب خلافت نہیں ہوئے البتہ زیدیوں نے امام زید کی حمایت اور نصرت کا علم کوفہ میں بلند کیا وہ مقتول اور مصلوب ہوئے پھر ان کے بعد ان کے بیٹے یحیٰ کو اٹھایا ان کا انجام بھی یہی ہوا۔

لیکن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نہایت عقیل اور دانش مند تھے۔ انہوں نے یہ سوچ لیا کہ خلافت اور سلطنت کا ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کرنا فوری جوش کے ساتھ ممکن نہیں ہے اور تاوقتیکہ ایک کثیر تعداد اس مقصد کی حمایت کے لئے تیار نہ کی جائے اس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے انہوں نے اپنے شیعوں میں سے داعیوں کی ایک جماعت منتخب کی کہ جو لوگوں میں اہل بیت کی امامت کی تبلیغ کرے اور کسی شخص کا نام نہ لے کیونکہ یہ خوف تھا کہ اگر کسی امام کا نام متعین کر دیا جائے گا تو جس وقت بنی امیہ کو خبر ہو گی وہ اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے تبلیغ کے دو مرکز قرار دیئے کوفہ اور خراسان۔

کوفہ کو تو اس وجہ سے منتخب کیا کہ وہ شیعہ کا اصلی گہوارہ تھا۔ اور خراسان کو اس خیال سے کہ وہاں کے لوگ نو مسلم، جاہل اور اسلامی حریت، مساوات اور جمہوریت کے مفہوم سے ناآشنا تھے۔ ان کے یہاں سلاطین اور ملوک کی جو تاریخ تھی اس کے لحاظ سے ان کو یہ سمجھا دینا بہت آسان تھا کہ رسول اللہ صلعم کے قریبی رشتہ دار اور اہل بیعت خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ علاوہ بریں اہل ایران و خراسان زمانہ قدیم سے صاحب ریاست و حکومت تھے اور بنی امیہ نے ان کو بالکل محکوم بنا رکھا تھا اور حکومت میں کسی قسم کا حصہ نہیں دیا تھا اس لئے وہ دل سے انقلاب کے خواہاں بھی تھے۔ چنانچہ محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو خراسان روانہ کرتے وقت جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ

کوفہ اور سواد کوفہ کے باشندے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے شیعہ ہیں۔ بصرہ اور اس کے اطراف کے لوگ عثمانی ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ بندہ مقتول بن قاتل نہ بن۔ اہل جزیرہ دین سے خارج ہیں نام مسلمانوں کے۔ اخلاق عیسائیوں کے۔ شام والے جاہل اور سرکش ہیں اور سوائے بنی امیہ کے کسی کو نہیں جانتے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ والوں پر ابو بکرؓ اور عمرؓ کی عقیدت غالب ہے لہذا تم لوگ مشرق کا رخ کرو جدھر سے دنیا کا چراغ (سورج) نکلتا ہے وہاں کے لوگوں کے دل سادے۔ سینے چوڑے۔ بدن فربہ اور سر بڑے ہیں اور وہ تعداد میں بھی بہت ہیں۔

جمعیت مخفیہ

تبلیغ کی یہ جمعیت دوسری صدی ہجری کے آغاز میں عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں قائم کی گئی۔ گو اس وقت علی بن عبداللہ زندہ تھے لیکن اصل کام کرنے والے ان کے بیٹے محمد تھے۔

کوفہ کے مرکز میں انہوں نے اپنے خاص خانہ زاد غلام میسرہ کو متعین کیا اور خراسان میں محمد بن خنیس، اور ابو عکرمہ سراج دو شخصوں کو بھیجا کہ وہ مختلف مقامات پر قیام کریں۔

مندرجہ ذیل بارہ نقیب منتخب کئے گئے

(۱) سلیمان بن کثیر خزاعی (۲) مالک بن ہشیم خزاعی

(۳) طلحہ بن زریق خزاعی (۴) عمرو بن اعین خزاعی
(۵) عیسیٰ بن اعین خزاعی (۶) قحطبہ بن شبیب طائی
(۷) لاہز بن قریظہ تمیمی (۸) موسیٰ بن کعب
(۹) قاسم بن مجاشع (۱۰) ابو داؤد خالد بن ابراہیم شیبانی
(۱۱) ابوبردی شبل بن عثمان الحنفی (۱۲) عمران بن اسماعیل المعیطی

ان نقیبوں کی ماتحتی میں ستر اشخاص اور مقرر کئے گئے کہ ان کی ہدایت کے مطابق کام کریں۔ طریقہ کار کے لئے خود محمد بن علی نے ایک دستور العمل لکھ کر ہر ایک کو اس کی ایک ایک نقل دے دی۔ یہ دعاۃ اسی وقت جا کر اپنے کاموں میں معروف ہو گئے یہاں تک کہ ایک تہائی صدی کی کوشش کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے یعنی ۱۳۲ھ میں انہوں نے محمد بن علی کے بیٹے سفاح کو کوفہ میں خلیفہ بنایا اور بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

یہ مدت عمل دو دور میں منقسم ہے ۔ دور اول میں دعوت محض زبانی اور خیالی تھی کیونکہ ان مبلغین کے پاس کوئی قوت اس وقت نہ تھی جس سے کام لیتے ۔ علاوہ بریں اس زمانہ میں بنی امیہ میں شقاق و نفاق باہمی زیادہ نہیں تھا۔ اور ان کی شوکت غالب تھی اس لئے ان کے خوف سے یہ لوگ مخفی طور پر اپنے خیالات کی اشاعت اور تبلیغ کرتے تھے یہ حالت انتیس سال تک رہی۔ دور ثانی میں جب ان کا حلقۂ اثر بڑھ گیا اور ابو مسلم خراسانی امام کی طرف سے امیر ہو کر آیا تو اس نے قوت سے کام لینا شروع کیا۔

دور اول

(۱۰۰ھ سے ۱۲۸ھ تک)

- ۱۰۰ھ سے ان داعیوں نے خراسان میں اپنی تبلیغ شروع کی۔ ظاہر میں سوداگروں کے بھیس میں گھومتے اور خفیہ طور پر لوگوں کو امامت اہل بیت کی تلقین کرتے اور وہاں سے اپنی کارروائیوں کی کیفیت کوفہ میں بھیجتے۔ قائم کوفہ ان کو حمیمہ میں امام کے پاس ارسال کرتا تھا۔ نیز ہر سال مکہ مکرمہ میں حج کے موقعہ پر ان میں سے کچھ لوگ جاتے۔ وہاں امام سے مل کر اس کو مفصل حالات سے آگاہ کرتے۔ اور ہدایتیں اور احکامات لے کر پھر واپس آتے۔ اس طرح پر خراسان سے حمیمہ تک تعلقات قائم تھے۔ امام کا حمیمہ میں قیام ان کارروائیوں کے اخفاء میں بہت ممد اور مفید تھا۔ علاوہ بریں دارالخلافہ کے قرب کی وجہ سے وہ وہاں کے حالات سے بھی اچھی طرح باخبر رہتے تھے۔

۱۰۲ھ میں امیر خراسان سعید خزینہ کو ایک تمیمی شخص نے اطلاع دی کہ اس دیار میں بعض لوگ اس قسم کے پائے جاتے ہیں جو امامت اہل بیت کی بیعت لیتے ہیں سعید نے پتہ لگا کر ان کو بلایا۔ اور پوچھا کہ تم کس قسم کی باتیں یہاں پھیلاتے ہو کیا تم اہل بیت کی طرف سے داعی ہو کر آئے ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تو سوداگر ہیں۔ ہم کو دعوت اور تبلیغ سے کیا تعلق۔ اس نے کہا کہ تم کو یہاں اگر کوئی شخص پہچانتا ہو تو اس کو لاؤ۔ وہ ربیعہ اور یمن کے چند اشخاص کو لے گئے۔ جنہوں نے یہ کہا کہ ہم ان کو جانتے ہیں اور ان کی طرف سے ضامن ہیں۔ یہ کوئی کام آپ کی منشاء کے خلاف نہیں کریں گے۔ اس پر سعید نے ان کو چھوڑ دیا۔ ۱۰۵ھ میں اس جماعت میں بکیر بن ماہان شامل ہو گیا جو دولت عباسیہ کا شیخ الشیوخ اور داعی اعظم کہا جاتا ہے۔ یہ چونکہ دولت مند آدمی تھا۔ اس لئے اس نے اپنی دولت سے اس تبلیغ میں قیمتی مدد پہنچائی۔ اسی دوران میں قایم کوفہ میسرہ کا انتقال ہو گیا امام نے بکیر کو اس کی جگہ پر مقرر کر دیا۔

اسد بن عبداللہ قسری امیر خراسان کو ۱۰۸ھ میں ان داعیوں کے متعلق کچھ اطلاع ملی اس نے ان میں سے ایک جماعت کو گرفتار کیا۔ جس میں ابوعکرمہ، ابو محمد صادق، محمد بن خنیس، اور عمار عبادی وغیرہ تھے۔ وہ اگرچہ اصل حقیقت سے واقف نہ ہو سکا لیکن یہ یقین اس کو ضرور ہو گیا کہ یہ ایک سیاسی جماعت ہے جو موجودہ حکومت کی دشمن ہے اس بنیاد پر ہاتھ پاؤں کٹوا کر ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ صرف عمار عبادی کسی طرح بچ کر نکل گیا اور کوفہ میں پہنچ کر بکیر بن ماہان قایم بالاسر کو اس اندوہناک سانحہ کی اطلاع دی اس نے امام کو لکھا وہاں سے جواب آیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس دعوت حق میں چند جانوں کی قربانیاں قبول فرمائیں۔ ابھی کچھ جانیں اور بھی ہیں جو اس راہ میں نثار ہوں گی۔ عمار عبادی پھر خراسان آیا وہاں دوبارہ اسد کے ہاتھ میں پڑ گیا اور پھر نہیں بچ سکا۔

اسد اس جماعت کے لئے اس قدر سخت تھا کہ ان میں سے جس کو پالیتا تھا زندہ نہیں چھوڑتا تھا چنانچہ اس کے عہد میں یہ تحریک بہت دبی رہی۔ ۱۰۹ھ میں وہ معزول کر دیا گیا تو نقیبوں کو پھر تبلیغ کا موقع ملا لیکن ۱۱۶ھ میں وہ دوبارہ وہاں کا امیر ہو کر آیا اس

نے اس جماعت کے ساتھ پھر وہی سختی شروع کی اور ان میں سے بعضوں کو قتل اور بعضوں کو قید کیا۔

ایک بار سلیمان بن کثیر مالک بن ہیثم موسیٰ بن کعب الاہنر بن قریظ، خالد بن ابراہیم، اور طلحہ بن زریق وغیرہ اس کی گرفت میں آگئے مگر اس زمانہ میں اہل یمن اور مضر میں قومی عصبیت خراسان میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ان نقیبوں نے اس سے کہا کہ ہم لوگ آپ کے ہم قوم ہیں۔ اہل مضر نے محض عصبیت کی وجہ سے یہ اتہام ہمارے اوپر لگایا تاکہ آپ کے ہاتھ سے ہم کو قتل کرا دیں۔ ہمارا کام سوداگری ہے۔ امامت کی تلقین و تبلیغ سے ہم کیا واسطہ؟ اس تدبیر سے انہوں نے اسد کی ہمدردی حاصل کرلی اور سب کے سب چھوٹ گئے۔

۱۲۰ھ میں اسد انتقال کر گیا اس کے بعد اس جماعت نے بے خوف ہو کر اس تحریک کو پھیلایا۔ ادھر دو سبب اور بھی پیدا ہو گئے جن سے اس جماعت کو اپنے مقصد کی تکمیل کا موقع مل گیا۔

پہلا سبب

خاندان بنی امیہ میں باہمی نزاع پیدا ہو گئی اس کی ابتداء اس طرح پر ہوئی کہ ۱۲۵ھ میں جب ولید ثانی خلیفہ ہوا اور اس نے لوگوں پر ناجائز سختیاں کرنی شروع کیں تو اس چچا زاد بھائی یزید نے اس کے اوپر مختلف قسم کے الزامات لگا کر اس کو مطعون کرنا شروع کیا۔ چونکہ یزید زاہد و عابد تھا اس لئے لوگوں کو اس کی باتوں پر یقین آگیا۔ چنانچہ ایک جماعت اس کے ساتھ ہو گئی اس نے اس کی مدد سے ولید کو قتل کر کے تخت خلافت پر قبضہ کر لیا۔

یہ دیکھ کر امرائے بنی امیہ نے شام کے مختلف اضلاع سے فوجیں لیکر ولید کے قصاص کے لئے یزید پر چڑھائی کی اور بڑی بڑی خونریز لڑائیاں پیش آئیں یزید اسی درمیان میں انتقال کر گیا۔ اور اس کی بجائے اس کا بھائی ابراہیم خلیفہ ہو گیا۔ مروان بن محمد جو خاندان بنی امیہ کا رکن اعظم اور جزیرہ و آرمینیا کا امیر تھا اور ایک طاقتور فوج رکھتا تھا ابراہیم کی خلافت پر رضامند نہ ہوا۔ اور دمشق پر چڑھائی کی ابراہیم خوف سے بھاگ گیا اور مروان نے اپنی خلافت کی بیعت لی۔ ان باہمی جنگوں کی وجہ سے بنی امیہ میں اتحاد باقی نہیں رہا اور ان کی قوت اور شوکت گھٹ گئی۔

دوسرا سبب

خراسان میں عربی قبائل کے جو لوگ تھے ان میں جاہلانہ عصبیت پیدا ہو گئی۔

اسد بن عبداللہ قسری جب وہاں امیر ہوا تو اس نے قومی حمیت کی وجہ سے تمیمی عربوں کی جن کی تعداد وہاں زیادہ تھی طرفداری کی اور نزاری عربوں سے عداوت اور نفرت کا اظہار کیا اور سختی سے پیش آیا۔ اسد کے بعد وہاں کا امیر نصر بن سیار ہوا جو مضر کے قبیلہ بنی کنانہ سے تھا۔ اس نے نزاریوں کی حمایت کی اس لئے وہاں عربوں کے دو فریق ہو گئے۔ نزاری اور یمنی نزاریوں کا پشت پناہ خود امیر نصر بن سیار تھا اور یمنیوں کا سردار جدیع بن شبیب تھا جو کرمانی کے نام سے مشہور تھا۔ کیونکہ اسکی ولادت کرمان میں ہوئی تھی۔

نصر اور کرمانی میں پہلے نہایت گہری دوستی تھی لیکن اس قبائلی عصبیت نے باہم مخالفت ڈال دی۔ نزاریوں میں بھی دو فریق تھے ایک ربیعہ دوسرا مضر۔ اہل ربیعہ زیادہ تر شیبان بن سلمہ حروری خارجی کے ساتھ تھے جو بنی امیہ کی خلافت کو نہیں تسلیم کرتا تھا۔ اور اپنی الگ ایک جماعت بنائے ہوئے لوگوں کو کتاب و سنت پر عمل کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ اس قومی عصبیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصر اور کرمانی میں باہم جنگ ہوئی۔ نصر نے شکست کھائی اور مرو کو جو خراسان کا صدر مقام ہے چھوڑ کر نکل گیا۔ کرمانی نے مضری عربوں کے مکانات تک کھدوا دیئے۔

اسی زمانہ میں امام محمد بن علی نے حمیمہ میں وفات پائی ان کے جانشین ان کے بیٹے ابراہیم ہوئے۔ نیز بکیر بن ماہان قائم کوفہ نے بھی انتقال کیا۔ اس کی جگہ پر اس کا داماد ابو سلمہ خلال حفص بن سلیمان جو بنی حارث کے موالی میں سے تھا مقرر کیا گیا۔ امام ابراہیم کے یہاں ایک نہایت حوصلہ مند صاحب عزم و ہمت نوجوان ابو مسلم خراسانی تھا یہ پہلے عیسیٰ بن معقل کا غلام تھا اس کے ہاتھ سے بکیر بن ماہان نے خرید لیا۔ اور تشیع کے اصول تلقین کرکے ۱۲۵ھ میں حمیمہ میں امام محمد کے پاس بھیج دیا ان کے انتقال کے بعد یہ امام ابراہیم کے پاس رہا۔

امام ابراہیم نے صیغہ تبلیغ کو اپنے باپ سے بھی زیادہ توجہ اور تن دہی کے ساتھ جاری رکھا۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ ادھر امراء بنی امیہ خانہ جنگی میں مبتلا ہیں ادھر مشرق میں قبائل عربیہ میں منافرت ہے لہذا اب وقت آگیا ہے کہ میدان عمل میں قوت سے کام لیا جائے اس لئے ابو مسلم کو جس میں غیر معمولی ہمت اور عالی حوصلگی کے آثار تھے انہوں نے خراسان میں بھیجا اور اپنی جماعت کو لکھا کہ اس کو میں تمہارا امیر بنا کر بھیجتا ہوں اس کی اطاعت کرو۔ خود ابو مسلم کو یہ وصیت کی۔

دیکھو! تم خاص ہمارے گھر کے آدمی ہو۔ ہماری باتوں کو یاد رکھنا اور ان ہی کے مطابق عمل کرنا۔ وہاں پہنچ کر اہل یمن کی تعظیم و تکریم کرکے ان کو اپنے ساتھ ملا لینا۔ کیونکہ بلا ان کے ملائے ہوئے کامیابی نہیں ہو سکتی ۔ ربیعہ پر ہرگز اعتماد نہ کرنا۔ اور مضر کو جانی دشمن سمجھنا۔ اگر تم سے یہ ہو سکے کہ خراسان میں کوئی عربی بولنے والا نہ چھوڑو تو اس میں دریغ نہ کرنا کسی شخص پر تم کو کسی قسم کا شک ہو یا شبہ پڑ جائے تو اس کو قتل کر دینا اور جس معاملہ میں دشواری پیش آئے اس میں شیخ النقباء بن کثیر سے مدد لینا اس کو میرا قائم مقام سمجھنا اور اس کی مخالفت نہ کرنا۔ اہل یمن کی حمایت کی اس لئے وصیت کی تھی کہ وہ بوجہ قومی عصبیت کے خلافت بنی امیہ کے دشمن تھے۔ بخلاف مضر کے کہ وہ اس کے حامی تھے مگر باوجود اس کے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر ہو سکے تو مضری اور یمنی سب کا خاتمہ کر دینا کیونکہ ان کو اہل عرب پر اس قدر اعتماد نہ تھا جس قدر کہ خراسانیوں پر تھا۔ ابو مسلم ۱۲۸ھ میں وہاں پہنچا۔ عربوں کی باہمی عداوت کی وجہ سے موقع پا کر ایک سال تک اس نے اپنا حلقہ اثر بڑھایا۔ اس کے بعد امام کی زیارت کے لئے روانہ ہوا لیکن جب قوس میں پہنچا تو وہاں اس کو امام کا فرمان ملا۔ کہ میں تمہارے پاس یہ علم جس کا نام النصر ہے بھیجتا ہوں تم اس کو لے کر خراسان میں واپس جاؤ اور جو تحائف میرے لئے لا رہے ہو اس کو قحطبہ کے ہاتھ بھیج دو۔ وہ مجھ سے حج کے موسم میں مکہ میں آکر ملے۔ ابو مسلم اس حکم کے مطابق واپس چلا آیا اور اب اس نے اعلان دعوت اور قوت سے کام لینے کی تیاری شروع کی۔

دور ثانی

۱۲۹ھ سے ۱۳۲ھ تک

ابو مسلم نے مرو کے متصل ایک گاؤں سفیذنج میں قیام کیا وہاں سے خراسان میں ہر جگہ اپنے داعیوں کو بھیجا۔ رمضان ۱۲۹ھ میں جلدہا سے ان لوگوں کو طلب کیا جو امامت اہل بیت کی بیعت کر چکے تھے وہ سب آکر فراہم ہوئے اس نے دو علم ظل اور سحاب جو امام وقت کی طرف سے اس کو موصول ہوئے تھے امامت کی حمایت کے لئے کھڑے کئے اپنی جماعت کو عباسی شعار کے مطابق سیاہ لباس پہننے کا حکم دیا اور ان کو اسلحہ اور ساز و سامان دے کر جنگ کے لئے تیار کیا۔

سب سے پہلے نصر بن سیار والی خراسان کو ایک تہدید آمیز خط بھیجا۔ اس نے برہم ہو کر اپنے غلام یزید کے ہمراہ سواروں کا ایک دستہ اس کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ ابو مسلم نے مالک بن ہیثم کے ساتھ ایک فوج کو مقابلہ میں بڑھایا۔ فریقین میں ایک گاؤں کے متصل جس کا نام آلین تھا۔ معرکہ آرائی ہوئی اس میں شیعہ غالب رہے اس غلبہ کے بعد لوگ جوق در جوق ابو مسلم کی جماعت میں شامل ہونے لگے اور اس کی اس قدر تعداد بڑھ گئی کہ وہ عدم گنجائش کی وجہ سے سفیذنج کو چھوڑ کر ایک بڑے قصبہ ماخوان میں جا کر ٹھہرا اور اس کے اردگرد خندق کھود کر فصیل بنا کر اس کو محفوظ کر لیا۔ سات ہزار آدمی ہر وقت اس کے ساتھ رہتے تھے۔

نصر بن سیار نے ابو مسلم کی قوت کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر چاہا کہ عربوں کو باہم متحد کرے چنانچہ اس نے ربیعہ کے سردار شیبان کو لکھا کہ ہم اور تم اگرچہ باہم اختلاف رکھتے ہیں لیکن یہ جدید جماعت ہم دونوں کی دشمن ہے لہذا اس کے مقابلہ کے لئے تم میرے ساتھ متحد ہو جاؤ شیبان کی بھی خواہش ہوئی کہ وہ نصر کے ساتھ مصالحت کرے ۔ اسی درمیان میں نصر نے کرمانی کو بھی بلایا۔ لیکن وہ موافقت پر راضی نہیں ہوا اس لئے اس کو قتل کرا دیا کرمانی کا بیٹا علی اہل یمن کے ساتھ اپنے باپ کے خون کے مطالبہ کے لئے اٹھا۔ ابو مسلم نے جو اسی تاک میں لگا تھا علی کے پاس پیغام بھیجا کہ میں جانتا ہوں کہ تم مظلوم ہو اور اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتے ہو اس لئے جس طرح ممکن ہو شیبان کو مضر کی مصالحت سے روکو ورنہ تم قصاص نہیں حاصل کر سکو گے علی نے شیبان سے مل کر اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھا۔ نصر کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے شیبان کو لکھا کہ تم سخت دھوکے میں آگئے ۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ شورش جو اٹھ رہی ہے اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس کے مقابلے میں میں تمہارے لئے کچھ نہیں ہوں ۔

شیبان نے بھی سوچا اور اس فتنہ کو بڑھتا ہوا دیکھ کر نصر کے ساتھ ایک سال کے لئے صلح کر لی ابو مسلم نے علی کو باپ کے خون کے انتقام پر اکسایا اس نے شیبان سے مدد مانگی وہ چونکہ صلح کر چکا تھا اس لئے نصر کے مقابلہ میں مدد نہ دے سکا۔ اب مجبور ہو کر علی نے ابو مسلم سے امداد کی درخواست کی اس کا تو یہ عین مقصد تھا لکھ بھیجا کہ میں اپنی قوت سے تمہارے ساتھ ہوں۔ نصر کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ابو مسلم کے پاس معاہدہ کے لئے ایک وفد بھیجا۔ شیبان کی طرف سے بھی ایک جماعت گئی اور یمنی بھی پہنچے یہ

تینوں وفود ایک ساتھ ماخوان میں داخل ہوئے۔

ابو مسلم نے اہل یمن اور ربیعہ کے ساتھ مصالحت کر لی لیکن اہل مضر کی نسبت کہا کہ یہ مروان کے عمال اور ائمہ اہلبیت کے قاتل ہیں ان سے کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں سمجھا۔ مضری مایوس اور رنجیدہ وہاں سے پلٹے اور اہل یمن اور ربیعہ خوش خوش واپس ہوئے لیکن ان کی تقدیر ان کے اوپر ماتم کر رہی تھی۔ ابو مسلم نے قبائل عربیہ میں جبکہ وہ متحد ہو جانے والے تھے تفرقہ ڈال کر اپنی کامیابی کے لئے راستہ صاف کر لیا۔ جمادی الاول ۱۳۰ھ میں اس نے علی کو لکھا کہ تم نصر کے اوپر حملہ کرو۔ میں مدد کے لئے آتا ہوں لیکن چونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ تم کو اپنے ساتھ ملا کر میرے مقابلہ میں نہ لائے اس لیے پہلے تم اس طرف سے مرو میں داخل ہو کر اس کے ساتھ جنگ شروع کرو۔ پھر میں اس طرف سے داخل ہوں گا علی نے اس کے حکم کی تعمیل کی ابو مسلم جس وقت مرو میں داخل ہوا اس وقت نصر اور علی کی فوجوں میں نہایت سخت جنگ ہو رہی تھی اس نے یہ آیت پڑھی۔

ودخل المدینة علی حین غفلة من اهلها فوجد فیها رجلین یقتتلن هذا من شیعته وهٰذا من عدوه

وہ شہر میں داخل ہوا جس وقت کہ وہاں کے باشندے بے خبر تھے اس میں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا ایک اس کے حامیوں میں سے تھا اور ایک اس کے دشمنوں میں سے۔

فوراً دونوں کو جنگ سے روک دیا اور خود دار الامارت پر قبضہ کر لیا نصر وہاں سے روپوش ہو کر بھاگ گیا۔ مرو اب ابو مسلم کے قبضہ میں تھا اس نے وہاں کے لوگوں سے بیعت لی اور جتنے مضری ملے ان سب کو قتل کر دیا اس کے بعد شیبان کے پاس کہلا بھیجا کہ آکر بیعت کرو اس نے انکار کیا اور مرو کو چھوڑ کر سرخس کی طرف نکل گیا ابو مسلم نے اس کے تعاقب میں ایک فوج بھیجی جس نے اس کو مع اس کے تمام ساتھیوں کے تہ تیغ کر ڈالا۔

کرمانی کے دونوں بیٹوں علی اور عثمان نیز دوسرے یمنی سرداروں کو بھی ابو مسلم نے گرفتار کر کے قتل کر دیا اب سارا خراسان اس کے قبضہ میں آگیا۔ اس نے وہاں ہر طرف اپنے عمال بھیجے اور صوبہ کا انتظام کر کے اس کو اپنے قابو میں کیا۔

نصر کے پیچھے قحطبہ میں شبیب طائی کو ایک فوج گراں دے کر روانہ کیا۔ وہ شہر بہ شہر اس کا تعاقب کرتا ہوا چلا جاتا تھا نصر راستہ میں بیمار ہوا اور ساوہ میں پہنچ کر انتقال کر گیا۔ قحطبہ نے رے پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے بیٹے حسن کو ہمدان کی طرف بھیجا۔ اس نے وہاں سے نہاوند شہرزور اور موصل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ قحطبہ بھی وہاں گیا اور اب اس نے حسن کو ساتھ لے کر عراق کی طرف پیش قدمی کی۔ مروان کی طرف سے یزید بن عمرو بن ہبیرہ وہاں کا امیر تھا اس نے کوفہ سے ۲۳ میل کے فاصلہ پر دریائے فرات کے مغربی ساحل پر مقابلہ کیا۔ کئی دن تک لڑائی ہوتی رہی اسی اثناء میں قحطبہ نے وفات پائی اس کی بجائے اس کا بیٹا حسن امیر الجیش ہوا وہ مرتے وقت یہ وصیت کر گیا کہ جب تم کوفہ میں پہنچنا تو تمام معاملات کو وہاں کے قائم بالامر ابو سلمہ خلال کے سپرد کر دینا اور اس کی اطاعت کرنا کیونکہ وہ وزیر آل محمد ہے۔

ابن ہبیرہ نے متعدد لڑائیوں کے بعد شکست کھائی اور واسط کی طرف چلا گیا حسن فوج کے ساتھ محرم ۱۳۲ھ میں کوفہ میں داخل ہوا اور اپنے باپ کی وصیت کے مطابق امارت ابو سلمہ کے حوالہ کر دی اس نے حسن کو معہ چند دیگر رؤسا فوج کے واسط کی طرف ابن ہبیرہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ نیز حمید بن قحطبہ کو مدائن مسیب بن زہیر اور خالد بن برمک کو دیر قنی مہلبی اور شراحیل کو عین التمر اور بسام کو اہواز کی طرف فوجیں دیکر بھیجا۔

ادھر خراسان اور عراق میں یہ تمام کاروائیاں ہو رہی تھیں۔ اور ادھر امراء بنی امیہ شام اور حجاز میں باہمی منازعت میں مشغول تھے۔

انکشاف حقیقت

اس مدت مدید میں جو کچھ شیعہ کرتے رہے ۔ خلفاء بنی امیہ اس سے مطلقاً بے خبر رہے کیونکہ اس راز کو سوائے نقباء اور خواص شیعہ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ امام وقت کون ہے عوام سے صرف اہل بیت کی حمایت کی بیعت لی جاتی تھی کسی کا نام ظاہر نہیں کیا جاتا تھا۔

آخر میں امام ابراہیم کا ایک خط جو انہوں نے ابومسلم کے نام روانہ کیا تھا اور جس میں یہ لکھا تھا کہ خراسان میں جتنے عرب ہیں ان سب کو قتل کر دو خلیفہ مروان کے ہاتھ لگا اس نے اسی وقت ان کو حمیمہ سے گرفتار کرا کے حران میں قید کر دیا وہ اسی قید میں مرے ۔ گرفتاری کے وقت اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کو اپنی وصی مقرر کر کے اپنے متعلقین کو یہ حکم دے گئے کہ ان کی اطاعت کرنا۔ ابو سلمہ خلال نے ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ان کے سارے خاندان کو لا کر کوفہ میں ایک مکان میں اتارا۔ ان کا حال اپنی جماعت سے بھی مخفی رکھا۔ اور خود کوفہ سے باہر تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا۔

حسن نے جب عراق فتح کر کے تمام اختیارات اس کے سپرد کر دیئے تو اس کی یہ خواہش ہوئی کہ امامت کو بنی عباس کی بجائے بنی فاطمہ میں منتقل کرے اس وقت ان میں سے تین شخص ممتاز تھے امام جعفر صادق عبداللہ بن حسن بن حسن اور عمر اشرف بن زین العابدین ۔ سب سے پہلے اس نے امام جعفر کو لکھا کہ آپ امامت قبول فرمائیں ان کو قاصد نے جس وقت یہ خط لیجا کر دیا تو انہوں نے کہا کہ ابو سلمہ ہمارا شیعہ نہیں ہے اس سے ہم کو کیا تعلق ۔ قاصد نے کہا کہ خط پڑھ لیجئے انہوں نے چراغ کو قریب کر کے اس کی لو پر خط کو رکھ کر جلا دیا اور کہا کہ یہی اس کا جواب ہے۔ جب ان سے مایوسی ہوئی تو عبداللہ کو لکھا وہ اس خط کو پڑھ کر فوراً مشورہ کے لئے امام جعفر کے پاس گئے انہوں نے کہا کہ اہل خراسان تمہارے شیعہ کب تھے کیا تم نے ابومسلم کو وہاں بھیجا تھا کیا تم ان میں سے کسی کے نام یا صورت سے بھی آشنا ہو۔ ان باطل آرزوؤں میں نہ پڑو پہلے یہ پیغام میرے پاس بھی آیا تھا میں نے اس کو رد کر دیا یہ سن کر وہ بھی خاموش ہو رہے اور کچھ جواب نہیں دیا۔ آخر میں اس نے عمر اشرف کو لکھا۔ انہوں نے کہا کہ میں خط کے لکھنے والے کو نہیں جانتا۔ اس لئے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ شیعہ بنی عباس میں سے بعض رؤساء کو ابو سلمہ کی اس مخفی کاروائی کا علم ہو گیا اس لئے انہوں نے عجلت کی اور آکر ابوالعباس سفاح کو خلافت کا سلام کیا۔ ابو سلمہ نے بھی پھر ان کی تقلید کی لیکن ابو العباس کے دل میں اس کی طرف سے یہ کینہ بیٹھ گیا اور اس کا جو نتیجہ ہوا وہ آگے آئے گا۔

اعلان خلافت

ابوالعباس نے ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو جامع کوفہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ خطبہ میں حمد و صلوۃ کے بعد اپنی قرابت رسول پر فخر کیا اس کے بعد بنی امیہ کے ظلم و ستم کا حال بیان کر کے کہا کہ :۔

ہم اہل خیر و صلاح ہیں۔ ہم سے ظلم و فساد کا اندیشہ نہیں ہے اے اہل کوفہ ! تم ہمیشہ سے ہمارے محب رہے اس راہ میں تم نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ اور سخت سے سخت ظلم سہے اللہ کا شکر ہے کہ تم کو ہمارا زمانہ مل گیا اور اس دولت کی سعادت حاصل ہو گئی میں تمہاری تنخواہوں میں سو سو درہم کا اضافہ کرتا ہوں اور تمہاری خوش نصیبی پر مسرور ہوں۔

ابو العباس کو اس وقت شدت کا بخار تھا یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا اس کا چچا داؤد بن علی جو زبان آور تھا منبر پر اس کے بازو میں کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

ہم نے اس خلافت کی کوشش زر و جواہر جمع کرنے کے لئے نہیں کی ہے نہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ عالی شان محلات اور باغات بنوائیں اور ان میں نہریں جاری کریں بلکہ ہم نے دیکھا کہ ہمارے حقوق ہضم کئے جا رہے تھے ہمارے بنی اعمام کی تحقیر کی جاتی تھی رعایا کے اوپر مظالم ڈھائے جاتے تھے اور ان کے مال پر دست درازیاں روا رکھی جاتی تھیں ان امور کو ہم برداشت نہیں کر سکے ۔ اب

اللہ رسول اور ان کے عم محترم عباس کا ذمہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کتاب و سنت کے مطابق برتاؤ کریں گے اور وہی طریقہ رکھیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اسکے بعد کوفیوں کی بہت مدح سرائی کی کہ انہوں نے اہل بیت کی حمایت و نصرت میں بہت کچھ قربانیاں کی ہیں۔ پھر ان کو امیدیں دلائیں آخر میں کہا کہ۔

یہ یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس منبر پر بجز حضرت علیؓ اور اس کے بعد (سفاح کی طرف اشارہ کرکے) کوئی خلیفہ برحق نہیں بیٹھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ خلافت برابر ہمارے ہاتھ میں رہے گی اور ہمیں اس کو آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ کے سپرد کریں گے۔

ان دونوں تقریروں کے بعد سفاح اٹھ کر قصر امارت میں چلا گیا اور اس کے بھائی ابو جعفر منصور نے لوگوں سے اس کی خلافت کی بیعت لی۔

خاتمہ بنی امیہ

بیعت خلافت کے بعد سب سے اہم معاملہ خلیفہ مروان کا استیصال تھا جو ایک لاکھ بیس ہزار فوج لئے ہوئے جزیرہ میں تھا۔ سفاح نے اپنے چچا عبداللہ کی ماتحتی میں ایک لشکر گراں اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ دجلہ کی ایک شاخ دریائے زاب کے کنارے پر فریقین میں سخت جنگ ہوئی آخر میں عبداللہ فتح یاب ہوا۔ اور مروان کا لشکر جس میں منتخب اہل شام تھے اس کا تابع فرمان ہو گیا مروان بھاگ کر حران میں آگیا جہاں اس کا بھتیجا ابان عامل تھا عبداللہ اس کے تعاقب میں گیا ابان نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی عبداللہ نے اس کو امان دی۔ مروان وہاں سے نکل کر قنسرین چلا گیا۔ عبداللہ بھی اس طرف بڑھا۔ وہ قنسرین سے حمص اور وہاں سے دمشق کی طرف بھاگا۔

عبداللہ نے وہاں پہنچ کر دمشق کو فتح کیا اور وہاں کے امیر ولید بن معاویہ کو قتل کر ڈالا مروان اردن اور فلسطین ہوتا ہوا مصر میں نکل گیا اور وہاں کے ایک گاؤں بوصیر کے کنیسہ میں پناہ گزین ہوا عبداللہ نے اس کے پیچھے صالح بن علی کو ایک دستہ فوج کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس نے بوصیر میں پہنچ کر ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں مروان کو قتل کیا اس کے قتل سے بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

واسط میں ابن ہبیرہ کے پاس بھی ایک قوی فوج تھی حسن بن قحطبہ جب وہاں فوجیں لے کر پہنچا تو وہ قلعہ گیر ہو گیا حسن نے گیارہ مہینہ تک محاصرہ رکھا۔ جب مروان کے قتل کی خبر پہنچی تو ابن ہبیرہ نے صلح کی درخواست کی۔ سفیروں کی آمد و رفت کے بعد ابو جعفر منصور نے اس کو امان دی وہ حاضر ہو گیا اور عہد نامہ لکھا گیا لیکن اسی دوران میں ابو مسلم کا خط پہنچا جس میں اس نے لکھا تھا کہ ابن ہبیرہ کا باقی رکھنا مصلحت کے خلاف ہے اس وجہ سے ابو جعفر نے اس کو مع اس کے ساتھیوں کے قتل کر دیا۔ حالانکہ ابھی امان نامہ کی روشنائی بھی خشک نہیں ہونے پائی تھی۔

خلافت عباسیہ

اس دولت کو شیعہ نے دینی عقیدت کے نام سے قائم کیا عوام کے قلوب پر وہ یہ کہہ کر اثر ڈالتے تھے کہ امامت آل محمد صلعم کا حق ہے ان ہی کو ملنی چاہیے اور آل مروان جنہوں نے اس کو غصب کر رکھا ہے کسی طرح پر اس کے مستحق نہیں ہیں۔ ان دعاۃ نے بنی امیہ کے متعلق سینکڑوں قسم کے عیوب مشہور کئے اور ان کی مذمت میں بہت سی موضوع اور جھوٹی حدیثیں لوگوں میں پھیلائیں۔ دعوت امامت کے لئے خاص وجوہات کی بناء پر جن کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کوفہ اور خراسان کا انتخاب کیا گیا تاکہ یہاں کے باشندوں کو آل محمد کی حمایت کے لئے مستعد کر کے ایک قوت تیار کی جائے جو آل مروان کے مقابلہ میں بروقت ضرورت عقیدت مندی کے ساتھ

امامت اہل بیت کے قیام میں امداد کرے۔

چنانچہ اہل خراسان کے دلوں میں یہ تخم بو دیا گیا کہ بنی امیہ سے جنگ کرنا اور خلافت کو ان سے چھین کر اہل بیت کو دلانا ایک مقدس فرض ہے وہاں جو عرب تھے ان میں چونکہ یہ عقیدت نہیں تھی اس لئے امام نے ابو مسلم کو یہ وصیت کی تھی کہ اگر تم سے ہو سکے تو کسی عربی بولنے والی زبان کو وہاں باقی نہ چھوڑنا یہ ایسی وصیت تھی جس میں صرف اپنے فوری مفاد کا خیال پیش نظر رکھا گیا ورنہ یہ دین اور عقل دونوں کے خلاف تھی۔

اہل عجم جن کی سلطنت قدیم سے دنیا کی عظیم الشان دولت تھی عہد بنی امیہ میں اپنے آپ کو عرب کا غلام دیکھ کر اس نئی سازش میں شریک ہو گئے اور انہوں نے چاہا کہ خلافت کے منتقل کرنے میں ہم مدد کریں۔ تاکہ اس انقلاب میں حکومت میں ہم کو بھی حصہ مل جائے اس لئے یہ نزاع اگرچہ بظاہر بنی عباس اور بنی امیہ کی تھی لیکن درحقیقت عرب و عجم کی تھی اس دولت کی تعمیر میں خون ناحق بہت بہایا گیا امام نے ابو مسلم کو وصیت کر دی تھی کہ جس کے بارے میں تم کو شبہ ہوا اس کو قتل کر دینا۔ ظاہر ہے کہ خراسان میں ایک جماعت کثیر اس کے جھنڈے کے نیچے آئی۔ حزم و احتیاط کے لحاظ سے اس کو بہت سے لوگوں پر شک کرنا لازمی تھا، وہ اس وصیت کے مطابق ایسے لوگوں کو بے دریغ تہہ و تیغ کر دیتا تھا یہاں تک کہ عرب اور عجم میں سے اس نے جس قدر آدمیوں کو قتل کیا ان کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ شمار کی گئی ہے۔

عرب زمانہ جاہلیت سے وفاء عہد میں ممتاز تھے اور اسلام نے تو خاص طور پر اس کی تاکید کی لیکن بانیان دولت عباسیہ نے اس صفت کو بھی اپنی سیاسیات میں نظر انداز کر دیا تھا۔ جو لوگ ان کے اوپر اعتماد کرتے تھے ان کے ساتھ بھی یہ اپنی ضرورت کے موقع پر غداری کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے چنانچہ بدعہدی اور بے وفائی خلفائے عباسیہ میں سلسلہ بہ سلسلہ چلی آئی اور محمد بن علی طبا طبائی کو بھی اپنی کتاب الفخری میں لکھنا پڑا کہ:۔

دولت عباسیہ کا شیوہ مکر، چالاکی اور غداری تھا۔ اور قوت و طاقت کی بہ نسبت اس کی سیاسیات میں بدعہدی و فریب کا جز غالب رہا۔

ممالک اسلامیہ

وہ خلافت جس کی بنیاد عرب کے باہر حضرت ابو بکرؓ نے ڈالی اور جس کو حضرت عمرؓ اور عثمانؓ نے بڑھا کر اس وقت کی دنیا کی سب سے قوی ترین دولت بنایا۔ پھر بنی امیہ نے اس کے حدود مشرق اور مغرب میں وسیع کئے۔ بنی عباس کے قبضہ میں آئی۔ اس موقع پر اس کا ایک مجمل خاکہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ آیندہ اچھی طرح سمجھ میں آسکے کہ اس اسلامی امانت اور دراثت کو انہوں نے کس طرح رکھا۔ اس سلطنت کا طول کاشغر سے موس اقصیٰ تک جو ساحل بحر ظلمات پر واقع ہے مقدسی کے بیان کے مطابق 2600 فرسخ تھا۔ اور عرض بحیرہ قزدین سے نوبیا تک اس میں بڑے بڑے ممالک شامل تھے جن میں متعدد ولایات تھیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) جزیرۃ العرب

اس میں چار ولایات تھیں

(۱) حجاز ۔ اس کا صدر مقام مکہ مکرمہ تھا۔ طائف، طیبہ، ینبو، جار اور جدہ وغیرہ اس کے ماتحت تھے ۔

(۲) یمن ۔ دو حصوں میں منقسم تھا۔ ساحل بحری طرف کے حصہ کا نام تہامہ اور اس کا مرکز زبید تھا۔ اور کوہستانی حصہ کا نام نجد اور اس کا مرکز صنعاء تھا احقاف بھی اس میں شامل تھا جس میں حضر موت اور مہرہ واقع ہیں۔

(۳) عمان ۔ اس کا صدر مقام صحار تھا جو ساحل بحر ہند پر ہے۔

(۴) ہجر ۔ اس کا مرکز شہر احساء تھا اس میں یمامہ داخل تھا جس کا سب سے بڑا بازار حجر تھا۔

اب عمان اور ہجر میں خوارج اور یمن میں شیعہ زیدیہ کی آبادی زیادہ ہے باقی حصوں کے باشندے اہل سنت ہیں۔

(۲) عراق

ولایات ۶

(۱) کوفہ ۔ اس کے ماتحت عین التمر اور قادسیہ وغیرہ تھے۔

(۲) بصرہ ۔ ابلہ و عبادان تک اس کا رقبہ تھا۔

(۳) واسط ۔ فم الصلح اس ولایت کا مشہور شہر تھا۔

(۴) مدائن ۔ ساسانی پایہ تخت، نہروان اور جلولا اس کے تابع تھے۔

(۵) جلوان ۔ خانقین اور شروان اس میں واقع ہیں۔

(۶) سامرا ۔ اس ولایت کے مشہور شہروں میں کرخ، عکبر، انبار، ہیت اور تکریت تھے۔

عراق کو قدیم زمانہ میں اقلیم بابل کہتے تھے دونوں دریا دجلہ اور فرات اس میں واقع ہیں عباسیوں نے اسی کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ یہ حصہ اس وقت علوم و فنون کا مرکز عیش و ثروت کا گہوارہ اور دنیا کے سیاحوں کے لئے تماشہ گاہ بن گیا تھا یہاں کے اصلی باشندے نبطی عرب تھے۔

عراق کا طول ساحل بحر سے مقام سن تک ۱۲۵ فرخ اور عرض عذیب سے حلوان تک ۸۰ فرخ تھا۔

اقلیم جزیرہ

قدیم تاریخوں میں اس کا نام آقور یا آشور لکھا گیا یہ وہ حصہ ہے جو دجلہ اور فرات کے مابین واقع ہے اس میں تین ولایات تھیں۔

(۱) دیار ربیعہ ۔ اس کے مشہور مقامات میں سے ، حدیثہ ، سنجار ، نصیبین ، دارا اور حواس العین تھے۔

(۲) دیار مضر۔ اس کا صدر مقام رقہ تھا اس میں باجروان ، حران شامل تھے۔

(۳) دیار بکسر ۔ اس کا مرکز آمد تھا ۔میافارقین اور حصن کیفا وغیرہ اس کے تابع تھے۔

جزیرہ میں اسلام سے قبل عدنانی قبائل آکر آباد ہوگئے تھے۔ انہیں کے نام سے ان حصوں کے نام رکھے گئے اس کے حدود روم (ایشیائے کوچک) اور آرمینیہ تک جا کر ملتے ہیں۔

(۴) اقلیم شام

ولایات ۶

(۱) قنسرین ۔ صدر مقام حلب تھا۔ انطاکیہ ، باس ، سمیساط ، بخ ، مرعش ، اسکندرونہ ، اور معرۃ النعمان اس کے تابع تھے۔

(۲) حمص ۔ اس کے مشہور شہر سلیمیہ ، تدمر ،لاذقیہ اور انطرطوس تھے۔

(۳) دمشق ۔ بابناس ، صیدا ، بیروت وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔

(۴) اردن ۔ کا صدر مقام طبریہ تھا۔ صور ، عکا ، بیسان ، طرابلس اور اذرعات اس کے تابع تھے۔

(۵) فلسطین ۔ اس کا مرکز رملہ تھا۔ بیت المقدس ، عسقلان ، یافہ ، ارسوف ، قیساریہ اور اریحا اسی میں واقع ہے۔

(۶) شراۃ ۔ صدر مقام صغر تھا۔ مآب ، عمان ، تبوک اور اذرح اسی میں شامل تھے۔

اسلام سے پہلے شام میں عرب پہنچ گئے تھے ۔ عہد بنی امیہ میں یہ دولت اور شوکت کا مرکز تھا۔ کیونکہ ان کا پایہ تخت دمشق میں تھا۔ شمال میں اس کی سرحد روم سے ملتی ہے۔

(۵) مصر

ولایت ۷

(۱) جفار ۔ اس کا مرکز فرما تھا اسی حصہ میں بقارہ ، واردہ ، اور عریش شامل تھے۔

(۲) حوف ۔ صدر مقام بلبیس تھا۔ مشتول اور قاتوس اس کے ماتحت تھے۔

(۳) ریف ۔ اس کا مرکز عباسیہ تھا اس کے مشہور مقامات میں سے دمنہور، سینہور، سطنوف ۔، ملیح، محلہ کبیرہ اور وقیلہ تھے۔
(۴) اسکندریہ ۔ رشید، مریوط، برلس اور ذات الکام اس کے ماتحت تھے۔
(۵) مقدونیہ ۔ اس کا مرکز فسطاط تھا۔ عزیزیہ ۔ جیزہ اور عین الشمس وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔
(۶) صعید ۔ اس کا صدر مقام اسوان تھا۔ قوص، اخمیم، بلونا اور الفیوم وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔
مصر کے قدیم باشندے قبطی تھے لیکن اپنے عہد حکومت میں بہت سے یونانی اور رومی بھی آکر آباد ہو گئے تھے ۔ حوف میں چند عربی خاندان بھی سکونت گزیں تھے۔
جب اس کو مسلمانوں نے فتح کیا تو کثرت سے عرب وہاں جاکر آباد ہو گئے اور مفتوح قوموں میں رشتہ داریاں کر کے ان کو اپنے ساتھ مخلوط کر لیا۔ یہاں تک کہ عہد عباسی میں یہاں کے لوگ بالعموم مسلمان ہو گئے اور عربی زبان بولنے لگے۔

(۶) مغرب

ولایت ۷

(۱) برقہ ۔ اسی میں رمادہ اور طرابلس شامل تھے۔
(۲) افریقہ ۔ اس کا صدر مقام قیروان تھا۔ اس وقت کے مشہور مقامات میں سے سفاقس، سوسہ، تونس، بونہ، طنبر اور جزیرہ بنی غزنانہ تھے۔
(۳) تاہرت ۔ اس کے تابع مطماطہ اور وہران تھے۔
(۴) بحلماسہ ۔ درعہ، امصلی اور ناذر داس میں شامل تھے۔
(۵) فاس ۔ پہلے اس کا صدر مقام سوس ادنے تھا۔ عہد عباسیہ میں فاس آباد کیا گیا۔ اسی ولایت میں بصرہ، ورغہ، صنہاجہ، ہوارہ اور سلا داخل تھے۔
(۶) سوس اقصیٰ ۔ اس کا مرکز طرقانہ تھا۔ اس کے مشہور مقامات اغمات اور ماسہ تھے
(۷) اندلس ۔ صدر مقام قرطبہ تھا۔
اندلس کے باشندے رومی و نیز غیوط اور بربر تھے اسلامی فتح کے بعد بھی پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں کی تعداد وہاں زیادہ نہیں بڑھ سکی ۔ اس کے بعد سے ان کا شمار بڑھنا شروع ہو گیا۔
عباسیوں کی حکومت میں یہ ولایت نہیں آئی۔

(۷) ماوراء النہر

ولایت ۶

یہ وہ خطہ ہے جو دریائے جیحوں کے مشرق میں ہے۔ بشاری نے لکھا ہے کہ ماوراء النہر نہایت سیر حاصل اور زرخیز ملک ہے وہاں کے باشندے دیندار، علم کے شائق، شجاع اور تنومند ہیں۔ جہاد سے نہیں تھکتے تفریق سے دور اور اتحاد کے شیدائی ہیں۔ عفت، پاکیزگی اور مہمان نوازی میں مشہور ہیں۔

(۱) فرغانہ ۔ اس کے ماتحت نصر آباد اور زکندا اور مرغینان وغیرہ تھے۔
(۲) اسبیجاب ۔ فاراب، حرار، طراز اور بلاسکون اس کے مشہور مقامات تھے۔
(۳) شاش ۔ اس کا صدر مقام بنکث تھا۔
(۴) اشروسنہ ۔ اس کا مرکز بنجکث تھا۔
(۵) صغد ۔ سمرقند کے خطہ کا نام تھا۔
(۶) بخارا ۔ بیکند وغیرہ اس کے تابع تھا۔

اس اقلیم کا سب سے بڑا دریا جیحوں ہے جس سے متعدد شاخیں نکلتی ہیں اس کے علاوہ اس میں چھ دریا اور بھی ہیں جن کے کناروں پر بڑے بڑے شہر آباد ہیں۔ مثلاً ختل کا صدر مقام ہلبک، ترکاث (خوارزم کا مرکز) جرجان، ترمذ، کالف نویدہ زم فربر اور آمل وغیرہ۔

(۸) خراسان

ولایت ۹

(۱) بلخ ۔ اس کے ماتحت طخارستان تھا جس کے مشہور شہر لوانج اور طالقان ہیں۔
(۲) غزنین ۔ کابل اس کے تابع تھا۔
(۳) بست ۔ بعض مورخ اس کو غزنین کے ساتھ ملا کر ایک ولایت قرار دیتے ہیں اور اس کا نام بلتستان رکھتے ہیں۔
(۴) سجستان ۔ یعنی سیستان ۔ اس کا مرکز زرنج تھا۔
(۵) ہرات ۔ بادغیس اسی میں شامل تھا۔
(۶) جوزجان ۔ اس کا صدر مقام یہودیہ تھا۔
(۷) مرو شاہجہاں ۔ اس کے تابع مرورود تھا۔
(۸) نیشاپور ۔ بیہق، طوس، نسا اور ابیورد اس میں شامل تھے۔
(۹) قہستان ۔ اس کا صدر مقام قائن تھا۔

اسلامی ممالک میں خراسان سب سے زیادہ معمور اور شاداب تھا۔ یہیں کے باشندوں کی بدولت دولت عباسیہ قائم ہوئی۔ اسلامی علوم و فنون کے اہل کمال زیادہ تر اسی خطے سے پیدا ہوئے۔

(۹) اقلیم دیلم

ولایات ۵

(۱) قومس ۔ اس کا مرکز دامغان تھا۔ سمنام اور بسطام وغیرہ اس کے تابع تھے۔
(۲) جرجان ۔ اس کا صدر مقام شہرستان تھا استرآباد اور آبسکون اس کے ماتحت تھے۔
(۳) طبرستان ۔ دارالامارہ آمل میں تھا۔ سالوس اور ساریہ بھی اسی میں شامل تھے۔

(۴) دیلمان ۔ اس کا مرکز بروان تھا۔
(۵) خزر۔ اس کا صدر مقام بھی آتل ہی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے ممتاز مقامات میں سے بلنجار اور سمندر تھے دریائے اتل اسی کے رقبہ میں سے گزرتا تھا۔
عہد عباسیہ میں اس اقلیم میں اسلام کی اشاعت زیادہ ہوئی۔

(۱۰) رحاب

ولایات ۳

(۱) اران ۔ اس کا صدر مقام بردعہ تھا۔ تفلیس، شروان، ملازکرد اور باب الابواب اس کے ماتحت تھے۔
(۲) آرمینیہ ۔ اس کا مرکز دبیل تھا۔ بدلیس، خلاط، سوئے، سلماس، اردمیہ، مراغہ، مرند اور قالیقلا اسی میں شامل تھے
(۳) آذربائیجان ۔ اس کا امیر ردبیل میں رہتا تھا تبریز اسی ولایت میں تھا۔
اس اقلیم کے اصلی باشندے کرد۔ ارمن اور ایرانی ہیں۔ اس میں سے دریائے کراور رس گزرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی زیادہ تر عہد عباسی میں اسلام لائے۔

(۱۱) اقلیم الجبال

ولایات ۳

(۱) رے، آوہ، ساوہ، قزوین، اور ابہراس کے ماتحت تھے۔
(۲) ہمدان ۔
(۳) اصفہان ۔

(۱۲) خوزستان

ولایات ۷

(۱) سوس ۔ عراق اور کوہستان کی سرحد پر ہے۔
(۲) تستر (شوستر)
(۳) جندیساپور ۔
(۴) عسکر مکرم ۔
(۵) اہواز ۔
(۶) وردق ۔
(۷) رامہرمز ۔

(۱۳) فارس

ولایات ۶

(۱) ارجان۔
(۲) خرہ اردشیر۔ اس کا صدر مقام سیراف تھا۔
(۳) دارابجرد۔
(۴) شیراز۔ بیضا اور فسا اس کے ماتحت تھے۔
(۵) سابور۔ اس کا مرکز شہرستان تھا۔ کازرون، نوبند جان، اور توز اس کے تابع تھے۔
(۶) اصطخر (استخر) ایران کا قدیم پایہ تخت تھا۔

اس اقلیم میں اہل فارس کے ساتھ کردوں کی بھی ایک کثیر تعداد تھی۔

(۱۴) کرمان

ولایات ۵

(۱) بردسیر۔ ماہان، گرکان اور زرند اس میں شامل تھے۔
(۲) نرماشیر۔
(۳) سیرجان۔
(۴) بم۔
(۵) جیرفت۔ متصل ساحل بحر۔

(۱۵) سندھ

ولایات ۴

(۱) مکران۔ اس کا صدر مقام بنجپور تھا۔
(۲) طوران۔ دار الامارہ مقام قصدار تھا۔
(۳) خاص سندھ۔ اس کا مرکز منصورہ تھا۔ دیبل اسی کے ماتحت تھا۔
(۴) ویہند

اس اقلیم میں دریائے مہران (سندھ) ہے جو مصر کے دریائے نیل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔
ان پندرہ ممالک میں سے چھ کی زبان عربی تھی۔
یہ طویل و عریض سلطنت خراسانی شیعہ کی امداد سے بنی عباس کو ملی تھی۔

ولایت عہد

حصہ دوم میں خلافت کے بیان میں ہم اس امر کو تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں کہ وہ جمہوری ہے۔ اور خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کی عام رضامندی سے ہونا چاہیئے کیونکہ وہ انہیں کی صلاح و فلاح اور انہیں کی مہمات کے انتظام کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ نے خود اپنے اختیار سے بلا کسی نص کے حضرت ابو بکرؓ کو منتخب کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بیعت اس معاہدہ کو کہتے ہیں جو اجراء عقد بیع کے وقت بائع اور مشتری میں ہاتھ ملا کر کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی اس کا مفہوم یہی ہے کہ وہ جانبین کا معاہدہ ہے یعنی خلیفہ ان کو کتاب و سنت پر چلائے گا اور وہ ان احکام میں جو رضا جوئی حق کا ذریعہ ہیں اس کی اطاعت کریں گے یہی بیعت دراصل خلیفہ کی قوت کی اصلی بنیاد ہے کیونکہ اس کے بعد امت پر اس کی اطاعت شرعی طور پر لازم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے انتخاب خلیفہ کا ایک دوسرا طریقہ اختیار فرمایا یعنی یہ کہ بمشورہ اہل رائے انہوں نے ایک شخص کو اپنا قائم مقام منتخب کر دیا کہ لوگ اس بات کی بیعت کر لیں کہ میرے بعد اس کو خلیفہ بنائیں گے اسی کو ولی عہدی کہتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس انتخاب میں مشورہ عام اور خیر خواہی امت کا خیال رکھا تھا اور حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ جو نہ ان کے ہم قبیلہ تھے نہ رشتہ دار خلافت راشدہ کے بعد امیر معاویہؓ نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کیا۔ مگر انہوں نے خاص اپنے بیٹے یزید کو ولی عہدی کے لئے منتخب کیا۔ اور اپنے موافقوں سے برائے نام مشورہ لے کر مخالفوں سے بھی بیعت لے لی۔ اس کے بعد بنی امیہ نے اسی طریقہ کو سلسلہ وار جاری رکھا۔ مشورہ کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اور با اختیار خود محض اپنے عزیزوں اور بیشتر اپنے بیٹوں کو ولی عہد بناتے رہے بلکہ اکثر ایک کے بجائے دو کو ولی عہد مقرر کر دیتے تھے جس سے اور بھی فساد بڑھتا گیا۔ اور آخر میں ان کے زوال کا موجب ہوا۔

بنی عباس نے بھی ان کی تاریخ سے مطلق عبرت نہیں پکڑی اور وہی دستور ولی عہدی کا برقرار رکھا اور دو دو اور تین تین ولی عہد مقرر کرنے لگے۔ چنانچہ اس بد نظمی کی بدولت ان پر بھی وہی مصیبتیں آئیں جو بنی امیہ پر آئی تھیں۔ سفاح نے جو پہلا عباسی خلیفہ تھا اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنایا۔ جب منصور تخت خلافت پر آیا۔ اور اس کا بیٹا مہدی جوان ہوا تو اس کے اوپر یہ امر نہایت گراں گزرا کہ میرے بعد عیسیٰ خلیفہ ہو جائے اور میرا بیٹا محروم رہے اس لئے اس نے چاہا کہ خلافت میں عیسیٰ کا درجہ مہدی کے بعد کر دے عیسیٰ اس پر راضی نہیں تھا اس وجہ سے اس پر بہت سختی کی۔ زہر کا پیالہ بھی اس کو پلایا۔ لیکن وہ سخت جان تھا نہیں مرا۔ مگر مجبور ہو کر اس کو اپنی تاخیر پر رضامند ہونا پڑا۔ حالانکہ عیسیٰ نے منصور کے عہد میں عظیم الشان کام انجام دیئے تھے اور بڑی بڑی مہمات سر کی تھیں۔

مہدی جب خلیفہ ہوا تو اس نے بھی اس بات کا اعادہ کیا جو منصور نے کی تھی یعنی عیسیٰ پر سختی شروع کی کہ وہ ولی عہدی سے مطلقاً دست بردار ہو جائے تاکہ وہ اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو ولی عہد بنائے۔ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانے کے بعد عیسیٰ

نے تنگ آکر دست برداری لکھ دی۔ اب مہدی نے بھی وہی قدیمی غلطی کی۔ اور اپنے بعد اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو یکے بعد دیگرے ولی عہد کر گیا۔ ہادی نے خلیفہ ہو جانے کے بعد ہارون کو ولی عہدی سے نکال کر اپنے نو عمر بیٹے کو ولی عہد کرنا چاہا لیکن چونکہ ہارون کی امداد کے لئے قوی دست باز موجود تھے اس لئے وہ کامیاب نہ ہو سکا اور انہیں جھگڑوں میں اس کی وفات بھی ہو گئی جس کے بارے میں بعض لوگوں کا بیان ہے زہر سے ہوئی۔

ہارون نے خلیفہ ہو جانے کے بعد بیٹے مامون کو ولی عہد بنانا چاہا۔ لیکن چونکہ وہ کنیز کے شکم سے تھا اس لیے زبیدہ کے اثر سے مجبور ہو کر ۱۷۳ھ میں امین کی ولی عہدی کا فرمان لکھا جس کی عمر اس وقت تین سال سے زائد نہ تھی دس سال کے بعد جعفر بن یحییٰ برمکی کی کوشش سے جو مامون کا اتالیق تھا۔ مامون کے لئے بھی عہد نامہ لکھا۔ پھر عبدالملک بن صالح کے مشورہ سے اپنے تیسرے بیٹے قاسم کو بھی ولی عہد بنایا اور اس کا لقب موتمن رکھا اس کے بعد کل ممالک اسلامیہ کو ان تینوں میں تقسیم کر دیا۔

مشرقی حصہ خراسان وغیرہ مامون کو دیا۔ مغربی حصہ مصر اور شام امین کو۔ جزیرہ موتمن کو اور ہر ایک کو مستقل امیر بنا دیا۔ اس طرح پر اپنی اولاد میں باہمی فتنہ و فساد کا تخم خود اپنے ہاتھوں سے بو دیا۔ اس کے بعد جب حج کے لئے گیا تو خاص حرم میں امین اور مامون کے لئے دو عہد نامے لکھے۔ اہل حرم کے سامنے دونوں بھائیوں کی موجودگی میں یہ محضر سنائے گئے۔ علماء، فقہاء، امراء، اور تمام حاضرین یہاں تک کہ اللہ اور فرشتے سب اس کے اوپر گواہ بنائے گئے اور سخت سے سخت تاکیدیں اور شرطیں کی گئیں کہ اس عہد نامہ کو نہ توڑیں۔ اور باہم خونریزی نہ کریں۔

لیکن ہارون جب گزر گیا اور امین تخت پر آیا تو اس کے دل میں بھی وہی خواہش پیدا ہوئی جو اس کے اسلاف کے دلوں میں ہوئی تھی۔ اس نے چاہا کہ مامون کو ولایت عہد سے دست بردار کرا کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے، مامون خراسان کا والی تھا اس کے پاس فوجی قوت بھی تھی اس بنا پر اس نے انکار کر دیا۔ امین نے فوج بھیجی ار آخر وہ خونی واقعات پیش آئے جس سے عالم اسلامی میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ خود بغداد کا نہایت سخت محاصرہ ہوا یہاں تک کہ امین مارا گیا اور مامون خلیفہ ہوا۔

مامون نے صرف اپنے بھائی معتصم کو اپنا جانشین بنایا تھا اسی طرح معتصم نے بھی صرف اپنے بیٹے واثق کو ولی عہد کیا تھا۔ اور واثق بلا عہد—ولایت لکھے ہوئے گزر گیا اس کی موت کے بعد ارکان دولت نے متوکل کو منتخب کر لیا۔ متوکل نے پھر وہی غلطی کی جو ہارون نے کی تھی یعنی اس نے بھی اپنے تینوں بیٹے منتصر، معتز اور موید کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنایا اور ہر ایک کو دو دو علم عطا کئے۔ ایک سیاہ جو لواء عہد تھا اور ایک سپید جو لوائے حکومت تھا اور کل ممالک اسلامیہ کو ان میں تقسیم کر دیا۔

منتصر کو افریقہ، مغرب، شام، جزیرہ، حجاز، عراق، یمن، اہواز، مکران اور سندھ۔

معتز کو خراسان، طبرستان، آرمینیہ، آذربائیجان اور فارس۔

موئد کو۔ جند، حمص، جند دمشق، جند فلسطین۔

ہارون کی اولاد کا انجام دیکھ لینے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ بنی عباس میں عہد کا کوئی احترام نہیں ہے متوکل نے اپنے اس فعل میں مطلق دور اندیشی سے کام نہیں لیا۔ آخر میں بعض وجوہ کی بناء پر اپنے بڑے بیٹے منتصر کو ولی عہدی سے معزول کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ وہ مستقل امیر تھا اور اس کے پاس ترکوں کی ایک جماعت تھی اس نے متوکل کو قتل کر دیا اور خلیفہ ہو گیا۔ چالیس دن کے بعد اپنے دونوں بھائیوں کو بلا کر ولی عہدی سے معزولی کا فرمان سنا دیا موئد نے تسلیم کر لیا لیکن معتز نے مخالفت کی مگر بالآخر مجبور ہو کر ماننا پڑا اور یہ سب کچھ محض شخصی استبداد کا جذبہ تھا۔ ورنہ منتصر کے کوئی اولاد بھی اس قابل نہیں تھی کہ اس کو ولی عہد بناتا۔ چنانچہ وہ بلا ولی عہد بنائے گزر گیا۔

اس کی وفات کے بعد موالی نے مستعین بن محمد بن معتصم کو لا کر تخت نشین کیا جس کو انہوں نے متوکل کی اولاد کے خوف

سے چھپا رکھا تھا۔ اس زمانہ سے خلافت ترکی غلاموں کے قبضہ میں آگئی وہی جس کو چاہتے تھے خلیفہ بناتے تھے اور جس کو چاہتے تھے معزول کرتے تھے صرف پندرھویں عباسی خلیفہ معتمد نے اپنے بھتیجے معتضد کو اپنا ولی عہد بنایا اور اس نے اپنے بیٹے مکتفی کو۔ اس کے بعد سے پھر خلیفہ کا عزل و نصب ترکوں کے ہاتھ میں رہا۔

بنی بویہ کے زمانہ میں کل اختیارات انہیں کے ہاتھ میں تھے۔ خلفاء صرف نام کے لئے رکھے جاتے تھے اس عہد میں جس قدر خلیفہ ہوئے سب کے سب معزول ہوتے رہے صرف قادر عرصہ تک قائم رہا اور اس نے اپنے بیٹے قائم کو ولی عہد بنایا اس کے بعد سے خلافت کا سلسلہ اس طرح رہا کہ باپ سے بیٹے کو ملتی رہی۔ ۶۵۶ھ میں ہلاکو نے جو چنگیز خاں کا پوتا تھا۔ بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم کو قتل کر ڈالا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عہد عباسی میں باوجود اس کے کہ ہر قسم کے علوم و فنون کی اشاعت ہوئی لیکن خلافت کے لئے کوئی معقول نظام نہیں تجویز کیا گیا۔ جس کا نتیجہ آخر میں آکر تباہی اور بربادی ہوا۔

(۱) سفاح

ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اس کی ماں ریطہ قبیلہ بنی حارث کی تھی اس کی ولادت ۱۰۴ھ میں حمیمہ میں ہوئی جہاں اس کا خاندان سکونت گزیں تھا۔

محمد بن علی نے اپنے بڑے بیٹے ابراہیم کو وصی بنایا تھا ابراہیم جب گرفتار ہوئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ میں زندہ نہیں بچوں گا تو سفاح کے لئے امامت کی وصیت کر گئے۔ یہ مع اپنے تمام خاندان کے ابوسلمہ وزیر آل محمد کے ساتھ کوفہ میں آگیا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۷۴۹ء میں کوفہ میں اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی لیکن اس وقت تک بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان زندہ تھا جب وہ مصر میں ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲ھ مطابق ۵ اگست ۷۵۰ء میں قتل کر دیا گیا تو اس کی مستقل خلافت کا آغاز ہوا۔

کوفہ چونکہ شیعہ آل علی کا مرکز تھا اس لئے بنی عباس نے وہاں اپنا دارالخلافہ رکھنا مصلحت کے خلاف سمجھا۔ چنانچہ وہ حیرہ میں اور پھر وہاں سے انبار میں منتقل ہوگئے۔

احوال داخلیہ

مروان کے قتل کے بعد بنی عباس کی مشکلات ختم نہیں ہوئیں۔ کیونکہ بہت سے امراء اور رؤساء نے جو بنی امیہ کے حامی تھے بغاوتیں کیں۔ سفاح کا عہد خلافت زیادہ تر ان ہی بغاوتوں کے دبانے میں گزرا۔ جو لوگ عالی خیال اور بلند حوصلہ ہوتے ہیں وہ قدرت پا جانے کے بعد مخالفوں کے دلوں کو معافی اور حسن سلوک سے اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف کر کے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے ان اہل قریش کو جنہوں نے اسلام کی عداوت اور آنحضرت اور مسلمانوں کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی عام معافی دے دی اور بجز خاص مجرموں کے کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ مگر بنی عباس نے اپنے خاندانی اور ایک جدی بھائیوں بنی امیہ پر غلبہ پا کر جس طرح ان کو مٹایا اور ان کے فنا کرنے میں جس قساوت قلبی کا اظہار کیا اس کی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ہے۔

داؤد بن علی نے جو سفاح کا چچا تھا مکہ مدینہ میں جس قدر بنی امیہ تھے۔ ان سب کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بھائی سلیمان بن علی نے بصرہ میں بھی کیا۔ جن کو قتل کرتا تھا ان کے پاؤں پکڑ کر کھینچوا کر راستوں میں ڈال دیتا تھا۔ عبداللہ بن علی نے شام میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایک ایک بنی امیہ کو مار ڈالا۔ بجز شیر خوار بچوں یا ان لوگوں کے جو روپوش ہو کر بھاگ گئے کوئی اس کے ہاتھ سے نہیں بچ سکا۔ یہاں تک کہ اس نے جوش انتقام میں خلفاء بنی امیہ امیر معاویہ، یزید اور عبدالملک وغیرہ کی قبریں کھدوا ڈالیں اور ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو بھی نکال کر پھینکوا دیا۔ ہشام بن عبدالملک کی نعش صحیح و سالم نکلی تھی۔ صرف ناک گل گئی تھی اس کو کوڑوں سے پٹوا کر سولی پر چڑھا دیا پھر آگ میں جلا دیا۔ اور راکھ ہوا میں اڑا دی۔

عراق میں خود سفاح نے بھی یہی کیا ایک بار دربار میں وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا ایک جانب کرسیوں پر بنی ہاشم اور دوسری

جانب گدوں پر بنی امیہ تھے ۔ اسی اثناء میں ایک شاعر نے آکر بنی امیہ کے مظالم کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کمبختو ہمارے جن عزیزوں کو تم نے قتل کیا وہ تو فنا ہوگئے اور تم ابھی تک اس دنیا میں عیش کرنے اور لذت اٹھانے کے لئے زندہ ہو پھر خراسانیوں کو حکم دیا۔ وہ ان کے اوپر ٹوٹ پڑے اور سب کو قتل کر ڈالا صرف ایک شخص عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز داؤد بن علی کی سفارش سے بچ سکا۔ بنی عباس کی یہ سخت گیری بنی امیہ ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ خود اپنے ارکان سلطنت پر بھی انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔ ابو سلمہ خلال جو وزیر آل محمد کے لقب سے مشہور تھا۔ اور جس نے اس دولت کے قائم کرنے میں بڑی خدمت انجام دی تھی۔ سفاح اس سے اس بنیاد پر ناراض تھا کہ اس نے اس خلافت کو آل علی کی طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے اس کے قتل کے در پے ہوا مگر اس میں ابو مسلم کی رائے لینی بھی ضروری تھی چنانچہ اس نے اپنے بھائی منصور کو خراسان میں بھیجا ابو مسلم نے کہا کہ آپ لوگ خاموش رہیں میں خود اس کا بندوبست کر دوں گا۔ منصور واپس آیا۔ ابو مسلم نے ایک خراسانی کو کوفہ میں بھیجا۔ اور اس کو یہ حکم دیا کہ جہاں ابو سلمہ کو پا جائے قتل کر دے وہ آکر چھپا رہا۔ ابو سلمہ سفاح کے دربار سے نکل کر جب شارع عام پر آیا تو اس نے پہنچ کر اس کو قتل کر دیا۔ چند خوغائیوں نے وہاں جمع ہو کر شور مچا دیا کہ کسی خارجی نے اس کو مار ڈالا۔

اسی زمانہ میں ابو مسلم نے سلیمان بن کثیر خزاعی شیخ النقباء جس نے اس سلطنت کے قائم کرنے میں ابو سلمہ سے کم کوشش نہیں کی تھی بھی الزام لگایا کہ وہ بہ نسبت آل عباس کے آل علی کا خیر خواہ ہے۔ حالانکہ یہ وہ شخص ہے کہ امام ابراہیم نے جب ابو مسلم کو خراسان میں امیر بنا کر بھیجا تھا۔ تو اس کو یہ حکم دیا تھا کہ اہم معاملات میں تم اسی شیخ سے مشورہ لینا اور اس کو میرا قائم مقام سمجھنا۔ ابو مسلم نے اس کو بلایا۔ اور کہا کہ تم کو یہ بات یاد ہے کہ امام نے مجھے حکم دیا تھا کہ جس پر مجھ کو شبہ ہوا اس کو قتل کر دوں؟ اس نے کہا کہ ہاں! ابو مسلم نے کہا کہ مجھ کو تمہارے اوپر شبہ ہے کہ تم امام کے سچے خیر خواہ نہیں ہو اس نے اللہ کا واسطہ دلانا شروع کیا لیکن ابو مسلم نے ایک نہیں سنی اور اس کو قتل کر دیا۔ الغرض سفاح کا عہد بنی امیہ کو مٹانے اور ہر طرف سے جو رخنے نظر آئے ان کو بند کرنے میں گزرا جس کی نسبت ذرا بھی شبہ ہوتا تھا وہ قتل کر دیا جاتا تھا اس طرح نہ صرف بیجا خون ریزی اور سفاکی حد سے زیادہ ہوئی بلکہ بد عہدی اور پیمان شکنی [illegible] قائم ہو گئی جس کی وجہ سے کبراء سلطنت کے دلوں سے اطمینان کے ساتھ خلوص جاتا رہا۔

امراء

سفاح کے عہد میں جس قدر امراء مقرر کئے گئے وہ سب بنی عباس میں سے تھے اس لئے کہ غیر پر اعتماد نہیں تھا ان امراء میں سے تین شخص اپنے نفوذ اور اثر کے لحاظ سے ممتاز تھے ۔ عبداللہ بن علی والی شام و مصر۔ ابو جعفر منصور والی عراق و جزیرہ ابو مسلم امیر خراسان یہی لوگ سیاہ و سفید کے مالک تھے مگر ان میں باہم خلوص و اتحاد نہیں تھا۔

ابو مسلم کی طاقت اور شوکت کو دیکھ کر ابو جعفر از روئے حسد کے اس کا سخت دشمن ہو گیا تھا۔ اور بار بار سفاح سے اصرار کرتا تھا کہ اس کو قتل کر دو وہ بھی راضی تھا لیکن صرف اس خوف سے جرات نہیں کرتا تھا کہ کہیں خراسانی جن کی بدولت یہ سلطنت قائم ہوئی ہے اس کے قتل سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ عبداللہ بن علی خلافت کی آرزو رکھتا تھا۔ اس کو یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں منصور سفاح سے اپنی ولی عہدی کا فرمان نہ لکھائے اس لئے آپس میں دونوں میں صفائی نہ تھی۔

۱۳۶ھ میں ابو مسلم نے سفاح سے حج کی اجازت طلب کی ۔ وہ چونکہ اس کو امیر الحج نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے منصور سے کہا کہ تم بھی حج کے لئے درخواست دیدو اس کی عرضی پر حکم لکھ دیا کہ تم امسال امیر الحج ہو۔ اور ابو مسلم کو جواب دیا کہ تم حج کے لئے آ جاؤ لیکن چونکہ منصور نے بھی حج کی درخواست کی تھی اس لئے میں نے اس کو امیر الحج مقرر کر دیا ہے۔ ابو مسلم نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا اور لکھا کہ مجھے خوشی ہے کہ میں ان کی ماتحتی میں حج کروں لیکن اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ کیا منصور کو اسی

سال حج کرنا ضروری تھا۔ یہ دونوں قافلے ایک ساتھ ایک ہی راستے سے مکہ کو چلے۔ راہ میں ابومسلم نے اپنی شوکت اور شان کا اس قدر اظہار کیا کہ منصور کا رشک و حسد اور بھی بڑھ گیا۔ اور آئندہ یہی ابومسلم کے قتل کا موجب ہوا۔

ولی عہدی

۱۳۶ھ میں سفاح نے اپنے بھائی منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی کی ولی عہدی کے لئے فرمان لکھا اس عہد کو حریر کے پارچے پر لکھوا کر پہلے اس پر اپنی مہر لگائی پھر اپنے اہل خاندان کی مہریں لگوا کر عیسیٰ بن موسیٰ کے حوالے کیا۔

وفات

اسی سن میں وہ چیچک کے مرض میں مبتلا ہوا اور یوم شنبہ ۱۳ ذی الحجہ مطابق ۸ جون ۷۵۴ء کو مقام انبار میں وفات پائی۔ یوم بیعت سے وفات تک اس کی مدت خلافت ۴ برس ۹ مہینے رہی اور مروان کے قتل کے بعد سے ۴ سال ۱۴ روز۔

(۲) منصور

ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ۔ اس کی ماں ام ولد تھی جس کا نام سلامہ تھا۔ اس کی پیدائش حمیمہ میں ۱۰۱ھ میں ہوئی تھی۔ خلافت عباسیہ کے لئے جدوجہد اور اس کے انتظام و اہتمام میں یہ سفاح کا دست راست تھا جس وقت اس کی وفات ہوئی یہ حج کے لئے گیا تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ ولی عہد ثانی نے اس کے لئے بیعت لی اور اس کو صورت حال سے مطلع کیا وہ واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں قاصد ملا۔ عجلت کے ساتھ انبار پہنچ کر تخت نشین ہوا۔

احوال داخلیہ

منصور کو اپنی خلافت کے لئے بنی امیہ یا ان کے حامیوں کی طرف سے تو کوئی اندیشہ نہ تھا کیونکہ ان کا خاتمہ ہو چکا تھا لیکن تین طرف سے اس کو ڈر لگا ہوا تھا۔

(۱) اپنے چچا عبداللہ بن علی کی طرف سے کیونکہ بنی عباس میں اس کی شخصیت نہایت ممتاز تھی۔ اور چونکہ سفاح نے اس کو سپہ سالار عام مقرر کر دیا تھا۔ اس لئے شام، جزیرہ اور موصل وغیرہ کی تمام فوجیں اس کے قبضہ میں تھیں۔ اور وہ بڑی قوت اور شوکت رکھتا تھا۔ واپسی میں جب منصور کو سفاح کی موت کو اطلاع ہوئی تو اس نے ابومسلم سے اس خطرہ کا اظہار بھی کیا تھا۔

(۲) خود ابومسلم سے جو دولت عباسیہ کا اصلی بانی تھا کیونکہ اس کی طاقت بھی زبردست تھی اور تمام مہمات ملکی میں وہ دخیل تھا ابو جعفر کو یہ ڈر تھا کہ کہیں مجھ کو اپنا مخالف سمجھ کر یہ خلافت کو کسی دوسرے کے ہاتھ منتقل نہ کر دے۔

(۳) اپنے بنی اعمام آل علی سے بالخصوص محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب کی طرف سے اس کو بہت خطرہ تھا۔ اور یہ خوف اس کے دل میں اس وقت سے اور بھی بڑھ گیا جب اس نے دیکھا کہ اس کے امیر حج ہونے کی وجہ سے محمد مذکور اور ان کے بھائی ابراہیم دونوں حج میں شریک نہیں ہوئے۔

ان تینوں خطرات کو اس نے اچھی طرح سمجھ لیا چونکہ وہ صاحب ہمت و جرات، ہوش مند اور مدبر تھا۔ اس لئے یہ سوچا کہ انہیں دشمنوں سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں کام لے کر ان کی قوت کو توڑ دے۔

عبداللہ بن علی

عیسیٰ بن موسیٰ نے عبداللہ کو بیعت کے لئے بلایا۔ وہ اس وقت رومیوں سے لڑ کر واپس آ رہا تھا۔ حران میں پہنچ کر اس نے فوج کو جمع کیا اور ان سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔

منصور نے ابومسلم کی ماتحتی میں نہایت ساز و سامان کے ساتھ ایک لشکر گراں ترتیب دیکر اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ عبداللہ کے ساتھ خراسانی فوج کا بھی حصہ تھا جس کا امیر حمید بن قحطبہ تھا۔ عبداللہ نے خیال کیا کہ شاید یہ لوگ ابومسلم کی وجہ سے میرا ساتھ نہ دیں اس لئے حمید کو ایک خط دے کر زفر بن عاصم والی حلب کے پاس بھیج دیا اور اس کے جانے کے بعد خراسانیوں کو جو

کئی ہزار تھے قتل کرا دیا۔ ادھر راستہ میں حمید نے جب اس خط کو کھول کر دیکھا تو اس میں یہ مضمون پایا کہ جس وقت یہ تمہارے پاس پہنچے اس کو قتل کر دینا۔ اس وجہ سے وہ حلب نہیں گیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے عراق کی طرف پلٹا۔ خراسانیوں کے قتل اور حمید کے نکل جانے کی وجہ سے عبداللہ کے لشکر میں ابتری پیدا ہو گئی وہ ان کو لئے ہوئے حران سے نصیبین میں آگیا جو ایک مستحکم فوجی مقام تھا اور وہاں جنگ کی تیاری میں مشغول ہوا۔

ابو مسلم نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ عبداللہ نے ایک مضبوط مرکز پر مورچہ جما لیا ہے جس کو فتح کرنا دشوار ہے اس لئے اس کو خط لکھا کہ مجھ کو تم سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ میں ملک شام کا والی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اسی طرف کو جا رہا ہوں عبداللہ اس کی چال کو سمجھ گیا لیکن اس کے ساتھ جو شامی امراء تھے وہ مضطرب ہوئے کہ ہم یہاں ہیں یہ شام میں پہنچ کر نہ معلوم ہمارے گھر والوں پر کیا کیا سختیاں کرے۔ اس لئے انہوں نے عبداللہ کو مجبور کیا کہ شام کی طرف چلو وہ ان کو لیکر نکلا اور ملک شام کی طرف چلا ابو مسلم موقع پا کر نصیبین میں داخل ہو گیا اور اس محفوظ مقام کو اپنا مرکز بنا لیا۔ عبداللہ نے دیکھا کہ حریف اپنے داؤں میں کامیاب ہو گیا مجبوراً اس جگہ آکر خیمے ڈالے جہاں پہلے ابو مسلم کی فوج تھی۔ فریقین میں جنگ شروع ہوئی۔ شامی تعداد میں زیادہ اور ساز و سامان کے لحاظ سے خراسانیوں سے بہتر حالت میں تھے لیکن جو موقع ابو مسلم نے حاصل کر لیا تھا اس کی وجہ سے اہل شام ان کو مغلوب نہ کر سکے۔ چھ مہینے تک برابر لڑائی جاری رہی اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔

یوم سہ شنبہ ۷ جمادی الاول ۱۳۷ھ کو ابو مسلم نے حسن بن قحطبہ کو جو اس کے میمنہ کا امیر تھا حکم دیا کہ آج میسرہ میں زیادہ فوج کو رکھو اور میمنہ میں صرف وہ لوگ رہیں جو منتخب بہادر ہیں۔ عبداللہ نے یہ دیکھ کر اپنے میمنہ کی طرف زیادہ زور دیا۔ اور میسرہ کو خالی چھوڑ دیا۔ ابو مسلم نے قلب اور میمنہ کو ایک ساتھ اس کے میسرہ پر بڑھایا جس سے شامیوں کا زور ٹوٹ گیا اور وہ شکست کھا گئے۔ عبداللہ بن علی سے اس وقت ایسا فعل سرزد ہوا جس کو بنی ہاشم ہمیشہ اپنے لئے عار سمجھتے رہے یعنی وہ میدان چھوڑ کر بھاگا اس کے امراء نے ہر چند اس سے کہا کہ بھاگنا سپاہی کا کام نہیں ہے اس سے پہلے خود تم ہمیشہ مردان کو گالیاں دیتے تھے کہ وہ موت سے ڈر کر بھاگ گیا آج خود اسی ننگ کو کیوں گوارا کرتے ہو مگر اس کا قدم نہیں رکا ابو مسلم نے فتح کے بعد شامیوں کو امن عام دے دیا۔ عبداللہ بصرہ پہنچا۔ وہاں اس کا بھائی سلیمان بن علی والی تھا کچھ دنوں تک اس کے پاس چھپا رہا۔ منصور کو خبر ہو گئی اس نے سلیمان کو لکھا کہ عبداللہ کو میرے پاس بھیج دو میں اسے امان دیتا ہوں۔ سلیمان اس کو خود اپنے ساتھ لے کر گیا۔ منصور نے باوجود امان دے دینے کے قید کر دیا۔ یہاں تک کہ قید ہی میں ۱۴۷ھ میں وہ مرا۔

ابو مسلم

منصور کو ابو مسلم کے ہاتھوں عبداللہ کی طرف سے اطمینان نصیب ہو گیا لیکن اب خود ابو مسلم کی اس کو فکر ہوئی کیونکہ اس فتح سے اس کا رتبہ اور بھی بڑھ گیا۔ اور منصور کی طبیعت اس قسم کی تھی کہ وہ اپنے سوا کسی کی عظمت کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اس کے خطوط ابو مسلم کے پاس جاتے ہیں تو وہ ان کا مذاق اڑاتا ہے اس وجہ سے اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو اس کا خاتمہ کر دے۔

اسی درمیان میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ابو مسلم کے دل میں بھی منصور کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا۔ وہ یہ کہ جب شامیوں پر اس نے فتح پائی تو منصور نے ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا اور لکھا کہ جو کچھ مال غنیمت ملا ہو اس کو اچھی طرح شمار کر کے اس کے حوالہ کرنا۔ ابو مسلم نے اس خط کو پڑھ کر کہا کہ خون کے معاملہ میں مجھ پر اعتماد کیا جاتا ہے اور مال کے معاملہ میں نہیں۔ اور اس قدر برہم ہوا کہ اس کے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن اس کے حاشیہ نشینوں نے کہا کہ اس غریب کا قصور کیا ہے اس لئے چھوڑ دیا اس شخص نے آکر سارا ماجرا منصور کو سنایا۔ منصور بہت احتیاط کرتا تھا کہ اس کے دل میں اس کی طرف سے کسی قسم کا شبہ پیدا نہ

ہونے پائے کیونکہ اس کو خطرہ تھا کہ اگر وہ بدگمان ہو کر خراسان میں چلا گیا تو اس کے اوپر قابو پانا دشوار ہوگا اس لئے کہ وہاں اس کی طاقت زبردست ہے جب یہ صورت پیدا ہو گئی تو اس نے فوراً ابو مسلم کو فرمان بھیجا کہ بجائے خراسان کے میں تم کو شام اور مصر کا والی مقرر کرتا ہوں تم شام میں رہو اور اپنی طرف سے جس کو چاہو مصر کا امیر بنا کر بھیج دو۔

اس فرمان سے وہ اور بھی غضب ناک ہوا اور کہا کہ خراسان میری ولایت ہے میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ چنانچہ وہ اپنی کل فوج کو لے کر مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ منصور نے دیکھا کہ اب اگر یہ خراسان تک پہنچ گیا تو ایک ایسی جنگ پیش آئے گی جس کا نتیجہ نہ معلوم ہے لہذا اس کا فیصلہ جس تدبیر سے ممکن ہو اس سے پہلے کر دینا چاہیئے یہ سوچ کر وہ انبار سے مدائن میں آ گیا اور ابو مسلم کو حکم بھیجا کہ تم یہاں آکر مجھ سے ملو اس نے جواب میں لکھا کہ

امیر المومنین کا اب کوئی دشمن باقی نہیں رہا جس کی طرف سے خطرہ ہو اور ہم نے آل ساسان کی روایات میں یہ سنا ہے کہ سکون کی حالت میں بادشاہوں کو زیادہ خطرہ اپنے وزیروں کی طرف سے ہوا کرتا ہے اس لئے آپ کے قرب سے گریزاں ہیں اور چاہتے ہیں کہ دور رہ کر وفاداری کے ساتھ اطاعت کرتے رہیں لیکن اگر آپ کو اس کے خلاف اصرار ہے اور آپ وہی کرنا چاہتے ہیں جو مرکوز خاطر ہے تو یہ اس پیمان کے خلاف ہے جو ہمارے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس خط سے منصور کے دل میں انتقام کی آگ اور بھڑک اٹھی کیونکہ ابو مسلم نے اپنی قوت کے اعتماد پر نہ صرف اس کے کم کی مخالفت کی تھی بلکہ اپنے آپ کو اس کے مقابل رکھ کر ایک قسم کی دھمکی بھی دی تھی منصور نے جواب دیا۔

میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تم ان خیانت کار روز راہ میں سے نہیں ہو جو اپنے جرموں کی وجہ سے بادشاہوں سے ڈرتے تھے اور اپنے بچاؤ کے لئے سلطنت میں انقلاب پیدا کرنے کی سازشیں کرتے تھے بلکہ تم نے اس دولت کی عظیم الشان خدمت کی ہے اور ہم کو تمہاری خیر خواہی اور اطاعت پر کامل اعتماد ہے اسی لئے یہ خط ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ کے ہاتھ تمہارے پاس بھیجا جاتا ہے کہ اس کی باتوں سے تم کو اطمینان ہو جائے اور اگر دل میں کسی قسم کا وسوسہ ہو تو نکل جائے۔ منصور نے عیسیٰ کے ہمراہ ابو حمید مرورذی کو بھی جو ایک نہایت زبان آور آدمی تھا بھیجا اور اس سے کہہ دیا کہ پہلے ابو مسلم سے نہایت نرمی سے گفتگو کر کے یہاں آنے پر راضی کرنا اگر وہ انکار کرے تو پھر اس سے کہنا کہ امیر المومنین نے قسم کھائی ہے کہ جو تم نہیں آؤ گے تو میں خود آؤں گا۔ تم بھاگو گے تو تمہارا پیچھا کروں گا یہاں تک کہ سمندر یا آگ میں اگر گھسو گے میں بھی تمہارے پیچھے اس میں گھسوں گا اور یا ماروں گا یا مروں گا۔

ابو حمید نے حسب ہدایت پہلے ابو مسلم سے شیریں زبانی کے ساتھ گفتگو کی اس نے خراسانیوں سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ منصور کے پاس تمہارا جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کی نیت تمہاری طرف سے صاف نہیں معلوم ہوتی اس بناء پر اس نے ابو حمید سے کہا کہ میں نہیں جا سکتا۔ اس وقت ابو حمید نے دوسرا پیغام سنا دیا اس کو سن کر اس کا دل بیٹھ گیا۔

ادھر منصور نے دوسری کارروائی یہ کی کہ ابو مسلم کے نائب کو جو اس کی غیبت میں خراسان کا حاکم تھا وہاں کی مستقل حکومت کا فرمان لکھ کر بھیج دیا ابو مسلم نے دیکھا کہ منصور نے اس کا تعلق خراسان سے بھی منقطع کر دیا اس لئے اب کوئی صورت بجز اس کے نہ رہی کہ وہ خلیفہ کے پاس حاضر ہو۔ چنانچہ خراسان سے منہ موڑ کر مدائن کی طرف روانہ ہوا۔

منصور نے اس کے قتل کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا لیکن اپنے اس ارادہ کو نہایت مخفی رکھا تھا یہاں تک کہ جب ابو مسلم مدائن کے متصل پہنچا تو اس نے امراء و رؤسا کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا اور جس وقت وہ دربار میں آیا اس سے نہایت خوش ہو کر ملا جس سے اس کا دل مطمئن ہو گیا اور خوف جاتا رہا۔ دوسرے دن ابو مسلم کے دربار میں آنے سے قبل منصور نے عثمان بن نہیک رئیس شرطہ حکم دیا کہ چار سپاہیوں کو پس پردہ چھپا رکھے جو میری تالی بجانے پر نکل کر اس کو قتل کریں۔ جب ابو مسلم دربار میں آیا تو منصور نے اس سے گفتگو شروع کی اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت چھوٹا نیزہ تھا دیکھنے کے بہانہ سے اس کو بھی لے لیا۔ پھر اس

نے جو نافرمانیاں کی تھیں ان کو گنانا شروع کیا آخر میں کہا کہ تم میرے حکم کے خلاف خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ ابو مسلم کو خوف پیدا ہوا منصور نے اس درمیان میں تالی بجائی ۔ ان چاروں سپاہیوں نے قتل کر ابو مسلم پر حملہ کر دیا وہ چلاتا رہا کہ مجھ کو بڑی بڑی مہمات کے لئے باقی رکھئے اور قتل نہ کرایئے لیکن چند لمحوں میں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ اس کے ہمراہیوں نے جب سنا تو ان میں جوش پیدا ہوا اور انہوں نے جا کر قصر شاہی کا محاصرہ کر لیا لیکن ابو جعفر نے ان کو اس قدر اشرفیوں کے توڑے دے دیئے کہ وہ خوش ہوگئے ان کے رؤسا و امراء کو بڑے بڑے صلے اور گراں بہا خلعتیں بخشیں۔ ابو مسلم کے قتل کے بعد منصور کو اطمینان ہو گیا اور اس نے یہ سمجھا کہ اب میری خلافت کا دور شروع ہوا۔

ابو مسلم نہایت عالی حوصلہ ، بہادر ، مدبر اور فرزانہ امیر تھا۔ اگر اس میں سفاکی نہ ہوتی تو وہ دنیا کے ممتاز سپہ سالاروں میں شمار کیا جاتا لیکن اس نے دولت عباسی کی تاسیس میں بے حد خون بہایا۔ یہاں تک کہ امام ابراہیم کے اس حکم کے مطابق کہ جس پر تم کو شبہ ہوا۔ اس کو قتل کر دینا۔ اس نے شیخ النقباء سلیمان بن کثیر کو بھی محض خیالی تہمت پر قتل کر ڈالا۔

جب اس دولت کا اصول یہ قرار پا چکا تھا تو پھر وہ خود کیونکر اس سے بچتا۔

منصور کو بھی اس کی نیت پر شبہ ہوا۔ اس لئے اس نے اس کا کام تمام کرا دیا۔ یہ بھی ایک سنت الٰہی ہے جس کو اس نے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔

وکذالک نولی بعض الظالمین بعضاً بما کانوا یکسبون ط

اسی طرح ظالموں ہی میں سے ان کے اعمال کی بدولت ہم ایک کو دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔

محمد بن عبداللہ نفس زکیہ

شیعہ اہل بیت کے دو فرقے امامیہ اور زیدیہ عرب و عجم میں کثرت سے پھیلے ہوئے تھے اور ان کی دعوت عام تھی ۔ بنی عباس نے اپنی امامت کی تلقین میں اسی وجہ سے کسی امام کا نام متعین کرنا مناسب نہیں خیال کیا۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ اس دعوت عام سے نفع اٹھائیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی محض امامت اہلبیت کی تبلیغ کی ۔ اور اس تدبیر سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ۔ بنی فاطمہ نے ان کو بھی ویسا ہی ظالم اور غاصب قرار دیا۔ جیسا کہ بنی امیہ کو وہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ امامت ان کے نزدیک صرف بنی فاطمہ کا حق تھی۔ ان میں سے اس وقت دو شخص ممتاز تھے ایک امام جعفر صادق جو فرقہ امامیہ کے امام ششم تھے دوسرے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن جن کا لقب ان کے پاکیزہ صفات کی وجہ سے نفس زکیہ تھا اور اہل بیت کے اکثر لوگ ان کو مہدی مانتے تھے۔

امام جعفر صادق تقدیر پر صابر و شاکر رہے انہوں نے بنی عباس کے خلاف کسی قسم کی کوشش نہیں کی بلکہ معتقدوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ خاموش رہیں لیکن محمد نفس زکیہ اپنی خلافت کے لئے سخت کوشاں تھے ۔ بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کے زمانہ ہی میں اکثر رؤسا بنی ہاشم نے ان کی امامت پر بیعت کی تھی اور ان کو مہدی تسلیم کیا تھا اس بیعت میں سفاح اور منصور بھی شامل تھے اسی وجہ سے جب عباسیوں نے خلافت قائم کی تو انہوں نے سفاح کے ہاتھ [illegible]ت نہیں کی اور چاہا کہ خود اپنی خلافت کا دعویٰ کریں سفاح نے ان کو خط لکھا وہ چونکہ اس کے احسان مند تھے۔ اس لئے ان کے زمانہ میں مخالفت سے باز رہے۔

محمد کے ایک دوسرے بھائی ابراہیم بن عبداللہ تھے ان کو خراسان کی ایک جماعت امام مانتی تھی۔ اور ان کی حمایت کے لئے تیار تھی۔ جب منصور خلیفہ ہوا تو چونکہ اس کو ان دونوں بھائیوں کا حال معلوم تھا۔ اور وہ ان کا راز دار ہو چکا تھا اس لئے اس کو ان کی طرف سے ہر وقت خطرہ تھا۔ ۱۳۶ھ میں جب وہ امیر الحج ہو کر گیا تھا تو ان دونوں میں سے کوئی حج میں بھی نہیں آیا تھا اس وجہ سے اس کا شبہ اور بھی قوی ہو گیا تھا۔

زیاد بن عبداللہ حارثی اس وقت مدینہ کا عامل تھا منصور نے اس سے پوچھا کہ محمد نفس زکیہ کے کیا ارادے ہیں؟ اس نے جواب دیا

کہ ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ فرمائیں۔ میں ان کو دربار میں حاضر کردوں گا۔ منصور نے بنی ہاشم کے ایک ایک شخص کو الگ الگ بلا کر محمد کی باحث دریافت کیا۔ ہر ایک نے یہ جواب دیا کہ فقط وہ خلافت کے طالب تھے مگر تم لوگوں کے تسلط کے بعد ان کا یہ خیال جاتا رہا۔ اور وہ تمہاری مخالفت کے لئے آمادہ نہیں ہیں لیکن حسن بن زید بن حسن بن علی نے صاف صاف ان کے حالات منصور کو سنا دیئے اور کہہ دیا کہ وہ تیاری میں مصروف ہیں اور کسی نہ کسی وقت تمہارے مقابلہ کے لئے ضرور آئیں گے یہ سن کر بیدار مغز منصور کی آنکھیں کھل گئیں۔

وہ برابر محمد کی جستجو میں مصروف رہا۔ زیاد والی مدینہ جو محمد کی طرف سے اطمینان دلا کر گیا تھا جب ان کو نہیں حاضر کر سکا تو اس کو معزول کر کے محمد بن خالد بن عبداللہ قسری کو وہاں کا عامل بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ جس قدر مال چاہو خرچ کرو مگر محمد کا پتہ لگاؤ۔ اس نے بھی بہت کوشش کی لیکن محمد اس کے ہاتھ نہ آئے اس وجہ سے اس کو بھی معزول کر کے ریاح بن عثمان کو بھیجا۔ وہ ۱۴۴ھ میں مدینہ میں آیا۔ فقط محمد بن خالد سابق امیر مدینہ اور اس کے کاتب کو سزا دی اس کے بعد محمد کی جستجو کرنے لگا وہ قبائل میں روپوش تھے اور اپنے گھر میں بھی آتے جاتے تھے۔ ریاح کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بنی حسن میں سے تیرہ آدمیوں کو پکڑ کر منصور کے پاس بھیجا ان کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ بھی مقید تھے کیونکہ وہ ماں کی طرف سے بنی حسن سے رشتہ رکھتے تھے نیز ان کی بیٹی نفس ذکیہ کے بھائی ابراہیم سے بیاہی تھی منصور نے ان لوگوں پر اور خاص کر محمد عثمانی مذکور پر اس قدر سختیاں کیں جو لکھنے کے قابل نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے اکثر ہلاک ہوگئے۔

یہ وہی بنی عباس ہیں جنہوں نے تمام دنیا میں یہ غلغلہ ڈال رکھا تھا کہ ہم قاتلان اہل بیت کے انتقام کے لئے آئے ہیں۔ حالانکہ بنی امیہ کے زمانہ میں ائمہ اہل بیت میں سے جو لوگ مقتول ہوئے تھے وہ میدان جنگ میں لڑ کر مقتول ہوئے تھے۔ انہوں نے اہل بیت کے کسی ایک فرد کو بھی اس ظالمانہ طریقہ سے پکڑ کر ہلاک نہیں کیا تھا۔

اپنے خاندان پر ان مظالم کو دیکھ کر محمد نفس زکیہ کو تاب ضبط نہ رہی یکم رجب ۱۴۵ھ کو وہ دو صد پچاس آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے وہاں کے باشندوں نے ان کا ساتھ دیا۔ امیر مدینہ ریاح نے مقابلہ کرنا چاہا مگر اس کو لوگوں نے گرفتار کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔

نفس ذکیہ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا۔ حاضرین! ہمارا اور اس ظالم منصور کا جو معاملہ ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے اس نے اپنے قصر کا سبز گنبد کعبہ کی تحقیر کے لئے بنایا ہے۔ وہ اللہ کا دشمن ہے فرعون نے بھی اسی قسم کی سرکشی کی تھی جس کی وجہ سے اس پر عذاب آیا تھا اے اللہ! تو اس کو بھی برباد کر دے۔

دین اسلام کی حفاظت کے اصلی حقدار مہاجرین اولین کے بیٹے اور فرزندان انصار ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے مدینہ کو اس خیال سے اپنا مرکز نہیں بنایا ہے کہ یہاں کے لوگ زیادہ قوت رکھتے ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ میں یہاں کے باشندوں سے محبت رکھتا ہوں۔ میں تو یہاں اس وقت آیا ہوں جب کہ دنیائے اسلام کے ہر مقام کے لوگوں نے میری امامت کی بیعت کر لی ہے۔ اہل مدینہ یہ سن کر خوش ہوگئے لیکن حقیقت یہ نہیں تھی بلکہ منصور نے اپنی طرف سے جابجا ایسے لوگوں کو متعین کر دیا تھا۔ جو محمد کے پاس خطوط بھیجا کرتے تھے کہ یہاں کے لوگ آپ کی امامت پر راضی ہیں اس سے ان کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ہر مقام کے لوگ میری امامت کو تسلیم کر چکے ہیں اور حمایت کے لئے آمادہ ہیں۔

دوسری خرابی یہ پڑ گئی کہ انہوں نے اپنے بھائی ابراہیم سے یہ طے کیا تھا کہ جس دن مدینہ میں خروج کروں اسی دن تم بصرہ میں اپنی جماعت کو لے کر کھڑے ہو جاؤ۔ منصور دونوں کے مقابلہ سے عاجز رہے گا لیکن ابراہیم اسی زمانہ میں بیمار ہوگئے۔ اس لئے یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا اور نفس ذکیہ نے اپنی طاقت کا جس قدر اندازہ لگایا تھا وہ غلط ہو گیا۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ انہوں نے

مدینہ کو اپنا مرکز بنایا جسکی تمام ضروریات باہر سے پوری ہوتی ہیں اور جو چار دن بھی محاصرہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ محمد بن خالد قسری نے ان سے کہا بھی کہ آپ نے مدینہ کو کیوں منتخب کیا یہ تو ایسا مقام ہے کہ یہاں کا پانی ہی اگر کوئی دو دن باہر سے روک دے تو یہاں کے لوگ پیاسے مرجائیں گے بہتر یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ یمن میں چلیں میں ایک لاکھ جنگ آوروں کے ساتھ آپ کی مدد کروں گا لیکن وہ راضی نہیں ہوئے۔

منصور اس زمانہ میں بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا جب اس کو اطلاع پہنچی تو اس نے ربیع بن عبداللہ سے کہا کہ محمد نے تو بغاوت کا علم کھڑا کر دیا اس نے پوچھا کہ کہاں۔ جواب دیا کہ مدینہ میں اس نے کہا وہاں گیا ہے۔ نہ آدمی نہ سامان اپنے آپ کو مفت تباہ کر لیا۔

منصور کو زیادہ خطرہ کوفہ کی طرف سے تھا۔ کیونکہ یہاں شیعہ آل علی کی کثرت تھی۔ اس لئے اس نے فوراً پہنچ کر اس کے دروازے بند کر دیئے تاکہ باہر سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے اس کے بعد محمد نفس زکیہ کے نام خط لکھا۔

از جانب ابو جعفر عبداللہ بن محمد امیر المومنین بنام محمد بن عبداللہ

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑیں اور دنیا میں فساد پھیلائیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں۔ یا سولی پر چڑھا جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں برخلاف کاٹ لئے جائیں۔ یا ملک بدر کر دیئے جائیں۔ بجز ان لوگوں کے جو قبل اس کے توبہ کر لیں کہ تم ان کے اوپر قابو پاؤ۔ اس لئے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا واسطہ دلا کر عہد و پیمان کرتا ہوں کہ اگر اس سے پہلے کہ میں تمہارے اوپر قابو پاؤں تم توبہ کر لو گے تو میں تمہاری اور تمہارے تمام بھائیوں، ساتھیوں اور معتقدوں کی جو اس بغاوت میں شریک ہیں جان بخشی کر دوں گا نیز دس لاکھ درہم تم کو عطا کروں گا کہ جہاں چاہو وہاں رہو۔ اور تمہاری جو ضروریات ہوں گی ان کو پورا کرتا رہوں گا۔ تمہارے اہل بیت اور شیعہ میں سے جو لوگ میرے قید خانوں میں ہیں ان کو چھوڑ دوں گا اور کسی قسم کی تکلیف نہیں دوں گا۔ اگر تم اس پر راضی ہو تو اپنے کسی معتمد کو بھیج دو وہ آکر مجھ سے عہد نامہ لکھوالے۔ اس کے جواب میں نفس زکیہ نے لکھا کہ:۔

از جانب محمد بن عبداللہ مہدی امیر المومنین بنام عبداللہ بن محمد

میں بھی تمہارے لئے اسی قسم کی امان پیش کرتا ہوں جس قسم کی تم نے میرے سامنے پیش کی ہے۔ تم جانتے ہو کہ خلافت ہمارا حق ہے۔ ہماری ہی فضیلتوں اور ہمارے ہی شیعوں کی بدولت تم نے اس کو حاصل کیا ہے۔ ہمارے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہ وصی اور امام تھے ہم ان کے بیٹے ہیں زندہ ہیں۔ پھر ہمارے ہوتے ہوئے تم کیسے ان کے وارث ہو گئے۔ تمہیں یہ بھی خوب معلوم ہے کہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں بنی ہاشم میں سے جو فضائل اور مفاخر نسبی ہم کو حاصل ہیں وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئے۔ زمانہ

جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی فاطمہ بنت عمرو کے شکم سے ہم ہیں۔ مدد کہ تم خاص کر میں ہاشم کی اولاد میں نسب میں سب سے بہتر اور ماں باپ کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہوں میری رگوں میں امہات اولاد کا غیر عربی خون مطلق نہیں ہے میرے نسب کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے ممتاز رکھا۔
انبیاء میں سب سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں میں ان کا بیٹا ہوں۔ صحابہ میں میرے باپ حضرت علیؓ ہیں جو اسلام میں سب سے اول علم میں سب سے فائق اور جہاد میں سب سے افضل تھے۔ میری ماں حضرت خدیجہؓ ہیں جنہوں نے امت میں سب سے پہلے نماز پڑھی۔ پھر حضرت فاطمہؓ ہیں جو ان کی بیٹیوں میں سب سے بہتر اور جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اسلام کے بعد ہاشم کے بہترین فرزند حضرت حسنؓ اور حسینؓ ہیں جو بہشتی جوانوں کے سید ہیں ان میں سے بڑے کا میں بیٹا ہوں۔

اب دیکھو! حضرت علیؓ والدین کی طرف سے ہاشم کے بیٹے ہیں۔ امام حسنؓ والدین کی طرف سے عبدالمطلب کے بیٹے ہیں اور میں والدین کی طرف سے رسولؐ اللہ کا بیٹا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارا امتیاز ہمیشہ سے قائم رکھا یہاں تک کہ جہنم میں بھی اس نے اس کا لحاظ رکھا۔ یعنی میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو جنت میں سب سے بڑا درجہ رکھتا ہے اور اس شخص کا بیٹا ہوں جو جہنم میں سب سے ہلکا عذاب پائے گا اس طرح پر نیکوں میں سب سے بڑھ کر نیک اور گناہ گاروں میں سب سے کمتر گناہ گار کا فرزند ہوں۔ میں اللہ کو گواہ کر کے تم کو ہر چیز کی سوائے کسی حد شرعی یا کسی مسلمان یا معاہدے کے حق کے جو تمہارے ذمہ عاید ہو امان دیتا ہوں اور میں بہ نسبت تمہارے عہد کا زیادہ پابند ہوں تم نے جو مجھے امان دی ہے وہ کون سی ہے ابن ہبیرہ والی یا وہ جو تم نے اپنے چچا عبداللہ یا ابو مسلم کو دی تھی۔؟

عبرت کا مقام ہے کہ نسبی مفاخر جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نخوت جاہلیہ قرار دے کر فتح مکہ کے دن پاؤں تلے روند ڈالا اور جس کو قرآن نے مٹا کر مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا انہیں کو یہ آئمہ اپنی امامت اور استحقاق خلافت کے ثبوت میں کس کس طرح سے پیش کرتے تھے۔ درحقیقت ان کے مقاصد شخصی تھے نہ کہ جمہوری۔

منصور کے پاس جب یہ خط پہنچا تو اس کے کاتب نے اس کا جواب لکھنے کی اجازت مانگی۔ منصور نے کہا کہ یہ تمہارا کام نہیں ہے جب حسب نسب اور خاندان کے جھگڑے آپڑے تو خود مجھے جواب لکھنا چاہئے چنانچہ اس نے لکھا۔

از ابو جعفر عبداللہ بن محمد امیر المومنین بنام محمد بن عبداللہ

تمہارا خط مجھ کو ملا۔ عوام کو برانگیختہ کرنے اور جہلا میں مقبول بننے کے لئے یہ تم نے نسبی مفاخر جوڑ رکھے ہیں جن کی ساری بنیاد عورتوں پر ہے۔ حالانکہ عورتوں کا وہ درجہ نہیں ہے جو چچا کا ہے تم کو معلوم ہے کہ اللہ تبارک

و تعالیٰ نے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا اس وقت ان کے چچاؤں میں سے چار شخص زندہ تھے ۔ (حمزہ، عباس، ابو طالب اور ابو لہب ان میں سے دو اسلام لائے جن میں سے ایک میرا باپ تھا اور دو کافر رہے جن میں سے ایک تمہارا باپ تھا۔ تم نے عورتوں کا ذکر کر کر کے ان کی قرابت پر جو فخر کیا ہے یہ نادانی ہے ۔ اگر عورتوں کی نسبی فضیلت میں سے کوئی حصہ ملتا تو ساری فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ بنت وہب کے لئے ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے دین سے سربلند کرتا ہے۔

تعجب ہے کہ ابوطالب کی والدہ فاطمہ بن عمرو پر بھی تم نے فخر کیا ہے سوچو تو کہ ان کے بیٹوں میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت کی اور اگر کرتا تو اس کے زیادہ حقدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ ہو سکتے تھے لیکن وہ تو جس کو چاہتا ہے اسی کو ہدایت کرتا ہے تم نے اس پر بھی فخر کیا ہے کہ حضرت علیؓ والدین کی طرف سے ہاشمی ہیں اور حسن والدین کی طرف سے عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ اور تمہارا نسب والدین کی طرف سے رسولؐ اللہ تک پہنچتا ہے اگر یہ واقعی کوئی فضیلت ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہوتے مگر وہ تو صرف ایک طرف سے ہاشمی ہیں۔

پھر تم اپنے آپ کو رسول اللہ کا بیٹا کہتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے قطعی انکار ہے اس نے صاف صاف اپنی کتاب میں فرما دیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں ہیں۔ ہاں تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ تم ان کی بیٹی کی اولاد ہو اور یہ بیشک ایک قریبی رشتہ ہے لیکن اس کے ذریعہ سے کسی کی میراث نہیں مل سکتی اور نہ اس سے تم امامت کے حقدار ہو سکتے ہو۔ اس قرابت کی بنیاد پر تمہارے باپ حضرت علیؓ نے ہر طرح سے خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت فاطمہؓ کو ابو بکرؓ سے لڑا کر رنجیدہ کرایا ۔ اسی غصہ میں ان کی بیماری کی بھی کسی کو اطلاع نہیں دی اور جب انہوں نے انتقال کیا تو رات ہی کو ان کو لے جا کر دفن کر دیا۔ لیکن کوئی ابو بکرؓ کو چھوڑ کر ان کی خلافت پر راضی نہیں ہوا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں بھیؓ وہ موجود تھے لیکن یہ تم نے سنا ہو گا کہ آپ نے نماز پڑھانے کا حکم کس کو دیا تھا۔

ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ ان کے قائم مقام ہو گئے اور پھر خلافت اصحاب شوریٰ میں آئی ۔ اس میں بھی وہ انتخاب میں نہ آ سکے اور حضرت عثمانؓ خلیفہ ہو گئے ان کے بعد انہوں نے طلحہؓ اور زبیرؓ پر سختی کی ۔ سعدؓ بن وقاص سے بیعت لینی چاہی انہوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ جب حضرت علی گزر گئے

تو امام حسنؓ ان کی جگہ پر آئے۔ معاویہؓ نے ان کے اوپر لشکر کشی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے کچھ رقم لے کر اپنے شیعہ اور خلافت دونوں کو امیر معاویہؓ کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور مدینہ میں چلے گئے لہٰذا اگر تمہارا کچھ حق بھی تھا تو تم فروخت کر چکے۔

تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں بھی تمہارے لئے امتیاز کا لحاظ رکھا کہ تمہارے باپ ابو طالب کو اس میں سب سے کمتر عذاب ملے گا۔ نہایت افسوس ناک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب خواہ کم ہو یا زیادہ کسی مسلمان کے لئے فخر کی چیز نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی فضیلت ہے۔

یہ جو تم نے لکھا ہے کہ تمہاری رگوں میں عجمی خون مطلق نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو سمجھتے ہو حالانکہ وہ ہر لحاظ سے تم سے افضل تھے۔ خود تمہارے ہی خاندان میں زین العابدین تھے وہ تمہارے دادا حسن بن حسن سے بہتر تھے پھر ان کے بیٹے محمد باقر تمہارے باپ سے بہتر اور ان کے بیٹے جعفر صادق تم سے بہتر ہیں حالانکہ ان سب کی رگوں میں عجمی خون ہے۔ تم یہ بھی دعویٰ کرتے ہو کہ نسب اور ماں باپ کے لحاظ سے تم کل بنی ہاشم سے افضل ہو۔ بنی ہاشم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ تم کو یہ تو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ قیامت کے دن اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے۔

صفین کے معاملہ میں تمہارے باپ حضرت علیؓ نے پنچوں سے یہ پیمان کیا تھا کہ ان کے فیصلہ پر رضامند ہو جائیں گے تم نے سنا ہو گا کہ پنچوں نے ان کو خلافت سے معزول کیا تھا۔ یزید کے عہد میں تمہارے عم حسین بن علیؓ ابن زیاد کے مقابلے کے لئے کوفہ میں آئے اور جو لوگ ان کے حامی تھے ان ہی کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ ان کے بعد تمہارے خاندان کے کئی آدمی یکے بعد دیگرے اٹھے بنی امیہ نے ان کو قتل کیا۔ اور سولی پر چڑھایا۔ یہاں تک کہ ہم مستعد ہوئے اور ہم نے تمہارا اور اپنا سب کا انتقام ان سے لے لیا وہ نماز کے بعد جو تمہارے اوپر لعنتیں بھیجا کرتے تھے اس کو بند کیا۔ تمہارے رتبے بڑھائے اب ان ہی امور کو تم ہمارے سامنے بطور حجت کے پیش کرتے ہو۔

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے حضرت علیؓ کی فضیلت کا اظہار کیا ہے تو ان کو ہم عباس، حمزہ اور جعفر رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھ کر تسلیم کرتے ہیں۔ وہ سب لوگ سالم اور محفوظ گزر گئے اور حضرت علی ان جنگوں میں پڑے جن میں مسلمانوں کی خونریزی ہوئی تھیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ زمانہ جاہلیت میں سقایۃ الحاج اور زم زم کے متولی حضرت عباسؓ تھے نہ کہ ابو طالب۔ حضرت عمرؓ

کی عدالت میں تمہارے باپ نے اس کا مقدمہ پیش کیا لیکن فیصلہ ہمارے حق میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی اس وقت ان کے اعمام میں سے سوائے حضرت عباسؓ کے اور کوئی زندہ نہ تھا۔ اس لئے کل اولاد عبدالمطلب میں سے آنحضرت کے وارث وہی ہیں۔ پھر بنی ہاشم میں سے بہت سے لوگ خلافت حاصل کرنے کے لئے اٹھے لیکن بنی عباس ہی نے اس کو حاصل کیا۔ لہذا قدیم استحقاق اور جدید کامیابی حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد ہی کے حصہ میں آئی۔

بدر کی لڑائی میں تمہارے چچا طالب اور عقیل کی وجہ سے مجبوراً حضرت عباسؓ کو بھی آنا پڑا ورنہ وہ دونوں بھوکے مرجاتے یا عتبہ اور شیبہ کے پیالے چاٹتے ۔ ہمارے ہی باپؐ کی بدولت اس ننگ و غار سے بچے ۔ نیز آغاز اسلام میں اس قحط کے زمانہ میں حضرت عباسؓ ہی نے ابوطالب کی مدد کی تمہارے چچا عقیل کا فدیہ بھی بدر میں انہوں نے ہی ادا کیا۔ الغرض جاہلیت اور اسلام دونوں میں ہمارے احسانات تمہارے اوپر ہیں۔ ہمارے باپ نے تمہارے باپ پر احسان کئے اور ہم نے تمہارے اوپر اور جن رتبوں پر تم خود اپنے آپ کو نہیں پہنچا سکتے تھے ان پر ہم نے تم کو پہنچایا اور جو انتقام تم خود نہیں لے سکتے تھے وہ ہم نے لئے۔ والسلام۔

اس خط و کتابت کے بعد جس میں سوائے فخر و مباہات اور اظہار عیوب کے اور کچھ نہ تھا جنگ کا سامان ہونے لگا۔ منصور کو یہ ڈر تھا کہ کہیں اہل خراسان کو محمد کے خروج کی خبر نہ ملے ورنہ وہ بھی ان کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے کیونکہ ابومسلم کے قتل کی وجہ سے بنی عباس سے وہ بیزار ہوگئے تھے۔ اس لئے اس نے مشرق کے راستے بند کر دیئے تاکہ ان کو کسی قسم کی اطلاع نہ پہنچ سکے۔ محمد کے مقابلہ کے لئے عیسیٰ بن موسیٰ ولی عہد کو منتخب کیا وہ ایک لشکر لے کر مدینہ پہنچا اور وہاں کے رؤسا کو لکھا کہ وہ اس فتنہ میں نہ پڑیں اور اپنے جان و مال کو خطرہ میں نہ ڈالیں چنانچہ بہت سے اہل مدینہ نے محمد کا ساتھ چھوڑ دیا اور عیسیٰ کے پاس چلے ائے ان میں چند افراد اہل بیت کے بھی تھے۔ محمد نے مدینہ کے گرد حفاظت کے لئے خندق کھودی تھی عیسیٰ نے چاروں طرف سے محاصرہ کیا۔ محمد نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر اطاعت نامہ لکھ بھیجا لیکن عیسیٰ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ آخر وہ اپنے خاص حامیوں کو جن کی تعداد تین اور چار سو کے درمیان تھی ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ کو لے کر میدان میں نکلے اور لڑ کر مقتول ہوئے ان کا سر منصور کے پاس بھیجا گیا۔ عیسیٰ مدینہ میں داخل ہوا وہاں اس نے بنی حسن کے اموال ضبط کئے اور اہل مدینہ کو امان عام دے کر ۱۹ رمضان کو مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

ابراہیم

امام محمد کے بھائی ابراہیم بصرہ میں تھے یہاں بہت سے لوگوں نے ان کی حمایت کی بیعت کی تھی محمد کے خروج کے چند روز بعد انہوں نے اپنی امامت کا جھنڈا بلند کیا اور بصرہ سے اہواز تک قبضہ کر لیا۔ منصور نے عیسیٰ کو جو مدینہ سے مہم سے فارغ ہو چکے تھے لکھا کہ عجلت کے ساتھ پہنچ کر اس مہم کو بھی سر کرو۔

اسی دوران میں ابراہیم کو اپنے بھائی محمد کے قتل کی خبر ملی ۔ اس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی ۔ ۲۵ ذیقعد ۱۴۵ھ کو عیسیٰ نے

پہنچ کر ان کو قتل کیا۔ یہ دونوں بھائی آل علی میں شجاعت، تقویٰ، علم اور عمل میں ممتاز تھے۔ مگر تقدیر نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں امام مالک نے محمد کی بیعت کا فتویٰ دیا تھا۔ عباسیوں نے ان کو کوڑوں سے پٹوایا اور عراق میں ابو حنیفہ نے ابراہیم کی حمایت کی تھی اسی وجہ سے منصور نے ان کو بغداد میں لے جاکر قید کر دیا اسی قید میں ۱۵۰ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

خراسانیوں کی طرف سے منصور کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ آل علی پر اس کی سختیاں دیکھ کر مخالف نہ ہو جائیں اس لئے معذرت میں ان کے امراء کی ایک جماعت کے سامنے اس نے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔ اہل خراسان! تم ہمارے شیعہ! ہمارے مددگار اور ہماری دولت کے بانی ہو۔ اگر تم ہم کو چھوڑ کر کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو وہ ہم سے بہتر نہ ہوتا۔ اہل بیت جو ہمارے ہی بنی عم ہیں ان کو اور خلافت کو ایک مدت تک ہم نے چھوڑ رکھا اور کچھ نہیں بولے کہ دیکھیں یہ کیا کرتے ہیں۔

ان میں سب سے پہلے حضرت علیؓ کے ہاتھ میں خلافت آئی ان کا دامن مسلمانوں کے خون میں آلودہ ہوا اور ان کے عہد میں امت میں تفرقہ پڑ گیا دونوں طرف سے پنچ مقرر ہوئے جنہوں نے باتفاق ان کو معزول کیا اور جب انہوں نے اس فیصلہ کو تسلیم نہ کیا تو ان ہی کے خاص اعوان و انصار میں سے جن پر ان کو اعتماد تھا لوگ اٹھے اور اچانک ان کو قتل کر ڈالا۔ ان کے بعد امام حسنؓ ان کے جانشین ہوئے انہوں نے کچھ نہ کیا۔ معاویہؓ نے ان کے سامنے مال پیش کیا اور مخفی طور پر یہ کہلا بھیجا کہ اپنے بعد میں تم کو اپنا ولی عہد بنا دوں گا اس دھوکے میں انہوں نے خلافت معاویہ کے سپرد کر دی اور مدینہ میں آکر اپنا وقت عورتوں میں گزارنے لگے۔ روز ایک نکاح کرتے تھے اور روز ایک طلاق دیتے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں مشاغل میں انہوں نے اپنے بستر پر وفات پائی پھر ان کے بھائی حسینؓ اٹھے ان کو کوفہ والوں نے جو اہل نفاق ہیں بلایا اور قتل کروایا۔ ان کے بعد انہیں کوفیوں نے زید بن علی کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی۔ زید کو میرے چچا داؤد بن علی اور امام محمد باقر نے روکنے کی بہت کوشش کی اور سمجھایا لیکن اہل کوفہ نے ان کو اس قدر ابھارا کہ وہ باز نہیں رہے اور پھر جب وقت آیا تو ان کا ساتھ چھوڑ بیٹھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قتل ہوئے اور ان کا جسم سولی پر لٹکا دیا۔

بنی امیہ نے اس عتاب میں بنی عباس پر بھی سختیاں شروع کیں اور ہمارے عزت اور عظمت کو انہوں نے مٹا دیا ہم کو قیدیوں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے لگے۔ کبھی طائف میں کبھی شام میں کبھی شراۃ میں۔

اس مصیبت میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو ہماری حمایت کے لئے آمادہ کر دیا جس کی بدولت ہمارا حق اور مٹا ہوا عزو شرف ہم کو حاصل ہوا۔ اور خلافت اس کے اصلی وارثوں کے پاس آگئی۔ اب ہماری خلافت کے قائم ہو جانے کے بعد یہ لوگ جن سے پہلے کچھ نہ ہو سکا تھا ازروئے حسد اور عداوت کے بغاوتیں کرتے ہیں۔ ہم جس قدر ان کے ساتھ احسان کرتے ہیں اسی قدر یہ سرکشی پر آمادہ ہوتے ہیں اور نقض بیعت اور شورش کر کے خود اپنے خون اور مال کو ہمارے لئے حلال کرتے ہیں۔

نظم ولایات

ملکی انتظام جس طریق پر بنی امیہ کے عہد میں تھا اسی طرق پر بنی عباس کے زمانہ میں بھی رہا۔ ہر ولایت میں خلیفہ کی طرف سے ایک والی مقرر ہوتا تھا جس کے چار فرائض تھے۔ جہاد کفار، اقامۃ صلوۃ، تحصیل خراج، حفظ امن۔ ان امور میں سے والی جس کے لئے چاہتا تھا اپنی طرف سے نائب مقرر کر دیتا تھا قاضی کو خود خلیفہ مقرر کرتا تھا اور جن صوبوں میں جنگ کا زیادہ خطرہ رہتا تھا وہاں امیر الجیش بھی براہ راست دربار خلافت سے بھیجا جاتا تھا۔

ولایات بھی محدود اور متعین نہ تھیں کبھی دو ولایتیں ایک ہی والی کے سپرد کر دی جاتی تھیں اور کبھی ایک ہی ولایت کے دو حصے کر کے ان میں دو والی مقرر کر دیئے جاتے تھے۔ منصور کے زمانہ میں زیادہ تر اسی کے اہل خاندان اور موالی صوبوں کی حکومتوں پر رہے۔ خلفائے عباسیہ بالعموم اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی والی کسی ولایت میں زیادہ عرصہ تک رہے کیونکہ ان کو یہ

اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں یہ اپنے استقلال کا دعویٰ نہ کر بیٹھے۔

وزارت

عہد بنی امیہ میں وزیر کا عہدہ نہیں تھا۔ ارکان سلطنت امیر اور مشیر کہے جاتے تھے۔ عباسیوں کے زمانہ میں سب سے پہلے ابوسلمہ خلال اس لقب سے مشہور ہوا۔ سفاح نے جب اس کو قتل کرا دیا تو خالد بن برمک کو اس عہدہ پر مقرر کیا۔ یہ بنی عباس کا داعی تھا۔ اور ان کی خلافت قائم کرنے میں اس نے خراسان میں بڑی خدمت انجام دی تھی چونکہ یہ نہایت دانش مند فیاض اور ہر دلعزیز تھا اس لئے سفاح نے اس کو وزارت کے لئے منتخب کیا لیکن ابوسلمہ کے اوپر جو واقعہ گزرا تھا اس ڈر سے یہ اپنے آپ کو وزیر نہیں کہتا تھا۔

منصور کی طبیعت میں استبداد تھا اور وہ اختیارات کو کسی شخص کے ہاتھ میں دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے زمانہ میں وزراء کی کوئی شان یا اہمیت نہیں تھی۔ چنانچہ خالد اس عہدہ کو چھوڑ کر ایک صوبہ کی ولایت پر چلا گیا۔

ابو ایوب

خالد کی جگہ پر ابو ایوب موریانی وزیر ہوا۔ یہ اہواز کے ایک گاؤں موریان کا باشندہ تھا اور عہد بنی امیہ میں سلیمان بن حبیب بن مہلب بن ابی صفرہ کا کاتب تھا۔ منصور اس زمانہ میں سلیمان کی ماتحتی میں کسی ضلع کا عامل ہوا۔ سلیمان نے اس کے اوپر غبن کا الزام قائم کر کے کوڑوں سے پٹوایا اور چاہتا تھا کہ قتل کر دے ابو ایوب نے اس کو بچا لیا اس احسان کے بدلہ میں جب خلیفہ ہوا تو اس کو اپنا وزیر بنایا لیکن ابو ایوب چونکہ اس کی خصلت سے واقف تھا اس لئے اس کے سامنے نہیں جاتا تھا۔ اور ہر وقت اس سے خوفزدہ رہتا تھا آخر کار اس کا یہ خوف صحیح نکلا۔ ۱۵۳ھ میں منصور نے اس پر عتاب نازل کیا۔ اس کو اور اس کے اہل خاندان کو سخت سزائیں دے کر قید کر دیا۔ اور ان کے اموال ضبط کر لئے۔

ربیع بن یونس حاجب

منصور نے ابو ایوب کو قید کر کے ربیع کو وزارت کا منصب دیا۔ یہ حضرت عثمان بن عفان کے غلام کیسان کی اولاد میں سے تھا۔ نہایت بیدار مغز، فصیح و بلیغ، فیاض و عقیل اور حساب و کتاب میں ماہر منصور نے جس وقت مکہ میں وفات پائی یہ ساتھ تھا اور اسی نے اس کے بیٹے مہدی کے لئے بیعت لی۔ ہادی کے زمانہ تک برابر اپنے منصب پر قائم رہا۔ ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔ یہ اگرچہ فرائض وزارت کے انجام دیتا تھا لیکن اس کا لقب حاجب تھا۔

حاجب

حجابت اس عہد کا ایک ممتاز منصب تھا بلا اجازت حاجب کے کوئی شخص خلیفہ کے سامنے نہیں جا سکتا تھا خوارج نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ وغیرہ پر جس وقت حملے کئے اس وقت سے خلفاء نے اس عہدہ کو قائم کیا تاکہ کوئی اچانک پہنچ کر ان کو قتل نہ کر سکے بڑے بڑے امور سلطنت میں حاجب کا مشورہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور خلافت عباسیہ میں یہ عہدہ نہایت جلیل القدر تھا۔

کتابت

حاجب کے بعد کاتب یعنی میر منشی کا رتبہ تھا۔ یہ خلیفہ کے دربار سے حکام ولایات کے نام خطوط اور فرامین لکھ کر بھیجتا تھا۔ کبھی کبھی وزارت اور کتابت دونوں کام ایک ہی شخص کے سپرد ہوتے تھے۔

قضاء

ہر بڑے شہر میں فیصلہ مقدمات کے لئے ایک قاضی مقرر ہوتا تھا۔ منصور کے زمانہ تک قاضی القضاۃ کا عہدہ نہیں نکالا گیا تھا اس عہد کے مشہور ترین قاضی محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ تھے۔ جو اصحاب رائے میں سے تھے۔ یہ تین سال تک کوفہ میں قاضی رہے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

صاحب شرطہ

اس عہدہ پر توانا، عاقل اور بیدار مغز امراء مقرر کئے جاتے تھے جو امن قائم رکھیں اور چوری، رہزنی اور دیگر جرائم کا انسداد کریں۔

ہر صوبہ اور شہر میں حکومت کا نظام قریباً یہی تھا۔

فوج

ہر سلطنت ان ہی لوگوں سے اپنی فوج کو مرتب کرتی ہے جن پر اعتماد ہوتا ہے بنی امیہ کے عہد تک فوج میں تمام تر عرب تھے اور اس کی قیادت اور امارت بھی ان ہی کے ہاتھوں میں تھی۔ بنی عباس نے چونکہ اپنی خلافت خراسانیوں کی امداد سے قائم کی اس لئے ان کے زمانہ میں ایک بڑی تعداد اہل مشرق کی فوج میں شامل ہو گئی۔

ابو مسلم خراسانی افواج کا امیر تھا اور عبداللہ بن علی عربی افواج کا جب خراسانیوں نے عبداللہ بن علی کو نصیبین میں شکست دی اور عربی افواج کو مغلوب کر لیا تو ان کے اوپر بھی اعتماد بڑھ گیا لیکن منصور اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ خراسانیوں کی قوت بڑھ جائے اس لئے اس نے ابومسلم کو قتل کرا دیا۔ اور اپنے خاندان اور موالی میں سے بہت سے لوگوں کو فوج کی امارت دی۔ چنانچہ محمد اور ابراہیم کے مقابلہ میں خود ولی عہد سلطنت عیسیٰ کو بھیجا۔

معن بن زائدہ

منصور کے سپہ سالاروں میں سے معن بن زائدہ بھی تھا۔ عہد بنی امیہ میں یہ ابن ہبیرہ امیر عراقین کی ماتحتی میں تھا۔ واسط کے محاصرہ کے زمانہ میں اس کا ساتھ دیا۔ اور بہادری کے ساتھ مدافعت کی اس کے قتل کے بعد منصور کے خوف سے روپوش ہو کر جابجا پھرنے لگا۔ اتفاق یہ ہوا کہ خراسانیوں کی ایک جماعت جس میں تقریباً چھ سو آدمی تھے منصور سے ابومسلم کا قصاص لینے کے لئے مستعد ہوئی۔ یہ لوگ کاشان کے متصل مقام بلیدہ میں جمع ہوئے اور وہاں سے روانہ ہو کر انبار میں پہنچے جب شہر میں داخل ہو گئے تو منصور کو اطلاع ملی وہ مقابلہ کے لئے نکلا معن اس وقت شاہی قصر کے سامنے موجود تھا اس نے خلیفہ کی رکاب پکڑ لی اور کہا کہ آپ واپس جائیے ہم مقابلہ کے لئے کافی ہیں۔ منصور نے واپسی سے انکار کیا اسی درمیان میں خراسانی وہاں پہنچ گئے اور اس کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ معن نے تھوڑے سے آدمیوں کی مدد سے ان کو مار بھگایا۔ اور اپنی سپہ گری کا جوہر دکھلا دیا۔ منصور اس کی بہادری سے حیران رہ گیا۔ اس کو شیر مرد کا خطاب دیا اور جب نام اور حال سے آگاہ ہوا تو امان عطا کی۔ اور دس ہزار درہم صلہ دیکر یمن کی امارت پر بھیج دیا وہاں اس نے بغاوتوں کو مٹا کر امن و امان قائم کیا۔ اور نہایت لیاقت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے جب سیستان میں شورش بڑھی تو منصور نے اس کو وہاں کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے اس صوبہ کو بھی ٹھیک کیا۔ ۱۵۱ھ میں وہیں خارجیوں نے اس کو بے خبری میں قتل کر ڈالا۔ معن حلم اور دانائی میں ممتاز، سخاوت میں حاتم اور شجاعت میں رستم تھا۔

عمرو بن العلاء

یہ بھی منصور کے امراء فوج میں سے تھا۔ طبرستان کے اطراف میں جو بغاوتیں ہوئیں ان کو اس نے فرو کیا۔ اسپہد کے قلعہ کو لیا اور مصمغان کے بادشاہ کو شکست دیکر اس کے ملک پر قبضہ کیا۔

دارالخلافہ

سفاح نے انبار کو دارالخلافہ بنا لیا تھا۔ اور اس کے متصل ہاشمیہ میں ایک قصر تعمیر کرایا تھا منصور جب خلیفہ ہوا تو ہاشمیہ میں گیا۔ پھر اس نے چاہا کہ ایک نیا دارالخلافہ بنائے اس کے لئے بغداد کا موقع منتخب کیا۔ کیونکہ یہ دجلہ کے ساحل پر تھا۔ جہاں چین اور ہند سے ہر قسم کی چیزیں تجارتی نیز جزیرہ و آرمینیہ کی پیداوار کشتیوں کے ذریعہ آسکتی تھیں۔ دوسری طرف دریائے فرات تھا جس سے شام اور رقہ کے پھل اور میوے پہنچ سکتے تھے۔

اس نے اس کی داغ بیل دجلہ اور فرات کے مابین نہر صرہ کے کنارے پر ڈالی اور اس کو اپنے مرتب کئے ہوئے نقشہ کے مطابق آباد کیا شہر کی بنیاد مدور رکھی اور دو فصلیں بنائیں ایک اندر جو قصر اور کارخانہ جات خلافت کے احاطہ کے لئے تھی دوسری شہر کے باہر پھر ایک دجلہ سے اور دوسری فرات کی شاخ کرخایا سے نکال کر شہر میں پہنچائی جن کے ذریعہ سے ہر جگہ پانی پہنچنے لگا۔ وسط شہر میں جامع مسجد تھی اور اسی سے ملحق قصر خلافت تھا اس کے صدر میں ایک ایوان تیس گز لمبا اور بیس گز چوڑا بنایا گیا جس کا گنبد سبز تھا اس لئے اس کا نام قبہ خضراء رکھا گیا۔ سطح زمین سے اس کی بلندی اسی گز تھی اس کے اوپر ایک سوار کی مورت بنائی گئی جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔

محلہ کرخ میں چار نہریں پہنچائی گئیں۔ نہر دجاج - قلائین - طابق بزازین، منصور نے اپنے لئے ایک قصر دریا کے کنارے بھی بنوایا اور اس کا نام خلد رکھا - ۱۵۱ھ میں ولی عہد مہدی کے لئے رصافہ آباد کرایا اور اس میں قصور اور محلات تعمیر کرا کے نہریں نکلوائیں۔ باغات اور میدان کی زمینیں چھوڑ کر اس کے اردگرد بھی فصیل بنوائی اور خندق کھدوائی۔

بغداد کی تعمیر میں منصور نے تقریباً دو کروڑ دینار صرف کئے اور جب عمارتیں تیار ہو گئیں تو جابجا سے اہل علم و فن اور اہل صنعت و حرفت کو بلا کر دہاں جمع کیا کثرت کے ساتھ لوگ آکر آباد ہوئے تجارت کی بھی گرم بازاری ہوئی اور اس عہد میں یہ دنیا کا بے نظیر شہر ہو گیا۔

احوال خارجیہ

منصور کے عہد میں عبدالرحمن بن معاویہ جو بقایائے بنی امیہ میں سے تھا بھاگ کر اندلس چلا گیا۔ اور وہاں اس نے اپنی مستقل حکومت قائم کر لی - منصور اگرچہ اس کا دشمن تھا تاہم اس کی اولوالعزمی، عالی ہمتی اور بہادری کی ہمیشہ تعریف کرتا تھا کہ اتنے دور دست ملک میں اکیلے جا کر اس نے کس طرح سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ روم میں منصور کا معاصر قسطنطین خامس تھا اس کے ساتھ شمال میں برابر جنگ جاری تھی - ۱۳۸ھ میں قسطنطین نے اسلامی چھاؤنی ملطیہ کو لوٹ لیا اور ویران کر ڈالا - منصور نے اپنے چچا صالح بن علی اور اپنے بھائی عباس بن محمد کو فوجوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں نے پہنچ کر رومیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ اور ملطیہ کی از سر نو تعمیر کی۔ ام عیسیٰ اور لبانہ نے جو صالح کی بہنیں تھیں یہ منت مان رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ بنی امیہ کی خلافت کو مٹا دے گا تو ہم راہ حق میں جہاد کریں گی چنانچہ اس لڑائی میں انہوں نے اپنی نذریں پوری کیں اور دونوں شریک ہوئیں۔ رومیوں نے صلح کی اور مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

۱۴۰ھ میں پھر انہوں نے سر اٹھایا - منصور نے حسن بن قحطبہ اور عبدالوہاب بن ابراہیم کو صائفہ فوج کے ساتھ بھیجا۔ رومی

اسلامی فوج کا حال سن کر پلٹ گئے ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب موقع پاتے تھے اسلامی سرحد میں گھس کر لوٹ مار کرتے تھے اور پھر بھاگ جاتے تھے ۱۵۵ھ میں انہوں نے مصالحت کا عہد کیا۔ مشرقی سرحدوں پر بھی شورشیں برپا تھیں لیکن منصور نے بیدار مغزی کے ساتھ فوجوں کا انتظام کیا جس کی وجہ سے ہر جگہ امن قائم ہو گیا۔

صفات منصور

شجاعت، عالی ہمتی، بیدار مغزی، علم اور مدبری کے لحاظ سے منصور خلفاء عباسیہ میں سب سے فائق تر تھا۔ اس خلافت کا بانی اور اس کا رعب و اقتدار قائم کرنے والا وہی تھا۔ کام سے وہ کبھی تھکتا نہ تھا۔ صبح سے عصر تک انتظام فوج، تدبیر مہمات اور رعایا کے معاملات کے انصرام میں مصروف رہتا۔ عصر کی نماز کے بعد اپنے خانگی امور اور اہل و عیال کو دیکھتا پھر شام کو لوگوں کے ساتھ بیٹھتا عشاء کی نماز کے بعد اطراف ممالک سے جو خطوط اور اطلاعات موصول ہوتی تھیں ان کو پڑھتا پھر سو جاتا۔ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر اطمینان کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھتا جب صبح صادق طلوع ہوتی تو مسجد میں جا کر فجر کی نماز پڑھاتا۔ اس سے فارغ ہو کر ایوان خلافت میں بیٹھ جاتا اور کام شروع کر دیتا۔ جس وقت تک وہ دربار میں رہتا تھا لوگ اس کے رعب سے لرزتے تھے لیکن جب وہ گھر یا مجلس میں بیٹھتا تھا تو خنداں اور بشاش رہتا تھا۔ ایک بار دربار میں اس نے کہا کہ سلطنت کے لئے چار قسم کے آدمیوں کی سخت ضرورت ہے اور وہی دراصل حکومت کے ارکان ہیں لوگوں نے تفصیل دریافت کی کہا کہ ایک قاضی جو بلا رو رعایت اور بلا خوف ملامت محض حق کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرے۔ دوسرا صاحب شرط جو کمزور پر قوی کا ہاتھ نہ بڑھنے دے تیسرا صاحب خراج جو رعایا سے نرمی و ایمانداری کے ساتھ تحصیل کرے اور ان کو تکلیف نہ دے اور چوتھا یائے چوتھا۔ یہ کہہ کر اپنی انگلی دانتوں سے کاٹنے لگا۔ لوگوں نے پوچھا تو کہا کہ دیانت دار پرچہ نویس جو ان سب کی خبریں صحیح صحیح بے کم و کاست خلیفہ کو لکھتا رہے۔

منصور کو یہ معلوم تھا کہ جاسوسی کا صیغہ چھوڑ دینے کی بدولت بنی امیہ تباہ ہوئے۔ اس لئے اس نے اس کی طرف بہت توجہ کی۔ اس کی خواہش تھی کہ اپنے خاندان کو اس کام کے لئے متعین کرے لیکن اس میں ان کی ذلت سمجھ کر اپنے غلاموں کو مقرر کیا۔ ہر مقام سے روزانہ قاضیوں کے فیصلے، عمال کی کاروائیاں اور بازاروں کے اجناس کے نرخ وغیرہ ہر قسم کی خبروں کے پرچے اس کے پاس پہنچتے تھے اس کی وجہ سے وہ جزئیات تک سے باخبر رہتا تھا۔ اور جہاں کہیں کوئی خرابی دیکھتا تھا فوراً اس کا تدارک کر دیتا تھا۔

ایک بار ایک عرب کو حضر موت کا والی بنا کر بھیجا اس کی نسبت خبریں پہنچیں کہ وہ زیادہ تر اپنے اوقات شکار میں گزارتا ہے منصور نے اس کو معزول کر دیا اور لکھا کہ میں نے تم کو رعایا کے انتظام کے لئے بھیجا ہے نہ کہ وحشی جانوروں کے شکار کے لئے۔

منصور کی سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ وہ شدائد اور مصائب میں مستقل مزاج اور ثابت القلوب رہتا تھا جس وقت وہ خلیفہ ہوا تھا اس کے اردگرد ہر طرف خطرات تھے لیکن اس نے اپنی اولوالعزمی اور ثبات قلب کی وجہ سے ان سب پر غلبہ حاصل کر لیا۔

منصور کفایت شعاری میں مشہور تھا۔ سلطنت کی آمدنی اور اخراجات پر نہایت غائر نظر رکھتا تھا۔ شاعروں کو بھی کبھی کوئی بڑا صلہ نہیں دیا خود اپنے اور اپنی اولاد کے اخراجات میں بھی تخفیف مد نظر رکھتا تھا۔ پرانے کپڑوں میں پیوند لگوا کر پہنتا تھا۔ عمال کی تنخواہ اس نے صرف تین سو درہم رکھی تھی یہی مامون کے عہد تک قائم رہی۔ فضل بن سہل نے اپنی وزارت میں اس کو بڑھایا۔ یہ منصور کی کفایت شعاری ہی کا نتیجہ تھا کہ جب اس نے وفات پائی تو خزانے اس قدر معمور تھے کہ مہدی ان کو اپنی زندگی بھر بے دریغ خرچ کرتا رہا اور کبھی اس کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ یہ ختم ہو جائیں گے۔ منصور علم قرآن و حدیث میں بلند پایہ رکھتا تھا اور اس کی تقریر نہایت فصیح اور دلکش ہوتی تھی۔

سیاسی قابلیت کے لحاظ سے بنی امیہ میں جو رتبہ عبدالملک بن مروان کا تھا۔ وہی بنی عباس میں اس کا تھا لیکن اس میں بد عہدی زیادہ تھی۔ جو کسی طرح خلفاء اور سلاطین کے لئے زیبا نہیں ہے ابن ہبیرہ کو عہد نامہ لکھ دینے کے بعد اس نے قتل کر دیا۔ اپنے چچا

عبداللہ کو امان دے کر پھر قید کیا اسی طرح ابو مسلم کو عزت سے بلایا اور ذلت سے قتل کرایا۔

اردیٰ بنت منصور حمیری کے ساتھ یہ عہد لکھ کر شادی کی کہ اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنی چاہی اور چاہا کہ فقہاء سے اس معاملہ میں فتویٰ طلب کرنے لگا تاکہ اس کی بدنامی انہیں حاملان شرع کے اوپر رہے لیکن اردیٰ بھی ہوش مند عورت تھی۔ وہ جب سنتی کہ فلاں فقیہ سے خلیفہ نے اس معاملہ میں استفتاء کیا ہے تو اپنے غلاموں کے ہاتھ اس کے پاس اشرفیوں کے توڑے بھیج دیتی اور اصل حقیقت سے آگاہ کر کے اس کے قلم کو روک دیتی۔

وفات

۱۵۸ھ میں منصور حج کو جا رہا تھا راہ میں بیمار ہوا اور مکہ کے متصل برمیموں میں پہنچ کر ۷ ذی الحجہ ۱۵۸ھ مطابق ۸ اکتوبر ۷۷۵ء کو انتقال کر گیا۔ ربیع حاجب نے اہل بیت خلافت اور امراء فوج کو جو ساتھ تھے جمع کیا اور مہدی بن منصور کے لئے بیعت لی۔ پھر عباس بن محمد بن علی اور محمد بن سلیمان بن علی کو مکہ میں بھیجا اور انہوں نے وہاں خلیفہ کی وفات کا اعلان کیا اور مقام ابراہیم اور رکن کے درمیان کھڑے ہو کر اہل حرم سے بیعت لی۔ منصور کی مدت خلافت ۶ دن کم ۲۲ سال رہی۔

اولاد

منصور نے آٹھ بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔

محمد مہدی اور جعفر اکبر یہ دونوں بنت منصور حمیری کے شکم سے تھے سلیمان۔ عیسیٰ اور یعقوب ان کی ماں فاطمہ تھی جو حضرت طلحہؓ کی اولاد میں سے تھی۔

جعفر اصغر۔ یہ ایک کردی کنیز کے شکم سے تھا۔

سالم۔ ان کی ماں ایک رومی ام ولد تھی۔

عالیہ۔ اس کی والدہ بنی امیہ میں سے تھی یہ اسحٰق بن سلیمان بن علی کے ساتھ بیاہی گئی۔

(۳) مہدی

محمد مہدی بن ابو جعفر منصور، اس کی والدہ اروائے حمیری تھی ولادت ۱۲۶ھ میں ہوئی۔

پندرہ سال کے سن میں ۱۴۱ھ میں منصور نے اس کو امیر الجیش بنا کر خراسان میں بھیجا۔ وہاں کے عامل عبدالجبار بن عبدالرحمن نے بغاوت کی تھی اس نے اس مہم کو سر کیا۔ اس کے بعد طبرستان میں جہاد کیا۔ ۱۴۴ھ میں واپس آیا۔ منصور نے اس کی شادی ریطہ بنت سفاح کے ساتھ کی اور عیسیٰ بن موسیٰ ولی عہد کو موخر کر کے ۱۴۷ھ میں اس کی ولی عہدی کا فرمان لکھا اور رے کا والی بنا کر بھیج دیا۔ وہاں چار برس رہ کر ۱۵۱ھ میں واپس آیا۔ منصور نے بغداد کے مشرقی حصہ میں رصافہ اسی کے لئے تعمیر کرایا۔ ۱۵۳ھ میں اس کو امیر الحج مقرر کیا۔ منصور کی وفات کے دن ۷ ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔

احوال داخلیہ

مہدی کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں جس قدر مخالف یا حریف تھے ان سب کا استیصال ہو چکا تھا۔ آل علیؓ کی طاقت مٹ چکی تھی اور ان میں سے جو بڑے بڑے لوگ تھے وہ بغداد میں زیر حراست تھے۔ بقیہ مدینہ میں تھے جن پر وہاں کے امیر کی نگرانی تھی اور وہ روزانہ ان کی حاضری لیتا تھا ان وجوہات سے مہدی نے ان سختیوں کا جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا جو منصور کے زمانہ میں تھیں۔ چنانچہ اس نے تمام سیاسی قیدیوں کو جو بیشتر بدگمانی پر پکڑے گئے تھے چھوڑ دیا۔ اس کا عہد خوشحالی اور فارغ البالی کا تھا۔ کسی قسم کی شورش نہیں تھی اس وجہ سے اس نے اپنی توجہ زیادہ تر اصلاحات کی طرف مبذول کی۔ منصور کے بعد اس کا عہد بہت سی باتوں میں عبدالملک کے بعد ولید کے عہد سے مشابہ ہے۔

اسنے مکہ کے راستوں میں جابجا قافلوں کے ٹھہرنے کے لئے سرائیں بنوائیں۔ قادسیہ سے زبالہ تک سفاح کے زمانہ میں جو راستہ بنوایا گیا تھا وہ خراب ہو گیا تھا۔ اس کو درست کرایا اور اس میں جو سرائیں تھیں ان کی مرمت کرائی۔ ہر ہر منزل پر کنوئیں کھدوا کر ان کے متصل حوض بنوا دیئے اور یہ حکم دیا کہ یہ ہمیشہ بھرے رکھے جائیں تاکہ گزرنے والے قافلوں کے جانوروں کو پانی آسانی سے مل سکے۔ یہ عام قاعدہ مقرر کر دیا کہ ہر جذامی کو بیت المال سے وظیفہ دیا جائے تاکہ روزی کی تلاش میں جابجا راستوں میں ان کو نہ گھومنا پڑے اور یہ متعدی مرض پھیلنے نہ پائے۔ نیز قیدیوں کے عیال کو بھی جن کے گذر کی کوئی صورت نہ ہو روزینہ دیا جایا کرے۔ مکہ، مدینہ، یمن اور عراق میں برید کا سلسلہ جاری کیا اور مسجد حرام کو اردگرد کے مکانات خرید کر بڑھایا۔

اس کو اپنی ناموری کا اس قدر شوق تھا کہ مسجد نبوی پر سے ولید بن عبدالملک کے نام کو مٹا کر اپنا نام لکھوا دیا۔ تاریخ میں اس قسم کے اور بھی بعض بعض ملوک اور امراء ملتے ہیں جو آثار سلف پر سے ان کے ناموں کو مٹا کر اپنے نام کندہ کرا دیتے تھے تاکہ وہ ان کی یادگار سمجھے جائیں لیکن یہ ایک قسم کا احمقانہ فعل ہے جو کسی بازاری آدمی کے لئے زیبا نہیں ہے چہ جائیکہ سلاطین کو۔

فتنہ زنادقہ

مہدی کے زمانہ میں مرو کے کسی گاؤں میں ایک شخص مقنع خراسانی نمودار ہوا۔ جو تناسخ ارواح کا قائل تھا۔ اس نے ہزاروں

مسلمانوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے گمراہ کر ڈالا۔ پھر ماوراء النہر میں جاکر اس کی اشاعت کرنے لگا۔ مہدی دین کے معاملہ میں بہت سخت تھا اس نے معاذ بن مسلم کو ایک فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقنع نے کش کے قلعہ میں پناہ لی آخر میں جب بچنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو زہر گھول کر پہلے اپنے اہل و عیال پھر ساتھیوں کو پلایا پھر اس کے بعد آپ بھی پی کر خود کشی کر لی۔ مہدی کو جب کسی زندیق کی اطلاع ملتی تھی تو وہ اس کو قتل کی سزا دیتا تھا اس وجہ سے اس کے عہد میں بعض لوگوں کو اپنے دشمنوں کو ہلاک کرانے کے لئے یہ ایک ذریعہ مل گیا تھا۔

وزارت

مہدی اس قدر مستبد نہیں تھا۔ جس قدر کہ اس کا باپ منصور تھا نیز اس کا زمانہ بھی امن و سکون کا تھا اس وجہ سے اس کے عہد میں وزارت کے اختیارات زیادہ بڑھ گئے۔ اور اس کی ایک عظمت اور شان قائم ہو گئی۔

ابو عبداللہ

مہدی کا سب سے پہلا وزیر ابو عبداللہ معاویہ بن یسار ہوا۔ جو اشعریوں کے موالی میں سے تھا۔ یہ شخص علوم ادبیہ میں ماہر اور اپنے زمانہ کا بے نظیر انشاء پرداز تھا۔ پہلے منصور نے اس کو اپنی وزارت کے واسطے منتخب کیا تھا لیکن اس وقت چونکہ مہدی کے لئے بھی ایک لائق کار پرداز کی ضرورت تھی اس لئے اس کو اسی کا میر منشی کر دیا مہدی اس سے بہت خوش تھا۔ جب خلیفہ ہوا تو اسی کو وزیر اعظم مقرر کیا۔

ابو عبداللہ نے سلطنت کے تمام دفاتر کی تنظیم کی اور ان کو از سر نو ترتیب دیا۔ خراج میں یہ ترمیم کی کہ نقد لگان کی جگہ پر پیداوار کے ایک حصہ کی تحصیل کا دستور مقرر کیا۔ اصول خراج پر ایک کتاب بھی لکھی جو اس مضمون پر اسلام میں سب سے پہلی تصنیف ہے اس میں اس کے قواعد اور اس کے متعلق احکام شرعیہ اور خلفاء سابقین کے طرز عمل کو تفصیل کے ساتھ لکھا۔

ربیع حاجب اس کا قدیمی دوست اور حامی تھا چنانچہ منصور کے دربار میں جب اس کی کوئی شکایت پہنچتی تھی تو وہ اس کا ازالہ کر کے اس کے دل کو اس کی طرف سے صاف رکھتا تھا۔ جب منصور وفات پا گیا اور ربیع نے مہدی کی خلافت کی بیعت لی اور وہاں سے بغداد واپس آیا تو مہدی کے یہاں بھی حاضری دینے سے پہلے وہ ابو عبداللہ سے ملنے کے لئے گیا ابو عبداللہ نے اس سے سرد مہری کا برتاؤ کیا۔ پہلے ایک عرصہ تک اس کو منتظر رکھا پھر عشاء کے بعد اندر بلایا اور جب وہ داخل ہوا تو نہ اس کی تعظیم کے لئے اٹھا نہ اپنی جگہ سے ہلا۔ بلکہ فرش پر تکیہ لگائے بیٹھا رہا۔ ربیع اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ابو عبداللہ نے مزاج اور سفر کی کیفیت کے متعلق اس سے رسمی گفتگو شروع کی اور مہدی کی بیعت لینے کے بارے میں جو اس کا سب سے بڑا کارنامہ تھا ایک لفظ بھی نہیں کہا اور جب ربیع نے خود اس کا تذکرہ شروع کیا تو کہا کہ ہاں مجھے یہ حالات معلوم ہو چکے ہیں وہ کبیدہ خاطر ہو کر وہاں سے اٹھ کر چلا آیا اور اپنے بیٹے فضل سے کہا کہ میں ابو عبداللہ کو اس کے تکبر کا مزہ ضرور چکھاؤں گا۔ چاہے اس کے پیچھے میرا جاہ و منصب اور مال و منال سب کچھ خاک میں مل جائے۔

ابو عبداللہ۔ فاضل مخلص اور بے لوث وزیر تھا۔ اس لئے ربیع کو باوجود اپنی چالاکی کے بھی اس کی گرفت کا موقع نہیں ملتا تھا۔ لیکن اس کا بیٹا محمد ملحدوں کی صحبت میں رہتا تھا۔ اور لوگ اس کو زندیق سمجھتے تھے ربیع جانتا تھا کہ مہدی زندیقوں کا دشمن ہے چنانچہ اس نے مہدی کو اس کے خلاف بھڑکایا۔ اس نے محمد کو دربار میں بلایا اور کہا کہ قرآن سناؤ اس نے اسناد غلط پڑھے۔ مہدی ابو عبداللہ کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ محمد قرآن کا حافظ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں لیکن ادھر ۲ سال

سے یہ میرے ساتھ نہیں رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس درمیان میں اس نے اس کی مزاولت چھوڑ دی ہے۔ مہدی نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ تم خود اٹھ کر اس زندیق کو قتل کرو۔ ابو عبداللہ مجبوراً اٹھا لیکن اٹھ کر گر پڑا۔ عباس بن محمد نے مہدی سے کہا کہ اس بڈھے کو معاف فرمایئے۔ مہدی نے اس کی سفارش منظور کی اور جلاد سے اس کو قتل کرا دیا اب اس کے دل میں ابو عبداللہ کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی کیونکہ اس کے بیٹے کو قتل کرا دینے کے بعد اس سے خلوص اور وفاداری کی امید نہیں ہو سکتی۔

ربیع نے اپنے ذاتی بغض کی وجہ سے اس طرح پر خلیفہ اور اس کے وزیر کے مابین وحشت اور نفرت ڈال دی۔ اس کے بعد ابو عبداللہ کی شکایتیں حسب موقع کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۶۱ھ میں مہدی نے ابو عبداللہ کو معزول کر دیا۔

یعقوب

ابو عبداللہ کے بعد مہدی نے یعقوب بن داؤد کو جو بنی سلیم کے موالی میں سے تھا وزارت کا قلمدان بخشا۔ داؤد خراسان میں عہد بنی امیہ میں امیر نصر بن سیار کا کاتب تھا۔ اس کے دو بیٹے یعقوب اور علی علم و ادب میں یکتائے روزگار تھے۔ بنی عباس کے زمانہ میں جب انہوں نے دیکھا کہ ہماری کوئی توقیر نہیں ہے تو زیدیہ جماعت میں داخل ہو گئے۔ اور امام محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی امام ابراہیم کی امامت کی تبلیغ کرنے لگے۔ امام ابراہیم جب مقتول ہوئے تو یعقوب ان کے ساتھ تھا۔ منصور نے گرفتار کر کے اس کو قید کیا۔ مہدی نے جس وقت سیاسی قیدیوں کو رہا کیا اس وقت یہ بھی چھوٹا۔ مہدی کو زیدیہ کی طرف سے بہت خطرہ تھا۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ اگر کوئی ایسا شخص مجھ کو مل جائے جو اس فرقہ کے لوگوں پر اثر رکھتا ہو تو میں اس کو وزیر بنا لوں۔ تاکہ وہ جماعت کو قابو میں رکھے لوگوں نے یعقوب کا نام لیا۔ اس نے بلا کر گفتگو کی اور عیسیٰ بن زید امیر زیدیہ کی نسبت دریافت کیا۔ یعقوب نے کہا کہ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ ان کی طرف سے کوئی شورش نہیں ہو گی۔

مہدی نے اس کو اپنے مقصد کے مطابق پا کر تمام ملکی کاروبار اس کے سپرد کر دیئے اس نے مشرق سے لیکر مغرب تک کل بڑے بڑے عہدوں پر کبراء زیدیہ کو مقرر کر دیا جس سے سلطنت کے کل مہمات ان کے ہاتھ میں آ گئے لیکن باوجود اس کے علوی اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہماری نگرانی کے لئے اس کو وزارت ملی ہے ادھر بنی عباس نے یہ خیال کیا کہ یہ زیدیوں کو تقویت دیکر خلافت کو ان کے ہاتھ میں دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مہدی سے کہا کہ یعقوب وزیر رئیس زیدیہ اسحق بن فضلی کو بغاوت کے لئے ابھار رہا ہے اور وہ عنقریب اپنی جماعت کو لے کر ایک تاریخ مقرر کر کے بنی عباس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا یہ سن کر مہدی کے دل میں تردد پیدا ہو گیا۔ اتفاق یہ کہ اسی اثناء میں یعقوب نے مہدی سے اسحاق کے لئے مصر کی ولایت کی سفارش کی اس سے اس کا شبہ اور قوی ہو گیا اس نے یعقوب کو ایک کنیز عطا کی جس کو یہ سکھلا دیا کہ اس کے تمام افعال اور اقوال سے مطلع کرتی رہے پھر ایک علوی کو گرفتار کر کے اس کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اس کو لے جا کر قتل کرا دو۔ یعقوب نے اس کو لا کر مخفی طور پر چھوڑ دیا اور کنیز نے یہ کیفیت مہدی کو لکھ بھیجی اس نے سوار بھیج کر علوی کو پھر گرفتار کرا لیا اور دوسرے دن یعقوب سے اس کی نسبت دریافت کیا اس نے کہا کہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ مہدی نے علوی کو طلب کر کے اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یعقوب خوفزدہ ہو کر مہدی کے قدموں میں گر پڑا۔ اس نے مال و متاع ضبط کر کے اس کو معہ اس کے گھر والوں کے قید کیا۔ اور اس کے تمام امراء کی معزولی کا فرمان لکھا۔

ابن ابی صالح

یعقوب کے بعد فیض بن ابی صالح وزیر ہوا۔ یہ نیشاپور کے ایک عیسائی خاندان سے تھا۔ فضل و ادب میں کامل سخی اور عالی حوصلہ لیکن متکبر اور تند مزاج تھا مہدی کی وفات تک اپنے منصب پر رہا۔

احوال خارجیہ

خلافت بغداد کے تعلقات عبدالرحمن داخل امیر اندلس کے ساتھ روز ازل سے معاندانہ تھے منصور اور اس کے بعد مہدی دونوں اسی کوشش میں رہے کہ کسی طرح بنی امیہ کی اس سلطنت کو مٹا دیں لیکن بیچ میں افریقہ کے صحارا حائل تھے جن کو قطع کر کے فوج لے جانا اور اس سے لڑنا آسان نہ تھا اس لئے صرف زبانی ہی دشمنی کا اظہار کرتے تھے۔

فرانس کا بادشاہ اس وقت شارلمین تھا جو اپنی سلطنت کی توسیع کے لئے کوشاں تھا اس نے مسلمانوں میں باہمی عداوت دیکھ کر خلیفہ بغداد کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے شروع کئے تاکہ ان کی ہمدردی حاصل کر کے اندلس پر حملہ کر سکے ۔ اس کا جو نتیجہ ہوا اس کا ذکر آگے آئے گا۔ رومیوں کے ساتھ بھی سلسلہ جنگ جاری رہا۔ ۱۶۳ھ میں مہدی نے ایک عظیم الشان فوج لے کر خود رومیوں پر چڑھائی اور بہت سے مقاموں کو فتح کیا۔ قلعہ سمالا پر اٹھائیس دن محاصرہ رکھا اور اس پر قبضہ کیا پھر واپس آیا۔

۱۶۵ھ میں اپنے بیٹے ہارون الرشید کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف بھیجا۔ اس زمانہ میں ملکہ ایرینی وہاں حکمران تھی اس نے ہارون سے نوے ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کی واپسی میں ہارون کے حکم کے مطابق ہر ہر منزل میں اس نے اسلامی فوج کے لئے بازار لگوائے اور رہنما ساتھ کئے تاکہ وہ آرام سے گزر جائے۔ یہ صلح تین سال کے لئے ہوئی تھی لیکن رومیوں نے صرف ایک سال رقم ادا کر کے دوسرے سال انکار کر دیا سلیمان بن علی والی جزیرہ خلیفہ کے حکم سے روم کی طرف بڑھا۔ اس نے رومیوں کو شکست دی اور بہت سے مال غنیمت حاصل کیا۔

ہند میں دریائے سندھ تک اسلامی قبضہ تھا مہدی نے عبدالملک بن شہاب کو دس ہزار فوج کے ساتھ بحری راستہ سے بھیجا کہ وہ آگے بڑھے اس نے پہنچ کر شہر بار بد کا محاصرہ کیا اور تین دن میں اس کو فتح کر لیا لیکن وہاں کی آب و ہوا مسلمانوں کو راس نہ آئی اکثر بیمار ہوئے اور تقریباً ایک ہزار مر گئے اس لئے پھر کشتیوں کے اوپر واپس چلے گئے راستہ میں طوفان آیا جس میں بہت سی کشتیاں غرق ہو گئیں۔

صفات مہدی

مہدی کے اندر شرم و حیا اور معافی کی صفت زیادہ تھی ۔ اکثر جب کوئی سیاسی مجرم اس کے سامنے لایا جاتا تھا تو وہ اس کو چھوڑ دیتا تھا۔ قرآن کا اس کے دل پر بہت اثر ہوتا تھا ایک بار اس نے نماز میں یہ آیت پڑھی۔

فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم

اگر تم کو بادشاہت ملے تو کچھ عجب نہیں کہ دنیا میں تم فساد پھیلاؤ اور باہمی رشتوں کو توڑو۔

اسی زمانہ میں موسیٰ بن جعفر علوی اس کے قید خانے میں تھے ان کو بلوایا اور کہا کہ میں نے یہ آیت پڑھی اور مجھے ڈر پیدا ہوا کہ اس کا مصداق کہیں میں نہ ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ تم کو چھوڑ دوں بشرطیکہ تم اس بات کا عہد کرو کہ میرے خلاف بغاوت نہیں کرو گے انہوں نے وعدہ کیا اس نے رہا کر دیا۔ سلطنت کے کاروبار نہایت محنت اور تندہی کے ساتھ کرتا تھا۔ قاضیوں کو فیصلوں کے لئے اپنے سامنے بٹھاتا تھا اہل معاملہ وہاں بے تکلف جاتے تھے بعض لوگوں نے خود اس کے اوپر دعوے کئے ۔ قاضیوں نے ان کے حقوق دلوائے اور مہدی نے بے چون و چرا ان کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کیا۔

مہدی حلیم الطبع، فیاض، فصیح، زبان آور، عابد اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع تھا ۔ بنی امیہ کے وقت سے خلفاء کے لئے مساجد میں جو مقصورے بنائے گئے تھے ۔ اس نے تڑوا دیئے نیز منبروں کو جو بہت اونچے بنائے گئے تھے پست کر کے صرف اسی قدر بلند رکھا جس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تھا۔ ایک بار اس کا غلام ابو عون زیادہ بیمار ہوا مہدی اس کی عیادت کو گیا اور اس سے کہا کہ اگر تمہاری کوئی خواہش ہو تو مجھے وصیت کر جاؤ میں پوری کروں گا۔ اس نے کہا کہ میں صرف یہ چاہتا

ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں کیونکہ ایک مدت سے میں آپ کو اپنے سے ناراض دیکھتا ہوں مہدی نے کہا کہ تم شیخین کو برا کہتے ہو اس لئے میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرو اس نے کہا کہ امیر المومنین ہم دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے تھے کہ خلافت اہل بیت کا حق ہے جن لوگوں نے اس کو ان سے چھین لیا وہ ظالم اور غاصب ہیں اس عقیدہ کی ہم کو تلقین کی گئی تھی اور اس کی ہم تبلیغ کرتے تھے اب اگر کوئی بات پیدا ہو گئی ہے تو وہ فرمائیے ہم اسی کے مطابق چلیں۔

اصلیت یہ ہے کہ بنی عباس کی دعوت امامت میں ابتداً رفض موجود تھا لیکن آل علیؓ کی طرف سے جو خطرات ان کے سامنے آئے ان کی بناء پر انہوں نے اس خیال کو چھوڑ دیا اور حضرت علیؓ کو خلفائے راشدین میں اسی رتبہ پر رکھنا مناسب سمجھا جس پر وہ تھے۔

ولی عہدی

مہدی نے بھی منصور کی طرح عیسیٰ بن موسیٰ پر سختیاں کیں اور اس کو خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر اپنے دونوں بیٹوں موسیٰ ہادی اور ہارون الرشید کو ولی عہد بنایا

وفات

۱۶۹ھ میں مہدی جرجان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں بیمار ہو گیا ماسبذان میں پہنچ کر ۲۲ محرم ۱۶۹ھ مطابق ۴ اگست ۷۸۵ء کو انتقال کر گیا۔ اس کی مدت خلافت دس سال اور ڈیڑھ مہینے رہی۔

(۴) ہادی

موسیٰ ہادی بن مہدی بن ابو جعفر منصور اس کی والدہ کا نام خیزران تھا وہ پہلے مہدی کی مملوکہ کنیز تھی جب اس کے شکم سے ہادی اور ہارون پیدا ہوئے تو اس کی عزت مہدی کی نگاہ میں بڑھ گئی اس لئے ۱۵۹ھ میں آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ ہادی کی ولادت ۱۴۴ھ میں ہوئی تھی سولہ برس کے سن میں یہ ولی عہد بنایا گیا مہدی کی زندگی ہی میں فوج لے کر جرجان کی طرف گیا تھا یہ اسی طرف تھا کہ مہدی نے راستے میں وفات پائی۔ ہارون نے اس کے لئے بیعت لی اور مہر عصاء اور رداء خلافت مع تعزیت اور تہنیت کے اس کے پاس جرجان میں بھیجا۔

احوال داخلیہ

ہادی بھی اپنے باپ کی طرح زندیقوں کا سخت دشمن تھا۔ خاص کر " پیروان مانی " کا جو نور اور ظلمت دو خداؤں کی پرستش کرتے تھے ۔ مہدی نے بنی ہاشم میں سے داؤد بن علی کے ایک بیٹے اور یعقوب بن فضل کو زندیق ہونے کی وجہ سے گرفتار کیا تھا چونکہ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ بنی ہاشم میں سے کسی کو قتل نہیں کروں گا اس لئے ان کو قید خانہ میں مقید کر دیا اور ہادی کو وصیت کی کہ جب تم خلیفہ ہونا تو ان کو قتل کر دینا ان میں سے داؤد کا بیٹا تو قید ہی میں مر گیا لیکن یعقوب زندہ تھا ہادی نے باپ کی وصیت کے مطابق اس کو قتل کرا دیا۔

حسین بن علی

۱۶۹ھ میں حسین بن علی بن حسن المثلث نے مدینہ منورہ میں اپنی امامت کا اعلان کیا ان کے ساتھ کوفہ کے کچھ لوگ ہو گئے تھے پہلے انہوں نے اہل مدینہ سے بیعت لی پھر وہاں کے خزانہ پر قبضہ کیا۔ والی مدینہ عمر بن عبدالعزیز جو عبداللہ بن عمر بن خطاب کے پوتے تھے ۔ ان کے مقابلے سے عاجز رہے۔ حسین بن علی اعلان امامت کے بعد گیارہ دن مدینہ منورہ میں رہے اس کے بعد ۲۴ ذی قعد کو اپنی جماعت کو لے کر حج کے لئے نکلے ۔ ہادی نے محمد بن سلیمان عباسی کو اس سال امیر الحج مقرر کر کے حسین کے مقابلہ کا حکم دیا۔ مقام فخ میں فریقین میں جنگ ہوئی حسین اور ان کے سارے ساتھی مارے گئے صرف دو شخص ادریس بن عبداللہ اور یحییٰ بن عبداللہ جو محمد نفس زکیہ کے بھائی تھے اس معرکہ سے بچ کر نکل گئے۔ ادریس نے افریقہ میں جا کر سلطنت قائم کی۔ اور یحییٰ نے بلاد دیلم میں پہنچ کر علم مخالفت بلند کیا ان کے تذکرے حسب موقع آئیں گے۔

صفات ہادی

ہادی نہایت قوی اور بہادر تھا ۔ دو زرہیں پہنے ہوئے گھوڑے پر کود کر سوار ہو جاتا تھا اس نے اپنے دربار کو عام کر رکھا تھا اور ربیع حاجب کو حکم دے رکھا تھا کہ کسی کو میرے پاس آنے سے نہ روکو کیونکہ امیر کا پس پردہ بیٹھنا حکومت اور رعایا دونوں کے

... نر ہے اور اس سے برکت جاتی رہتی ہے۔ امور سلطنت میں وہ انہماک کے ساتھ مشغول رہتا تھا اور فیاض اور خوش طبع تھا۔ مزاج میں غیرت بہت تھی۔ اس کی والدہ خیزران کے پاس جو مہدی کے وقت سے امور سلطنت میں دخیل ہو گئی تھی امراء اور رؤساء اہل حاجت کثرت سے آمد و رفت رکھتے تھے ہادی نے اس ہجوم کو روک دیا اور کہا کہ جو یہاں آئے گا میں اس کو سزا دوں گا۔ اور اس کی جائداد ضبط کر لوں گا اور خیزران سے کہا کہ تم اپنا وقت نماز تسبیح اور تلاوت میں گزارو۔ چرخہ لے کر کاتو۔ امور سلطنت سے تم کو کیا واسطہ۔

نبیذ جس کو فقہائے عراق نے جائز کر رکھا تھا۔ پیتا تھا اور کسی قدر گانا سننے کا بھی شوق رکھتا تھا۔

ولی عہدی

مہدی کے فرمان کے مطابق ہادی کے بعد ہارون ولی عہد تھا۔ لیکن ہادی نے اس کی جگہ پر اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا بہت سے امراء فوج بھی اس کی رائے کے تابع ہو گئے۔ ہادی نے ہارون پر سختی شروع کی کہ وہ ولی عہدی سے دست بردار ہو جائے ہارون تنگ آکر چھوڑنے پر آمادہ بھی ہو گیا لیکن یحییٰ برمکی نے جو اس کا اتالیق اور کار پرداز تھا اس کو روکا۔ اس جھگڑے کو ہادی کی موت نے ختم کر دیا اور وہ اچانک بیمار ہوا اور تین دن میں انتقال کر گیا بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہارون اور یحییٰ کی سازش سے خیزران نے جو ہادی کی سختیوں سے ناراض تھی اس کو زہر دلوا دیا۔ اس کی کسی قدر تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب ہادی بیمار ہوا تو خیزران نے یحییٰ کے پاس اطلاع بھیجی کہ معاملہ بہت قریب ہے تم تیار رہو چنانچہ یحییٰ نے وہ تمام فرامین جو امراء ولایات کے پاس بھیجے جانے والے تھے پہلے سے لکھ کر تیار کر لئے جس وقت ہادی کی وفات ہوئی فوراً برید کے ذریعے سے اطراف ممالک میں ان کو بھیج دیا۔

وفات

۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۷۸۶ء کو چھبیس سال کی عمر میں ہادی نے عیسیٰ باد میں وفات پائی۔ اس کی خلافت ایک سال ایک مہینے اور بائیس دن رہی۔

(۵) ہارون

ہارون الرشید بن مہدی خیزران کے بطن سے ۱۴۵ھ میں مقام رے میں پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت اچھی ہوئی۔ ۱۶۴ھ میں اس سے انبار لے کر افریقہ تک کی امارت عطا فرمائی۔
۱۶۵ ھ میں ایک زبردست فوج جس کی تعداد ۹۵۷۹۳ تھی دیکر قسطنطنیہ کی طرف بھیجا اور ۱۶۶ھ میں ہادی کے بعد ولی عہد بنایا۔ ۱۶۹ھ میں جب اس کی شجاعت اور لیاقت کا ظہور ہوا تو چاہا کہ اس کو ہادی پر مقدم کردے لیکن اپنے اس ارادے کو پورا کرنے سے پہلے ہی وفات پاگیا۔ ہادی کے انتقال کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں جب کہ اس کا سن ۲۵ پکیس سال کا تھا تخت خلافت پر بیٹھا۔

احوال داخلیہ

ہارون کا زمانہ خلافت عباسیہ کا بہترین زمانہ شمار کیا گیا ہے اس میں رفاہیت، ثروت، علم، ادب، طاقت اور شوکت ہر لحاظ سے دولت عباسیہ اپنے سب سے بلند اور ارفع درجہ پر پہنچ گئی تھی ہر قسم کے بڑے بڑے لوگ فراہم ہوگئے تھے جن کی بدولت ملک کی زینت اور اس کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی اور ہارون کی شاہانہ تربیت اور اس کے بے مثال صفات نے ان ترقیوں کو ایسا فروغ دیا کہ یہ عہد تاریخ میں ممتاز اور نمایاں ہوگیا اور اس کا بہت کچھ اثر امت اسلامیہ کے مستقبل پر بھی پڑا۔

حضارۃ بغداد

ہارون الرشید کے زمانہ میں بغداد اپنی انتہائی عظمت اور معراج کمال پر پہنچا ہوا تھا شاہزادوں، امیروں اور رئیسوں نے ایسے ایسے عالی شان محلات تعمیر کرائے تھے جن کو دیکھ کر سیاح حیران ہو جاتے تھے۔ قصر خلافت اور وزراء کے مکانات بالخصوص برامکہ کی عمارتیں ایسی تھیں کہ اس وقت تمام دنیا میں ان کی نظیر نہ تھی جعفر بن یحییٰ نے اپنے قصر کی تعمیر میں بیس لاکھ درہم صرف کئے تھے دریائے دجلہ کے کناروں پر باغات اور تفریح کے مقامات تھے بڑے بڑے تاجروں کے مرتفع مکانوں اور جابجا عظیم الشان مسجدوں اور ان کے سربفلک میناروں کی وجہ سے شہر کی عجیب عظمت تھی۔ دجلہ کے دونوں طرف اس قدر کثرت کے ساتھ آبادی بڑھی کہ بغداد کی مردم شماری بیس لاکھ نفوس سے زائد ہو گئی۔

بحری اور بری دونوں راستوں سے سامان تجارت آتا تھا۔ اور چین، ہند، افریقہ، شام اور جزیرہ وغیرہ کے تجار وہاں موجود تھے مشرق و مغرب کے ہر قسم کے اسباب تجارت بازاروں میں بھرے پڑے تھے۔ خود خلیفہ اور اس کے وزراء و امراء اس بات کی حرص رکھتے تھے کہ بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور تجارت کا مرکز بن جائے۔ راستوں کی کامل حفاظت، امنیت کا پورا بندوبست اور تجارت کے لئے ہر قسم کی آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ثروت کی یہ کیفیت تھی کہ تمام اسلامی صوبوں سے خراج کی وہ رقمیں جو مقامی اخراجات سے فاضل ہوتی تھیں دارالخلافہ میں آتی تھیں۔ مورخین نے ان کا اندازہ چالیس کروڑ درہم سالانہ کیا ہے یہ سب خلیفہ کے بیت المال میں داخل ہوتی تھیں وہ اہل وزراء

اہل دفاتر، فوج اور ملازمین کی تنخواہوں اور انعامات اور عطایا میں صرف کرتا تھا اس وجہ سے وہاں عام رفاہیت اور خوش حالی تھی۔ اور ادنیٰ و اعلیٰ سب آرام و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دولت کے سیلاب کے ساتھ عیش اور لذت پرستی کے خس و خاشاک لازمی ہیں اس سے وہ لوگ بھی محفوظ نہیں تھے۔

علمی لحاظ سے بغداد طلبہ علوم کا قبلہ تھا کیونکہ اسلامی ممالک کے ممتاز آئمہ اور علماء بیشتر وہیں آگئے تھے اور محدثین، قراء، مفسرین، حفاظ لغت ادباء۔ ائمہ نحو و صرف مورخین اور متکلمین وغیرہ سب کے سب تدریس و تعلیم اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھے وہاں کی جامع مسجدیں علوم کا مرکز تھیں اور اس عہد میں دنیائے اسلام میں کوئی شخص کسی فن میں کامل نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس نے بغداد میں جا کر پڑھا نہ ہو۔ اسلامی علوم کے علاوہ فنون دخیلہ مثلاً طب، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ، اور نجوم وغیرہ کے ماہرین کی بھی وہاں کثرت تھی۔ یہ لوگ دنیا میں جس قوم کے پاس کوئی علم پاتے تھے اس کو عربی میں منتقل کرتے تھے اور مسلمانوں میں پھیلاتے تھے۔ ان علماء کی زندگیاں خلیفہ، امراء اور وزراء بالخصوص برامکہ کی قدر دانیوں اور زر پاشیوں کی بدولت نہایت فارغ البالی کے ساتھ گزرتی تھیں۔

علویہ

حضرت علیؓ کی اولاد چونکہ یہ سمجھتی تھی کہ خلافت ہمارا حق ہے اور ان میں سے جو ممتاز لوگ ہوتے تھے وہ اکثر یہ کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح ہم اس کو حاصل کریں اس وجہ سے بنی عباس کو ہمیشہ ان کی طرف سے خطرہ لگا رہتا تھا۔ ہارون نے خلیفہ ہونے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ سلوک اور احسان کر کے ان کی استمالت کی کوشش کی اور اسی سلسلہ میں ان لوگوں کو جو بغداد میں زیر نگرانی رکھے گئے تھے بجز عباس بن حسن کے مدینہ جانے کی اجازت دے دی لیکن یحییٰ بن عبداللہ نے جو ہادی کے زمانہ میں فخ کی لڑائی سے بچ کر بلاد دیلم میں چلے گئے تھے وہاں ایک جتھا بنا کر علم مخالفت بلند کیا۔ اطراف و دیار کے لوگ ان کے ساتھ شامل ہو گئے جس سے ان کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہارون نے جب سنا تو اس کو نہایت تردد پیدا ہوا۔ فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار فوج دے کر مقابلہ کے لئے بھیجا۔

فضل چونکہ محبان آل علیؓ میں سے تھا اس لئے اس نے وہاں پہنچ کر بجائے جنگ کرنے کے رئیس دیلم کو دس لاکھ درہم دے کر راضی کیا کہ یحییٰ کو اپنے قلعہ سے ہمارے پاس بھیج دو پھر ان کو سمجھا کر صلح پر آمادہ کیا۔ وہ اس شرط پر راضی ہوئے کہ خلیفہ خود اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر بھیجے تو میں چلا آؤں۔ فضل نے ہارون کو لکھا وہ بہت خوش ہوا۔ علماء اور فقہاء کو بلوا کر ان کے سامنے امان نامہ لکھا اور ان کی اور رؤساء بنی ہاشم کی شہادتیں اس پر ثبت کرا کے مع تحفوں اور ہدیوں کے بھیجا۔ الفضل یحییٰ کو لے کر بغداد میں آیا۔ ہارون نے ان کے گزارہ کے لئے بہت بڑی رقم مقرر کی اور فضل کے اس کارنامہ پر اس کے رتبہ میں اضافہ کر کے اسی کو حکم دیا کہ یحییٰ کو تم اپنے پاس رکھو۔

ادریس اول

یحییٰ کے دوسرے بھائی ادریس فخ سے بھاگ کر مصر کی طرف نکل گئے تھے۔ وہاں سے وہ بلاد مغرب کی طرف پہنچے اور شہر دلیلی میں ۱۷۲ھ میں اپنی امامت کی بیعت لے کر پہلی علوی خلافت یعنی ادریسی سلطنت قائم کی۔ ہارون نے اطلاع پا کر لشکر کشی کرنی چاہی لیکن اس کو دشوار سمجھ کر اپنے ایک غلام سلیمان بن جریر کو جو شماخ کے لقب سے مشہور تھا روانہ کیا کہ کسی حیلہ سے ادریس کو قتل کر ڈالے اس نے ادریس کے پاس پہنچ کر بنی عباس کی بیعت سے برات ظاہر کی اور ان کی بیعت میں داخل ہو گیا۔ وہ اس سے بہت خوش ہوئے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کو اپنے مقربین میں شامل کر لیا اس نے موقع پا کر ایک روز ان کے منجن میں زہر ملا دیا

اور روپوش ہو کر چلا آیا۔ چنانچہ اسی زہر سے انہوں نے ۱۷۷ھ میں وفات پائی لیکن اس کی وفات سے اس سلطنت کا خاتمہ نہیں ہو سکا کیونکہ ان کی ایک کنیز حاملہ تھی جس کے شکم سے کچھ دنوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اہل مغرب نے اس کا نام بھی ادریس رکھا۔ اور اس کی امامت کی بیعت کر لی۔

ہارون انہیں وجوہات سے علوئین کی طرف سے ہر وقت خطرہ میں رہتا تھا۔ اور امراء یا وزراء میں سے جس شخص کی بابت سنتا تھا کہ وہ اہل بیت کے کسی فرد کی طرف میلان رکھتا ہے اس کو سخت سزا دیتا تھا اسی اندیشہ سے امام موسیٰ کاظم کو بغداد میں اپنی نگرانی میں رکھ چھوڑا تھا ان کو کہیں جانے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی وہیں ہوا۔

افریقہ

قیروان کا عامل فضل بن روح تھا اس نے اپنے بھتیجے مغیرہ کو تونس کا امیر بنا کر بھیجا۔ وہاں کے لوگ اس کے طرز عمل سے ناراض ہوئے اور انہوں نے فضل کو لکھا کہ اس کے بدلے کسی دوسرے شخص کو یہاں بھیج دو۔ فضل نے ان کی درخواست نامنظور کی۔ مجبور ہو کر ان لوگوں نے ایک رئیس ابن الجارود کو اپنا سردار بنا لیا۔ اور مغیرہ کو نکال دیا۔ فضل نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ کو وہاں کی امارت پر روانہ کیا۔ اہل تونس نے خیال کیا کہ اس نے جو اپنے بھائی کو مقرر کر کے بھیجا ہے تو اس کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مخالفین کو سزائیں دلوائے اس بنیاد پر انہوں نے متفق ہو کر عبداللہ کا مقابلہ کیا۔ اس کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔

ابن الجارود نے اب اعلانیہ بغاوت کر دی اور قیروان پر حملہ کر کے فضل کو وہاں سے نکال دیا۔ ہارون نے ہرثمہ بن اعین کو فوج دے کر بھیجا اس نے جا کر وہاں امن و امان قائم کیا اور ابن الجارود کو گرفتار کر کے بغداد کو بھیج دیا جہاں وہ قید کر دیا گیا۔ ۱۸۱ھ میں ہرثمہ کے بھائے نے اپنے رضاعی بھائی محمد بن مقاتل کو وہاں کا وہاں کا والی بنا کر بھیجا اہل تونس نے محمد سے بھی ناراض ہو کر اس کی مخالفت کی یہاں تک کہ قیروان پر قبضہ کر کے اس کو وہاں سے نکال دیا۔

ہارون نے اب ابراہیم بن اغلب کو جو مقام زاب کا عامل تھا صوبہ افریقہ کی ولایت پر مقرر کیا۔ اس نے جا کر قیروان پر غلبہ حاصل کیا اور امن و امان قائم کر کے اپنی مستقل حکومت کی بنیاد ڈالی۔ خلیفہ عباسی کو وہ صرف چالیس ہزار دینار سالانہ خراج بھیجتا تھا۔ باقی جملہ امور میں خود مختار تھا۔

خوارج

یہ جماعت حضرت علیؓ کے عہد میں پیدا ہوئی۔ بنی امیہ کے زمانہ میں اس کو مٹانے کی کوشش کی اور اس کے نامور اور مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ نے اپنی ساری قوت اس کو فنا کرنے میں صرف کی۔ اور کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن خلافت کی غلط رفتار اور خلفاء کے استبداد اور امراء کے مظالم کی وجہ سے وہ روح برابر باقی رہی۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں ولید بن طریف شیبانی نے جو نہایت بہادر اور باوقار رئیس تھا جزیرہ میں نصیبین کے متصل ۱۷۸ھ میں خروج کا اعلان کیا۔ خلیفہ کی طرف سے اس کی سرکوبی کے لئے بار بار فوجیں گئیں۔ لیکن شکست کھاتی رہیں جن کی وجہ سے اس کا اقتدار بڑھ گیا اور جزیرہ سے لے کر آرمینیہ تک کے لوگ اس کے حلقہ میں آگئے۔ ہارون نے معن بن زائدہ کے بھتیجے یزید بن شیبانی کو منتخب کر کے ایک جرار فوج کے ساتھ بھیجا۔ یزید نے جا کر اس سے صلح کی گفتگو کی۔ اس میں چند مہینے صرف ہوگئے۔ درباریوں نے ہارون سے شکایت کی کہ یزید چونکہ ولید کا ہم قبیلہ ہے اس لئے وہ اس کے ساتھ لڑائی کو ٹال رہا ہے۔ ہارون نے یزید کو تاکیدی تہدید آمیز خط بھیجا۔ اب اس کو بجز مقابلہ کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس نے ولید کے پاس کہلا بھیجا کہ مسلمانوں کے ضائع کرانے سے کیا فائدہ۔ آؤ

صرف ہم تم لڑیں۔ وہ میدان میں آیا۔ دونوں کئی گھنٹے تک لڑتے رہے دورویہ فوجیں کھڑی ہوئی تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ آخر میں ولید مارا گیا۔ اس کا سر فتح نامہ کے ساتھ دربار میں بھیجا گیا۔

مشرق

مغرب میں اندلس اور مراقش عباسی خلافت سے نکل چکے تھے۔ مشرق کا خطرہ بھی کچھ اس سے کم نہ تھا۔ کیونکہ علی بن عیسیٰ بن ہامان والی خراسان کے مظالم کی وجہ سے وہاں بھی بغاوت کے آثار نمایاں ہوگئے تھے ہارون الرشید نے جس وقت علی کو مقرر کرنا چاہا تھا اس وقت اس نے وزیر یحییٰ بن خالد سے مشورہ لیا تھا اس نے اس کے تقرر کو پسند نہیں کیا۔ لیکن ہارون نے وزیر کی رائے کے خلاف اس کو والی بنا کر بھیج دیا۔ اس نے وہاں جا کر ظلم و ستم کرنے شروع کئے رؤساء کے بہترین ذخائر کو ضبط کر کے بہت مال و اسباب جمع کیا۔ ہارون کے لئے بھی تحفتاً اس میں سے طرح طرح کے قیمتی کپڑے، گھوڑے اور سامان وغیرہ بھیجے۔ وہ ایک چبوترہ پر بیٹھ کر ان کا جائزہ لینے لگا اور خوش ہو کر یحییٰ سے کہا کہ دیکھو! تم علی کی امارت کی مخالفت کرتے تھے لیکن وہ ہمارے لئے کیسی مبارک ہوئی۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ میں اگرچہ یہ چاہتا ہوں کہ میری رائے درست نکلے مگر اس سے بڑھ کر اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ خلیفہ کی رائے زیادہ صائب اور بہتر ہو۔ اللہ کرے کہ علی کی ولایت مبارک ثابت ہو مگر مجھے تو یہ ڈر ہے کہ کہیں اس مال اور سامان کو اس نے ظلم کر کے وہاں کے رؤساء سے نہ غضب کیا ہو ایسی صوت میں اس کا انجام برا ہو گا۔ اگر ناجائز طریقہ سے اس قسم کے بدلے فراہم کرتا ہو تو میں آج ہی کرخ کے تاجروں سے چند قیمتی جواہرات جن کی قیمت ان ہدایا سے دس بیس گنی ہو دیکھنے کے لئے منگا کر ضبط کر کے آپ کے سامنے پیش کر دوں اس میں اس سے کم خطرہ ہے جتنا کہ علی کے اس فعل میں ہے۔ اور میں اس طریقہ سے تین گھنٹے میں اس سے بہت زیادہ جمع کر سکتا ہوں جتنا کہ علی نے تین سال میں کیا ہے لیکن کیا انصاف اس کو جائز رکھے گا۔

تھوڑے دن بھی نہیں گزرنے پائے کہ خراسانی رئیسوں کی عرضیاں دربار خلافت میں پہنچیں کہ علی بن عیسیٰ نہایت ظالم اور بدسرشت ہے۔ اس کو معزول کر کے دوسرا والی بھیجا جائے۔ ہارون نے یحییٰ سے مشورہ لیا اس نے کہا کہ میں پہلے ہی سے اس کے تقرر کو مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو واپس بلا کر یزید شیبانی کو بھیج دیجئے ہارون نے اس دفعہ بھی اس کی رائے پر عمل نہیں کیا۔

اب خبریں آنی شروع ہوئیں کہ علی نے تہیہ کر لیا ہے کہ خلیفہ سے بغاوت کر کے خراسان کا مستقل امیر ہو جائے۔ یہ سن کر ہارون ۱۸۹ھ میں خود فوجیں لے کر روانہ ہوا۔ جب رے میں پہنچا تو وہاں علی بن عیسیٰ حاضر ہوا۔ اس نے پھر تحفے اور نذرانے پیش کئے۔ خلیفہ کے ساتھ جو امراء تھے ان کو بھی ہدیئے دیئے۔ ہارون اس سے خوش ہو گیا۔ اور چونکہ کوئی علامت بغاوت کی نہیں دیکھی اس لئے اس کو خراسان کی ولایت پر برقرار رکھا اور رخصت کے وقت اس کی مشایعت کو نکلا۔ علی نے واپس جا کر ان لوگوں کو سزائیں دیں جنہوں نے اس کے خلاف دربار میں عرضیاں بھیجی تھیں۔ اور ان کے اموال بھی ضبط کر لئے۔ نصر بن سیار جو بنی امیہ کے وقت میں خراسان کا والی تھا اس کے پوتے رافع بن لیث نے علی کی مخالفت پر کمر باندھی۔ سمرقندیوں کی ایک جماعت نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

علی نے اپنے بیٹے عیسیٰ کی ماتحتی میں ایک دستہ فوج بھیجا۔ رافع نے اس کو شکست دے دی۔ عیسیٰ بھاگ کر بلخ میں چلا گیا۔ رافع نے شناس اور فرغانہ کے ترکوں کی ایک جماعت بلخ میں بھیجی انہوں نے آکر عیسیٰ کو قتل کر ڈالا اس کے محل کے پائیں باغ میں ایک عظیم الشان خزانہ مدفون تھا جس سے صرف ایک لونڈی واقف تھی اس نے ترکوں کو بتا دیا انہوں نے اس کو لوٹ لیا۔ ہارون کو جب یہ اطلاع موصول ہوئی تو اس نے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کی ولایت کا فرمان دے کر بھیجا اس نے پہنچ کر علی بن عیسیٰ اور اس کے تمام متعلقین گرفتار کر کے ان کا سارا مال و متاع ضبط کر لیا اور رعایا کی دلدہی اور تشفی کر کے پھر امن و امان قائم کیا۔

رافع کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ ہرثمہ کے قابو میں نہ آسکا۔ آخر کار اس کے مقابلہ کے لئے ۱۹۳ھ میں خود ہارون فوج لے کر روانہ ہوا اسی سفر میں طوس میں پہنچ کر انتقال کر گیا اور اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ رافع نے مامون کے زمانہ میں بلا جنگ اطاعت قبول کر لی۔

وزارت

ہارون کا پہلا وزیر یحییٰ بن خالد برمکی تھا۔ چونکہ برمکی خاندان نہایت نامور اور مشہور ہے اور ان کی تاریخ کا زیادہ تر تعلق ہارون ہی کے عہد کے ساتھ ہے اس لئے اس موقع پر اس کا حال مختصراً لکھ دینا مناسب ہے۔

برامکہ

ان کا جد اعلیٰ برمک بلخ کے آتش کدہ نو بہار کا موبد اور مجوسیوں کا بڑا معزز اور محترم پیشوا تھا۔ خراسان میں جب عباسی خلافت کی تبلیغ کی گئی تو اس کا بیٹا خالد جو مسلمان تھا اس میں شریک ہو کر اس کا ایک رکن بن گیا۔ خلافت عباسیہ کے قائم ہو جانے پر جس وقت ابو سلمہ خلال وزیر آل محمد قتل کیا گیا۔ اس وقت سفاح نے خالد کو بوجہ اس کے حق خدمت نیز قابلیت اور لیاقت کے وزارت کا منصب عطا کیا۔ منصور نے بھی اپنے عہد میں تھوڑے دنوں اس کی اسی جگہ پر رکھا۔ پھر فارس کا والی بنا کر بھیج دیا۔ ۱۵۸ھ میں وہ خراج نہ بھیج سکا۔ منصور نے اس کے ذمہ تیس لاکھ درہم بقایا نکال کر اس کو بغداد میں طلب کیا اورادائیگی کے لئے صرف تین دن کی مہلت دی۔ اس نے دو دن میں اپنے دوستوں سے جمع کر کے یہ رقم خزانہ میں داخل کر دی ۔ منصور نے پھر اس کو موصل کی امارت پر بھیج دیا۔ خالد نہایت عاقل و فرزانہ اور مدبر تھا اور باوجود اس کے کہ سخت گیر نہ تھا اس کا رعب بہت تھا۔ اس نے ۱۶۳ھ میں وفات پائی۔

یحییٰ بن خالد

خالد کا بیٹا یحییٰ تھا۔ جس کی ولادت ۱۲۰ھ میں ہوئی تھی ۔ اس کو منصور نے ۱۵۸ھ میں آذربائیجان کی سرحد کی امارت پر بھیجا وہاں اس نے اس خوبی سے اپنا فرض انجام دیا کہ دربار میں اس کی عزت بڑھ گئی۔ مہدی نے ۱۶۳ھ میں اس کو بلا کر اپنے بیٹے ہارون کا کاتب اور اتالیق مقرر کیا۔ ہارون اس کو ابا کہتا تھا اور اس کے بیٹے فضل کو بھائی سمجھتا تھا۔ کیونکہ ان دونوں کی ولادت تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئی تھی یحییٰ کی بیوی ہارون کو اور خیزران فضل کو دودھ پلایا کرتی تھی۔

۱۶۳ھ میں ہارون جب رومیوں کے مقابلہ میں بھیجا گیا تو یحییٰ اس کے ساتھ تھا۔ اور اس مہم کا کل انتظام اس کے سپرد تھا۔ ۱۶۴ھ میں مہدی نے ہارون کو انبار سے لے کر مغرب تک امارت عطا فرمائی اس کا سارا بندوبست یحییٰ کے ذمہ تھا۔ہادی نے بھی اپنے زمانہ میں یحییٰ کو بدستور ہارون کے پاس رہنے دیا۔ پھر اس نے چاہا کہ ہارون سے دست برداری لکھا کر اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنائے اس کے لئے ہارون پر سختی شروع کی یہاں تک کہ وہ راضی بھی ہو گیا تھا۔ اور کہتا تھا میری خوشی کے لئے زبیدہ کافی ہے میں اس کے ساتھ آرام سے زندگی بسر کر لوں گا مجھے سلطنت کے جھگڑوں سے کیا واسطہ لیکن یحییٰ نے اس کو باز رکھا۔ اور کہا کہ دست بردار ہو جانے کے بعد کیا معلوم کہ تمہیں لوگ تمہارے حسب منشاء زندگی بھی گزارنے دیں۔

ہادی کے یہاں شکایت گزری کہ ہارون جعفر کی ولی عہدی پر راضی ہے لیکن یہ یحییٰ کی شرارت ہے کہ وہ اس کو دست بردار نہیں ہونے دیتا۔ ہادی نے یحییٰ کو بلا کر کہا کہ تم کیوں ہارون کو میری مخالفت پر آمادہ کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کے اور آپ کے بھائی کے درمیان میں پڑوں لیکن خلیفہ سابق اور نیز آپ نے ہارون کے کاروبار میرے سپرد کئے ہیں اس لئے میں اس کی خیر خواہی کا فرض بجا لاتا ہوں۔ وہ خلیفہ مہدی کے فرمان کے مطابق ولی عہد ہے اگر آپ خود اس عہد کو توڑیں گے تو پھر پیمان کی

کوئی قیمت باقی نہ رہے گی اور آپ کے بعد دوسرے لوگ بھی آپ کے عہد کی توقیر نہیں کریں گے۔ جعفر ابھی بہت کم سن ہے ہارون اگر ولی عہد نہ بھی ہوتا تو بھی آپ کے لئے یہ زیبا تھا کہ خود اس کو ولی عہد بناتے اس کے بعد جعفر کو رکھتے چہ جائیکہ اس کے برعکس اس کو معزول کر کے جعفر کو ولی عہد بنا رہے ہیں۔

یحییٰ کی اس معقول گفتگو کو سن کر ہادی خاموش ہو گیا لیکن اہل غرض کے اکسانے سے پھر اس نے ہارون پر دباؤ ڈالا اس وقت یحییٰ کے مشورہ سے اس نے شکار کی اجازت طلب کی ہادی نے چند روز کی اجازت دی اور تاکید کی کہ ٹھیک وقت پر واپس آ جانا۔ لیکن وہ یحییٰ کے ساتھ نکل کر قصر مقاتل کی طرف چلا گیا اور چالیس دن وہاں گزار دیئے۔ ہادی پر یہ امر نہایت شاق گزرا اس نے باز بار واپسی کے احکام بھیجے لیکن ہارون ان کو ٹالتا رہا۔ دربار میں اب اس کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے اور بعض لوگوں نے صاف صاف کہنا شروع کیا کہ وہ بغاوت کی تیاری کر رہا ہے۔ فضل بن یحییٰ دربار میں موجود تھا وہ یہاں کی ساری کیفیت مخفی طور پر ہارون کے پاس لکھ کر بھیجا کرتا تھا۔

ہادی یحییٰ سے بدگمان ہو گیا اور اس کو لکھا کہ اگر تم اس فساد انگیزی سے باز نہیں آؤ گے تو قتل کئے جاؤ گے لیکن اسی درمیان میں ہادی بیمار ہوا اور تین روز کے اندر انتقال کر گیا۔

یحییٰ نے اس موقع پر نہایت دانش مندی کے ساتھ ہارون کی بیعت اور خلافت کے معاملے کو طے کیا جب وہ خلیفہ ہو گیا تو اس نے وزارت یحییٰ کے سپرد کی اور کہا کہ میں ملک کا سارا کاروبار اپنے کندھے پر سے تمہارے کندھے پر رکھتا ہوں تم سیاہ و سپید کے مالک ہو جو چاہو کرو جس کو چاہو رکھو اور جس کو چاہو معزول کرو۔

خیزران جو ہادی کے زمانہ میں امور سلطنت سے بے تعلق کر دی گئی تھی اب پھر دخیل ہو گئی اور یحییٰ اس کی رائے سے مہمات انجام دینے لگا۔ یحییٰ عاقل، عالم، ادب اور علم پرور تھا اور سخی ایسا تھا کہ اس کی فیاضی کی داستانیں سن کر عقل حیران ہو جاتی ہے دور دور سے اہل علم و فضل اس کے یہاں آنے لگے اور اس کی ذات مرجع آفاق بن گئی۔ ۱۷۱ھ میں ہارون نے مہر خلافت کا دفتر اسی کے سپرد کر دیا۔

یحییٰ کے چار بیٹے تھے۔ فضل، جعفر، محمد اور موسیٰ ان میں سے ہر ایک علم و فضل میں فرد اور جود و کرم میں یکتائے دہر تھا۔

فضل بن یحییٰ

یہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اسکی ولادت ۱۴۸ھ میں ہوئی تھی۔ اس نے ہارون الرشید کے ساتھ تربیت پائی جوان ہونے کے بعد امور سلطنت میں اپنے باپ کی امداد کرنے لگا اکثر بڑے بڑے کارناموں میں اس کی قائم مقامی کرتا تھا۔ ہارون الرشید کا بیٹا امین جب پیدا ہوا تو اس نے اس کو پرورش کے لئے فضل کے حوالہ کیا اور یہی اس کا اتالیق بھی رہا۔ ۱۷۶ھ میں یحییٰ بن عبداللہ نے بلاد دیلم میں جا کر جو مخالفت کا اعلان کیا تھا اس کی مہم پر یہی بھیجا گیا تھا۔ اس نے نہایت خوبی کے ساتھ بلا خونریزی کے اس معاملہ کو طے کر دیا۔ ہارون کے دل میں اس وقت سے اس کی وقعت اور بھی بڑھ گئی چنانچہ ۱۷۸ھ میں اس کو خراسان کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے وہاں امن و امان قائم کیا۔ اشروسنہ کے بادشاہ سے جو مخالف ہو گیا تھا جنگ کی اور اس کو پھر مطیع کیا۔ اس ملک میں جا بجا لنگر خانے بنوائے اور مسجدیں تعمیر کیں۔ خراسانیوں کی ایک فوج مرتب کی جن کی تعداد پانچ لاکھ تھی اور اس فوج کا نام عباسیہ رکھا۔ ۱۷۹ھ میں جب یہ خراسان سے واپس آیا تو اس میں سے بیس ہزار آدمیوں کو اپنے ساتھ بغداد میں لایا۔ ہارون مع امراء اور شاہزادوں کے خود اس کے استقبال کے لئے شہر سے نکلا۔ اس کے بعد مہر خلافت یحییٰ سے لے کر اس کے حوالہ کی۔

ملکی یا فوجی جس قسم کے کام فضل کے سپرد کئے گئے ہر ایک کو اس نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ خاندان برامکہ میں

لیاقت اور سخاوت کے لحاظ سے اس کا رتبہ سب سے فائق تر تھا۔ یحییٰ وزیر اعظم کے ساتھ لوگ اس کو وزیر صغیر کہتے تھے۔

جعفر بن یحییٰ

یحییٰ کا دوسرا بیٹا جعفر ہارون کا ہم دم و ہمنشین اور حسن خلق فیاضی، فصاحت اور بلاغت میں یگانہ عصر تھا۔ ہارون اس کے برابر کسی کو عزیز نہیں رکھتا تھا اور فضل سے بھی زیادہ اس کے ساتھ مانوس تھا۔ کیونکہ فضل کے مزاج میں کسی قدر خشونت تھی اور یہ لطیف الطبع تھا۔

ایک بار ہارون نے یحییٰ سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ لوگ فضل کو وزیر صغیر کہتے ہیں اور جعفر کو اس لقب سے نہیں پکارتے اس نے جواب دیا کہ فضل چونکہ امور سلطنت میں میری قائم مقامی کرتا ہے اور بڑے بڑے دفاتر اس کے متعلق ہیں اس لئے اس کا لقب یہ ہو گیا۔ اور جعفر آپ کی ہم نشینی کی مشغولیت سے مہمات دولت میں زیادہ دخیل نہیں ہے۔ ہارون نے جعفر کو اسی وقت قصر خلافت کے کل معاملات کا کفیل بنا دیا۔ پھر یحییٰ سے کہا کہ مجھے تو شرم معلوم ہوتی ہے تم خود فضل کو لکھ دو کہ وہ خاتم خلافت جعفر کے حوالہ کر دے۔ اس نے فضل کو لکھ دیا کہ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ مہر خلافت تم اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں دے دو وہ اس کا مطلب سمجھ گیا اور خاتم خلافت جعفر کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد جعفر بھی وزیر صغیر مشہور ہو گیا۔ ۱۷۶ھ میں محل شاہی کی داروغگی کے ساتھ مصر کی ولایت کا عہدہ بھی اس کو ملا۔ اس نے اپنی طرف سے عمران بن مہران کو وہاں بھیج دیا۔

۱۸۰ ھ میں شام میں باہمی عصبیت کی وجہ سے قبائل میں سخت شورش برپا ہوئی۔ ہارون نے اس مہم پر جعفر کو بھیجا۔ اس نے جا کر ان میں باہم مصالحت کرائی اور جو لوگ شریر اور فتنہ پرداز تھے ان کی گوشمالی کی امن و امان قائم کرنے کے بعد بغداد واپس آیا۔ ہارون نے اس موقع پر دربار کیا۔ شعراء نے جعفر کی مدح میں قصائد پڑھے پھر اس نے مجمع کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس سے غرض یہ تھی کہ ہارون شامیوں پر مہربان ہو کر اس کے قصور کو بخش دے اس کے بعد ہارون نے اس کو خراسان کا والی مقرر کیا لیکن بیس روز کے بعد بجائے ولایت خراسان کے بغداد کا میر امن یعنی کوتوال بنایا۔ اس نے ہرثمہ بن اعین کو جو اس عہد کا نامور سپہ سالار تھا اپنا نائب کر کے یہ خدمت اس کے سپرد کی۔ جس طرح فضل بن یحییٰ شاہزادہ امین کا اتالیق تھا اسی طرح جعفر مامون کا اتالیق تھا۔ اور اس کوشش میں رہتا تھا کہ ہارون اس کو ولی عہد بنا دے۔ ۱۸۲ھ میں ہارون نے مامون کی ولایت عہد کا فرمان لکھا اور مشرق کی کل ولایتیں اس کے سپرد ہوئیں۔

موسیٰ بن یحییٰ

موسیٰ اپنے تمام بھائیوں میں شجاع تر تھا وہ فوج میں بڑا منصب رکھتا تھا۔ علی بن عیسیٰ خراسان کے معزول والی نے ہارون سے اس کی شکایت کی کہ اسی نے خطوط لکھ کر وہاں کے رؤساء کو میرے خلاف بھڑکایا تھا۔ اس وجہ سے ہارون اس کی طرف سے بدگمان ہو گیا تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ موسیٰ پر قرضہ کا بار زیادہ بڑھ گیا اور وہ قرض خواہوں کے خوف سے روپوش ہو گیا۔ ہارون نے لوگوں سے کہا کہ وہ ضرور چھپ کر خراسان چلا گیا ہو گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں کوئی فتنہ بپا کرے۔ ہارون اس کی جستجو میں پڑا۔ ۱۸۷ھ میں جب وہ حج کو چلا تو حیرہ میں موسیٰ اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ہارون نے اس کو قید کر دیا۔ اس کی ماں یعنی وزیر اعظم یحییٰ کی بیوی سفارش کے لئے آئی۔ ہارون چونکہ اس کی کسی سفارش کو مسترد نہیں کرتا تھا۔ اس لئے موسیٰ کو چھوڑ دیا۔ لیکن یہ حکم دیا کہ یحییٰ خود آ کر اس کا ضامن ہو۔ چنانچہ یحییٰ نے یہ ذمہ داری لی کہ وہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھے گا۔

محمد بن یحییٰ

یہ بھی فوجی عہدہ پر تھا۔ اس کو اس قدر شہرت نصیب نہیں ہوئی جس قدر کہ اس کے اور بھائیوں نے حاصل کی۔ یہ برکی

خاندان، عزت، دولت، سخاوت علم و ادب اور علماء پروری میں اس زمانہ میں ممتاز اور شعراء ادباء کا کعبہ حاجات اور قبلہ مقاصد تھا۔ ان کے جود و کرم اور داد و دہش کے سامنے تمام پرانی داستانیں فنا ہو گئیں۔ ان کے کارنامے ہارون الرشید کے عہد کی تاریخ کی زینت ہیں۔

زوال برامکہ

شخصی اور استبدادی سلطنتوں میں جب کسی امیر یا وزیر کا پایہ بلند ہو جاتا ہے تو یا تو وہ خود اپنے رسوخ کے بھروسہ پر اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے بادشاہ اس کے اقتدار کو اپنے اختیارات میں مخل پاکر اس کا خاتمہ کر دیتا ہے یا اس کے حاسد اور دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جو بادشاہ کے کان اس کی طرف سے بھرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کو مخالف بنا کر اپنے حریف کو مٹا دیتے ہیں۔ ابو جعفر منصور نے ابو مسلم کے روز افزوں عروج کو دیکھ کر اس کو قتل کیا پھر اپنے وزیر عبداللہ کو قید کر کے اس کے اموال ضبط کرلئے۔ اسی طرح مہدی نے اپنے دونوں وزیروں ابو عبیداللہ اور یعقوب بن داؤد کو سزائیں دیں۔ یہ سب واقعات ہارون سے پہلے خود اس کے خاندان میں گزر چکے تھے۔

برمکیوں کے بھی اس بلند اور عالی شان رتبہ کو دیکھ کر بعض امراء کے دل میں حسد نے جوش مارا اور انہوں نے ان کے خلاف ہارون کو ابھارنا شروع کیا۔ ہارون کا مزاج سلطنت کے معاملہ میں نہایت شکی بلکہ وہمی واقع ہوا تھا۔ ان حاسدوں نے اسی راہ سے اس کے دل میں برامکہ کے خلاف عداوت کی آگ پھونکنی شروع کی اور ان کے خلوص کی طرف سے جو وزراء کی خاص ترین صفت ہونی چاہئے۔ اس کو بدظن کر دیا۔ اور اس کے دل میں یہ بات جما دی کہ برامکہ بہ نسبت عباسیہ کے علویہ کی امامت کے زیادہ خواہاں ہیں۔

ان مخالفین میں سب سے مقدم فضل بن ربیع تھا یہ منصور کے مشہور حاجب ربیع بن یونس کا بیٹا تھا یحییٰ برمکی اس شخص کو پسند کرتا تھا۔ ہارون کے آغاز خلافت میں چونکہ اس کی والدہ خیزران اور یحییٰ یہی دونوں تمام امور سلطنت پر حاوی تھے اس لئے فضل بن ربیع کو کوئی منصب نہیں مل سکا۔ ہارون نے بھی چاہا کہ کوئی ولایت اس کے سپرد کرے لیکن خیزران نے اس کو روک دیا۔ ۱۷۴ھ میں جس دن خیزران نے وفات پائی اسی دن ہارون نے اس کو بلا کر جعفر بن یحییٰ سے مہر خلافت لے کر اس کے حوالہ کر دی۔ نیز متعدد بڑے بڑے عہدے اس کو دیئے اور مصارف عامہ و خاصہ کا بخشی مقرر کیا۔

دربار میں درخور پا جانے کے بعد اب یہ برمکیوں کی پوست کشی پر آمادہ ہوا۔ لیکن چونکہ ان کا رسوخ بہت بڑھا ہوا تھا اور قصر خلافت کے اکثر عہدے نیز فوجی و ملکی مناصب وغیرہ انہیں کے ہاتھ میں تھے اس وجہ سے اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں بے اثر پاتا تھا۔

۱۷۶ھ میں یحییٰ بن عبداللہ کا واقعہ پیش آیا جنہوں نے بلاد دیلم میں پہنچ کر اپنی امامت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ فضل بن یحییٰ بن برمکی اس مہم پر بھیجا گیا تھا وہ دس لاکھ درہم صرف کر کے وہاں کے قلعہ سے ان کو نکال کر بغداد میں لایا تھا ہارون نے مطمئن اور خوش ہو کر امان نامہ لکھ دیا تھا اور ان کو فضل برمکی کے سپرد کیا تھا جہاں وہ عیش و عزت کے ساتھ رہتے تھے۔

فضل بن ربیع نے ہارون کے کان بھرنے شروع کئے کہ یحییٰ بن عبداللہ بغاوت کی تیاری کر رہے تھے اور برامکہ.... چونکہ ان کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں اس لئے ان کی امداد کر رہے ہیں نیز بکار بن عبداللہ زبیری نے بھی جو آل علی کا سخت ترین دشمن تھا ہارون سے امام موصوف کی اسی قسم کی شکایتیں کیں اور کہا کہ وہ مخالفت کا سامان کر چکے ہیں اور برامکہ ان کے لئے آسانیاں بہم پہنچا رہے ہیں۔ ہارون چونکہ ملکی خطرات سے بہت ڈرتا تھا اس لئے اس نے امام یحییٰ کو برامکہ سے لیکر قید سخت میں ڈال دیا پھر ارادہ کیا کہ قتل کرا

دے لیکن چونکہ امان نامہ لکھ چکا تھا اس لئے بدنامی کے خیال سے پس و پیش ہوا علماء کو بلاکر ان سے استرداد امان کا فتویٰ طلب کیا۔ قاضی ابو البختری نے کہہ دیا کہ امان منسوخ ہے ۔ چنانچہ ہارون نے ان کو قاضی القضاۃ بنا دیا۔ لیکن امام محمد شاگرد ابو حنیفہ نے فتویٰ نہیں دیا اس لئے ان کی طرف سے اس کے دل میں کدورت بیٹھ گئی۔

برمکیوں نے کوشش کی کہ امام یحییٰ کو چھڑائیں چنانچہ جعفر کی سفارش پر ہارون نے ان کو اسی کے سپرد کر دیا۔ جعفر نے اپنے رسوخ کے بھروسہ پر جو دربار خلافت میں اس کو حاصل تھا ان کو مخفی طور پر چھوڑ دیا فضل بن ربیع نے اپنا ایک خاص جاسوس جعفر کے یہاں لگا رکھا تھا اس کے ذریعہ سے یہ خبر اس کو مل گئی اس نے فوراً پہنچ کر ہارون کو مطلع کیا۔ ہارون نے ظاہر میں بے پرواہی سے اس کو جواب دیا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار ممکن ہے کہ اس نے میری خواہش کے مطابق اس کو چھوڑا ہو لیکن اس کے دل میں اس سے تشویش پیدا ہو گئی ۔ کھانے کے وقت جعفر آیا اور دستر خوان پر ہارون نے اس سے مختلف قسم کی باتیں کیں آخر میں امام یحییٰ کا حال پوچھا اس نے کہا کہ بدستور میرے پاس ہیں ہارون نے کہا کہ قسم تو کھاؤ۔ یہ سن کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور سمجھ گیا کہ میری کاروائی کی اطلاع پہنچ چکی ہے جواب دیا کہ میں نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے ان کو یہاں سے رخصت کر دیا۔ ہارون نے بات ٹالنے کے لئے کہا کہ خوب کیا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا جب جعفر دربار سے رخصت ہوا تو برابر اس کے پیچھے نظر جمائے دیکھتا رہا۔ اور جس وقت وہ نگاہ سے اوجھل ہونے لگا دانت پیس کر آہستہ سے کہا کہ اگر میں نے تجھ کو قتل نہ کیا تو کچھ بھی نہ کیا۔

ہارون کی بیوی زبیدہ بھی جعفر کی سخت دشمن تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مامون کا اتالیق تھا جو زبیدہ کا سوتیلا بیٹا تھا اور اس کی منشاء کے خلاف کوشش کر کے امین کے بعد اس کی ولی عہدی کا فرمان لکھوا دیا تھا۔ بلکہ ہارون کو اس بات پر آمادہ کرتا رہتا کہ امین کو ولی عہدی سے نکال کر مامون ہی کو ولی عہد رکھے ۔ اس وجہ سے زبیدہ بھی ہارون کو اس کی طرف سے بھڑکاتی رہتی تھی۔

علی بن عیسیٰ سابق امیر خراسان بھی برمکیوں کا سخت دشمن تھا اس کو یقین تھا کہ میرے خلاف خراسان میں جو شورشیں اٹھیں وہ سب انہیں لوگوں کے اشارہ سے اٹھیں۔ علی کے علاوہ بھی بعض امراء ان کے دشمن تھے ان سب کی شکایات کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف جعفر بلکہ کل برمکی خاندان کی طرف سے ہارون کے دل میں شک پیدا ہو گیا۔ برمکیوں پر بھی یہ بات ظاہر ہو گئی کہ خلیفہ ان سے بدظن ہے اور حریم خلافت میں ان کے خلاف جذبات بھڑکے ہوئے ہیں کیونکہ یحییٰ وزیر اعظم بھی جب دربار میں آتا تو خدام اس کے سلام کے لئے نہیں کھڑے ہوتے تھے اور اگر پینے کے لئے وہ کبھی پانی مانگتا تھا تو کئی بار پکارنے کے بعد مشکل سے اس کو ملتا تھا۔

آخر محرم ۱۸۷ھ میں ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا اور بجز محمد بن خالد برمکی کے جس کی وفاداری پر اس کو اعتماد تھا کل برمکیوں یحییٰ اور اس کے بیٹے فضل وغیرہ کو دیر قائم میں نظر بند کرا دیا ان کا سارا مال ضبط کر لیا اور جس قدر ان کے اعمال تھے ان کی موقوفی کا فرمان لکھوا دیا۔

عبدالملک

اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عبدالملک بن صالح بن علی بن عبداللہ بن عباس نے جو درجہ نسب کے لحاظ سے سفاح اور منصور کا بھائی ہوتا تھا اپنی خلافت کے لئے سازش شروع کی مگر خود اس کے بیٹے عبدالرحمن اور اس کے غلام قمامہ نے ہارون کو اس کے ارادہ سے مطلع کر دیا۔ اس نے عبدالملک کو گرفتار کر لیا۔ اس معاملہ میں بھی اس کو یقین دلایا گیا کہ یہ برمکیوں کی سازش سے ہوا ہے اس نے یحییٰ برمکی کو طلب کر کے کیفیت پوچھی اور کہا کہ اگر تم عبدالملک کی نیت کے متعلق مجھ کو اصلی حقیقت سے مطلع کر دو گے تو میں تم کو تمہارا منصب پھر دے دونگا اس نے کہا مجھے عبدالملک کی نیت کی خرابی کی مطلق اطلاع نہیں ہے اور اگر ہوتی تو میں آپ کو

پہلے ہی آگاہ کر دیتا۔ کیونکہ میں آپ کی حکومت میں شریک تھا اور اس کا ساتھ کبھی نہ دیتا۔ اس لئے کہ وہ خلافت حاصل کرنے کے بعد معلوم نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ ہارون کو اس کی بات پر یقین نہ آیا اور اس کا یہ شبہ دور نہ ہو سکا کہ برامکہ بھی اس سازش میں شریک تھے۔ چنانچہ اس نے اب تک قید میں جو ان کو ہر طرح کا آرام دے رکھا تھا کہ ان کے نوکر اور خادم سب ان کے پاس تھے اس سے علیحدہ کر کے قید سخت میں ڈال دیا۔ اور بالآخر یہ عظیم الشان خاندان جو اپنی خداداد قابلیت، لیاقت اور جود و کرم کی وجہ سے عہد ہارونی کی مذینت تھا تباہ و برباد ہو گیا۔ 190 ھ میں یحییٰ نے اور ۱۹۳ھ میں فضل نے قید ہی میں وفات پائی۔

بعض مورخین نے جنہوں نے اصلیت پر نظر نہیں ڈالی اس حادثہ کو ایک ناگہانی استبدادی جوش کا نتیجہ قرار دیا ہے اور بعضوں نے دور دراز کار باتیں مثلاً جعفر و عباسیہ کی بالکل جھوٹی داستان تراش کر اس کی توجیہہ کی کوشش کی ہے لیکن اصل حقیقت صرف یہی ہے کہ ہارون کی طبیعت ملکی خطرات میں وہم بلکہ وسواس کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اور فضل بن ربیع فطرتاً مفسد اور فتنہ پرداز تھا۔ آگے معلوم ہو گا کہ اسی شخص کی فتنہ انگیزی سے امین اور مامون میں لڑائی ہوئی۔ اس نے برمکیوں کے بڑھتے ہوئے عروج کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھ کر ان کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا۔ اور ان وزراء کو جن سے خلافت کی عظمت قائم تھی مٹا دیا۔ ہارون نے برامکہ کے بعد وزارت عظمیٰ فضل مذکور کے سپرد کی لیکن اس کے پاس وہ دل و دماغ کہاں تھا۔

احوال خارجیہ

ہارون نے رومی سرحد کا مرکز صرف ایک نقطہ بج قرار دیا۔ ۱۷۳ھ میں عبدالملک بن صالح کو کل سرحدی افواج کا سپہ سالار بنا کر وہاں رہنے کا حکم دیا۔ دلوک، احیان، قورس، انطاکیہ، اور تیزین میں چھاؤنیاں بنوائیں کہ اسلامی فوجیں جب رومیوں سے جنگ کر کے آئیں تو ان مقامات میں رہیں۔ ان کے مابین بڑے بڑے قلعے تعمیر کرائے۔ انہیں کے متصل ہارون کے خادم ابو سلیم ترکی نے شہر طوس آباد کیا۔ جو ہارون کی کوشش سے نہایت آباد مقام ہو گیا۔

صائفہ فوج کا امیر عبدالرحمن بن صالح تھا۔ ۱۷۵ھ میں یہ افریطیہ تک پہنچ گیا تھا۔ ۱۸۱ھ میں ہارون خود صائفہ فوج کو لے کر رومیوں پر حملہ آور ہوا اور حصن صفصات کو فتح کیا۔ عبدالملک بن صالح رومیوں کے تعاقب میں انگورہ تک پہنچا تھا۔ اس نے اپنے فرائض سپہ سالاری کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ ۱۸۷ھ میں نکبت برامکہ کے بعد جب ہارون نے اس کو گرفتار کر لیا تو اس کے بجائے اپنے بیٹے قاسم کو بھیجا۔ قاسم ایک طرف سے خود رومیوں پر بڑھا اور دوسری طرف سے عباس بن جعفر کو بڑھنے کا حکم دیا۔ قلعہ قرہ اور قلعہ سنان پر پہنچ کر ان کا محاصرہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے صلح کر لی اور تین سو بیس مسلمان قیدیوں کو جو ان کے پاس تھے چھوڑ دیا۔

قسطنطنیہ میں اس زمانہ میں ملکہ ایرینی فرماں روا تھی فرانس کا بادشاہ شارلمین جس نے روم کو فتح کر لیا تھا۔ چاہتا تھا کہ مغربی اور مشرقی رومی ممالک کو ملا کر پھر ایک بڑی سلطنت قائم کرے۔ ملکہ مذکورہ نے یہ دیکھ کر کہ وہ شارلمین اور انتقامی فوج دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی خوشامد کر کے ہارون کو صلح پر راضی کیا اور سالانہ جزیہ میں ایک رقم دینا منظور کیا۔

۸۰۲ء میں ملکہ ایرینی کو ارکین سلطنت نے تخت سے اتار کر نقفور کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا۔ اس نے شارلمین سے صلح کر کے اپنی سلطنت کے حدود قائم کرائے پھر ہارون کو لکھا کہ عورت کی کمزور حکومت میں تم نے جو رقم ہماری سلطنت سے وصول کر لی ہے اس کو واپس کرو اور نیز اپنی دست درازی کا جرمانہ بھی دو ورنہ ہم بزور شمشیر لے لیں گے۔ ہارون نے جس وقت اس خط کو پڑھا جوش غضب سے اس کا چہرہ ایسا تمتما اٹھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس طرف نظر اٹھا کر دیکھے۔ کل درباری یہاں تک کہ وزراء بھی اس کے سامنے سے اٹھ کر ادھر ادھر ہٹ گئے پھر اس نے اپنے قلم سے خود نقفور کو لکھا کہ:۔

"اس کا جواب وہ ہے جو تو آنکھوں سے دیکھے گا نہ کہ کانوں سے سنے گا"۔

اس کے بعد اسی روز فوج نے کوچ کیا اور رومی حدود میں پہنچ کر ہرقلعہ کے ارد گرد خیمے ڈالے ۔ کشت و خون سے عاجز آکر رومی مغلوب ہوگئے ۔ اور نقفور نے مجبور ہو کر پھر سالانہ جزیہ پر صلح کرلی لیکن اسلامی فوج وہاں سے واپس ہو کر جب رقہ میں پہنچی تو معلوم ہوا کہ نقفور نے پیمان کو توڑ ڈالا ہے ۔ ہارون کے غصہ کے خیال سے کسی کی یہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس کو اس امر کی اطلاع دے سکے ۔ اس لئے ابو محمد عبداللہ بن یوسف شاعر کو اس کے پاس بھیجا اس نے ایک نظم سنائی جس میں نقفور کی عہد شکنی کا لطیف پیرایہ میں ذکر تھا ۔ ہارون نے پوچھا کہ کیا واقعی اس نے ایسا کیا؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ۔ ہرچند کہ برف باری کا موسم تھا اور شدت کی سردی پڑ رہی تھی ۔ مگر وہ فوجیں لے کر پلٹا اور نقفور کو مغلوب کرکے اس سے جزیہ وصول کیا ۔

فریقین میں اسی طرح جنگ کا سلسلہ برابر جاری رہا ۔ ۱۸۹ھ میں قیدیوں کا تبادلہ ہوا ۔ ۱۹۰ھ میں ہارون نے علاوہ رضاکاروں اور غیر ملازمین مجاہدوں کے ایک لاکھ پینتیس ہزار فوج لے کر رومیوں پر چڑھائی کی ۔ ہرقلعہ کو فتح کیا ۔ وہاں عقبہ بن جعفر کو امیر مقرر کر کے خود آگے بڑھ کر طوانہ میں پہنچا ۔ حمید بن معیوف کو جو سواحل شام کا امیر البحر تھا ۔ قبرص کی طرف بھیجا اس نے وہاں قبضہ کیا ۔ طوانہ میں رومیوں نے شکست کھائی نقفور نے جزیہ پر صلح کی ۔ اور پچاس ہزار دینار بھیجے جس میں خود اپنا جزیہ چار دینار اور اپنے بیٹے ایستراق کا دو دینار شامل کیا تھا اور اپنے دو بڑے بطریقوں کے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ ہرقلہ جو فلاں شخص کی لڑکی میرے بیٹے سے منسوب تھی اسلامی فوج کے مال غنیمت میں آگئی ہے اگر آپ ازراہ عنایت میرے درخواست قبول فرما کر اس کو میرے بیٹے کے لئے دیدیں تو شکر گزاری کا باعث ہوگا ۔

ہارون نے اس لونڈی کو طلب کیا وہ سامنے لائی گئی اس کو آراستہ کرا کے ہر قسم کے عروسانہ ساز و سامان کے ساتھ بطریقوں کے حوالہ کر دیا اور اپنے قاصد کے ہاتھ عطریات اور تحفے بھی بھیجے ۔ نقفور نے قاصد کو پچاس ہزار درہم دیے اور انواع و اقسام کے تحفے ۔ گھوڑے ۔ شکاری کتے اور باز ہارون کے لئے بھیجے ۔ فریقین میں یہ عہد نامہ ہوا کہ مسلمان صملہ اور سنان کے قلعوں کو نہ توڑیں گے اور رومی ہرقلعہ کو نہ آباد کریں گے اور ہر سال تین لاکھ دینار جزیہ دیتے رہیں گے ۔ ہارون چونکہ جنگ و جہاد میں خود شریک ہوتا تھا ۔ علاوہ بریں ہرثمہ بن اعین ، عبداللہ بن مالک ۔ سعید بن مسلم بن قتیبہ اور محمد بن یزید وغیرہ بڑے بڑے شجاع سپہ سالار اس کی فوج میں تھے ۔ اس وجہ سے اسلامی قوت ہمسایہ سلطنتوں کے اوپر بہت غالب تھی ۔

مغربی روم

شارلمین بادشاہ فرانس نے لمبارڈیا پر قبضہ کر کے سیکسن قوم کو جو جرمنی میں رہتی تھی اور بت پرست تھی ۔ عیسائی بنا لیا تھا پھر اس نے المانیہ اور اطالیہ کو بھی فتح کر لیا ۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ مشرقی رومی ممالک کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لاکر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے ۔ اور خلافت اسلامیہ میں وہی دین عیسوی کا علم بردار اور زائرین مقدس کا حامی تسلیم کیا جائے اسی کے ساتھ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یورپ میں بنی امیہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک دے ۔ اس غرض کے لئے اس نے دربار بغداد سے اپنا تعلق پیدا کرنا چاہا اور ہارون کے پاس سفیر بھیجے ۔

بنی عباس چونکہ بنی امیہ کے دشمن تھے اس لئے ہارون نے گرم جوشی کے ساتھ ان سفیروں کا استقبال کیا ۔ اور پھر اپنے سفیر بھی تحفے اور ہدیے دے کر فرانس میں بھیجے ۔ شارلمین نے بھی ان کی تکریم و تعظیم کی اس طرح دونوں سلطنتوں میں دوستانہ مراسم قائم ہوگئے ۔

شارلمین نے اس سے دو فائدے حاصل کئے ۔ ایک تو یہ کہ اس کو ہارون کی دوستی کی وجہ سے اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے اور ان کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں اور مخالفوں کو آزادی کے ساتھ مدد دینے کا موقعہ ہاتھ آگیا دوسرے یہ کہ خلافت اسلامیہ

کے نزدیک اس کا رتبہ شاہ نقفور سے برتر ہو گیا۔

علاوہ بریں اس زمانہ میں یورپ میں رومیوں کے اوپر بربریوں کے تسلط کی وجہ سے علم کا چراغ بجھ چکا تھا اور ہر طرف جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی حالت بغداد اور قرطبہ میں اس کے بالکل برعکس تھی اس لئے شارلمین نے یہ چاہا کہ مسلمانوں کی دوستی سے علمی فائدہ بھی حاصل کرے اور اپنی سلطنت کے قوانین کو دولت بغداد کے اصول پر ترتیب دے۔ اس نے ایک یہودی طبیب کو جس کا نام اسحاق تھا اور جس نے قرطبہ میں تعلیم پائی تھی ہارون کے دربار میں بھیجا وہ چار سال یہاں رہا اس کے بعد واپس گیا ہارون نے اس کے ساتھ اور بھی تین شخص بھیجے اور شارلمین کے لئے تحفہ میں ایک گھڑی ایک ارغنون ایک ہاتھی اور چند قیمتی پارچہ ان کے ساتھ بھیجے۔ فرانس کے شاہی دربار کے بہت سے لوگوں نے گھڑی کو جادو کا کوئی طلسم سمجھا اور بعضوں نے یہ خیال کیا کہ اس میں کوئی جن ہے جو گھنٹی بجاتا ہے چنانچہ انہوں نے چاہا کہ اس توڑ ڈالیں لیکن شارلمین نے ان کو اس سے روکا۔

قرطبہ

بغداد اور قرطبہ کے تعلقات باہمی نہایت برے اور افسوسناک تھے۔ ہارون بنی امیہ کو باغی اور دشمن سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو مٹانے اور فنا کرنے کا خواہشمند تھا۔ شارلمین کے ساتھ اس کے اتحاد اور دوستی کی وجہ بنی امیہ کی عداوت تھی لیکن ان کی طاقت اور شوکت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کسی کے بس کی نہیں تھی۔ شارلمین نے بھی سر ٹپک کر دیکھ لیا اور ان کا کچھ نہ کر سکا۔

صفات ہارون

ہارون نہایت دیندار اور فرائض شرعیہ کا بڑا پابند تھا۔ علاوہ فرائض کے روزانہ سو رکعت نماز پڑھتا تھا اور اپنے خاص مال میں سے ایک ہزار درہم خیرات کرتا تھا۔ بیت المال سے جو عطیے دیتا تھا ان کا کچھ شمار نہیں ہو سکتا تھا۔ خلفاء بنی عباس میں مامون کے سوائے اور کوئی اس قدر فیاض نہیں گزرا۔

حج سے بجز اس کے کہ جہاد میں مصروف ہو کبھی غیر حاضر نہیں رہا اس نے اپنے عہد خلافت میں نو حج کئے اور جب گیا اپنے ساتھ ایک سو علما اور فقہا کو مع ان کے اہل و عیال کے لے گیا جس سال حج میں نہیں جا سکتا تھا اس سال اپنے عوض میں تین سو آدمیوں کو بھیجتا تھا۔

وعظ کا اس کے اوپر بہت اثر ہوتا تھا۔ اور اکثر علماء کے مواعظ سنا کرتا تھا۔ ابن سماک واعظ جب کبھی دربار میں آتے تھے تو ان سے درخواست کر کے وعظ سنتا تھا۔ اس حالت میں اکثر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے بلکہ بعض اوقات روتے روتے غشی تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ ایک بار ابن سماک دربار میں بیٹھے ہوئے تھے ہارون نے پینے کے لئے پانی مانگا جب پیالہ ہاتھ میں لیا تو ابن سماک نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ سچ سچ بتاؤ کہ یہ پانی تم سے روک لیا جائے تو کس قیمت پر اس کو خریدو گے۔ اس نے کہا کہ سارا ملک دیکر۔ پھر جب پی چکا تو ابن سماک نے کہا کہ یہ پانی اگر تمہارے بدن میں رک جائے تو اس کو نکلنے کے لئے کیا خرچ کر سکو گے اس نے کہا کل سلطنت، انہوں نے کہا کہ جس سلطنت کی قیمت ایک جرعہ آب سے بھی کم ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس کے پیچھے ایک قطرہ بھی خون ناحق بہایا جائے یہ سن کر ہارون بہت رویا۔

جہاد فی سبیل اللہ کا اس کو بہت شوق تھا فوجوں کے ساتھ خود جاتا تھا۔ بلکہ اکثر آگے رہتا تھا اس کے اخلاق میں شجاعت کا وصف ممتاز تھا۔ حیا اور مروت بھی اس میں بہت تھی لیکن اس کا جوش غضب بھی بہت سخت تھا اور اس حالت میں کوئی اس کے سامنے جانے کی جراءت نہیں کرتا تھا۔ جب دشمن اس کے قابو میں پڑتا تھا تو جلد سے جلد اس کو سخت سے سخت سزا دیتا تھا۔ اور بہت کم حالتوں میں معاف کرتا تھا اس خاص صفت میں اس کا بیٹا مامون اس سے فوقیت لے گیا کیونکہ اس میں حلم اس سے زیادہ تھا۔

ہارون اپنے دادا منصور کے قدم بہ قدم تھا۔ لیکن جود و بخشش میں اس کا پیرو نہیں تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر بڑے بڑے انعام دیتا تھا۔ خاص کر اپنی مدح شعراء سے نہایت گراں قیمت پر خریدتا تھا۔ راگ کا بھی شائق تھا اس کے زمانہ میں موسیقی کے بازار نے بہت رونق پائی۔ اسحٰق موصلی۔ وغیرہ بڑے بڑے نامور مغنی اس کے دربار میں جمع تھے۔ نبیذ جس کو علماء عراق نے حلال کر دیا تھا پیتا تھا۔

ہارون اپنے ان صفات کی وجہ سے ممتاز اور نامور خلفائے اسلام میں ہے لیکن اس کے اندر یہ عیب بہت بڑا تھا کہ متلون للمزاج اور وہمی تھا اور ہر قسم کی شکایتیں سنتا تھا جس کی وجہ سے فریب کاروں اور خود غرضوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے غمازی کا دروازہ کھول دیا۔ اور بہترین امراء وزراء اور سلطنت کے کار پردازوں کو اپنی سازشوں کا شکار بنایا۔

وفات

رافع بن لیث کی خراسان میں بغاوت کا حال سن کر ۱۹۲ھ میں ہارون نے اپنے بیٹے محمد امین کو بغداد میں اپنا قائم مقام بنایا اور مامون کو اپنے ساتھ لے کر ایک جرار فوج کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ طوس میں پہنچ کر بیمار ہوا اور وہیں ۳ جمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۴ مارچ ۸۰۸ء کو رات کے وقت انتقال کر گیا۔ اس کے بیٹے صالح نے جنازہ کی نماز پڑھائی قبر طوس میں ہے۔ مدت خلافت تئیس سال دو ماہ اٹھارہ روز رہی۔

اولاد

چار بیٹیاں اور بارہ بیٹے چھوڑے بیٹوں کی تفصیل یہ ہے محمد امین زبیدہ کے بطن سے علی امتہ العزیز کے شکم سے جو موسیٰ ہادی کی ام ولد تھی اور عبداللہ المامون قاسم موتمن، محمد معتصم، صالح۔ محمد ابو عیسیٰ، محمد ابو لیعقوب، محمد ابوالعباس، محمد ابو سلیمان، محمد ابو علی، محمد ابو احمد مختلف امہات الولد سے۔

(۶) امین

محمد امین ابن ہارون الرشید اس کی والدہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور تھی ۔ امین باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہاشمی ہے اور یہ وہ خاندانی خصوصیت ہے کہ سوائے حضرت علی اور امام حسن رضی اللہ عنہم کے اور کسی خلیفہ کو حاصل نہیں ہوئی ۔ اس کی ولادت ۱۷۰ھ میں ہوئی تھی ۔ ہارون نے ۱۷۵ھ میں اس کی ولایت عہد کا فرمان لکھا ۔ ۱۹۲ھ میں جب وہ خراسان کی طرف گیا تو اس کو بغداد میں اپنا قائم مقام کر گیا ۔ طوس میں پہنچ کر اس نے وفات پائی وہیں امرائے فوج نے امین کی خلافت کی بیعت لی ۔ جب بغداد میں خبر آئی تو یہاں بیعت عام لی گئی ۔

احوال داخلیہ

ہارون نے اپنے تینوں بیٹوں محمد امین ، عبداللہ المامون اور قاسم موتمن کو یکے بعد دیگرے ولیعہد بنایا تھا ۔ اور کل سلطنت کو ان تینوں میں تقسیم کر دیا تھا ۔ طوس میں جب وہ بستر مرگ پر تھا اور مامون اس سے آگے بڑھ کر مرو میں پہنچ چکا تھا اس نے پھر امراء فوج اور وزراء بالخصوص وزیر اعظم ، فضل بن ربیع کو بلا کر فرمان ولی عہدی کی تجدید کی اور سب سے اس بات پر عہد لیا کہ یہ فوج مامون کی ہے اس کو معہ جملہ سازو سامان کے اسی کے پاس مرو میں پہنچنا چاہیے ۔ لیکن مامون چونکہ جعفر برمکی کا تربیت کردہ اور اسی کی کوشش سے ولیعہد ہوا تھا اس لئے اس کی طبیعت میں فضل بن ربیع کی طرف سے جس نے برمکی خاندان کو تباہ کر دیا تھا کدورت تھی ہارون جب انتقال کر گیا تو فضل نے جو امین کے طرفداروں میں سے تھا امراء فوج کو جمع کر کے کہا کہ ہم مامون کے پاس جا کر کیا کریں گے ہم کو خلیفہ امین کے پاس چلنا چاہیے وہ جیسا حکم دیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے ۔ اہل فوج کو وطن اور گھر کے اشتیاق کی وجہ سے یہ رائے پسند آئی ہارون کی وصیت اور اس کے عہد کو پس پشت ڈالا اور بغداد کی جانب کوچ کیا۔

مامون کو مرو میں جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے امراء سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں ہم کو کیا کرنا چاہیے ۔ اکثر لوگوں نے یہ رائے دی کہ آپ خود دو ہزار سواروں کو لے کر جائیے اور اس فوج کو واپس لائیے ۔ لیکن فضل بن سہل نے جو اس کے دربار میں سب سے زیادہ قدر اور مرتبہ رکھتا تھا ۔ کہا کہ یہ رائے درست نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ آپ کسی معتبر اور زبان آور شخص کو خط دے کر بھیجیں جو ان کو خلیفہ سابق کا عہد یاد دلا کر سمجھائے اور واپس لائے ۔ مامون نے خط اور قاصد بھیجا وہ نیشاپور میں اس فوج سے آکر ملا لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور فضل بن ربیع سب کو ساتھ لئے ہوئے بغداد چلا گیا ۔ مامون اپنی اس قوت کے نکل جانے اور فضل کی اس مخالفت کی وجہ سے بہت مایوس اور غمگین ہوا لیکن فضل بن سہل نے اس کی ہمت کو قوی کیا اور کہا کہ ہم یہاں سب سامان کر لیں گے ۔ مامون نے تمام کاروبار اسی سے متعلق کر دیا ۔ ابن سہل کے مشورہ سے مامون نے سب سے پہلے مرو کے فقہا اور قضاۃ کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ انصاف کے ساتھ بلا رو رعایت رعایا کے معاملات اور مقدمات کو طے کیا کریں ۔ ان میں بیٹھیں ۔ سب کے حق کا خیال رکھیں اور احیائے سنت کریں ۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ جمہور پر اثر پڑے اور ان کی ہمدردی حاصل ہو جائے ۔

مامون نے شاہی فوج کے چلے جانے پر بھی امین کے پاس سلسلہ وار خطوط اور ہدیے بھیجنے شروع کئے اور کسی قسم کے غم و غصہ کا اظہار نہیں کیا، تاکہ اس کے دل میں مخالفت کا شک پیدا نہ ہو۔ امین بھی اس سے خوش تھا

فضل بن ربیع کو اپنی اس کاروائی کی وجہ سے خطرہ ہو گیا تھا کہ اگر خلافت کسی دن مامون کے ہاتھ میں آ گئی تو میرا کہیں ٹھکانہ نہ رہے گا اس لئے اس نے یہ کوشش شروع کی کہ امین مامون اور موتمن دونوں کو ولیعہدی سے نکال کر اپنے بیٹے موسیٰ کو ولیعہد کر دے۔ ہرچند امین کی یہ مرضی نہیں تھی اور وہ چاہتا تھا کہ باپ کے عہد کو پورا کرے لیکن فضل اور اس کی جماعت کی کوشش سے جس میں زبیدہ بھی شریک تھی وہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ پہلے اس نے موتمن کو اس ولایت سے معزول کر کے جس پر اس کو ہارون مقرر کر گیا تھا بغداد میں بلایا پھر خراسان میں مامون کے پاس عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ کو ایک وفد کے ساتھ بھیجا کہ وہ ولیعہدی میں موسیٰ بن امین کی تقدیم پر راضی ہو جائے مامون نے انکار کیا اور عباس مذکور کو امیدیں دلا کر اپنا طرفدار بنا لیا۔ چنانچہ بغداد میں آنے کے بعد وہ یہاں کی کل خبریں مامون کو مخفی طور پر بھیجا کرتا تھا اور اس کو مشورے بھی دیتا تھا۔

امین نے مامون کے انکار کے باوجود اپنے بیٹے موسیٰ کو ولیعہد بنا دیا اور تمام صوبوں میں فرمان بھیجدیا کہ منبروں پر خلیفہ کے نام کے بعد اسی کا نام لیا جایا کرے۔ اور مامون اور موتمن کے نام خطبوں سے خارج کر دیے جائیں۔ حج کے موسم میں ایک امیر کو مکہ بھیج کر اہل حرم سے موسیٰ کی ولیعہدی کی بیعت لی۔ اور وہ عہد نامے جو ہارون نے لکھوا کر خانہ کعبہ میں رکھے تھے منگا کر چاک کر دیے مامون کو جب یہ خبریں ملیں تو اس نے مقابلہ کی تیاری شروع کی اور خراساں کے ان تمام راستوں پر جو مغرب سے آتے تھے ناکہ بندی کے لئے محافظ متعین کر دیے جو کسی مسافر یا تاجر کو بلا تفتیش گذرنے نہیں دیتے تھے تاکہ یہاں کی کسی قسم کی خبر وار الخلافہ نہ پہنچے۔ اور نہ وہاں کے امراء کی کوئی سازش یہاں پھیل سکے۔ چنانچہ فضل بن ربیع نے جتنے خطوط اور قاصد خراسان روانہ کئے سب واپس آ گئے اور اس کی کسی قسم کی کاروائی مامون کے خلاف وہاں نہیں چل سکی۔ مامون نے ایک لشکر گراں اپنے غلام طاہر بن حسین کی قیادت میں مرو سے رے کی طرف روانہ کیا اس نے وہاں پہنچ کر ہر طرف طلائے اور جاسوس بھیجے

بغداد میں فضل بن ربیع نے مامون کے مقابلہ کے لئے چالیس ہزار فوج تیار کی علی بن عیسیٰ ماہان کو جبل، نہاوند، ہمدان، قم اور اصفہان کی ولایت کا فرمان دے کر اس لشکر کا سپہ سالار بنایا۔ اور وسط جمادی الثانی ۱۹۵ھ میں اس کو روانہ کیا۔ زبیدہ خاتون کے مشورے سے چاندی کی ایک زنجیر بھی اس کو دی کہ اس میں مقید کر مامون کو لانا۔

علی بن عیسیٰ پہلے خراسان کا امیر رہ چکا تھا اور اس کے مظالم کی داستانیں وہاں مشہور تھیں۔ اہل خراسان نے جو طاہر کے ساتھ تھے جب یہ سنا کہ وہ اپنی ولایت کا فرمان لے کر ہم سے لڑنے کے لئے آ رہا ہے تو اس کی آتش حمیت بھڑک اٹھی۔ نہایت جوش کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ مامون جیسے عادل امیر کے ہوتے ہوئے ہم اس ظالم کو کبھی یہاں آنے نہیں دیں گے۔ مغرور علی بن عیسیٰ نے جب یہ سنا کہ مامون کی فوجوں کو طاہر نے کر آیا ہے تو بہت ہنسا اور کہا کہ طاہر کو کیا خبر کہ جنگ کیا چیز ہے غلام اور لشکر کشی دیکھنا جب ہمدان سے آگے بڑھیں گے وہ ہمارے آنے کی خبر سن کر اس طرح بھاگ جائے گا جس طرح لومڑی شیر سے بھاگتی ہے اور اگر وہ گیا تو پہلی تلوار اسی پر پڑے گی۔ جب رے کے متصل پہنچ گیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ اب ہم دشمن کے قریب ہیں بہتر یہ ہے کہ طلائے ادھر ادھر بھیجے جائیں۔ جاسوس متعین کر دیے جائیں اور کوئی مقام تلاش کریں جو فوج کے قیام کے لئے موزوں ہو اس کے ارد گرد خندق کھود کر اس کو محفوظ بنالیں۔ تاکہ فوج اطمینان کے ساتھ اس میں ٹھہر سکے۔

علی بن عیسیٰ نے کہا یہ سب سامان سپہ سالاروں کے مقابلہ میں کئے جاتے ہیں۔ طاہر کے لئے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے وہ خوف سے یا تو بھاگ جائے گا یا قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے گا۔ پھر ہم ایسا سخت محاصرہ کریں گے کہ خود وہیں کے لوگ اس کا کام تمام کر دیں گے۔ ہم کو تکلیف کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔

یحییٰ بن علی کی فوج نے کہا کہ دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے ۔ اگر جنگی اصول پر فوج کی حفاظت کا سامان نہ کیا گیا تو پھر شب خون کا ڈر ہے ۔ بیشتر ایک چنگاری سے شعلے بھڑکتے ہیں اور ایک رخنہ سے سیلاب آجاتا ہے طاہر کو اگر بھاگنا ہوتا تو اب تک وہ یہاں نہ پڑا نہ رہتا ۔

علی نے کہا کہ طاہر جیسے لوگ ہمارا کیا کر سکتے ہیں ایسے غلاموں سے ہم نہیں ڈرتے ۔ ادھر طاہر امرائے فوج کے متفقہ مشورہ سے اپنا لشکر لے کر رے سے نکلا اور پانچ میل کے فاصلہ پر قیام کیا وہاں اس نے اس کو مرتب کیا ایک ایک دستہ کے سازوسامان کو دیکھا اور سب کو ٹھیک کیا ۔

فریقین کا جب مقابلہ ہوا تو پہلے طاہر کے میمنہ نے شکست کھائی اس نے اس کو قلب کی طرف ہٹا لیا ۔ پھر میسرہ کے قدم بھی اکھڑنے لگے یہ دیکھ کر اس نے بغدادیوں کے قلب پر بے جگری کے ساتھ حملہ کیا اور توڑ دیا ۔ جتنے علم تھے سب چھین لیے ۔ علی بن عیسیٰ تیر کے زخم سے ہلاک ہوا اور اس کی فوج شکست کھا گئی ۔ طاہر نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص اپنے ہتھیار رکھ دے اسکو امان ہے بغدادیوں نے ہتھیار رکھ دیے اور گھوڑوں سے اتر پڑے طاہر رے میں آگیا اور مرو میں فتحنامہ بھیجا کہ ۔

" بغدادی فوج میری ماتحتی میں ہے اور علی بن عیسیٰ کا سر میرے سامنے ہے " ۔ یہ خط جس وقت فضل بن سہل کو ملا اسی وقت پہنچ کر اس نے مامون کو خوشخبری دی اور خلافت کا سلام کیا پھر طاہر کی مدد کے لئے اور فوجیں روانہ کیں ۔

بغداد میں خلاف توقع جب اس شکست کی اطلاع پہنچی تو دربار میں اضطراب پیدا ہو گیا ۔ فضل بن ربیع نے بیس ہزار فوج عبدالرحمن بن جبلہ انباری کی ماتحتی میں طاہر کے مقابلہ کے لئے بھیجی ۔ ہمدان کے متصل معرکہ پیش آیا ۔ عبدالرحمن شکست کھا کر قلعہ گیر ہو گیا ۔ جب فوج کی حالت کچھ ٹھیک ہو گئی تو پھر نکل کر میدان میں آیا لیکن دوبارہ شکست کھائی مجبوراً طاہر سے امان مانگی جو اس نے منظور کر لی ۔ اب فضل بن ربیع خوف زدہ ہو گیا ۔ لیکن پھر کوشش کر کے اس نے بیس ہزار سپاہی احمد بن مزید کی سرکردگی میں بھیجے اس کے بعد بیس ہزار اور عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کی ماتحتی میں اس کی کمک کے لئے روانہ کئے یہ دونوں فوجیں حلوان کے متصل خانقین میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے خیمہ زن ہوئیں ۔ طاہر کے جاسوس بھی ان میں جا کر مل گئے اور کچھ اس طرح کی تدبیریں کیں جن کی وجہ سے یہ دونوں فوجیں خود آپس میں لڑیں اور طاہر کا مقابلہ کئے بغیر بغداد کو واپس چلی گئیں ۔

مامون نے طاہر کی جگہ پر حلوان میں ہرثمہ بن اعین کو متعین کیا اور طاہر کو لکھا کہ تم اپنی فوجیں لئے ہوئے اہواز کو طرف چلے جاؤ تاکہ بغداد پر دونوں طرف سے حملہ ہو سکے ۔ اس حکم کے مطابق طاہر اہواز کی طرف بڑھا وہاں کے عامل محمد بن یزید مہلبی نے نکل کر صف آرائی کی لیکن ہزیمت اٹھا کر بھاگا ۔ طاہر نے وہاں قبضہ کیا اور فارس سے لے کر یمامہ اور بحرین تک اپنے عمال مقرر کئے ۔ طاہر کی طاقت اور شوکت اس قدر بڑھ گئی تھی اور فتوحات کی وجہ سے اس کا نام ایسا ہیبت ناک ہو گیا تھا کہ جس طرف سے وہ رخ کرتا تھا امراء اور عمال خلافت اس کا نام سنتے ہی اس جگہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے ۔ چنانچہ جب وہ اہواز سے واسط کی طرف روانہ ہوا تو وہاں کے امیر نے بھاگنے کی تیاری کی کسی نے کہا کہ آپ کو بھاگنا نہیں چاہیے ۔ اس نے کہا کہ جانتے ہو کون آرہا ہے! طاہر! اس سے بھاگنے میں کوئی عار نہیں ہے ۔ طاہر نے واسط سے ایک دستہ فوج کوفہ کی طرف بھیجا وہاں کے امیر عباس بن موسیٰ ہادی نے امین کی بیعت کو فسخ کر کے مامون کی خلافت کو تسلیم کر لیا ۔ نیز منصور بن مہدی اور امیر بصرہ نے بھی یہی کیا ۔ یہ سب واقعات ۱۹۶ھ میں ہوئے ۔

امین کی طرف سے حجاز کا عامل داؤد بن عیسیٰ تھا جب امین نے وہاں سے مامون اور موتمن کے ولیعہدی کے فرمان کو منگا کر پھاڑ ڈالا داؤد نے ۲۷ رجب ۱۹۶ھ میں اہل قریش ، علما فقہا اور حجاب کعبہ کو جمع کر کے کہا کہ ہارون الرشید نے عہد ولایت کو اس مقدس گھر میں بطور امانت کے حفاظت کے لئے رکھا تھا اور اس پر ہم لوگوں کو گواہ بنایا تھا اور عہد لیا تھا کہ اگر اس کی خلاف ورزی ہو تو تم لوگ مظلوم کا ساتھ دینا ۔ لہذا امین نے چونکہ ظلم کیا اور عہد شکنی کی اس لئے ہم لوگوں کو مامون کا ساتھ دینا چاہیے ۔ حاضرین

نے اس کے ساتھ اتفاق کیا اور امین کو خلافت سے معزول کر کے مامون کی خلافت پر بیعت کی ۔ اہل مدینہ نے بھی یہی کیا اس کے بعد داؤد حجاز سے مرو میں جا کر مامون سے ملا اور اس کو یہ کیفیت سنائی اس نے ان متبرک مقامات کی بیعت کو اپنے لئے فال نیک سمجھا اور خوش ہوا ۔ داؤد کو بہ دستور وہاں کی امارت کا فرمان دے کر رخصت کیا اور اہل حرمین کے نام خط لکھا کر دیا ۔ جس میں ان کو بہت کچھ بہتری کی امید دلائی راستہ میں داؤد طاہر سے بھی ملا ۔ اس نے یزید بن جریر قسری کو یمن کا امیر مقرر کر اس کے ساتھ کر دیا ۔ وہ جس وقت یمن میں پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے بھی مامون کی خلافت پر بیعت کر لی ۔

بغداد میں اس اثناء میں یہ واقعہ ہوا کہ امین نے عبدالملک بن صالح کو جس کو ہارون قید میں چھوڑ گیا تھا ۔ رہا کیا اور اس سے یہ خواہش کی کہ وہ جن فوجوں کا سپہ سالار تھا ان کو لے کر میری امداد کرے اس کے پاس جس وقت فوجوں کا اجتماع ہوا اس وقت شامیوں اور ان خراسانیوں میں جو اس میں شامل تھے قومی عصبیت پر جھگڑا ہو گیا اس وجہ سے اہل شام اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنے ملک کی طرف چلے گئے ۔ عجمی فوج کا سرغنہ حسین بن علی بن عیسیٰ تھا ۔ وہ ان کو لے کر بغداد میں آیا اور ۱۱ رجب ۱۹۶ھ کو وہاں امین کی معزولی اور مامون کی خلافت کا اعلان کر کے قصر خلافت میں جا کر اس کو گرفتار کر لیا ۔ محمد بن ابی خالد نے اہل بغداد سے کہا کہ حسین کہاں سے ہمارا امیر ہو گیا اور اس کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ خلیفہ کو معزول کر دے چنانچہ رؤسا اور امراء اور خاص کر اسد عربی نے امین کو قید سے چھڑا کر پھر تخت پر بٹھلا دیا اور حسین کو گرفتار کر کے اس کے سامنے لے گئے خلیفہ نے اس کو ملامت کی اور کہا کہ میں نے تمہارے باپ اور خود تمہارے اوپر جو احسانات کئے ہیں کیا ان کا بدلہ یہی تھا ۔ اس کے بعد اس کے قصور کو معاف کر دیا لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا کیونکہ حسین نے پھر بغداد سے بھاگنے کی کوشش کی لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا ۔

ادھر تو یہ طور طریں تھیں اور ادھر مامون کی فوج نہایت مطمئن اور سازو سامان سے درست تھی ۔ طاہر اور ہرثمہ دونوں نے پوری تیاری کر کے دونوں سمت سے آکر بغداد کا محاصرہ کر لیا ۔ طاہر خود باب انبار کے سامنے بستان میں اترا ہرثمہ کو نہر بین پر متعین کیا عبداللہ بن وضاح کو شماسیہ کی طرف اور مسیب بن زہیر کو قصر کلواذی کی جانب ہر سمت سے منجنیق اور قلعہ شکن آلات نصب کرائے اور شہر پر پتھر برسانے شروع کئے جس سے بیشتر عمارتیں خراب ہو گئیں ۔ اور اہل شہر شدت محاصرہ سے تنگ آ گئے ۔ امین کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اس نے اپنے آرائشی سازو سامان سونے چاندی کے برتن یہاں تک کہ تمام جواہر اور زیورات بیچ کر فوج کے مصارف میں لگا دیے ۔ اپنی امداد کے لئے شہر کے اوباشوں کو جمع کیا اور قید خانوں سے قیدیوں کو نکالا لیکن ان سے بغداد والوں پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ محاصرہ کی مصیبت سے کہیں زائد تھی ۔ کیونکہ ان لوگوں نے قوت پا کر علانیہ لوٹ مار اور غارت گری شروع کر دی ۔

امین نے مجبور ہو کر ہرثمہ سے اپنی جان کی امان طلب کی اس نے منظور کر لیا لیکن طاہر کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے امان مسترد کر دی امین نے اپنے درباریوں کے مشورہ سے یہ کوشش شروع کہ مخفی طور پر ہرثمہ کے پاس پہنچکر اس کی حمایت میں آ جائے ۔ ہرثمہ بھی اس پر راضی تھا ۔ چنانچہ وہ اس کے لینے کے لئے قصر خلافت کے قریب کشتی میں بیٹھ کر رات کو گیا لیکن طاہر اس سازش سے غافل نہیں تھا اس نے بھی اپنے آدمی وہاں بھیج دیے امین جس وقت قصر سے نکل کر کشتی میں سوار ہوا ان لوگوں نے اس پر تیر برسائے اور پتھر پھینکے یہاں تک کہ وہ کشتی ڈوب گئی ۔ ہرثمہ کو اس کے ساتھیوں نے نکالا امین پانی میں تیرنے لگا اس کو طاہر کے سپاہیوں نے پکڑ لیا اور اس کے حکم سے قتل کر دیا یہ واقعہ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ میں ہوا ۔

طاہر نے مامون کو فتحنامہ لکھا اور بغداد کی پوری کیفیت سے اس کو مطلع کیا نیز وہ وجوہات بھی لکھے جن کی بنا پر امین کا قتل ناگزیر تھا ۔ جمعہ کے دن طاہر بغداد میں داخل ہوا ۔ نماز پڑھائی خطبہ میں اہل بغداد کو امان عام دی اور اطمینان دلایا پھر تاکید کی کہ وہ فتنہ اور فساد سے باز رہیں اور سرکشی نہ کریں ۔ اس طرح پر اس عظیم الشان فتنہ کے پہلے حصہ کا خاتمہ ہوا جس میں بلا کسی فائدہ کے

امت کے بہت سے افراد غارت اور برباد ہوگئے ۔ اس تفرق اور خونریزی کی ذمہ داری سب سے پہلے ہارون الرشید پر اور پھر اس کے بعد وزیر فضل بن ربیع کی گردن پر ہے ۔

ہارون نے پہلی غلطی یہ کہ اپنے بعد امین کو ولیعہد بنایا جو عقل، علم، نیز سن میں بھی مامون سے کم تھا ۔ مامون کے مقابلہ میں اس میں کوئی خصوصیت بجز اس کے نہیں تھی کہ وہ زبیدہ کے شکم سے تھا جو ملکہ تھی اور یہ اگر ترجیح کا سبب ہو سکتا ہے تو صرف نادانوں اور خواہش پرستوں کے نزدیک نہ کہ عقلا کی نظر میں ۔ پھر جب اس کو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا تو اس نے اس کا تدارک یہ کیا کہ امین کے بعد مامون کو بھی ولیعہد کر دیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو ہر قسم کے امتیازات عطا کر کے رے اور خراسان کا مستقل فرماں روا بنا دیا اور یہ نہیں خیال کیا کہ جس قدر امتیازات زیادہ ہوں گے اسی قدر مشکلات اور اسباب فساد میں زیادتی ہوگی ۔ امین اور مامون میں باہم منافقت قائم تھی اور ہر ایک کے پاس ایک ہم خیال جماعت اور ایک فوجی قوت بھی تھی ۔ مبصرین ہارون کی زندگی ہی میں اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس کی موت کے بعد ان دونوں بھائیوں میں صفائی نہیں رہ سکتی ۔

ہارون سے تیسری غلطی یہ ہوئی کہ اس نے اپنے تیسرے بیٹے موتمن کو بھی مامون کے بعد ولیعہد بنایا اور اس کو جزیرہ وآرمینیہ میں وہی سارے امتیازات عطا کئے جو مامون کو خراسان میں بخشے تھے ۔ خلیفہ ہو جانے کے بعد امین کو جس امر نے سب سے زیادہ نقض عہد پر آمادہ کیا وہ یہی تھا کہ اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بازو کٹے ہوئے ہیں اور اسلامی ممالک کے دو عظیم الشان حصوں میں جو سب سے بڑے فوجی مرکز ہیں اس کا کوئی اقتدار نہیں ۔

چوتھی غلطی ہارون کی یہ ہے کہ اس نے اپنے وزیر فضل بن ربیع کو مطلق نہیں پہچانا اور اس کی باتوں پر اعتماد کیا ۔ حالانکہ یہ شخص غماز، حاسد اور فتنہ پرداز تھا ۔ اسی کی سازشوں سے برامکہ برباد ہوئے اور خلافت ان کی مدبرانہ خدمات سے محروم ہوئی ۔ پھر امین کے زمانہ میں بھی یہ اپنی عادت سے باز نہ آیا اور اس کو عہد شکنی پر آمادہ کر کے مامون اور موتمن کو ولیعہدی سے معزول کرایا اور جب فتنہ بڑھ گیا اور بغداد کا محاصرہ ہوا تو آخری وقت میں اس کی کچھ بھی مدد نہ کی اور روپوش ہوگیا ۔ ان سب وجوہات کے علاوہ خلفائے عباسیہ کی روایات بھی عہد شکنی میں بے اثر نہ تھیں ۔ ان میں سے جو شخص بھی خلیفہ ہوگیا اس نے اپنے بھائیوں کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاہا ۔ خود ہارون کو یہ تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ ہادی اس کو محروم کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا ۔ حالانکہ ہارون کو کچھ خاص امتیازات بھی حاصل نہ تھے ایسی حالت میں پختہ سے پختہ عہد کر کے اس کو خانہ کعبہ میں امانت رکھ کے اور اہل حرم اور اللہ اور رسول کو گواہ کر کے بھی اس کو مطمئن نہیں ہونا چاہئے تھا اور گزشتہ واقعات سے عبرت پکڑنی چاہئے تھی ۔

صفات امین

امین جس وقت خلیفہ ہوا اپنے عیش کے سامان میں مصروف ہوگیا، لہو و لعب، غناء اور نبیذ بھی اس کی دلچسپی کی چیزیں تھیں اطراف ملک سے اسی قماش کے لوگوں کو جمع کر کے اپنے ہمنشینوں میں شامل کیا اور ان کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں ۔ خزانہ کے جواہر لونڈیوں اور خواجہ سراؤں میں تقسیم کر دیے اور اپنے لئے نئے نئے قصور اور محلات تعمیر کرائے جابجا سے طرح طرح کے جانور اور پرندے منگائے ہاتھی، گھوڑے، عقاب اور سانپ کی صورت کی پانچ کشتیاں بنوائیں کہ ان کے اوپر سوار ہو کر دجلہ میں تفریح کرے ۔

ان مشاغل میں خلافت کا کام بالکل چھوڑ دیا دربار میں آنا بھی بند کر دیا ۔ پھر فضل بن ربیع وغیرہ کے اغوا سے عہد دولت کو خانہ کعبہ سے منگوا کر چاک کر ڈالا اور اپنے بیٹے موسیٰ کو ولیعہد بنایا ۔ عہد اور کعبہ کی اس بے حرمتی کو دیکھ کر جمہور اس سے برگشتہ ہوگئے اور اکثروں نے مامون کا ساتھ دیا ۔ امین اور نیز فضل بن ربیع نے اپنے آپ کو ان دشوار گزار راستوں میں ڈال دینے کے بعد بھی

دانشمندی اور دور اندیشی سے کام نہیں لیا اور مامون کے مقابلہ کے لئے علی بن عیسیٰ کو بھیجا جس کے ظلم کی وجہ سے اہل خراسان پہلے ہی سے اس کے دشمن تھے چنانچہ انہوں نے نہایت جوش کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس پر غالب آئے۔ پھر محاصرہ بغداد کے زمانہ میں قیدیوں اور اوباشوں سے مدد لے کر اپنی نادانی کا پورا ثبوت دیدیا۔ اس شورش اور خلفشار کے زمانہ میں بھی امین برابر لہو و لعب میں مشغول رہا۔ بخلاف اس کے مرو میں مامون کی محفل میں علماء اور فقہا اور ارباب عقل کا مجمع رہتا تھا اور وہ ان سے ہر قسم کے سیاسی اور علمی امور میں گفتگو کرتا تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ جمہور اس کے اسی قدر گرویدہ ہو گئے جس قدر کہ امین سے متنفر تھے۔ حالانکہ امین اس خصوصیت میں تمام خلفاء عباسیہ میں ممتاز تھا کہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہاشمی تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مقبولیت کا دارومدار انسان کے عمل پر ہے نہ کہ نسب پر۔

امین کی مدت خلافت تین سال آٹھ مہینے رہی۔

(۷) مامون

عبداللہ المامون بن ہارون الرشید اس کی والدہ جس کا نام مراجل تھا ۔ ام ولد تھی ۔ مامون کی ولادت ۱۷۰ھ میں اسی دن ہوئی جس دن ہارون خلیفہ ہوا جب اس کا سن تیرہ سال ہوا تو اس نے امین کے بعد اس کی ولیعہدی کا فرمان لکھا اور خراسان کا اس کو مستقل امیر بنا دیا ۔ جعفر بن یحیٰ برمکی اس کا اتالیق اور کارپرداز تھا ۔ ہارون کی وفات کے بعد امین نے خلیفہ ہو کر اپنے بیٹے موسیٰ کو اس کے اوپر ولیعہدی میں مقدم کرنا چاہا ۔ مامون نے اس کی مخالفت کی جس کی وجہ سے دونوں بھائیوں میں وہ خونریز لڑائیاں پیش آئیں جن کی مفصل کیفیت ہم امین کے حال میں لکھ چکے ہیں ۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ مطابق ۵ ستمبر ۸۱۳ء کو امین بغداد میں مقتول ہوا ۔ اور مامون کی خلافت کی بیعت ہوئی ۔ مامون مرو میں تھا ۔ اس کا وزیر فضل بن سہل جو مجمی نژاد تھا بوجہ اپنے اس کارنامے کے اس کے اوپر حاوی ہو گیا اور یہ چاہا کہ بجائے بغداد کے مرو کو دارالخلافہ بنا کر مامون کو وہیں اپنے قبضہ میں رکھے اور امور خلافت اپنے ہاتھ سے نکلنے نہ دے لیکن طاہر اور ہرثمہ جیسے زبردست سپہ سالاروں کے عراق میں موجود ہوتے ہوئے جو مامون کے حقیقی خیر خواہ تھے ۔ فضل کی یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی تھی اس لئے مامون کی طرف سے دو فرمان بھیجے پہلا فرمان طاہر کے نام تھا کہ تم کو موصل اور جزیرہ کی ولایت دی جاتی ہے ۔ تم رقہ میں پہنچ کر نصر بن شبث کا مقابلہ کرو ۔ اور ان ممالک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لو طاہر کو اس حکم کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اس لئے وہ بغداد کو چھوڑ کر رقہ کی طرف چلا گیا اس کی بجائے فضل بن سہل نے اپنے حقیقی بھائی حسن بن سہل کو جبال ، فارس ، اہواز بصرہ ، کوفہ ، حجاز اور یمن کا والی عام مقرر کر کے بھیج دیا ۔

دوسرا فرمان ہرثمہ کے نام تھا کہ تم خراسان میں آؤ وہ حسب الحکم بغداد کو چھوڑ کر مشرق کی طرف روانہ ہو گیا ۔

شورش عراق

اہل عراق ہمیشہ سے قوت کے غلام رہے ہیں امین اور مامون کی باہمی کشمکش میں وہاں جو خلفشار پیدا ہو گیا اس کے بعد یہ ضروری تھا کہ طاہر اور ہرثمہ کچھ دنوں کے لئے وہاں رہتے تاکہ سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا لیکن دفعتاً ان دونوں کی روانگی سے پھر وہاں اضطراب پیدا ہو گیا ۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ عام طور پر یہ بات مشہور ہو گئی کہ فضل نے خلیفہ کو قبضہ میں کر لیا ہے اس کو کسی سے یہاں تک کہ شاہی خاندان کے لوگوں سے بھی ملنے نہیں دیتا اور امور خلافت کو اپنی خواہش کے مطابق خود طے کرتا ہے اس بنیاد پر اعیان بنی عباس اور رؤسا عراق فضل کے دشمن ہو گئے اور انہوں نے اس کے بھائی حسن بن سہل کی بھی جو وہاں کا امیر ہو کر گیا تھا مخالفت کی ۔

علویہ

حضرت علیؓ کی اولاد اس موقع کو دیکھ کر جابجا شورش پر آمادہ ہو گئی ۔ پہلا فتنہ یہ اٹھا کہ کوفہ میں محمد بن ابراہیم بن الحسن بن

الحسن بن علی بن ابی طالب نے جو ابن طباطبا کے نام سے مشہور تھے ایک جماعت کے ساتھ اپنی امامت کا اعلان کیا۔ ان کی حمایت کے لئے ایک نامور شخص ابوالسرایا بن منصور شیبانی جو ہرثمہ بن اعین کے ساتھیوں میں سے تھا کھڑا ہو گیا۔ محمد نے کوفہ کے عامل سلیمان بن ابی جعفر المنصور کو نکال کر وہاں تسلط جمایا۔ حسن بن سہل نے زہیر بن مسیب کے ساتھ دس ہزار فوج بھیجی ابوالسرایا نے اس کو شکست دیدی اور اس کا سارا اسلحہ و سامان لوٹ لیا۔

اس فتح کے دوسرے دن یکم رجب ۱۹۹ھ کو ابن طباطبا اچانک انتقال کر گئے ابو السرایا نے ان کی جگہ پر محمد بن محمد بن زید بن علی بن حسین کو جو نہایت کم سن تھے امام بنالیا اور سارے کام خود کرنے لگا۔ حسن بن سہل نے عبدوس بن محمد بن خالد مرورودی کی ماتحتی میں پھر چار ہزار فوج بھیجی ۱۷ رجب کو ابوالسرایا سے مقابلہ ہوا اس نے ان میں سے ایک آدمی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ اب اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اور علوی جابجا پھیل گئے اور انہوں نے غلبہ حاصل کر لیا۔ حسن بن سہل نے جب یہ دیکھا کہ اس کے جو سردار فوج لے کر جاتے ہیں وہ شکست کھا جاتے ہیں تو اس نے مجبوراً ہرثمہ کے پاس جو خراسان کی طرف روانہ ہو چکا تھا قاصد بھیجا کہ واپس آؤ بلا تمہارے یہ مہم سر نہیں ہو سکتی وہ چونکہ فضل اور حسن دونوں بھائیوں سے رنجیدہ تھا اور مامون کو اس حقیقت سے مطلع کرنے کے لئے جا رہا تھا کہ انہیں دونوں کا امور خلافت پر غلبہ ان شورشوں کا اصلی باعث ہے اس لئے واپسی سے انکار کر دیا۔ حسن نے دوبارہ قاصد بھیجا اور نہایت منت و سماجت کی کہ جس طرح ہو سکے تم آؤ ورنہ بنی عباس کے ہاتھ سے خلافت نکل جانے کا خطرہ ہے اب ہرثمہ پلٹا اسکے فوج نے مدائن کی طرف گیا وہاں سے ابوالسرایا کے عامل کو نکال کر قبضہ کیا پھر کوفہ کی جانب بڑھا اب ہبیرہ کے متصل ابوالسرایا نے شکست کھائی اور علوئین کو لئے ہوئے قادسیہ کی طرف چلا گیا۔ ہرثمہ کوفہ میں داخل ہوا وہاں کے لوگوں کو امان دی کسی سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ اور اسی روز نکل کر ابوالسرایا کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ وہ قادسیہ چھوڑ کر سوس کی طرف بھاگا۔ فارس کا عامل اس وقت حسن بن علی بادغیسی تھا اس نے اس کا راستہ روکا۔ ابوالسرایا نے اس کے ساتھ جنگ کی لیکن زخمی ہو گیا اور بھاگ کر جزیرہ کے ایک مقام راست العین کی جانب چلا راستہ میں پکڑا گیا حسن بن سہل نے جو نہروان میں مقیم تھا اس کو قتل کر کے اس کے جسم کو بغداد میں بھیج دیا گیا جہاں وہ سولی پر لٹا دیا گیا اس فتنہ کا کل زمانہ دس مہینہ تھا۔

حسن بن سہل نے پھر بصرہ میں فوج بھیجی یہاں ابوالسرایا کی طرف سے امام موسیٰ کاظم کے بیٹے زید عامل تھے۔ انہوں نے اس قدر آدمیوں کو آگ میں جلا کر سزائیں دی تھیں کہ ان کا لقب زیدالنار مشہور ہو گیا۔ وہ گرفتار ہوئے لیکن ان کی جاں بخشی کی گئی۔ اس فتنہ میں علویہ نے جس قدر ظلم و ستم کئے وہ ان کی نہایت بدترین یادگار ہے۔

فتنہ مکہ

ابو السرایا نے مکہ میں حسین بن علی بن حسین کو والی بنا کر بھیجا تھا۔ خلافت کی طرف سے یہاں کا والی داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ عباسی تھا۔ اس نے جب سنا کہ حسین آ رہے ہیں تو جنگ کو حرم کی عزت کے منافی سمجھا اور مکہ چھوڑ کر چلا گیا۔ حسین عرفہ کے دن مغرب سے قبل مکہ میں داخل ہوئے ابو السرایا نے کعبہ کے لئے باریک ریشمی غلاف ان کے ہاتھ بھیجا تھا۔ انہوں نے مقام ابراہیم میں بیٹھ کر حکم دیا کہ ظالم عباسیوں کا دیا ہوا لباس کعبہ کو اتارو اور ابو السرایا داعی آل محمد کا متبرک غلاف اس پر چڑھاؤ۔ انہوں نے ازراہ حرص کعبہ کے خزانہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے ستونوں میں بھی جس قدر چاندی یا سونا لگایا گیا تھا اس کو نکلوا لیا لوگوں نے کہا کہ اس کی مالیت بہت حقیر ہے اس کے لئے ان ستونوں کو خراب نہ کریں لیکن انہوں نے کچھ پروانہ کی یہاں تک کہ چاہ زمزم کے گرد جو لوہے کے جنگلے اور ساج کے ستون لگے ہوئے تھے ان کو بھی نکلوا کر فروخت کر دیا۔ جس شخص کے بارے میں سنتے کہ اس کے پاس آل عباس کی کوئی امانت ہے اس کا سارا مال ضبط کر لیتے اور سخت سزائیں دیکر جرمانے وصول کرتے۔ ایک گھر دارالعذاب کے نام سے

لوگوں کو سزا دینے کے لئے مخصوص کیا تھا جس میں طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے اور سختیاں کر کر کے لوگوں سے ان کے مال چھینے جاتے تھے اس خوف سے مکہ کے اکثر باشندے اپنے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔

علوئین کا یہ ظلم و ستم مکہ میں برابر جاری رہا۔ جب انہوں نے ابو السرایا کے قتل کی خبر سنی اور ان کو معلوم ہوا کہ ان کے جتنے ہم خاندان تھے وہ سب کے سب بصرہ اور کوفہ سے نکال دیئے گئے تو انہوں نے مجتمع ہو کر امام جعفر صادق کے بیٹے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کو امیر المومنین کا لقب دیا۔ لیکن وہ محض نام کے کے لئے امیر بنائے گئے۔ اختیارات تمام ان کے بیٹے علی اور خود حسین کے ہاتھوں میں تھے ان دونوں نے مکہ والوں پر نہایت سخت مظالم توڑے اور مال سے گزر کر ان کی آبرو پر بھی دست درازی شروع کی۔ اہل حرم کو اس ظلم و ستم سے بچانے کے لئے اسحاق بن موسیٰ یمن سے فوج لے کر آیا۔ علوئین نے نکل کر اس کا مقابلہ کیا۔ کئی دن تک جنگ ہوتی رہی۔ اسحٰق نے جب اپنے اندر غلبہ کی طاقت نہ دیکھی تو وہاں سے واپس چلا۔ راستہ میں اس کو ایک دستہ فوج ملا کہ جس کو ہرثمہ نے اہل مکہ کی حمایت کے لئے بھیجا تھا۔ اسحاق ان کے ساتھ پھر پلٹا۔ اب علوئین نے شکست کھائی محمد بن جعفر صادق نے اپنی اور اپنے قبیلہ کی جان کی امان مانگی ان کو تین دن کی مہلت دی گئی کہ وہاں سے نکل جائیں۔

فتنہ یمن

یمن کے عامل اسحاق بن موسیٰ کے نکلتے ہی امام موسیٰ کاظم کے بیٹے ابراہیم نے وہاں اپنا تسلط جما لیا۔ انہوں نے اس قدر آدمیوں کو قتل کیا کہ اس کا لقب قصاب پڑ گیا۔ ۲۰۰ھ میں انہوں نے اپنی طرف سے بنی عقیل میں سے ایک شخص کو امیر الحج مقرر کیا اور ایک فوج دے کر اس کو مکہ کی طرف بھیجا۔

ادھر خلافت کی طرف سے اس سال ابو اسحٰق بن رشید امیر الحج مقرر ہوا تھا۔ وہ فوج اور چند آزمودہ کار سپہ سالاروں کو لے کر مکہ پہنچا۔ عقیلی کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ راستہ ہی میں مقام بستان میں بنی عامر میں ٹھہر گیا۔ اور مکہ کی طرف بڑھنے کی جرات نہیں کی۔ اس طرف سے زائرین کا ایک قافلہ گزر رہا تھا جن کے ساتھ غلاف کعبہ تھا۔ عقیلی اور اس کے ساتھیوں نے اس کو لوٹ لیا اور غلاف کعبہ بھی چھین لیا۔ اس قافلے کے کچھ لوگ مکہ پہنچے ابو اسحٰق نے فوراً بستان بنی عامر کی طرف سپاہ روانہ کی عقیلی اور اس کے ساتھی گھر گئے۔ کچھ بھاگے بقیہ گرفتار ہوئے حاجیوں کا سارا مال اور غلاف کعبہ ان سے واپس لیا گیا اور مکہ میں لے جا کر ہر ایک کو ان میں سے دس دس کوڑوں کی سزا دی گئی اور پھر وہ چھوڑ دیئے گئے وہاں سے حاجیوں سے بھیک مانگتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس چلے لیکن ان میں سے اکثر بھوک اور تکلیف سے راستہ ہی میں ہلاک ہو گئے۔

علوئین کا یہ فتنہ ہر جگہ ختم ہو گیا اور یہ سب اس تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار کی کوشش سے ہوا جس کا نام ہرثمہ تھا۔ وہ ان تمام مہمات سے فارغ ہو کر پھر خراسان کی طرف روانہ ہوا تاکہ مرو میں پہنچ کر خلیفہ کو اصل حقیقت سے آگاہ کرے۔ فضل بن سہل نے مامون کو پہلے ہی سے اس کی طرف سے بدگمان کرنا شروع کیا۔ اور اس کو یقین دلا دیا کہ عراق کی یہ تمام شورشیں خود ہرثمہ کے اشارے سے ہوئی ہیں ابو السرایا اس کا خاص آدمی تھا۔ مامون نے ہرثمہ کو لکھا کہ میں تم کو شام اور حجاز کا والی مقرر کرتا ہوں تم راستہ سے واپس ہو جاؤ۔ میرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن ہرثمہ نے یہ چاہا کہ میں پہلے اس کو پوری کیفیت سے آگاہ کر دوں اس کو یقین تھا کہ خلیفہ میری بات سنے گا اس لئے باوجود اس حکم کے بھی وہ سیدھا مرو میں پہنچا اور اپنے داخلہ کے وقت طبل اور نقارہ بجوایا تاکہ خلیفہ کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے۔ اور فضل اس کو چھپا نہ سکے۔ ہرثمہ مامون کے دربار میں گیا اور شورش کے اسباب بیان کئے۔ لیکن فضل نے اس کو اس کی طرف سے اس قدر بھڑکا رکھا تھا کہ اس نے مطلق اس کی باتوں پر توجہ نہ کی بلکہ عتاب کیا پٹوایا اور قید کر دیا۔ دربار سے سپاہی اس کو کھینچتے ہوئے مجلس میں لے گئے۔ فضل نے قید خانہ کے ملازموں کے توسط سے

اس کو قتل کرا دیا۔ اور مشہور کیا کہ وہ مر گیا۔

بغداد میں جب یہ خبر پہنچی تو وہاں کی فوج نے بغاوت کر دی حسن بن سہل کے عمال کو نکال دیا اور اس کے احکام کی مخالفت کی حسن کے پاس نہ اس قدر طاقت تھی نہ عقل کہ وہ اس کا انسداد کر سکتا۔ اہل بغداد نے مجتمع ہو کر منصور بن مہدی سے درخواست کی کہ وہ اپنی خلافت کی بیعت لے اس لے اس نے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر تم خلیفہ ہونا منظور نہیں کرتے تو مامون ہی خلیفہ رہے اور خطبوں میں اسی کا نام لیا جائے مگر ہماری امارت تم اپنے ہاتھ میں لو۔ حسن بن سہل مجوسی بن مجوسی کی حکومت ہم کو ہرگز گوارا نہیں ہے ۔ اس پر وہ راضی ہو گیا لیکن چونکہ وہاں کوئی بڑی طاقت موجود نہیں تھی جو مفسدوں کو دبا سکتی اس لئے لٹیروں اور اوباشوں نے فتنے برپا کرنے شروع کئے۔ چوریاں کرنے اور مکانوں کو لوٹنے لگے ۔ شاہراہ عام پر سے علانیہ لڑکوں اور عورتوں کو پکڑ لے جاتے تھے ۔ دیہاتوں میں پہنچ کر وہاں کے باشندوں سے جبراً رقمیں وصول کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک شخص خالد دریوش نامی اس فتنہ کو مٹانے کے لئے آمادہ ہوا۔ اس نے امن پسند لوگوں کی جماعت کو ساتھ لے کر مفسدوں اور اوباشوں کو ان حرکات سے روکنے کی کوشش کی انہوں نے مقابلہ کیا۔ دریوش نے ان کو شکست دی۔ وہ جس کو گرفتار کرتا تھا۔ امیر کے پاس لے جا کر سزائیں دلواتا تھا۔ ایک دوسرا شخص سہل بن سلامہ انصاری بھی اسی طرح مستعد ہو گیا اس نے بھی مفسدوں کو دبایا۔ لیکن اس کا مقصد دریوش سے مختلف تھا۔ دریوش امن قائم کرنے میں حکومت کی امداد کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ اور ابن سلامہ لوگوں سے خود اپنی حمایت کی بیعت لیتا تھا اور کسی کی امارت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔

ادھر دار الخلافہ میں یہ سب واقعات ہو رہے تھے ادھر مامون مرو میں اطمینان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ مرکز خلافت کی کیا کیفیت ہے کیونکہ فضل اس قسم کی اطلاعیں اس کے پاس مطلق نہیں پہنچنے دیتا تھا۔

اسی درمیان میں مامون سے ایک ایسا فعل سرزد ہوا جس سے بغداد میں اور بھی ہیجان پیدا ہو گیا یعنی اس نے شیعہ اثنا عشریہ کے امام ہشتم علی رضا کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی اور ان کو اپنا ولی عہد بنا کر تمام صوبوں میں حکم بھیج دیا کہ سیاہ عباسی شعار کے بدلے سبز علوی شعار اختیار کیا جائے۔

عباسی خاندان کے لوگوں نے مجتمع ہو کر کہا کہ فضل بن سہل یہ چاہتا ہے کہ خلافت کو بنی عباس سے آل علی میں منتقل کر دے۔ ہم ہرگز اس حکم کو نہیں تسلیم کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے متفقہ طور پر یکم محرم ۲۰۲ھ کو مامون کی بیعت خلافت کو فسخ کر کے اس کے چچا ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنا لیا اس نے حسن بن سہل کے مقابلہ کے لئے فوج تیار کی اور جابجا اپنی طرف سے عمال مقرر کر کے بھیجے۔

مرو میں مامون کو خود امام علی رضا نے اس حال سے آگاہ کیا اس لے کہا کہ فضل نے تو مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ ابراہیم کو اہل بغداد نے اپنا امیر بنا لیا ہے انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں بلکہ خلیفہ بنایا ہے اور اس میں اور حسن بن سہل میں لڑائی جاری ہے فضل نے جو کچھ کہا وہ غلط ہے پھر انہوں نے بغداد کی کل کیفیت مفصل طور پر اس کے سامنے بیان کی ۔ اور صاف صاف کہا کہ آپ سے عام مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ فضل اور حسن دونوں آپ کے اور امور خلافت کے اوپر حاوی ہو گئے ہیں اور لوگ اس کو پسند نہیں کرتے ۔ اگر آپ ان باتوں کی تصدیق کرنی چاہیں تو فلاں فلاں سردار ان فوج سے جو یہاں موجود ہیں پوچھ سکتے ہیں۔ مامون نے ان لوگوں کو بلایا اور جان کی امان دے کر اصل حقیقت دریافت کی ۔ ان سب نے بلا کم و کاست وہی بیان کیا جو امام علی رضا نے فرمایا تھا اور کہا کہ ہرثمہ کے معاملہ کو بھی فضل نے آپ کو غلط سمجھایا۔ وہ خیر خواہی کی غرض سے آپ کو آگاہ کرنے کے لئے آیا تھا یہی وجہ ہوئی کہ فضل نے مخفی طور پر اس کو قید خانے میں قتل کرا دیا۔ طاہر بن حسین کو بھی اس نے بدول کیا کہ اس کی عظیم الشان کوششوں اور کارناموں کے بعد اس کو بغداد سے نکال کر رقہ میں بھیج دیا جہاں وہ بیکار ایک گوشہ میں پڑا ہوا ہے ۔ اگر وہ عراق میں ہوتا تو کسی قسم

سی شورش سد الفتق اب مناسب یہ ہے کہ آپ خود اس طرف چلیں تاکہ بنی ہاشم اور بنی عباس نیز امراء فوج کو آپ کو دیکھ کر اطمینان ہو جائے اور وہ مطیع ہو جائیں یہ سن کر مامون کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے بغداد کی روانگی کا حکم دیا۔ یہ امراء باوجود مامون کے امان کے بھی فضل کی سزا سے نہیں بچ سکے۔ اس نے ان میں سے کسی کو قید کیا۔ اور کسی کو نکال دیا۔ امام علی رضا نے مامون کو مطلع کیا۔ اس نے کہا کہ میں عنقریب اس کا بندوبست کرتا ہوں۔ شاہی فوج مرو سے سرخس پہنچی۔ وہاں ۲ شعبان ۲۰۲ھ کو فضل بن سہل حمام میں نہا رہا تھا کہ یکایک خلیفہ کے چار غلاموں نے پہنچ کر اس کو قتل کر ڈالا۔ وہ پکڑ کر دربار میں لائے گئے جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ خود خلیفہ نے ہم کو قتل کا حکم دیا تھا۔

قرائن سے یہ اندازہ نکالنا غلط نہیں ہے کہ یہ قتل مامون کے اشارے سے ہوا تھا کیونکہ اس نے فضل کے مستبدانہ رویہ کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا اور اس کو یقین ہو گیا تھا کہ جب تک یہ رہے گا اہل بغداد میری اطاعت نہیں کریں گے لیکن باوجود اس کے عجمیوں کے تالیف قلوب کے خیال سے قصاص میں ان چاروں غلاموں کے سر کٹوا کر تعزیت نامہ کے ساتھ حسن بن سہل کے پاس بھیج دیئے اور وزارت کا منصب اس کو عطا کیا پھر اس کی بیٹی بوران کے ساتھ اپنی شادی کی۔

عیدالفطر کی نماز پڑھ کر سرخس سے روانہ ہوا۔ اس کی آمد اور فضل کے مقتول ہو جانے کی خبر سے بغداد میں ابراہیم کی خلافت کمزور ہونے لگی اور امراء فوج نے اس کا ساتھ چھوڑنا شروع کیا۔ کیونکہ جس بنیاد پر انہوں نے مامون کو خلافت سے معزول کیا تھا وہ اب منہدم ہو چکی تھی۔ مامون جب طوس میں پہنچا تو وہاں ایک دوسرا حادثہ پیش آیا یعنی امام علی رضا یکایک انتقال کر گئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مامون کے مشورہ سے ان کو زہر دے دیا گیا لیکن یہ بعید معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ان کے ساتھ بہت محبت رکھتا تھا اور اس نے دامادی کے ساتھ ولی عہدی کے لئے بھی ان کو منتخب کیا تھا۔ اگر واقعی وہ زہر ہی سے مرے تو یہ ممکن ہے کہ درباریوں میں سے بنی عباس کے کسی خیر خواہ نے ایسی جرأت کی ہو تاکہ خلافت کے آل علی کے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ان میں جو جوش پیدا ہو گیا تھا وہ فرو ہو جائے۔

طوس سے روانہ ہو کر رے میں پہنچا۔ فوج نے بغداد کو سپرد کر کے خلافت سے ابراہیم کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷ ذی الحجہ ۲۰۳ھ کا ہے۔ ابراہیم نے جب یہ دیکھا تو اسی رات کو روپوش ہو گیا اس کی عارضی خلافت کل ایک سال گیارہ مہینے اور بارہ دن رہی۔

نہروان میں بغداد کے امراء رؤسا اور تمام بنی عباس مامون کے استقبال کے لئے جمع ہوئے۔ مامون ان سے نہایت خوش ہو کر ملا۔ طاہر بن حسین بھی اس کے حکم کے مطابق وہاں آیا تھا۔ مامون نے اس کو جزیرہ کی ولایت اور بغداد کی کوتوالی عطا کی وہاں سے بغداد کو چلا۔ ۱۶ صفر ۲۰۴ھ میں وہاں داخل ہوا چونکہ اس وقت وہ سبز علوی شعار میں تھا اس لئے امراء فوج اور بنی عباس نے بھی مجبوراً اسی رنگ کا لباس اختیار کیا لیکن ایک ہفتہ کے بعد اعیان خلافت نے اس سے کہا کہ اپنے آبائی سیاہ شعار کو ترک کر کے آپ نے علویہ کا سبز شعار کیوں اختیار کیا۔ مامون نے جب دیکھا کہ سب لوگوں نے اس کی اطاعت کر لی لیکن اس کے لباس کو پسند نہیں کرتے تو اس نے سب کے سامنے سیاہ لباس منگا کر خود پہنا اور ایک خلعت طاہر کو عطا کیا اب لوگ اس سے خوش ہو گئے سب نے سبز لباس اتار دیئے اور حسب معمول عباسی شعار پہنے۔ اس وقت سے مامون کی خلافت کا اصلی دور شروع ہوا۔

وزارت

مامون کا پہلا وزیر فضل تھا۔ اس کا باپ سہل مجوسی تھا جو ہارون کے زمانہ میں مسلمان ہوا۔ فضل نے علم و ادب اور خاص کر فن نجوم میں دستگاہ بہم پہنچائی۔ جعفر برمکی کی سفارش سے ہارون نے اس کو شہزادہ مامون کا کاتب مقرر کر دیا۔ اسی کے حسن تدبیر

سے مامون کو امین پر غلبہ حاصل ہوا۔ اور خلافت ملی ۔ مامون نے اس کو وزیر اعظم مقرر کیا اور تمام ملکی اور جنگی امور اسکے سپرد کر دیئے اس کی تلوار کے ایک طرف ریاست تدبیر اور دوسری طرف ریاست حرب کنڈ کرایا اور اس کو ذوالریاستین کا خطاب دے کر تیس لاکھ درہم سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کی۔ لیکن وہ اس قدر مامون پر حاوی ہو گیا کہ اس کے استبداد سے تنگ آکر آخر مامون نے سرخس میں پہنچ کر حمام میں اس کو قتل کرا دیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے نجوم کی مدد سے اپنا جو زائچہ بنایا تھا اس میں لکھ رکھا تھا کہ اس کی موت آگ اور پانی کے درمیان ہو گی۔

احمد بن ابی خالد

ذوالریاستین کے بعد بنی عامر کا ایک شاہی غلام احمد بن ابی خالد جو ادب اور کتابت میں بہت نامور تھا۔ وزیر ہوا۔ یہ نہایت نیک مخلص اور دانش مند تھا جس قدر خلیفہ کا خیر خواہ تھا اسی قدر رعایا کا۔ تاریخ اس کا صرف ایک عیب دکھاتی ہے وہ یہ کہ کھانے کا سخت حریص تھا۔ مامون نے اس خیال سے کہ یہ کھانے کی طرف سے مستغنی رہے اور کسی تحفہ کی آرزو نہ رکھے اس کے باورچی خانے کے لئے روزانہ ایک ہزار درہم مقرر کر دیا تھا لیکن پھر بھی وہ لوگوں سے کھانے پینے کی چیزوں اور تحفوں کا خواہش مند رہتا تھا۔ ۲۱۱ھ میں اس نے وفات پائی۔ مامون خود اس کے جنازہ میں شریک ہوا۔ اس کے لئے دعا کی ۔ اور دفن کے بعد اس کی بہت تعریف فرمائی۔

ابن یوسف

ابی خالد کے بعد احمد بن یوسف کو وزارت کا منصب ملا۔ یہ شخص عمرو بن مسعدہ میر منشی کے دفتر میں کاتب تھا خط نہایت پاکیزہ لکھتا تھا۔ مامون کو اس کے اوپر بڑا اعتماد تھا اس لئے اس کے زمانہ میں اس کو عروج ملا۔ مامون کے ایک درباری محمد بن خلیل بن ہشام کو اس کے رتبہ پر رشک آیا۔ وہ اس کوشش میں لگا کہ کسی صورت سے اس کو اس کے منصب سے گرا دے چنانچہ اس نے نہایت کمینہ طریقہ سے مامون کے مزاج کو اس سے منحرف کر دیا۔

صورت یہ ہوئی کہ احمد بن یوسف روزانہ صبح سویرے مامون کے پاس ضروری امور میں مشورہ کے لئے آتا تھا۔ محمد بن خلیل نے مامون کے ایک خادم سے مخفی طور پر یہ کہہ دیا کہ خلیفہ اگر احمد کو کوئی چیز عطا کرے تو تم مجھے مطلع کر دینا۔ احمد حسب معمول ایک روز مامون کے پاس گیا۔ جاڑے کے دن تھے ۔ خلیفہ کے پلنگ کے نیچے عنبر کا بخور جل رہا تھا۔ احمد کی خاطر سے اس نے اسی انگیٹھی کو اٹھوا کر اس کے سامنے رکھوا دیا۔ یہ بات اس خادم نے محمد بن خلیل کو سنائی ۔ وہ شام کو دربار میں آیا۔ مامون اس وقت تنہا تھا۔ اس نے محمد سے پوچھا کہ کیا حال ہے اس نے کہا کہ میں اس وقت کشتی میں سوار چلا آرہا تھا اس میں ایک ملاح دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ لوگ امیر المومنین کی سخاوت کی مدح کرتے ہیں لیکن آج صبح کو وزیر ابن یوسف دربار سے واپس ہوتے ہوئے اپنے خادم سے کہہ رہے تھے کہ خلیفہ نہایت دنی الطبع ہے۔ اس کے سامنے بخور جل رہا تھا جب میں پہنچا تو بجائے اس کے کہ میرے لئے دوسری انگیٹھی منگاتا اسی کو میری طرف بڑھا دیا۔ مامون نے یہ سن کر یقین کر لیا کہ بیشک ابن یوسف نے کہا ہو گا کیونکہ اس وقت اس کے سوا کوئی دوسرا موجود نہ تھا چنانچہ اسی بنیاد پر وہ اس سے برگشتہ خاطر ہو گیا یہاں تک کہ معزول کر دیا۔

ثابت بن یحییٰ

اس کے بعد ابو عباد ثابت بن یحییٰ بن یسار رازی کو قلمدان وزارت عطا فرمایا یہ کتابت اور ادب میں ماہر لیکن حساب میں ناآشنا تھا۔ مزاج میں تندی اور سختی تھی۔ شدت غضب میں کبھی کبھی کاتبوں کو گالیاں دیتا تھا اور ان کے منہ پر دوات کھینچ مارتا تھا۔ اس کا رعب کم لیکن خوف زیادہ تھا۔ مامون سے ایک بار کسی نے کہا کہ دعبل شاعر نے آپ کی ہجو لکھی ہے اس نے کہا کہ جس نے

ابو عباد کی ہجو کر ڈالی اس کو میری ہجو میں کیا باک ہے۔ مامون کا آخری وزیر ابو عبداللہ محمد بن یزداد بن سوید تھا۔ یہ خراسان کے ایک مجوسی خاندان کا تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ مامون کے زمانہ میں وزراء کا نفوذ اور اقتدار زیادہ نہیں تھا کیونکہ برامکہ اور نیز فضل بن سہل کے استبداد کے نتائج دیکھ کر وہ امور خلافت کو خود انجام دیتا تھا۔ اور وزیروں سے صرف مشورہ لیتا تھا۔

علویہ

مامون نے جعفر برمکی کی اتالیقی میں تربیت پائی تھی جو شیعہ تھا۔ پھر اس کا پہلا وزیر فضل بن سہل بھی جس کی کوشش سے اس کو خلافت ملی۔ اسی جماعت کا تھا۔ ان لوگوں کے اثر سے خود اس کا رجحان شیعیت کی طرف ہو گیا تھا اور وہ خلفاء راشدین میں سے حضرت علیؓ کے حق خلافت کو مرجح سمجھتا تھا۔ فضل نے اپنی وزارت کے زمانہ میں یہ چاہا کہ مامون پر اثر ڈال کر خلافت کو بلا خونریزی کے آسانی کے ساتھ آل علی میں جن کی امامت کا وہ قائل تھا۔ منتقل کر دے چنانچہ اسی کے مشورہ سے مامون نے اپنی بیٹی امام علی رضا کے ساتھ بیاہ دی اور اپنے بعد ان کی ولی عہدی کا فرمان لکھ دیا جس کی وجہ سے وہ حادثات ظہور پذیر ہوئے جو بیان کئے گئے۔

بغداد میں آنے کے بعد بھی اس کا برتاؤ علویہ کے ساتھ نرم اور اس کے اعتقاد کے مطابق رہا اور گو ان لوگوں نے بہت کچھ شورشیں برپا کی تھیں۔ اور ہزاروں خاندانوں کو برباد کر ڈالا تھا پھر بھی اس نے ان کے ساتھ رحم و احسان کا سلوک کیا مگر باوجود ان مراحم کے بھی وہ اس کی مخالفت پر کمربستہ رہے۔ چنانچہ ۲۰۷ھ میں عبدالرحمن بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب نے یمن میں ایک جماعت کے ساتھ بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔

مامون نے اپنے ایک امیر فوج دینار بن عبداللہ کو ایک لشکر دے کر اس طرف بھیجا اور عبدالرحمن کے لئے امان نامہ بھی لکھ کر دیا۔ دینار نے وہاں پہنچ کر پہلے اس امان نامہ کو عبدالرحمن کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے مقابلہ کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھی اس لئے اس کے پاس حاضر ہو گئے وہ ان کو ساتھ لے کر دربار خلافت میں آیا۔ مامون نے اس کے بعد سے یہ حکم دے دیا کہ آل ابی طالب میں سے کوئی شخص اب میرے دربار میں نہ آنے پائے اور یہ سب لوگ سبز لباس ترک کر کے عباسی شعار کے مطابق سیاہ لباس پہنا کریں پھر بھی اس نے مرتے وقت اپنے بھائی معتصم کو جو وصیت کی اس میں لکھوایا کہ آل علی کا خیال رکھنا ان کے ساتھ سلوک کرنا اور جو لوگ ان میں سے خطا کار ہوں ان کے قصور کو بخش دینا۔

دولت زیادیہ

یمن میں شیعیت کے رسوخ کی وجہ سے حکومت عباسی کا نفوذ کمزور ہو گیا تھا۔ اور آئے دن ایک نہ ایک فتنہ اٹھا کرتا تھا۔ اس لئے مامون نے چاہا کہ کسی مدبر شخص کو وہاں کا والی مقرر کرے جو فتنہ اور فساد کو دبا دے حسن بن سہل کے مشورہ سے زیاد بن ابی سفیان کی اولاد میں سے ایک شخص محمد بن ابراہیم زیادی کو یمن کی ولایت سپرد کی۔ اس نے جا کر وہاں زبید کی داغ بیل ڈالی اور اس شہر کو آباد کر کے اپنا مستقر بنایا اور اپنی قابلیت سے سارے صوبہ پر حاوی ہو گیا۔ خلیفہ کو وہ صرف ہدیہ اور خراج بھیجتا تھا اور خطبوں میں اس کا نام لیتا تھا۔ باقی تمام امور میں آزاد تھا۔ اس نے ۲۴۵ھ میں وفات پائی اس کے بعد یمن کی حکومت بالاستقلال اس کی اولاد اور پھر اس کے موالی میں ۵۳۳ھ تک چلی آئی۔

دولت اغالبہ

ہارون الرشید نے اپنی خلافت اور مراقش کی ادریسی سلطنت کے درمیان ایک سرحدی ریاست قائم کر کے ۱۸۴ھ میں ابراہیم بن اغلب کو وہاں کا والی بنا کر بھیجا تھا کیونکہ تونس اور الجزائر میں سخت شورشیں برپا تھیں ابراہیم نے ان کو فرو کرنے کے بعد صوبہ

افریقہ کو چالیس ہزار دینار ٹھیکہ پر لے کر وہاں اپنی مستقل حکومت قائم کرلی۔ صرف خطبہ بنی عباس کا رکھا۔ یہ دولت ۲۹۶ھ تک اس کے خاندان میں رہی۔ مامون کے زمانہ ۱۹۶ھ سے عبداللہ بن ابراہیم حکمران تھا۔ اس کے بعد ۲۲۳ھ سے ۲۹۱ھ تک اس کا بھائی زیادۃ اللہ بن ابراہیم رہا۔ اسی نے رومیوں کے ہاتھ سے جزیرہ صقلیہ کو فتح کیا۔ اندلس اور مراقش کے نکل جانے کے بعد اب یہ اور دو جدید ولایتیں یمن اور افریقہ کی جو علویہ کے خوف کی وجہ سے خلافت کی حفاظت کے لئے قائم کی گئی تھیں خود مختار ہو گئیں۔

ابراہیم بن مہدی

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مامون جب مرو میں تھا تو اہل بغداد نے ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنا لیا تھا لیکن جس وقت وہ مشرق سے بغداد کی طرف آیا تو اس وقت فوج نے ابراہیم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس لئے وہ خوف کی وجہ سے مخفی اور مستور ہو گیا اور بغداد ہی میں ایک محلہ سے دوسرے محلہ اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں چھپتا پھرتا تھا۔ ۲۱۰ھ میں مامون کو یہ خبر ملی کہ ابن عائشہ اور مالک وغیرہ چند فوجی امراء ابراہیم کے حامی ہیں اور اس کے ساتھ سازش کر کے اس کو بغاوت کے لئے تیار کر رہے ہیں اس نے ان لوگوں کو گرفتار کیا۔ تحقیق کے بعد انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کیا اور چند دیگر امراء کے نام بتائے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہیں لیکن مامون نے اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ بے گناہوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہوں ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا اور صرف چار شخصوں کو جو اس سازش کے سرغنے تھے سزا دی۔ ابن عائشہ کو تین دن دھوپ میں کھڑے رکھا۔ پھر کوڑوں سے پٹوایا۔ اس کے بعد سولی پر چڑھا دیا۔ عباسی خاندان میں سے یہ پہلا شخص ہے جس کو سولی دی گئی۔

۱۳ ربیع الاول ۲۱۰ھ کو ابراہیم بن مہدی زنانہ لباس پہنے ہوئے دو کنیزوں کے ساتھ کسی گلی سے گزر رہا تھا ایک حبشی دربان نے اس کو پہچان کر پکڑ لیا اور مامون کے دربار میں لے گیا۔ مامون اس کی طرف سے بہت برہم تھا۔ اس نے درباریوں سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیئے سب نے قتل کا مشورہ دیا لیکن وزیر احمد بن ابی خالد نے جاں بخشی کی سفارش کی ابراہیم نے اپنے جرم کا اعتراف کر کے ندامت کا اظہار کیا اور ایک قصیدہ سنایا جس سے مامون کا دل پسیج گیا اور اس نے جان بخشی کی۔

زط کی بغاوت

زط جت یا جاٹ کا معرب ہے اصل میں یہ مشرقی ہندوؤں کی ایک جماعت تھی جو نور کے نام سے مشہور تھی اور مسلمان ہونے کے بعد خلیج فارس کے سواحل پر آکر سکونت گزیں ہو گئی تھی۔ امین اور مامون کی جنگ کے زمانہ میں اس نے بصرہ کے راستے پر قبضہ کر لیا اور مجتمع ہو کر لوٹ مار شروع کر دی۔ بغداد میں آنے کے بعد مامون نے ۲۰۵ھ میں عیسیٰ بن یزید جلودی کو ایک فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا جب وہ وہاں پہنچا تو زط متفرق ہو کر جابجا بھاگ گئے۔ اس لئے کچھ نہ کر سکا۔ مامون نے پھر داؤد بن ماسجور کے ساتھ ایک دستہ فوج روانہ کیا لیکن یہ قوم اس کے قابو میں نہیں آسکی اور برابر مسافروں اور قافلوں کو لوٹتی رہی۔ مامون کے انتقال کے بعد معتصم نے عجیف بن عنبسہ کو فوج کے ساتھ بھیجا اس نے آکر ان کو چاروں طرف سے گھیرا۔ ایک مقابلہ میں تین سو زط مقتول اور پانچ سو گرفتار ہوئے اس نے ان سب کے سر کاٹ کر معتصم کے دربار میں بھیج دیئے۔ اس کے بعد ان کے محاصرہ میں اور بھی سختی کی جن پہاڑوں میں وہ رہتے تھے ان کے دروں پر قبضہ کیا اور جن چشموں سے وہ پانی پیتے تھے ان کو بند کرا دیا۔ آخر ان کے سرداروں محمد بن عثمان اور سملق نے تنگ آکر ذی حجہ ۲۱۹ھ میں امان طلب کی جو منظور کی گئی ان کی کل تعداد ستائیس ہزار تھی عجیف ان کو کشتیوں میں بھر کر بغداد لایا وہاں معتصم کی نظر سے گذارا۔ وہ خانقین کی طرف بھیجے گئے اور رومی سرحد کے متصل مقام عین زربیہ میں آباد ہونے کے لئے ان کو زمین دی گئی۔ متوکل کے زمانہ میں ۲۴۱ھ میں جب رومیوں نے حملہ کیا تو وہ ان سب کو مع عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔

نصر بن شبث

بنی عقیل میں سے نصر بن شبث ایک ممتاز رئیس تھا جو حلب کے شمال میں مقام یکسوم میں سکونت گزیں ہو گیا تھا۔ خلیفہ امین سے اور اس سے بہت دوستی تھی اس لئے وہ اس کا خیر خواہ تھا۔ ۱۹۸ھ میں جب امین مقتول ہو گیا اور نصر نے دیکھا کہ عربی عنصر مغلوب ہے اور عجمی خلافت پر حاوی ہو گئے تو وہ ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر بغاوت کے لئے اٹھا اور قرب و جوار کے مقامات پر قبضہ کر کے دریائے فرات کو عبور کر کے آگے بڑھا اور اس کی قوت کو دیکھ کر بہت سے قبائل عرب اس کے ساتھ مل گئے۔ طاہر بن حسین جس وقت بغداد کی مہم سے فارغ ہو چکا اس وقت فضل بن سہل وزیر نے اس کی جگہ پر اپنے بھائی حسن کو مقرر کر کے اس کو نصر کے مقابلہ کا حکم دیا۔ طاہر گیا لیکن شکست کھا کر رقہ کی طرف چلا آیا۔ اور اسی کی مدافعت اور محافظت پر قانع رہا۔ دوبارہ مقابلہ کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ اس نے اپنے پہلے کارناموں کا کوئی اچھا صلہ نہیں پایا۔ اور عظیم الشان فتوحات کے بعد ان کے ثمرہ سے محروم کر کے پھر لڑائی پر بھیج دیا گیا۔ اس لئے اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ ہمت اور حوصلہ کے ساتھ نہیں لڑ سکا۔

طاہر کو شکست دینے کے بعد نصر کی شوکت بڑھ گئی۔ اس نے جزیرہ میں حران کا محاصرہ کیا۔ وہاں علویہ کی بھی ایک جماعت جا کر اس کے ساتھ شریک ہو گئی۔ اور اس سے کہا کہ ہم لوگ اگر کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو خلیفہ بنا لیں تو ہماری جماعت اور طاقت بہت بڑھ جائے اس نے پوچھا کہ کس کے ہاتھ پر ان لوگوں نے کہا کہ کسی علوی کے بولا کہ سبحان اللہ ان میں سے آج اگر میں کسی کا ہاتھ لوں تو کل ہی وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں تیرا خالق اور رازق ہوں۔

ان لوگوں نے کہا کہ پھر کسی کو بنی امیہ میں سے تلاش کرو۔ اس نے کہا کہ ان پر ادبار آ چکا۔ میں بنی عباس کی خلافت کا دشمن نہیں ہوں لیکن ان سے صرف اس وجہ سے لڑ رہا ہوں کہ انہوں نے عجم کو عرب پر ترجیح دے رکھی ہے یہ مجھ کو گوارا نہیں۔

۲۰۴ھ میں مامون نے طاہر کو خراسان کی ولایت کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ اور اس کے بیٹے عبداللہ کو جو رقہ میں اس کا قائم مقام تھا نصر کے مقابلہ کا حکم دیا۔

طاہر نے اسی موقع پر اپنے بیٹے عبداللہ کے نام اپنا وہ مشہور اور معروف خط لکھا تھا اول ادب میں آج تک مقبول ہے اس میں اس نے آداب سیاسیہ اور مکارم اخلاق وغیرہ کی نہایت منتخب نصیحتیں مندرج کیں۔ مامون نے اس خط کو اس قدر پسند کیا کہ اطراف ممالک میں تمام امراء اور عمال کے نام اس کی نقلیں بھجوائیں۔ اور فرمایا کہ طاہر کا یہ مکتوب تدبیر رائے دانائی اور ملک داری کے لئے بہترین دستور العمل ہے جس سے کوئی فرمان روا مستغنی نہیں ہو سکتا۔

عبداللہ نے نصر کے مقابلہ میں بہت جانفشانی کی اور آخر کار اس کو محصور کر لیا۔ اسی زمانہ میں مامون نے جعفر بن عامر کو ایک خط دے کر نصر کے پاس بھیجا کہ وہ لڑائی سے باز آ جائے اور مصالحت کرے اس نے صلح کا ارادہ ظاہر کیا لیکن شرائط سخت کئے منجملہ ان کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ مامون کی بساط پر قدم نہیں رکھے گا۔ مامون نے کہا کہ خواہ مجھے اس کی جنگ کے لئے اپنا کرتہ تک بیچ دینا پڑے لیکن میں اس کی یہ شرط ہرگز نہیں منظور کر سکتا کہ وہ میرے دربار میں حاضر نہیں ہو گا۔ نصر نے جب اس نامنظوری کا حال سنا تو اپنے ساتھی عربوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص قوم زط کے چار سو مینڈکوں پر غالب نہیں آ سکا کیا وہ عربوں کو مغلوب کر سکتا ہے۔ پھر عبداللہ کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ متعدد لڑائیوں کے بعد جو سلسلہ وار پانچ سال تک ہوتی رہیں۔ آخر میں مجبور ہو کر اس نے صلح کی اور صفر ۲۱۰ھ میں دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ مامون نے اس کو مدینۂ ابی جعفر میں نظر بند کر دیا۔

بابک خرمی

ابتدائی زمانہ میں ایران کی سرزمین میں عجیب عجیب مذاہب پیدا ہوتے آئے ہیں اسلام سے پہلے قباد کے عہد میں مزدک نے

وہاں اپنا اباحی مذہب جاری کیا تھا جس میں ہر شخص ہر شے میں برابر کا شریک مانا گیا تھا۔ یہاں تک کہ عورتوں پر بھی کسی کا خاص حق مسلم نہ تھا۔ اس کے پیروؤں کو نوشیروان نے اپنے عہد میں فنا کیا۔ تقریباً اسی قسم کا دوسرا مذہب ایک مجوسی جاویدان پسر سہرک نے ہارون کے زمانہ میں وہاں ایجاد کیا۔ یہ فارس کے شمال میں آذر بائیجان اور ان کے درمیان قصبہ بدکا رئیس تھا اس اطراف کے بہت سے لوگ اس کے پیرو ہوگئے اور انہوں نے اپنی ایک بڑی جماعت بنالی۔

بابک خرمی رستاق میمند کے متصل ایک گاؤں بلال آباد میں پیدا ہوا تھا جاویدان کی شہرت سن کر اس کے پاس گیا اور اس کی شاگردی اختیار کی اس نے اس میں فہم و فراست دیکھی اس لئے اس کے اوپر بہت مہربان ہوگیا جب وہ مرگیا تو اس کی بیوی نے اس کے پیروؤں کو جمع کر کے کہا کہ جاویدان نے کل مجھ سے کہا تھا کہ آج کی رات میری روح میرے جسم سے نکل کر بابک کے جسم میں چلی جائے گی لہذا اب لوگوں کو چاہئیے کہ اسی کو اپنا سردار بنائیں چنانچہ اس کی جماعت نے بابک کو پیشوا تسلیم کر لیا اور جاویدان کی بیوی بھی اس کے نکاح میں آ گئی۔ بابک نے ان کے لئے سب کچھ یہاں تک کہ خوں ریزی اور غارت گری کو بھی مباح کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ اور ان کے خوف سے راستے بند ہوگئے۔

مامون کو ۲۰۱ھ میں مرو میں اس جماعت کی اطلاع ملی اس نے یحییٰ بن معاذ کو ان کی مہم پر متعین کیا لیکن وہ کچھ نہ کر سکا پھر بغداد میں آ جانے کے بعد ۲۰۶ھ میں عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو ارمینیہ اور آذر بائیجان کا والی بنا کر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا اس نے بھی شکست کھائی ۲۰۹ھ میں احمد بن جنید اسکافی فوج لے کر گیا۔ بابک نے اس کو زندہ گرفتار کر لیا اس کے بعد مامون نے ایک لشکر گراں محمد بن حمید طوسی کی ماتحتی میں روانہ کیا۔ بابک چونکہ کوہستانی علاقہ میں تھا اور اپنے مرکز کو اس نے بہت مستحکم اور محفوظ بنا رکھا تھا اس لئے محمد بن حمید بھی کچھ نہ کر سکا اور مقام ہشاد سر میں شکست کھا کر مقتول ہوا اس فتح سے بابک کی دھاک بندھ گئی اور ہمدان، اصفہان، ماسبذان اور مہرجان وغیرہ کے اکثر باشندے خرمی مذہب میں داخل ہو کر اس کی جماعت میں شامل ہوگئے۔

مامون نے پھر کسی سپہ سالار کو نہیں بھیجا مگر مرتے وقت معتصم کو وصیت کر گیا کہ خرمیوں سے غفلت نہ کرنا اور جس طرح ہو سکے ان کو قابو میں لانا ورنہ یہ چنگاری تمام ایران میں شعلے بھڑکا دے گی چنانچہ خلیفہ ہو جانے کے بعد معتصم نے اپنے سب سے بڑے ترک سپہ سالار افشین کو منتخب فوجوں کے ساتھ بابک کی مہم پر متعین کیا۔ اس کی روانگی سے پہلے ابو سعید محمد بن یوسف کو اردبیل کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان قلعوں کی مرمت کرے جن کو بابک نے خراب کر دیا ہے اس نے زنجان سے اردبیل تک کل قلعوں کو درست کیا اور ان کے ساز و سامان ترتیب دیئے اس دوران میں خرمیہ نے متعدد حملے، اس کے اوپر کئے، لیکن وہ ان کو شکست دیتا رہا۔

اس کے بعد برید کا سلسلہ قائم کیا۔ اور ہر ہر فرسخ پر ایک ایک چوکی بنوائی۔ تاکہ خطوط کا خریطہ جب ایک چوکی سے دوسری پر پہنچے تو اس وقت ایک سوار تیار رہے جو فوراً اس کو لے کر وہاں سے روانہ ہو جائے یہ انتظام ایسا مکمل کیا کہ اردبیل سے دارالخلا تک چار روز یا اس سے بھی کم میں خطوط پہنچتے تھے۔ افشین فوج لے کر چلا اور برزند میں پہنچ کر قیام کیا وہاں سے اردبیل تک قلعوں میں فوجی دستے متعین کئے اور ہر طرف اپنے جاسوس بھیجے۔ افشین اور بابک میں عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا جاڑوں میں بوجہ برف باری کے موقوف ہوگیا۔ ایک بار دربار خلافت سے فوج کے لئے خزانہ آرہا تھا بابک کو اس کا علم ہوگیا وہ ایک جماعت کو مخفی طور پر لے کر چلا کہ راستہ میں اس کو لوٹ لے۔ افشین کو جاسوس نے اس کی اطلاع دی وہ ان کے راستہ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا جب خرمیہ قریب آگئے تو اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ صرف بابک چند ہمراہیوں کے ساتھ بچ کر نکل گیا۔ باقی کوئی زندہ نہیں بچا۔

ربیع ۲۲۱ھ میں افشین نے بابک کے مرکز قصبہ بد پر تاخت کی فریقین میں سخت خونریز جنگ ہوئی۔ آخر میں ترکی فوج غالب آ کر بد میں داخل ہوگئی۔ بابک نے چاہا کہ بھاگ کر رومی سرحد میں نکل جائے لیکن افشین نے ہر طرف سے سواروں کو بھیج کر پہلے ہی سے ناکہ بندی کر دی تھی اس لئے وہ نکل نہیں سکا اور گرفتار ہوگیا اس کے ساتھ اس کے گھر کے ستر مرد تئیس عورتیں اور لڑکیاں

بھی پکڑی گئیں۔ دار الخلافہ میں جس دن ان کو لے گئے اس دن ان کے دیکھنے کے لئے سارے شہر میں دھوم تھی بابک سامرا میں اور اس کا بھائی بغداد میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ بیس سال کے زمانہ میں بابک نے جس قدر آدمی قتل کئے تھے ان کا شمار دو لاکھ پچپن ہزار پانچ سو تھا۔ افشین نے جب اس کو گرفتار کیا اس وقت بھی اس کے یہاں سات ہزار چھ سو قیدی ملے جو آزاد کئے گئے۔

فوج

عباسی دولت کی بنیاد خراسانیوں کے ہاتھ سے پڑی تھی اس لئے ان کے زمانہ میں ان کو ملکی اور فوجی بڑے بڑے عہدے حاصل ہو گئے تھے اور عربوں سے کم ان کا رتبہ نہ تھا۔ پھر مامون کی خلافت بھی اہل خراسان کی ہی بدولت قائم ہوئی اس لئے اس کے عہد میں ان کا زور بہت بڑھ گیا اور عربوں کی شان بالکل گھٹ گئی۔ عجمی عنصر تمام مناصب پر حاوی ہو گیا اور فوج میں بھی یہی لوگ بھرتی کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ مامون کے زمانہ میں کوئی عربی سپہ سالار نام و نمود نہیں حاصل کر سکا بلکہ ترکوں اور خراسانیوں نے شہرت پائی۔ ملک شام کا ایک رئیس مامون سے کہا کرتا تھا کہ شام اسلامی قوت کا مرکز ہے وہاں کے لوگوں پر بھی آپ کی وہی نظر ہونی چاہیئے جو خراسانیوں پر ہے۔ ایک بار مامون نے اس کے جواب میں کہا کہ شامیوں کو میں نے فوج سے اس وقت خارج کیا ہے جب کہ میرے خزانہ میں ایک درہم بھی نہیں رہ گیا۔ اور اہل یمن نے نہ کبھی مجھ کو پسند کیا اور نہ میں ان کو پسند کرتا ہوں رہے قضاعہ! وہ سفیانی کے خروج کے منتظر ہیں کہ اس کا ساتھ دیں۔ بنی عباس سے ان کو کوئی ہمدردی نہیں اور قبائل ربیعہ تو خود اللہ تعالیٰ سے خفا ہیں کہ اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مضر میں سے کیوں مبعوث فرمایا۔ وہ بھلا ہمارے ہوا خواہ کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اس تصریح سے صاف ظاہر ہے کہ عربی عصبیت جس کے انحطاط کو عالم اسلامی محسوس کر رہا تھا۔ اس کو بنی عباس کس نظر سے دیکھتے تھے۔ اور عربوں کے متعلق ان کا کیا رویہ تھا۔ یہی خیالات تھے جن کی بنیاد پر ان خلفا نے اہل عرب کی طرف سے اپنی توجہ پھیر لی اور عجمی فوج پر اعتماد کیا جس سے ان کی خلافت صرف نام کی عربی خلافت رہ گئی جس کی زبان عربی تھی ورنہ عربی قوت اور عربی عصبیت کا عنصر اس میں باقی نہیں تھا۔

طاہر بن حسین

مامون کے سپہ سالاروں میں جو شخص سب سے زیادہ ممتاز ہوا۔ وہ طاہر بن حسین بن مصعب بن رزیق بن ہامان تھا۔ رزیق حضرت طلحہ بن عبیداللہ کا جو طلحۃ الطلحات خزاعی کے لقب سے مشہور تھے غلام تھا۔ مسلم بن زیاد بن ربیعہ نے اپنی ولایت کے زمانہ میں اس کو سیستان کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ اس کا بیٹا مصعب بنی عباس کے نقیب اعظم سلیمان بن کثیر کا کاتب تھا۔ آخر میں وہ ہرات کا امیر ہو گیا تھا۔ پھر مرو کے متصل ایک مقام بوشنج میں اس نے سکونت اختیار کی۔ وہیں ۱۵۹ھ میں اس کا پوتا طاہر پیدا ہوا۔ اس نے علم و ادب سیکھا اور بڑا تنو مند اور بہادر نکلا۔ مامون جب مرو میں تھا تو اس کے دربار میں رسائی پائی۔ امین کے مقابلہ کے لئے اس نے اسی کو منتخب کیا۔ ان جنگوں میں اس کی متواتر کامیابیوں نے اس کے نام کو روشن کر دیا آخر میں اس نے بغداد پر قبضہ کیا اور امین کو قتل کر کے مامون کی بیعت لی اس کے بعد فضل بن سہل وزیر نے اس کو رقہ میں نصر بن شبث کے مقابلہ میں بھیجا لیکن بددل ہو جانے کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا۔

مامون کے بغداد میں پہنچنے پر طاہر حاضر ہوا اس وقت اس کی سابقہ خدمات کی قدر دانی کر کے مامون نے اس کو بغداد کی کوتوالی اور اس کے اطراف اور صوبہ جزیرہ کی ولایت عطا کی اسی درمیان میں یہ خبر پہنچی کہ عبدالرحمن مطوعی نے نیشا پور میں خارجیوں سے لڑنے کے لئے ایک جماعت کثیر فراہم کی ہے۔ مامون کو یہ شبہ گذرا کہ اس اجتماع کی غرض کچھ اور نہ ہو اس لئے اس نے طاہر کو خراسان کا والی مقرر کر کے بھیجا تاکہ اگر کوئی فتنہ پیدا ہو تو وہ اس کا انسداد کر سکے۔

اس نے وہاں پہنچ کر نہایت لیاقت کے ساتھ انتظام کیا جس سے ہر قسم کے فتنے رفع ہوگئے۔ مامون ہمیشہ اس کے تدبیر، شجاعت اور خیر خواہی کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اگر خلیفہ امین کے قتل کے جرم کا وہ مرتکب نہ ہوا ہوتا تو غالباً مامون اس کو وزیر اعظم کر دیتا۔

افریقہ میں ابراہیم بن اغلب اور یمن میں محمد بن ابراہیم کی طرح طاہر بھی خراسان کا مستقل امیر ہو گیا۔ اور صرف سالانہ خراج دار الخلافہ کو بھیج دیتا تھا۔ باقی کل امور میں آزاد تھا۔

۲۰۷ھ میں مرو میں اس نے انتقال کیا۔ ۲۵۹ھ تک خراسان کی حکومت اس کی اولاد کے ہاتھ میں رہی اس کے بعد یعقوب بن لیث صفار نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا اور خاندان صفاریہ کی حکومت قائم ہو گئی۔

باوجود استقلال کے خاندان طاہر کا یہ علاقہ دار الخلافہ کے ساتھ ہمیشہ خوشگوار رہا جس کی وجہ یہ تھی کہ بغداد کی کوتوالی کا عہدہ بھی نسلاً بعد نسلاً اسی خاندان میں چلا آیا۔ اور برابر ان کے تعلقات مرکز کے ساتھ قائم رہے۔

عبداللہ بن طاہر

طاہر کا بیٹا عبداللہ بھی عہد مامونی کا نامور سپہ سالار تھا۔ اس کی ولادت ۱۸۲ھ میں ہوئی تھی طاہر کی کامیابیوں کے بعد ۱۹۹ میں مامون نے اسے اپنے دربار میں لے لیا اور اس کی تربیت کی۔ ۲۰۴ھ میں نصر بن شبث کے مقابلہ میں اس کو متعین کیا پانچ سال کی متواتر جنگ کے بعد جب وہاں سے کامیابی کے ساتھ فراغت پائی تو مامون نے اس کو مصر کی طرف بھیجا کیونکہ وہاں کا امیر عبیداللہ بن سری باغی ہو گیا تھا۔ عبیداللہ نے جا کر اس کو محصور کیا۔ مجبوراً اس نے امان طلب کی۔

اس فساد کو فرو کر کے وہ اسکندریہ کی طرف بڑھا جہاں اندلس کی فوجیں آکر مسلط ہو گئی تھیں ان کو نکال کر امن قائم کیا۔

علامہ یونس بن عبدالاعلیٰ نے جو مصر کے ایک ممتاز محدث تھے لکھا ہے کہ مصر کی یہ حالت تھی متغلبین اٹھ کھڑے ہوئے تھے جابجا فتنہ اور فساد برپا تھا۔ ایک طرف سے اندلسی فوجوں نے مصیبت ڈھا رکھی تھی اور اہل مصر سختی اور بلا میں گرفتار تھے کہ اسی درمیان میں مشرق کی طرف سے ایک نوجوان (عبداللہ بن طاہر) آیا اس نے چند دنوں میں سارے ملک میں امان قائم کر دیا اور سب کو مطیع و فرماں بردار بنا لیا۔ ۲۱۲ھ میں جب وہ مصر سے واپس آیا تو مامون نے جبال، آرمینیہ اور آذربائیجان کی ولایت کا فرمان دے کر بابک کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا لیکن اسی اثناء میں خبر آ گئی کہ طلحہ بن طاہر والی خراسان کا انتقال ہو گیا۔ اس نے اس کو خراسان جانے کا حکم دیا وہاں وہ متواتر اٹھارہ سال تک حکمران رہا۔ اور ۲۳۰ھ میں واثق باللہ کے عہد میں وفات پائی۔

محاصل

مامون کا عہد اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کے زیر نگیں جس قدر صوبے تھے اور ان سے جتنا خراج ہر سال دار الخلافہ میں آتا تھا وہ کتب تاریخ میں مرقوم ہے۔ علامہ ابن خلدون نے عہد مامونی کے محفوظ سرکاری کاغذات کو دیکھ کر تفصیل وار اس کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ ہم بجنسہ یہاں درج کرتے ہیں۔

اقلیم	زر نقد	پیداوار خام
سواد	۲۷۸۰۰۰۰۰ درہم	۲۰۰ نجرانی پارچے اور ۲۴۰ رطل مہر لگانے کی مٹی
کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰ درہم	
کورِ دجلہ	۲۰۸۰۰۰۰۰ درہم	

حلوان	۳۸۰۰۰۰۰ درہم
اہواز	۲۵۰۰۰۰۰۰ درہم ۳۰۰۰۰ رطل شکر
فارس	۲۷۰۰۰۰۰۰ درہم ۳۰۰۰۰ شیشے ۲۰۰۰۰ رطل روغن سیاہ
کرمان	۴۲۰۰۰۰۰ درہم ۵۰۰ یمنی تھان، ۲۰۰۰۰ رطل خرما۔
مکران	۴۰۰۰۰۰۰ درہم
سندھ مع مضافات	۱۱۵۰۰۰۰۰ درہم ۱۵۰ رطل عود ہندی
سجستان	۴۰۰۰۰۰۰ درہم ۳۰۰ تھان، ۲۰ رطل فانیذ
خراسان	۲۸۰۰۰۰۰۰ درہم ۴۰۰۰ گھوڑے ۱۰۰۰ غلام، تھان ۳۰۰۰۰ رطل بلیلہ، ۲۰۰۰ نقرہ، چاندی
جرجان	۱۲۰۰۰۰۰۰ درہم ۱۰۰۰ پارچہ ریشمی
قومس	۱۵۰۰۰۰۰ درہم ۱۰۰۰ نقرہ چاندی
طبرستان درریان	۶۳۰۰۰۰۰ درہم ۶۰۰ فرش طبرستانی، ۲۰۰ چادریں ۵۰۰ تھان
رے	۱۲۰۰۰۰۰۰ درہم ۲۰۰۰۰ رطل شہد
ہمدان	۱۱۳۰۰۰۰۰ درہم ۱۰۰۰ ارطل رب الرمانین، ۱۲۰۰۰ رطل شہد
بصرہ و کوفہ	۱۰۷۰۰۰۰۰ درہم
ماسبذان وریان	۴۰۰۰۰۰۰ درہم
شہرزور	۶۷۰۰۰۰۰ درہم
موصل مع توابع	۲۴۰۰۰۰۰۰ درہم ۲۰۰۰۰ رطل شہد
آذربائیجان	۴۰۰۰۰۰۰ درہم
جزیرہ و نواحی	۳۴۰۰۰۰۰۰ درہم ۱۰۰۰ غلام، ۱۲۰۰۰ مشک شہد، ۱۰ باز، ۲ چادریں
آرمینیہ	۱۳۰۰۰۰۰۰ درہم ۲۰ قط ۵۲۰ رطل رقم، ۱۰۰۰۰ رطل سورماہی ۱۰۰۰۰ رطل سونغ، ۲۰۰ خچر، ۳۰ نکھیرے
برقہ	۱۰۰۰۰۰۰ درہم ۱۲۰ فرش
افریقہ	۱۳۰۰۰۰۰۰ درہم
کل:	۳۱۸۶۰۰۰۰۰ درہم
قنسرین	۴۰۰۰۰۰ دینار
دمشق	۴۲۰۰۰۰ دینار
اردن	۹۷۰۰۰ دینار
فلسطین	۳۱۰۰۰۰ دینار، ۳۰۰۰۰۰ رطل روغن زیت
مصر	۱۹۲۰۰۰۰ دینار
یمن	۳۷۰۰۰۰ دینار

حجاز	۳۰۰۰۰۰ دینار	
کل:	۳۸۱۷۰۰۰ دینار	

اس آمدنی کا بڑا حصہ بغداد ہی میں خلیفہ امراء وزراء لشکر اور عملہ کی تنخواہوں، عطیوں اور بخششوں میں صرف کرتا تھا۔ اس وجہ سے رفاہیت اور خوش حالی عام تھی۔

طیفوری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ مامون جس وقت ملک شام میں تھا معتصم اپنی ولایت کا خراج لے کر پہنچا اور اس کے سامنے تیس کروڑ درہم رکھوا دیئے۔ مامون نے کہا کہ ہمارے اہل دربار اور عملہ اس کو دیکھتے ہوئے خالی ہاتھ اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ اور ہمیں اس کے مالک بنیں یہ تو مناسب نہیں معلوم ہوتا اسی وقت اپنے وزیر محمد بن یزداد کو بلا کر کسی کو دس ہزار کسی کو بیس ہزار دلوایا اور فرمایا کہ جو کچھ بچ گیا ہے اس کو بخشی کے پاس بھیج دو وہ فوج میں تقسیم کر دے۔ حقیقت میں یہ بہت بڑی بخشش ہے لیکن آمدنی کا خیال کیا جائے تو وہ اس سے کہیں بڑھ کر تھی۔

علوم و فنون

آغاز اسلام میں مسلمانوں کو بوجہ جنگ و جہاد کے علوم و فنون کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں ان کا علمی مشغلہ صرف قرآن اور روایت حدیث تھا۔ بنی امیہ کے عہد سے تدوین کتب شروع ہوئی اور تفسیر و حدیث کی بعض کتابیں لکھی گئیں۔ سب سے پہلا شخص جس نے علوم دخیلہ کی طرف توجہ کی خالد بن یزید اول تھا۔ اس کو کیمیا کا بہت شوق تھا چنانچہ اس نے مصر سے چند یونانیوں کو جو وہاں سکونت گزیں تھے شام میں بلایا اور ان سے اس فن کی بعض یونانی اور قبطی کتابوں کا عربی ترجمہ کرایا پھر خود بھی اس میں رسالے لکھے۔ بنی امیہ ہی کے عہد میں قبطی، سریانی اور فارسی زبانوں سے دفتر حکومت عربی میں منتقل کیا گیا۔ اس وقت سے غیر عرب بھی اس زبان کو سیکھنے لگے بالخصوص ایرانیوں کی ایک کثیر تعداد عربی دان ہو گئی۔

عباسی حکومت میں جب عربی اقوام سے تعلقات بڑھے تو خلفاء کو یہ شوق پیدا ہوا کہ ان کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل فرمائیں۔ سب سے پہلے خلیفہ ابو جعفر منصور نے کتب قدیم کے ترجموں کی طرف توجہ کی اس کے لیے جورجس بن جبرائیل نے جو جندیسا پور کے شفاخانہ میں طبیب تھا طب کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ۱۴۸ھ میں منصور نے اس کو اپنے دربار میں بلایا۔ اور قدر دانی فرما کر اس کے رتبہ کو بڑھا دیا۔ اس نے بقراط اور جالینوس کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کر ڈالا۔ جورجس کے علاوہ اور لوگ بھی اس کام میں مشغول ہوئے ابن المقفع نے کلیلہ ودمنہ کو فارسی سے عربی میں نقل کیا۔ سنسکرت کی کتاب سند ہند اور بطلیموس کی کتاب مجسطی اور اقلیدس کے مقالے عربی میں منتقل ہوئے۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں یہ شوق اور ترقی کر گیا اس نے بیت الحکمت کے نام سے ایک مکتب خانہ قائم کیا جس میں کتابوں کے ترجمے کئے جاتے تھے۔ اس میں اس نے مختلف اقوام و ملل کے علماء اور حکماء اسی کام کے لئے ملازم رکھے۔ جنگ روم میں جب اس نے انگورہ اور عموریہ وغیرہ کو فتح کیا تو وہاں سے بہت سی یونانی کتابیں مختلف علوم و فنون کی لایا۔ اور ان کا ترجمہ کرایا۔ برامکہ نے بھی اپنی فیاضی اور سخاوت سے مترجمین کی سرپرستی کی اور بہت سے اہل علم کو اس کام میں لگایا۔

خلفاء عباسیہ میں مامون سب سے زیادہ صاحب علم و فضل تھا اس نے بڑے بڑے ائمہ مثلاً یزیدی خلیل بصری اور کسائی وغیرہ سے علوم ادبیہ کو حاصل کیا تھا۔ امام مالک سے حدیث پڑھی تھی اس کو چونکہ فلسفہ سے بھی ذوق تھا۔ اس لئے اس نے قیصر کو ایک خط لکھا کہ علوم قدیمہ کی جو کتابیں روم میں محفوظ ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دی جائیں تاکہ ان میں گمراہی پھیلے اور ہماری قوم اس سے محفوظ رہے۔ مامون نے حجاج بن مطر یحییٰ بن بطریق یوحنا بن ماسویہ اور بیت الحکمۃ کے مہتمم سلما وغیرہ کو بھیجا یہ جا کر وہاں سے کتابیں لائے اور پھر ان کے لئے مترجمین مقرر کئے۔ اس عہد میں یہ شوق اس قدر عام ہو گیا تھا کہ خلیفہ کے علاوہ امراء نے بھی اپنے یہاں دار التراجم قائم کئے۔ بنو شاکر یعنی محمد، احمد، اور حسن تینوں نے روم سے فلسفہ، طب ہندسہ حساب اور موسیقی وغیرہ کی کتابیں

منگوا کر ان کے ترجمے کرائے اور بیش قرار دولت اس کام میں صرف کی۔ حنین بن اسحاق بن ثابت بن قرہ اور جیش بن الحسن وغیرہ جیسے ممتاز اہل علم ترجمہ کے لئے ملازم تھے جن کی تنخواہوں کا ماہوار خرچ پانچ سو دینار تھا۔

مامون کے طبیب خاص جبریل بن بختیشوع نے بھی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ قسطا بن لوقا بعلبک کا ایک عیسائی تھا جو مختلف زبانیں جانتا تھا۔ اور طب، فلسفہ اور حساب اور موسیقی سے ذوق رکھتا تھا اس نے بھی یونانی زبان سے متعدد کتابیں عربی میں منتقل کیں۔ عہد مامونی کے مترجمین میں سب سے نامور یعقوب بن اسحاق کندی تھا۔ اس کا سلسلہ نسب اشعث بن قیس بن معدی کرب مشہور قحطانی رئیس تک پہنچتا ہے۔ یہ شخص طب، فلسفہ، منطق، ہندسہ اور نجوم وغیرہ میں کامل تھا۔ اسلام میں فلسفی اور حکیم لقب سب سے پہلے اسی کو ملا۔ اس نے ارسطو کے فلسفہ اور منطق کو عربی میں نقل کیا اور ان میں جو مشکلات تھیں وہ بھی حل کر دیں۔ حنین بن اسحاق طب میں فاضل تھا۔ اور یونانی، سریانی، فارسی اور عربی اچھی طرح جانتا تھا۔ ان ممالک میں اس نے سیاحی بھی کی تھی۔ ۲۶۰ھ میں وفات پائی۔ اس کے ترجمے نہایت اچھے ہیں۔ عمر بن فرخان طبری اور ثابت بن قرہ حرانی بھی اچھے مترجمین میں تھے۔

ان کے علاوہ اور بھی کثرت سے مترجمین تھے جنہوں نے حساب، اعداد، لحن اور موسیقی وغیرہ ہر قسم کی کتابیں ترجمہ کیں جن کی وجہ سے علوم اسلامیہ و عربیہ کے علاوہ یونانی، رومی، قبطی اور فارسی، ہندی اقوام کے جملہ علوم و فنون عربی میں آگئے اور امت اسلامیہ میں شائع ہوگئے۔

محیط زمین

مامون نے ہیئت کی کتابوں میں دیکھا کہ کرہ زمین کا دور ۲۴۰۰۰ میل ہے اس نے اس کی تحقیق کے لئے اہل ہیئت کی ایک جماعت متعین کی جن میں بنی شاکر بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے سنجار کے میدان کو جو مسطح تھا اس کام کے لئے منتخب کیا۔ وہاں ایک مقام پر قطب شمالی اور ارتفاع دریافت کر کے ایک کھونٹی گاڑی پھر خط مستقیم رسی باندھتے اور کھونٹیاں گاڑتے ہوئے اس کے شمالی جانب چلے گئے جب ۶۶-۲/۳ میل پر پہنچ تو دیکھا کہ قطب شمالی کا ارتفاع پورا ایک درجہ بڑھ گیا۔ اس لئے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ قطب کے ایک درجہ کے مقابل میں زمین کی مسافت ۶۶-۲/۳ میل پڑتی ہے۔

مزید تحقیق کے لئے اس مقام سے جہاں پہلے کھونٹی گاڑی تھی جنوب کی طرف اسی طرح چلے اور جب ۶۶-۲/۳ میل پر پہنچ تو دیکھا کہ ارتفاع قطب ایک درجہ کم ہے اس لئے یقین ہوگیا کہ قطب کے ایک درجہ کی مطابقت زمین کے ۶۶-۲/۳ میل کے ساتھ بالکل ٹھیک ہے اب اس حساب سے آسمان کے ۳۶۰ درجوں کو ۶۶-۲/۳ کے ساتھ ضرب دیا تو ۲۴۰۰۰ میل ہوئے۔ لیکن مامون کے دل کو تسلی نہیں ہوئی اس نے حکم دیا کہ کسی دوسرے مقام پر بھی اسی طریقے سے تحقیقات کی جائے چنانچہ دوبارہ صحرائے کوفہ میں یہی عمل کیا گیا۔ اور بالکل پہلی تحقیق کے مطابق اترا اس لئے یہ بات مسلم ہوگئی کہ کرہ زمین کا محیط ۲۴ ہزار میل ہے۔

رصدگاہ

۲۱۴ھ میں مامون نے اطراف ملک سے ممتاز اہل ہیئت و تنجیم مثلاً خالد بن عبدالملک مرو روزی۔ سند بن علی اور عباس بن سعید جوہری وغیرہ کو طلب کر کے شماسیہ میں ایک رصدگاہ بنوائی یحییٰ بن ابی منصور اس کا منتظم تھا۔ مامون کے منجم خاص ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جس نے سب سے پہلے کتاب الجبر و المقابلہ لکھی۔ اسی رصدگاہ میں تحقیقات کر کے اپنی زیج مرتب کی جو ابن فزاری کی زیج سے فوقیت لے گئی۔

مامون کی اس ہنر پروری اور علمی دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت تک دنیا میں جس قدر علوم و فنون تھے اہل اسلام ان سب کے مالک اور ان میں دیگر اقوام سے فائق تر ہوگئے۔ اسی بنیاد پر ہمارے ملک کے ایک علم دوست مورخ نے اس کو ابطال اسلام میں

شمار کیا ہے ۔ کیونکہ وہی ان علوم کے لواء کا حامل تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ اسلام کا کام محض نشر و اشاعت علوم ہی نہیں ہے بلکہ اس کا اولین فرض یہ ہے کہ قانون شرع کے مطابق امت کی مہمات کو انجام دے اور اصول اسلام کی حمایت اور ان کا احترام کرے ۔ اس حیثیت سے دیکھو گے تو مامون کی شخصیت بھی دیگر خلفائے عباسیہ کی طرح مستبد جمہوریت کش امت کی آزادی بلکہ ان کی دینی حریت کو بھی سلب کرنے والی ملے گی جیسا کہ آئندہ صفحات سے روشن ہو جائے گا۔

مجالس علمیہ

مامون کو چونکہ بہ نسبت اپنے پیش رو خلفاء کے علم سے زیادہ ذوق تھا۔ اس لئے وہ ایک جماعت اہل علم کی اپنے ساتھ رکھتا تھا اور ان سے علمی بحثیں کرتا تھا۔ بغداد میں اس وقت اگرچہ علوم دینیہ کو غلبہ تھا لیکن متکلمین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو عقائد دین میں عقلی اصول کے ساتھ بحث کرتا تھا۔ اور چند ایسے نتیجوں پر پہنچ گیا تھا جو علمائے دین کے مسلمہ عقائد سے مختلف تھے اس لئے اس گروہ اور جمہور اہل اسلام میں ایک مخالفت قائم ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے یہ اختلافات بصرہ میں پیدا ہوئے پھر وہاں سے منتقل ہو کر بغداد پہنچے اس جماعت کا بانی واصل بن عطاء غزال اور عمرو بن عبید تھا جس کی خلیفہ منصور کے دربار میں بڑی عزت تھی۔

اس کے بعد اس کے سرغنے ابو ہذیل علاف ابراہیم بن سیار نظام بشر بن غیاث مریسی عمرو بن بحر جاحظ اور ثمامہ بن اشرس وغیرہ ہوئے یہی لوگ راس المتکلمین اور رؤساء اعتزال تھے۔

اہل سنت سے جن مسائل میں ان کا اختلاف تھا ان میں سے مندرجہ ذیل دو نہایت اہم تھے۔

(۱) خلق افعال یہ لوگ کہتے تھے کہ بندوں کے جس قدر افعال ہیں ان کے خالق وہ خود ہیں اسی سبب سے وہ ان کے اوپر جزا و سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

اہل سنت کہتے تھے کہ افعال کا بندوں سے بجز اس کے اور کچھ تعلق نہیں کہ ان کے توسط سے وہ صادر ہوتے ہیں۔ اصلی خالق ان کا اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) مسئلہ صفات ۔ معتزلہ ذات الہی کو صفات سے منزہ مانتے تھے یعنی یہ کہ قدرت ارادہ ۔ سمع ۔ بصر ۔ حیات اور کلام وغیرہ جو صفات الہی ہیں بذات خود قائم نہیں ہیں ورنہ قدماء کا تعدد لازم آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عین ذات کے لحاظ سے قادر سمیع اور بصیر وغیرہ ہے۔

اہل سنت صفات کو عین ذات نہیں مانتے تھے بلکہ قائم بالذات کہتے تھے۔ اس سے یہ اختلاف پیدا ہوا کہ قرآن جو کلام اللہ ہے حادث ہے یا قدیم ہے ۔ جمہور اس کو کلام کے صفت الہی ہونے کی وجہ سے قدیم اور غیر مخلوق کہتے تھے لیکن معتزلہ کا قول تھا کہ ان حروف اور اصوات کو اللہ تعالیٰ ایک حادث جسم میں جس کو نبی کہتے ہیں پیدا کر دیتا ہے یہی ان کے نزدیک وحی کی حقیقت تھی۔ گو علماء اہل سنت مثلاً امام ابو حنیفہ ۔ مالک ۔ اور شافعی وغیرہ میں بھی باہم اختلافات تھے لیکن ان کا مرجع مسائل شرعیہ اور امور فرعیہ تھے اس لئے یہ اختلافات مخالفت کی حد تک نہیں پہنچے تھے بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اجتہاد اور استنباط کا احترام کرتا تھا لیکن معتزلہ کے اختلافات چونکہ اصول و دیانات سے تعلق رکھتے تھے اس لئے اہل سنت ان کو مبتدع قرار دیتے تھے اور ان کے ایمان میں خلل سمجھتے تھے اسی طرح معتزلہ ان کو جاہل اور عامی کہتے تھے۔

دوسرا اختلاف سنی اور شیعہ کا تھا اسلام میں جو دو سیاسی فرقے پیدا ہو گئے تھے یعنی شیعہ اور خارجی ، ان میں سے خارجی تو تقریباً فنا ہو چکے تھے۔ مگر شیعہ باقی تھے ۔ اہل سنت کا قول تھا کہ خلفائے راشدین نے جس ترتیب سے خلافت پائی اسی ترتیب سے ان کا رتبہ اور استحقاق تھا۔ لیکن شیعہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے مستحق حضرت علی تھے اور ان کے بعد ان کی

اولاد۔ اس جماعت کے بھی دو فرقے تھے ایک امامیہ جو غالی تھے اور خلفاء ثلاثہ کو غاصب قرار دیتے تھے دوسرے زیدیہ جن کے نزدیک خلافت کے مستحق اگرچہ حضرت علی تھے لیکن خلفاء ثلاثہ بھی چونکہ عادل تھے اس لئے ان کی شان میں گستاخی ناجائز سمجھتے تھے پھر ان میں سے بھی ہر ایک کی مختلف شاخیں تھیں جن کے آراء اور خیالات میں اکثر اختلافات تھے۔

مامون جب مرو سے بغداد میں آیا تو اس نے اپنے علمی ذوق کی وجہ سے قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کو حکم دیا کہ وہ پایہ تخت کے علماء کو دربار میں لائیں۔ چنانچہ انہوں نے مختلف جماعتوں کے چالیس علماء چن کر حاضر کئے۔ مامون نے مجلس مناظرہ قائم کی۔ سہ شنبہ کے دن یہ محفل منعقد ہوتی تھی خلیفہ بھی شریک ہوتا تھا۔ اور ہر فرقہ کے اہل علم آزادی کے ساتھ بحث کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امامیہ اور زیدیہ بھی اس کے سامنے مسئلہ امامت پر بے باکی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور معتزلہ اپنے عقائد کے اثبات میں دلیلیں لاتے تھے۔

اب تک اصحاب حدیث کے غلبہ کی وجہ سے کوئی شخص اعلانیہ کسی امر میں ان کی مخالفت نہیں کرتا تھا لیکن اب مجلس مناظرہ نے یہ راستہ کھول دیا۔ غالباً مامون کا مقصد اس سے یہ تھا کہ باہمی مناظرات سے اختلافات مٹ جائیں گے اور تمام فرقے متفق اور ہم خیال ہو جائیں گے لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا کیونکہ اس نے خود ان بحثوں میں معتزلہ کے بعض عقائد کی تائید کی۔ خاص کر مسئلہ خلق قرآن میں اس لئے فقہاء اور ان کے اثر سے جمہور اہل سنت ان کے مخالف ہوگئے۔

فتنہ خلق قرآن

۲۱۲ھ میں مامون نے خلق قرآن کے عقیدہ کا اعلان کیا۔ اسی وقت سے علماء اور فقہاء نے اس کو بدعتی، ملحد بلکہ کافر بھی کہنا شروع کیا۔ یہ مخالفت برابر بڑھتی گئی یہاں تک کہ ۲۱۸ھ میں اس نے اپنی رائے کی حمایت میں اپنی قوت کو استعمال کرنا چاہا۔

اس زمانہ میں وہ شام میں جنگ کے لئے گیا ہوا تھا وہاں سے ربیع الاول ۲۱۸ھ میں امیر بغداد اسحاق بن ابراہیم بن مصعب کو نہایت سخت لہجہ میں ایک فرمان لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

خلیفہ اسلام ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میں اس دین کی حفاظت اور حمایت کروں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جہلا اور عام مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ اور اس کے کلام دونوں کو یکساں قدیم مانتے ہیں اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم موحد اور اہل حق ہیں اور دوسرے ملحد اور کافر۔ حالانکہ خود قرآن کی بہت سی آیتیں ان کے اس عقیدہ کی تردید کرتی ہیں۔ ریاکار اور جاہ پسند فقہا نے ان جاہلوں کا ساتھ دے کر ان کو اور بھڑکا رکھا ہے۔ لہذا ان کو جمع کر کے قاضیوں کے سامنے میرا یہ فرمان سنا دو۔ جو شخص قرآن کو مخلوق نہ کہے اس کا نام دفتر سے کاٹ دیا جائے اور اس کی شہادت ساقط الاعتبار سمجھی جائے۔

اسحاق کو یہ فرمان بھی لکھا کہ وہاں کے مشائخ جمہور کو میرے پاس بھیج دو۔ اس نے ممتاز علماء حدیث مثلاً امام ابن معین محمد بن سعد صاحب طبقات ابو خیثمہ زہیر بن حرب اور احمد بن ابراہیم دورقی وغیرہ کو بھیج دیا ان لوگوں نے ان کے سامنے جا کر خوف کی وجہ سے اقرار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ مامون نے پھر اسحاق کو حکم بھیجا کہ اس مسئلہ کے متعلق علمائے بغداد کے بیانات قلم بند کر کے میرے پاس بھیجو اس نے بیس اہل علم کو جمع کیا اور ان کے اظہار لئے۔ سوالات و جوابات کی جو نوعیت تھی اس کو دکھانے کے لئے دو ایک بیان نمونتاً درج کرتا ہوں۔

اسحاق۔ قرآن کے مخلوق ہونے کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔؟

علی بن مقاتل۔ میں اس سے پیشتر خود امیر المومنین سے اس کے بارے میں کہہ چکا ہوں۔

اسحاق۔ کیا قرآن مخلوق نہیں۔؟

علی ۔ قرآن کلام اللہ ہے۔
اسحاق ۔ میرا سوال یہ نہیں ہے۔
علی ۔ اس کے سوا اور کوئی جواب میرے پاس نہیں ہے ۔ ہاں اگر امیر المومنین مجھ سے کسی بات کے کہنے کا حکم دیں گے ، تو میں ان کی اطاعت کروں گا۔

علامہ بشیر بن ولید سے اسحاق نے پوچھا کہ تمہارا قرآن کے متعلق کیا ارادہ ہے۔
بشیر میرا جو کچھ خیال ہے اس کو میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں۔
اسحاق ۔ لیکن اب پھر امیر المومنین کا فرمان آیا ہے۔
بشیر ۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ قرآن کلام اللہ ہے۔
اسحاق ۔ میں یہ نہیں پوچھتا۔ میرا سوال یہ ہے کہ وہ مخلوق ہے یا نہیں۔؟
بشیر ۔ اللہ ہر شے کا خالق ہے۔
اسحاق ۔ قرآن شے ہے۔
بشیر ۔ بے شک
اسحاق ۔ تو وہ مخلوق ہوا۔
بشیر ۔ وہ خالق نہیں ہے۔
اسحاق ۔ یہ تو جواب نہیں ہوا۔
بشیر۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خود امیر المومنین سے بھی کہہ آیا تھا کہ میں اس کے متعلق گفتگو کرنا نہیں چاہتا ہوں۔

اسحاق نے تمام لوگوں کے بیانات لکھ کر بھیج دیئے ۔ مامون نے نہایت برافروختہ ہو کر ایک طویل طومار لکھا۔ جس کو ایک قاصد کے ہاتھ بھیجا بغداد کے ائمہ حدیث اور فقہاء پر ایک ایک کر کے رشوت خوری ، خیانت ، دروغ گوئی ، جہالت اور ریاکاری وغیرہ کی تہمتیں لگائیں اور آخر میں حکم لکھا کہ اگر یہ لوگ قرآن کو مخلوق نہ کہیں تو ان کو پابہ زنجیر میرے لشکر میں بھیج دو دونوں شخصوں بشیر بن ولید اور ابراہیم بن مہدی کے بارے میں لکھا کہ ان سے توبہ کراؤ ۔ اور اگر یہ اپنے عقیدہ سے باز نہ آئیں تو ان کو قتل کر دو۔

اسحاق نے پھر اہل علم کو جمع کیا۔ اور یہ خط سنایا اس چنگیزی فرمان کو سن کر بجز چار شخصوں کے سب نے قرآن کو مخلوق کہہ دیا وہ چاروں قید کئے گئے ان میں سے بھی ایک نے دوسرے دن اور دوسرے نے تیسرے دن اقرار کر لیا اور چھوٹ گئے صرف دو شخص امام احمد اور محمد بن نوح ثابت قدم رہ گئے ۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ ہم قرآن کبھی مخلوق نہیں کہیں گے۔ اسی درمیان میں مامون کا ایک اور حکم آیا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ بعضوں نے خوف کی وجہ سے اقرار کر لیا ہے لہذا ایسے منافقوں کو مقید کر کے میرے پاس بھیج دو۔ اسحاق نے علماء کی ایک جماعت کو بیڑیاں پہنا کر سپاہیوں کی حراست میں طرسوس کی جانب روانہ کیا۔ یہ لوگ مقام رقہ میں پہنچے تھے کہ وہاں مامون کے مرنے کی خبر آ گئی ۔ اس لئے پھر بغداد کو واپس بھیج دیئے گئے ۔ مامون نے محض متعصبانہ ضد کی وجہ سے اس چھوٹے سے مسئلے کو اٹھا کر امت میں تفریق پیدا کر دی اور ائمہ حدیث اور علماء امت کو مصیبت اور آزمائش میں ڈال دیا۔ اس سے نہ صرف اس کی تنگ مزاجی اور فلسفیانہ دیوانگی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اس کی تنگ خیالی اور کوتاہ عقلی کا بھی ثبوت ملتا ہے ۔ اس کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں تھا کہ ایک علمی مسئلہ کو دینی عقیدہ قرار دے کر اپنی قوت کے زور سے جبراً لوگوں سے تسلیم کرائے خاص کر ان ائمہ اور پیشوایان دین سے جن کے سامنے وہ طفل مکتب کی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا۔

مامون نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے بھائی معتصم ولی عہد کو تاکید کے ساتھ وصیت کر گیا کہ میرے بعد تم بھی اسی طرح

ان علماء پر سختی جاری رکھنا۔ معتصم اگرچہ ایک سپاہی آدمی تھا۔ اور علم خاص کر فلسفہ سے زیادہ ذوق نہیں رکھتا تھا۔ لیکن بھائی کی وصیت اور نیزان رؤساء اعتزال کے اثر سے جو دربار میں رسوخ پائے ہوئے تھے اس نے بھی اس تشدد کو جاری رکھا امام احمد بن حنبل کو قید خانہ سے بلوا کر تازیانوں سے پٹوانا تھا اور مجبور کرتا تھا کہ وہ قرآن کو مخلوق کہیں انہوں نے قریباً ڈھائی سال اس سختی کو برداشت کیا اور صبر کے ساتھ اپنے عزم پر قائم رہے اکثر جب کوڑے پڑتے تھے تو بیہوش ہو جاتے تھے۔

معتصم کے بعد واثق نے بھی اپنے چچا اور باپ کی اس سنت کو جاری رکھا۔ اس زمانہ میں احمد بن نصر ایک ممتاز رئیس تھا۔ اس کا دادا مالک بن ہشیم چونکہ دعوت عباسیہ کے نقباء میں سے تھا اس لئے دربار خلافت میں اس کا خاندانی اثر اور اقتدار چلا آتا تھا۔ وہ اکثر ائمہ حدیث کی صحبتوں میں بیٹھا کرتا تھا۔ اور معتزلہ کا سخت دشمن تھا چنانچہ باوجود واثق کے تشدد اور اپنی درباداری کے بھی اس نے خلق قرآن کے عقیدے کی علانیہ مخالفت کی۔ اور واثق اور اس کے رفقاء کو کافر کہنے لگا۔

عام مسلمانوں نے اس کا ساتھ دیا۔ اس نے مخفی طور پر چند ہزار کی ایک جماعت تیار کی۔ ایک رات اس کو بغداد کی دونوں جانب تقسیم کیا اور ایک نقارہ رکھا کہ جس وقت یہ بجایا جائے دونوں سمت سے سب لوگ قصر خلافت پر حملہ کریں لیکن بد قسمتی سے جو لوگ اس کے بہانے پر متعین تھے ان میں سے ایک شخص نے بنیذ پی لی تھی اس نے وقت مقررہ سے قبل اس پر چوبیں مارنی شروع کر دیں لوگ ابھی تک تیار نہیں ہوئے تھے۔ یہ آواز سن کر محمد بن ابراہیم نائب کوتوال موقعہ پر پہنچ گیا۔ وہاں اس کو اس سازش کا پتہ چل گیا۔ اس نے ان میں سے جس قدر لوگ مل سکے ان کو گرفتار کر کے قید کیا۔ اور صبح کو واثق کے دربار میں لے گیا۔ واثق نے احمد بن نصر سے زیادہ گفتگو نہیں کی۔ صرف یہ پوچھا کہ تم قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا کہ وہ کلام اللہ ہے۔ واثق نے حاضرین سے فتویٰ لے کر اس کو قتل کر دیا۔ پھر اس کے جسم کو سامرا میں سولی پر چڑھا دیا۔ اور سر کو بغداد میں بھیج دیا۔ کان میں ایک رقعہ لٹکا دیا جس پر لکھا ہوا تھا۔ "یہ احمد بن نصر مشرک اور گمراہ کا سر ہے جس کو امیر المومنین نے بغرض تقرب الٰہی خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔"

مصر میں اس وقت امام ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ نہایت ممتاز عالم اور امام شافعی کے شاگرد رشید تھے۔ واثق کو معلوم ہوا کہ وہ قرآن کو غیر مخلوق کہتے ہیں اس نے والی مصر کے نام حکم بھیجا کہ ان سے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار لو۔ وہ چونکہ امام مذکور کے ساتھ محبت اور حسن عقیدت رکھتا تھا۔ اس لئے ان کو یہ خط سنا کر بہت سمجھایا۔ اور کہا کہ آپ صرف میرے سامنے اقرار کر لیں تاکہ میں خلیفہ کو لکھ دوں اور آپ اس مصیبت سے بچ جائیں انہوں نے کہا کہ میرے ماننے والے لاکھوں ہیں ان سب کی ذمہ داری میرے اوپر ہو گی۔ والی نے مجبور ہو کر ان کو خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ اس نے قید کر دیا۔ اسی قید میں ۲۳۱ھ میں وہ انتقال کر گئے۔

اسی قسم کی سختیوں سے جمہور اس عقیدے میں اور بھی سخت ہو گئے یہاں تک کہ معتزلہ کا مذاق بھی اڑانے لگے۔ ایک بار عبادہ نے جو واثق کا ظریف الطبع درباری تھا اس سے کہا کہ جب قرآن مر جائے گا تو کیا ہو گا واثق نے کہا کہ قرآن کیوں مرے گا اس نے کہا کہ ہر مخلوق کے لئے فنا ہے اور وہ بھی مخلوق ہے ایک دن ضرور مرے گا۔ پھر رمضان میں تراویح کیونکر پڑھی جائے گی یہ سن کر واثق ہنس پڑا اور کہا کہ بس بس۔

واثق بھی اپنی سختیوں سے تنگ آ گیا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس ناگوار جھگڑے سے رہائی ملے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کی بدولت جمہور کے ساتھ مخالفت کی خلیج دن بدن وسیع تر ہوتی جاتی تھی۔ اور نفع کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک دن ایک بڈھا آدمی اسی بارے میں پکڑا گیا۔ دربار میں لایا گیا۔ ابن ابی داؤد رئیس معتزلہ نے جو اس فتنہ کا اصل بانی تھا اس سے سوال کیا کہ کیا قرآن مخلوق نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ اس کا جواب دینے سے پہلے میں خود تم سے سوال کرتا ہوں کہ اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم بھی جانتے تھے یا نہیں؟ ابن داؤد نے کہا کہ یقیناً جانتے تھے اس نے کہا کہ پھر انہوں نے لوگوں سے اس کا اقرار

لیا یا خاموش رہے ۔ ابن ابی داؤد نے کہا کہ خاموش رہے اس نے کہا کہ جس امر میں یہ لوگ خاموش رہے کیا اس میں تمہارے لئے خاموشی کی گنجائش نہیں ہے ؟ ابن ابی داؤد چپ ہو گیا۔ واثق خوش ہوا اس نے بڈھے کو چھوڑ دیا۔ اس کے اس جملہ کو کہ کیا تمہارے لئے اس میں خاموشی کی گنجائش نہیں ہے اپنی زبان سے کئی بار دہرایا۔ ان وجوہات سے سختی کی آگ دھیمی پڑ گئی۔ ۲۳۲ھ میں جب متوکل خلیفہ ہو گیا تو اس نے یک قلم ان جھگڑوں کو موقوف کر دیا۔ اور لوگوں کو ان کے عقیدوں پر چھوڑ دیا۔ جمہور اہل اسلام خوش ہو گئے۔

احوال خارجیہ

مامون کے ابتدائی عہد میں رومیوں سے کوئی جنگ نہیں پیش آئی ۔ لیکن جب انہوں نے جابجا اسلامی سرحدوں پر حملہ کرنے شروع کئے تو محرم ۲۱۵ھ میں مطابق مارچ ۸۳۰ء کو اسحاق بن ابراہیم کو اپنا قائم مقام کر کے بغداد سے فوجیں لے کر موصل کی طرف روانہ ہوا۔ اور منبج سے دابق وہاں سے انطاکیہ ہوتا ہوا طرسوس پہنچا۔ یہی سرحدی چھاؤنی تھی۔ جولائی کے مہینے میں رومیوں کے ہاتھ سے قلعہ قرہ کو فتح کر کے ڈھا دیا۔ وہاں جس قدر رومی پکڑے گئے ان کو اپنی فوج سے چھپن ہزار دینار پر خرید کر آزاد کر دیا۔ اور ہر ایک کو زاد راہ کے لئے ایک ایک اشرفی دے کر رخصت کیا۔ یہیں سے اپنے غلام شناس کو قلعہ سندس کی طرف بھیج دیا اس نے اس پر قبضہ کر کے وہاں کے رئیس کو قتل کیا۔ عجیف اور جعفر کو فوج کے ساتھ قلعہ سنان کے محاصرہ کے لئے روانہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے اطاعت قبول کر لی۔

ان فتوحات کے بعد وہ شام کی طرف واپس آیا۔ یہاں یہ خبر پہنچی کہ قیصر روم نے طرسوس اور مصیصہ کے چھ سو ساٹھ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ اس لئے پھر روم کی طرف پلٹا۔ پہلے مقام انطیغو پر قبضہ کیا۔ پھر معتصم کو فوج دے کر آگے بھیجا اس نے تیس قلعے فتح کئے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو جماعت فقہا میں سے تھے وہ بھی ایک فوج لے کر طوانہ کی طرف گئے اور اس کو تاخت و تاراج کر کے واپس آئے۔ ان فتوحات کے بعد مامون یکسوم ہوتا ہوا دمشق میں آیا۔ مصر میں چونکہ اضطرابات تھے۔ اس لئے ۲۱۶ھ میں وہاں گیا۔ جابجا دورہ کر کے انتظام کو درست کیا۔

اہرام کے متعلق بعض لوگ یہ خیال رکھتے تھے کہ ان میں فراعنہ کے خزانے مدفون ہیں اس خیال سے ان میں سے ایک کو کھدوایا۔ لیکن کچھ مال برآمد نہ ہوا۔ اور صرفہ بہت پڑ گیا۔ اس وجہ سے چھوڑ دیا۔ لیکن یہ خیال بے بنیاد نہ تھا۔ چنانچہ آج کل مصر میں قدماء مصر کے قبرستان سے بے شمار قیمتی ذخائر برآمد ہوئے ہیں۔

مصر سے دمشق میں واپس آکر ۲۱۷ھ میں پھر روم پر فوج کشی کی اور لولوہ کا جو بہت نامی اور مشہور قلعہ تھا محاصرہ کیا۔ عجیف کو وہاں چھوڑ کر آگے بڑھا۔ اس کو اہل قلعہ نے دھوکہ سے گرفتار کر لیا لیکن آٹھ روز کے بعد چھوڑ دیا۔ اسی درمیان میں قیصر روم توفیل خود لشکر لے کر وہاں پہنچا۔ مامون نے جب اس کی آمد کی خبر پائی تو عجیف کی مدد کے لئے پلٹا۔ قیصر بھاگ گیا۔ اہل قلعہ نے امان طلب کی جو منظور کی گئی۔ جمادی الثانی ۲۱۸ھ میں مامون نے اپنے بیٹے عباس کو طوانہ میں مقرر کیا کہ اس کو آباد کرے اس نے ایک میل لمبا اور ایک میل چوڑا شہر آباد کیا اور مختلف جنگجو قوموں کو وہاں لا کر بسا دیا فصیل تین میل مدور تھی ۔ مامون رقہ میں آگیا۔ وہاں سے پھر روم کی طرف بڑھا لیکن طرسوس میں پہنچ کر انتقال کر گیا۔

اخلاق و عادات

مامون تمام خلفاء عباسیہ میں حلم و عفو میں بے نظیر تھا۔ درگذر میں اس کو ایسی لذت ملتی تھی کہ اکثر خطاؤں کے بخشنے کے بعد وہ درگاہ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کرنے کے لئے گر پڑتا تھا۔ خود اس کے دشمن بھی اگر اس کے سامنے آجاتے تھے تو ان کو معافی دے دیتا تھا

یہاں تک کہ فضل بن ربیع کے قصور کو بھی جو ان تمام لڑائیوں کا بانی تھا جو امین کے ساتھ ہوئی تھیں اس نے بخش دیا۔

زید بن علی کا بیان ہے کہ مامون ایک دن کھانا کھا رہا تھا ندما اور اہل دربار سب دسترخوان پر تھے اور سعید خطیب اس کے پس پشت کھڑا ہوا اس کے محامد بیان کر رہا تھا۔ یکایک مامون کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لوگوں نے سبب پوچھا اس نے کہا کہ کوئی رنج یا غم نہیں ہے، بلکہ دل میں اللہ تعالیٰ کے شکریہ کا ایک جذبہ پیدا ہوا جس کے باعث آنسو نکل پڑے۔ دیکھو یہ شخص (صحن میں فضل بن ربیع کی طرف اشارہ کر کے) ہارون کے زمانہ میں دربار میں کرسی زر پر بیٹھتا تھا۔ اس کے انداز سے اس وقت بھی میری بدخواہی نمایاں تھی لیکن اس کی بدگوئی اور چغلخوری سے ڈر کر میں اس کے ساتھ مدارات کرتا تھا۔ اور یہ اگر میرے سلام کا جواب دیتا تھا تو میں خوش ہو جاتا تھا۔ ہارون کے بعد امین کو میرے خلاف اسی نے ابھارا اور برادری کا رشتہ منقطع کرا کر باہم لڑا دیا اور یہ چاہا کہ مجھ کو گرفتار کر کے بے دست و پا بنا کر رکھے اس کا بہترین سلوک میرے ساتھ یہ تھا کہ علی بن عیسیٰ کو اس نے بجائے لوہے کے چاندی کی زنجیر دی تھی کہ میں اس میں مقید کر کے لایا جاؤں۔ آج میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم یہ ہے کہ وہ ذلت و خواری کے ساتھ میرے غلاموں کی صف میں بیٹھا ہے۔ پھر اس سعید خطیب کو دیکھو جو کل منبر پر چڑھ کر میری برائیاں کرتا تھا اور مامون کے بجائے اس نے میرا نام مانون رکھا تھا آج میری مدح و ثنا میں اس طرح تر زبان ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ یا محمد علیہما السلام کی نعت خوانی کر رہا ہے۔

مامون کا قول تھا کہ لوگ اگر جانیں کہ عفو میں مجھ کو کس قدر مزا ملتا ہے تو میرے پاس گناہوں کے تحفے لائیں لیکن مصر میں جو عجیب و غریب سختی اس نے کی کہ وہاں کے باغیوں کو باوجود اطاعت قبول کر لینے کے بھی صفر ۲۱۷ھ میں قتل کرا دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو فروخت کر دیا یہ اس کی اس صفت پر ایک نہایت بدنما داغ ہے۔

مامون علم اور ادب میں بھی ممتاز تھا اور علماء کی بے حد قدر دانی کرتا تھا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم متوفی ۲۴۲ھ کو جو اس زمانہ میں علوم ادبیہ و اسلامیہ میں وحید عصر تھے دن رات اپنی مصاحبت میں رکھتا تھا اور وزراء سے بھی بالاتر اختیارات ان کو دے رکھے تھے۔ ان کا ادب اس قدر کرتا تھا کہ ایک رات جبکہ وہ اس کے قریب سوئے ہوئے تھے مامون پانی پینے کے لئے اٹھا اس خیال سے کہ کہیں ان کی نیند نہ ٹوٹ جائے نہایت آہستہ آہستہ جا کر پانی پیا پھر دبے پاؤں آ کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ قاضی صاحب بیدار تھے صبح کو انہوں نے کہا کہ امیر المومنین رات کو میں نے آپ کا طرز عمل دیکھا کہ آپ نے میری نیند کا کس قدر احترام کیا حقیقت یہ ہے کہ انہیں اخلاق و آداب نے آپ کو بادشاہ اور ہم کو آپ کا غلام بنایا ہے۔

کرم اور فیاضی میں یہ ہارون سے بھی سبقت لے گیا۔ شاعروں اور ادیبوں کو ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ہزاروں اور لاکھوں درہم بخش دیتا تھا اس کی قدر دانیوں کی وجہ سے بغداد ہر قسم کے اہل فن کا مرجع و مرکز بنا ہوا تھا۔ شان و شوکت میں بھی وہ اپنے آباؤ اجداد سے فوقیت رکھتا تھا روزانہ دس ہزار درہم اس کے دسترخوان کا صرفہ تھا۔ اس زمانہ کی دولت و ثروت اور جاہ و حشمت کا اندازہ کرنے کے لئے مامون کی ایک شادی کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

وزیر ذوالریاستین کے قتل کے بعد ۲۱۰ھ میں مامون نے اس کے بھائی حسن بن سہل کی بیٹی بوران کے ساتھ شادی کا ارادہ کیا حسن کی طرف سے مقام فم الصلح میں برات کے لئے انتظام کیا گیا۔ مامون مع اپنے اہل خاندان ارکان سلطنت و حشم و خدم کے گیا۔ انیس دن تک وہاں جشن رہا اور حسن کی طرف سے شاہانہ مہمان نوازی ہوتی رہی اس نے کاغذ کے پرچوں پر گاؤں گھوڑے درہم، دینار کی رقمیں لکھ کر مشک میں ان کی گولیاں بنا کر بنی ہاشم امراء فوج اور اعیان سلطنت کے اوپر نثار کیں اور ان سے کہہ دیا کہ جس کے ہاتھ میں جو پرچہ پڑے اس میں جو کچھ لکھا اس کو خزانچی سے وصول کرے۔ عام لوگوں پر درہم و دینار اور مشک وغیرہ وغیرہ بکھیرا۔ مامون کے لئے ایک فرش مکلل بجواہر سونے کے تاروں سے بنوایا گیا تھا جب اس پر بیٹھا تو درہائے شاہوار نثار کئے گئے۔ اس تقریب

میں حسن بن سہل نے پانچ کروڑ درہم صرف کئے مامون جب وہاں سے واپس آنے لگا تو فم الصلح کو حسن کی جاگیر میں دے دیا اور ایک کروڑ درہم نقد اور فارس اور اہواز کا ایک سال کا خراج عطا فرمایا۔

مامون کے اخلاق میں سادگی اور وسعت تھی۔ بحثوں اور مناظروں میں لوگ سخت کلامی کر بیٹھتے تھے لیکن وہ برداشت کرتا تھا جب اس کی رائے کسی معاملہ پر غلطی ہوتی تھی اور ارکان دولت میں سے کوئی اس کو آگاہ کر دیتا تھا تو مان لیتا تھا۔ ایک بار اس نے فرمان لکھوایا کہ معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت بھیجی جائے قاضی یحییٰ بن اکثم کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے جا کر اس سے کہا کہ عوام اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور کچھ عجب نہیں کہ اس سے فتنہ برپا ہو جائے اس لئے بہتر یہ ہے کہ مذہبی عقیدہ میں ہر فرقہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ سیاست اور تدبیر ملکی کے لحاظ سے اس کا اظہار کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ خلیفہ کسی خاص فرقے کی طرف میلان رکھتا ہے مامون نے اس نصیحت کو سن کر فرمان کو روک دیا اور شائع نہیں کیا لیکن دفتر میں مہر شدہ وہ محفوظ رہ گیا۔

اسی طرح شیعیت کے جذبہ میں ایک بار اس نے متعہ کے جواز کے اعلان کا حکم دیا۔ قاضی یحییٰ اس کے پاس گئے اور کہا کہ متعہ تو زنا ہے اس نے کہا کہ کس دلیل سے فرمایا کہ قرآن میں صرف بیویاں اور لونڈیاں مردوں کے لئے حلال کی گئی ہیں ممتوعہ عورت نہ بیوی ہے کہ اس کو میراث ملے نہ کنیز ہے کہ بیچی جاسکے پھر اس سے تمتع کیونکر جائز ہو سکتا ہے مامون لاجواب ہو گیا اور اپنے ارادہ سے باز رہا۔

مامون اپنے ایک ایک متعلقین کے اندرونی اور خانگی نیز عام رعایا کے جزی سے جزی حالات سے باخبر رہتا تھا اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ معاملات میں کوئی اس کو کسی قسم کا فریب دے سکے۔ شعر فہمی کا ذوق صحیح رکھتا تھا اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتا تھا۔ موسیقی کا بھی شائق تھا اور بنبیذ پیتا تھا۔

وفات

۲۱۸ھ میں جب رقہ سے روم کی طرف فوج کشی کی تو مقام بدندوں میں پہنچ کر اس کو بخار آیا اور ۱۸ رجب کو وہیں انتقال کر گیا۔ لوگوں نے طرسوس میں لے جا کر دفن کیا عمر چالیس سال کی تھی مدت خلافت بیس سال پانچ مہینے تین دن رہی اس میں سے ابتدائی چھ سال مرو میں گذارے۔

ولی عہدی

مامون نے صرف ایک ہی ولی عہد اپنے بھائی معتصم کو بنایا اور اس غلطی میں مبتلا نہیں ہوا جو اس کے پیشرو خلفاء کرتے چلے آئے تھے۔ وفات کے وقت سلطنت کے اہم امور کے متعلق اس کو مفصل وصیت نامہ لکھوا دیا۔

(۸) معتصم

ابو اسحاق بن محمد ہارون الرشید اس کی ولادت ۱۷۹ھ میں ایک کنیز باردہ نامی کے شکم سے ہوئی تھی ۔ مامون کے زمانہ میں شام اور مصر کا والی رہا۔ شجاعت کی وجہ سے مامون اس کی بہت قدر کرتا تھا یہی سبب تھا کہ اس نے اپنے بیٹے عباس کو چھوڑ کر اس کو ولی عہد مقرر کیا۔ مامون کی وفات کے دوسرے دن ۱۹ رجب ۲۱۸ھ مطابق ۱۰ اگست ۸۳۳ء کو طرسوس میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ طوانہ کو جسے مامون نے آباد کرایا تھا منہدم کرا کے ان لوگوں کو جو بسائے گئے تھے ان کے گھروں کو واپس کیا اور جس قدر ذخائر و اسلحہ وہاں جمع کئے گئے تھے ان سب کو اپنے ساتھ لایا اور جو نہیں لا سکا اس کو جلا دیا ۳۰ شعبان کو بغداد میں پہنچا۔

وزارت

معتصم کا پہلا وزیر فضل بن مروان بن ماسرخس تھا یہ شخص مذہباً عیسائی تھا۔ معتصم کی شہزادگی میں اس کے کاتب یحییٰ جرمغانی کے دفتر میں آکر ملازم ہوا تھا۔ چونکہ حساب کتاب میں ماہر اور خوش نویس تھا اس لئے یحییٰ کے بعد معتصم نے اسی کو سر دفتر کر دیا۔ طرسوس میں جب اس کی خلافت کی بیعت ہوئی تو فضل مذکور نے جو بغداد میں اس کا کار پرداز تھا۔ اہل بغداد سے اس کے لئے بیعت لی اور سلطنت کے انتظام کو سنبھالا۔ معتصم نے دارالخلافہ پہنچنے کے بعد اسی کو وزیر بنا لیا اور تمام معاملات اسی کے سپرد کر دیئے۔ فضل نے بوجہ قدامت کے معتصم پر غلبہ پالیا اور مستبدانہ روش اختیار کی یہاں تک کہ اس کے احکام کی بھی پرواہ نہیں کرتا تھا بلکہ بعض اوقات خود معتصم اپنے اخراجات کے لئے مال طلب کرتا تھا اور وہ نامنظور کر دیتا تھا۔

اہل غرض نے معتصم کو اس کے خلاف اکسایا۔ اس نے فضل کے استبداد کو روکنے کے لئے دو وزیر اور مقرر کئے ۔ احمد بن عمار کو اخراجات کا دفتر اور نصر بن منصور کو خراج کا محکمہ سپرد کیا۔ فضل نے ان کی مخالفت پر کمر باندھی اور جھگڑے نے طول کھینچا۔ معتصم نے حساب کی جانچ کرائی تو اس کے ذمہ بےشمار رقم برآمد ہوئی اس غبن کی وجہ سے اس سے دس لاکھ دینار نقد وصول کئے نیز اس کا سارا اثاثہ جو اسی قدر قیمت کا تھا ضبط کر لیا اور موصل کے راستہ میں ایک گاؤں سن میں اس کو قید کر دیا۔

احمد بن عمار و ابن زیات

فضل کے بعد وزارت عظمیٰ احمد بن عمار کو ملی لیکن اس کی ادبی لیاقت محدود تھی ۔ اس لئے معتصم نے اس کو برطرف کر کے ابن زیات کو مقرر کیا اس کا نام محمد بن عبدالملک بن ابان بن حمزہ تھا ابان ایک دیہاتی شخص تھا جو دسکرہ میں رہتا تھا اور وہاں سے تیل بغداد میں لا کر بیچتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ زیارت کے لقب سے مشہور تھا محمد نے بغداد میں علم ادب حاصل کیا اور شہرت پائی ابو عثمان مازنی جو نحو کے امام تھے ان کو جب کسی مسئلہ میں دشواری پیش آتی تھی تو اس سے حل کراتے تھے ۔ پہلے یہ دیوان خلافت میں کاتب تھا۔ احمد بن عمد وزیر نے ایک بار معتصم کے سامنے ایک کاغذ پیش کیا جس میں کلاء کا لفظ تھا اس نے پوچھا کہ کلاء کس کو کہتے

ہیں احمد کو خود اس کا علم نہیں تھا معتصم نے کہا کہ خلیفہ اتی اور وزیر جاہل پھر کام کیسے چلے ۔ حکم دیا کہ دفتر سے کسی کاتب کو بلاؤ۔ ابن زیات بلایا گیا۔ اس نے اس کے معنی بتائے اور گھاس کی جتنی قسمیں ہیں اور ان کے لئے جو جو الفاظ ہیں ان سب کی تشریح کر دی معتصم اس کی لیاقت سے خوش ہوا اور قلمدان وزارت اس کے سپرد کر دیا۔ یہ معتصم واثق بلکہ متوکل کے زمانہ تک اس عہدہ پر رہا۔

ابن ابی داؤد

احمد بن ابی داؤد ایادی اگرچہ وزیر نہیں تھا لیکن وزراء سے زیادہ اثر اور رسوخ رکھتا تھا۔ معتصم کے دربار میں اس کا وہی رتبہ تھا جو مامون کے یہاں قاضی یحییٰ بن اکثم کا تھا۔ یہ قنسرین کے ایک گاؤں کا باشندہ تھا اور اس کا خاندان تجارت پیشہ تھا۔ ۱۶۰ھ میں اس کی ولادت بصرہ میں ہوئی وہیں اس نے تعلیم و تربیت پائی پھر بغداد میں آیا اور قاضی یحییٰ بن اکثم کی مجلسوں میں شریک ہونے لگا۔ انہوں نے مامون کے حسب الحکم جب محفل مناظرہ کے لئے علماء کا انتخاب کیا تو اس میں اس کو بھی شامل کیا اس کی بحث مامون کو بہت پسند آئی تھی اس لئے وہ اس کی قدر کرتا تھا۔ وفات کے وقت معتصم کو بھی وصیت کر گیا کہ اس کو اپنے ہر مشورہ میں شریک رکھنا۔ چنانچہ معتصم ابن ابی داؤد کی کسی بات کو مسترد نہیں کرتا تھا اور جس امر کی وہ سفارش کرتا تھا اس کو منظور کر لیتا تھا۔ ایک بار یہ واقعہ پیش آیا کہ معتصم کے سپہ سالار اعظم افشین نے ایک عربی امیر ابو دلف قاسم بن عیسیٰ عجلی پر ازراہ عداوت خون کا الزام قائم کر کے چاہا کہ اس کو قصاص میں قتل کر دے ابن ابی داؤد کو یہ خبر معلوم ہوئی اس نے سوچا کہ اگر میں اس وقت خلیفہ کے پاس جاتا ہوں تو دیر ہو جانے کی وجہ سے معاملہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اس لئے فوراً سوار ہو کر افشین کے یہاں پہنچا۔ دیکھا کہ جلاد تلوار لئے ہوئے ابو دلف کو قتل کرنے کے واسطے تیار ہے جلدی سے آگے بڑھ کر افشین سے کہا کہ مجھ کو امیر المومنین نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم ابو دلف کو قتل نہ کرو بلکہ میرے سپرد کر دو۔ پھر حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے امیر المومنین کا حکم ایسے وقت جب کہ ابودلف صحیح و سالم موجود ہے پہنچا دیا سب نے کہا کہ ہم شاہد ہیں اس کے بعد وہ معتصم کے پاس گیا اور سارا ماجرا سنا کر کہا کہ تنگی وقت کے باعث میں نے دریافت کئے بغیر یہ جرات اس لئے کی کہ مجھے آپ کی حسن نیت پر کامل اعتماد تھا۔ معتصم نے اس کی کاروائی کو پسند کیا۔ آدمی بھیج کر ابودلف کو بلایا اور اس کو رہا کر کے انعام بخشا۔ پھر افشین کو طلب کیا اور سختی کے ساتھ توبیخ کی کہ بلا اجازت خلیفہ کے تم خود کس قانون سے قصاص لینے کا حق رکھتے ہو۔

ایک بار معتصم خالد بن یزید شیبانی سے اس بات پر سخت ناراض ہوا کہ وہ اپنی ولایت کا خراج نہیں بھیجتا تھا اس کو طلب کیا اور سزا دینی چاہی ۔ ابن ابی داؤد نے سفارش کی لیکن معتصم نے نہیں مانا اور غصہ میں خاموش رہا۔ یہ دیکھ کر ابن ابی داؤد اپنی کرسی چھوڑ کر پائین فرش پر جا بیٹھا۔ معتصم نے جب اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ مقربین میں اس شخص کا بیٹھنا مناسب نہیں جس شخص کی سفارش نہ سنی جائے اس نے کہا کہ تم اپنی جگہ پر آؤ تمہاری سفارش سنی جائے گی وہ خوش ہو کر اپنی کرسی پر جا بیٹھا اور کہا کہ اس بات کا بھی اظہار ہونا چاہیئے کہ امیر المومنین نے اس کو اپنی خوشی سے چھوڑا ہے ۔ معتصم نے خالد کو ایک خلعت اور چھ مہینے کی تنخواہ عطا کر کے رخصت کیا۔

خالد چونکہ ممتاز رؤساء عرب میں سے تھا اس وجہ سے اس کی گرفتاری اور مصادرہ کی خبر سن کر بہت سے لوگ محل خلافت کے دروازے پر آ کر جمع ہو گئے تھے ۔ خلاف توقع جب وہ شاہی خلعت پہن کر نکلا تو سب نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے عرب کے سردار کو رہائی بخشی ۔ خالد نے کہا کہ خاموش ۔ عرب کا سردار میں نہیں بلکہ احمد بن ابی داؤد ہے۔

معتصم کے عہد میں ترکوں کی کثرت کی وجہ سے عربی امراء جو برائے نام باقی رہ گئے تھے ان کی عزت صرف اسی ابن ابی داؤد کی وجہ سے قائم تھی کیونکہ اس کے اندر عربی عصبیت تھی اور وہ ان کا بہت خیال رکھتا تھا۔

علوم فقہیہ میں ممتاز اور فن کلام میں ہیاج بن علاء سلمی اور واصل بن عطا غزال کبیر کا شاگرد تھا اسی وجہ سے مذہباً معتزلی تھا۔ ائمہ اہل سنت پر مامون اور معتصم وغیرہ کے زمانہ میں جو سختیاں ہوئیں ان سب کا محرک یہی تھا اور مسئلہ خلق قرآن میں نہایت غلو رکھتا تھا۔

علویہ

معتصم کے آغاز عہد میں شیعہ امامیہ کے امام نہم محمد جواد نے پچیس سال کی عمر میں ۲۲۰ھ میں وفات پائی ان کے نکاح میں مامون کی بیٹی ام الفضل تھی۔ بیوہ ہو جانے کے بعد وہ اپنے چچا معتصم کے یہاں آگئی امام محمد جواد کے بیٹے ابو الحسن علی ہادی کی عمر اس وقت سات سال کی تھی شیعہ نے انہیں کو اپنا امام بنایا۔ زیدیہ جماعت کے امام محمد بن قاسم بن علی بن عمر امام زین العابدین تھے۔ انہوں نے کوفہ سے طالقان میں جا کر اہل خراسان سے اپنی امامت کی بیعت لینی شروع کی یہاں تک کہ ایک کثیر جماعت اس اطراف کی ان کے ساتھ ہو گئی۔ انہوں نے علی الاعلان اپنی امامت کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ امیر خراسان عبداللہ بن طاہر نے ان کے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی۔ انہوں نے شکست کھائی اور وہاں سے دوسری سمت کو روانہ ہوگئے راستہ میں نساء میں قیام کیا اس ضلع کے عامل کو پتہ مل گیا اس نے گرفتار کر کے عبداللہ بن طاہر کے پاس بھیج دیا۔ اس نے معتصم کے یہاں روانہ کیا۔

معتصم نے ۲۱۹ھ میں سامرا میں ان کو قید کر دیا۔ عید کی شب کو جبکہ لوگ خوشی میں مشغول تھے وہ چند آدمیوں کی مدد سے قید خانہ سے نکل کر غائب ہو گئے اور پھر ان کے وجود کا کوئی سراغ نہیں لگ سکا۔ زیدیہ کی ایک جماعت اس بات کا اعتقاد رکھتی تھی کہ وہ امام مہدی ہیں اور زندہ غائب ہوگئے ہیں جب دنیا ظلم و ستم سے بھر جائے گی تو پھر ظاہر ہو کر اس کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔ مسعودی کے بیان کے مطابق ۳۳۲ھ تک اس عقیدہ کے لوگ موجود تھے۔

فوج

معتصم خود فوجی آدمی تھا اس وجہ سے اس کی توجہ فوج کی طرف زیادہ منعطف ہوئی۔ اس نے ترکوں کی بہادری اور شجاعت کو دیکھ کر ان کی ایک کثیر تعداد فراہم کی اور ہزاروں ترکی غلام خریدے اب ایرانیوں اور خراسانیوں کے ساتھ فوج کا غالب عنصر ترکی ہو گیا۔ عرب اس کے دفتر سے خارج کر دیئے گئے۔ صرف اہل مصر و یمن کی جس میں بنی قیس کے بھی کچھ لوگ تھے مغاربہ کے نام سے ایک فوج باقی رکھی گئی۔

فرغانہ اور اشروسنہ کے ترک اس قدر وحشی خو اور جاہل مزاج تھے کہ بغداد کی سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے جس سے اکثر عورتیں اور بچے وغیرہ ٹکرا کر زخمی ہو جاتے تھے اور کبھی کبھی مر بھی جاتے تھے خراسانی سپاہی ان کو پکڑ کر سزائیں دیتے تھے۔ یہ جھگڑے زیادہ بڑھے اور معتصم کے پاس شکایتیں پہنچیں اس نے یہ مناسب سمجھا کہ ایک نئی چھاؤنی بنا کر اس جدید لشکر کو وہاں رکھے چنانچہ سامرا آباد کیا۔ معتصم ترکوں کا ایسا قدر دان تھا کہ اس نے ان کے لباس کو دوسری فوجوں کے لباس سے ممتاز رکھا ان کا ملبوس ریشمی ہوتا تھا جس پر طلاء کاری کی جاتی تھی اور پیٹیاں سنہری تھیں۔ اس نے انہیں میں سے چند رؤساء کو سپہ سالاری کے مناصب عطا کئے اور خلافت اسلامیہ کا مستقبل ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ ذیل میں ان میں سے بعض کا حال لکھتے ہیں۔

(۱) افشین۔ اس کا نام حیدر بن کاؤس تھا اور یہ اشروسنہ کے بادشاہ کا بیٹا تھا جس کا خاندانی لقب افشین تھا۔ مامون کے عہد میں معتصم کے پاس آکر ملازم ہوا چونکہ اس میں شجاعت اور شہامت تھی اس لئے معتصم نے اپنی ولایت مصر و شام کے زمانہ میں اس سے فوجی کام لئے۔ برقہ میں ایک بار بغاوت کی شورش اٹھی تھی اس کو اسی نے جا کر دبایا تھا۔

خلیفہ ہو جانے کے بعد جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں معتصم نے اس کو بابک خرمی کے مقابلہ پر متعین کیا۔ وہاں اس نے نمایاں

کامیابی حاصل کی اور اس کو مع زن و بچہ کے گرفتار کر کے لایا۔ معتصم اس سے اس قدر خوش ہوا کہ جب اس کو واپسی کا حکم بھیجا تو روزانہ ہر منزل پر اس کے لئے گھوڑا اور جوڑا بھیجتا تھا۔ اور جس وقت سامرا میں پہنچ کر دربار میں داخل ہوا اس وقت دو عدد مالائے مروارید اس کے گردن میں ڈالیں اور دس لاکھ درہم اس کو اور دس لاکھ درہم اس کی فوج کو انعام دیا۔

معتصم نے جس وقت روم پر یورش کی۔ اس وقت فوج کے تین حصے کئے تھے ان میں سے اس حصہ کا سپہ سالار جس نے قیصر روم نوفیل کو شکست دی تھی یہی افشین تھا اس فتح سے اس کا درجہ اور بھی بڑھ گیا۔ اب اپنی عظمت اور شوکت کو دیکھ کر اس کے دل میں ہوس پیدا ہوئی کہ میں کسی طرح اپنے ملک یعنی بلاد ماوراء النہر کی مستقل بادشاہت حاصل کروں۔ اس کا اظہار اس طرح پر ہوا کہ بابک کی لڑائی میں نیز اس کے بعد بھی اس کو جو کچھ صلے اور انعامات ملتے تھے وہ ان کو اپنے خاص آدمیوں کے ہاتھ اپنے ملک میں بھیجتا تھا۔ راستہ میں خراسان تھا جہاں کا والی عبداللہ بن طاہر جیسا بیدار مغز آدمی تھا۔ وہ ان آدمیوں کا جائزہ لے کر خلیفہ کو ساری کیفیت سے مطلع کرتا تھا۔ افشین کو بھی اس کی خبر ہو گئی اس نے سوچا کہ جب تک عبداللہ خراسان میں موجود ہے مجھ کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی اس لئے اس فکر میں پڑا کہ کسی صورت سے معتصم کو اس سے برگشتہ خاطر کرا دے تاکہ وہ اس کو معزول کر کے مجھے اس کی جگہ پر مقرر کرے۔

اس زمانہ میں طبرستان میں مازیار نامی ایک نامور رئیس تھا۔ جو خاندان طاہریہ کا سخت دشمن تھا۔ وہ باوجود ماتحت ہونے کے اپنا خراج خراسان کے خزانہ میں نہیں داخل کرتا تھا بلکہ براہ راست خلیفہ کے پاس بغداد میں بھیجتا تھا۔ بیت المال خلافت سے وہ رقم ولایت خراسان کے حوالہ کی جاتی تھی اور ان کی رسید لی جاتی تھی۔ افشین نے یہ سوچا کہ مازیار کو عبداللہ کے مقابلہ میں اٹھا دے تاکہ اس شورش کو فرو کرنے کے لئے خلیفہ خراسان کی ولایت کا فرمان مجھ کو دے کر اس طرف روانہ کرے چنانچہ اس نے اپنے بھائی خاش کے نام اور قلم سے مازیار کے بھائی قوہیار کے پاس خطوط بھیجنے شروع کئے جن میں اس کو عبداللہ سے بغاوت کرنے کی ترغیب دلائی۔ وہ دونوں بھائی یہ اشارہ پا کر سرکشی پر آمادہ ہو گئے ۔ خراج روک دیا اور طبرستان کے ایک کوہستانی مقام پر قلعہ گیر ہو گئے۔

عبداللہ نے اپنے چچا حسن بن مصعب کو ایک فوج گراں کے ساتھ جرجان کی طرف روانہ کیا کہ باغیوں کے دست برد سے اس کو محفوظ رکھے۔ معتصم نے بھی محمد ابراہیم بن مصعب کو بھیجا پھر حسن بن قارون طبری سپہ سالار کو اس کی کمک کے لئے روانہ کیا اور منصور بن حسن عامل دنباوند کو لکھا کہ تم رےؒ کی طرف سے طبرستان پر فوج کشی کرو۔ افشین جیسا کہ اس کا خیال تھا اس مہم کے لئے نہیں طلب کیا گیا۔ مازیار کو جب چاروں طرف سے فوجوں نے محصور کر لیا تو اس نے امان طلب کی اور حسن بن حسن کے پاس حاضر ہو گیا اس نے اس کو اپنے چچا زاد بھائی محمد بن ابراہیم کے حوالہ کیا اور وہ اس کو لے کر خلیفہ کے پاس گیا وہاں مازیار نے اصل حقیقت بیان کر دی اور اس کے بھائی نے افشین کی طرف سے جو خطوط گئے تھے ان سب کو خلیفہ کے سامنے رکھ دیا ان کے پڑھنے سے کھل گیا کہ یہ ساری کارروائی افشین کی تھی اور گو ظاہر میں وہ مسلمان ہے لیکن باطن میں اب تک اپنے آبائی دین پر قائم ہے اور مسلمانوں کو مٹانے کی تدبیر میں مصروف ہے کیونکہ ان خطوط میں سے ایک خط کا مضمون یہ تھا۔

" اب اس مجی دین روشن کی مدد کرنے والا میرے اور تمہارے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا ایک بابک تھا مگر اس نے جہالت سے اپنے آپ کو ضائع کیا میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس کو تباہی سے بچاؤں لیکن وہ حماقت سے میرے مشوروں پر عمل پیرا نہ ہوا۔ اب اگر تم بغاوت کرو گے تو چونکہ سارے جنگ آور سپاہی اور شہسوار میری ہی فوج میں ہیں۔ اس لئے لامحالہ تمہارے مقابلے کے لئے یہ لوگ مجھ ہی کو بھیجیں گے۔ اس وقت ہم سے لڑنے کی کسی کو طاقت نہ ہوگی کیونکہ عرب کی مثال تو کتے کی ہے ان کے سامنے ٹکڑا ڈال دو اور لٹھ سے ان کا سر کچل دو۔ رہے مغاربہ وہ بہت تھوڑے ہیں اور یہ شیطانوں کے بچے (خراسانی) گھڑی بھر مقابلہ کر سکتے ہیں جہاں ان کے تیر ختم ہوئے پھر ان کے اوپر حملہ کر کے سب کو قتل کر دو اس کے بعد یہ دین قدیم اپنی اصلی حالت پر آ جائے گا۔ "

اس خط سے افشین کی بے دینی اور بدنیتی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔ قاضی احمد بن ابی داؤد نے خلیفہ کے غلام کو حکم دیا کہ افشین کو قید میں رکھو چند دنوں کے بعد وہ قید میں مرگیا ان کی نعش سولی پر لٹکا دی پھر اس کو اسی لکڑی کے ساتھ جلا دیا۔

(۲) ایتاخ ۔ یہ بلاد خرز کا باشندہ اور سلام ابرش کا غلام اور باورچی تھا۔ ۱۹۹ھ میں معتصم نے اس کو خرید لیا اور اسحاق بن ابراہیم کا مددگار مقرر کر دیا۔ معتصم کو اس پر بہت اعتماد تھا جب وہ کسی کو قید یا قتل کرنا چاہتا تھا تو اسی کے حوالہ کرتا تھا۔ روم کے حملے میں ایک حصہ فوج کا امیر اس کو بنایا۔ معتصم کے زمانہ میں برابر اپنے عہدہ پر قائم رہا اور واثق کی خلافت میں مختار کل ہو گیا۔ دار الخلافہ کی ولایت فوج کی امیر الامرائی برید اور حجابت کے عہدے سب اس کے پاس تھے۔ ۲۳۵ھ میں متوکل کے ابتدائی دور میں قتل کیا گیا۔

(۳) اشناس ۔ یہ بھی معتصم کا ایک زر خرید غلام تھا۔ اس کی بہادری کو دیکھ کر جنگ عموریہ میں معتصم نے اس کو مقدمہ الجیش پر متعین کیا وہ اس کا ایسا قدر دان تھا کہ ۲۲۵ھ میں اپنے سامنے دربار میں زریں کرسی پر بٹھا کر اس کو تاج پہنایا۔ اس کی بیٹی اترجہ کی شادی افشین کے بیٹے حسن کے ساتھ خود اپنے اہتمام سے کی۔ واثق نے بھی ۲۲۸ھ میں اس کو تاج مرصع بخشا اور دو مالائے مروارید عطا کیں، یہ برابر اپنے عہدے پر قائم رہا اور ۲۳۰ھ میں انتقال کر گیا۔

ان کے علاوہ عجیف بن عنبہ وصیف اور بغا کبیر ابو موسیٰ وغیرہ بھی مشہور امرائے فوج میں تھے یہ سب کے سب ترک تھے۔ معتصم نے عربوں کو فوج سے نکال کر اپنی اولاد اور سلطنت کو اس بیرونی عنصر کے قبضہ میں کر دیا۔ کبھی کبھی وہ خود جب ان کے حالات کو دیکھتا تھا اور ان کی خود غرضی اور استبداد پر نظر ڈالتا تھا تو اپنی غلطی محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ ایک بار اس نے اسحاق بن ابراہیم سے کہا بھی کہ میں نے چار شخصیتوں کی تربیت کی لیکن ان میں سے کوئی بھی کام کا نہ نکلا۔ افشین کا جو حال ہوا وہ ظاہر ہے اشناس سست اور بیکار ہے۔ ایتاخ سے کچھ توقع نہیں اور وصیف کسی رخنہ کو بند نہیں کر سکتا۔ اسحاق نے کہا کہ یہ لوگ نہ کسی معزز خاندان کے ہیں نہ قبیلہ کے۔ کہ ان کو اپنے باپ دادا کے ننگ و ناموس کا خیال ہو۔ ان کی مثال ان شاخوں کی ہے جو بے اصل ہوتی ہیں اور شاذ و نادر ہی برگ و بار لاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد سے بنی عباس پر جو زوال آیا اور ان کی خلافت کمزور ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ مٹ گئی۔ اس کی ساری ذمہ داری معتصم پر ہے جس نے بے سوچے سمجھے خلافت اسلامیہ کے مستقبل کو امراء عرب کے ہاتھوں سے نکال کر غلاموں کے سپرد کر دیا جو صرف اپنے عارضی اور دنیاوی فائدے کے خواہاں تھے نہ ان کو قومی ناموس کا خیال تھا نہ بقائے خلافت کی فکر تھی نہ اصول اسلام کی حقیقت سے آگاہی تھی نہ وہ امت کے حقوق کا احترام کرتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے فلسطین میں ابو حرب مرقع یمانی کی بغاوت ظہور پذیر ہوئی۔

صورت یہ ہوئی کہ ایک ترکی سپاہی نے اس کے گھر میں ٹھہرنا چاہا وہ اس وقت موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی نے سپاہی کو اندر آنے سے روکا۔ اس نے اس عورت کو کوڑا مارا۔ جب ابو حرب آیا تو اس کی بیوی نے اس سے کیفیت بیان کی اور کوڑے کی مار کا نشان دکھایا۔ وہ اشتعال میں تلوار لے کر اس سپاہی کی طرف بڑھا۔ اور اس کو قتل کر کے روپوش ہو گیا اور منہ پر نقاب ڈال کر اردن کے پہاڑوں میں جا کر رہنے لگا۔ وہاں ایک عرصہ تک لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نواحی کے کاشتکار اس کی مظلومیت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہو گئے۔ ان کو لے کر وہ یمن کی طرف پہنچا یہاں کے بھی بعض رؤساء خاص کر ابن بیہس نے جو میر قبائل تھا اس کی حمایت کی۔ معتصم نے رجاء بن ایوب کو ایک ہزار فوج دے کر مقابلہ کے لئے بھیجا رجاء نے دیکھا کہ ابو حرب کے ساتھ ایک لاکھ سے بھی زیادہ جمعیت ہے اس لئے وہ رک گیا جب زراعت کاٹنے کا وقت آیا اور ابو حرب کے ساتھ اپنے اپنے کھیتوں کے کاٹنے کو چلے اور اس کے پاس صرف دو ڈھائی ہزار آدمی رہ گئے تو رجاء نے حملہ کیا اور سب کو پکڑ کر دربار میں لایا۔

محاصل

جس طرح عہد مامونی کی آمدنی کو اس زمانہ کے کاغذات سے نقل کر کے علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں ثبت کر دیا ہے اسی طرح معتصم کے عہد کے کل مالیہ کو قدامہ بن جعفر نے کتاب الخراج میں تفصیل وار لکھا ہے دونوں زمانے چونکہ بالکل متصل تھے اس لئے کوئی زیادہ تغیر اس میں نہیں ہوا۔ اور میزان تقریباً وہی رہی جو مامون کے عہد میں تھی اسی وجہ سے ہم نے اس کا یہاں نقل کرنا بھی ضروری نہیں خیال کیا۔

احوال خارجیہ

معتصم کا ہمعصر روم میں قیصر توفیل تھا۔ جو مامون سے شکست کھا چکا تھا۔ اس کینہ کی وجہ سے وہ اسلامی سرحد پر حملہ کرنے کا موقعہ ڈھونڈھ رہا تھا۔ جب معتصم کی فوجیں بابک کی مہم میں مشغول تھیں تو بابک نے توفیل کو لکھا کہ اسلامی فوج کا بڑا حصہ اس وقت میرے مقابلہ میں معروف ہے۔ اگر ایسے موقع پر تم چڑھائی کر دو تو کامیاب ہو جاؤ گے اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر رومی بڑھے تو میرے اوپر سے بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ توفیل نے ایک لاکھ آدمی لے کر چڑھائی کی۔ زبطرہ میں پہنچ کر آگ لگا دی اور وہاں کے مسلمانوں کو قتل کیا پھر ملیطہ کی طرف بڑھا۔ وہاں ایک ہزار مسلمان عورتوں کو گرفتار کیا۔ اس نواح میں جتنے قلعے اور آبادیاں تھیں سب کو لوٹا اور جو مسلمان اس کے ہاتھ لگا اس کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر دی اور اس کے اعضاء کاٹ کاٹ کر اس کو مار ڈالا۔

معتصم کے پاس جس وقت یہ اطلاعات موصول ہوئیں وہ بے تاب ہو کر چیخ اٹھا۔ اسی وقت نفیر عام دیا۔ مقدمۃ الجیش کو فوراً روانہ کیا اور اپنی روانگی کی تیاری میں مصروف ہوا۔ طلایہ لشکر جس وقت زبطرہ میں پہنچا اس وقت رومی قتل و غارت کر کے جا چکے تھے اب وہاں کے مسلمانوں کو اطمینان ہوا اور وہ جا بجا سے آ آکر پھر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو گئے۔

بابک کی مہم سے فراغت کے بعد معتصم نے درباریوں سے پوچھا کہ رومیوں کا سب سے مضبوط قلعہ کون سا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عموریہ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں توفیل پیدا ہوا تھا۔ معتصم نے کہا کہ زبطرہ میرا مولد ہے توفیل نے اس کو لوٹا ہے تو میں عموریہ کو غارت کروں گا۔ اس نے اس عظیم الشان لشکر کو ہر قسم کے ساز و سامان سے درست کر کے روم پر فوج کشی کی۔ فوج کی ترتیب یہ تھی۔

مقدمہ لشکر پر اشناس اور پھر محمد بن ابراہیم بن مصعب میمنہ پر ایتاخ۔ میسرے پر جعفر بن عبداللہ خیاط۔ قلب میں خود معتصم تھا۔ افشین کو ایک فوج دے کر کہا کہ تم الحدث کے راستہ سے فلاں روز انگورہ پہنچو۔ اسی طرح اشناس کو بھی حکم دیا کہ اسی روز تم طرطوس کی طرف سے رومی سرحد میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن اشناس جب مرج اسقف میں پہنچا تو وہاں اس کو معتصم کا حکم ملا کہ ٹھہر جاؤ۔ کیونکہ تمہارے سامنے قیصر ہے اور وہ دریائے لامس کو عبور کر کے اچانک حملہ کی تیاری میں ہے۔ اشناس نے وہاں تین دن توقف کیا اس کے بعد اس کے جاسوسوں نے آکر یہ اطلاع دی کہ قیصر یہاں سے آگے بڑھ گیا اور اب وہ افشین پر حملہ آور ہو گا۔ اس نے فوراً معتصم کو اطلاع دی۔ معتصم نے افشین کے پاس ناقہ سوار دوڑایا کہ قیصر تمہاری گھات میں ہے تم رک جاؤ۔ جب ساری فوجیں ایک ساتھ مل جائیں تو پیش قدمی کریں۔ لیکن افشین کو یہ اطلاع نہیں پہنچنے پائی وہ آگے بڑھ گیا۔ قیصر سے مقابلہ ہوا۔ ہولناک معرکہ پیش آیا۔ دوپہر تک اسلامی فوج نے نقصان اٹھایا۔ لیکن اس کے بعد جب ترکی سوار حملہ آور ہوئے۔ تو رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست فاش کھا کر بھاگے افشین اس فتح کے بعد انگورہ کی طرف چلا اور وہاں معتصم اور اشناس کے ایک روز بعد پہنچا۔ قیصر نے متفرق اور ہزیمت خوردہ فوج کو جمع کر کے پھر تیار ہوا۔ معتصم نے اپنی فوج کے تین حصے کئے اور عموریہ کی طرف ان کو بڑھایا۔ میمنہ افشین کی ماتحتی میں تھا اور میسرہ اشناس کی قلب میں خود معتصم تھا۔

عموریہ انگورہ سے سات منزل پر تھا۔ پہلے وہاں اشناس پہنچا اس نے اپنی فوج کے ساتھ پورا چکر لگایا۔ اور دو میل کے فاصلہ پر

فرو کش ہو گیا۔ ۹ رمضان ۲۲۳ھ کو معتصم پہنچا اس نے بھی دورہ کر کے دوسری جانب اسی قدر فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا۔ پھر افشین آیا اس نے بھی یہی کیا۔ اسلامی فوج کے ہر حصہ کے پاس لکڑی کے بڑے بڑے برج تھے ان کو ہر طرف سے عمودیکی فصیل کے متصل لگا کر لگا دیا۔ اور ان پر سے تیر باری شروع کی ۔ قلعہ شکن آلات اور منجنقیں نصب کر کے بڑے بڑے پتھر پھینکنے شروع کئے جس کے صدمہ سے ایک جانب کی شہرپناہ ٹوٹ گئی ۔ خندق کو پاٹ کر مسلمان اس طرف سے شہر میں گھسے ۔ اور سخت جدال و قتال کے بعد اندر داخل ہوگئے۔ زبطرہ اور ملطیہ میں رومیوں نے جس قدر مسلمانوں کی خونریزی کی تھی ان کا یہاں انتقام مل گیا اور مال غنیمت اس قدر کہ جس کا شمار مشکل تھا۔ اس محاصرہ اور فتح میں کل پچپن دن صرف ہوئے۔

اسی حالت میں جب کہ اسلامی فوج دشمنوں کے ملک میں مقابلہ اور جہاد میں مصروف تھی یہ افسوس ناک معاملہ پیش آیا کہ شاہزادہ عباس بن مامون نے اپنی ناقابت اندیشی سے عجیف بن عنبسہ سے مل کر چند ترکی امراء کو اپنے ساتھ اس بات پر متفق کیا کہ معتصم کو قتل کرا کے خود خلیفہ ہو جائے لیکن اس سازش کا راز کھل گیا۔ معتصم نے ان تمام امراء کو جو اس میں شریک تھے قتل کر ڈالا اور عباس کو قید کر دیا وہ قید کی سختی سے ہلاک ہو گیا۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد معتصم دارالخلافہ کی طرف پلٹا جس دن سامرا میں داخل ہوا اس دن بہت بڑا جشن ہوا۔ دربار میں شعراء نے اس کی مدح میں قصائد سنائے۔

صفات معتصم

معتصم کو ہارون یا مامون کی طرح علم و ادب میں ذوق نہ تھا اس کی نمایاں تر صفت شجاعت تھی ۔ زمین کی آبادائی کا بھی بڑا خیال رکھتا تھا۔ وزیر ابن زیات کو حکم دے رکھا تھا کہ جو افتادہ زمین ایسی دیکھو کہ اس سال اس پر اگر دس روپیہ صرف دو تو سال آئندہ میں اس سے گیارہ روپے وصول ہوں تو ایسے خرچ کے لئے مجھ سے منظوری حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شہر سامراء کو اسی نے آباد کیا اس کی وجہ ہوئی کہ ترکوں کی کثرت سے بغداد میں ان کی گنجائش نہ رہی اور ان کی جہالت اور وحشت سے باشندوں کو اذیت ہونے لگی۔ نیز ایرانی اور ترکی سپاہیوں میں عداوت پیدا ہو گئی اور معتصم کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ان میں باہم خلفشار واقع نہ ہو جائے اس لئے بغداد سے نوے میل کے فاصلہ پر دجلہ کے کنارے اس مقام کو جہاں ہارون نے نہر قاطول نکالی تھی اور اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا۔ چھاؤنی کے لئے منتخب کیا۔ ۲۲۰ھ میں وہاں جا کر اپنے لئے ایک محل اور فوج کے لئے مکانات بنوائے ۔ بیچ میں جامع مسجد اور بازار تعمیر کرایا اشناس اور اس کے ماتحت ترکی امراء کے لئے محلہ کرخ فیروز بنوایا اور ان کو اس میں آباد کرا دیا اور اس کے بعد اسی کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا جس کی وجہ سے وہاں کی آبادی میں اس قدر ترقی ہو گئی کہ وہ بغداد کا مد مقابل ہو گیا۔

وفات

یکم محرم ۲۲۷ھ کو معتصم کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا اور ۸ ربیع الاول ۲۲۷ھ مطابق ۵ جنوری ۸۴۲ء کو اس نے سامرا میں وفات پائی ۔ مدت خلافت آٹھ سال آٹھ ماہ آٹھ روز رہی۔

ولایت عہد

معتصم نے بھی اپنے بعد صرف ایک ہی ولی عہد اپنے بیٹے ہارون کو بنایا۔

(۹) واثق

ابو جعفر ہارون بن معتصم بن ہارون الرشید یہ ایک رومی کنیز قراطیس کے شکم سے تھا۔ ۱۸۶ھ میں مکہ کے راستے میں اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ معتصم کے وفات کے دن یوم پنج شنبہ ۸ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی اور اس کا لقب واثق باللہ رکھا گیا۔ یہ بڑا عالم علم دوست اور فلسفیانہ خیالات کا تھا اس نے مامون کی مجلس مناظرہ کو پھر زندہ کیا جس میں ہر خیال کے علماء مجتمع ہو کر بحث کرتے تھے چونکہ یہ بھی اعتزال کا حامی تھا اس لئے اس کے زمانہ میں بھی مسئلہ خلق قرآن میں شدت زیادہ بڑھ گئی۔

وزارت

معتصم کے زمانہ میں واثق وزیر ابن زیات کا سخت دشمن تھا اور قسم کھا چکا تھا کہ جب میں خلیفہ ہوں گا تو اس کو ضرور سزا دوں گا لیکن بیعت خلافت کے بعد اس نے دیکھا کہ امراء میں سے کوئی اس قابل نہیں ہے کہ وزارت کے فرائض کو اچھی طرح انجام دے سکے۔ اس لئے مجبوراً اسی کو اس منصب پر قائم رکھا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ابن زیات کا اثر اور رسوخ معتصم کے زمانہ سے بھی زیادہ اس کے عہد میں بڑھ گیا اور یہی آخر تک اس کا وزیر رہا۔

فوج

واثق کے عہد میں بھی فوج کی وہی حالت رہی جو معتصم کے زمانہ میں تھی اور ترکی امراء بدستور اپنے اپنے مناصب پر قائم رہے۔ خاص کر اشناس کو بہت عروج ملا۔ واثق نے دربار میں اس کے سر پر تاج رکھ کر اس کو سپہ سالار اعظم بنایا۔ معتصم کے عہد میں عرب کی اس قدر حرمت باقی تھی کہ ان کے اوپر عجمی فوج نہیں بھیجی جاتی تھی لیکن واثق نے ان کا یہ احترام بھی اٹھا دیا اور ترکی فوجوں سے ان کو پامال کرا دیا۔

شورش قبائل

اہل عرب جب ملکی اور فوجی مناصب سے علیحدہ کر دیئے گئے تو پھر ان میں وہی جاہلانہ بدویت پیدا ہونے لگی جو اسلام سے پہلے تھی اور تاخت و تاراج اور غارت گری انہوں نے شروع کر دی۔ قیس عیلان کا سب سے قوی قبیلہ بنی ہاشم سلیم تھا جو مدینہ کے متصل حرہ بنی سلیم میں سکونت رکھتا تھا۔ اس نے مدینہ کے قرب و جوار پر دست تعدی دراز کیا اور لوٹ مار کرنے لگا اس قبیلہ کے لوگ جس بازار میں جاتے اس میں ظلم و ستم کرتے اور چیزوں کو اپنے مقرر کردہ نرخ میں خریدتے۔ جمادی الثانی ۲۳۰ھ میں بنی سلیم کے رئیس عزیزہ بن قطاب نے بنی کنانہ اور باہلہ پر حملہ کیا اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ واثق نے حماد بن جریر طبری کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت پر متعین کیا محمد ابن صالح امیر مدینہ نے حماد کو عزیزہ کے مقابلہ میں بھیجا وہاں سے تین منزل کے

فاصلہ پر مقام روشیہ میں اس سے مقابلہ ہوا۔ حماد نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ بنی سلیم نے اس کی فوج کا ساز و سامان لوٹ لیا اور اب مدینہ پر بھی انہوں نے حملے شروع کر دیئے۔ خلیفہ نے بغا کبیر کو ترکی ایرانی نیز مغاربہ فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقدمہ لشکر پر طردوش ترکی تھا۔ اس نے بنی سلیم کے پچاس آدمیوں کو قتل اور پچاس کو گرفتار کیا۔ جب بغا حرہ بنی سلیم میں پہنچا تو اس نے اس قبیلہ کے لوگوں کو جمع کر کے ان میں سے ایک ہزار آدمیوں کو جو شر اور فساد میں حصہ لیتے تھے پکڑ لیا۔ ذیقعدہ ۲۳۰ھ میں ان کو مدینہ میں لا کر یزید بن معاویہ کے گھر میں بند کیا اور خود حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ واپسی میں قبیلہ عنبی ہلال کے تین سو آدمیوں کو جو رہزنی کرتے تھے پکڑ لیا اور بنی سلیم کے ساتھ ان کو بھی اسی گھر میں قید کر دیا۔ اسی اثناء میں اس کو بنی مرہ کی طرف جانا پڑا۔ کیونکہ ان لوگوں نے بھی شورش اٹھا رکھی تھی ادھر ان قیدیوں نے دیوار میں نقب لگائی اور چاہا کہ نکل جائیں اہل شہر کو خبر ہو گئی انہوں نے مجتمع ہو کر روکا۔ قیدیوں نے لڑنا شروع کیا۔ اہل مدینہ نے ان سب کو جن کی تعداد تیرہ سو سے زیادہ تھی قتل کر ڈالا۔ بغا جب آیا تو اس کو اس قدر جانوں کے ضائع ہو جانے پر بہت افسوس ہوا۔

بنی مرہ اور بنی فزارہ جو فدک پر قابض ہو گئے تھے ان کے پاس بغا نے ایک فزاری رئیس کو بھیجا کہ ان کو امان دے کر لاؤ اس نے جا کر شاہی فوج کی سطوت سے ان کو ڈرایا وہ ڈر کر پہاڑوں میں بھاگ گئے اور صرف چند اشخاص ان میں سے حاضر ہوئے۔ بغا نے بنی اشجع اور غطفان کو بھی امان دی اور ان سے حلف لیا کہ جب وہ بلائے جائیں گے۔ حاضر ہو جائیں گے اس کے بعد بنی کلاب کو جمع کیا۔ تقریباً تین ہزار آدمی حاضر ہوئے ان میں سے تیرہ سو اشخاص کو جو اہل فساد تھے پکڑ لیا اور رمضان ۲۳۱ھ میں ان کو مدینہ لا کر قید کر دیا اور پھر حج کے لئے مکہ کو گیا واپسی کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اشجع اور غطفان ابھی تک قتل و غارت سے باز نہیں آئے اس لئے ان کو بلایا لیکن بجز دو ایک آدمیوں کے اور کوئی نہیں آیا۔

۲۳۲ھ میں واثق نے حکم بھیجا کہ بنی نمیر بلاد یمامہ میں قتل و غارت گری کر رہے ہیں ان کی طرف بڑھو۔ بغا اس طرف گیا انہوں نے مقابلہ کیا جس میں ان کے پچاس آدمی مقتول اور چالیس گرفتار ہوئے وہاں سے وہ بنی تمیم کی ایک بستی مراۃ کی طرف آیا اور ان کے پاس کئی قاصد بھیجے کہ تم لوگ سرکشی سے باز آؤ لیکن وہ باز نہیں آئے اور اس کے فرستادوں کو گالیاں دیتے رہے۔ بغا جب ان کی طرف بڑھا تو پہاڑوں میں بھاگ گئے اس نے ایک دستہ فوج ان کے پیچھے بھیجا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے آخر خود ان کے تعاقب میں چلا۔ مقام روضۃ الابان میں مقابلہ ہو گیا۔ بغا نے محمد بن یوسف جعفری کو ان کی فہمائش کے لئے بھیجا انہوں نے ابن یوسف سے کہا کہ ہم نے تمہاری حفاظت اور حمایت کی لیکن افسوس ہے کہ تم نے ہماری قرابت اور حرمت کا کچھ خیال نہ کیا اور آج ان غلاموں اور عجمی وحشیوں کو ہمارے مٹانے کو لائے اس کا مزاہم تم کو چکھا دیں گے۔ صبح کے وقت بنی تمیم نے اس طرح حملہ کیا کہ آگے پیادہ فوج کو رکھا اور پیچھے سواروں کو۔ ترکی فوج شکست کھا گئی بغا بھی ایک طرف بھاگا اور قریب تھا کہ مقتول ہو جائے لیکن اسی اثناء میں دو سو ترکوں کا ایک دستہ جو نمیر کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا واپس آ گیا اس نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے طبل و کوس بجانے شروع کئے بنی تمیم کے لوگوں نے یہ خیال کیا کہ کوئی تازہ دم فوج کمک کے لئے آ گئی اس لئے وہ گھبرا گئے ان کے سواروں نے راہ گریز اختیار کی اور پیادے سب کے سب مارے گئے۔

بغا تین دن تک وہاں ٹھہرا جو لوگ بھاگے تھے انہوں نے اس سے امان مانگی۔ بغا نے امان منظور نہیں کی سب کو گرفتار کر لیا اور اپنے ساتھ لے چلا۔ راستہ میں ایک مقام پر انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی بغا نے ان کو کوڑوں سے خوب پٹوایا۔ ذیقعدہ ۲۳۲ھ میں ان کو لے کر بصرہ میں پہنچا وہاں سے مدینہ کے عامل محمد بن صالح کو لکھا کہ بنی فزارہ مرہ، اور ثعلبہ وغیرہ کے جس قدر قیدیوں کو میں تمہاری حوالات میں چھوڑ آیا ہوں ان کو لے کر بغداد میں آجاؤ۔ بغا وہاں سے کل قیدیوں کو جن کی تعداد دو ہزار دو سو تھی خود لے کر سامرا پہنچا۔

مصادرہ کتاب

ہر چند کہ اس عہد میں دفاتر مرتب تھے لیکن ان کی جانچ پڑتال نہ ہونے کی وجہ سے اکثر کاتب خیانت پیشہ ہو گئے تھے۔ رشوت خوری کے علاوہ خود سرکاری مال غبن کرتے تھے چنانچہ یہ عہدے بڑے قیمتی ہو گئے تھے اور جیش قرار رقمیں دے کر خریدے جاتے تھے۔ جو شخص کسی محکمہ میں کاتب ہوتا تھا وہ بہت جلد اغنیاء شہر میں شمار ہونے لگتا تھا۔ خلفاء اس بات کو دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے لیکن اس کا کوئی بندوبست نہیں کر سکتے تھے۔

ابتداء میں واثق چونکہ ان امور کی طرف سے غافل رہا اس وجہ سے اس کے عہد میں عاملوں اور کاتبوں کی خیانت اور بد دیانتی بہت بڑھ گئی مجبوراً اس نے یہ طریقہ نکالا کہ جس کی ثروت اس کی جائز آمدنی سے زیادہ دیکھا اس کے اوپر خیانت کا گمان کر کے جرمانہ میں ایک رقم اس سے وصول کر لیتا محرروں کے علاوہ تمام دفتروں سے جو رقمیں اس نے اس طرح پر وصول کیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

احمد بن اسرائیل کاتب	۸۰۰۰۰ دینار
سلیمان بن وہب کاتب لیتاخ	۴۰۰۰۰۰ دینار
حسن بن وہب	۱۴۰۰۰ دینار
احمد بن خصیب اور اس کے ماتحتوں سے	۱۰۰۰۰۰۰ دینار
ابراہیم بن رباح اور اس کے ماتحتوں سے	۱۰۰۰۰۰ دینار
نجاح	۶۰۰۰۰ دینار
ابوالوزیز	۱۴۰۰۰۰ دینار
میزان	۱۶۹۴۰۰۰ دینار

لیکن یہ طریقہ نہ کسی اصول پر مبنی تھا نہ تعین رقم کے لئے کوئی نظام تھا جس کی وجہ سے اہل غرض کو اس قسم کی تہمتیں لگانے کے مواقع حاصل ہو گئے۔

احوال خارجیہ

رومیوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ واثق کے عہد میں بھی جاری رہا۔ چونکہ دونوں فریق کے پاس ایک دوسرے کے اسیران جنگ تھے اس لئے باہم یہ طے پایا کہ ان کا تبادلہ کر لیا جائے۔ پہلا تبادلہ ۳۷۰۰ اسیروں کا ہارون کے عہد میں دریائے لامس کے کنارے ہوا تھا پھر دوبارہ اسی کے زمانہ میں ۲۵۰۰ قیدی چھڑائے گئے۔ یہ تیسرا تبادلہ تھا جو واثق کے عہد میں ہوا۔ دونوں فریق دریائے لامس کے ایک جانب اسیروں کو لے کر یوم عاشورہ ۲۳۱ھ کو آئے وہاں دو پل بنائے گئے کہ ایک پر سے مسلمان قیدی آئیں اور دوسرے پر رومی قیدی جائیں۔ تبادلہ تعداد پر تھا یعنی ایک اسیر کے بدلے میں ایک اسیر خواہ وہ کسی قسم کا ہو اس موقع پر ۴۶۰۰ قیدی چھڑائے گئے جن میں سے دو سو عورتیں اور بچے اور پانچ سو ذمی تھے۔ سو رومی مسلمانوں کے پاس بچ گئے خاقان نے جو خلیفہ کی طرف سے اس کام کے لئے آیا تھا۔ ان کو بلا فدیہ چھوڑ دیا اور رومی امیر سے کہا کہ ہم نے اس لئے ان کو مفت آزاد کر دیا کہ اس تبادلہ میں بھی ہمارا احسان اور درجہ تمہارے اوپر غالب رہے۔

عجیب و غریب بات یہ تھی کہ قاضی احمد بن ابی داؤد نے اپنا ایک آدمی اس غرض کے لئے بھیجا کہ وہ جاکر مسلمان قیدیوں سے اس بات کا اقرار لے کہ قرآن مخلوق ہے جو اس کو مان لے وہ چھڑایا جائے اور جو اقرار نہ کرے وہ کافر ہے اس کو چھڑانے کی ضرورت نہیں اس سے اس کے اعتزال کے غلو کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

وفات

واثق کی عمر کا چھتیواں سال تھا کہ وہ مرض استسقا میں مبتلا ہوا اور ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ مطابق ۱۱ اگست ۸۴۷ء کو انتقال کر گیا۔ اس نے کسی کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا۔

مدت خلافت پانچ سال نو ماہ اور گیارہ روز رہی

حصہ پنجم

خلافتِ بنو عباسیہ

بغداد

(۱۰) متوکل

خلافت ۲۴ ذی حجہ ۲۳۲ھ سے ۴ شوال ۲۴۷ھ تک ۱۴ سال ۹ ماہ دس روز ۔ جعفر متوکل علی اللہ بن معتصم بن ہارون الرشید ۔ اس کی ولادت مقام فم الصلح میں ایک خوارزمی ام ولد شجاع نامی کے شکم سے شوال ۲۰۶ھ میں ہوئی اس کا بھائی واثق اپنے عہد خلافت میں اس سے خوش نہیں تھا اس لئے اس نے عمر بن فرج کاتب اور محمد بن علاء خادم کو اس کی نگرانی پر متعین کر رکھا تھا وہ اس کے تمام حالات سے اس کو آگاہ رکھتے تھے۔

واثق کی ناراضگی کی وجہ سے اس کا وزیر محمد بن عبدالملک بن زیات بھی متوکل سے برگشتہ تھا اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس کے ماہانہ وظیفہ کی برآورد آتی تھی تو اس پر مشکل سے دستخط کرتا تھا۔ وزیر کے علاوہ دیگر امراء بھی منحرف تھے ۔ صرف قاضی احمد بن داؤد خیر خواہ تھا۔ وہی واثق کے سامنے اس کے حق میں کلمات خیر کہتا رہتا تھا۔

واثق نے جب ۲۴ ذی حجہ ۲۳۲ھ مطابق ۱۱ اگست ۸۴۷ء میں وفات پائی تو چونکہ اس نے کسی کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا تھا اس وجہ سے اعیان دولت وزیر ابن زیات ۔ احمد بن داؤد ۔ عمر بن فرج ۔ احمد بن خالد میر منشی ایتاخ اور وصیف ترکی امراء وغیرہ مجتمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ کس کو خلیفہ بنائیں وزیر نے واثق کے بیٹے محمد کے متعلق رائے دی لیکن جب وہ دربار میں آیا تو اس کی صورت دیکھ کر وصیف نے کہا کہ صاحبو! اللہ کا خوف کرو۔ اس کو تم لوگ مسلمانوں کا خلیفہ بنا رہے ہو۔ جس کے پیچھے نماز تک جائز نہیں۔ لوگوں نے اس کے قول سے اتفاق کیا اور محمد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ۔ قاضی احمد بن داؤد نے جعفر بن واثق کو طلب کیا اور اس کے سر پر تاج رکھ دیا۔ حاضرین نے بیعت کی ۔ اس کے بعد بیعت عام ہوئی ۔ اس کا لقب متوکل علی اللہ رکھا گیا۔

وزارت

ابن زیات نے چونکہ متوکل کے ساتھ بے رخی برتی تھی نیز واثق کی وفات پر محمد بن واثق کی خلافت کا مشورہ دیا تھا اس وجہ سے متوکل نے ۷ صفر ۲۳۳ھ میں اس کو اور اس کے سارے خاندان والوں کو پکڑ کر قید کر دیا اور ان کی منقولہ اور غیر منقولہ ہر قسم کی جائیدادوں کو ضبط کر لیا۔ ابن زیات وزیر پر ناگفتہ بہ سختیاں کیں یہاں تک کہ ۴۱ دن وہ اس عذاب میں رہ کر ہلاک ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وزیر نے اپنے بعض دشمنوں کو سزا دینے کے لئے ایک آہنی تنور بنوایا تھا جس کے اندر تیز نوک کے کانٹے لگوائے تھے لیکن شوی بخت سے پہلا شخص جو اس تنور کے عذاب میں پڑا خود وہی تھا۔

چند ماہ کے بعد متوکل نے عمر بن فرج کاتب کو گرفتار کر لیا اس کا قصور یہ تھا کہ متوکل کی شہزادگی کے زمانہ میں اس نے ایک بار غصہ میں آکر اس کی تنخواہ کے کاغذ کو مسجد کے صحن میں پھینک دیا تھا اس کے ساتھ اس کا بھائی محمد بن فرج بھی پکڑا گیا۔ ان دونوں سے ۲۷۴۰۰۰ اور ۱۵۰۰۰ درہم وصول کئے گئے اور ان کی ساری ملکیت بھی ضبط کی گئی ۔ آخر میں ایک کروڑ درہم لے کر متوکل نے صرف ان کی اہواز کی جاگیر در گزار کی اور ان کو قید سے رہا کیا۔

ابن زیات کے بعد احمد بن خالد میر منشی وزیر اعظم مقرر ہوا۔ ذی حجہ ۲۳۳ھ میں اس پر بھی عتاب نازل ہوا۔ اس کی کل ملکیت ضبط کر لی گئی اور ساٹھ ہزار دینار نقد وصول کئے گئے۔ اس کے ساتھ اور کاتب بھی گرفتار ہوئے تھے سب سے جرمانے لئے گئے۔
پھر محمد بن فضل جرجرائی جو واسط اور بغداد کے مابین نہروان کے متصل مقام جرجرایا کا باشندہ تھا وزارت پر آیا۔ یہ شخص عالم و فاضل اور ادیب و شاعر تھا۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ متوکل نے ۲۳۶ھ میں اس کو صرف اس وجہ سے برطرف کر دیا کہ وہ وزارت کے لئے بڈھے آدمی کو پسند نہیں کرتا بلکہ کسی نوجوان کو چاہتا ہے چنانچہ عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کو منتخب کیا یہ متوکل کے آخر عہد تک وزیر رہا۔
ابن خاقان خوشنویس اور حساب و کتاب میں ماہر تھا۔ اس میں چند عیوب بھی تھے لیکن اس کے حسن۔ خلق اور کرم نے ان پر پردہ ڈال رکھا تھا اپنی داد و دہش کی بدولت اہل فوج میں نہایت ہر دل عزیز تھا۔
اس زمانہ میں محکمہ مال جیسی خراب حالت میں تھا اور عمال جیسے خیانت پیشہ اور باہم دشمن تھے اس کی کیفیت کے اظہار کے لئے مندرجہ ذیل واقعہ کافی ہے۔
نجاح بن سلمہ میر منشی اور عمال کا نگران عام تھا۔ اس وجہ سے وہ بڑا صاحب اثر اور پر ہیبت امیر تھا۔ اس میں اور وزیر ابن خاقان میں باہم سخت منافست تھی۔ حسن بن مخلد وزیر املاک اور موسیٰ بن عبدالملک وزیر خراج ابن خاقان کے طرف داروں میں سے تھے۔
۲۴۵ھ میں متوکل نے سامرا میں اپنے لئے ایک محل بنوانا چاہا جس کے واسطے اس کو روپے کی ضرورت پڑی۔ نجاح نے تقریباً بیس امیروں کے نام لے کر جن میں وزیر اعظم اور اس کا نائب اور حسن بن مخلد وغیرہ سب شامل تھے کہا کہ ان کو میرے سپرد کر دیجئے۔ میں ان سے ان قدر رقم وصول کر کے دوں گا جو قصر خلافت کی تعمیر کے لئے کافی ہوگی۔ متوکل یہ سن کر خوش ہوا اور کہا کہ کل آؤ تو اس کا انتظام کر دوں۔
وزیر اعظم کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو وہ خلیفہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ نجاح کی خواہش یہ ہے کہ جس قدر امراء اور کتاب ہیں ان سے تاوان وصول کر کے ایک عام خلفشار پیدا کر دے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوا تو تمام سرکاری کام درہم برہم ہو جائیں گے یہ کہہ کر وہاں سے چلا آیا اور موسیٰ بن عبدالملک اور حسن بن مخلد کو بلا کر کہا کہ خلیفہ تیار ہے کہ وہ کل تم کو نجاح کے ہاتھ میں دے دے اگر ایسا ہوا تو وہ صرف تمہارے اموال ہی کو ضبط نہیں کرے گا بلکہ سختیاں کر کے تم کو ہلاک بھی کر ڈالے گا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تم اسی وقت امیر المومنین کو لکھو کہ ہم تعمیر محل کے واسطے بیس لاکھ دینار دینے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ نجاح ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ ان دونوں نے یہ تحریر لکھ دی وہ اس کو لے کر خلیفہ کے پاس گیا اس نے منظور کر کے نجاح کو ان کے حوالہ کر دیا۔
ان لوگوں نے نجاح اور اس کے بیٹے سے ۱۴۰۰۰۰ دینار نقد وصول کئے نیز اس کے کارندوں سے بڑی بڑی رقمیں لیں اور اس کے دیہات اور مکانات کے علاوہ اس کی سامرا اور بغداد کی کل ملکیت ضبط کر لی۔
نجاح کا کاتب خاص اسحاق بن سعد تھا۔ اس نے متوکل کی شاہزادگی کے زمانہ میں ایک بار اس کی تنخواہ کے اجراء میں پچاس دینار رشوت میں لئے تھے متوکل نے حکم دیا کہ اس سے ہر دینار کے عوض میں ایک ہزار دینار وصول کرو۔ اور ایک ہزار دینار جرمانہ لو۔ چنانچہ انہوں نے اس سے ۵۱۰۰۰ دینار کا مطالبہ کیا اور جب وہ نہیں دے سکا تو اس کو قید کر دیا مجبور ہو کر ۱۷۰۰۰ ہزار دینار اس نے ادا کئے باقی کے لئے ضمانت دی تب رہائی پائی لیکن نجاح عذاب کی سختیوں سے مر گیا۔
کس قدر حیرت ہے کہ ان کاتبوں کی دست درازی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خود خلیفہ کے بھائی سے وظیفہ جاری کرانے کے لئے رشوت لیتے تھے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے لوگوں سے کیا کچھ وصول نہ کرتے ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ ان

لوگوں کے پاس بہت جلد دولت جمع ہو جاتی تھی اور چونکہ خود یہ ایک دوسرے کی مالی حالت سے اچھی طرح واقف ہوتے تھے اس لئے ازراہ حسد و عداوت جب موقع پاتے تھے خلیفہ کو اس کے مصادرہ کے لئے آمادہ کر دیتے تھے۔ دینی اثر اور تقویٰ چونکہ دلوں میں کم تھا اس لئے خلیفہ بھی بلا خوف و خطر جو کچھ چاہتا تھا کر گزرتا تھا۔ نہ کوئی قانون تھا کہ اس کو اموال کی ضبطی سے روکے، نہ کوئی زبان تھی جو اس کی ناروا تعذیب اور تعذیر کی مخالفت کرے۔ علماء صرف مسائل نظریہ میں بحث کرتے تھے جن کا کوئی اثر عملی زندگی پر نہیں تھا اور اس قسم کے مظالم کے خلاف جن سے لوگوں کی جان مال و عزت تلف اور برباد ہوتی تھی ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ اس زمانہ کا اگر خلافت راشدہ سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے جبکہ امت خلیفہ کے ہر امر پر اس سے محاسبہ کر سکتی تھی تو ظلمت اور نور کا فرق نظر آ جائے گا۔ چنانچہ ان بد نظمیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ امور خلافت فاسد تھے نظام ملک ابتر تھا اور شیرازہ ملت پراگندہ۔

احمد بن ابی داؤد، خلیفہ مامون، معتصم اور واثق کے زمانہ سے قاضی القضاۃ معتمد علیہ اور بزرگان دولت میں تھا چونکہ اس نے متوکل کی حمایت کی تھی اور اس کے سر پر تاج رکھا تھا اس وجہ سے اس کے عہد میں بھی اپنے درجہ پر بحال رہا۔ ۲۳۳ھ میں اس پر فالج گرا اور وہ بیکار ہو گیا۔ متوکل نے اس کی جگہ پر اس کے بیٹے ابو الولید کو مقرر کیا لیکن ۲۳۷ھ میں ناراض ہو کر برطرف کر دیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو مع اس کے تمام بھائیوں کے گرفتار کر کے عبیداللہ بن سری نائب شحنہ کے سپرد کیا کہ ان سے جرمانے وصول کرو اس نے ۱۲۰۰۰۰ دینار نقد اور ۲۰۰۰۰ ہزار دینار کے جواہرات ان سے لئے۔ ان کی کل جائیداد ایک کروڑ ساٹھ لاکھ درہم پر فروخت کر دی اور ان کے مفلوج بڈھے باپ احمد بن داؤد کی بھی ساری ملکیت ضبط کر لی۔ ۲۳۹ھ میں ابو الولید اور اس کے ۲۰ روز کے بعد اس کا باپ دونوں بے مائگی کی حالت میں مر گئے۔

علویہ

تمام بنی عباس میں متوکل حضرت علی اور ان کی اولاد کی دشمنی میں بدنام ہے۔ جس شخص کے متعلق اس کو خبر ملتی کہ علویہ میں سے کسی کے ساتھ تولا رکھتا ہے اس کا خون اور مال سب حلال سمجھتا۔ خلفائے عباسیہ میں سے مامون، معتصم اور واثق کو وہ محض اسی وجہ سے برا کہتا تھا کہ یہ لوگ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے محبت رکھتے تھے۔ اس کے ندیم و جلیس بھی زیادہ تر اسی عقیدہ کے لوگ تھے جو اس کو ہمیشہ علویہ کی طرف سے بدظن رکھتے تھے یہاں تک کہ وہ ان کے اسلاف سے بھی جو دین و تقویٰ کے لحاظ سے امت میں مقبول تھے بغض رکھنے لگا۔ ۲۳۷ھ میں حکم دیا کہ کربلا میں امام حسینؓ کی قبر منہدم کر دی جائے اور اس پر کاشت ہو کوئی زیارت کے لئے نہ جانے پائے۔ اس حکم کے مطابق امام حسینؓ کی قبر کے تمام مجاور نکال دیئے گئے اور وہاں کی ساری عمارتیں گرا کر ان پر کھیتی ہونے لگی۔ زائرین کا آنا جانا قطعاً بند کر دیا گیا۔

اس کے عہد میں فرقہ اثنا عشریہ کے امام علی ہادی بن محمد جواد تھے متوکل نے ان کو سامرا میں خاص اپنی نگرانی میں رکھا تھا۔ وہاں بیس سال رہ کر انہوں نے انتقال کیا اسی وجہ سے ان کا لقب عسکری ہے۔ کیونکہ سامرا لشکر گاہ ہونے کی وجہ سے عسکر کہا جاتا تھا۔ ایک بار متوکل کو یہ خبر پہنچی کہ امام موصوف کے پاس ان کے شیعوں کی آمد و رفت رہتی ہے اور انہوں نے اپنے گھر میں بہت سے آدمی اور اسلحہ فراہم کئے ہیں۔ اس لئے رات کو ان کی خانہ تلاشی کے لئے سپاہی بھیجے۔ امام موصوف ایک گلیمی قمیض پہنے اور ایک ادنی رومال سر پر باندھے ہوئے تلاوت قرآن اور دعا میں مصروف تھے۔ ان کے گھر میں کوئی چیز نہ نکلی۔ یہاں تک کہ بستر بھی بجز فرش ریگ کے نہ تھا۔ اسی حالت میں لوگ ان کو متوکل کے پاس لائے اس نے اپنے قریب بٹھلایا اور حکمت اور نصیحت کی باتیں سنیں۔ پھر قرض ادا کرنے کے لئے چار ہزار درہم دیئے اور اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ بنی امیہ کے زمانے میں امام زید اور پھر ان کے بیٹے یحییٰ نے خروج کیا تھا۔ متوکل کے عہد میں یحییٰ کے پوتے یحییٰ بن عمر نے مخالفت کا سامان کیا لیکن گرفتار ہو گئے۔ دربار میں لا کر عمر بن فرج کاتب نے ان کو ۱۸ کوڑے مارے اور بغداد میں قید کر دیا۔

فوج

معتصم اور واثق کے زمانہ سے فوج میں ترکی عنصر غالب تھا۔ ان کا نفوذ اور اقتدار دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ اور ان کے استبداد سے نہ صرف وزراء اور امراء مغلوب تھے ۔ بلکہ خود متوکل تنگ آگیا تھا اس لئے چاہا کہ ان کی قوت کو توڑ دے۔ اس زمانہ میں ترکی امیر ایتاخ سپہ سالاری کے علاوہ برید حجابت اور دار الخلافہ کی عمارت کے بھی عہدے رکھتا تھا۔ متوکل نے ارادہ کیا کہ اسی سے ابتدا کرے لیکن اس نے دیکھا کہ سامرا میں جو فوجی چھاؤنی اور ترکوں کا مرکز ہے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسے آدمی اس کے پاس بھیجے جنہوں نے حج کے لئے اس کو آمادہ کیا۔ اس نے اجازت مانگی ۔ متوکل نے خلعت دے کر رخصت کیا اور یہ بھی حکم لکھ دیا کہ راستہ میں جس جس شہر میں یہ داخل ہو گا تاقیام وہاں کی حکومت اس کے ہاتھ میں ہو گی۔

اس کے ساتھ علاوہ اس کے غلاموں کے فوجی امراء اور سپاہیوں کی بھی ایک کثیر تعداد حج کے لئے روانہ ہوئی ۔ واپسی میں جب وہ عراق میں آیا تو متوکل نے اس کے استقبال کے لئے ایک معتمد کو مع خلعت اور تحفوں کے کوفہ بھیجا۔ اور ایک قاصد کو خاص پیغام دے کر بغداد کے شحنہ اسحاق بن ابراہیم مصعبی کے پاس روانہ کیا۔ ایتاخ جب کوفہ میں داخل ہوا تو اسحاق مذکور اس کی پیشوائی کے لئے وہاں گیا اور اس سے کہا کہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ آپ بغداد میں خزیمہ کے محل میں دربار کریں جس میں عراق کے شرفاء اور اعیان بنی ہاشم جمع ہوں گے ایتاخ بغداد میں آیا جب اس محل میں داخل ہونے لگا تو اس کے غلام باہر روک لئے گئے اور اندر اسحاق کے سپاہیوں نے اس کو پکڑ کر ہاتھ پاؤں میں زنجیریں اور بیڑیاں ڈال دیں۔ اس کے دونوں بیٹوں منصور و مظفر اور اس کے دونوں کاتبوں سلیمان بن وہب اور قدامہ بن زیاد کو بھی گرفتار کر لیا۔ ایتاخ ان تکلیفوں سے جو اس کو پہنچائی گئیں۔ ۲۳۵ھ میں قید خانہ ہی میں مر گیا۔ لیکن اس کے بیٹوں کو متوکل کے بعد مستعین نے رہائی بخشی۔

متوکل ترکوں سے اس قدر بیزار تھا کہ چاہتا تھا کہ سامرا چھوڑ کر دوسرے شہر کو دار الخلافہ بنا لے چنانچہ ۲۴۳ھ میں دمشق میں چلا بھی گیا اور وہیں سرکاری دفتروں کو منتقل کرنے کا حکم دیا۔ ترکوں نے خیال کیا کہ خلیفہ اپنی قوم سے مدد لے کر ہم کو مغلوب کرنا چاہتا ہے اس لئے بغاوت پر آمادہ ہو گئے ۔ متوکل نے دیکھا کہ فتنہ بہت بڑھ جائے گا اس لئے یہ بہانہ کر کے دمشق کی آب و ہوا مرطوب ہے پھر سامرا میں آگیا۔

۲۴۵ھ میں ماحوزہ کو جو دار الخلافہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا آباد کیا اور اس کا نام جعفریہ رکھا۔ اس کی تعمیر میں بیس لاکھ دینار نقد صرف ہوئے ۔ اپنے لئے ایک ایسا بلند محل تیار کرایا کہ اس وقت تک اتنی اونچی کوئی عمارت نہیں بنی تھی ۔ اس کا نام قصر لولو رکھا۔ دو لاکھ دینار کے صرفہ سے مقام کرمی سے جو پانچ میل کے فاصلہ پر تھا ایک نہر بھی اس میں لانی چاہی لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے خود اس کی زندگی کا چشمہ خشک ہو گیا۔ کیونکہ ترکوں میں یہ شہرت ہو گئی کہ خلیفہ اس جدید عمارت میں منتقل ہونے کے بعد وصیف اور بغا دونوں ترکی امیروں کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ اس لئے قبل اس کے کہ وہ ان کو قتل کرے انہوں نے خود اس کو قتل کر ڈالا۔ متوکل کے بعد جعفریہ کی تمام عمارتیں جو متوکلیہ کے نام سے مشہور ہو گئی تھیں ویران ہو گئیں۔

ابن البعیث

آذربائیجان کے نواح میں ایک قصبہ مرند تھا جس کا رئیس حلبس نامی ایک عرب تھا۔ اس کے بیٹے بعیث نے اس قصبہ کے اردگرد فصیل بنائی اور ایک قلعہ تعمیر کیا۔ محمد بن بعیث بغداد میں رہتا تھا۔ اسحاق بن ابراہیم شحنہ بغداد نے اس کو خلیفہ کا مخالف دیکھ کر اس کو قید کر دیا لیکن بغا شرابی نے سفارش کی ۔ اور اس کی طرف سے چند ضامن پیش کئے جس کی وجہ سے چھوڑ دیا وہ بغداد سے مرند میں گیا وہاں فصیل اور قلعہ کی مرمت کی اور اپنے قبیلہ کے دو ہزار افراد سے زائد جمع کر کے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ والی آذربائی جان محمد بن حاتم بن ہرثمہ اس کے مقابلہ سے عاجز رہا۔ متوکل نے اس کو برطرف کر کے حمدویہ بن علی بن فضل کو وہاں کا والی

مقرر کیا۔ وہ شاکریہ اور رضا کاروں کی دس ہزار کی جمعیت لے کر اس طرف گیا اور مرند کا محاصرہ کیا۔ جب ایک عرصہ گزر گیا اور قلعہ فتح نہیں ہوا تو متوکل نے زیرک سپہ سالار کے ساتھ ترکوں کی کثیر فوج روانہ کی۔ لیکن اس سے بھی کچھ نہ ہو سکا اس لئے عمرو بن سیل بھیجا گیا ۔ ان تمام امراء نے مل کر مرند پر حملہ کیا اور منجنیقوں سے اس پر سنگباری شروع کی ۔ اسی درمیان میں خلیفہ کی طرف سے بغاشرابی چار ہزار فوج لے کر آگیا۔ اس نے عیسیٰ بن شیخ شیبانی کے ہاتھ ابن بعیث کے ساتھیوں اور رفیقوں کے نام خلیفہ کی طرف سے امان نامے بھیجے چونکہ وہ لوگ محاصرہ سے تنگ آگئے تھے اس لئے امان ملنے کے بعد انہوں نے ابن بعیث کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بعضوں نے قلعہ کے دروازے بھی کھول دیئے ۔ ترکی فوج اندر داخل ہو گئی ۔ ابن بعیث مع اپنے دو سو اہل خاندان اور حرم کے گرفتار ہوا۔

بغاشرابی نے خلیفہ کو فتح نامہ لکھا۔ پھر ان قیدیوں کو لے کر سامرا میں گیا۔ متوکل نے ابن بعیث کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن جس وقت دربار میں جلاد نے اس کو قتل کرنا چاہا اس وقت اس نے خلیفہ سے معافی کی درخواست کی اور چند رقت انگیز اشعار پڑھے۔ متوکل نے اس کی جان بخشی کی ۔ نیز اس کے تینوں بیٹوں حلیس ۔ بعیث اور جعفر کو بھی چھوڑ دیا۔ وہ شاکریہ فوج میں داخل ہوگئے۔ ابن بعیث ایک مہینہ کے بعد مر گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ بڑا ادیب اور شجاع تھا ۔ خاص کر فارسی میں اچھے اشعار کہتا تھا۔

شورش آرمینیہ

آرمینیہ اور آذر بائیجان کی ولایت بغاشرابی کو ملی ۔ اس نے ابو سعید محمد مروزی کو نائب بنا کر وہاں بھیج دیا۔ شوال ۲۳۶ھ میں وہ اچانک فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے یوسف کو اس کی جگہ پر مقرر کیا۔ آرمینیہ کے بطریق اعظم بقراط بن اشوط نے بغاوت کی ۔ یوسف نے اس کو گرفتار کر کے دربار خلافت میں بھیج دیا۔ اس وجہ سے وہاں کے تمام بطریق برہم ہوگئے انہوں نے باشندوں کو یوسف کے مقابلہ کے لیے ابھارا۔ وہ اس زمانہ میں شہر طرون میں تھا۔ آرمینیوں نے جا کر چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کر لیا اس نے نکل کر جنگ کی جس میں وہ اور اس کے تمام ساتھی مارے گئے۔

متوکل نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے خود بغا کو بھیجا۔ اس نے جزیرہ کی طرف سے پہنچ کر پہلے ارزن کا محاصرہ کیا۔ وہاں کا امیر موسیٰ بن زرارہ تھا جس نے یوسف کے قتل میں آرمینیوں کے ساتھ شرکت کی تھی۔ اس کو گرفتار کر کے دربار خلافت میں روانہ کیا اور خود خوثیہ کی طرف بڑھا جس کے دامن میں وہ تمام باغی مجتمع تھے جنہوں نے طرون پر حملہ کیا تھا ان کے ساتھ سخت جنگ پیش آئی ۔ تیس ہزار ارمن میدان جنگ میں مارے گئے اور بے شمار قید ہوئے۔ اس فتح یابی کے بعد باغیوں کو ڈرانے کے لئے وہ وسط آرمینیہ سے گزرتا ہوا دبیل اور تفلیس تک گیا۔

۲۳۸ھ میں موالی بنی امیہ میں سے اسحاق بن اسماعیل نے صغدبیل میں جو دریائے کر پر واقع ہے بغاوت کی ۔ دربار خلافت سے زیرک اس مہم پر بھیجا گیا۔ بغا بھی تفلیس سے واپس ہو کر وہاں آگیا۔ اسحاق نے امیر سریر کی بیٹی کے ساتھ شادی کی تھی اور صغدبیل کو بہت محفوظ بنا رکھا تھا۔ کوہ خوثیہ کے بقیتہ السیف باغی وہیں آکر فراہم ہوگئے تھے ۔ بغا نے ان کو لکھا کہ اگر تم لوگ ہتھیار ڈال دو تو تم کو امان ہے لیکن وہ مقابلہ میں آئے ۔ عین جنگ کے وقت بغا نے نفاطین کی جماعت کو شہر کی طرف بھیج دیا کہ آگ لگا دیں۔ جب شعلے بلند ہوئے تو اسحاق میدان سے دوڑا ہوا اس طرف گیا۔ وہاں ترکوں نے اس کو اور اس کے بیٹے عمر کو پکڑ لیا اور بغا کے سامنے لائے اس نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس آگ سے صغدبیل میں تقریباً پچاس ہزار آدمی تباہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد بغا نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر آرمینیہ کے باغیوں کو گرفتار کیا۔ نیز آذر بائیجان اور اران کے بہت سے مفسد بطریقوں کو بھی پکڑ کر اپنے ساتھ لایا۔

دولت یعفریہ

معتصم کے عہد میں صنعاء کی ولایت جعفر بن سلیمان کو ملی تھی ۔ اس نے اپنی طرف سے عبدالرحیم بن ابراہیم حوالی کو وہاں کا

نائب کر دیا تھا۔ عبدالرحیم کے بعد اس کے بیٹے یعفر نے ۲۴۷ھ میں وہاں خود مختاری کا علم بلند کر دیا۔ یہ ریاست ۳۸۷ھ تک اس کے خاندان میں رہی۔ رئیسوں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) یعفر بن عبدالرحیم	۲۵۹-۲۴۷
(۲) محمد بن یعفر	۲۷۹
(۳) عبدالقادر بن احمد بن یعفر	۲۷۹
(۴) ابراہیم بن محمد	۲۸۵
(۵) اسعد بن ابراہیم	۲۸۸
(۶) فتنہ قرامطہ	۳۰۳
(۷) اسعد بن ابراہیم (دوبارہ)	۳۳۲
(۸) محمد بن ابراہیم	۳۵۲
(۹) عبداللہ بن قحطان	۳۸۷

احوال خارجیہ

مسلمانوں اور رومیوں میں بری اور بحری لڑائیاں سلسلہ وار جاری تھیں۔ ۲۳۸ھ میں رومیوں نے تین سو جنگی کشتیاں لے کر دمیاط کی طرف سے مصر پر حملہ کیا۔ بد قسمتی سے اسی زمانہ میں امیر مصر نے فسطاط میں ایک دربار کیا تھا جس میں تمام بحری محافظ شریک تھے اس وجہ سے رومی بلا کسی مقابلہ کے مصر میں داخل ہوگئے۔ سارے شہر کو لوٹ لیا۔ جامع مسجد میں آگ لگا دی۔ مسلمان عورتوں کو پکڑا۔ اور ان کو لے کر اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ اس کے جواب میں اسلامی صائفہ فوجوں نے ہم سرحد رومی شہروں کو جا کر اسی طرح غارت کیا۔

۱۲ شوال ۲۴۱ھ میں نہر لامس پر اسیران جنگ کا تبادلہ ہوا۔ متوکل نے اپنے خاص خادم شنیف نیز قاضی جعفر بن عبدالواحد ہاشمی اور علی بن یحییٰ ارمنی سرحد شام کے امیر افواج کو بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے ۲۱۰۰ مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو رومیوں کے پاس تھے واپس لیا۔ ایک سو سے زیادہ ذی عیسائی بھی ان کی قید میں تھے۔ فدیہ دے کر ان کو بھی رہا کرایا۔ ۲۴۲ھ میں رومی سمیساط کی طرف سے آمد تک بڑھ آئے۔ وہاں انہوں نے کئی بستیوں کو ویران کر ڈالا اور بہت سے مسلمانوں کو پکڑ کر لے گئے۔ رضا کاروں کی ایک جماعت نے فریباس اور عمر بن عبداللہ اقطع کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔

علی بن یحییٰ ارمنی امیر افواج سرحد جس کی دھاک رومیوں پر بندھی ہوئی تھی اس زمانہ میں صائفہ میں فوج لے کر گیا ہوا تھا۔ خلیفہ نے اس کو حکم دیا کہ شاتیہ کو لے کر وہ رومیوں پر حملہ کرے۔ اس نے انتقام لیا۔ ربیع الثانی ۲۴۴ھ میں متوکل نے بغاء کو بھی دمشق سے رومی سرحد کی طرف بھیجا اس نے شہر صملہ کو فتح کیا۔ ۲۴۵ھ میں رومیوں نے پھر سمیساط کی طرف سے یورش کی۔ تقریباً پانچ سو مسلمانوں کو قتل کیا اور متعدد بستیاں لوٹ لیں۔ علی بن یحییٰ نے صائفہ فوج لے کر ان پر دھاوا کیا اور مار کر بھگا دیا۔ صفر ۲۴۶ھ میں علی بن یحییٰ نے پھر اسیروں کا تبادلہ کیا اور ۲۳۶۷ قیدیوں کو رومیوں سے واپس لیا۔

صفات متوکل

مامون اور واثق کی طرح متوکل فلسفی نہیں تھا بلکہ سلف کی تقلید کو پسند کرتا تھا چنانچہ اس نے تمام مباحثوں اور مناظروں کو

خاص کر خلق قرآن کے متعلق حکمنا بند کرا دیا اور محدثین سے کہا کہ وہ حدیث کا درس دیں۔ جو دو کرم میں بھی اس کو خلفاء سابقین سے کوئی نسبت نہیں تھی لیکن منصور کی طرح منتظم بھی نہیں تھا۔

خلفاء عباسیہ کے درباروں میں متانت اور تمکنت کا بڑا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مگر متوکل کے عہد میں ہنسی اور مذاق نے بھی اس میں دخل پا لیا اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے وزراء اور امراء کی محفلوں میں ہزل عام ہو گیا۔ ابو عبادہ بحتری عربی کے مشہور شاعر نے متوکل کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا۔ ختم کے بعد ایک درباری ابو العنبس اٹھا۔ اور اس نے بحتری کی نقل اتاری اس پر متوکل بہت ہنسا اور خوش ہو کر اس کو دس ہزار درہم انعام دیا۔ جب فتح بن خاقان نے کہا کہ اس مسخرے نے دس ہزار صلہ پایا کچھ بحتری کو بھی تو ملنا چاہئے ۔ تو متوکل نے اس کے لیے بھی دس ہزار کا حکم دیا۔

متوکل کو ذمیوں سے سخت نفرت تھی ۔ شوال ۲۳۵ھ میں اس نے ابراہیم بن عباس صولی کاتب سے یہ حکم لکھوا کر تمام صوبوں میں بھیجا کہ اہل ذمہ مسلمانوں کے لباس پہن کر راستوں میں نہ نکلیں بلکہ زنار باندھیں اور اپنے خاص ملبوس پہنیں۔ نیز ان کے گھوڑوں کے زین بھی اہل اسلام سے مختلف ہوں۔ اور ان کو ان دفاتر میں ملازمت نہ دی جائے جن کے احکام مسلمانوں پر نافذ ہوتے ہیں نہ اسلامی مکاتب میں ان کے بچے داخل کئے جائیں نہ کوئی مسلمان ان کو تعلیم دے۔ متوکل کے عہد میں امنیت خوش حالی اور رفاہیت عام تھی ۔ سامان معیشت ارزاں تھا اور لوگ آرام اور فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ محدثین اس کی عداوت اہل بیت اور ہدم قبر حسینؑ سے جس قدر ناراض ہیں اسی قدر خلق قرآن کے فتنہ کو دبا دینے پر اس سے خوش ہیں۔ گویا ان کے نزدیک اس کی نیکی اور بدی کے دونوں پلڑے قریب قریب آجاتے ہیں۔ رہی کاتبوں کی تعزیر۔ اور ان کا مصادرہ ۔ یہ اس عہد میں کوئی اہم بات نہ تھی نہ اس کی کسی نے پرواہ کی۔

ولایت عہد

متوکل نے بھی اپنے دادا ہارون الرشید کی طرح اپنے تین بیٹوں کو ۲۷ ذی حجہ ۲۳۵ھ میں ولی عہد بنا کر کل ممالک اسلامیہ کو ان میں تقسیم کر دیا۔

منتصر کو افریقہ ۔ مصر ۔ شام ۔ جزیرہ ۔ عرب ۔ عراقین ۔ اہواز ۔ اصفہان ۔ سندھ

معتز کو ۔ طبرستان ۔ رے ۔ آرمینیہ ۔ آذربائیجان اور فارس ۲۴۰ھ میں کل ممالک محروسہ کے خزانوں کی تحویلداری کا عہدہ بھی اس کو دیا گیا۔ اور ٹکسالوں میں اس کے نام سے درہم و دینار مضروب ہونے لگے۔

موید کو جند ۔ دمشق ۔ جند حمص ۔ جند اردن ۔ جند فلسطین۔

ان تینوں میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے حدود میں خود مختار بنا دیا۔ اور عہد نامہ میں لکھ دیا کہ خلیفہ ہو جانے پر منتصر معتز کے اور معتز موید کے کاموں میں دخل نہ دے اور اختیارات میں خلل نہ ڈالے۔ عہد نامہ کا مضمون تقریباً وہی تھا جو ہارون نے اپنے بیٹے کے لئے لکھا تھا اس کی ایک ایک نقل ولی عہدوں کو دے دی گئی۔ اور ایک دفتر خلافت میں محفوظ رکھی گئی۔

قتل متوکل

ترکی امراء کے دل متوکل کی طرف سے مطمئن نہیں تھے ۔ ایتاخ کے واقعہ کی وجہ سے وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ اس فکر میں لگا ہوا ہے کہ ہماری قوت کو توڑے اور ہم کو ایک ایک کر کے پکڑے اور ہلاک کر ڈالے۔ متوکل کا وزیر عبیداللہ بن خاقان تھا اور ندیم خاص فتح بن خاقان یہ دونوں بھائی منتصر کے خلاف تھے ۔ اور چاہتے تھے کہ وہ خلیفہ نہ ہو بلکہ معتز ہو۔ متوکل کے دل میں بھی انہوں نے منتصر کی طرف سے بدگمانی پیدا کر دی اس نے چاہا کہ میں اس کو ولی عہدی سے نکال دوں۔ منتصر اس کا دشمن ہو گیا اور ترکوں کے

ساتھ ساز باز کرنے لگا۔

متوکل نے فتح بن خاقان کے مشورہ سے ارادہ کیا کہ منتصر - بغا اور وصیف تینوں کو قتل کرا دے - لیکن جس کی محفل میں نبیذ کا دور چلتا ہو اس کا راز کیسے مخفی رہ سکتا ہے - بغاشرابی کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ باغر ترکی کی جو متوکل کا پاسبان خاص تھا اپنے ساتھ متفق کر کے ۴ شوال ۲۴۷ھ کو رات کے وقت دس سپاہیوں کو اپنے ساتھ لے کر قصر خلافت میں داخل ہوا۔ وہاں متوکل اور اس کے ساتھ فتح بن خاقان دونوں کا کام تمام کر دیا۔ معتصم کے لگائے ہوئے درخت کا پہلا ثمر یہ تھا کہ وہ خلافت اسلامیہ ایسی قوم کے ہاتھ میں دے گیا تھا جن میں نہ علم تھا نہ دین نہ تقویٰ - عجیب بات یہ تھی کہ خود ولی عہد بھی شریک تھا۔ یہ بھی اسلام میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔

(۱۱) منتصر

خلافت ۴ شوال ۲۴۷ھ سے ۵ ربیع الثانی ۲۴۸ھ تک چھ ماہ۔ محمد منتصر بن متوکل بن معتصم بن ہارون الرشید ۔ یہ ایک رومی کنیز حبشیہ نامی کے شکم سے ۲۲۲ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ۲۳۵ھ میں متوکل نے اس کی ولی عہدی کا فرمان لکھا۔ اس کے قتل کے دن ۴ شوال ۲۴۷ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۸۶۱ء کو خلیفہ ہوا۔ پہلے ترکوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی پھر عام لوگوں نے۔

وزارت

منتصر نے عبیداللہ بن خاقان کو معزول کر دیا۔ اور احمد بن خصیب کو جو اس کا کاتب تھا وزارت کا عہدہ دیا۔ یہ شخص کم سواد اور کوتاہ نظر تھا اور نہایت تند مزاج۔ ایک بار گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک فریادی نے عرضی پیش کی ۔ رکاب سے پاؤں نکال کر اس زور سے اس کے سینہ پر مارا کہ وہ فوراً مر گیا۔ منتصر ابن خاقان کے نکلنے اور اس کے مقرر کرنے پر افسوس کیا کرتا تھا۔

فوج

ترکوں نے متوکل کو قتل اور منتصر کو اپنے اختیار سے تخت نشین کیا تھا اس لئے ان کا زور بڑھ گیا۔ اب ان کی ہیبت خود خلیفہ پر مستولی ہو گئی اور وہ مجبوراً ان کی رعایت کرنے لگا یہاں تک کہ ان کے کہنے سے اپنے دونوں بھائیوں کو ولی عہدی سے معزول کر دیا۔ موئد نے تو تسلیم کر لیا۔ لیکن معتز عہد نامہ پیش کرنے لگا۔ موئد نے اس سے کہا کہ ابھی کل کی بات ہے کہ ان ترکوں نے ہمارے باپ کو قتل کر ڈالا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان کی منشاء کے خلاف خلیفہ ہو جاؤ گے۔ مجبوراً اسے بھی دست بردار ہونا پڑا۔ منتصر نے کہا کہ میں نے اس طمع سے تم کو ولی عہدی سے خارج نہیں کیا کہ میرا کوئی بیٹا ہے جو جوان ہو کر تخت خلافت پر بیٹھے گا۔ بلکہ ترکوں نے مجھ سے اس کے لئے اصرار کیا اس لئے کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ کیونکہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو انہیں میں سے کوئی تمہارے سینوں میں خنجر بھونک دیتا۔ میں بہت کرتا تو اس کے قتل کا حکم دیتا لیکن اس سے کیا حاصل ہوتا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ ترکوں کی قوت سے کس قدر بے بس تھا کہ ان کی خواہش کی بھی مخالفت نہیں کر سکتا تھا جو خلیفہ سابق کے عہد و میثاق کے بالکل خلاف تھی۔

صفات منتصر

منتصر حلیم ۔ عفیف با مروت اور حسن خلق میں تمام خلفائے عباسیہ میں ممتاز تھا۔ متوکل نے شیعہ پر جو سختیاں عائد کر رکھی تھیں ان کو یک قلم اٹھا دیا۔ تمام علویہ کے وظائف جاری کر دیئے اور اوقاف کو واگزار کیا۔ کربلا میں زیارت کی عام اجازت دے دی اور اعلان کر دیا کہ شیعہ سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ جوش غضب میں اگرچہ وہ اپنے باپ کے خون میں شریک ہو گیا تھا لیکن اس کے

بعد اس ندامت سے اس کی روح بے چین رہتی تھی ۔ اکثر نیند اور نیز بیداری میں اس کو غیبی خطرات محسوس ہوتے تھے جن سے کانپ اٹھتا تھا۔ ایک بار بیٹھا ہوا رورہا تھا عبداللہ بن عمر بازیار درباری آگیا۔ رونے کا سبب پوچھا کہا کہ ابھی خواب میں میں نے متوکل کو دیکھا جو مجھ سے کہتا ہے کہ منتصر! تو نے میرے اوپر ظلم کیا اب تیری زندگی کے صرف چند روز باقی ہیں۔ اس کے بعد تیرا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس رنج سے میری آنکھ کھل گئی ۔ اور میں مضطرب ہوں ۔ عبداللہ نے اس کو تشفی دلائی۔

اکثر کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں بگاڑیں۔ اس کو ایک خطرہ یہ بھی رہتا تھا کہ ترکوں نے جو جرات متوکل کے ساتھ کی ہے وہی کہیں میرے ساتھ نہ کریں۔ اس لئے چاہتا تھا کہ ان کی جمعیت کو منتشر کردے ۔ نیز باپ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کی بھی خواہش رکھتا تھا۔ لیکن ان کی قوت اس سے کہیں زیادہ تھی کہ اس غمگین نوجوان کی تدبیریں اس کے مقابلہ میں کار آمد ہو سکتیں۔ آخر اسی پشیمانی اور حسرت کی آگ سے جو ہر وقت اس کے پہلو میں بھڑکتی تھی گھل گھل کر لاغر اور بیمار ہو گیا۔ اور بہت جلد اس دولت کو جس کے لئے باپ کا خون کیا تھا چھوڑ کر دنیا سے گذر گیا۔

وفات

بعض دانش مندوں نے لکھا ہے کہ باپ کا قاتل نصف سال سے زیادہ نہیں جیتا۔ شیرویہ اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر کے صرف چھ مہینے زندہ رہا۔ منتصر بھی متوکل کے چھ ماہ کے بعد ۵ ربیع الثانی ۲۴۸ھ مطابق ۷ جون ۸۶۳ء کو انتقال کر گیا۔

(۱۲) مستعین

خلافت ۵ ربیع الثانی ۲۴۸ھ سے محرم ۲۵۲ھ تک تین برس آٹھ مہینے اٹھاسیں دن۔ ابو العباس احمد بن محمد بن معتصم بن ہارون الرشید اس کی ولادت ۲۲۰ھ میں جزیرہ صقلیہ کی ایک کنیز مخارق نامی کے شکم سے ہوئی تھی۔

منتصر کی وفات کے بعد موالی جمع ہوئے ان میں سے تین شخص ممتاز تھے۔ بغا کبیر۔ بغا صغیر۔ اور اتامش۔ انہوں نے اتراک مغاربہ اور اشر و سنیہ وغیرہ امراء سے اس بات کا عہد لیا کہ ہم جس کو خلیفہ بنائیں اس کو سب تسلیم کریں پھر تینوں رائے زنی کرنے کے لئے بیٹھے۔ اس بات پر ان کا اتفاق ہو گیا کہ متوکل کی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنائیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کی کوشش کرے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اپنے آقائے اعظم معتصم کی اولاد میں سے خلافت کو نکال دیں اس لئے احمد بن معتصم کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا۔ محمد بن موسیٰ ابن شاکر منجم نے ان سے کہا کہ احمد متوکل سے بھی پہلے سے اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت کا حقدار سمجھتا ہے۔ تمہیں لوگ اس کو محروم کرتے چلے آتے ہو۔ اب اگر وہ خلیفہ ہو جائے گا تو اس کے نزدیک تمہاری کیا قدر ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہارا زیر بار احسان رہے۔

بغا کبیر نے کہا کہ اگر خلیفہ ایسا شخص ہو جس کا رعب ہمارے اوپر غالب رہے تو ہم متحد رہیں گے اور جو وہ خود ہمیں سے ڈرے گا تو ہم آپس میں حسد اور دشمنی سے کٹ مریں گے لیکن بغا صغیر اور اتامش نے منجم کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ بے شک ہم کو ایسا ہی شخص منتخب کرنا چاہئے جو ہمارا ممنون ہو۔ چنانچہ انہوں نے احمد بن محمد بن معتصم کا نام پیش کیا۔ بغا کبیر کو بھی راضی کر کے اسی کی خلافت پر بیعت کی اور اس کا لقب مستعین باللہ رکھا۔

وزارت

موالی خود خلافت پر اقتدار پا چکے تھے اس وجہ سے وزارت بھی انہیں کے زیر اثر تھی۔ وزیر اگر ان کی خواہشوں کے مطابق عمل کرتا تھا تو اپنے منصب پر رہتا تھا نہیں تو معزول کر دیا جاتا تھا۔ مستعین کے زمانہ میں بھی احمد بن خصیب برقرار رہا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ترکی امراء اس سے ناراض ہو گئے۔ جمادی الثانی ۲۴۸ھ میں اس کو پکڑ کر جزیرہ اقریطش میں بھیج دیا اور اس کا اور اس کے بیٹے کا سارا مال و منال ضبط کر لیا۔

اس کی جگہ پر اتامش کو وزیر اعظم بنایا۔ اور شجاع کو اس کا کاتب مقرر کیا اب اتامش امور سلطنت پر قابض ہو گیا۔ مستعین کی والدہ جس کا کاتب ایک نصرانی سعید بن سلمہ تھا اور شاہک خادم جو قصر خلافت کا داروغہ اور خلیفہ کا خزانچی تھا دونوں اتامش سے مل گئے بیت المال میں جو رقم آتی تھی اس کا بڑا حصہ انہی تینوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ مستعین نے اپنے بیٹے عباس کو تربیت کے لئے اتامش کے سپرد کیا تھا۔ اس نے ایک نصرانی دلیل بن یعقوب کو اس کا اتالیق مقرر کر دیا جو مال ان تینوں سے بچ جاتا تھا اس کو ابن یعقوب شاہزادہ کے لئے لے لیتا تھا۔

وصیف اور بغا نے جو کسی زمانہ میں سیاہ و سپید کے مالک تھے جب یہ حالت دیکھی تو ترکوں کو اتامش کے خلاف کھڑا کر دیا انہوں نے پنج شنبہ ۱۲ ربیع الثانی ۲۴۹ھ میں جمع ہو کر اس پر یورش کی ۔ وہ بھاگ کر قصر خلافت میں پناہ لینے کے لئے پہنچا۔ مستعین نے پناہ دینے سے انکار کیا۔ موالی دو دن تک محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے۔ شنبہ کے روز محل میں گھس کر اس کو ایک حجرے سے جس میں وہ چھپا ہوا تھا نکال کر قتل کر ڈالا۔ پھر جا کر اس کا گھر لوٹ لیا بے شمار مال و متاع اور آلات و فروش ملے۔

اس کے بعد مستعین نے مامون کے وزیر محمد بن یزداد کے بیٹے ابو صالح عبداللہ کو وزارت دی ۔ اس نے چاہا کہ محاصل کے حسابات منضبط کر کے سلطنت کے مالیہ کو درست کرے۔ بغا صغیر کو اس کا یہ انتظام پسند نہ آیا اور وہ اس سے برہم ہو گیا۔ ابو صالح اپنی جان کے خوف سے شعبان ۲۴۹ھ میں بھاگ کر بغداد میں چلا گیا۔ اس کی وزارت صرف تین ماہ رہی ۔ اب محمد بن فضل جرجرائی متوکل وزیر اس منصب پر مامور ہوا لیکن اس نے بجائے وزیر کے اپنا نام صرف کاتب رکھا۔

علویہ

زیدیہ میں سے یحیٰی بن عمر جو بغداد میں قید تھے اپنی جماعت کو لے کر پھر اٹھے اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ امیر بغداد نے ان کے مقابلہ کے لئے حسن بن ابراہیم بن مصعب کو فوج دے کر بھیجا۔ وہ کوفہ سے چند میل کے فاصلہ پر خیمہ زن ہوا۔ زیدیہ نے جو اصول جنگ سے ناواقف تھے یحیٰی کو مشورہ دیا کہ کوفہ سے نکل کر حملہ آور ہوں وہ روانہ ہوئے رات پھر چل کر ۱۳ رجب ۲۵۰ھ کو حسین کے قریب پہنچے ۔ اس کی فوج تازہ دم تھی اور یہ لوگ درماندہ پہلے ہی حملہ میں شکست کھا گئے ۔ یحیٰی اپنے گھوڑے سے گر کر مقتول ہوئے ۔ ان کا سر محمد بن عبداللہ کے یہاں بھیجا گیا۔ اس نے خلیفہ کے پاس سامرا میں بھیج دیا۔ وہاں باب عامہ پر لٹکا دیا گیا۔ لیکن عوام نے اس کے خلاف شورش کی اس وجہ سے پھر بغداد واپس کیا گیا کہ وہاں لٹکا دیا جائے۔ اہل بغداد نے بھی مخالفت کی ۔ اس لئے دفن کرا دیا گیا۔

دولت زیدیہ

یحیٰی کی مہم سر کرنے کے صلہ میں مستعین نے محمد بن عبداللہ بن طاہر کو دیلم کے متصل حدود طبرستان میں کلار اور سالوس دو مقامات جاگیر میں دیئے اس نے اپنے کاتب کے بھائی جابر بن ہارون کو ان کے انتظام کے لئے بھیجا۔ طبرستان کا عامل اس زمانہ میں سلیمان بن عبداللہ بن طاہر تھا۔ لیکن سارا کام اس نے محمد بن اوس بلخی کے سپرد کر رکھا تھا۔ اس نے کل عہدوں پر اپنے بیٹوں کو جو ناقابل تھے مقرر کر دیا۔ اہل طبرستان ان کے مظالم سے تنگ تھے اس وجہ سے مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ سلیمان نے اہل دیلم سے عہد مصالحت کر لیا تھا۔ لیکن محمد بن اوس نے ان کے ملک کے حدود کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ اس لئے وہ بھی دشمن ہوگئے۔

جابر جب وہاں پہنچا تو اس نے کلار اور سالوس کے علاوہ اردگرد کی ان زمینوں پر بھی قبضہ کر لیا جن میں اس حوالی کے باشندوں کے مویشی چرا کرتے تھے محمد اور جعفر پسران رستم وہاں کے بہادر اور نامی رئیس تھے۔ انہوں نے جابر کو اس سے منع کیا۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔ آخر وہ مخالفت پر کمربستہ ہوگئے جابر اپنی جان کے خوف سے بھاگ کر سلیمان کے پاس چلا گیا۔ اب انہوں نے یہ خیال کیا کہ سلیمان ہمارے اوپر لشکر کشی کرے گا۔ اس لئے اس دیار کے باشندوں نے اہل دیلم کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ کلار اور سالوس کے لوگ بھی شریک ہوگئے اور ان سب کا ایک بہت بڑا جتھا ہو گیا۔

اس زمانہ میں حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب رے میں مقیم تھے ۔ محمد بن جعفر نے ان کو بلا لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی حسن نے سلیمان کے تمام کارندوں کو وہاں سے نکال کر کل صوبہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر آمل کی طرف بڑھے محمد بن اوس مقابلہ کے لئے آیا لیکن ہزیمت اٹھا کر بھاگا اب حسن کی قوت بڑھ گئی اور عوام کی ایک کثیر جماعت ان

کے ساتھ مل گئی انہوں نے شہر ساریہ پر جہاں سلیمان رہتا تھا چڑھائی کی وہ اپنی جان بچا کر نکل گیا حسن شہر میں داخل ہو گئے اور سواروں کا ایک دستہ بھیج کر رے پر بھی قبضہ کر لیا۔

مستعین نے وصیف ترکی کو بھیجا کہ وہ ہمدان میں پہنچ کر اس فتنہ کو روکے اور حدود خلافت میں نہ بڑھنے دے کیونکہ وہاں تک دولت طاہریہ کی سرحد تھی جس کی حکومت بالا استقلال آل طاہر کے ہاتھ میں تھی۔ اس طرح پر حسن بن زید نے ایک قطعہ دولت طاہریہ کا ایک اور ایک قطعہ خلافت عباسیہ کا فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی جس میں دیلم اور طبرستان کے کوہستانی سلسلے شامل تھے یہ حکومت سو سال تک ان کے خاندان میں رہی۔

حسب ذیل امراء ہوئے

(۱) حسن بن زید داعی	۲۵۰-۲۷۰
(۲) محمد بن زید قائم بالحق	۲۷۹
(۳) بنی سامان	۳۰۱
(۴) حسن اطروش بن علی بن حسین بن	
علی بن عمر بن زین العابدین	۳۰۴
(۵) حسن بن قاسم	۳۵۵

لیکن اس دولت کا نہ نظم و نسق باقاعدہ تھا نہ دشمنوں سے محفوظ تھی۔ چنانچہ بنی سامان نے جس کا ذکر آگے آئے گا محمد بن زید کو قتل کر کے ۳۲ سال تک اس پر قبضہ رکھا حسن اطروش نے لڑ کر ان سے واپس لے لیا۔ لیکن پھر وہ ایک لڑائی میں مارے گئے اس کے بعد حسن قاسم نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی مگر اطروش کی اولاد برابر ان سے لڑتی رہی۔ ان باہمی نزاعوں کی بدولت زیدیوں کے ہاتھ سے ۳۵۵ھ میں نکل گئی۔

فوج

بغا کبیر کا جو یہ خیال تھا کہ اگر خلیفہ کا رعب ہمارے اوپر رہے گا تو ہم متفق رہیں گے ورنہ حسد سے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے آخر کار صحیح نکلا۔ مستعین کو خلیفہ بنانے کے بعد ترکوں میں باہم رشک پیدا ہو گیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اتامش وزیر کو جو سلطنت پر قابض ہو گیا تھا قتل کیا اس کے بعد متوکل کے قاتل باغر ترکی نے جب دیکھا کہ بغا کبیر اور وصیف امور خلافت پر حاوی ہو گئے اور میں کسی شمار میں نہیں تو اس نے ایک جماعت کے ساتھ مستعین اور ان دونوں کے قتل کا ارادہ کیا اور چاہا کہ علی بن معتصم کو خلیفہ بنائے۔ مستعین کو اس سازش کی خبر ہو گئی اس نے بغا اور وصیف کو بلا کر مطلع کیا انہوں نے جا کر باغر کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے بغاوت کر دی جس سے سامرا میں ایک شورش برپا ہو گئی۔

بغا اور وصیف خلیفہ کو حفاظت کی غرض سے بغداد میں لے گئے اور محمد بن عبداللہ بن طاہر کے محل میں رکھا۔

سامرا میں ترکوں نے معتز کو قید خانہ سے نکال کر خلیفہ اور اس کے بھائی موئد کو ولی عہد بنا دیا۔ مستعین سامرا کے امراء فوج کو اور معتز بغداد کے رؤسا کو خطوط لکھ لکھ کر اپنی اپنی طرف مائل کرنے لگے۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا اور فریقین میں جنگ کی تیاری شروع ہوئی۔ محمد بن عبداللہ نے بغداد کی فصیل پر فوجیں متعین کر دیں اور سامرا کے راستے روک دیئے تاکہ وہاں سامان رسد نہ پہنچ سکے معتز نے اپنے بھائی ابو احمد بن متوکل اور کلباتکین ترکی امیر کی قیادت میں فوجیں روانہ کیں مقام عکبرا میں پہنچ کر محرم ۲۵۱ میں مقابلہ ہوا کلباتکین ، صفر کو بغداد کی فصیل تک پہنچ گیا وہاں سخت خونریز لڑائی ہوئی۔

محمد بن عبداللہ مدافعت میں پوری کوشش کر رہا تھا مگر عبیداللہ بن یحیی بن خاقان نے جو پہلے متوکل کا وزیر تھا اس سے کہا کہ

تم کس کے لئے جان لڑاتے ہو۔ مستعین سخت منافق اور بد دین شخص ہے وصیف اور بغا کو اس نے خود تمہارے قتل کا حکم دیا تھا لیکن وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اس کی منافقت کی ایک علامت یہی ہے کہ جب تک سامرا میں تھا نماز میں بسم اللہ آہستہ کہتا تھا لیکن جب سے یہاں آیا ہے محض تمہاری خاطر بالجہر پڑھتا ہے۔

یہ سن کر محمد بن عبداللہ مستعین سے برگشتہ ہو گیا اور اس کی امداد چھوڑ دی ۔ اہل بغداد میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو انہوں نے بھی اس کی حمایت سے دست کشی کر لی۔ مجبوراً مستعین خلافت چھوڑنے پر رضامند ہو گیا۔ ۱۰ ذی حجہ ۲۵۱ھ میں محمد بن عبداللہ قاضیوں اور فقیہوں کو لے کر اس کے پاس گیا اس نے سب کے سامنے کہہ دیا کہ میں اپنے معاملہ کو محمد بن عبداللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس نے معتز کے پاس مستعین کی جان بخشی کے لئے خط لکھا۔ جس کو اس نے منظور کر لیا۔ ۴ محرم کو بغداد میں معتز کی خلافت کی بیعت ہوئی ۔ مستعین نے رداء عصا اور مہر خلافت حوالہ کر دی اس کے بعد واسط میں بھیج دیا گیا۔

احوال خارجیہ

اندرون ملک میں ادھر یہ فتنے تھے ادھر رومی سرحد کی حالت اس سے بھی زیادہ نازک تھی ۔ وہاں عمر بن عبداللہ اقطع اور علی بن یحییٰ ارمنی دو امیر تھے جن کا خوف رومیوں پر غالب تھا۔ عمر نے ملطیہ پر چڑھائی کی وہاں شہید ہو گیا۔ رومی جزیرہ کے حدود تک بڑھ آئے۔ یہ دیکھ کر علی بن یحییٰ ان کے مقابلہ میں پہنچا وہ بھی چار سو مسلمان کے ساتھ شہید ہو گیا۔ رومیوں نے اب بے خوف ہو کر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ اہل بغداد ان خبروں سے بہت مضطرب ہوئے۔ انہوں نے رضا کار مجاہدین کی ایک فوج مرتب کی۔ اطراف کے لوگ بھی اس میں آکر شامل ہوئے۔ دولت مندوں نے اپنے اموال اور اسلحہ سے مدد دی ۔ سامان رسد وغیرہ فراہم کئے اور اس کو سرحد کی طرف روانہ کیا۔

خلیفۂ اسلام ترکوں کے استبدادی پنجہ میں گرفتار تھا جن کو نہ امت کی حمایت کا خیال تھا نہ رومیوں کی غارت گری کی پرواہ۔ بلکہ اپنے ذاتی اغراض کے لئے لڑتے تھے اس وجہ سے خلافت سے کوئی امداد نہیں پہنچ سکی اور عام مسلمانوں کی یہ کوشش کسی تجربہ کار سپہ سالار کے نہ ہونے کے باعث رومیوں کے مقابلہ میں رائگاں گئی۔

(۱۳) معتز

خلافت ۴ محرم ۲۵۲ھ سے ۲۷ رجب ۲۵۵ھ تک تین سال چھ مہینے تیئس دن ۔ ابو عبداللہ بن متوکل اس کی ولادت ایک کنیز کے بطن سے ۲۳۱ھ میں ہوئی تھی ۔ متوکل نے اپنے بڑے بیٹے منتصر کے بعد اس کو ولی عہد بنایا تھا لیکن منتصر نے اس عہد کو منسوخ کر دیا تھا مستعین نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو اور اس کے بھائی مؤید دونوں کو قید کر دیا تھا جب ترکوں کے خوف سے وہ بغداد میں چلا گیا تو انہوں نے معتز کو قید سے نکال کر خلیفہ بنا دیا اور مؤید کو ولی عہد۔

وزارت

ترکوں کے غلبہ کی وجہ سے خود خلیفہ کی کوئی عظمت باقی نہیں رہ گئی تھی وزیر کس شمار میں تھا۔ وہ صرف مالیہ کا نگران اور کاتب تھا۔ جب تک ترکوں کے حسب دل خواہ کام کرتا بحال رہتا تھا ورنہ ذلیل و خوار کر کے نکال دیا جاتا تھا۔

معتز کا پہلا وزیر ابو الفضل جعفر بن محمود اسکافی تھا جو علم و ادب سے ناآشنا تھا مگر اپنی زرپاشی کی بدولت امراء کو خوش رکھتا تھا۔ معتز اس کو پسند نہیں کرتا تھا چند ترکی امراء بھی اس کے خلاف ہو گئے جس کی وجہ سے فتنہ برپا ہوا اس لئے اس کو برطرف کر کے عیسیٰ بن فرخان شاہ کو وزارت دی ۔ یہ بھی ترکوں کی کش مکش سے زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکا اس کی جگہ پر احمد بن اسرائیل انباری جو علم و کتابت میں ممتاز اور معتز کا قدیمی کار پرداز تھا مقرر کیا گیا۔ اس عہد میں خلیفہ اور اس کے وزیر کی جو حالت تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل واقعہ کافی ہے۔

ایک دن امیر صالح بن وصیف معتز کے دربار میں آیا وہاں وزیر احمد بن اسرائیل بھی موجود تھا۔ صالح نے خلیفہ سے شکایت کی کہ سلطنت کی ساری آمدنی احمد اور اس کے کاتبوں کے پاس چلی جاتی ہے اور ترکوں کو تنخواہ تک نہیں ملتی ۔ احمد نے غصہ کے لہجے میں اس کا جواب دیا اس نے بھی سخت کلامی کی اور خلیفہ کے رو برو دونوں میں گرم گفتگو ہونے لگی جس کو سن کر صالح کے چند سپاہی جو دروازہ پر تھے تلواریں کھینچ کر اندر آ گئے معتز یہ دیکھ کر حرم میں چلا گیا۔ صالح نے وزیر اور اسکے کاتبوں نیز معتز کی والدہ کے کاتب حسن بن مخلد کو بھی پکڑ لیا اور اپنے پاس لا کر قید کیا اور مال کا طالب ہوا۔ معتز نے خود صالح سے درخواست کی کہ میرے وزیر کو جس نے بچپن سے خدمت کی ہے چھوڑ دو اس کی والدہ نے بھی کہلا بھیجا کہ میرے کاتب کو رہا کر دو۔ ورنہ اس کے چھڑانے کے لئے میں خود آؤں گی لیکن اس نے کسی کی سفارش نہیں سنی اور جعفر بن محمود اسکافی کو جس سے معتز ناخوش تھا بلا کر وزارت کا قلمدان حوالہ کر دیا۔

علویہ

معتز کے عہد میں علی ہادی بن محمد جواد نے جو شیعہ اثنا عشریہ کے دسویں امام تھے سامرا میں وفات پائی ان کے بعد ان کے بیٹے حسن عسکری امام ہوئے۔

زیدیہ نے طبرستان میں حکومت قائم کر لی تھی اب بغداد اور عراق کے شیعوں کو خطوط لکھ کر ان کے ساتھ ساز و باز کرنا شروع کیا۔ معتز کو اس کا علم ہو گیا بعضوں کے پاس سے زیدیوں کے خطوط بھی برآمد ہوئے اس لئے ایسے لوگوں کو سامرا میں لا کر زیر نگرانی رکھا اس کے علاوہ اور کوئی سزا ان کو نہیں دی۔

فوج

ترکوں کی قوت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ خلیفہ ان سے مجبور تھا۔ ناچار جیسا کہ عاجزوں کا قاعدہ ہے کبھی ان کی مدارات کرتا اور کبھی حیلہ و فریب سے کام لیتا۔ اپنے آغاز عہد میں اس نے بعض امیروں کے مشورہ سے وصیف اور بغا کو مستعین کی امداد کے جرم میں برطرف کر دیا ان دونوں نے سامرا کے ترکوں کو لکھا کہ خلیفہ کو ہم سے راضی کرا دو۔ ان کی سفارش سے معتز نے ان کے قصور کو معاف کر دیا اس کے بعد دونوں بغداد سے سامرا میں آگئے وہاں اپنے اپنے مناصب پر بحال ہوئے اور ان کی جاگیریں جو ضبط کر لی گئی تھی واپس کی گئیں۔

معتصم کے عہد سے مغاربہ کی بھی ایک فوج باقی رکھی گئی تھی جس میں یمنی اور مصری تھے ان کو ترکوں کا اقتدار سخت ناگوار تھا جب ترکوں نے وزیر عیسیٰ بن فرخان شاہ پر دست درازی کی تو مغاربہ کے رؤسا محمد بن راشد اور نصر بن سید جو اس کے ہوا خواہ تھے اپنی جمعیت کو لے کر کوشک خلافت میں داخل ہو گئے وہاں ترکوں کو مار کر نکال دیا اور کہا کہ اب تمہاری دست درازی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ خلفاء اور وزراء کو قتل اور ذلیل و خوار کرنے میں تم کو باک نہیں رہا۔ انہوں نے ترکوں کے پچاس گھوڑے بھی جو وہاں تھے لے لئے اور بیت المال پر قبضہ کر لیا۔

مغاربہ کے ساتھ چونکہ جماعت شاکریہ اور عوام الناس بھی شریک تھے اس وجہ سے ترک ان سے دب گئے جعفر بن عبدالواحد نے فریقین کو بلوا کر صلح کرا دی لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک ترکی امیر بایکباک نے محمد بن راشد اور نصر بن سعید امراء مغاربہ کو قتل کر دیا۔ معتز ان کا قصاص نہیں لے سکا اس لئے پھر ترکوں کا غلبہ ہو گیا۔

۲۵۳ھ میں ترکوں اور فرغانیوں کو چار مہینے تک تنخواہ نہیں ملی۔ انہوں نے ایک دن جمع ہو کر وصیف اور بغا کو گھیر لیا اور کہا کہ جب تک ہمارا روزینہ نہیں ملے گا ہم نہیں ٹلیں گے۔ وصیف نے جواب دیا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ خلیفہ سے مل کر کوئی سامان کریں گے۔ ان لوگوں نے کہا کہ جو کچھ کرنا ہے ابھی کرو۔ بغا خلیفہ کے پاس گیا اور وصیف ان سے باتیں کرتا رہا۔ اسی اثناء میں ان میں سے ایک شخص نے بڑھ کر وصیف پر تلوار کا وار کیا۔ وہ گر گیا۔ دوسرے نے چھرے سے کام تمام کر دیا۔ یہ جھگڑا زیادہ بڑھ گیا۔ آخر میں مشکل سے فرد ہوا۔ معتز نے وصیف کا عہدہ بھی بغا کو دے دیا۔ بغا کے دل میں فوج کی طرف سے یہ خطرہ تھا کہ کہیں مجھ کو بھی یہ لوگ وصیف کی طرح ہلاک نہ کر ڈالیں اس لئے اس نے یہ کوشش شروع کی دارالخلافہ کو بغداد میں منتقل کر دے مگر معتز اس پر راضی نہ ہوا کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ ترک سامرا میں پھر کسی دوسرے کو خلیفہ بنا لیں گے۔

بایکباک اور بغا میں سخت عداوت تھی یہاں تک کہ ایک دوسرے کی صورت سے بیزار تھے۔ معتز بھی چونکہ بغا سے تنگ آگیا تھا اس لئے بایکباک سے مل گیا اس نے جا کر بغا کو قتل کر ڈالا۔ بغداد میں جو اس کے رشتہ دار تھے خلیفہ کے حکم سے ان میں سے ۲۵ ممتاز شخصوں کو عبیداللہ بن عبداللہ بن طاہر امیر بغداد نے پکڑ کر قید کر دیا اب بایکباک اور وصیف کا بیٹا صالح تمام امراء میں ممتاز تر ہو گئے ترکوں کی یہ شورشیں سامرا میں رہیں۔ بغداد ان سے محفوظ تھا کیونکہ وہاں ان کا اثر بہت کم تھا۔ علاوہ بریں اس کی امارت محمد بن عبداللہ بن طاہر کے ہاتھ میں تھی جو نہایت مدبر دانشمند اور بارعب تھا۔ ۱۴ ذی قعدہ ۲۵۳ھ میں اس نے وفات پائی اس کی جگہ اس کے بھائی عبیداللہ نے لی جو ۳۰۰ھ تک امیر رہا۔

قتل مستعین

مستعین نے جس وقت خلافت سے دست برداری کی تھی اس وقت معتز نے نہایت مؤکد امان نامہ لکھ دیا تھا کہ اس کی جان محفوظ رہے گی۔ اور محمد بن مظفر اور ابو حفصہ کی نگرانی میں چار سو سواروں کے ساتھ اس کو واسط میں بھیج دیا تھا کہ وہاں آرام کے ساتھ رہے لیکن پورا ایک سال بھی نہیں گزرنے پایا کہ اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ احمد بن طولون کو بھیجا کہ اس کو لائے وہ ۲۴ رمضان کو واسط سے لے کر چلا۔ مقام قاطول میں ۳ شوال ۲۵۲ھ کو سعید بن صالح نے خلیفہ کے حکم کے مطابق اس کو قتل کر کے اس کا سر دربار میں بھیج دیا۔ معتز اس وقت شطرنج میں مشغول تھا۔ حکم دیا کہ ابھی رکھو۔ جب فارغ ہوا تو منگا کر دیکھا۔ سعید بن صالح کو پچاس ہزار درہم انعام دیا۔ میر بصرہ کا نائب مقرر کر دیا۔ معتز نے جس طرح مستعین کے بارے میں اپنے امان نامہ کا لحاظ نہیں کیا۔ اسی طرح مؤید کی ولی عہدی کا بھی پیمان توڑ ڈالا اور قید کر کے ہلاک کرا دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ عامل آرمینیہ علاء بن احمد نے مؤید کے پاس ہزار اشرفیاں بھیجیں کہ ان کو اپنے کام میں لائے۔ وزیر بن فرخان شاہ نے ان اشرفیوں کو ضبط کر لیا۔ مؤید کی حمایت میں ترک کھڑے ہو گئے انہوں نے جا کر وزیر مذکور کو مارا جس پر ان میں اور مغاربہ میں فتنہ برپا ہو گیا۔ معتز نے مؤید اور اس کے ساتھ اپنے بھائی ابو احمد کو بھی جس نے بغداد پر لشکر کشی کی تھی اور جس کی کوشش سے وہ خلیفہ ہوا تھا قید کر دیا۔ پھر، رجب ۲۵۳ھ میں جمعہ کے دن مؤید کو ولی عہدی سے نکال دیا۔

ایک روز اس کو خبر ملی کہ ترک مؤید کی حمایت کی تیاری کر رہے ہیں اس نے موسیٰ بن بغا کو بلا کر اصلیت پوچھی اس نے کہا کہ ترکوں کو مؤید سے زیادہ ابو احمد کا خیال ہے کیونکہ جنگ بغداد میں وہ ان کا سپہ سالار تھا۔ اس لئے اس کے ہمدرد اور ہوا خواہ ہیں۔ معتز نے مخفی طور پر مؤید کا خاتمہ کرا دیا۔ اور ابو احمد کو ۲۵۴ھ میں سامرا سے واسط میں بھیج دیا۔ پھر بغداد میں دینار بن عبداللہ کے مکان میں مقید کیا۔

خلع معتز

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں صالح بن وصیف نے وزیر احمد بن اسرائیل اور چند کاتبوں کو پکڑ کر قید کر رکھا تھا اور ان سے مال کا مطالبہ کرتا تھا لیکن کوئی ایسی رقم نہیں مل سکی جس سے فوج کی تنخواہ ادا کی جاتی اس لئے اہل فوج معتز کے پاس گئے اور کہا کہ اگر آپ ہماری تنخواہیں دلا دیں تو ہم صالح بن وصیف کو جس نے وزیر کو پکڑ رکھا ہے قتل کر دیں۔ معتز نے جا کر اپنی والدہ سے کہا جس کے پاس بے شمار دولت تھی لیکن وہ ایک پیسہ دینے پر بھی راضی نہ ہوئی اور بولی کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اب فوج مایوس ہو کر اس بات پر متفق ہو گئی کہ معتز کو تخت سے اتار دے چنانچہ ۲۷ رجب ۲۵۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۸۶۹ کو قصر خلافت کو جا کر گھیر لیا۔ معتز اس وقت حرم سرا میں تھا کہلا بھیجا کہ میں بیمار ہوں باہر آنے کے قابل نہیں اگر کوئی ضروری کام ہو تو تم میں سے دو ایک آدمی مجھ سے مل جائیں۔ وہ لوگ اندر گھسے اور پاؤں پکڑ کر کھینچتے اور پیٹتے ہوئے اس کو باہر گھسیٹ لائے۔ اس کا پیرہن پھٹ گیا تھا اور مونڈھوں پر خون کے نشانات تھے۔ گرمی کا موسم۔ دوپہر کا وقت اور دھوپ میں تمازت تھی اسی حالت میں اس کو ننگے پاؤں صحن میں پتھر کے فرش پر کھڑا کر دیا وہ جلن سے جلد جلد اپنے پاؤں اٹھاتا تھا اور دوسرا رکھتا تھا۔

قاضی القضاۃ بلایا گیا۔ اس نے معتز کو خلافت سے دستبرداری کا حکم دیا جب اس نے دستخط کر دیا تو اس کو وہاں سے ترکوں نے قید خانہ میں لیجا کر بند کر دیا اور تین دن تک بھوکا اور پیاسا رکھا۔ آخری وقت میں ایک گھونٹ پانی مانگتا تھا لیکن کسی نے نہیں دیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اس طرح پر اس ناکام خلیفہ کی زندگی کا خاتمہ ہوا جس نے اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے عہد و پیمان توڑے تھے اور پہلے

مستعین پھر اپنے بھائی مؤید کو قتل کرایا تھا اس کے بعد ابو احمد کو شہر بدر کر کے بغداد میں قید کیا تھا یہ سب صرف اس لئے کہ وہ بلا مزاحمت حکومت کرے لیکن اسی کی فوج نے اسے ایسی دردناک سزا دی جو وہ کسی کو نہیں دے سکا تھا۔

خلفاء عباسیہ کی سواریوں کے ساز بالعموم سادے ہوتے تھے یا چاندی کا خفیف ملمع ان پر کیا جاتا تھا لیکن معتز نے سونا لگایا جس کا استعمال آرائش کی غرض سے مسلمان مردوں پر شرعاً حرام ہے۔ اس کی تقلید میں امراء بھی زین لگام، نیز تلواروں کے قبضوں اور پرتلوں پر سونا استعمال کرنے لگے۔

مہتدی (۱۴)

خلافت ۲۹ رجب ۲۵۵ھ سے ۱۴ رجب ۲۵۶ھ تک ۱۱ ماہ ۱۹ روز۔ محمد مہتدی باللہ بن واثق بن معتصم ایک رومی ام ولد کے شکم سے ۲۱۸ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ترکوں نے جب معتز کو تخت سے اتارا تو اسی کو خلافت کے لئے منتخب کیا اور ایک رات دن میں بغداد سے سامرا میں لائے۔

کوشک میں پہنچنے کے ساتھ ہی چاہا کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں لیکن اس نے کہا کہ جب تک میں معتز سے ملاقات نہ کر لوں بیعت نہیں لوں گا۔ اس وجہ سے معتز کو اس کے پاس لائے۔ بدن مجروح جس پر ایک میلا کرتہ تھا اور سر پر رومال بندھا ہوا۔ محمد اٹھ کر اس سے لپٹ گیا۔ تخت پر اٹھایا اور دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا کہ ان کے خیال میں میں خلافت کے قابل نہیں ہوں۔ محمد نے چاہا کہ ترکوں کو اس سے راضی کر دے لیکن معتز نے کہا کہ یہ لوگ کسی طرح نہیں مانیں گے اس لئے تم اس بیچ میں نہ پڑو۔ اس کے بعد معتز قید خانہ میں پہنچا دیا گیا اور محمد کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس کا لقب مہتدی رکھا گیا۔

وزارت

محمود بن جعفر اسکافی وزیر تھا۔ مہتدی نے تھوڑے دنوں کے بعد اس کو برطرف کر کے سلیمان بن وہب بن سعید کو وزارت دی اس کا خاندان امیر معاویہ کے عہد سے کتابت میں نامور چلا آتا تھا سعید آل برمک کا کاتب تھا۔ وہب بھی پہلے جعفر بن یحیی اور پھر ذوالریاستین کے دفتر میں رہا۔ خود سلیمان ۱۴ سال کے سن میں مامون کے دفتر میں ملازم ہوا تھا اس کے بعد ایتاخ اور اشناس کا کاتب رہا۔ یہ شخص انشا پردازی اور ادب میں بے مثل اور علم و فضل میں یگانہ عصر تھا۔

احوال داخلیہ

مہتدی۔ نیک۔ عادل۔ پابند شرع اور دیندار تھا۔ غنا اور شراب کو قطعاً بند کر دیا۔ جمعہ خود پڑھاتا تھا۔ اس کا دربار ہر شخص کے لئے عام تھا اور نہایت انصاف کے ساتھ معاملات کو طے کرتا تھا۔ اس کے اثر سے عوام اور فوج کے سپاہیوں میں بھی دینداری پیدا ہو گئی۔ لیکن سلطنت کی خرابیاں اس درجہ پر پہنچ چکی تھیں کہ ان کی اصلاح مہتدی جیسے لوگوں سے باوجود زہد و عبادت کے بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ موسیٰ بن بغا نے جو حسن بن زید داعی سے لڑنے کے لئے رے کا والی مقرر کر کے بھیجا گیا تھا۔ جب سنا کہ ترکوں نے معتز کو قتل کر کے مہتدی کو خلیفہ بنا لیا ہے تو انتقام کے لئے وہاں سے چلا۔ دربار خلافت سے متعدد فرمان بھیجے گئے۔ کہ تم اپنی ولایت پر رہو۔ یہاں نہ آؤ لیکن اس نے واپسی سے انکار کیا۔ صالح بن وصیف موسیٰ کی آمد سے خوف زدہ تھا۔ اور بار بار خلیفہ سے کہتا تھا کہ وہ باغی ہے اس سے جنگ کرنے کا حکم فوج کے نام صادر فرمایئے۔

موسیٰ جب سامرا میں آگیا تو صالح کسی کے گھر میں چھپ رہا۔ مہتدی اس وقت دربار میں تھا۔ موسیٰ جا کر اس کو اپنی فوج میں لایا اور اس بات کا پختہ عہد لے کر کہ وہ صالح کی حمایت نہیں کرے گا۔ ۱۱ محرم ۲۵۶ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد

صالح کو تلاش کر کے ۲۲ صفر کو قتل کر ڈالا۔

فوج کی تنخواہ ایک عرصہ سے رکی ہوئی تھی انہوں نے خلیفہ کے پاس ایک متفقہ درخواست بھیجی کہ ہمارے گزاروں کے لئے جو جاگیریں امراء کو دی گئی ہیں وہ انہی کے تصرف میں آتی ہیں اور ہم فاقے کرتے ہیں۔ لہذا ان سے حساب لیا جائے اور خود خاندان خلافت کا کوئی شخص ہمارا امیر بنا دیا جائے جو ان جاگیروں کا بھی انتظام کرے تاکہ ہم کو حسب دستور سابق دوسرے مہینے وظیفے مل جایا کریں۔ اگر امراء فوج اس معاملے میں امیر المومنین کی مخالفت کریں گے تو ہم ان کو قتل کر دیں گے۔ اسی مضمون کی تحریریں اپنے امراء کے پاس بھی بھیج دیں اور صاف صاف لکھ دیا کہ اگر تم خلیفہ کے اختیار اور فوجی انتظام میں مخل یا معترض ہو گے تو ہم تمہارے سروں کو کاٹ کر دربار خلافت میں بھیج دیں گے۔

ترکی امراء کے استبداد سے رہائی اور خلافت کو ان کے آہنی پنجوں سے نکال لینے کا یہ زرین موقع تھا کیونکہ خود فوج ان کے خلاف تھی مگر مہتدی نے اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ باطن میں فوج کے ساتھ رہا اور ظاہر میں امراء کے ساتھ اور چاہا کہ حیلہ سے ان کو قتل کرا دے چنانچہ اسی اثناء میں ایک باغی کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں جن کا امیر موسیٰ بن بغا بایکباک اور مفلح ترکی کو بنایا پھر بایکباک کو لکھا کہ تم موسیٰ اور مفلح کو قتل کر کے ان کی فوجوں کو اپنے ساتھ ملا لو۔ اس نے یہ خط موسیٰ کو دکھلایا اور کہا کہ خلیفہ فریب دے کر ہم کو خود ہمارے ہاتھوں سے قتل کرانا چاہتا ہے۔ یہ صرف تمہارے ہی قتل کا حکم نہیں ہے بلکہ کل میرے ساتھ بھی یہی سلوک ہو گا اب بتاؤ کہ ہم کو کیا کرنا چاہیئے موسی نے کہا کہ تم سامرا میں جا کر اپنی اطاعت اور وفاداری کا اظہار کرو جب وہ تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائے تو اس کو قتل کر ڈالو وہ اپنی فوج لے کر واپس آیا۔ مہتدی نے عدم تعمیل حکم کی وجہ سے اس کے ہتھیار چھین لئے اور محل میں قید کر دیا اس کی فوج قصر کے گرد جمع ہو گئی۔ مہتدی نے اس کا سر کٹوا کر نیچے پھنکوا دیا۔ ترکوں نے یہ دیکھ کر چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ مغربی اور فرغان ان سے لڑنے لگے۔ اسی درمیان میں ترکوں کی ایک کثیر تعداد وہاں آ گئی۔ خلیفہ گردن میں قرآن ڈالے ہوئے باہر نکلا۔ مگر اس کے حامی شکست کھا گئے۔ اس لئے محمد بن یزداد کے گھر میں جس میں احمد بن جمیل صاحب شرطہ کی سکونت تھی جا کر چھپ رہا۔ ترکوں نے پتہ لگا کر پکڑ لیا۔ اور ذلت کے ساتھ کھینچتے ہوئے قصر خلافت میں لے گئے وہاں ۱۴ رجب ۲۵۶ھ میں تخت سے اتار دیا۔ چار روز کے بعد وہ انتقال کر گیا۔

(۱۵) معتمد

خلافت ۱۶ رجب ۲۵۶ھ سے ۱۹ رجب ۲۷۹ھ تک ۲۳ سال تین روز۔ احمد معتمد علی اللہ بن متوکل اس کی ولادت فتیان نامی کوفہ کی ایک کنیز کے شکم سے ۲۳۱ھ میں ہوئی تھی۔ مہتدی کے بعد خلافت کے لئے اس کا انتخاب ہوا اور ۱۶ رجب یوم چہار شنبہ ۲۵۶ھ مطابق ۱۹ جون ۸۷۰ء کو اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

احوال داخلیہ

مہتدی کے زمانہ میں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے ترکی کی فوج اپنے امراء کے خلاف ہو گئی۔ اور خلیفہ سے اس بات کی خواہاں تھی کہ وہ امیر افواج خود اپنے کسی بھائی کو مقرر کر دے۔ معتمد نے ان کی منشاء کے مطابق ابو احمد طلحہ موفق بن متوکل کو صفر ۲۵۷ھ میں وزیر فوج مقرر کر دیا اور کوفہ حرمین اور یمن کی ولایات اس کو دیں۔ پھر رمضان کے مہینہ میں بغداد۔ کوردجلہ۔ بصرہ، اہواز اور فارس کی امارت بھی عطا فرمائی۔ ربیع الاول ۲۵۸ھ میں دیار مصر قنسرین اور عواصم کو بھی اس کے سپرد کر دیا۔ موفق کے تقرر سے ترکی امراء کا غلبہ کم ہوا لیکن اب وہ خود خلافت کے تمام امور پر حاوی ہوگئے۔ معتمد کے نام کا صرف سکہ اور خطبہ رہ گیا اور ساری سلطنت اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ وزراء کا تقرر بھی وہی کرتا تھا۔ خلیفہ اس قدر کس مپرسی کی حالت میں تھا کہ ایک بار اس کو اپنی خانگی ضرورت کے لئے تین سو دینار بھی باوجود کوشش کے نہیں حاصل ہوسکے۔

وزارت

عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان جو پہلے متوکل کا وزیر تھا وزارت پر بلوایا گیا اس نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن موفق کے اصرار سے راضی ہو گیا۔ یہ شخص اصول سیاست ملک اور رعایا کی حالت اور مالیہ سلطنت سے خوب واقف تھا۔ اپنی وفات تک اس منصب پر رہا۔ ۲۶۳ھ میں میدان میں گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوا۔ موفق نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

۱۱ ذیقعدہ ۲۶۳ھ میں موفق نے اپنے کاتب حسن بن مخلد کو جو اس عہد کا بے نظیر انشا پرداز تھا اپنی کتابت کے ساتھ وزارات خلافت کا بھی عہدہ عطا کیا۔ یہ شخص تمام ضوابط کو از بر رکھتا تھا لیکن ۱۹ دن سے زائد وزارت نہیں کر سکا۔ کیونکہ موسیٰ بن بغا اس کا دشمن تھا جب وہ سامرا میں آیا تو یہ اس کے ڈر سے بھاگ کر بغداد میں چلا گیا اس وجہ سے سلیمان بن وہب جو مہتدی کا وزیر تھا پھر وزارت پر مقرر کیا گیا اور اس کا بیٹا عبداللہ جو موسیٰ بن بغا کا کاتب تھا موفق کا میر منشی ہوا۔

۲۶۴ھ میں معتمد سلیمان سے ناراض ہو گیا اس کو قید کر کے اس کے دونوں بیٹے وہب اور ابراہیم کے گھر لٹوا دیئے اور حسن بن مخلد کو بغداد سے طلب کر کے وزارت کا قلمدان دیا۔ موفق اس پر غضبناک ہو کر سامرا میں آیا۔ سلیمان کو قید سے نکال کر وزارت پر بحال کیا اور حسن بن مخلد اور اس کے کاتب احمد بن صالح بن شیراز کو برطرف کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا۔ یہ دونوں خوف سے بھاگ گئے۔

لیکن موفق سلیمان سے بھی زیادہ عرصہ تک خوش نہیں رہ سکا۔ دوسرے ہی سال ۲۵۶ھ میں اس کو معہ اس کے بیٹے عبداللہ کے قید کر دیا۔ اور ساری ملکیت ضبط کر لی پھر نو لاکھ دینار لے کر صرف اتنی آزادی دی کہ وہ جس سے چاہیں مل سکیں۔ اسی نظر بندی میں ۲۷۲ھ میں سلیمان نے وفات پائی اس کی جگہ پر ابو صقر اسماعیل بن بلبل وزیر ہوا۔ یہ اپنے آپ کو عربی قبیلہ بنی شیبان کی طرف منسوب کرتا تھا لیکن لوگ اس کے نسب کو مشتبہ سمجھتے تھے نہایت سخی و فیاض اور جامہ زیبی میں ممتاز تھا۔ اس نے ملکی اور فوجی دونوں صیغوں کا کام اچھا کیا اور وزارت کی شان و شوکت بڑھادی۔ لیکن ۲۷۸ھ میں عتاب میں آگیا۔ گرفتار ہو کر قید ہوا اور اس کا اور اس کے سارے ماتحتوں کا مال و منال ضبط کر لیا گیا۔ ابن بلبل کے بعد عبیداللہ بن سلیمان وزیر ہوا۔ اس نے اپنی لیاقت کی وجہ سے نہایت ناموری حاصل کی۔

علویہ

معتمد کے عہد میں اثنا عشریہ کے گیارھویں امام ابو محمد حسن عسکری نے ۲۶۰ھ میں سامرا میں وفات پائی اور وہیں اپنے باپ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات پر شیعہ میں اختلاف پیدا ہوا بعضوں نے کہا کہ امامت کا سلسلہ ان کی ذات پر منقطع ہو گیا اب کوئی امام نہیں۔ بعضوں نے ان کے بھائی جعفر کو امام بنا لیا۔ لیکن زیادہ تر لوگ ان کے بیٹے محمد عسکری کو امام تسلیم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ اپنی والدہ کی نگاہ کے سامنے ایک سرداب یعنی تہہ خانہ میں داخل ہوئے اور پھر اس میں سے نہیں نکلے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہی امام مہدی امام منتظر اور امام قائم ہیں۔ آخری زمانہ میں جب دنیا ظلم و ستم سے تاریک ہو جائے گی تو سامرا کے اسی سرداب میں سے نکل کر پھر اس کو عدل و انصاف سے منور کر دیں گے۔

اسماعیلیہ

جماعت شیعہ میں امام جعفر صادق کے بعد سے ہی اختلاف شروع ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان کے سات بیٹے تھے۔ عبداللہ افطح۔ محمد۔ موسیٰ اور اسماعیل وغیرہ۔ بعض نے عبداللہ افطح کو جو ان کے بیٹوں میں سب سے بڑے تھے۔ امام مانا تھا لیکن وہ باپ کے انتقال کے بعد ۷۰ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہے اور کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑ گئے کسی نے محمد کو امام قرار دیا۔ اس بنیاد پر کہ امام جعفر نے فرمایا تھا کہ تمہارے امام کا وہی نام ہے جو تمہارے نبی کا تھا ایک فرقہ اسماعیل کی امامت کا قائل ہوا۔ یہ لوگ اسماعیلی کہے جانے لگے۔

امامیہ اور اسماعیلیہ مبداء تشیع میں باہم متحد ہیں کہ دین میں رائے کو دخل نہیں ہے بلکہ تحفظ شرع کے لئے ایک امام معصوم کا وجود لازمی ہے۔ حضرت علی سے لے کر امام جعفر تک چھ اماموں کی امامت پر دونوں فرقے متفق ہیں۔ ان کے بعد امامیہ موسیٰ کاظم کی شاخ کی طرف جاتے ہیں۔ اور اسماعیلیہ اسماعیل اور ان کی اولاد کی طرف۔ لیکن شیعہ کے عقیدہ کے مطابق امام وقت، اللہ کی طرف سے مخلوق پر حجت ہوتا ہے اور اس کا وجود تبلیغ شریعت کے لئے ضروری ہے۔ اور اسماعیل کی اولاد میں سے اس قسم کے کسی امام کا ظہور نہیں ہوا۔ اس لئے اسماعیلیہ نے کہا کہ امام کا ظہور ضروری نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی وہ مستور ہوا کرتا ہے اور لوگوں کو اس کے حال سے آگاہی نہیں ہوتی۔ مگر ایسی حالت میں یہ لازم ہے کہ اس کا کوئی نائب ظاہر ہو جو خلق اللہ پر حجت اور دعوت و تبلیغ کے منصب پر قائم ہو۔

باطنیہ

معتمد کے زمانہ میں امام حسن عسکری کے بعد اسماعیلی داعیوں نے اپنی تعلیمات کو جن کا زیادہ حصہ عوام سے مخفی رکھا جاتا تھا پھیلانا شروع کیا اور نہایت صبر و استقلال اور نرمی کے ساتھ خفیہ طور پر خاص خاص لوگوں میں اس کی تبلیغ کرنے لگے۔ اسی وجہ سے یہ جماعت باطنیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ بعض اہل علم باطنیہ کے عقائد کا سلسلہ مجوسیوں کے دیصانیہ اور مانیہ فرقوں سے ملاتے ہیں۔ جو

ایران میں اسلام سے قبل تھے۔ اور دو اصل یعنی نور اور ظلمت کے قائل تھے نور کو زندہ ۔ حساس ۔ خالق عالم اور ازلی الصفات مانتے تھے اور ظلمت کو غیر حساس ان کے علاوہ بہت سی تعلیمات اور عبادات تھیں جو ان کے پیشواؤں کی کتابوں میں مندرج تھیں۔

عہد خلافت عباسیہ میں بہت سے مجوسی ظاہر میں اسلام لاتے تھے اور باطن میں اپنے قدیمی عقائد کے قائل رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ اسلام کے پردہ میں مسلمانوں کو اپنے عقائد کی تلقین کر کے گمراہ کر دیں یہی لوگ زندیق کہے جاتے تھے۔ خلیفہ مہدی اور ہادی اس جماعت کے فتنہ کو بڑھتا ہوا دیکھ کر ان کے مٹانے پر مستعد ہوئے اور بہت سے زندیقوں کو قتل کر ڈالا۔ فلاسفہ بغداد اور وزراء اور امراء میں سے ایک جماعت زندیقیت میں بدنام ہوئی ابن ندیم نے لکھا ہے کہ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ کل برامکہ بجز محمد بن خالد کے زندیق تھے۔ نیز مامون کے دونوں وزیر فضل اور حسن بھی اس قسم کے تھے۔ محمد بن عبیداللہ کاتب مہدی بھی زندیق تھا جس کا خود اس نے اعتراف کیا۔ چنانچہ مہدی نے اس کو قتل کرایا ابن زیات وزیر کو بھی لوگ زندیق سمجھتے تھے۔

خود خلیفہ مامون کی نسبت بعضوں نے اس کی بدگمانی کی ہے حالانکہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ اس کے دربار میں ایک مجوسی رئیس یزداں بخت متکلمین سے مناظرہ کرنے کے لئے رے سے بلایا گیا تھا۔ جب وہ گفتگو میں بند ہو گیا تو مامون نے اس سے کہا کہ اب تو مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن ترک مذہب پر مجبور کرنا اسلام میں روا نہیں ہے مامون نے کہا کہ بے شک پھر اس کو عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ مامون کا یہ فعل بالکل شرع کے مطابق تھا اس کی وجہ سے اس کے اوپر زندیقیت کی تہمت لگانا سراسر نامعقولیت ہے۔

جو لوگ باطنیہ کا تعلق مجوسیوں کے ساتھ قائم کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس فرقہ کے بانی عبداللہ بن میمون بن قداح کا سارا خاندان اور وہ خود بھی دیصانی تھا۔ اسلام لانے کے بعد ایک مدت تک نبوت کا مدعی رہا۔ مختلف قسم کے شعبدے دکھاتا اور دور دراز شہروں کے واقعات لوگوں کو سناتا تھا۔ اس نے اپنے مددگاروں کی ایک جماعت جابجا بھیج دی تھی جن کے پاس نامہ بر کبوتر تھے وہ ہر جگہ کے حالات لکھ کر ان کبوتروں کے ذریعے سے اس کے پاس بھیجا کرتے تھے وہ ان کو سنا کر اپنی غیب دانی اور کرامت کا سکہ جماتا تھا۔

پہلے مقام عسکر مکرم میں آکر ٹھہرا۔ وہاں سے نکالا گیا پھر بصرہ میں بنی عقیل کے پاس رہا۔ اس کے بعد ملک شام میں حمص کے متصل ایک موضع سلمیہ کو اپنا مرکز بنایا۔ وہیں سے باطنیہ کا ظہور ہوا۔ ان لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ دولت فاطمیہ کا بانی عبیداللہ مہدی اسی شخص کی نسل سے تھا۔ اس کا سلسلہ نسب یہ ہے ۔ سعید بن حسین بن عبداللہ بن میمون بن قداح ۔ مصر میں پہنچنے کے بعد اس نے اپنا نام بجائے سعید کے عبیداللہ رکھ لیا۔ لیکن ابن خلدون کی تحقیق یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور محض بنی عباس کو خوش کرنے کے لئے جو فاطمیوں کے مقابلہ سے عاجز تھے تراشی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ فرقہ شیعہ اسماعیلیہ کا ایک گروہ تھا جس نے اپنی تعلیمات کو مخفی رکھ کر ان پر مذہبی رنگ چڑھا دیا تاکہ حکام وقت کی گرفت سے محفوظ رہ کر دین کے پردہ میں اپنے سیاسی مقاصد کی تبلیغ کرے۔ اس فرقہ نے دولت عباسیہ کے خلاف دو نہایت قوی جماعتیں تیار کیں۔

(۱) باطنیہ ان کا مرکز سلمیہ تھا۔ جہاں دولت فاطمیہ کا قالب تیار کیا گیا۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ حمیمہ دولت عباسیہ کا گہوارہ اور اس کے اسرار کا مرکز تھا۔ یہ جماعت نہایت مرتب اور منتظم تھی۔

(۲) قرامطہ ۔ اس کا ظہور عراق میں ہوا یہ بے ترتیب اور بے نظام تھی لیکن سخت بے باک اور خونریز۔ اس جماعت کا آغاز معتمد ہی کے عہد میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی ابتدائی کیفیت ہم یہاں لکھتے ہیں۔

قرامطہ

خلیفہ معتمد کے آخری عہد میں ایک داعی امامت نواحی خوزستان سے آکر کوفہ کے متصل ایک موضع میں قیام پذیر ہوا۔ اس

کے زہد و عبادت کو دیکھ کر وہاں کے باشندے اس کے گرویدہ ہوگئے۔ اس موضع میں ایک شخص رہتا تھا جس کی آنکھوں میں سرخی تھی اس کی وجہ سے لوگ اس کو کرمیتہ کہتے تھے کیونکہ نبطی زبان میں اس لفظ کے معنی سرخ آنکھوں والے کے ہیں۔ وہ بھی خوزستانی کا مرید ہو گیا۔ اور اس کی خدمت کرنے لگا۔ ایک بار وہ بیمار ہو گیا تو اس کو اپنے گھر میں لیجا کر رکھا اور تیمار داری کی اس احسان مندی کی وجہ سے خوزستانی جب اچھا ہوا تو اسی کے ساتھ رہنے لگا۔ کرمیتہ دیہاتیوں کو اس کی طرف مائل کرتا تھا اور اس کی تبلیغ میں بڑی مدد دیتا تھا۔ جس شخص کو لا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کراتا اس سے ایک دینار امام کے لئے وصول کر لیتا۔ خوزستانی نے کاشتکاروں کو بہت سی نمازیں سکھلائیں۔ اور کہا کہ یہ سب فرض ہیں۔ کثرت عبادات کی وجہ سے ان کے کاموں میں خلل پڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی زمینوں کے سالانہ لگان ادا کرنے سے قاصر رہے۔

امیر ہیصم نے جب خوزستانی داعی کا حال سنا تو اس کو گرفتار کرا کے ایک حجرہ میں مقفل کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ صبح کو قتل کرے ۔ لیکن رات کو اس کی لجاجت پر ایک لونڈی کو ترس آگیا۔ اس نے چپکے سے ہیصم کے سرہانے سے کنجی لے کر اس کو گھر میں سے نکال دیا اور حجرے کو مقفل کر کے کنجی اپنی جگہ پر رکھ دی صبح کو جب امیر نے قفل کھولا تو وہ نہیں ملا۔ یہ واقعہ اطراف میں مشہور ہو گیا اور لوگوں نے اس کو اس کی کرامت پر محمول کیا۔ اب عوام میں اس کی مقبولیت بہت بڑھ گئی۔ لوگ ہر طرف سے جوق در جوق آ آکر اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے ۔ اور یہ شہرت ہو گئی کہ اس کو ایذا پہنچانے کی قدرت کسی کو نہیں ہے لیکن خود اس کو چونکہ اپنی جان کا خوف ہو گیا تھا اس لئے عراق سے ملک شام میں چلا گیا۔ وہاں کرمیتہ کے نام سے جس کے گھر میں وہ رہا تھا مشہور ہوا یہی لفظ قرمط بن گیا جس کی طرف یہ فرقہ منصوب ہے۔

سواد کوفہ میں جو تخم وہ بو گیا تھا خوب برگ و بار لایا۔ اور قرمطی تحریک یہاں اس قدر پھیلی کہ خلافت اور امت اسلامیہ کے لئے بڑی بڑی مصیبتوں کا سامان بن گئی اور اس کے خوف سے حاجیوں کے قافلے بند اور راستے مسدود ہوگئے۔

فتنہ حبشیان

۲۴۹ھ میں بحرین میں ایک مجہول النسب شخص نے سر اٹھایا اور دعویٰ کیا کہ میں امام زید کی اولاد میں سے ہوں۔ عوام نے اس کی ایسی تعظیم کی کہ نبی سمجھنے لگے اس کے واسطے مال جمع کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن کچھ لوگ مخالف بھی ہو گئے ۔ فریقین میں جنگ ہوئی اس وجہ سے وہ بحرین سے دیار بنی تمیم کی طرف چلا گیا۔ اس کے ساتھ مریدین کا ایک گروہ بھی تھا جس کا سردار اس نے بنی حنظلہ کے ایک حبشی غلام سلیمان بن جامع کو مقرر کیا تھا۔ بنی تمیم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اس لئے ۲۵۴ھ میں بصرہ کی طرف آیا اور قبیلہ بنی ضبیعہ میں ٹھہرا۔ یہاں ایک جماعت اس کے تابع ہو گئی جس میں علی بن ابان مہلبی اور اس کے دونوں بھائی محمد اور خلیل بھی تھے۔ بصرہ کا عامل اس زمانہ میں محمد بن رجاء حضاری تھا اس نے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے خوف سے یہ رات کو وہاں سے نکل کر دوسرے گاؤں میں جس کا نام قصر قرشی تھا چلا گیا۔ اس کے بعض ساتھیوں کو جن میں اس کا بیٹا بھی شامل تھا ابن رجاء نے پکڑ لیا اور قید کر دیا۔

اس اطراف میں رؤساء بصرہ کے حبشی غلام شورہ کا کام کیا کرتے تھے ان کی تعداد قریب پندرہ ہزار کے تھی اس نے بلا بلا کر ان سے گفتگو شروع کی اور کہا کہ اگر تم لوگ متفق ہو کر میرا ساتھ دو تو میں تم کو صرف آزاد ہی نہیں بلکہ تمہارے آقاؤں کا مالک بنا دوں گا۔ ان غلاموں میں سے ایک شخص ریحان بن صالح نامی عقل میں ممتاز تھا۔ اس سے وعدہ کیا کہ میں تجھ کو ان سب کا سردار بنا دوں گا۔ وہ اس امید پر ان غلاموں کو لا لا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرانے لگا۔

۲۵۵ھ میں اس نے ان غلاموں کی جماعت کو ساتھ لے کر عید الفطر کی نماز پڑھی ۔ خطبہ میں ان کو جنگ کے لئے ابھارا اور سخت سے سخت قسمیں کھا کر کہا کہ میں نہ کبھی تمہارا ساتھ چھوڑوں گا نہ بے وفائی کروں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ میرے حکم پر چلو۔ ان

غلاموں میں سے بیشتر اس کے ساتھ ہو گئے ۔ اس نے ان کا جتھا بنا کر اردگرد کے دیہات کو لوٹنا شروع کر دیا۔ بصرہ سے فوجیں بھیجی گئیں لیکن شکست کھا گئیں جس کی وجہ سے اہل بصرہ پر خوف چھا گیا۔ انہوں نے خلیفہ کو مدد کے لئے لکھا۔

ادھر اس نے نہر ابو خصیب کے کنارہ پر پہنچ کر تجارتی کشتیاں لوٹ لیں جس سے بہت سامان و ذخیرہ اس کے پاس ہو گیا۔ وہاں سے ابلہ کی طرف بڑھا اس کو غارت کر کے آگ لگا دی ۔ عباداں والوں نے یہ دیکھ کر خوف سے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس نے وہاں کے حبشی غلاموں کو بھی مسلح کر کے اپنے ساتھ لیا۔ اور ۱۷ رمضان ۲۵۶ھ میں اہواز میں پہنچ کر وہاں کے عامل ابراہیم بن مدبر کو گرفتار کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اطراف کے باشندے خوف سے اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ سلطنت کی طرف سے جو فوجیں جاتی تھیں ہزیمت اٹھا کر واپس آتی تھیں۔ شوال ۲۵۷ھ میں بصرہ پر حملہ آور ہوا۔ سخت خونریزی کی اور بہت سے محلوں کو ویران کر دیا۔

ان سلسلہ وار فتوحات سے اس کی قوت اور شوکت بہت بڑھ گئی اور حبشی غلاموں کا ایسا عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا جس سے مرکز خلافت پر خطرہ چھا گیا۔ اس وجہ سے موفق خود ایک فوج لے کر ان کے استیصال کے لئے آیا۔ سالہا سال تک جنگ ہوتی رہی جس میں بعض بعض معرکے نہایت سخت پیش آئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے فوج کو فتح اور نصرت عطا فرمائی اور ۲۷۰ھ میں یہ کذاب مارا گیا۔ موفق نے عراق کے شہروں میں اعلان کرا دیا کہ جو لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں واپس آ جائیں۔ ایک شہر بھی آباد کیا اور موفقیہ نام رکھا وہاں عرصہ تک رہا تاکہ پورا امن و امان ہو جائے اور خطرہ جاتا رہے۔ اس فتنہ کا زمانہ ۱۴ سال ۴ ماہ ۶ روز رہا۔ امت اسلامیہ ترکوں کی مصیبت میں پہلے ہی گرفتار تھی اگر یہ بہائم سیرت حبشی غالب آ جاتے تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے اس بلا سے نجات بخشی۔

مشرق

مامون کے عہد سے ماوراء النہر۔ خراسان ۔ رے ۔ طبرستان ۔ جرجان اور کرمان کی ولایت بالاستقلال آل طاہر کے ہاتھ میں تھی یہ خاندان ملکی انتظام اور بنی عباس کی وفاداری میں نہایت نامور تھا۔ جب ترکوں کے غلبہ سے خلافت کا مرکز کمزور ہو گیا اور دور افتادہ ممالک کی حفاظت کی طاقت اس میں نہیں رہی تو مشرق میں تین جدید قوتیں پیدا ہو گئیں۔ جنہوں نے آل طاہر کو گھیر لیا اور اپنی سلطنتیں قائم کرنے کے لئے ان کے مقابلہ پر آ گئیں۔ پہلی قوت زیدیہ کی تھی جنہوں نے طبرستان پر قبضہ کر لیا ان کا حال گذر چکا۔ دوسری صفاریہ اور تیسری سامانیہ۔

دولت صفاریہ

یہ سلطنت یعقوب بن لیث اور اس کے بھائی عمرو بن لیث نے سیستان میں قائم کی۔ یہ دونوں بچپن میں پیتل کا کام کرتے تھے اس وجہ سے صفار کے لقب سے مشہور تھے اس زمانہ میں سیستان میں ایک شخص صالح بن نصر کنانی نہایت عابد اور بزرگ تھا اور اس جماعت کا سردار تھا جو جہاد میں مصروف رہتی تھی ۔ یہ دونوں اس کی صحبت میں رہنے لگے اس کے اثر سے ان میں بھی زہد و تقویٰ پیدا ہو گیا۔ صالح ان کو بہت عزیز رکھتا تھا خاص کر یعقوب کو بجائے فرزند کے سمجھتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد مجاہدین کا رئیس درہم بن حسین قرار پایا۔ اس نے یعقوب کو امیر حرب مقرر کر دیا۔

درہم بن حسین چونکہ بے تدبیر اور غیر منتظم تھا اور اس کے برعکس یعقوب میں دانش مندی اور ریاست کی شان تھی اس وجہ سے اس جماعت نے درہم کو معزول کر کے یعقوب ہی کو اپنا سردار بنا لیا۔ اس نے ان کو لے کر خارجیوں سے جنگ کی اور ان پر غلبہ حاصل کیا۔ ۲۵۳ھ میں سیستان اور ہرات پر قبضہ کر لیا۔ سرحدی ترک بھی اس سے لڑنے کے لئے آئے لیکن شکست کھا کر واپس

گئے۔ ان فتوحات سے اس کا رعب چھا گیا۔ رخج۔ طبسین۔ زابلستان اور ملتان اور سندھ کے والیوں نے اطاعت نامے لکھ کر بھیجے اور اس کی ماتحتی میں آگئے۔

یعقوب کی خواہش یہ نہیں تھی کہ مطلقاً آزاد رہے بلکہ چاہتا تھا کہ آل طاہر کی طرح خلیفہ کی طرف سے اس کو مستقل امارت کا فرمان مل جائے اس لئے معتز کے دربار میں قاصدوں کے ہاتھ قیمتی تحائف بھیجے جن میں سے ایک چاندی کی مسجد تھی جس میں پندرہ نمازیوں کی مورتیں تھیں اور یہ درخواست کی کہ مجھ کو فارس کی ولایت کا فرمان دیا جائے میں وہاں سے علی بن حسین کو جس نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے نکال دوں گا اور ڈیڑھ کروڑ درہم سالانہ خراج بھیجا کروں گا۔

سفیروں کو بھیجنے کے بعد ہی یعقوب فارس کی طرف روانہ ہو گیا۔ علی بن حسین نے مدافعت کی تیاری کی اور شیراز کے اردگرد خندق کھودی۔ اٹھارہ ربیع الثانی ۲۵۵ھ کو یعقوب وہاں پہنچا۔ شیرازی شکست کھاگئے اور علی گرفتار ہوا۔ یعقوب نے جمعہ کے دن شیراز میں معتز کے نام کا خطبہ پڑھا اور جابجا اپنے اعمال مقرر کر کے کرمان ہوتا ہوا سیستان واپس آیا۔ اس فتح سے اس نے شاہانہ عظمت حاصل کر لی اور دولت طاہریہ پر لشکر کشی کا سامان کرنے لگا۔ ۲۵۹ھ میں نیشاپور کی طرف بڑھا۔ جہاں آل طاہر کا آخری فرمانروا محمد بن طاہر بن عبداللہ بن طاہر تھا۔ وہ مدافعت نہیں کر سکتا تھا یعقوب نے اس کو اور اس کے سارے خاندان کو گرفتار کر لیا۔ جس سے دولت طاہریہ کا وہ علم جس کو مامون نے اپنے نامور سپہ سالار طاہر بن حسین کو ۲۰۵ھ میں خراسان کی ولایت کے فرمان کے ساتھ عطا کیا تھا سرنگوں ہو گیا۔ یعقوب نے پھر دربار خلافت میں سفیر بھیجے اور لکھا کہ خراسان میں جابجا باغیوں نے سر اٹھا رکھا تھا جن کی وجہ سے باشندے سخت مصیبت میں مبتلا تھے۔ آل طاہر میں ان شورشوں کے انسداد کی طاقت نہیں تھی۔ اس وجہ سے میں نے جا کر فرو کیا۔ اہل خراسان نے مجھی کو امارت سپرد کر دی۔

خلافت کی مہمات اس وقت موفق کے ہاتھ میں تھیں۔ اس نے جواب میں لکھا کہ تم نے امیر المومنین کے بلا حکم یہ کام کیا۔ لہذا خراسان کی حکومت آل طاہر کے حوالے کر کے اپنے مقام پر واپس چلے جاؤ۔ ورنہ تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو مخالفین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعقوب پر اس دھمکی کا مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ خراسان پر قابض رہا۔ وہاں سے ۲۶۰ھ میں طبرستان پر چڑھائی کی اور حسن بن زید کو شکست دے کر ساریہ اور آمل پر قبضہ کر لیا۔ حسن کا تعاقب کیا وہ اپنی فوجیں لئے ہوئے پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ وہاں سلسلہ وار چالیس دن تک بارش ہوتی رہی جس کی وجہ سے واپسی دشوار ہو گئی حسن خود مشکلوں سے جانبر نہ ہو سکا۔ مگر اس کی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔

یعقوب نے اپنے اس کارنامہ کو تقرب کا ذریعہ بنا کر پھر خلیفہ کے پاس وفد بھیجا لیکن مدبرین خلافت اس سے خوش نہیں ہوئے کیونکہ ان کو اس کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ اپنے استقلال کا دعوے کرے گا۔ اس وجہ سے موفق نے عبیداللہ بن طاہر امیر بغداد کو حکم بھیجا کہ وہاں جس قدر مشرقی اور خراسانی حجاج ہوں ان کو جمع کر کے یہ اعلان کر دو کہ یعقوب نے امیر المومنین کے منشا کے خلاف خراسان پر تغلب حاصل کر کے وہاں کے امیر کو گرفتار کر لیا ہے اس لئے وہ اطاعت سے خارج ہے۔

یہ دراصل خلافت کی روحانی قوت کا استعمال تھا۔ آخر جب اس کا کوئی اثر نہیں دیکھا تو مجبوراً امیر المومنین نے یعقوب کو خراسان۔ برستان۔ جرجان رے اور فارس کا والی مقرر کیا۔ اور بغداد کی شحنگی کا عہدہ بھی عطا فرمایا۔ اس طرح پر وہ آل طاہر کا قائم مقام ہو گیا۔ اس کے بعد یعقوب خلیفہ کی ملاقات کا ارادہ ظاہر کر کے فوجیں لے کر سامرا کی طرف چلا لیکن منشا یہ تھا کہ عراق اور بغداد پر قبضہ کرے اس لئے اہل دربار نے مناسب یہ سمجھا کہ اس کے مقابلہ میں خلیفہ خود لشکر لے کر جائے۔ چنانچہ معتمد سامرا سے بغداد میں آیا۔ اور وہاں سے فوج لے کر واسط میں یعقوب کے مقابلے میں پہنچ گیا۔ سیب بنی کوماہ اور دیر عاقول کے درمیان فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ پہلے یعقوب کی فوج غالب آگئی لیکن پھر خلیفہ وقت کو مقابلہ میں دیکھ کر اس سے بہت سے امراء جنگ سے کنارہ

کش ہو گئے اس لئے اس کو ہزیمت ہوئی اور وہ مشرق کی طرف چلا گیا۔ اس فتح سے محمد بن طاہر نے جو یعقوب کے پاس قید تھا رہائی پائی۔ معتمد نے اس کو خلعت عطا فرمائی اور ایک اعلان عام شائع کیا جو منبروں پر پڑھا گیا اس میں یعقوب کو باغی قرار دے کر اس پر نفرین کی۔ یعقوب ۲۶۶ھ میں اہواز میں انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی عمرو بن لیث فرماں روا ہوا۔ یہ اس سے بھی زیادہ دانش مند، بہادر، مدبر اور عالی حوصلہ تھا۔ ملکی اور فوجی انتظامات میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ خود اپنا نام سواروں میں لکھوا رکھا تھا۔ جس دن تنخواہ تقسیم ہوتی اس دن معمولی سپاہی کی طرح اہل فوج کے ساتھ بخشی کے سامنے حاضر ہوتا۔ اپنے اسلحہ اور گھوڑے کا ساز و سامان درست دکھلا دینے کے بعد ماہانہ تنخواہ تین سو درہم لے کر اس کو بوسہ دیتا۔ پھر اپنے موزہ میں رکھ کر واپس جاتا وہ اس خادم کا حق تھا جو اس کے پاؤں سے موزہ نکالتا تھا۔

فوج کو اور اس کے ساز و سامان کو ہمیشہ دیکھتا رہتا تھا۔ اور خلیفہ اور اس کے درباریوں کو اس قدر اموال و تحائف بھیجتا تھا کہ وہ سب اس سے خوش رہتے تھے۔ ۲۷۲ھ میں اس نے بھی اپنے بھائی کی طرح عراق پر تسلط حاصل کرنے کا ارادہ کیا اس وقت خلیفہ ناراض ہو گیا اور محمد بن طاہر کے نام خراسان کی ولایت کا فرمان لکھا۔ لیکن عمرو نے بہت بڑی رقم دربار خلافت میں بھیج دی جس کی وجہ سے امیر المومنین نے پھر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

دولت سامانیہ

سامانی خاندان ایران میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کیونکہ مشہور بادشاہ بہرام گور کی نسل سے تھا۔ اسلامی خلفاء بھی بوجہ قدامت کے ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ مامون نے ولایت ماوراء النہر کے چار حصے کر کے ان پر اسد بن سامان کے چار بیٹوں کو عامل مقرر کر دیا تھا۔ سمرقند کا نوح بن اسد۔ فرغانہ کا احمد بن اسد۔ شاس اور اشروسنہ کا یحیی بن اسد۔ اور ہرات کا الیاس بن اسد۔

احمد بن اسد متقی۔ پاک سیرت اور ہر دل عزیز امیر تھا۔ اس نے اپنے صوبہ سے رشوت کو بالکل مٹا دیا تھا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا بیٹا نصر اس کی جگہ پر مقرر ہوا۔ اس نے اپنے بھائی اسماعیل کو ۲۶۱ھ میں بخارا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ بعض لوگوں کی فتنہ اندازی سے ان دونوں بھائیوں میں عداوت پیدا ہو گئی اور لڑائیاں ہوئیں۔ ۲۷۵ھ میں اسماعیل نے نصر کو شکست دے دی۔ نصر گرفتار ہو کر اس کے سامنے آیا۔ اس وقت اسماعیل کے خون میں محبت نے جوش مارا۔ بھائی کو اس حال میں دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑا اور روتا ہوا جا کر لپٹ گیا۔ پھر نہایت عزت کے ساتھ اس کو سمرقند کی طرف رخصت کیا اور خود نیابت پر بخارا میں رہا۔

بنی سامان نے جب دیکھا کہ صفاریہ نے ہرات سے لے کر فارس تک خود مختار سلطنت قائم کر لی تو انہوں نے ماوراء النہر میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ انہیں کے ہاتھوں عمرو لیث کا بھی خاتمہ ہوا انہوں نے فارس تک قبضہ کر کے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی جو ۲۶۱ھ سے ۳۸۹ھ تک ان کی نسل میں چلی آئی۔ اس کے بعد ایک طرف سے خاقانی ترکوں اور دوسری طرف سے آل سبکتگین نے اس پر قبضہ کر لیا۔

ملوک سامانیہ کے نام یہ ہیں

نصر بن احمد بن اسد بن سامان	۲۶۱-۲۷۹
اسماعیل بن احمد	۲۹۵
احمد بن اسماعیل	۳۰۱
نصر بن احمد	۳۳۱
نوح بن نصر	۳۴۳

عبدالملک بن نوح	۳۵۰
منصور بن نوح	۳۶۶
نوح بن منصور	۳۸۷
منصور بن نوح	۳۸۹
عبدالملک بن نوح	۳۸۹

سامانی اور صفاری دولتوں کے قائم ہو جانے کے بعد مشرق سے عملاً خلافت کا نفوذ اٹھ گیا۔ صرف خطبوں میں خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ ادھر مغرب میں بھی طولونی طاقت ہو گئی جس نے خلافت عباسیہ سے شام مصر اور برقہ کو نکال لیا۔

احمد بن طولون

طولون ایک ترکی غلام تھا جس کو نوح بن اسد سامانی نے ۲۰۰ھ میں خلیفہ مامون کے پاس جبکہ وہ مرو میں تھا ہدیتاً بھیجا تھا۔ مامون نے اس کو ترکی فوج میں داخل کر لیا اور جب بغداد آیا تو ساتھ لایا۔ سامرا میں ۲۲۰ھ میں احمد بن طولون کی ولادت ہوئی اس نے فوج ہی میں تربیت پائی۔ عربی زبان سیکھی ۔ قرآن حفظ کیا۔ اور علم و ادب کی تکمیل کی۔ جب اس کا سن بیس سال کا ہوا تو اس کا باپ انتقال کر گیا۔ اس وقت یہ امیر بایکباک کی فوج میں داخل کر دیا گیا۔ مصر کی ولایت کا عہدہ امیر بایکباک کے پاس تھا۔ وہ اپنی طرف سے کسی کو نائب بنا کر بھیجا کرتا تھا۔ احمد کی لیاقت دیکھ کر اسی کو ۲۵۴ھ میں شہر مصر کا والی بنا کر بھیج دیا اور اپنے کاتب احمد بن محمد واسطی کو ساتھ کر دیا۔

۲۵۵ھ میں معتز کی وفات کے بعد مہتدی خلیفہ ہوا۔ اس نے بایکباک کو قتل کر دیا اور اس کی جگہ امیر آماجور کو دے دی جس کی بیٹی احمد بن طولون کے ساتھ بیاہی تھی۔ اس نے احمد کو کل مصر کا والی کر دیا۔ اب وہاں مساجد میں منبروں پر خلیفہ اور آماجور کے بعد احمد بن طولون کا نام بھی خطبوں میں شامل کیا گیا۔

۲۵۸ھ میں آماجور نے بھی وفات پائی ۔ اس وقت احمد مصر کا مستقل والی بن گیا۔ وہاں کے لوگ اس کے حسن انتظام اور پسندیدہ اخلاق کی وجہ سے بہت خوش تھے۔

۲۶۲ھ میں موفق ابن طولون کے خلاف ہو گیا اور اس کو معزول کرنے کی دھمکی دی اس پر ابن طولون نے سخت جواب دیا۔ موفق نے موسیٰ بن بغا کی ماتحتی میں فوج بھیجی لیکن رقہ میں پہنچ کر سامان رسد کی کمی سے اس کو رک جانا پڑا اور وہیں دس ماہ گزر گئے ۔ فوج نے تنخواہ کا مطالبہ کیا وہ نہیں دے سکا اس لئے اہل فوج بگڑ گئے ۔ مجبوراً موسیٰ ان کو لے کر واپس آگیا اور ابن طولون جنگ سے محفوظ رہا۔

۲۶۳ھ میں خلیفہ نے ابن طولون کو طرسوس کی ولایت کا فرمان لکھا کیونکہ وہاں آئے دن رومی حملے کرتے تھے اس نے جا کر سرحد کو محفوظ کر دیا اور ۲۶۴ھ میں سارے ملک شام پر قابض ہو گیا۔ اب اس کی سلطنت برقہ سے لے کر فرات تک پہنچ گئی اور خلیفہ عباسی کے پاس صرف عراق ۔ جزیرہ کے صوبے رہ گئے ان میں بھی ہمیشہ شورشیں برپا رہتی تھیں۔

موفق اس زمانہ میں حبشوں کی مہم میں مشغول تھا ابن طولون نے موفق کو غنیمت سمجھ کر جہاں تک ہو سکا اپنی سلطنت اور فوج کو قوی کیا اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ خلیفہ موفق کے استبداد سے تنگ ہے۔ اس لئے تحفے اور ہدیے بھیج کر لکھا کہ آپ مصر میں آ جائیے ۔ معتمد سامرا سے روانہ ہوا لیکن موفق کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے ناقہ سوار کے ہاتھ موصل کے امیر کو حکم بھیجا کہ خلیفہ کو سرحد سے باہر نہ جانے دے۔ اس نے معتمد کو روک کر سامرا کی طرف واپس کیا۔ ورنہ اسی وقت خلافت عباسیہ مصر میں منتقل ہو گئی ہوتی۔

موفق اب ابن طولون کے اور بھی زیادہ خلاف ہو گیا اور معتمد سے اس پر لعنت بھیجنے کا حکم لکھوایا۔ اس نے بادل ناخواستہ لکھا۔ کیونکہ دل سے اس کا طرفدار تھا۔

ابن طولون نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ اس کے خاندان میں ۲۹۲ھ تک یہ سلطنت رہی۔ پانچ امیر ہوئے۔

(۱) احمد بن طولون	۲۵۴-۲۷۰
(۲) خمارویہ بن احمد	۲۸۲
(۳) جیش بن خمارویہ	۲۸۳
(۴) ہارون بن خمارویہ	۲۹۲
(۵) شیبان بن احمد بن طولون	۲۹۲

احوال خارجیہ

اندرونی اضطرابات کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت کی طرف توجہ نہیں ہو سکی اور رومی برابر لوٹ مار کرتے رہے۔ ۲۶۳ھ میں انہوں نے قلعہ لولو پر بھی جو ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ تھی قبضہ کر لیا۔ اور اسلامی لشکر پر غالب آگئے۔ اسی وجہ سے خلیفہ نے ابن طولون کو یہاں کا والی بنایا۔ اس نے طرسوس پر قبضہ کر کے رومیوں کو روک دیا۔ پھر فوجیں تیار کر کے ۲۷۰ھ میں ان کے ملک میں بڑھ کر شہروں کو تخت و تاراج کیا۔

رومی جب اس طرف سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے دیار ربیعہ کی سرحد پر غارت گری شروع کی۔ اور بہت سے مسلمانوں کو پکڑ لے گئے۔ اگر رضاکاروں کی جمعیت نہ ہوتی تو اور بھی بدتر حالت ہو جاتی۔

ولی عہدی

معتمد کے بعد موفق ولی عہد تھا وہ ۲۷۸ھ میں انتقال کر گیا اس لئے معتمد نے اپنے بیٹے مفوض اور اس کے بعد موفق کے بیٹے ابو العباس کی ولی عہدی کا فرمان لکھا۔ لیکن ابو العباس صاحب اثر تھا اس نے اپنے آپ کو مفوض پر مقدم کر لیا۔

وفات

امور خلافت پر چونکہ موفق حاوی تھا۔ اور معتمد کو ان میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اس لئے وہ لہو و لعب غنا و شراب اور رقص و سرور کی محفلوں میں اپنا وقت گزارتا تھا۔ بزم آرائی کے عجیب و غریب آئین نکالے تھے۔ اسی میں وفات بھی پائی۔ ایک بار شراب زیادہ پی لی اس پر کھانا کھا لیا۔ جس سے تخمہ ہو گیا اور ۱۹ رجب شب شنبہ ۲۷۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۸۹۳ء میں انتقال کر گیا۔

(۱۶) معتضد

خلافت ۱۹ رجب ۲۷۹ھ سے ۲۲ ربیع الثانی ۲۸۹ھ تک ۹ سال ۹ ماہ تین دن۔ ابو العباس احمد بن ابو احمد موفق بن متوکل۔ اس کی والدہ صرار نامی ایک ام ولد تھی۔ مہمات میں یہ اپنے باپ کا مددگار اور دست و بازو تھا۔ معتمد کی وفات کے بعد ۱۹ رجب ۲۷۹ھ میں اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔

وزارت

معتضد کا پہلا وزیر عبیداللہ بن سلیمان بن وہب تھا۔ ۲۲۸ھ میں اس نے انتقال کیا اس کے بعد اس کا بیٹا ابو الحسین قاسم وزیر ہوا۔ اس وقت بیت المال خالی تھا۔ معتضد نے اس سے کہا کہ ہم ایسی ویران دنیا میں اترے ہیں جس میں نہ مال ہے نہ خزانہ ہے اور آئے دن فتنے کھڑے رہتے ہیں۔ مجھے دار الخلافہ کے خرچ کے لئے روزانہ کم سے کم ۷ ہزار دینار کی ضرورت ہے جس طرح ممکن ہو اس کا بندوبست کرو۔ اس نے کہا کہ محمد بن موسیٰ بن فرات کے دونوں بیٹے ابو الحسن علی اور ابو العباس احمد جو آپ کے قید خانہ میں ہیں اگر ان کو رہا کر دیجئے تو ان کے ذریعہ سے انتظام ہو سکتا ہے۔ معتضد نے فوراً ان کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے احمد بن محمد طائی کو بلا کر دجلہ اور فرات کے سواحل کا سارا علاقہ جوخ۔ حواسط اور کس کر وغیرہ حوالہ کر دیا۔ اس شرط پر کہ وہ خلیفہ کو روزانہ سات ہزار دینار اور اس کے علاوہ چھ ہزار دینار ماہانہ دیا کرے۔

بلال بن محسن صابی نے اپنی کتاب تحفتہ الامر میں ان یومیہ اخراجات کی تفصیل لکھی ہے جس کا یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حاجبوں اور ان کے نائبوں کی تنخواہیں	۱۰۰۰ دینار
سپاہیوں دربانوں اور نوبت زنوں کے روزینے	۱۰۰۰ دینار
سواران خاص	۵۰۰ دینار
ملازمین شرطہ	۵۰ دینار
فوج ممالیک	۱۵۰۰ دینار
کدخدا غلاموں کے گذارے	۶۰۰ دینار
قصر خلافت کے ۱۷ قسم کے خدام	۱۱۰ دینار
مطبخ خاص و عام	۱/۳۔ ۲۵۳ دینار
غلاموں کی خوراک	۳۰۰ دینار
شراب۔ شربت۔ توشہ خانہ۔ لباس۔ خوشبو	۰۰ دینار

صرفہ غسل و وضو وغیرہ	۱۰۰ دینار
سقاؤں کے روزینے	۴ دینار
خدام خاص	۱۶۷ دینار
خواجہ سراؤں اور کنیزان حرم کی تنخواہیں	۱۰۰ دینار
حرم کے بالائی مصارف	۱۰۰ دینار
پانچ اصطبلوں کے اخراجات	۴۰۰ دینار
جدید گھوڑوں اور جانوروں کی خریداری	۲/۳-۶۶ دینار
بادرچیوں اور فراشوں وغیرہ کی تنخواہیں	۶ دینار
شمع اور زیتون	۲/۳ - ۶ دینار
سائیسوں اور غاشیہ برداروں کے روزینے	۵ دینار
ہم نشینوں اور ندیموں کے صرفے اور انعامات	۱/۳-۴۴ دینار
دواؤں اور طبیبوں کے اخراجات مع ان کے شاگردوں کے	۱/۳ - ۲۳ دینار
شکاریوں اور شکاری جانوروں کا صرفہ	••
جس میں ان کی خوراک اور دوا بھی شامل ہے ۔	۷۰ دینار
ملاحوں کے وظائف	۲/۳ - ۶۱ دینار
نفط	۴ دینار
روزانہ خیرات	۱۵ دینار
متوکل کی اولاد کے وظائف	۱/۳-۳۳ دینار
واثق ۔ مہتدی ۔ مستعین اور دیگر خلفاء کی	
اولاد کا گزارہ	۲/۳-۱۶ دینار
الناصر کی اولاد	۲/۳-۱۶ دینار
سادات ہاشمیہ و خطباء مساجد	۲۰ دینار
دیگر بنی ہاشم	۱/۳-۳۳ دینار
وزیر اور اس کا بیٹا	۱/۳-۳۳ دینار
اہل دفاتر اور کاغذ و قلم وغیرہ	۲/۳-۱۵۶ دینار
قاضی ۔ نائب ۔ قاضی اور دس فقہاء	۲/۳ - ۱۶ دینار
مسجدوں کے مؤذنوں ۔ فراشوں	
اور جاروب کشوں کی تنخواہیں	۱/۳-۳ دینار
صرفہ قید خانہ	۵۰ دینار
پلوں کی تعمیر اور ان کی مرمت	۱۰ دینار
شفاخانہ صاعدیہ کا صرفہ	۱۵ دینار

اس طرح پر ان مدات میں روزانہ صرفہ تقریباً سات ہزار ماہانہ ۲۱۰۰۰۰ اور سالانہ ۲۵۳۰۰۰۰ دینار تھا۔ اور یہ بمقابلہ اس کے بہت کم ہے جو مامون اور معتصم کے زمانوں میں ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ خلافت کے اکثر صوبے خود مختار ہوگئے تھے جو باقی تھے وہ بھی بد نظمیوں اور شورشوں سے ویران تھے جس کی وجہ سے آمدنی گھٹ گئی تھی اسی کے مطابق اخراجات میں بھی کمی آگئی تھی۔

شورش جزیرہ

دیار مصر اور دیار ربیعہ کے عربی رؤساء اس وقت سے جب سے کہ فوجی دفاتر سے ان کے نام خارج کر دیئے گئے تھے بنی عباس کی اطاعت سے منحرف تھے خلافت پر ترکوں کا غلبہ دیکھ کر وہ اور بھی مخالف ہوگئے اور یکے بعد دیگرے خروج کرنے لگے۔

ان میں سب سے زیادہ نافرمان بنی شیبان کا قبیلہ تھا جو ربیعہ کی ایک شاخ ہے معتضد نے ان پر لشکر کشی کی۔ انہوں نے جمع ہو کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھاگئے اور کثرت سے مارے گئے ان کا سارا مال اور سامان بھی فوج نے لوٹ لیا۔ مجبور ہو کر انہوں نے معافی کی درخواست کی اور اپنے چند سرداروں کو بطور رہن کے پیش کیا۔ معتضد نے منظور فرمایا۔

۲۸۱ھ میں حمدان بن حمدون نے مارد ین سے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ معتضد نے اس پر چڑھائی کی جب قریب پہنچا تو وہ خوف کی وجہ سے قلعہ میں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ معتضد خود دروازہ پر جا کر بیٹھ گیا اور اس کے بیٹے کو پکارا۔ اس نے آکر دروازہ کھول دیا۔ فوج نے اندر جا کر پہلے سارا سامان نکالا پھر قلعہ کو منہدم کر دیا حمدان کے تعاقب میں سوار بھیجے گئے وہ گرفتار ہو کر آیا اور بغداد میں قید کیا گیا۔

اسی اثناء میں ہارون شاری نے بغاوت کی اہل جزیرہ کی ایک کثیر تعداد اس کے ساتھ تھی۔ سرداران فوج جو اس سے لڑنے کے لئے جاتے تھے۔ ہزیمت اٹھا کر واپس ہوتے تھے۔ معتضد نے چاہا کہ سنگ خارا کو فولاد سے توڑے اس نے حمدان کے بیٹے حسین کو اس مہم کے لئے منتخب کیا۔ اس نے کہا کہ میں جاؤں گا۔ لیکن میرے باپ اور بھائی آزاد کر دیئے جائیں۔ معتضد نے ان کو رہا کر دیا۔ حسین نے جا کر ہارون کو شکست دی اور گرفتار کر کے بغداد میں لایا۔

قرامطہ

قرمطی تحریک سواد کوفہ میں پھیلی ہوئی تھی اسی درمیان میں ایک شخص ابو سعید جنابی کا ظہور ہوا۔ جنابہ بحر فارس کے سواحل پر ایک قصبہ ہے۔ اس کے سامنے سمندر میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس کو خارک کہتے ہیں۔ ابو سعید وہیں پیدا ہوا تھا۔ جنابہ میں اس نے آٹے کی دوکان کی لیکن وہاں سے نکال دیا گیا اس وجہ سے بحرین میں جا کر تجارت شروع کی اور لوگوں میں امامت کی تبلیغ کرنے لگا۔ عوام اس کے تابع ہوگئے۔ اس نے ایک جماعت بنا کر غلبہ حاصل کرنا شروع کیا۔ پھر اردگرد کے دیہات کو لوٹنے لگا۔ قطیف پر بھی حملہ کیا اور وہاں کے بہت سے باشندوں کو قتل کر کے ان کے اموال لوٹ لئے۔ اب اس کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا کہ بصرہ پر یورش کا سامان کرنے لگا۔ والی بصرہ نے معتضد کو لکھا۔ اس نے حکم دیا کہ شہر کے اردگرد حصار کھینچا لو۔ چنانچہ فصیل تیار کی گئی۔ ۲۸۷ھ میں جنابی اپنی جمعیت کو لے کر اس طرف آیا۔ معتضد کا سپہ سالار عمر غنوی مدافعت کے لئے موجود تھا۔ جنابی نے اس کو گرفتار کر لیا اس لئے اس کی فوج بصرہ کی طرف بھاگی۔ اس شکست سے اہل بصرہ پر خوف چھا گیا اور وہ بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن والی نے ڈھارس دے کر روکا۔

سواد کوفہ میں جہاں اس تحریک کا چشمہ ابل رہا تھا۔ معتضد نے شبل کو جو احمد بن محمد طائی کا غلام تھا فوج دے کر بھیجا۔ اس نے ان کی گوشمالی کی اور ان کی جماعت کے ایک بزرگ شیخ کو جس کا نام ابو الفوارس تھا پکڑ لایا۔ معتضد نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالی یا اس کے انبیاء کی روح تمہارے جسم میں داخل ہو کر تم کو عمل خیر کی ہدایت کرتی ہے اور خطا اور غلطی

سے روکتی ہے اس نے کہا کہ ہمارے جسموں میں اللہ تعالیٰ کی روح داخل ہو یا ابلیس کی اس سے تم کو کیا غرض ۔ تم وہ بات پوچھو جو تم سے تعلق رکھتی ہے اس نے کہا کہ وہ کونسی بات ہے ۔ ابو الغوارس نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس وقت تمہارے باپ حضرت عباس موجود تھے لیکن نہ وہ خلافت کے لئے نامزد کئے گئے نہ کسی نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ پھر ابو بکرؓ کی وفات کے وقت بھی زندہ تھے مگر خلافت حضرت عمرؓ کو ملی ۔ ان کے بعد اصحاب شوریٰ میں آئی ۔ اس وقت بھی ان کو کسی نے نہیں پوچھا۔ پھر تم کس طرح خلافت کے مستحق ہوگئے ۔ معتضد نے اس کو قتل کرا دیا اور قرامطہ پر سلسلہ وار فوجیں بھیجنی شروع کیں تاکہ ان کا استیصال کردے۔

یہ دیکھ کر رئیس قرامطہ زکرویہ بن مہرویہ نے اپنے بیٹے ابو القاسم یحییٰ کو عراق سے قبیلہ بنی کلب کی طرف بھیجا کہ ان میں امامت کی تبلیغ کرے اس نے وہاں جا کر اپنے آپ کو امام جعفر کی اولاد میں بتلایا اور کہا کہ ایک لاکھ آدمی میرے تابع ہیں جو بروقت میرے ساتھ جان دینے کو تیار ہیں۔ نبی کلب نے بھی ۲۸۹ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس نے اپنے مریدوں کا فاطمئین لقب رکھا۔ معتضد نے پھر شبل کو بھیجا۔ فاطمین نے بے خبری میں اس کو قتل کر ڈالا۔ اس کی فوج کو شکست دیتے ہوئے رصافہ تک آگئے ۔ وہاں کی جامع مسجد کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ پھر بستیوں کو لوٹتے اور جلاتے ہوئے ملک شام کی طرف چلے گئے۔ یہ فرقہ معتضد کے عہد میں تین مقامات میں پھیل گیا۔ عراق ۔ بحرین اور شام اور اس کی چیرہ دستیوں سے عالم اسلامی پر ایک بلائے عام نازل ہو گئی۔ اسی زمانہ میں فاطمی دعاۃ یمن اور افریقہ میں بھی اسماعیلی امامت کی تبلیغ میں مشغول تھے ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تمام اسلامی ممالک میں ایک ساتھ امامت کا جھنڈا بلند کیا جائے ۔ تاکہ بنی عباس مقابلہ سے عاجز رہ جائیں۔

مشرق

عمرو بن لیث کی قوت خراسان میں بہت بڑھ گئی ۲۸۱ھ میں وہ نیشاپور میں داخل ہوا۔ لیکن جب واپس آیا تو رافع بن ہرثمہ نے اپنا عمل قائم کر کے محمد بن زید علوی متغلب طبرستان کے نام خطبہ جاری کر دیا۔ عمرو یہ سن کر پھر پہنچا اور نیشاپور کو فتح کیا۔ رافع طوس کی طرف نکل گیا۔ اس کے تعاقب میں سواروں کا ایک دستہ روانہ ہوا۔ راستہ میں مقابلہ پیش آیا رافع نے شکست کھائی اور خوارزم کی طرف بھاگا۔ وہیں پہنچ کر ان سواروں نے اس کو قتل کیا۔

عمرو بن لیث نے رافع کا سر دربار خلافت میں بھیجا۔ معتضد نے اس صلہ میں ولایت رے کا فرمان اور خلعت اس کو عطا کیا۔ اس کے بعد عمرو نے معتضد سے درخواست کی کہ ماوراء النہر کی ولایت بھی مجھ کو دی جائے اس نے فرمان لکھ دیا۔ عمرو نے شکریہ میں خلیفہ کے لئے چالیس لاکھ درہم ۔ بیس گھوڑے مع زین و ساز مطلا ۱۵۰ اونٹ ۔ ریشمی پارچہ جات ۔ مشک اور شکاری باز وغیرہ بھیجے۔

یہی ولایت اس کے لئے مصیبت ہو گئی کیونکہ اس فرمان کے بعد اس پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اسماعیل سامانی نے لکھا کہ تمہارے قبضہ میں ایک لمبی چوڑی دنیا ہے اور میرے پاس صرف یہی صوبہ ہے ۔ لہٰذا اس طرف رخ نہ کرو۔ عمرو کب ماننے والا تھا وہ ساز و سامان کے ساتھ فوجیں لے کر چلا۔ لوگوں نے کہا اس وقت دریائے جیحون جوش پر ہے اترنا مشکل ہو گا۔ اس نے کہا کہ میں چاہوں تو اس کو اشرفیوں سے پاٹ کر عبور کر سکتا ہوں۔ اسماعیل نے بھی ایک جمعیت مدافعت کے لئے تیار کی اور پیش قدمی کر کے دریا سے اتر کر آگے بڑھ گیا۔ عمرو اپنی فوجیں لئے ہوئے بلخ میں پڑا تھا۔ اسماعیل نے پہنچ کر اس کو گھیر لیا اور بہت قلیل عرصہ میں شکست دے دی ۔ خراسانی بھاگے عمرو لیث کا گھوڑا دلدل میں پھنس گیا۔ جس کی وجہ سے وہ گرفتار ہو گیا۔ اسمٰعیل نے اس کو معتضد کے دربار میں بھیج دیا۔ اس نے قید کر دیا۔ پھر قتل کا حکم دیا جس کی تعمیل مکتفی کے آغاز عہد میں ہوئی۔ محمد بن زید متغلب طبرستان نے خراسان کو خالی دیکھ کر چڑھائی کر دی کیونکہ اس کو یہ خیال تھا کہ اسمٰعیل دریا سے آگے نہیں بڑھے گا جب جرجان میں

پہنچا تو اسمٰعیل نے لکھا کہ تم اپنے حدود میں رہو اور آگے نہ بڑھو۔ جرجان کے متصل جنگ ہوئی۔ طبرستانیوں نے شکست کھائی۔ خود محمد بھی زخمی ہوا۔ اس کا بیٹا زید گرفتار ہو کر قید ہوا۔ اب دولت صفاریہ اور زیدیہ دونوں سامانیوں کے ہاتھ میں آگئیں اور ماوراء النہر سے لے کر طبرستان تک ان کی حکومت قائم ہو گئی۔ خلیفہ معتضد نے اسماعیل کے لئے خلعت امارت تاج شمشیر طلائی مرصع بجواہر اور مختلف قسم کے ہدیے بھیجے۔ نیز تیس لاکھ دینار بھی عطا کئے اس سے ایک لشکر مرتب کر کے طاہر بن محمد بن عمرو لیث کی مہم پر بھیجے جس نے سیستان میں بغاوت کر رکھی ہے۔

مغرب

معتضد کے تعلقات طولونیہ خاندان کے ساتھ نہایت اچھے تھے۔ جس وقت یہ خلیفہ ہوا تھا۔ خمارویہ بن احمد بن طولون والی مصر نے بیس خچر سونے سے لدے ہوئے۔ دس خادم۔ دو صندوق زیورات۔ ۱۷ راس اسپ مع طلائی ساز ۳۷ شترجن کے جھول زربفت کے تھے۔ سواری کے پانچ خچر ایک زرافہ۔ بیس سواروں کے ساتھ جن کی قبائیں ریشمی اور کریں مرصع بجواہر تھیں بھیجے تھے۔

مزید تقرب کے لئے خمارویہ نے یہ بھی کوشش شروع کی کہ خاندان خلافت کے ساتھ رشتہ پیدا کرے اور اپنی بیٹی قطر الندے کو معتضد کے بیٹے علی کے ساتھ بیاہے۔ معتضد نے خود اپنے ساتھ شادی منظور کی۔ چنانچہ بڑی شان و شوکت سے یہ تقریب انجام پائی خمارویہ نے اپنی بیٹی کو جو جہیز دیا تھا اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی اس کے بیٹھنے کے لئے سونے کا تخت بنوایا تھا۔ جس کے چاروں گوشوں پر مرصع ستون تھے۔ ان پر جالی دار طلائی قبہ تھا جس کے ہر ایک حلقہ میں ایک انمول موتی سونے کے تار میں لٹکتا تھا۔ جوڑوں کی قیمت کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ازار بند ایک ہزار ایسے دیئے تھے کہ ہر ایک کا صرفہ ۱۲ہزار دینار تھا۔

رخصتی کے وقت مصر سے بغداد تک ہر ہر منزل پر اپنے اپنے محل کے مشابہ ایک ایک قصر تعمیر کرا کے سازو سامان سے آراستہ کر دیا اور ہر قسم کی ضروریات ان میں مہیا کر دیں۔ عروس کی سواری کے ساتھ اس کا چچا شبہاب بن احمد تھا۔ نہایت نرم رفتار سے اس کو لاتے تھے۔ منزل پر پہنچ کر قصر میں اتار دیتے تھے اس طرح پر مصر سے بغداد تک گویا وہ برابر اپنے باپ ہی کے گھر میں قیام کرتی چلی آئی۔ آغاز محرم ۲۸۲ھ میں بڑی شان سے بغداد میں داخل ہوئی۔

خمارویہ مصر اور شام کا والی اور طرسوس کا قلعہ دار تھا۔ رومی اس کے رعب سے اسلامی سرحد میں قدم نہیں رکھتے تھے۔ ۲۸۳ھ میں جب وہ مقتول ہو گیا تو اس کا بڑا بیٹا جانشین ہوا۔ لیکن فوج اس سے ناراض ہو گئی۔ بڑی بڑی لڑائیوں کے بعد وہ بھی قتل ہوا اور ہارون بن خمارویہ تخت پر آیا۔ خلیفہ نے طرسوس اس کی ولایت سے نکال کر دوسرے والی کے سپرد کیا۔ پھر قنسرین اور عواصم بھی لے کر اس کی ولایت شام اور مصر پر محدود کر دی۔ وہ بھی اس شرط پر کہ ساڑھے چار لاکھ دینار سالانہ دار الخلافہ میں بھیجتا رہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خانہ جنگیوں سے بنی طولون کی قوت کم ہو گئی تھی جس کی وجہ سے خلیفہ کا نفوذ بڑھ گیا تھا۔

صفات معتضد

معتضد شجاع اور قوی دل آدمی تھا اس میں عقل اور جفاکشی بھی تھی اس وجہ سے اس کے عہد میں خلافت کا رعب قائم ہو گیا لیکن اس سے دولت عباسیہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ کیونکہ اس کے پیچھے ایک ایسا سفاک اور خوں ریز دشمن لگا ہوا تھا جو فتنے اور شورشیں پیدا کر کے دن رات اس کے مٹانے کی فکر میں تھا۔ خواہ اس میں سارا ملک ہی کیوں نہ برباد ہو جائے۔ یہ فرقہ باطنیہ تھا۔ جو سازشوں کے ایسے خطرناک جال تیار کر رہا تھا جس سے دولت عباسیہ کا بچنا محال تھا۔

معتضد نے چند اصلاحات بھی کیں منجملہ ان کے ایک یہ تھی کہ اس نے دیوان مواریث کو توڑ دیا۔ اور حکم دیا کہ مورث کا جو ترکہ بچے وہ ذوی الارحام کو ملا کرے بیت المال میں نہ داخل کیا جائے اس سے لوگوں کو بہت راحت ہو گئی کیونکہ دیوان مواریث

کی شرکت کی حالت میں ورثہ کو بڑی مشکلات پیش آتی تھیں۔ دجلہ کی ایک نہر دجیل تھی جس کا دہانہ مدت ہائے دراز سے بند تھا۔ اس کے اطراف کی زمینیں پانی نہ ملنے کی وجہ سے بنجر ہو گئی تھیں۔ معتضد نے اس کو درست کرا دیا جس سے ایک بڑا علاقہ سیراب ہونے لگا۔ اس کی اہم ترین اصلاح تقویم معتضدی ہے جس کی تشریح کے لئے ایک تمہید کی ضرورت ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ دین اسلام میں سنہ قمری مستعمل ہے اور فرائض اسلامی مثلاً روزہ نماز۔ حج۔ زکوۃ وغیرہ اسی حساب سے ادا کئے جاتے ہیں۔ لہذا جہاں تک امور دین کا تعلق ہے مسلمانوں کو سنہ قمری کافی ہے جو سنہ شمسی سے گیارہ دن کم ہوتا ہے۔ لیکن سلطنت کے مالیہ کے جس کا مدار فصل اور موسم پر ہے سنہ شمسی کا اعتبار ناگزیر ہے کیونکہ پیداوار وقت معینہ پر ہوتی ہے۔ بلا اس کا لحاظ رکھے ہوئے خراج کی وصولی نہیں ہو سکتی۔

اہل فارس اپنی حکومت کے زمانہ میں نو روز سے تحصیل کا آغاز کرتے تھے۔ سنہ شمسی کو عام طور پر انہوں نے ۳۶۵ دن کا رکھا تھا اور ہر مہینہ ۳۰ دن کا۔ پانچ روز آٹھویں اور نویں مہینے یعنی آبان اور آذر کے درمیان رکھتے تھے چھ گھنٹے جو رہ جاتے ہیں ان سے ایک سو بیس سال میں پورا ایک مہینہ ہو جاتا ہے۔ ان چھ گھنٹوں کے ساتھ بارہ ثانیہ اور تھے جن سے اسی مدت یعنی ۲۰ سال میں ایک دن بنتا ہے اس لئے بجائے ۱۲۰ کے وہ ۱۱۶ سال میں ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے جس سے ان کا حساب ٹھیک رہتا تھا۔

خلیفہ متوکل کے عہد میں اس حساب میں بڑا فرق پڑ گیا تھا۔ وہ ایک بار نوروز کے دن اپنے باغ کی طرف گیا۔ دیکھا کہ غلوں کے کھیت سرسبز کھڑے ہیں۔ علی بن یحییٰ منجم سے کہا کہ وزیر عبیداللہ نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ تحصیل خراج کب سے شروع ہو۔ میں نے جواب دے دیا کہ نو روز سے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک زراعت تیار نہیں ہوئی۔ اہل فارس کس طرح نو روز سے تحصیل شروع کر دیتے تھے؟

علی نے جواب دیا کہ وہ ہر ۱۱۶ سال میں ایک مہینہ نو روز کو مؤخر کیا کرتے تھے اس وجہ سے ان کا حساب فصل کے مطابق رہتا تھا۔ ولید کے زمانہ میں خالد قسری امیر عراق نے اس کبیسہ کو روک دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوروز اب نیساں کے مہینہ میں آ گیا جس میں غلوں کے خوشے بھی نہیں نکلتے۔ متوکل نے اس کو حکم دیا کہ تقویم کو درست کر کے پھر نو روز کو اپنے وقت پر کر دو تاکہ مالی سال اسی سے شروع کیا جائے۔ مگر اسی درمیان میں متوکل قتل کر دیا گیا اور یہ کام تعویق میں پڑ گیا۔ معتضد نے اپنے عہد میں اس کو ٹھیک کرایا۔ حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ نوروز پورے ساٹھ دن مقدم ہو گیا ہے اس لئے اسی قدر اس کو مؤخر کر دیا اور حکم دیا کہ آئندہ سے حساب رومی تقویم کے مطابق رکھا جائے۔ تاکہ نوروز ہمیشہ ایک ہی موسم میں واقع ہو۔

ابو ریحان البیرونی لکھتا ہے کہ ہر چند کہ معتضد کے عہد میں بہت تحقیق اور تدقیق سے تقویم درست کی گئی لیکن پھر بھی نو روز سنہ فصلی کی اس تاریخ میں نہیں پڑا جس میں وہ ساسانیوں کے عہد میں پڑتا تھا۔ کیونکہ خود ایرانیوں نے یزدگرد کے بعد اس کا خیال نہیں رکھا تھا۔ آخری کبیسہ پسر شاپور کے عہد میں ہوا تھا اس کے بعد سے یزدگرد تک تقریباً ۷۰ سال ہوتے ہیں۔ اس حساب سے ۱۷ دن اور ہوئے یعنی بجائے ساٹھ دن کے ۷۷ دن نوروز کو مؤخر کرتے تو قدیم اہل فارس کے حساب کے مطابق ہو جاتا۔

سنہ خراجی اور سنہ قمری کی مطابقت اس طرح پر رکھی گئی کہ ہر ۳۳ سال میں ایک سال قمری غیر خراجی کر دیا جاتا تھا کیونکہ ۳۳ سال قمری تقریباً ۳۲ سال شمسی کے برابر ہوتے ہیں مثلاً یکم محرم ۲۰۹ھ مطابق تھا ۴ مئی ۸۲۴ء کے ۳۳ سال گزرنے پر یکم محرم ۲۴۲ھ مطابق ہوا۔ ۱۰ مئی ۸۵۶ء کے ان کے درمیان میں ۳۳ سال قمری اور ۳۲ سال شمسی ہوئے اس لئے ۲۴۱ھ کو خراجی حساب سے خارج کر کے اس کی جگہ پر ۲۴۲ھ کو رکھا۔ عراق اور مشرق میں اسی تقویم کے مطابق حساب رکھا گیا۔ مصر میں قبطی تقویم تھی اور شام میں رومی اور یہ دونوں فصلی سنہ کے مطابق تھیں۔ اس لئے ان ممالک میں تقویم معتضدی کی ضرورت نہیں تھی۔

معتضد نے سامرا کو جو رونق تجارت اور کثرت عمارت میں بغداد سے بھی فوقیت لے گیا تھا چھوڑ کر بغداد کو دارالخلافہ بنایا۔

امراء اور وزراء وغیرہ بھی وہیں منتقل ہو گئے سامرا ویران ہو گیا اور اس کی عمارتوں کا سارا ملبہ مردہ ہاتھی کی ہڈیوں کی طرح بغداد میں لا کر فروخت کیا گیا۔ سامراء میں چھ خلفاء واثق ۔ متوکل ۔ منتصر۔ معتز۔ مہتدی اور معتمد کی قبریں ہیں۔ ائمہ شیعہ میں سے علی بن محمد اور حسن بن علی عسکری بھی وہیں مدفون ہیں۔ اسی ویرانہ میں وہ تہ خانہ بھی ہے جس کی بابت شیعہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس میں سے امام غائب مہدی منتظر برآمد ہوں گے۔

وفات

معتضد نے ۲۲ ربیع الثانی ۲۸۹ھ مطابق ۱۵ اپریل ۹۰۲ میں وفات پائی۔

(۱۷) مکتفی

خلافت ۲۲ ربیع الثانی ۲۸۹ھ سے ۱۲ ذیقعدہ ۲۹۵ھ تک ۶ سال ۲ ماہ ۱۹ یوم - علی مکتفی بن معتضد بن موفق بن متوکل جیجک نامی ایک ترکی کنیز کے شکم سے ۲۳۶ھ میں پیدا ہوا تھا۔ معتضد اس کو ولی عہد بنا گیا تھا اس کی وفات کے دن اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔

وزارت

مکتفی کے زمانہ میں بھی وزیر قاسم بن عبید اللہ اپنے منصب پر بحال رہا۔ یہ نہایت محترم اور بارعب تھا۔ ۲۹۱ھ میں انتقال کر گیا اس کے بعد عباس بن حسن وزارت پر آیا۔

احوال داخلیہ

موفق اور معتضد نے خلافت عباسیہ کی زائل شدہ قوت میں جو ایک روح پھونکی تھی وہ مکتفی کے عہد میں فنا ہو گئی - کیونکہ امراء باہمی منافست کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور امت کی مصلحتوں سے بے خبر ہو کر اپنے ذاتی اغراض کے لئے لڑنے اور سازشیں کرنے لگے۔ معتضد کا غلام بدر اقلیم فارس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ وزیر قاسم کو اس سے نہانی عداوت تھی اس نے مکتفی سے اس کی شکایتیں کیں اور ڈرایا کہ وہ بغاوت کی فکر میں ہے - مکتفی نے ان امراء کو جو اس کے ساتھ تھے حکم بھیجا کہ دارالخلافہ میں آئیں ان امراء کے آجانے کے بعد خلیفہ نے بدر کا نام فوجی دفتر سے خارج کر دیا اور اس کی ساری ملکیت جو بغداد میں تھی ضبط کر لی۔

وزیر نے اس کی گرفتاری کے لئے یہ حیلہ کیا کہ قاضی بغداد ابو عمر محمد بن یوسف کو امیر المومنین کی طرف سے امان نامہ دے کر اس کے پاس بھیجا اور لکھا کہ اگر تم دربار میں حاضر ہو جاؤ تو تمہارا قصور معاف کر دیا جائے گا اور ملکیت بھی مسترد کر دی جائے گی وہ امان نامہ کو دیکھ کر چلا آیا۔ دجلہ میں جب کشتی پر سوار ہو کر دربار کی طرف چلا تو راستہ میں چند سپاہیوں نے ایک تیز رو کشتی پر پہنچ کر اس کو پکڑ لیا اور جزیرہ صافیہ میں لے جا کر قتل کر ڈالا۔ عوام اس بدعہدی کو دیکھ کر خلیفہ - وزیر اور قاضی شہر تینوں سے برگشتہ ہو گئے - خاص کر قاضی کی جو حامل شرع ہے اس فریب میں حصہ لینے پر شعراء نے بدترین ہجویں لکھیں۔

قرامطہ

عراق اور بحرین میں قرامطہ کا زور بہت بڑھ گیا تھا۔ قافلوں کو لوٹ لیتے تھے مکہ کا راستہ بھی پر خطر ہو گیا تھا ملک شام میں حالت اس سے بھی زیادہ خوفناک تھی - وہاں یحییٰ قرمطی جب اپنی جماعت کو لے کر پہنچا تو بنی طولون کے عامل طغج بن جف نے سلسلہ وار فوجیں بھیجیں۔ لیکن وہ شکست کھاتی رہیں۔ آخر میں قرامطہ نے خود اس کو دمشق میں محصور کر لیا۔ احمد بن طولون کا غلام بدر کبیر طغج کی حمایت کے لئے آیا۔ یحییٰ مارا گیا لیکن پھر بھی فاطمئین نے مصریوں کو شکست دے دی۔

یحییٰ کی جگہ اس کے بھائی حسین نے لی اس کے چہرہ پر ایک داغ تھا اسے لوگوں کو دکھلا کر کہا کہ یہ امامت حقہ کی مہر ہے اور میں امام برحق ہوں چنانچہ فاطمئین اس کو امیر المومنین کہنے لگے یہ لوگ جس بستی میں داخل ہوتے وہاں کے باشندوں کو سفاکی کے ساتھ قتل کرتے اور لوٹتے عورتوں اور مکتب کے بچوں کو بھی نہ تیغ کرتے تھے اس ڈر سے لوگ ان کی اطاعت قبول کر لیتے تھے۔ اہل شام کی سلسلہ وار فریادیں دربار خلافت میں پہنچیں۔ مکتفی نے اپنے غلام ابو الاغر کو دس ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا۔ وہ حلب کے متصل پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ فاطمئین نے شبخون کر کے اس کے بیشتر سواروں کو قتل کر ڈالا۔ ابوالاغر بقیہ کو لے کر شہر میں بھاگ گیا وہاں کے لوگوں نے حمایت کی اور تعاقب کرنے والوں کو روک دیا۔

اب خود مکتفی ایک فوج عظیم لے کر چلا جب رقہ میں پہنچا تو اپنے کاتب محمد بن سلیمان کی قیادت میں فوج کو فاطمئین کے مقابلہ کے لئے بڑھایا۔ فریقین میں سخت جنگ ہوئی۔ آخر میں فاطمئین نے ہزیمت اٹھائی بے شمار مقتول ہوئے بقیہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے سپاہیوں نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کو قتل کیا۔ ان کا امیر المومنین حسن تین سو آدمیوں کے ساتھ کوفہ کی طرف بھاگا راستہ میں توشہ اور علف ختم ہو گیا اس وجہ سے ایک موضع والیہ نامی میں لباس بدل کر داخل ہوا۔ لیکن وہاں کے باشندوں نے اس کو پہچان لیا اور پکڑ کر رقہ میں لے گئے۔ مکتفی اس کو اپنے ساتھ بغداد میں لایا اور وہاں ان فاطمی قیدیوں کے ساتھ جن کو محمد بن سلیمان گرفتار کر کے لایا تھا قتل کرا دیا۔

شام میں اب ان کی شورش دب گئی مگر قرمطی فرقہ ابھی تک فنا نہیں ہوا کیونکہ دعاۃ کا سرغنہ ذکرویہ موجود تھا۔ اس نے ایک معلم قرآن عبداللہ بن سعید نامی کو مبلغ بنا کر شام کی طرف بھیجا۔ اس نے وہاں اپنا نام بدل کر نصر یعنی رکھا اور قبیلہ بنی کلب میں تبلیغ شروع کی اس کے ایک رئیس مقدام نے اس کا ساتھ دیا۔ اور بدوؤں کی ایک جماعت کو بھی متفق کر لیا۔ نصر سب کو لے کر شام کی طرف بڑھا۔ اور بصریٰ اور اذرعات کو لوٹ لیا پھر دمشق پر حملہ کیا لیکن وہاں مدافعت قوی تھی اس لئے کچھ نہیں کر سکا اور اردن کی طرف چلا گیا وہاں سخت خوں ریزی کی خلیفہ نے حسین بن حمدان کو سرکوبی کے لئے بھیجا نصر نے اطلاع پا کر طبریہ کی راہ لی وہاں سے ساریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حسین نے تعاقب کیا لیکن وہ بیابان میں غائب ہو گیا۔ اور دیہات کو لوٹنے لگا۔ دربار خلافت سے ایک دوسرا لشکر محمد بن اسحاق کی سرکردگی میں بھیجا گیا اور حسین کو حکم دیا گیا کہ وہ بنی کلب پر چڑھائی کرے جہاں سے اس قسم کے فرقے برپا ہوتے رہتے ہیں۔

نصر اس وقت بنی کلب میں تھا انہوں نے سلطان لشکر کے خوف سے اس کا سر خود کاٹ کر دربار خلافت میں بھیج دیا اور معافی کے طالب ہوئے خلیفہ نے ان کو امان دی۔ سرچشمہ فتنہ ذکرویہ نے ایک دوسرے داعی قاسم بن احمد کو وہاں بھیج دیا اور اس سے کہہ دیا کہ تم اپنی جماعت کو لے کر ۱۰ ذی حجہ یعنی عین عید کے دن کوفہ کے متصل پہنچنا میں بھی وہاں آ کر تمہارے ساتھ شامل ہو جاؤں گا اور پھر کوفہ کو لوٹ لیں گے۔

اس قرارداد کے مطابق یوم نحر کو دونوں جماعتیں کوفہ کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ لوگ نماز پڑھ کر واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے جس کو پایا قتل کرنا شروع کیا۔ والئ شہر فوج لے کر مقابلہ میں آیا عام باشندے بھی مسلح ہو کر مدافعت کے لئے تیار ہوئے۔ قرامطہ نے شکست کھائی اور قادسیہ کی طرف نکل گئے والی کوفہ نے بغداد سے کمک طلب کی لیکن وہاں سے جو فوج روانہ ہوئی اس نے اپنے خط واپسی کی حفاظت کا سامان نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرمطی پیچھے سے ان پر آ پڑے اور مغلوب کر کے سارا ساز و سامان چھین لے گئے۔ اس سے ان کو قوت حاصل ہو گئی۔ ذکرویہ جس کو وہ مخفی رکھتے تھے اور قاسم اس کی نیابت کرتا تھا نمایاں ہو کر پھر اس جمعیت میں شریک ہو گیا۔

انہوں نے اپنا مرکز بادیہ میں بنایا اور چاروں طرف غارت گری شروع کی۔ ۲۹۴ھ میں مشرقی قافلہ حج سے واپس آ رہا تھا۔ اس

کو لوٹ لیا اور خبر دینے کے لئے بھی ایک آدمی کو اس میں سے زندہ نہیں چھوڑا۔ بغداد میں جب یہ اطلاع پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ وزیر خود لشکر لے کر آیا۔ مکہ کے راستے میں قرمطیوں سے مقابلہ ہوا۔ زکرویہ اور قاسم دونوں پکڑے گئے اور ان کی جماعت کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ بقیہ بھاگے۔ راستہ میں حسین بن حمدان مل گیا اس نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ ذکرویہ گرفتاری کے پانچ روز کے بعد مر گیا۔ اس کے بعد عراق میں یہ تحریک کمزور ہو گئی۔ مگر سانپ کی دم ابھی تک زندہ تھی یعنی جنابی بحرین میں موجود تھا۔ مکتفی کے زمانہ میں وہ خاموش رہا لیکن مقتدر کے عہد میں اس کی آتش فتنہ شعلہ زن ہوئی جس کا ذکر موقع پر آئے گا۔

مشرق

بلاد مشرق کی مستقل حکومت اسماعیل بن احمد سامانی کے ہاتھ میں تھی یہ نہایت مدبر فرزانہ اور بہادر تھا۔ مکتفی اس سے ہمیشہ خوش رہا۔ ۲۹۵ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا احمد ہوا۔ مکتفی نے اس کے لئے لواء ولایت بھیجا۔

مغرب

مکتفی کے زمانہ میں ۲۹۲ھ میں شیبان بن احمد بن طولون کے بعد دولت طولونیہ کا خاتمہ ہو گیا اور شام و مصر پھر بنی عباس کے قبضہ میں آگئے۔ افریقہ میں ہارون الرشید کے زمانہ سے دولت اغالبہ قائم تھی اس پر ابو عبداللہ شیعی داعی فاطمیین نے اپنا تسلط جما لیا۔

روم

مکتفی کے آغاز عہد میں رومیوں کے تعلقات اچھے تھے۔ اور دونوں طرف سے تحفے اور ہدیئے آتے جاتے تھے لیکن زیادہ عرصہ تک یہ حالت قائم نہیں رہ سکی۔ ۲۹۱ھ میں رومیوں نے اسلامی سرحد کو لوٹا۔ اس وجہ سے مسلمان ان پر حملہ آور ہوئے۔ پانچ ہزار رومی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اور ان کے پاس جس قدر قیدی تھے چھڑا لئے گئے۔ مال غنیمت اس قدر ہاتھ آیا کہ فی کس ایک ہزار دینار حصہ ملا۔ مکتفی کے عہد میں دو بار اسیران جنگ فدیہ اور تبادلہ سے رومیوں کے ہاتھ سے آزاد کرائے گئے۔ ۲۹۳ھ میں ۱۲ سو اور ۲۹۵ھ میں تین ہزار مسلمان مرد و زن۔

وفات

مکتفی نے ۱۲ ذی قعدہ ۲۹۵ھ مطابق ۱۳ اگست ۹۰۸ء کو انتقال کیا۔

(۱۸) مقتدر

خلافت ۱۲ ذی قعدہ ۲۹۵ھ سے ۲۸ شوال ۳۲۰ھ تک ۲۴ سال ۱۱ ماہ ۱۶ روز۔ جعفر مقتدر باللہ بن معتضد بن موفق بن متوکل۔ یہ مکتفی کا بھائی تھا اس کی والدہ بھی ایک ام ولد تھی جس کا نام شعب تھا۔ ولادت ۲۸۲ھ میں ہوئی تھی۔

مکتفی کسی کو ولی عہد نہیں بنا گیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد وزیر عباس بن حسن نے اراکین سے مشورہ لیا انہوں نے ابن معتز کو خلیفہ بنانے کی رائے دی کیونکہ وہ صاحب علم و فضل اور عاقل و مدبر تھا۔ پھر اس نے اپنے کاتب ابو الحسن بن فرات کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ تم میرے خیرخواہ ہو مجھے صحیح مشورہ دو کہ میں کس کو خلیفہ بناؤں۔ اس نے کہا کہ ایسے شخص کو اپنے اوپر مسلط کرنے سے کیا فائدہ جو حساب و کتاب کے جزئی امور سے باخبر اور وزراء کی آمدنی کے ذرائع سے واقف ہو۔ بہتر یہ ہے کہ کسی ناداں بچہ کو تخت خلافت پر بٹھادو۔ اور اس کی طرف سے خود حکومت کرو۔ جب تک وہ بڑا ہو گا تمہارا کام ہو جائے گا اور حق تربیت اس پر الگ قائم رہے گا۔

عباس کی رائے ابن معتز کو خلیفہ بنانے پر مستقل ہو چکی تھی۔ مگر ابن فرات کا یہ مشورہ سن کر اس کی نیت پلٹ گئی۔ چنانچہ اس نے جعفر بن معتضد کی خلافت کا اعلان کیا۔ جس کا سن تیرہ سال کا تھا۔ اسی کے ہاتھ پر بیعت ہوئی لیکن دیگر وزراء امراء فوج اور قضاۃ وغیرہ نے اس کو ناپسند کیا اور وزیر سے کہا کہ بڑے حیرت کی بات ہے کہ ابن معتز جیسے لائق شخص کے موجود ہوتے ہوئے ایک کم سن بچہ خلیفہ بنایا جائے اس نے ان کے دباؤ سے ابن معتز کو لکھا کہ آپ خلافت پر راضی ہوں تو مقتدر کی بیعت فسخ کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اس نے جواب دیا کہ اگر اس میں فتنہ و شر برپا نہ ہوا اور باہمی جنگ پیش نہ آئے تو میں راضی ہوں۔ ادھر سے لکھا گیا کہ تمام امراء متفق ہیں کسی قسم کے فساد کا اندیشہ نہیں ہے۔

یہ معاملہ وزیر عباس بن حسن۔ محمد بن داؤد صاحب دیوان۔ قاضی احمد بن یعقوب۔ حسین بن حمدان۔ بدر الجمی اور وصیف بن صوار تکین کے مشورہ سے طے پایا تھا۔ لیکن وزیر اعظم چونکہ مقتدر کی خلافت کو اپنے حق میں زیادہ بہتر سمجھتا تھا اس وجہ سے اس میں پہلو تہی کرنے لگا۔ اور کئی مہینے گزار دیئے۔ حسین بن حمدان چند امراء کو ساتھ لے کر اس کے پاس گیا اور ۲۰ ربیع الاول ۲۹۶ھ میں اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر مقتدر کو تخت سے اتار کر ابن معتز کی خلافت کا اعلان کیا۔ اس کے ہاتھ پر سب لوگوں نے بجز ابو الحسن بن فرات اور خاصان مقتدر کے بیعت کر لی۔

ابن معتز نے مقتدر کو حکم دیا کہ تم دار الخلافہ سے دوسرے شہر میں منتقل ہو جاؤ۔ اس نے ایک دن کی مہلت مانگی اس کے ساتھ صرف مونس خادم اور چند غلام تھے ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ ہم اپنے آقا کی حمایت کریں گے اور اس کو اس کے حق سے محروم نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ رات کو ابن معتز کے قصر میں گھس گئے۔ وہ یہ سمجھا کہ مقتدر کے آدمیوں نے سارے محل پر قبضہ کر لیا۔ اس وجہ سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگا۔ اس کے ساتھ محمد بن داؤد تھا جس کو اس نے وزارت کے لئے منتخب کیا تھا اور ایک غلام جو شہر میں پکارتا جاتا تھا کہ لوگو! اپنے سنی بربہاری خلیفہ کے لئے دعا کرو۔ اس زمانہ میں حسین بن قاسم بن عبداللہ بربہاری

حنابلہ کے نہایت مقبول پیشوا تھے اور بالعموم لوگ ان کے معتقد تھے ۔ بغداد میں چونکہ اس جماعت کی کثرت تھی ۔ اس لئے ان کی استمالت کے لئے غلام یہ نعرہ لگاتا تھا تاکہ لوگ مذہبی محبت سے خلیفہ کی مدد کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

ابن معتز شہر سے باہر بیابان میں پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ فوج اور رعایا میری حمایت کے لئے جمع ہو کر آجائے گی لیکن کوئی نہیں گیا۔ محمد بن داؤد اپنے گھر چھپ رہا۔ اور ابن معتز نے ابو عبیداللہ بن جصاص کے گھر میں پناہ لی۔ جو امراء اس کے حامی تھے وہ بھی سب کے سب مقتدر کے خوف سے مخفی ہو گئے حسین بن حمدان اس واقعہ سے پہلے ہی بغداد چھوڑ کر جا چکا تھا۔ صبح کو مقتدر فوج لے کر نکلا۔ اور ان سب لوگوں کو جنہوں نے ابن معتز کی بیعت میں شرکت کی تھی قتل کر ڈالا ابن معتز کو بھی پکڑا اور قید کر کے سزاؤں سے اسی دن اس کا خاتمہ کرا دیا۔ محمد بن داؤد بھی مارا گیا۔ حسین بن حمدان کے پیچھے سوار دوڑائے گئے۔ لیکن اس کا پتہ نہیں لگا کچھ دنوں کے بعد مقتدر اس سے راضی ہو گیا اور اس کو بغداد میں بلا لیا۔

وزارت

پہلا وزیر ابوالحسن بن فرات ہوا۔ یہ نہایت لائق اور مدبر تھا۔ اس نے انتظامات بھی درست کئے لیکن خلافت اس وقت مقتدر کی والدہ اور اس کی قہرمانہ کے ہاتھ میں تھی جن کو نہ سیاست کی خبر تھی نہ امت کی بہتری سے غرض ۔ ان کے سامنے جو زیادہ مال پیش کرتا تھا وہی منصب حاصل کر لیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو رشوت دے کر عہدہ خریدیں گے وہ اس کے لینے سے کب پرہیز کریں گے ۔ چنانچہ نہ صرف عمال اور امراء رشوت خوار ہو گئے بلکہ خلیفہ اور وزیر بھی اس کو شیر مادر سمجھنے لگے۔

ابن فرات نے قاضی ابو عمرو محمد بن یوسف کو اس الزام میں پکڑا کہ یہ بھی ابن معتز کے حامیوں میں تھے اور سزا دینی چاہی ۔ ان کے بوڑھے باپ کو بہت قلق ہوا ، وہ ابن فرات کے سامنے جا کر روئے اور کہا کہ جس طرح ہو سکے میرے بیٹے کو بچاؤ ۔ اس نے کہا کہ جرم بہت بڑا ہے اس لئے اگر کوئی بڑی رقم ہو تو خلیفہ کو رضامند کرنے کی کوشش کی جائے انہوں نے کہا کہ بلا سے میں فقیر ہو جاؤں۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب لے لو لیکن محمد کو چھوڑ دو ۔ ابن فرات نے خلیفہ سے کہا اس نے ایک لاکھ دینار پر رضامندی ظاہر کی جس میں سے یوسف نے ۹۰ ہزار ادا کئے اس پر بھی ان دونوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں ورنہ پھر گرفتار کر لئے جائیں گے۔

ابن فرات چند سال عزت کے ساتھ اپنے عہدہ پر رہا۔ ۲۹۸ھ میں خلیفہ نے عید قربان کے مراسم ادا کرنے کے لئے اس سے ضروری اخراجات طلب کئے ۔ اس نے کہا کہ بیت المال میں ایک حبہ بھی نہیں ہے اس وجہ سے خلیفہ اس سے ناراض ہو گیا ایک دن جبکہ وہ دربار میں آکر اپنی جگہ پر بیٹھا۔ خلیفہ کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا۔ امیر بلیق اس کے مکان پر بھیجا گیا کہ مال و اسباب پر قبضہ کر لے ۔ سرہنگوں اور اوباشوں نے وہاں پہلے ہی سے غارت گری شروع کر دی تھی وہ اس کے اور اس کی اولاد کے گھروں کو یہاں تک کہ چھتوں کی کڑیوں کو بھی لوٹ لے گئے ۔ عصر کے وقت امیر ابو القاسم جب فوج لے کر پہنچا تو یہ ہنگامہ منتشر ہوا۔

ابن خاقان

ابن فرات کے بعد محمد بن عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان وزیر ہوا۔ اس نے ابن فرات کے تمام اموال ۔ املاک اور اقطاع پر قبضہ کر لیا۔ دس لاکھ دینار کا سونا چھ لاکھ دینار نقد علاوہ مال و اسباب کے ملے۔

ابن خاقان نہایت متلون مزاج آدمی تھا کبھی دفتر میں جو کاغذات آتے تھے ان کو روزانہ نکال دیا کرتا تھا کبھی ہفتوں اور مہینوں گذر جاتے تھے دیکھتا بھی نہ تھا آج ایک شخص کو کسی ناحیہ کا عامل مقرر کر کے بھیجتا تھا۔ کل دوسرے کو وہیں کا فرمان دے کر روانہ کرتا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ایک بار خان حلوان میں جبیں دن کے اندر پے در پے سات آدمی ایسے آکر جمع ہو گئے کہ ان میں

سے ہر ایک کے پاس سواحل فرات کی ولایت کا پروانہ موجود تھا اسی طرح موصل میں سلسلہ وار پانچ عامل پہنچے ۔ ان لوگوں کو چونکہ ولایت یا عمل حاصل کرنے کے لئے ایک کثیر رقم دینی پڑتی تھی۔ اس لئے واپس آگئے اور شکایت کر کے اپنے اموال کا مطالبہ کیا۔ اس سے جب کسی امر کی درخواست کی جاتی تھی تو ہاتھ سینہ پر مار کر کہتا تھا کہ ضرور بہ سرو چشم ۔ لیکن کرتا کچھ نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا نظام مختل ہو گیا اور تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے فوج بگڑ گئی۔ آخر مقتدر نے اس کو مع اس کے بیٹے کے قید کر دیا۔ اس کی وزارت صرف ۱۳ ماہ رہی۔

علی بن عیسیٰ

یہ شخص امراء بغداد میں سے تھا لیکن وہاں کی ابتر حالت دیکھ کر مکہ میں جاکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ نہایت نیک ۔ با اخلاق عاقل ۔ مدبر ۔ دیانت دار اور بارعب تھا۔ اہل مکہ کو پانی کی سخت تکلیف تھی اس نے اپنی طرف سے سینکڑوں اونٹ خچر اور گدھے خریدے جو جدہ سے روزانہ پانی لاتے تھے پھر ایک بہت بڑا کنواں کھدوایا اس میں سے شیریں پانی نکلا وہ جراحیہ کے نام سے مشہور ہوا اس کے علاوہ ایک چشمہ بھی پہنچایا جس سے قلت آب کی شکایت جاتی رہی۔

ابن خاقان کی معزولی کے بعد مونس خادم نے مقتدر کو اسی کے وزیر بنانے کا مشورہ دیا۔ اس نے اس کو مکہ سے بلا کر عاشورہ محرم ۳۰۱ھ میں وزارت کا منصب عطا فرمایا۔ علی نے نہایت اچھا انتظام کیا چونکہ جزرس آدمی تھا اس لئے مالی حالت اس نے بہت جلد درست کر لی۔ لیکن مقتدر کے اوپر اس کی ماں اور قہرمانہ کا بڑا اثر تھا اور وہی دراصل حکومت کرتی تھیں۔ علی چونکہ ان کے غیر واجبی مطالبات پورے نہیں کرتا تھا اس لئے وہ اس کی دشمن ہو گئیں۔ علی نے ام مقتدر کو بڑے بڑے خطوط لکھے اس کو خلافت کی مالی دشواریوں سے آگاہ کیا لیکن وہ ان باتوں کو کیا سمجھتی تھی اسے صرف اپنے مطلب سے غرض تھی ۔ ذی حجہ ۳۰۴ھ میں اس نے قہرمانہ کو وزیر کے پاس بھیجا کہ عید کی تقریبات کے لئے جو رقم ہر سال آیا کرتی تھی وہ بھیج دے۔ وزیر نے لطائف الحیل سے معذرت کر کے قہرمانہ کو ٹال دیا اس پر ام مقتدر بگڑ گئی اور جھوٹی جھوٹی شکایتیں جوڑ کر خلیفہ کو اس کی گرفتاری پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ۱۸ ذی حجہ ۳۰۴ھ میں وہ قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ اور اس کی جگہ پر پہلا وزیر یعنی ابن فرات قید سے رہا کر کے مقرر کیا گیا اس سے پہلے طے کر لیا گیا تھا کہ وہ ایک ہزار دینار خلیفہ کو اور ۵۰۰ دینار اس کی والدہ اور قہرمانہ کو روزانہ دیا کرے گا۔

اس زمانہ میں ایک شخص حامد بن عباس سواد اوسط کا مستاجر تھا یہ اجارہ اس کو علی بن عیسیٰ نے دیا تھا ابن فرات کو یہ معلوم تھا کہ حامد وہاں سے کثیر منافع حاصل کرتا ہے اس لئے اس نے چاہا کہ بعد اختتام مدت اس ٹھیکہ کو اس کے ہاتھ سے نکال لے۔ قسیم جوہری جو واسط کے متصل ام مقتدر کی جاگیر کا منتظم تھا حامد کا بڑا دوست تھا اس نے ام مقتدر سے اس کی فیاضی اور لیاقت کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ اگر وہ وزیر ہو جائے تو آستانہ عالیہ میں بہت بڑی رقم بھیجے گا۔ ام مقتدر کا حاجب نصر جو ابن فرات کا مخالف تھا اور حامد کے تحائف اور ہدایا کی وجہ سے اس کا خیر خواہ ہو گیا تھا اس نے بھی اس کی مدح و توصیف کی؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ام مقتدر نے حامد کو بلایا۔ ۲۷ جمادی الاول ۳۰۷ھ کو وہ حاضر ہوا۔ اسی دن ابن فرات کو قید کرا کے حامد کو وزارت دلوائی۔

حامد بن عباس

حامد میں وزارت کی اہلیت مطلق نہیں تھی اس کے خلاف شکایتیں پیدا ہوئیں۔ مقتدر نے علی بن عیسیٰ کو قید سے نکال کر حامد کا مددگار مقرر کر دیا۔ اس نے حامد کو بیکار کر کے سارا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حامد نے دیکھا کہ نہ میری عزت ہے نہ میرے ہاتھ میں اختیار ہے اس لئے اجازت لے کر واسط کی طرف چلا گیا۔

مفلح حبشی مقتدر کا خاص غلام تھا اس نے حامد سے سخت کلامی کی اس پر حامد نے کہا کہ میں چاہوں تو سو حبشی غلاموں کو خرید

کر ہر ایک کا نام مفلح رکھ دوں۔ یہ بات اس کو ناگوار گذری ۔ اس نے ابن فرات کے ساتھ مل کر اس کے خلاف سازش اور اس سے خلیفہ کے نام ایک رقعہ لکھوایا کہ اگر حامد اور علی بن عیسیٰ دونوں میرے سپرد کر دیئے جائیں تو میں دربار میں سات لاکھ دینار نذرانہ پیش کروں گا۔ یہ رشوت کچھ کم نہ تھی۔ خلیفہ نے ۲۷ ربیع الثانی ۳۱۱ھ کو قید خانہ سے اس کو نکال کر تیسری بار وزیر بنایا۔ اس نے علی بن عیسیٰ کو قید کیا۔ حامد نے جب سنا تو روپوش ہو گیا۔ آخر میں اپنے پرانے دوست نصر حاجب سے رات کو جاکر ملا۔ اور یہ درخواست کی کہ خلیفہ سے مجھ کو معافی دلوادے۔ نصر نے مفلح کو بلایا اس نے جب حامد کو دیکھا تو کہا السلام علیکم یا مولانا وزیر۔ ان غلاموں سے میں اس وقت ایک کو بھی حضور کے ساتھ نہیں دیکھتا جن کو خرید کر ان کے نام مفلح رکھتے تھے۔ مقتدر نے کوئی سفارش نہیں سنی۔ حامد کو ابن فرات کے حوالہ کر دیا۔ ابن فرات کے بیٹے محسن نے جو لوگوں میں خبیث کے نام سے مشہور تھا۔ سختیاں کر کے اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔

محسن نے بڑے بڑے امراء اور اراکین دولت پر ناگفتہ بہ مظالم کئے اور سینکڑوں کو ہلاک کیا۔ جب اس کے خلاف بہت شکایتیں ہوئیں تو مقتدر نے اس کے باپ کو وزارت سے معزول کر کے پھر قید خانہ میں بھیج دیا۔ اور ابن خاقان کو دوبارہ وزارت عطا کی اس نے محسن کو پکڑ کر ۲۰ لاکھ دینار تاوان وصول کرنے کی غرض سے اس پر طرح طرح کی سختیاں کیں۔ محسن نے کہا کہ میں ایک پیسہ بھی ادا نہیں کروں گا اور کھانا پینا سب ترک کر دیا۔ جب مقتدر کو خبر ہوئی تو اس نے اس کو وزیر سے لے کر اس کے باپ کے پاس قید خانہ میں بھیج دیا۔ اراکین دولت نے مجلس میں جاکر ان دونوں باپ بیٹوں کو بھیڑوں کی طرح ذبح کر دیا۔ ابن فرات کی عمر اس وقت ۷۱ سال کی تھی اور محسن کی ۳۳ سال۔

ابن فرات نہایت لائق ۔ منتظم ۔ فیاض اور شریف تھا لیکن محسن کی سختیوں کی وجہ سے اس کو بھی یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا۔ ابن خاقان بھی وزارت سے کوئی حظ نہیں اٹھا سکا۔ ابو العباس خصیبی نے اس کی شکایتیں مقتدر کے یہاں شروع کیں یہاں تک کہ رمضان ۳۱۳ھ میں وہ برطرف کر دیا گیا۔

ابو العباس

اب ابو العباس خصیبی وزیر ہوا یہ شخص شرابخوار تھا۔ ہر وقت نشہ میں رہتا تھا اس وجہ سے تمام کام ابتر ہو گئے۔ ذی قعدہ ۳۱۴ھ میں مقتدر نے اس کو مع اس کے بیٹے کے قید کر دیا اور پھر علی بن عیسیٰ کو وزارت پر بلایا۔ اس نے ہر شعبہ میں اصلاح کی۔ لائق اور جفاکش کاتبوں کو دفاتر میں مقرر کیا اور کفایت شعاری اور محنت سے کسی قدر مالی حالت درست کی لیکن مقتدر کی والدہ اور قہرمانہ ان اصلاحات کی خواہاں نہیں تھیں۔ کیونکہ ان سے ان کی اس عظیم الشان رقم میں جو وہ بیت المال سے لیا کرتی تھیں خلل پڑتا تھا اس لئے انہوں نے پھر علی کی مخالفت کی اس نے جب یہ صورت دیکھی تو اپنی پیرانہ سالی کے عذر پر وزارت سے استعفیٰ دیا۔ مقتدر نے کہا کہ میں آپ کو بجائے اپنے باپ کے سمجھتا ہوں۔ اس وجہ سے اس کو استعفیٰ واپس لینا پڑا۔ لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد اپنی والدہ ۔ حرم اور خواجہ سراؤں کے اثر میں آکر ربیع الاول ۳۱۶ھ میں اس کو مع اس کے بیٹے کے قید کر دیا۔

ابن مقلہ

مونس مظفر سپہ سالار تھا اس نے مقتدر سے سفارش کر کے اپنے دوست ابو علی ابن مقلہ کو وزارت دلوائی ۔ یہ شخص کتابت میں بڑا نامی اور نہایت مشہور خطاط تھا۔ اس وقت تک دفاتر میں خط کوفی مستعمل تھا اس نے خط نسخ کو ایسا درست کیا کہ اسی کو لوگ استعمال کرنے لگے اور خط کوفی ہر جگہ سے اٹھ گیا۔ جس قدر یہ کتابت میں نامور تھا اسی قدر رشوت ستانی میں بھی شہرت رکھتا تھا۔ دربار میں شکایتیں پہنچی تھیں لیکن وہاں مونس مظفر اس کی حمایت کر دیتا تھا۔ ۳۱۸ھ میں مقتدر مونس سے ناراض ہو گیا اب ابن

مقلہ کا کوئی طرفدار نہیں رہا۔ اس لئے جمادی الاول ۳۱۸ھ میں خلیفہ نے اس کو گرفتار کر کے دو لاکھ دینار وصول کئے اور قید خانہ میں بھیج دیا۔

سلیمان بن حسن

ارا کین دولت کے مشورہ سے سلیمان وزیر مقرر ہوا۔ مقتدر اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لئے اس نے علی بن عیسیٰ کو اس کا مددگار بنایا۔ خزانہ اس قدر خالی تھا کہ لوگوں کے روزینے کم کرنے پڑے ۔ حرم میں شورش برپا ہو گئی خاص کر ام مقتدر نہایت برہم ہوئی ۔ آخر کار رجب ۳۱۹ھ میں سلیمان کو بھی قید خانہ میں جانا پڑا۔

ابو القاسم کلواذی

یہ شخص سلیمان کی جگہ وزیر ہوا لیکن نظام سلطنت اس قدر بگڑ گیا تھا کہ اس کو ٹھیک کرنا آسان نہ تھا اس لئے یہ بھی مقتدر کی نظر سے گر گیا۔

اس زمانہ میں بغداد میں دانیال نامی ایک نہایت چالاک شخص تھا جو پیشین گوئیاں کیا کرتا تھا اس نے ایک کتاب میں گذشتہ اور آئندہ حالات لکھ کر اس کو زمین میں گاڑ دیا۔ جب وہ اس قدر کہنہ اور بوسیدہ ہو گئی کہ معلوم ہو کہ نہایت قدیم ہے تو اس کو مفلح اسود کے پاس لے گیا اس میں ایک جگہ یہ لکھا ہوا تھا کہ اٹھارویں عباسی خلیفہ کے عہد میں ایک ایسا وزیر ہو گا جس کی بدولت خزانے معمور اور صوبے آباد ہو جائیں گے اس کے بعد اس کی علامتیں لکھی تھیں جو اس کے سرپرست امیر حسین بن قاسم کو مخصوص کر دیتی تھیں۔ مفلح نے جب اس کو پڑھا تو فوراً مقتدر کو لیجا کر دکھایا اس نے عقیدت مندی سے اس پر یقین کر لیا اور مفلح سے پوچھا کہ تمہارے خیال میں وہ کون شخص ہو سکتا ہے اس نے کہا کہ اس میں جو علامتیں لکھیں ہیں ان کے لحاظ سے سوائے حسین بن قاسم کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ مقتدر نے کہا کہ بے شک میرا دل بھی یہی کہتا ہے اس لئے ابو القاسم کو برطرف کر کے رمضان ۳۱۹ھ میں حسین کو وزیر بنایا۔

حسین بن قاسم

حسین میں مطلق لیاقت نہ تھی۔ ہر طرف شور و شغب ہوا۔ آخر کار ربیع الثانی ۳۲۰ھ میں وہ معزول کیا گیا۔ اس کے بعد ابو الفتح فضل بن جعفر کو وزارت دی گئی یہی مقتدر کا آخری وزیر تھا۔

مقتدر کے وزراء کے حالات میں ہم نے زیادہ تفصیل سے کام لیا۔ صرف اس وجہ سے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ خلافت کی انتہائی حالت کس قدر ادنیٰ اور پست ہو گئی تھی اور حرم کی مداخلت کی وجہ سے سلطنت میں کیسی خرابیاں پڑ گئی تھیں۔ جو لوگ ان کو بڑی بڑی رشوتیں دیتے تھے وہ وزارت خریدتے تھے اور جب ان کے مطالبات پورے نہیں کر سکتے تھے تو قید کر دیئے جاتے تھے نتیجہ یہ تھا کہ کاروبار میں ابتری پھیل گئی تھی سازشوں اور رشوتوں کا بازار گرم تھا نہ رفاہیت تھی نہ خوشحالی تھی عدل و انصاف مفقود خزانہ خالی اور ملک ویران ۔ جس کی وجہ سے نہ عوام کی نظروں میں خلافت کی کوئی حرمت تھی۔ نہ ہمسایوں کی نگاہ میں کوئی وقعت۔

قرامطہ

رئیس قرامطہ ابو سعید جنابی بحرین کے تمام شہروں مجز۔ احساء اور قطیف وغیرہ پر قابض ہو جانے کے بعد مقتول ہو گیا۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا ابو طاہر ہوا۔ اس نے بصرہ پر متعدد حملے کئے۔ ۳۱۱ھ ۱۷۰۰ قرمطیوں کے ساتھ وہاں داخل ہو گیا۔ وہ ہفتہ سے زاید رہا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور جس قدر مال و متاع عورتیں اور بچے ملے ان کو اپنے ساتھ لایا اس کے بعد اس نے حاجیوں کے

قافلہ جا رہا تھا اور جس میں زیادہ تر لوگ بغداد کے تھے لوٹ لیا۔ یہ خبر پاکر حاجیوں نے اس راستہ کو چھوڑ کر کوفہ کی طرف رخ ... کے توشے ختم ہوگئے ۔ قرمطیوں نے ان پر بھی حملہ کیا عورتوں اور بچوں کو لوٹ لے گئے اہل قافلہ بھوک اور پیاس کی شدت ... ہلاک ہوگئے۔

بغداد میں خبریں اس زمانہ میں پہنچیں جبکہ محسن بن فرات نے وہاں کے امراء کو عذاب میں ڈال رکھا تھا۔ اس لئے دوگنی مصیبت ہو گئی ۔ محسن چونکہ شیعیت کی طرف میلان رکھتا تھا لوگ اس کو بھی قرمطی کہنے لگے۔ مقتدر نے مجبور ہو کر ابو طاہر جنابی کو لکھا کہ مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو رہا کر دو اس نے چھوڑ دیا اور درخواست کی کہ مجھے بصرہ اور اہواز کی ولایت دی جائے ۔ مقتدر نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ ابو طاہر ہجر سے نکل کر پھر حاجیوں کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے بڑھا۔ والی کوفہ جعفر بن ورقار شیبانی ایک ہزار آدمی لے کر خود قافلہ کے ساتھ چلا۔ شاہی فوج بھی چھ ہزار تھی جو پیچھے آرہی تھی ۔ قرمطیوں نے جعفر کو شکست دے دی وہ کوفہ کی طرف پلٹا۔ قرمطی اس کے تعاقب میں آئے۔ شہر کے متصل پھر جنگ ہوئی۔ ابو طاہر اندر داخل ہو گیا۔ چھ دن تک لوٹتا رہا۔ اس کے بعد واپس چلا گیا۔ اس سے اہل بغداد پر بھی خوف چھا گیا کہ یہاں بھی قرامطہ نہ حملہ کریں۔

۳۱۵ھ میں ابو طاہر پھر کوفہ کی طرف چلا۔ مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو فوج کے ساتھ مدافعت کے لئے بھیجا۔ لیکن قرامطہ اس سے ایک روز پہلے وہاں پہنچ گئے اور فوج کے لئے رسد کی کثیر مقدار جو جمع کی گئی تھی اس پر قابض ہوگئے۔ یوسف نے دوسرے روز پہنچ کر ان کو لکھا کہ ایک روز کی مہلت دیتا ہوں خلیفہ کی اطاعت قبول کر لو ورنہ کل تم کو قتل کر دوں گا۔ ابو طاہر نے لکھا کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی اطاعت نہیں کرتے۔ کل صبح کو ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہے دوسرے دن صف آرائی ہوئی یوسف نے ان کی تھوڑی تعداد دیکھ کر پہلے سے فتح نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو قرامطہ غالب آگئے۔ یوسف کو گرفتار کر لیا اور اس کی فوج میں سے ایک کثیر تعداد کو قتل کر ڈالا۔

بغداد میں فتح نامہ کے بعد جب شکست کی اطلاع پہنچی تو نہایت اضطراب پیدا ہو گیا۔ بہت سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر حلوان اور ہمدان کی طرف چلے گئے۔

قرامطہ کوفہ سے عین التمر کی جانب بڑھے ۔ وہاں سے انبار پر چڑھائی کی۔ چونکہ اہل انبار نے فرات کا پل توڑ دیا تھا۔ اس لئے وہ مغربی کنارہ پر رک گئے۔ ابو طاہر نے کشتیاں فراہم کیں اور اپنے تین سو آدمی پار اتارے انہوں نے سلطانی لشکر کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا پھر ابو طاہر پل بندھوا کر اپنی تمام جماعت کو لے کر آیا۔ بغداد سے نصر حاجب اور مونس مظفر ۴۰ ہزار فوج لے کر پہنچے مگر قرامطہ کی اس درجہ ہیبت ان کے اوپر غالب تھی کہ مقابلہ سے ڈر گئے ۔ آخر میں ہزیمت اٹھا کر بھاگے۔ حالانکہ ان کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ ابو طاہر نے انبار میں یوسف اور اس کے ساتھ دوسرے قیدیوں کو بھی قتل کر ڈالا۔

بغداد میں علی بن عیسیٰ وزیر تھا۔ اس کو خبر ملی کہ اس کے ہمسایہ میں ایک شیرازی رہتا ہے جو قرمطی ہے۔ اور یہاں کی خبریں ابو طاہر کو لکھا کرتا ہے۔ اس کو گرفتار کرایا۔ اور پوچھا کہ کیا تم قرمطی ہو۔ شیرازی نے اقرار کیا۔ اور کہا کہ میں نے ابو طاہر کی پیروی اس وقت اختیار کی جب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ حق پر ہے اور تم لوگ کافر ہو اور ناحق خلق اللہ پر ظلم کرتے ہو۔ ہمارا امام فلاں بن فلاں بن محمد بن اسمٰعیل دیار مغرب میں ہے۔ ہم روافض کی طرح نہیں ہیں جو ایک ایسے امام کے منتظر ہیں جس کو مدتوں سے غائب مانتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے اتنا نہیں سمجھتے کہ اتنے زمانہ تک معمولاً کسی انسان کا زندہ رہنا محال ہے جھوٹے اس قدر کہ جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے امام منتظر کو دیکھا یا قرآن پڑھتے سنا۔

وزیر نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ یہاں اور کون کونسے لوگ تمہاری جماعت کے ہیں۔ اس نے کہا سبحان اللہ ۔ اسی عقل پر تم وزارت کرتے ہو۔ کیا سمجھتے ہو کہ میں ان مومنین کو تم جیسے کافروں کے حوالہ کر دوں گا۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ علی بن عیسیٰ نے اس کو

پٹوایا۔ اور کھانا پانی بند کر دیا۔ تیسرے دن وہ مر گیا۔ ادھر ابو طاہر نے جزیرہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا اور پھر کوفہ میں آ گیا۔ سلطانی فوج اس سے خوف زدہ تھی اور مقابلہ میں نہیں آتی تھی۔ اس وجہ سے وہ بلا رکاوٹ ہر طرف بستیاں لوٹتا تھا۔ ابو طاہر کی ان چیرہ دستیوں سے قرمطی تحریک زور پکڑ گئی۔ سواد کوفہ میں اس کی جماعت کے دس ہزار آدمیوں نے حریث بن مسعود کو رئیس بنایا۔ اسی طرح ان کی ایک جمعیت عین التمر میں تھی جس کا سرغنہ عیسیٰ بن موسیٰ تھا ان لوگوں نے سلطنت کے عمال کو نکال کر حکومت اور تحصیل خراج کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ مقتدر نے ہارون بن غریب کو حریث بن مسعود اور صافیا بصری کو عیسیٰ بن موسیٰ کے مقابلہ میں بھیجا۔ ان دونوں نے قرمطیوں کی ان دونوں جماعتوں کو فنا کر دیا۔ اور مخلوق کو ان کی مصیبت سے رہائی بخشی۔

۳۱۷ھ میں ابو طاہر اپنی جماعت کو لئے ہوئے مکہ کی طرف گیا اور یوم ترویہ کو وہاں داخل ہوا۔ باشندوں کے مکانات اور حاجیوں کے اموال لوٹ لئے جو ملا اس کو مار ڈالا۔ سینکڑوں آدمیوں کو خاص مسجد حرم میں قتل کیا اور بلا غسل و کفن کے دفن کر دیا۔ بہت سی لاشیں چاہ زم زم میں ڈال دیں۔ غلاف کعبہ کو پارہ پارہ کر کے اپنے آدمیوں میں تقسیم کیا۔ کعبہ کا دروازہ اکھاڑ لیا اور حجر اسود کو نکال کر اپنے ساتھ لایا۔ بیت اللہ کی اس ہتک حرمت سے دنیائے اسلام میں ایک شورش برپا ہو گئی یہاں تک کہ خود عبید اللہ مہدی امام قرامطہ نے ابو طاہر کو نہایت سخت لہجہ میں فرمان بھیجا کہ غلاف کعبہ۔ حجر اسود۔ حاجیوں اور اہل مکہ کے اموال فوراً جا کر واپس کرو اس نے حجر اسود کو لا کر اپنی جگہ پر لگا دیا اور دوسری چیزوں کی بابت لکھ دیا کہ چونکہ وہ لوگوں میں تقسیم کی جا چکیں اس لئے ان کی واپسی ناممکن ہے۔

احوال خارجیہ

مقتدر کے زمانہ میں خارجی حالات نہایت بدتر ہوگئے۔ اور یہ اندرونی خرابی کا طبعی نتیجہ تھا۔

اندلس میں اس زمانہ میں عبدالرحمان ناصر فرمانروا تھا جو عقل و تدبیر میں نہایت ممتاز تھا۔ اور جس کی شوکت اور قوت سے فرنگستان کے بادشاہوں پر ہیبت طاری تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ خلافت عباسیہ خلیفہ کی نااہلی اور وزراء کی خیانت کاریوں سے بالکل کمزور ہو گئی ہے تو خود خلافت کا دعویٰ کر دیا اور اپنا لقب امیر المومنین رکھا۔ اس سے پہلے وہاں کے امراء امام کہے جاتے تھے افریقہ میں عبید اللہ مہدی نے دولت ادارسہ و اغالبہ پر قبضہ کر کے فاطمی حکومت قائم کر لی اور اپنا مستقر شہر مہدیہ کو بنایا جو قیروان کے متصل تھا وہ بار بار کوشش کرتا تھا کہ مصر کو فتح کر لے لیکن مقتدر کے عہد تک نہیں لے سکا۔

بحرین اور اس کے اطراف میں قرامطہ پھیلے ہوئے تھے اور خراسان اور ماوراء النہر میں آل سامان کی حکومت تھی جن کے مقابلہ میں ایک جدید طاقت دیلمیوں کی سر اٹھا رہی تھی۔

موصل پر آل حمدان اگرچہ مقتدر کے عہد تک پوری طرح مسلط نہیں ہوئے تھے لیکن ان کی حکومت کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ رومیوں نے بغداد کی کمزوری کو محسوس کر کے ۳۰۳ھ میں جزیرہ کے حدود پر حملہ کیا چونکہ کوئی فوج ان کے مقابلہ کے لئے موجود نہیں تھی اس لئے انہوں نے قلعہ منصور کو فتح کر لیا اور وہاں سے بہت سے مسلمانوں کو پکڑ کر لے گئے۔ ۳۰۵ھ قیصر کی طرف سے سفیر آئے۔ مقتدر نے ان کا نہایت اکرام کیا اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ دربار کو آراستہ کر کے ان سے ملا۔ باہم مصالحت اور اسیران جنگ کے تبادلہ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ مقتدر نے مونس کو ایک لاکھ بیس ہزار دینار فدیہ کے لئے دے کر بھیجا۔ اس نے جا کر مسلمان قیدیوں کو آزاد کرایا۔ لیکن یہ مصالحت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی اور پھر دونوں طرف سے جنگ شروع ہو گئی۔

۳۱۳ھ میں قیصر نے سرحد کے مسلمانوں کو لکھا کہ تم لوگ خراج ہم کو ادا کرو۔ انہوں نے انکار کیا۔ رومی فوج نے حملہ کر کے ملطیہ کو ویران کر ڈالا۔ اور بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا۔ اہل ملطیہ دربار خلافت میں فریاد لے کر آئے لیکن یہاں کسی نے ان کی فریاد نہیں سنی۔ ۳۱۵ھ میں طرسوس کے مسلمانوں کی ایک جماعت رومی سرحد میں بڑھی۔ مگر ان میں سے چار سو آدمی گرفتار ہو کر

مقتول ہو گئے ۔ اسی سال دمشق رومی نے ایک عظیم الشان فوج لے کر آرمینیہ کے سب سے بڑے شہر دبیل پر چڑھائی کی اس کے ساتھ منجنیق وغیرہ قلعہ شکن آلات کے علاوہ آتش بازی کے بڑے بڑے برج تھے ۔ مسلمانوں پر اس سے بڑی مصیبت آئی لیکن انہوں نے ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور غالب آکر دس ہزار رومیوں کو ہتہ تیغ کر ڈالا۔ اس فتح سے مٹا ہوا رعب پھر کسی قدر قائم ہوا۔ ۳۱۹ھ میں مقتدر کے غلام ثمل نے جو نہایت شجاع سپہ سالار تھا۔ رومیوں پر چڑھائی کی اور معتصم کی طرح انگورہ اور عموریہ تک پہنچ کر ان کو مارا۔

قتل مقتدر

مقتدر کے عہد میں دو امیروں کا درجہ سب سے بالاتر تھا۔ مونس مظفر اور محمد بن یاقوت پہلا سپہ سالار تھا اور دوسرا امیر امن ۔ ان دونوں میں باہم سخت دشمنی تھی۔ ۳۱۹ھ میں محمد بن یاقوت کو محتسب کا عہدہ بھی مل گیا۔ مونس کو رشک آیا۔ اس نے کہا کہ یہ منصب سوائے قاضیوں کے اور کسی کا حق نہیں ہے۔ خلیفہ نے اس کی خاطر سے محمد بن یاقوت کو بغداد سے باہر مدائن کی امارت پر بھیج دیا۔

وزیر حسین بن قاسم بھی مونس کا مخالف تھا۔ اس نے محمد بن یاقوت اور اس کے بیٹے کو مدائن سے ۔ ہارون بن عقیل کو وزیر عاقول سے بغداد میں بلایا۔ اور مونس کے خلاف سازش کرنے لگا۔ مونس کو یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ بھی وزیر کے ساتھ شریک ہے اور جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کے اشارہ سے کر رہا ہے اس لئے غضب ناک ہو کر اپنی فوج کو لے کر موصل کی طرف نکل گیا۔ وزیر نے اس کی ساری ملکیت پر قبضہ کر لیا جس سے بہت بڑی رقم حاصل ہوئی اور مقتدر خوش ہو گیا۔

مونس نے موصل پر قبضہ کر لیا۔ اطراف ودیار سے لوگ اس کے پاس مجتمع ہوئے۔ ناصر الدولہ بن حمدان بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ اس جمعیت کو لے کر اس نے بغداد پر چڑھائی کی ۔ مقتدر خوف کی وجہ سے بھاگنا چاہتا تھا۔ لیکن محمد بن یاقوت نے اس کی ہمت بڑھائی اور کہا کہ جب مونس کے ساتھی آپ کو دیکھیں گے تو فوراً اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے ۔ اور آپ کی اطاعت کریں گے۔ مونس جب قریب پہنچا تو محمد بن یاقوت مقابلہ کے لئے فوج لے کر چلا۔ مقتدر نہیں جانا چاہتا تھا لیکن اس کو بھی ساتھ لیا اس کے دائیں بائیں فقہاء اور قراہاتھوں میں مصاحف لئے ہوئے تھے۔

مونس نے محمد بن یاقوت کو شکست دے دی اس کے سرداروں میں سے علی بن بلیق مقتدر کے پاس آیا۔ اس کے پاؤں چومے ۔ اور کہا کہ آپ کیوں یہاں تشریف لائے جس نے یہ رائے دی نہایت احمق تھا۔ اسی اثناء میں چند مغربی اور بربری جو مونس کی فوج میں تھے برہنہ تلواریں لئے ادھر سے گذرے۔ ان میں سے ایک نے خلیفہ پر وار کیا وہ زمین پر گر گیا دوسرے نے اس کا سر کاٹ کر نیزہ پر رکھ لیا اور اس پر نفرین و لعنت کے آوازے بلند کئے۔ بربریوں نے خلیفہ کے تمام کپڑے یہاں تک کہ پاجامہ بھی اتار لیا کسی شخص نے برہنہ دیکھ کر ستر پوشی کے لئے اوپر سے گھاس ڈال دی۔ پھر وہیں ایک گڑھا کھود کر اس کو دفن کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۸ شوال ۳۲۰ھ مطابق یکم نومبر ۹۳۲ء کا ہے۔ مقتدر کی عمر اس وقت ۳۸ سال کی تھی۔ مونس نے اپنے سپاہیوں کو دوڑایا کہ وہ قصر خلافت کی حفاظت کریں کوئی اس کو لوٹنے نہ پائے۔

صفات مقتدر

مقتدر سایہ پروردہ تھا ہمیشہ حرم اور خواجہ سراؤں کی صحبت میں رہا۔ عقل و فہم ۔ اور علم و معرفت سے بے بہرہ ۔ بلید الطبع اور امور خلافت سے بے خبر تھا اس کے تمام عہد میں عورتوں کا غلبہ اور انہیں کی حکومت رہی جو اپنی فضول خرچیوں کو پورا کرنے کے لئے وزارتوں اور امارتوں کو بڑی بڑی قیمتوں پر بیچتی رہیں۔ اسی وجہ سے سلطنت میں نہایت خرابیاں پڑ گئی تھیں اور کوئی صیغہ ابتری سے خالی نہیں تھا۔

(۱۹) قاہر

(خلافت ۲۹ شوال ۳۲۰ھ سے جمادی الاول ۳۲۲ھ تک ایک سال چھ ماہ چھ دن)

ابو منصور محمد بن معتضد۔ یہ ایک بربریہ ام ولد قتول نامی کے بطن سے تھا۔ مقتدر نے چونکہ کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ اس لئے امراء نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ کس کو خلیفہ بنائیں۔ مونس نے کہا کہ مقتدر کا بیٹا ابوالعباس احمد نہایت نیک اور عاقل ہے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ اس سے سیدہ ام المقتدر بھی خوش ہو جائیں گی اور کوئی نزاع برپا نہیں ہو گی۔ ابو یعقوب بن اسماعیل نوبختی نے کہا کہ ایک مدت کے بعد ایسے خلیفہ سے رہائی ملی ہے جس کی ماں اور خالا وغیرہ کی امور سلطنت میں خود غرضانہ مداخلتوں سے ہم تنگ آگئے تھے لہذا اب پھر اسی حالت کو گوارہ نہیں کر سکتے۔ ہمارا خلیفہ ایک جوان عاقل و مدبر ہونا چاہئے جو خود سلطنت کے معاملات کو طے کرے نہ کہ نادان عورتوں پر چھوڑ دے۔ خلیفہ مکتفی کا بھائی محمد موجود ہے۔ کیوں نہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ مونس کا خیال تھا کہ وہ بدباطن اور حریص ہے لیکن ابو یعقوب نے اس کو راضی کر لیا۔ مونس نے محمد کو بلا کر پہلے اپنے اور اپنے چند ساتھیوں کے لئے عہد نامہ لکھوایا۔ اس کے بعد بیعت کی محمد کا لقب قاہر رکھا گیا اس نے ابن مقلہ کو وزیر اور ابن بلیق کو حاجب مقرر کیا۔

احوال داخلیہ

قاہر جیسا کہ مونس کا خیال تھا بدباطن نکلا۔ سب سے پہلے اس نے مقتدر کی اولاد اور اس کے متعلقین کے تمام اموال چھین لئے۔ سیدہ ام مقتدر اس زمانہ میں مرض استسقاء میں مبتلا تھی اس پر بیٹے کے قتل اور خاص کر اس خبر سے کہ لوگوں نے اس کو ذبح کر کے برہنہ خاک و خون میں ڈال دیا۔ اس کو اس قدر صدمہ پہنچا تھا کہ کھانا پینا ترک کر دیا تھا بڑی مشکلوں سے عورتوں کے کھانے سے تیسرے دن دو ایک لقمہ روٹی نمک کے ساتھ کھائی۔ اسی حالت میں قاہر نے اس سے کہا کہ سلطنت کی ساری دولت تم نے جمع کر رکھی ہے وہ ہمارے حوالہ کر دو۔ بولی کہ میرے پاس بجز سامان وغیرہ کے کچھ نہیں ہے۔ قاہر نے اس کو پٹوایا۔ سخت بے حرمتی کی اور ایسی بدترین سزائیں دیں جو لکھنے کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن اس کے پاس کچھ نقدی برآمد نہیں ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسرف عورت جس کی دست درازیوں سے سلطنت کا خزانہ خالی رہتا تھا جو کچھ لیتی تھی اس کو فضول خرچیوں میں اڑا دیتی تھی۔ قاہر نے کہا کہ تم نے جس قدر اوقاف کئے ہیں ان کو مسترد کرو۔ اس نے انکار کیا۔ اس پر اس نے خود قاضیوں کو بلا کر کہا کہ میں اس کے تمام اوقاف منسوخ کرتا ہوں پھر ان کو فروخت کر ڈالا۔

مقتدر کے قتل کے بعد اس کا بیٹا عبدالواحد۔ محمد بن یاقوت اور ہارون بن غریب وغیرہ چند امراء کے ساتھ واسط کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں سے اہواز میں پہنچا اور سلطنت کے عمال کو نکال کر اپنا عمل دخل قائم کیا۔ مونس نے ایک فوج بھیجی ان لوگوں نے مغلوب ہو کر امان طلب کی اور بغداد میں آگئے۔ قاہر محمد بن یاقوت سے راضی ہو گیا اور اس کو اپنے مقربین میں شامل کر لیا۔

مونس کو یہ معلوم ہوا کہ محمد بن یاقوت پھر میرے خلاف سازش کر رہا ہے اور خلیفہ کو بھی اس نے متفق کر لیا ہے اس لئے اس نے اپنے آدمی قصر خلافت پر متعین کر دیئے کہ کسی کو بلا تفتیش اندر نہ جانے دیں۔ قاہر پر یہ امر نہایت گراں گذرا۔ اس نے مونس کے خلاف تدبیر شروع کی ۔ ابن مقلہ وزیر کے کاتب کو وزارت کی امید دلا کر اپنے ساتھ ملا لیا اور اس کو اپنا رازدار بنایا۔

ابن مقلہ ۔ مونس ۔ ابن بلیق ۔ علی بن احمد زیرک صاحب شرطہ وغیرہ نے باہم مل کر یہ طے کیا کہ قاہر کو گرفتار کر لیں۔ لیکن وزیر کے کاتب نے اس کو اطلاع دے دی اس نے مونس کی فوج کو جو ساجیہ کہی جاتی تھی اپنے ساتھ ملا کر ان سب لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ صرف ابن مقلہ روپوش ہو کر بچ رہا۔ عجیب و غریب بات یہ ہوئی کہ طریف سبکری جو مونس کا ماتحت امیر تھا لیکن قاہر کے ساتھ مل گیا تھا اور اسی کوشش سے یہ سب لوگ پکڑے گئے تھے اس کو بھی قاہر نے قید کر دیا۔

ابن مقلہ راتوں کو بھیس بدل بدل کر ساجیہ فوج کے امراء سے ملتا تھا۔ اور ان کو قاہر کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ۵ جمادی الاول ۳۲۲ھ کو قصر خلافت پر یورش کی ۔ قاہر مخمور تھا۔ بھاگنے کے لئے دروازہ ہی ڈھونڈھتا رہ گیا۔ سپاہیوں نے پکڑ کر اس کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر دی۔

قاہر جامع عیوب تھا۔ ظالم ۔ بے وفا ۔ مکار ۔ اور اپنا سارا وقت غنا اور شراب میں برباد کرتا تھا۔

(۲۰) راضی

خلافت ۵ جمادی الاول ۳۲۲ھ سے ۱۵ ربیع الاول ۳۲۹ھ تک چھ سال دس مہینے دس روز۔

ابو العباس احمد بن مقتدر ۔ ظلوم نامی ایک کنیز کے شکم سے ۲۹۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔ قاہر کے قید ہونے پر ۵ جمادی الاول ۳۲۲ھ مطابق ۲۳ اپریل ۹۳۴ء کو امراء نے اس کو اور اس کی والدہ کو مجلس سے نکالا اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اور راضی باللہ لقب رکھا۔

وزارت

راضی کے آغاز عہد میں تمام امور وزیر ابن مقلہ اور محمد بن یاقوت کے اختیار میں تھے لیکن ان میں باہم عداوت ہو گئی کیونکہ محمد بن یاقوت اپنے استبداد سے سلطنت پر حاوی ہو گیا۔ ابن مقلہ کے ہاتھ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہا۔ اس نے خلیفہ سے ابن یاقوت کی شکایت شروع کی۔ خلیفہ نے ۳۲۳ھ میں محمد بن یاقوت اور اس کے بھائی مظفر کو جبکہ وہ دونوں دربار میں حاضر تھے ۔ گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا۔ محمد قید ہی میں مر گیا۔ لیکن مظفر کو ابن مقلہ نے اس بات کا عہد لے کر کہ وہ اس کی حمایت کرے گا آزاد کرا دیا۔

مظفر کو اس بات کا یقین تھا کہ ابن مقلہ نے میرے بھائی کو قید خانہ میں زہر دے کر ہلاک کرایا ہے اس لئے اس نے رہائی پا کر فوج کو اس کے خلاف بھڑکایا۔ انہوں نے ابن مقلہ کو پکڑ لیا اور خلیفہ کو مطلع کیا۔ مجبوراً اس نے بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور وزارت علی بن عیسیٰ کے سپرد کرنی چاہی۔ اس نے پیرانہ سالی کی وجہ سے انکار کیا۔ اس لئے اس کے بھائی عبدالرحمن کو اس منصب پر مقرر کیا۔ اس نے ابن مقلہ سے تاوان وصول کیا۔ عبدالرحمن نے خزانہ خالی ۔ ملک ویران اور سلطنت کے ہر شعبہ کو ابتر پایا۔ اس کو اصلاح سے سخت مایوسی ہوئی۔ اس لئے استعفا دیا۔ لیکن خلیفہ نے منظور نہیں کیا بلکہ اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اور اس سے ۷۰ ہزار اور اس کے بھائی علی بن عیسیٰ سے جس کے مشورہ سے اس کو وزیر بنایا تھا ایک لاکھ دینار جرمانہ وصول کیا۔

ابو جعفر

عبدالرحمن کے بعد ابو جعفر کرخی وزارت پر آیا۔ بیت المال کی ادھر یہ حالت تھی کہ ایک پیسہ اس میں نہیں تھا۔ ادھر محمد بن رائق والی بصرہ اور ابو عبداللہ بریدی والی اہواز دونوں نے اپنے اپنے یہاں کے خراج روک دیئے اور بویہ نے صوبہ فارس لے لیا۔ مطالبات کی کثرت اور بے مائگی سے ابو جعفر تنگ آکر تین مہینے کے بعد روپوش ہو گیا۔ اس کی جگہ پر ابو القاسم سلیمان بن حسن بلایا گیا۔ لیکن وہ بھی ایسی حالت میں کیا کر سکتا تھا۔

امیر الامراء

مجبور ہو کر خلیفہ نے ابن رائق سے خط و کتابت کی ۔ اس کو بغداد میں بلایا اور خلافت کے کل صوبوں کا دفتر خراج سپرد کر کے

اس کا لقب امیر الامراء رکھا۔ اب وزارت کا دفتر ٹوٹ گیا اور کل اختیارات ابن رائق کے ہاتھ میں آگئے۔ سارا مالیہ اسی کے پاس تھا۔ وہ جس طرح چاہتا صرف کرتا۔ خلیفہ کو بقدر گزارہ کے دے دیتا تھا۔

ابوالفتح جعفر بن فرات شام اور مصر کے خراج کا والی تھا۔ ابن رائق نے اس امید پر کہ وہ اگر بغداد میں وزارت پر آجائے تو ان صوبوں کا خراج بھی یہاں آنے لگے گا۔ خلیفہ کی طرف سے لکھا کہ تم آکر وزارت کا عہدہ اپنے ہاتھ میں لو۔ اس نے منظور کر لیا۔ خلیفہ نے ہیت میں اس کے استقبال کے لئے امراء کو بھیجا اور بغداد پہنچنے پر وزارت کا خلعت عطا کیا۔ وہ برائے نام خلیفہ کا اور حقیقت میں ابن رائق کا وزیر تھا۔

بریدی کو قابو میں لانے کے لئے خلیفہ کو اپنے ساتھ لے کر واسط کی طرف گیا۔ وہاں سے اس کے ساتھ خط و کتابت شروع کی۔ پھر اہواز کی طرف پیش قدمی کا اعلان کیا۔ بریدی نے سن کر یہ لکھا کہ اس طرف آنے کی ضرورت نہیں ہے میں سالانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار تیس ہزار ماہوار کے حساب سے بارہ قسطوں میں بھیجتا رہوں گا۔ خلیفہ نے منظور کر لیا اور بغداد میں واپس آگیا۔ لیکن بریدی نے ایک دینار بھی نہیں بھیجا۔ ابن رائق نے اس کو لکھا کہ تم وزارت پر آجاؤ اگر خود نہیں آسکتے ہو تو کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیج دو۔ اس نے احمد بن علی کوفی کو اپنی طرف سے بھیج دیا۔ ابن رائق نے اس کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ رکھا اور ازراہ تالیف قلب بریدی کے بھائی ابو یوسف کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا۔

ابو عبداللہ بریدی نے اس حکم کے مطابق اپنے بھائی کو ایک فوج دے کر بھیجا۔ اس نے آکر بصرہ پر قبضہ کیا۔ اب اہواز سے بصرہ تک بریدیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور انہوں نے اور بھی خود سری اختیار کی۔ ابن رائق نے مجبوراً بجکم دیلمی اور بدر خرشنی کو فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بجکم نے پہنچ کر سوس پر قبضہ کیا۔ پھر تستر پر بڑھا۔ ابو عبداللہ بریدی مع اپنے بھائی کے تین لاکھ درہم اور ساز و سامان لے کر کشتی میں سوار ہو کر بھاگا۔ راستہ میں کشتی ڈوب گئی اور بڑی مشکل سے یہ دونوں بھائی اپنی جانیں بچاسکے۔ ابلہ میں پہنچ وہاں سے اعیان اہل بصرہ کو ابن رائق کے پاس بھیجا کہ ہم معافی کے طالب ہیں۔ ہمارے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا جائے اور فوجیں واپس بلائی جائیں لیکن اس نے منظور نہیں کیا۔ اس لئے یہ دونوں اہل بصرہ کو اپنے ساتھ ملا کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور ابن رائق کی فوج کو شکست دے دی۔ آخر میں ابن رائق خود فوج لے کر آیا اور بجکم کو بھی جو اہواز پر قابض تھا بلایا لیکن بریدیوں سے ہزیمت اٹھا کر واپس گیا۔

بریدی نے عمادالدولہ بن بویہ کو عراق کی طمع دلا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس نے اپنے بھائی معزالدولہ کے ہمراہ فوج بھیجی جس نے بجکم کو اہواز سے نکال دیا وہ واسط میں آگیا۔ لیکن بریدی اور معزالدولہ میں زیادہ عرصہ تک صفائی نہیں رہ سکی۔ کیونکہ دونوں کے اغراض مختلف تھے ان کی باہمی منافست کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجکم نے سوس اور جندیسا پور پر قبضہ کر لیا۔ اہواز بریدیوں نے لیا اور صرف عسکر مکرم معزالدولہ کے ہاتھ آیا اس نے بریدیوں سے جنگ کی اور آخر ان کو اہواز سے نکال دیا۔

ابن رائق کا حال بغداد میں ابتر ہو گیا کیونکہ مال کی سخت قلت تھی ادھر اس کے خاص معتمد بجکم نے بھی واسط کا خراج بند کر دیا۔ اور ابن مقلہ کے توسط سے دربار خلافت میں اپنی امیر الامرائی کی کوشش کرنے لگا۔ خلیفہ نے منظور کر لیا۔ چنانچہ بجکم بغداد کی طرف آیا۔ ابن رائق نے مقابلہ میں صف آرائی کی لیکن شکست کھائی اور ۱۳ ذی قعدہ ۳۲۶ھ میں بجکم بغداد میں داخل ہو گیا۔ خلیفہ نے امیر الامرائی کا منصب اس کو عطا کیا۔ ابن رائق روپوش ہو گیا۔

۳۲۷ھ میں ناصر الدولہ بن حمدان نے موصل کا خراج روک دیا۔ بجکم خلیفہ کو ساتھ لے کر اس طرف گیا اور اس کو مغلوب کر کے رقم وصول کی۔ ادھر ابن رائق بغداد کو خالی پا کر ظاہر ہوا۔ اور اس پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ نے یہ سن کر ابن حمدان کے ساتھ ۵ لاکھ درہم پر صلح کر لی اور بغداد کی طرف پلٹا۔ ابن رائق نے خط بھیج کر صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ سفیروں کی آمد و رفت کے بعد خلیفہ

نے اس کو دیار مصر۔ حران۔ جند قنسرین اور عواصم کی ولایت پر بھیج دیا اور خود بغداد میں داخل ہوا۔ بجکم نے کوشش شروع کی کہ ابن بویہ سے اہواز اور جبل چھین لے۔ بریدی کو اپنے ساتھ متفق کیا۔ ایک فوج اس کی امداد کے لئے بھیجی اور لکھا کہ تم اہواز کی طرف بڑھو میں بلاد جبل پر حملہ کرتا ہوں لیکن چونکہ دلوں میں باہم صفائی نہیں تھی اس وجہ سے بجکم کو یہ خطرہ ہوا کہ اگر میں اس طرف گیا تو بریدی بغداد میں آکر امیر الامرائی حاصل کر لے گا۔ چنانچہ بجائے جبل کے واسط کی طرف گیا اور وہاں سے بریدی کو نکال دیا۔

مذہبی تنازعات

راضی کے عہد میں ادھر امراء میں یہ سیاسی لڑائیاں سلسلہ وار جاری تھیں ادھر خود پایہ تخت میں بربہاری حنابلہ کی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ احتساب انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جہاں کسی مطرب کو دیکھتے درے سے اس کی خبر لیتے۔ غناء کے آلات اور مزامیر توڑتے۔ کسی مرد کو اگر عورت کے ساتھ گزرتا ہوا دیکھتے تو اس سے قسم لیتے کہ محرم ہے ورنہ مجرم قرار دے کر کوڑے مارتے۔ بیع و شریٰ میں دست اندازی کرتے۔ شرابیوں کو سزائیں دیتے۔ اور شراب کے برتن توڑ ڈالتے غرض بغداد والے ان کی سخت گیریوں سے تنگ آگئے۔ بدر خرشنی نے ان شکایات کو سن کر شہر میں اعلان کرایا کہ دو حنبلی ایک ساتھ مل کر راستہ میں نہ چلیں۔ مذہبی بحثیں نہ کریں ان کے پیش نمازوں کی نمازوں میں شافعی مذہب کے مطابق اگر بسم اللہ جہر سے نہ کہیں تو امامت نہ کرنے پائیں۔ حنابلہ اس پر بہت برافروختہ ہوگئے اور مخالفت کی شافعیوں کا مسجدوں میں آنا بند کر دیا۔ اگر اتفاقیہ ان میں سے کوئی آجاتا تو اندھوں کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیتے جو اپنی لاٹھیوں سے مار کر اس کو گرا دیتے کبھی کبھی ہلاک بھی کر ڈالتے۔ خلیفہ راضی باللہ نے ایک فرمان ان کے نام جاری کیا جو ان کو سنایا گیا اس کا خلاصہ یہ تھا۔

تم دین کے نام سے جو حرکات کر رہے ہو نہایت ناشائستہ ہیں۔ تمہارا یہ اعتقاد کس قدر غلط ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنی منحوس اور ذلیل صورتوں کے مشابہ مانتے ہو۔ اس کے ہاتھ۔ پاؤں انگلیاں اور ہتھیلی وغیرہ نیز اس کے آسمان پر صعود اور نزول کے قائل ہو بہترین ائمہ پر طعنہ زنی کرتے ہو اور اپنی خرافات بدعات کی طرف جن پر نہ قرآن شاہد ہے نہ حدیث لوگوں کو بلاتے ہو۔ زیارت قبور سے تم کو انکار ہے مگر خود محض ایک معمولی شخص (بربہاری) کی قبر پر مجتمع ہوتے ہو اور اس کی طرف رسولوں کے معجزے اور اولیاء کی کرامات منسوب کرتے ہو حالانکہ نہ وہ شرفاء سے تھا نہ آل رسول میں سے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے تمہارے اعمال کو تمہاری نگاہوں میں پسندیدہ بنا رکھا ہے۔ اب امیر المومنین نے اس بات پر پختہ قسم کھائی ہے جس کا پورا کرنا لازم ہے کہ اگر تم اپنے اس غلط مذہب اور برے طریقے سے باز نہ آؤ گے تو وہ تمہارے مقابلہ میں تلوار سے کام لے گا۔ اور تم کو قتل منتشر اور متفق کر کے تمہارے گھروں میں آگ لگا دے گا۔

اس اعلان سے جو حنابلہ کی حرکات سے کچھ کم احمقانہ نہیں ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تنازعہ کس حد تک پہنچ گیا تھا اور جہاں فرقوں میں اس قسم کے مذہبی جھگڑے برپا ہو جائیں وہاں بجز ذلت اور خواری کے کسی فلاح اور بہبود کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

قرامطہ

یہ جماعت بدستور ملک میں فساد اور غارت گری میں مصروف تھی۔ حاجیوں کا قافلہ ان کا عزیز ترین شکار تھا۔

۳۲۲ھ میں محمد بن یاقوت نے ابو طاہر کے پاس لکھا کہ اگر تم خلیفہ کی اطاعت کر لو تو جس قدر حصہ ملک تمہارے قبضہ میں ہے اس کی ولایت کا فرمان تمہارے نام لکھوا دیا جائے اس سے یہ بھی درخواست کی کہ قافلہ حجاج کو نہ لوٹے اور حجر اسود کو خانہ کعبہ میں واپس کر دے۔ ابو طاہر نے لکھا کہ حاجیوں کے قافلہ کو میں نہیں لوٹوں گا لیکن حجر اسود بلا حکم امام مہدی عبید اللہ فاطمی کے واپس

نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تم بصرہ سے میرے لئے سامان رسد بھیجو تو میں ہجر میں تمہارے خلیفہ کا خطبہ جاری کر دوں۔ چنانچہ اس سال اس نے حاجیوں کو نہیں چھیڑا۔ مگر ۳۲۳ھ میں پھر لوٹ لیا اور اس سال اس کے خوف سے کوئی حج کو نہیں جا سکا۔ ۳۲۶ھ میں قرمطیوں میں خود باہمی فتنہ پڑ گیا جس کی وجہ سے ان کی قوت ٹوٹ گئی اور غارت گری اور فتنہ انگیزی میں کمی واقع ہو گئی۔

احوال خارجیہ

افریقہ میں عبید اللہ مہدی فاطمی کی طاقت بڑھ رہی تھی۔ مصر پر اس نے کئی بار چڑھائی کی۔ لیکن وہاں محمد اخشید بن طغج نے جو آل طولون کے موالی میں سے تھا۔ ۳۲۲ھ میں اپنی حکومت قائم کر لی جو ۳۵۸ھ تک اس کے اعقاب میں رہی اس کے بعد فاطمیوں نے لے لی۔

اخشیدی خاندان میں سے حسب ذیل ملوک ہوئے۔

(۱) محمد اخشید بن طغج	۳۲۳۔۳۳۴
(۲) ابو القاسم انور جور بن اخشید	۳۴۶
(۳) ابو الحسن علی بن اخشید	۳۵۵
(۴) ابو المسک کافور مولیٰ اخشید	۳۵۷
(۵) ابو الفوارس احمد بن علی بن اخشید	۳۵۸

رومیوں کی تاخت و تاراج بھی اسلامی سرحدوں پر سلسلہ وار جاری تھیں۔

صفات راضی

راضی نیک سیرت۔ فیاض اور صاحب علم تھا۔ علماء و فضلاء کی صحبت کو پسند کرتا تھا۔ ادب سے ذوق رکھتا تھا۔ اور شعر بھی کہتا تھا۔ اس کے اشعار کا ایک مجموعہ بھی مدون کیا گیا ہے۔ بغداد کی خلافت اگرچہ صرف نام کی رہ گئی تھی لیکن اس کے عہد تک دربار کے آئین و رسوم پرانے دستور کے مطابق تھے اور حشم و خدم و حجاب وغیرہ اپنے اپنے عہدوں پر تھے۔ یہی آخری عباسی خلیفہ ہے جس کے دربار میں خلافت کی شان کی جھلک کچھ باقی تھی۔ اور انتظام ملک میں بھی کسی قدر دخل رکھتا تھا۔ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ بھی پڑھتا تھا۔ اس کے بعد یہ سارے سلسلے ختم ہو گئے کیونکہ امیر الامرائی کا عہدہ اس کے زمانہ میں ایسا قائم ہو گیا کہ جملہ امور کا حل و عقد اسی کے اختیار میں چلا گیا اور خلیفہ کا کوئی نفوذ اور اقتدار باقی نہیں رہا۔

۱۵ ربیع الاول ۳۲۹ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۹۴۰ء کو راضی نے وفات پائی۔

(۲۱) متقی

(خلافت ۲۰ ربیع الاول ۳۲۹ھ سے ۲۰ صفر ۳۳۳ھ تک تین سال ۱۱ ماہ)

راضی کی وفات کے وقت بجکم واسط میں تھا وہاں سے اس نے اپنے وزیر ابو القاسم بن حسین اور دیگر امراء سے مشورہ کیا کہ کس کو خلیفہ بنائے ان سب لوگوں نے ابراہیم بن مقتدر کو منتخب کیا۔ چنانچہ ۲۰ ربیع الاول ۳۲۹ھ کو اس کی خلافت کی بیعت ہوئی اس کا لقب متقی للہ رکھا گیا۔ یہ مقتدر کی کنیز خلوب کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

احوال داخلیہ

بجکم امیر الامراء تھا۔ اس کی نیابت میں ابو عبداللہ کوفی جملہ امور خلافت انجام دیتا تھا۔ خلیفہ اور اس کے وزیر سلیمان کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ بریدی جو بجکم کا حریف تھا امیر الامرائی کی آرزو میں بصرہ سے ایک لشکر لے کر روانہ ہوا کہ بغداد پر قابض ہو جائے۔ بجکم نے اپنے سپہ سالار توزون کے ساتھ اس کی مدافعت کے لئے فوج بھیجی بریدی نے شکست دے دی اب بجکم خود روانہ ہوا۔ لیکن راستہ میں اس کو ایک کرد نے اچانک مار ڈالا۔ یہ قتل خلیفہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ بجکم کے گھر پر جب اس نے قبضہ کیا تو وہاں نقد اور سامان تقریباً دس لاکھ دینار کا ملا۔ بجکم کی امارت کا کل زمانہ دو سال آٹھ ماہ تھا۔ اس کی ہلاکت کے بعد دیالمہ بھی آکر بریدی سے مل گئے جس سے اس کی شوکت بڑھ گئی وہ ان کو ساتھ لئے ہوئے بغداد میں داخل ہوا۔ خلیفہ مقابلہ سے عاجز تھا اس لئے خیر مقدم کیا اور سلامتی کی مبارک باد دی۔

لیکن بریدی امیر الامرائی نہیں حاصل کر سکا کیونکہ اس کے ساتھی اس سے منحرف ہو گئے۔ اس لئے مجبوراً اس کو واپس جانا پڑا اور امیر کورتکین رئیس دیالمہ امیر الامراء ہو گیا۔ اس کی حکومت میں دیلمی بغداد میں ظلم و ستم کرنے لگے۔ باشندے ان کے ساتھ لڑنے کو تیار ہوئے۔ کورتکین ان جھگڑوں کو روک نہیں سکا اور عام خلفشار برپا ہو گیا۔ خلیفہ نے ابن رائق کو طلب کیا۔ کورتکین نے اس کے مقابلہ میں صف آرائی کی لیکن مقام عکبرا میں شکست کھائی۔ ابن رائق نے تقریباً چار سو دیلمیوں کو قتل کیا بقیہ کو امان دے دی۔ کورتکین بھاگ گیا۔ بریدی نے پھر بغداد پر ایک لشکر بھیجا۔ جس نے آکر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ اور ابن رائق دونوں بھاگ کر موصل کی طرف چلے گئے۔ بریدی کی فوج نے قصر خلافت، حرم اور امراء کے مکانات لوٹ لئے۔ درباریوں کو قتل کیا اور ظلم و ستم سے قیامت برپا کر دی یہاں تک کہ بہت سے لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر نکل گئے۔

متقی نے ناصر الدولہ بن حمدان والی موصل سے امداد چاہی وہ راضی ہوا لیکن اس خیال سے کہ ابن رائق کی موجودگی میں امیر الامرائی اس کو نہیں مل سکے گی اس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر خود مع اپنے بھائی کے فوج لے کر بغداد کی طرف چلا جب قریب پہنچا تو ابو الحسن بریدی وہاں سے نکل گیا۔ خلیفہ بغداد میں داخل ہوا اور ناصرالدولہ کو امیر الامرائی کا خلعت اور اس کے بھائی کو سیف الدولہ کا خطاب عطا فرمایا۔

بغداد سے سیف الدولہ بریدی کے تعاقب میں واسط کی طرف بڑھا۔ دوہی فرسخ پر مقابلہ ہو گیا۔ سخت جنگ کے بعد شکست کھائی اور مدائن میں چلا گیا۔ وہاں اس کے بھائی ناصر الدولہ نے تازہ دم فوج اس کے ساتھ کر دی اس نے جا کر بریدی کو شکست دی اور واسط پر قبضہ کر لیا۔ بریدی بصرہ کی طرف چلا۔ سیف الدولہ نے اس کا پیچھا کرنے کے لئے ناصر الدولہ سے مزید فوج کی درخواست کی اس نے دینے سے انکار کیا جس کی وجہ سے دونوں بھائیوں میں کشیدگی واقع ہو گئی۔ ناصرالدولہ امیر الامرائی کو چھوڑ کر موصل میں چلا گیا۔ متقی نے اس کی جگہ پر دیلمی سپہ سالار توزون کو بلایا لیکن اس کی جہالت اور سختی سے خود اس کو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ بغداد کو چھوڑ کر پھر موصل میں ناصرالدولہ کے پاس چلا گیا۔ توزون نے اس کا پیچھا کیا۔ تکریت میں سیف الدولہ نے خلیفہ کے حکم سے اس کو روکا۔ اور ہزیمت دی اس کے بعد موصل کی طرف گیا وہاں سے خلیفہ کو لئے ہوئے نصیبین کی طرف آیا اور توزون سے صلح کی مراسلت کی اس نے ۳۶ لاکھ درہم لے کر مصالحت کی اور خلیفہ کو امان دے کر بغداد میں بلایا۔ اس کی زمین بوسی کی اور اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا یقین دلایا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس کو اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا جنہوں نے ۲۰ صفر ۳۳۳ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۹۴۴ء کو اس کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر کر اندھا کر دیا اور تخت سے اتار دیا۔

(۲۲) مستکفی

خلافت ۲۰ صفر ۳۳۳ھ سے ۱۲ جمادی الثانی ۳۳۴ھ تک ایک سال تین ماہ اکیس روز

ابو القاسم عبداللہ مستکفی باللہ بن مکتفی بن معتضد۔ متقی کے بعد ۲۰ صفر ۳۳۳ھ کو توزون نے اس کو خلیفہ بنایا۔ اس کے عہد میں عباسی خلافت دیلمیوں کی ماتحتی میں آگئی اس لئے ان کا مختصر حال بیان کر دینا ضروری ہے۔

دیالمہ

بلاد دیلم جس کو جیلان بھی کہتے ہیں اور جس کا شہ نشین شہر رود بار تھا۔ بحر خزر کے جنوبی غربی ساحل پر واقع ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ ایران کا ایک صوبہ تھا لیکن یہاں کے باشندے دیالمہ کہے جاتے تھے جو نسل میں فارسی عنصر سے بالکل جداگانہ تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ خطہ اسلامی مفتوحات میں شامل ہوا۔ دیالمہ نے جزیہ پر صلح کر لی اور اپنی بت پرستی پر قائم رہے۔ اسلامی فتح سے ان کی شجاعت اور بسالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انہیں کے متصل بلاد طبرستان تھا۔ وہاں کے اکثر باشندوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔ دیالمہ ان کے ساتھ مصالحت رکھتے تھے اور باہم کسی قسم کی منازعت نہیں تھی۔ ابتدا سے عباسیوں کے عہد تک یہی حالت قائم رہی۔

خلیفہ مستعین عباسی نے جیسا کہ ہم اس کے عہد کے بیان میں لکھ چکے ہیں جب محمد بن طاہر کو حدود طبرستان کے قریب کلار اور سالوس جاگیر میں دیئے اور اس کے کارندہ جابر بن ہارون نے وہاں جا کر ان کے ساتھ ان زمینوں اور چراگاہوں پر بھی قبضہ کر لیا جن میں طبرستانیوں کے مویشی چرا کرتے تھے تو وہ لوگ مخالفت پر آمادہ ہوئے حسن بن زید کو جورے میں مقیم تھا بلا کر اپنا امیر بنایا اور دیلمیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس وقت سے حسن نے آل طاہر کے عمال کو وہاں سے نکال دیا۔ ۲۷۱ھ میں اس نے انتقال کیا اس کی جگہ اس کا بھائی محمد بن زید امیر ہوا۔ لیکن اس کا عہد اضطراب میں گذرا یہاں تک کہ ۲۸۷ھ میں وہ قتل کر دیا گیا۔ حسن اور محمد کی وجہ سے بلاد دیلم میں اسلام پھیل گیا اس کے بعد ایک شخص حسن بن علی اطروش اس ملک میں پہنچا اس نے متواتر تیرہ سال تک اسلام کی تبلیغ کی جس سے دیالمہ کثرت کے ساتھ اس دین میں داخل ہوگئے اور جابجا مسجدیں تعمیر ہونے لگیں۔

حدود دیلم پر آل سامان کے متعدد حصار تھے۔ خاص کر سالوس میں نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ دیلمیوں کے اسلام لانے کے بعد ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور وہ ڈھا دیئے گئے۔

طبرستان میں آل سامان کے عمال ظلم و ستم کرتے تھے۔ اطروش نے دیالمہ کو ابھارا کہ ان کو نکال دیں لیکن وہ اس وجہ سے راضی نہیں ہوئے کہ عبداللہ بن محمد بن نوح امیر طبرستان نے ان کے ساتھ سلوک کئے تھے۔ عبداللہ کی موت کے بعد وہاں ایک دوسرا والی آیا جس نے دیالمہ کے ساتھ بدسلوکی کی اور ان سے تعلقات منقطع کر لئے۔ اطروش نے موقع پا کر ان کو اکسایا۔ لیلے بن نعمان اور ماکان بن کالی دیلمیوں کے دو امیر اپنی قوم لے کر طبرستان کی طرف بڑھے اور اس پر اطروش کے نام سے قبضہ کر لیا۔

اطروش ۳۰۴ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد طبرستان اس کے دونوں بیٹوں حسن اور ابو القاسم کے ہاتھ میں رہا۔ لیکن اصلی فرمانروا اطروش کا داماد حسن بن قاسم داعی تھا۔ اس نے ۳۰۹ھ میں لیلے بن نعمان کو نیشاپور کی طرف بھیجا کہ آل سامان کے ہاتھوں سے اس کو چھین لے وہاں سخت جنگ ہوئی جس میں لیلے مقتول ہوا اور اس کی فوج ہزیمت اٹھا کر بھاگی۔ سامانیوں نے بڑھ کر جرجان پر بھی قبضہ کر لیا۔ ماکان بن کالی جو لیلے کے بعد دیالمہ کا سب سے بڑا سردار ہو گیا تھا اپنی جماعت کو لے کر آیا۔ سامانی جرجان چھوڑ کر چلے گئے۔ اس نے وہاں اپنے بھائی ابوالحسن کو والی مقرر کر دیا۔

ماکان کی جمعیت میں ایک شخص اسفار بن شیرویہ نہایت تند مزاج اور بدسیرت تھا اس وجہ سے نکال دیا گیا وہ آل سامان کے نائب بکر بن محمد والی نیشاپور کے پاس چلا گیا اس نے فوج دے کر اس کو جرجان کی طرف بھیجا۔ وہاں اس نے قبضہ کر لیا۔ ماکان کا بھائی ابوالحسن خود اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اسفار نے جرجان میں قدم جما کر مرداویج بن زیار جیلی کو جو ایک نامی دیلمی رئیس تھا بلا کر اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے طبرستان پر قبضہ کیا حسن بن قاسم داعی اس وقت رے میں تھا۔ وہاں سے فوج لے کر آیا۔ ساریہ کے متصل فریقین کا مقابلہ ہوا حسن مارا گیا اور اس کی فوج نے شکست کھائی۔ اب طبرستان۔ رے۔ جرجان۔ قزوین۔ زنجان۔ ابہر۔ قم۔ اور کرج وغیرہ سب اسفار کے قبضہ میں آگئے لیکن چونکہ وہ آل سامان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اس وجہ سے ان کے ماتحت رہا۔ ساریہ کو اپنا مرکز بنایا۔ تھوڑے دنوں کے بعد حدود دیلم کے سب سے نامی قلعہ الموت پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس وسیع حکومت کے قائم ہو جانے کے بعد اس کے دل میں خود مختاری کی خواہش پیدا ہوئی اور چاہا کہ مقام رے میں سونے کا تخت اور تاج بنوا کر اپنے استقلال کا دعویٰ کرے۔ سعید بن نصر والی بخارا نے یہ سن کر اس پر چڑھائی کی۔ اسفار نے دب کر صلح کر لی اور اپنے مقبوضات میں سامانی خطبہ اور سکہ بحال رکھا۔ اسفار کی سخت مزاجی کی وجہ سے اس کے تمام امراء اس سے بیزار ہو گئے۔ آخر کے مشورہ سے مرداویج سپہ سالار نے ۳۱۶ھ میں اس کو قتل کر ڈالا اور خود امیر بن گیا اس کے حسن خلق کی وجہ سے دیالمہ اس کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور اس کی شوکت اور قوت بڑھ گئی رعب اس قدر تھا کہ بجز حاجبوں کے اس کے دربار میں کسی کو لب کشائی کی طاقت نہیں تھی۔ شاہانہ مرصع تاج سر پر رکھتا تھا اور سونے کے تخت پر جلوس کرتا تھا۔ فوجیں دو رویہ صف بستہ کھڑی رہتی تھیں۔

اس نے ہمدان پر بھی قبضہ کر لیا۔ پھر اصفہان اور اہواز بھی لے لیا۔ اور خلیفہ مقتدر کو لکھا کہ ان کا خراج دو لاکھ درہم سالانہ بھیجا کروں گا۔ اس کے لئے سوائے منظوری کے کیا چارہ تھا۔ ۳۲۰ھ میں بلاد جیلان سے اپنے بھائی دشمگیر کو بھی بلا لیا اسی اثنا میں اعیان دیلم میں سے بویہ دیلمی کے تین بیٹے علی حسن اور احمد جو ماکان بن کالی کی فوج میں تھے مرداویج کے پاس آگئے اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ اور علی بن بویہ کو کرج کا عامل مقرر کر کے بھیج دیا۔ یہی شخص دولت دیالمہ کا بانی ہے۔

ابن ہلال صابی نے کتاب التاج میں بویہ کے نسب کو بہرام گور تک پہنچایا ہے اس پر ابو ریحان بیرونی لکھتا ہے کہ سلطنت حاصل کرنے کے بعد حاشیہ نشین بادشاہوں کے شجرہ نسب کو اسی طرح مرتب کر لیتے ہیں۔ ورنہ دیالمہ میں سلسلہ نسب یاد رکھنے کا مطلق دستور نہ تھا لیکن خود اس نے اپنی کتاب آثار الباقیہ میں جس کو شمس المعالی نے قابوس بن دشمگیر کے نام پر لکھا ہے دشمگیر دیلمی کے نسب کو ایک طرف سے اسپہد طبرستان اور دوسری طرف سے نوشیرواں کے باپ قباد سے لے جا کر ملایا ہے۔

علی بن بویہ نے اپنے جود و کرم سے اہل کرج کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ مرداویج اس کی طرف سے بدگمان ہوا اور چاہا کہ اس کو کسی بہانہ سے بلا کر قید کر دے لیکن وہ نہیں آیا اور شیرازد کو جو دیالمہ کا ایک نامی سردار تھا اپنے ساتھ ملا کر اصفہان کی طرف بڑھا۔ اور اس پر قبضہ کر لیا۔ مرداویج نے اس کے مقابلہ کے لئے اپنے بھائی دشمگیر کو فوج کے ساتھ بھیجا علی بن بویہ اصفہان چھوڑ کر ارجان کی

طرف چلا۔ وہاں کا امیر ابو بکر بن یاقوت تھا۔ وہ رامہرمز کی طرف بھاگ گیا اس لئے اس نے ذی حجہ ۳۲۰ھ میں بلا مزاحمت اس پر قبضہ کیا اور سامان رسد وغیرہ حاصل کر کے اپنی فوج کو قوی بنا لیا۔

شیراز سے ابو طالب زید بن علی نے اس کو بلایا کہ یہاں بھی آکر قبضہ کر لو۔ امیر یاقوت تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا علی ارجان سے کوچ کر کے ربیع الثانی ۳۲۱ھ کو نو بند جان میں آیا۔ وہاں یاقوت کے مقدمہ فوج سے مقابلہ ہوا۔ علی نے اس کو شکست دی اس کے چھوٹے بھائی احمد نے جس کا سن اس وقت ۱۹ سال سے زائد نہ تھا اس معرکہ میں بے نظیر شجاعت کا اظہار کیا جس سے اس کا نام روشن ہو گیا اس کے بعد شیراز پر جاکر قبضہ کیا۔

۔ علی کے عدل و انصاف ۔ حسن خلق ۔ اور برتاؤ کی وجہ سے ہر جگہ کے لوگ اس سے خوش ہوئے خلیفہ راضی کو وزیر ابن مقلہ کے توسط سے اس نے دس لاکھ درہم بھیجے اور لکھا کہ آستانہ خلافت کا میں خادم اور مطیع ہوں۔ خلیفہ نے ان تمام ممالک کی ولایت کا فرمان اس کے نام لکھ دیا جو اس کے قبضہ میں تھے اور خلعت و لواء امارت بھی بھیج دیا۔ مرداویج کو اس سے سخت قلق ہوا اس نے اپنے بھائی دشمگیر کو جو اصفہان میں پڑا ہوا تھا لکھا کہ تم اس طرف سے علی پر حملہ کرو میں اس طرف سے آتا ہوں۔ دشمگیر نے شوال ۳۲۲ھ میں رامہرمز اور اہواز پر قبضہ کر لیا۔ علی نے اس کے پاس تحفے اور ہدیے بھیج کر صلح کر لی۔ مرداویج اپنے ہم قوموں کو ترکی امراء پر ترجیح دیتا تھا اس وجہ سے ان میں رشک پیدا ہوا اور انہوں نے ۳۲۳ھ میں اس کو قتل کر ڈالا اس میں بجکم اور توزون جن کے تذکرے بغداد کی امیر الامرائی کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔ نیز باروق اور ابن بغرا محمد بن نیال ترجمان وغیرہ شریک تھے۔

اس کے قتل کے بعد ترکوں کی ایک جماعت بجکم کے ساتھ بلاد جبل میں رہی اور دوسری ابن بویہ کے پاس آگئی ۔ دیالمہ رے میں جاکر دشمگیر کی فوج میں شامل ہو گئے۔

اب بلاد عجم میں تین قوتیں جو ایک دوسری کی حریف تھیں قائم ہو گئیں۔

(۱) علی بن بویہ فارس میں

(۲) دشمگیر رے میں

(۳) آل سامان ۔ ماوراء النہر و خراسان میں

ان تینوں میں سے ابن بویہ کی قوت میں نشو و نما کا مادہ زیادہ تھا اور وہ روز افزوں ترقی پر تھی اس نے اپنے بھائی حسن کو بھیج کر اصفہان پر بھی قبضہ کر لیا پھر دشمگیر کے ساتھ متعدد لڑائیاں کر کے ہمدان ۔ قم کاشان ۔ رے ۔ کرج اور قزوین وغیرہ پر تسلط حاصل کر لیا۔ عراق میں خلیفہ کی قوت سخت کمزور تھی علی نے اپنے بھائی احمد کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے بجکم کو شکست دے کر وہاں قبضہ کر لیا۔ وہ واسط کی طرف چلا گیا احمد چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب کرے لیکن اسی درمیان میں امراء بغداد کے خطوط اس کو ملے کہ یہاں آکر قبضہ کرو۔ چنانچہ جمادی الثانی ۳۳۴ھ کو وہ بغداد میں داخل ہوا۔ خلیفہ مستکفی نے اس کا استقبال کیا اس نے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ خلیفہ نے اس کی سلطنت کو تسلیم کر لیا اور علی کو عماد الدولہ حسن کو رکن الدولہ احمد کو معزالدولہ کے خطابات عطا کئے اور سکوں پر ان کے نام نقش کرنے کا حکم دیا۔

اس دن سے خلافت عباسیہ کا نیا دور شروع ہوا۔ جس میں سلطنت خلیفہ کے ہاتھ سے بالکل نکل گئی ۔ وہ محض ایک دینی رئیس رہ گیا اور اس کی حکومت اس کے محل کی چار دیواری میں محدود ہو گئی ۔ بنی بویہ چونکہ مذہباً شیعہ تھے اس لئے معزالدولہ کی یہ خواہش تھی کہ بنی عباس سے خلافت کو نکال کر کسی علوی کو خلیفہ بنائے لیکن ایک راز دار نے مشورہ دیا کہ یہ مناسب نہیں ہے ۔ کیونکہ عباسیوں کے خلافت کو نہ تم کچھ سمجھتے ہو نہ تمہاری فوج ۔ اس وجہ سے اگر کسی وقت تم خلیفہ کے قتل یا قید کا حکم دو گے تو کوئی چون و چرا نہیں کرے گا۔ بخلاف اس کے اگر کسی علوی کو خلیفہ بنا دیا تو چونکہ تمہارے عقیدے میں اس کی خلافت صحیح ہو گی اس لیے

اگر کسی وقت وہ تمہارے قتل کا حکم دے گا تو خود تمہاری فوج اس کی تعمیل کے لئے تیار ہو جائے گی۔ معزالدولہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ خلافت عباسیہ کو باقی رکھا اور خلیفہ کے گزارہ کے لئے جاگیر مقرر کر دی۔

اس وقت ممالک اسلامیہ کی سیاسی حالت یہ تھی۔

(۱) اندلس میں بنی امیہ کی سلطنت تھی قائم بالامر عبدالرحمن ناصر تھا جس نے خلافت کا دعوی کر دیا تھا۔

(۲) افریقہ میں ادارسہ اور اغالبہ کے کھنڈروں پر دولت فاطمیہ قائم ہو چکی تھی یہ لوگ بھی خلافت کے مدعی تھے اور اپنے کو امیر المومنین کہتے تھے۔ عبیداللہ المہدی بانی دولت فاطمیہ کے انتقال کے بعد دوسرا فاطمی خلیفہ اسماعیل منصور تھا۔

(۳) مصر میں دولت اخشیدی قائم تھی اس خاندان کا دوسرا فرمانروا انو جور بن محمد اخشید تخت پر تھا یہاں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

(۴) حلب کا امیر سیف الدولہ علی بن عبداللہ بن حمدان تھا۔ یہ بھی خلیفہ عباسی کا نام خطبہ میں لیتا تھا۔

(۵) جزیرہ فراتیہ میں ناصر الدولہ حسن بن عبداللہ حمدانی کی حکومت تھی۔ خطبہ خلیفہ عباسی کا تھا۔

(۶) عراق بنی بویہ کے قبضہ میں تھا یہاں پہلے خلیفہ عباسی پھر معزالدولہ کا نام خطبوں میں لیا جاتا تھا۔

(۷) عمان۔ بحرین۔ یمامہ اور سواد بصرہ میں قرامطہ کا تسلط تھا جو فاطمی امام کا خطبہ پڑھتے تھے۔

(۸) فارس اور اہواز میں خلیفہ عباسی اس کے بعد علی بن بویہ عمادالدولہ کا ذکر خطبہ میں ہوتا تھا بنی بویہ میں چونکہ یہ سب سے بڑا تھا اس لئے امیر الامراء کہا جاتا تھا۔

(۹) بلاد جبل اور رے میں خلیفہ اور رکن الدولہ حسن بن بویہ کا نام لیا جاتا تھا۔

(۱۰) جرجان اور طبرستان آل سامان اور دشمگیر کی باہمی منازعات کے جولانگاہ تھے۔

(۱۱) خراسان اور ماوراء النہر جس کا صدر مقام بخارا تھا بنی سامان کے زیر حکومت تھے ان میں بھی عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری تھا۔

یہ تمام بڑی بڑی قوتیں جو پہلے ایک نظام میں منسلک اور ایک مرکز سے وابستہ تھیں۔ اب بالکل ایک دوسرے سے الگ۔ بلکہ باہمدگر برسر پرخاش تھیں اور امت اسلامیہ کا سارا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ ان میں سے صرف دولت حمدانیہ عربی تھی لیکن وہ بھی خود مختار نہیں تھی اور ترکی امراء اس پر مسلط ہو گئے تھے۔

خلع مستکفی

معزالدولہ کے بغداد میں آنے کے بعد مستکفی چالیس دن سے زیادہ خلیفہ نہیں رہ سکا کیونکہ اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ معزالدولہ کے خلاف سازش کر رہا ہے اس وجہ سے ۱۲جمادی الثانی ۳۳۴ھ میں تخت سے اتار دیا گیا پہلے دو دیلمی خلیفہ کے پاس گئے اس نے خیال کیا کہ یہ میرے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہتے ہیں اس لئے ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے اس کو پکڑ کر تخت سے نیچے کھینچ لیا اور اس کا عمامہ کمر میں ڈال کر پیادہ معزالدولہ کے پاس لے گئے وہاں قید کر دیا گیا۔ دیلمیوں نے قصر خلافت کو لوٹ لیا۔

(۲۳) مطیع

خلافت ۱۲ جمادی الثانی ۳۳۴ھ سے ۱۵ ذی قعدہ ۳۶۳ھ تک ۲۹ سال ۴ ماہ ۲۸ روز

فضل بن مقتدر بن معتضد خلیفہ مستکفی کا چچا زاد بھائی تھا۔ ۱۲ جمادی الثانی ۳۳۴ھ مطابق ۲۹ جنوری ۹۴۶ء کو خلیفہ بنایا گیا اس کا لقب مطیع اللہ رکھا گیا۔ معاملات حکومت کل بنی بویہ کے ہاتھ میں تھے ان میں اس کو مطلق دخل نہ تھا۔ اس کے عہد میں معزالدولہ اور پھر اس کا بیٹا عزالدولہ بختیار حاکم رہا۔

معزالدولہ

احمد بن بویہ فاتح عراق۔ یہ اپنے دونوں بھائیوں عماد الدولہ علی بن بویہ والی فارس اور رکن الدولہ حسن بن بویہ فرماں روائے رے سے چھوٹا تھا اس کے عہد میں عراق جو غلہ کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا کا خرمن تھا۔ بالکل ویران ہو گیا۔ جس کے متعدد اسباب تھے۔

(۱) معزالدولہ نے عراق کے سارے علاقہ کو اپنی فوج کے امراء میں تقسیم کر دیا ان لوگوں نے کاشتکاروں پر اس قدر مظالم کئے کہ وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں نکل گئے۔

(۲) معزالدولہ کی فوج میں دیالمہ تھے ان میں اور ترکوں میں عداوت پیدا ہو گئی انہوں نے باہم لڑائی اور لوٹ مار شروع کر دی جس کی وجہ سے قافلوں کی آمد اور تجارت بالکل بند ہو گئی خود بغداد میں غلہ اس قدر گراں ہو گیا کہ وہاں کے لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے اور بھوک کی شدت سے بہت سی مخلوق مر گئی۔

(۳) بغداد میں بالعموم اہل سنت تھے جو صحابہ کرام کا احترام کرتے تھے معزالدولہ نے عاشورہ کے دن حکم دیا کہ سب لوگ دکانیں بند رکھیں اور امام حسینؓ کا ماتم کریں۔ عورتیں اپنے بالوں کو کھول کر نوحہ کرتی ہوئی نکلیں اسی طرح ۱۸ ذی حجہ کو عید غدیر کے جشن منانے کا فرمان شائع کیا لوگ چونکہ ان باتوں کو دین کے خلاف سمجھتے تھے اور ان سے جبراً اس کی تعمیل کرائی جاتی ہے اس وجہ سے شورشیں برپا ہوئیں اور اضطراب رونما ہوے۔ جابجا باہم لڑائیاں ہونے لگیں۔ معزالدولہ نے اس پر اور سختی کی۔ چنانچہ ۳۵۱ھ میں مساجد میں صحابہ کبارؓ پر لعنتوں کے اعلانات چسپاں کرائے اس شیعیت کے غلبہ کی وجہ سے بہت سے اہل سنت وہاں سے ہجرت کر گئے۔

(۴) ہر طرف سے معزالدولہ کے دشمن کھڑے ہو گئے جن سے سلسلہ وار لڑائیاں ہونے لگیں ان کی وجہ سے ملک میں سخت ابتری پھیل گئی۔

شمال میں موصل کا رئیس ناصر الدولہ تھا جو معزالدولہ کی سلطنت لینا چاہتا تھا جنوب میں بریدی بصرہ کا امیر بھی اگرچہ بنی بویہ کا ماتحت تھا لیکن استقلال کا خواہاں تھا۔ بحرین کے قرمطی بھی معزالدولہ کے دشمن تھے۔ چنانچہ جب اس نے متعدد جنگوں کے بعد بریدی کو بصرہ سے نکال دیا تو اس نے ہجر میں جا کر قرامطہ کے پاس پناہ لی وہ امیر عمان کے ساتھ بصرہ پر حملہ آور ہوئے اور وہاں

معزالدولہ کی فوج کے ساتھ نہایت خوں ریز جنگ کی۔ ان پر مزید یہ کہ واسط اور بصرہ کے درمیان مقام بطیحہ میں عمران بن شاہین نے اپنی حکومت ۳۲۹ھ سے قائم کر رکھی تھی۔ معزالدولہ کی فوجیں اس کے مقابلہ سے عاجز آگئیں یہ حکومت ۴۰۸ھ تک رہی۔ امراء کے نام یہ ہیں۔

(۱) عمران بن شاہین	۳۲۹-۳۶۹
(۲) حسن بن عمران	۳۷۲
(۳) ابو الفرج بن عمران	۳۷۳
(۴) ابو المعالی بن حسن	۳۷۳
(۵) مظفر وزیر	۳۷۶
(۶) مہذب الدولہ ابو الحسن	۴۰۸
(۷) ابن مہذب الدولہ	۴۰۸
(۸) عبداللہ بن نسی	۴۰۸

الغرض معزالدولہ کا سارا عہد بغداد میں اضطراب اور مصیبت کا عہد تھا۔ اسی کے زمانہ ۳۳۸ھ میں عماد الدولہ علی بن بویہ اصطخر میں انتقال کر گیا چونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا اس وجہ سے اس نے اپنے بھتیجے فناخسرو پسر رکن الدولہ کو جانشینی کے لئے بلا لیا اس کے بعد وہی فارس کا بادشاہ ہوا اس کا لقب عضد الدولہ رکھا گیا۔ معزالدولہ نے ۱۲ ربیع الاول ۳۵۶ھ میں وفات پائی اس کا جانشین اس کا بیٹا بختیار ہوا۔

عزالدولہ بختیار

اس کے زمانہ میں حالات پہلے سے بھی زیادہ بدتر ہوگئے کیونکہ لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا اور عورتوں میں اپنا وقت گزارتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے دونوں وزیر ابو الفضل عباس بن حسین اور محمد بن عباس بھی اس سے برگشتہ ہوگئے۔ اس کے عہد میں ناصر الدولہ حمدانی والی موصل کو خود اس کی اولاد نے قتل کر ڈالا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ابو تغلب رئیس ہوا۔ عزالدولہ نے اس پر ۱۲ لاکھ درہم سالانہ خراج لگایا۔ والی حلب سیف الدولہ بھی گزر گیا یہی عربی کے مشہور شاعر متنبی کا ممدوح ہے اس کا جانشین اس کا بیٹا ابو المعالی شریف ہوا مصر میں کافورا خشیزی نے بھی ۳۵۶ھ میں انتقال کیا اس کی وفات سے فاطمیوں کو جو تاک میں لگے ہوئے تھے موقع مل گیا۔ چنانچہ معزالدین فاطمی نے اپنے سپہ سالار جو مہ صقلی کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے ۳۶۱ھ میں وہاں فاطمی خلافت کا جھنڈا گاڑ دیا۔ رکن الدولہ اور دشمگیر میں جنگ جاری تھی۔ ۳۵۷ میں دشمگیر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بے ستون تخت نشین ہوا اس کے ساتھ بھی لڑائی ہوتی رہی۔

احوال خارجیہ

اسلامی حدود کی حفاظت سیف الدولہ حمدانی کرتا تھا کیونکہ وہ مقامات اسی کے قبضہ میں تھے چنانچہ وہ اور اس کا غلام نصر دونوں باری باری سے رومیوں کے مقابلہ میں جاتے تھے لیکن ان کی قوت ایسے دشمن کی مدافعت کے لئے جن کے واسطے خلافت اسلامیہ خاص اہتمام کیا کرتی تھی کافی نہیں تھی۔ ۳۳۵ھ میں سیف الدولہ نے خود فوج لے کر رومیوں پر چڑھائی کی۔ واپسی میں انہوں نے اس کا راستہ روک کر فوج کو قتل کر ڈالا وہ ایک مختصر جماعت کے ساتھ مشکل سے اپنی جان بچا سکا۔ ۳۴۱ھ میں رومیوں نے شہر سروج پر یورش کرکے باشندوں کو قتل و غارت کیا اور مسجدوں کو ڈھا دیا۔

۳۴۳ھ میں سیف الدولہ نے ان پر چڑھائی کی اور غرشنہ تک پہنچ گیا اس کی واپسی کے بعد رومی دیار ربیعہ تک آگئے۔ میافارقین میں آگ لگا دی ادھر بحری راستہ سے طرسوس پہنچ کر اس کو جلا دیا اور ۱۸۰۰ مسلمانوں کو ہلاک کر ڈالا ۳۴۸ھ میں مقام رہا کو لوٹ لیا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کر کے چلے گئے ان کا ایک آدمی بھی زخمی نہیں ہوا۔ کیونکہ کوئی مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔

۳۴۹ھ میں سیف الدولہ انتقام لینے کی غرض سے ان کے ملک میں بڑھا اور دور تک چلا گیا۔ واپسی میں رومیوں نے ایک درہ میں اس کا راستہ روک لیا۔ مسلمان امراء نے دوسری طرف سے نکل چلنے کی رائے دی لیکن سیف الدولہ نے اپنے استبداد کی وجہ سے ان کے مشورہ کو قبول نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری فوج ہلاک ہو گئی اور خود محض تین سو آدمیوں کے ساتھ بچ کر آیا۔ ۳۵۰ھ میں انطاکیہ کے متطوعین کی ایک جماعت روم کی طرف بڑھی لیکن وہ کمین گاہوں میں چھپے ہوئے تھے اچانک حملہ کر کے زیادہ حصہ کو قتل اور بقیہ کو گرفتار کیا۔

۳۵۱ھ میں دمستق عین زربہ کی طرف حملہ آور ہوا۔ ۵۴ اسلامی قلعے فتح کر لئے اور لاکھوں مسلمانوں کو بے خانماں کر دیا۔ اس کے بعد حلب کی جانب آیا۔ سیف الدولہ نے شکست کھائی اور اس کے اکثر اقربا مقتول ہوئے۔ دمستق نے اس کا سارا مال و متاع لوٹ لیا گھر کو بھی منہدم کرا دیا نو روز تک شہر کو غارت کیا جس قدر سامان لے جا سکتا تھا لے گیا بقیہ کو آگ لگا دی اور مسلمانوں کے ۱۲ ہزار بچوں کو پکڑ کر لے گیا۔ ۳۵۳ھ میں اس نے مصیصہ کا محاصرہ کیا۔ جابجا سے مسلمان رضاکاروں کی جماعت مقابلہ کے لئے آئی۔ پانچ ہزار مجاہد خراسان سے پہنچے۔ سیف الدولہ خود ان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ رومی وہاں سے جا چکے تھے اس لئے یہ جماعت واپس چلی آئی ادھر انہوں نے جا کر طرسوس کا محاصرہ کر لیا تین مہینے تک باشندے مدافعت کرتے رہے کہیں سے کوئی امداد نہیں پہنچی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد کی۔ رومیوں میں وبا پھیل گئی جس کی وجہ سے وہ محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔

۳۵۴ھ میں قیصر نے مصیصہ کو فتح کر لیا وہاں کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کر ڈالا اور بقیہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ جن کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی پھر طرسوس کا محاصرہ کیا اہل طرسوس نے امان طلب کی جو اس نے منظور کی لیکن شہر کا دروازہ کھول دیا گیا تو حکم دیا کہ جو شخص جس قدر اپنا مال اٹھا سکتا ہے لے کر یہاں سے نکل جائے چنانچہ لوگ انطاکیہ کی طرف چلے گئے اس نے جامع مسجد کو توڑ دیا اس میں گھوڑے باندھے بعض بعض مسلمانوں نے اس مصیبت میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ آنکھوں کے سامنے سرحد کے مسلمانوں پر یہ واقعات گزر رہے تھے لیکن مسلمان وزراء اپنے ذاتی اغراض کے لئے باہمد گر برسرپیکار تھے اور کوئی اس دشمن کی مدافعت کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔

۳۵۸ھ میں قیصر شام میں آیا۔ طرابلس کو جلا دیا۔ قلعہ عرقہ کو فتح کیا پھر حمص میں پہنچ کر آگ لگا دی اور ساحلی بستیوں کو غارت کر ڈالا۔ مگر کوئی مقابلہ کے لئے نہیں گیا۔ اس حملہ میں اس نے جس قدر مسلمانوں کو لوٹا یا قتل کیا ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک لاکھ سے زیادہ ان بچوں کی تعداد تھی جن کو پکڑ کر لے گیا اور نو عمروں کے علاوہ کسی کو گرفتار بھی نہیں کرتا تھا۔ بالعموم جوانوں کو قتل اور بڈھوں کو نکال دیتا تھا۔

رومیوں کی ان دست اندازیوں سے عالم اسلامی میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ امام ابو بکر محمد بن اسماعیل بن قفال مروزی شافعی یہ دیکھ کر کہ بنی بویہ قصداً رومیوں کے مقابلہ سے گریز کرتے ہیں۔ مشرق میں نفیر عام کا اعلان کیا۔ اور بیس ہزار مجاہدین کی جماعت کو لے کر مغربی مسلمانوں کی حمایت کے لئے روانہ ہوئے راستہ بلاد جبل میں سے گزرتا تھا رکن الدولہ دیلمی نے ازراہ عداوت ان کو روک دیا انہوں نے ہرچند کہا کہ تم سے ہم کو کوئی غرض نہیں ہم رومیوں کی مدافعت کے لئے جاتے ہیں لیکن اس نے نہیں مانا اور فوج لے کر منتشر کر دیا۔ مجبوراً منتق ہو کر واپس چلے آئے۔ ۳۵۹ھ میں رومیوں نے انطاکیہ پر بھی جو سرحد کا سب سے بڑا مقام تھا قبضہ کر لیا۔ باشندوں کو قتل و غارت کر کے بیس ہزار لڑکوں اور لڑکیوں کو اسیر کیا اس کے بعد حلب کی طرف آئے۔ یہاں سیف

الدولہ کا غلام قرعویہ حاکم تھا اس کے ساتھ ابو المعالی شریف جنگ میں مشغول تھا۔ رومیوں کی خبر سن کر ابو المعالی بیابان کیطرف بھاگ گیا۔ قرعویہ نے کچھ رقم دے کر ان کے ساتھ صلح کرلی۔

۳۶۱ھ میں رومیوں نے رہا کو دوبارہ لوٹا۔ پھر جزیرہ میں نصیبین کی طرف آئے۔ وہاں قتل و غارت کیا۔ اور بستیوں کو جلایا دیار بکر کو بھی تاخت و تاراج کر ڈالا ان مقامات کے باشندے بغداد میں فریاد لے کر پہنچے اور جامع مسجد میں رومیوں کے مظالم بیان کر کے امداد کے خواہاں ہوئے۔ بختیار اس وقت شکار کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ اعیان بغداد رنج سے بھرے ہوئے اس کے پاس گئے اور کہا کہ یہ وقت مسلمانوں کی حمایت کا ہے اس نے وعدہ کیا اور امیر سبکتگین کو بھیجا کہ بغداد میں جا کر جہاد کا اعلان کرے ابو تغلب والی موصل کو لکھا کہ تم رسد اور اسلحہ وغیرہ تیار رکھو ہم آتے ہیں۔ اس نے نہایت خوشی سے سامان فراہم کرنا شروع کیا۔

اس کے بعد بختیار نے خلیفہ مطیع سے مالی امداد طلب کی اس نے جواب دیا کہ جو شخص ممالک سے خراج وصول کرتا ہے اس کے اوپر جنگ اور اس کے اخراجات کا بار ہے میں کچھ نہیں دے سکتا۔ بختیار نے دھمکی دے کر چار لاکھ درہم وصول کئے جس کے لئے خلیفہ کو حرم کے کپڑے۔ زیورات یہاں تک کہ مکانات بھی بیچنے پڑے۔ یہ رقم جب مل گئی تو بختیار نے جنگ کا ارادہ ترک کر کے اس کو اپنی عیاشی میں صرف کیا۔ ۳۶۳ھ میں دمستق آمد کی طرف آیا۔ ھبۃ اللہ بن ناصر الدولہ حمدانی اور اس کے بھائی ابو تغلب نے پہنچ کر دونوں طرف سے گھیر لیا۔ رومیوں نے شکست فاش کھائی اور دمستق گرفتار ہوا۔

الغرض مطیع کے عہد میں رومی یکے بعد دیگرے سرحدی شہروں کو اپنے قبضہ میں لائے اور جہاں تک ان کا بس چلا مسلمانوں کو قتل و غارت کیا۔ مسلمان امراء اور خاص کر بنی بویہ جن کے ہاتھوں میں حکومت اور طاقت تھی اپنی خود غرضانہ لڑائیوں اور عیش پرستیوں میں مصروف رہے اور ان دردناک مظالم کو روکنے کے لئے نہیں اٹھے۔ صرف بنی حمدان جو عربی نژاد تھے اپنی طاقت کے بقدر اسلام کی حمایت اور رومیوں کی مدافعت کرتے رہے۔

خلع مطیع

مطیع خانہ نشین اور بے اختیار تھا۔ اس کا کوئی کارنامہ اس قابل نہیں کہ تاریخ کے صفحات میں ثبت کیا جائے۔ آخر میں اس پر فالج گر گیا امیر سبکتگین نے معذور دیکھ کر ۱۵ ذی قعدہ ۳۶۳ھ مطابق ۷ اگست ۹۷۴ء کو خلافت سے معزول کر دیا۔

طائع (۲۴)

۱۵ ذی قعدہ ۳۶۳ھ سے ۲۱ رجب ۳۸۱ھ تک ۱۷ سال ۸ ماہ ۶ روز

ابو الفضل عبدالکریم طائع للہ بن مطیع بن مقتدر۔ اس کی ولادت ۳۱۷ھ میں ہوئی تھی۔ مطیع کی معزولی کے دن اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

معاصرین

طائع کی خلافت میں عراق کی حکومت بنی بویہ کے حسب ذیل امراء کے ہاتھ میں رہی۔

(۱) عزالدولہ بختیار	۳۶۷ھ تک
(۲) عضدالدولہ فناخسرو پسر رکن الدولہ حسن بن بویہ	۳۷۲ھ تک
(۳) صمام الدولہ ابو کالیجار مرزبان پسر عضدالدولہ	۳۷۹ھ تک
(۴) شرف الدولہ ابو الفوارس شیردل پسر عضدالدولہ	۳۷۹ھ تک
(۵) بہاء الدولہ ابو نصر فیروز پسر عضدالدولہ	۳۷۹ھ تک

عراق کے علاوہ بلاد جبال۔ رے۔ فارس اور اہواز بھی انہیں کے قبضہ میں تھے۔ فاطمیوں کی خلافت مصر سے شام اور حجاز تک پھیل گئی اور ان مقامات سے عباسی خطبہ منقطع ہو گیا۔

موصل میں عدۃ الدولہ ابو تغلب غضنفر بن ناصر الدولہ رئیس تھا۔ ۳۶۹ھ میں اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو طاہر ابراہیم پھر ابو عبداللہ حسین جانشین ہوا۔ ۳۸۰ھ میں ابو الزواد محمد بن مسیب بن رافع بن مقلد نے جو بنی عقیل میں سے تھا وہاں قبضہ کر لیا اس وقت سے دولت عقیلی قائم ہو گئی دیار بکر بھی بنی حمدان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور وہاں علی حسین بن مروان نے دولت مروانیہ کی بنیاد رکھی۔ مشرق میں آل سامان کی حکومت تھی۔ لیکن ماوراء النہر میں ایلخانی ان کے حدود میں بڑھ رہے تھے اور ادھر غزنین پر امیر سبکتگین نے قبضہ کر لیا تھا۔

بغداد میں بختیار کے تشیع کی وجہ سے سخت فساد برپا ہوا محلہ کرخ کے باشندے جو شیعہ تھے سلطان وقت کو اپنا حامی پا کر اہل سنت کی دل آزاریاں کرنے لگے۔ سنی تاب نہ لا کر مقابلہ کے لئے اٹھے۔ عزالدولہ کی فوج میں دیلمی تمام تر شیعہ تھے لیکن ترک سنی تھے امیر سبکتگین جو ان کا سردار تھا سنیوں کی مدد پر تھا۔ سخت مقابلہ کے بعد شیعہ مغلوب ہوئے عزالدولہ نے ترکوں کو دبانے کے لئے رکن الدولہ اور عضدالدولہ سے مدد مانگی رکن الدولہ نے اپنے وزیر ابن عمید کے ہمراہ ایک فوج بھیجی۔ عضد الدولہ عراق پر قبضہ کرنے کی ہوس رکھتا تھا اس وجہ سے خود لشکر لے کر آیا اور ترکوں پر فتح حاصل کر کے ۳۶۴ھ میں بغداد میں داخل ہوا۔ بختیار کو قید کر دیا اور اس کی فوج کو احسان و بخشش سے خوش رکھا۔ خلیفہ کے ساتھ بھی مدارات کی اور اس کی جاگیر اور عزت میں اضافہ کیا۔ قصر

خلافت بھی تعمیر کرا دیا۔ رکن الدولہ نے اپنے بیٹے کی اس حرکت کو پسند نہ کیا اس لئے وہ پھر عراق کو بختیار کے سپرد کر کے شیراز کو واپس چلا آیا۔ لیکن ۳۶۶ھ میں رکن الدولہ کی وفات کے بعد آکر قبضہ کر لیا۔ اور بختیار کو نکال دیا پھر بنی حمدان سے موصل ۔ دیار بکر اور دیار ربیعہ وغیرہ بھی لے لئے ۔ اب اس کی حکومت کا رقبہ جزیرہ سے اہواز ۔ فارس ۔ جبال ۔ اور رے تک پہنچ گیا۔ ۳۷۱ھ میں وشمگیر سے جرجان بھی چھین لیا۔

عضد الدولہ ۔ آل بویہ میں سب سے زیادہ عاقل ۔ دانش مند اور مدبر ۔ علوم و فنون کا مربی ۔ علماء و فضلاء کا قدر دان ۔ فیاض اور خوش خلق تھا۔ لائق کار پردازوں کو رکھتا تھا اور عدل و انصاف کرتا تھا۔ سفارشوں کا دروازہ اس کے یہاں بند تھا ہر سال صدقہ کی بہت بڑی رقم نکالتا تھا اور وجوہ خیر میں اس کو صرف کرتا تھا مدینتہ الرسول کی فصیل اسی کی تعمیر کرائی ہوئی ہے۔ تاریخ اس کا عیب بھی دکھاتی ہے وہ یہ کہ تحصیل مال کی بہت حرص رکھتا تھا اور ہر ممکن طریقے اس کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اپنے آخری عہد میں اس نے جانوروں اور دوسری چیزوں پر جو فروخت کی جاتی تھیں محصول لگا دیا تھا۔ اور برف اور ریشم کی تجارت اپنے لئے مخصوص کر لی تھی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ شوال ۳۷۲ھ میں وفات پائی۔

اس کا جانشین اس کا بیٹا صمصام الدولہ ابو کالیجار ہوا۔ اس کا بھائی شرف الدولہ شیر دل فارس میں حکمران تھا اس نے مخالفت کی اور اس کے نام کا خطبہ وہاں بند کر دیا۔ صمصام الدولہ نے ایک فوج بھیجی لیکن وہ شکست کھا کر واپس چلی آئی۔ موصل میں ایک رئیس کرد باز نامی نے ایک بڑا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ عضد الدولہ کی وفات کے بعد اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ صمصام الدولہ نے فوج بھیجی اس نے شکست دے دی اور ارادہ کیا کہ عراق پر قبضہ کر کے دیلمیوں کو وہاں سے نکال دے ۔ صمصام الدولہ خود فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا۔ اور اس کو ہزیمت دی اس نے صرف دیار بکر لے کر صلح کر لی۔

ان اضطرابات میں شرف الدولہ نے موقع پا کر ۳۷۵ھ میں لشکر کشی کی پہلے اہواز پر قابض ہوا۔ پھر بصرہ پر ۔ صمصام الدولہ نے دیکھا کہ مدافعت ناممکن ہے اس لئے مصالحت کر لی شرط یہ قرار پائی کہ بغداد میں شرف الدولہ کا خطبہ پڑھایا جائے اور صمصام الدولہ اس کا نائب رہے۔ خلیفہ طائع نے بھی امیر الامراء کا خلعت شرف الدولہ کے پاس بھیجا دوسرے سال شرف الدولہ پھر بغداد کی طرف آیا اور رمضان ۳۷۶ھ میں وہاں داخل ہو کر صمصام الدولہ کو قید کر دیا۔

صمصام الدولہ کی حکومت تین سال ۱۱ ماہ رہی اس کے زمانہ میں موئد الدولہ پسر رکن الدولہ والی جرجان نے انتقال کیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی فخرالدولہ تخت نشین ہوا۔ اسی کا وزیر صاحب بن عباد تھا جو اپنے زمانہ کا بہت بڑا ادیب اور مشہور فاضل گزرا ہے۔

شرف الدولہ بغداد میں دو سال آٹھ مہینے حکومت کر کے جمادی الثانی ۳۷۹ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی بہاؤالدولہ ابو نصر نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔

۳۸۱ھ میں مال کی قلت سے وہ اپنی فوج کو تنخواہ نہیں دے سکا۔ اس کے وزیر نے مشورہ دیا کہ خلیفہ کے خزانہ پر قبضہ کر لے ۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ سپاہیوں کو لے کر طائع کے پاس گیا۔ اور سلام کر کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک دیلمی خلیفہ کی طرف اس طرح بڑھا کہ گویا دست بوسی کرنا چاہتا ہے قریب جا کر اس کو تخت سے نیچے کھینچ لیا۔ خلیفہ نے انا اللہ پڑھی اور اپنی مدد کے لئے فریاد کی ۔ لیکن دیلمیوں نے قصر خلافت کا سارا مال و متاع لوٹ لیا اور بہاء الدولہ نے خلیفہ کو خلافت سے معزول کر دیا۔

(۲۵) قادر

مدت خلافت ۱۲ رمضان ۳۸۱ھ سے ۲۳ ذی حجہ ۴۲۲ھ تک ۴۱ سال ۳ ماہ ۱۰ روز

ابو العباس احمد قادر باللہ بن اسحاق بن مقتدر ۔ اس کی والدہ وسط نامی ایک ام ولد تھی۔

طائع کی زندگی میں قادر نے ایک بار اس کو خلافت سے معزول کرانے کی سازش کی تھی اس وجہ سے طائع نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا وہ بغداد سے بطیحہ میں مہذب الدولہ ابو الحسن کے پاس چلا گیا اس نے نہایت تعظیم کی اور آسائش کے ساتھ رکھا۔

طائع کی معزولی کے بعد امراء بغداد نے اسی کو خلافت کے لئے نامزد کیا بہاء الدولہ نے اپنے خاص آدمیوں کو اس کے لینے کے لئے بھیجا ۔ مہذب الدولہ نے شاہانہ ساز و سامان کے ساتھ روانہ کیا۔ اور بہت بڑی رقم بھی دی۔ ۱۲ رمضان ۳۸۱ھ مطابق ۳ اکتوبر ۹۹۱ء کو بغداد پہنچا۔ بہاء الدولہ اور تمام امراء استقبال کے لئے نکلے ۔ نہایت احتشام کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ اسی روز اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔

معاصرین

قادر کے عہد میں یمن کی دولت زیادیہ پر آل زیاد کے ایک حبشی غلام موید نجاح نے ۴۱۲ھ میں قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ دولت ۵۵۴ھ تک اس کی نسل میں چلی آئی امراء کے نام یہ ہیں۔

(۱) موید نجاح	۴۱۲۔۴۵۲
داعی صلیحی کے ساتھ نزاع قائم رہی	۴۷۳
(۲) سعید احول بن نجاح	۴۸۲
(۳) جیاش بن نجاح	۴۹۸
(۴) فاتک بن جیاش	۵۰۳
(۵) منصور بن فاتک	۵۱۷
(۶) فاتک بن محمد بن فاتک	۵۵۴

۵۵۴ھ میں ان کے ہاتھوں سے حکومت نکل گئی اور دولت مہدیہ قائم ہوئی۔

موصل میں بنی حمدان کے کھنڈروں پر دولت عقیلی کی تعمیر ہوئی تھی یہ لوگ بنی بویہ کے ماتحت تھے۔ امراء کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) حسام الدولہ مقلد بن مسیب	۳۸۶۔۳۹۱
(۲) معتمد الدولہ قرواش بن مقلد	۴۴۲

قرواش نے خلیفہ عباسی کا خطبہ اٹھا کر فاطمی خطبہ جاری کیا۔ قادر نے قاضی ابو بکر باقلانی شیخ اشعریہ کو بہاء الدولہ کے پاس

بھیجا۔ اس نے موصل کی طرف فوج روانہ کی ۔ قرواش نے خوف زدہ ہو کر پھر عباسی خطبہ کو رائج کیا۔

(۳) زعیم الدولہ ابو کامل برکت بن مقلد ۴۴۳

(۴) علم الدولہ ابو المعالی قرواش بن بدران بن مقلد ۴۵۳

(۵) شرف الدولہ ابوالمکارم مسلم بن قرواش ۴۷۸

(۶) ابراہیم بن قرواش ۴۸۶

(۷) علی بن مسلم بن قرواش ۴۸۹

دیار بکر پر باز کرد کا قبضہ تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بھانجے ابو علی حسن بن مروان نے ۳۸۰ھ میں دولت مروانیہ قائم کی ۔ یہ نہایت فرزانہ مدبر اور کریم الطبع تھا۔ سب لوگ اس کی عزت کرتے تھے اور اس کا رعب بھی بہت تھا۔ اس نے سیف الدولہ کی بیٹی ست الناس کے ساتھ شادی کی تھی۔

دولت مروانیہ کے امراء کے نام یہ ہیں۔

(۱) ابو علی حسن بن مروان ۳۸۰۔۳۸۷

(۲) مہد الدولہ ابو منصور بن مروان ۴۰۲

(۳) نصر الدولہ ابو نصر احمد بن مردان ۴۵۳

یہ شخص اس خاندان کا گل سرسبد تھا۔ علم کا سرپرست علماء کا مربی ۔ فیاض متقی اور دین دار ۔ زمانہ بھی زیادہ پایا۔ دور دور سے اہل علم و ادب اس کے دربار میں آکر جمع ہوئے ۔ امام عبداللہ گازرونی کو بھی اس نے بلایا جن کی بدولت دیار بکر میں شافعی مذہب پھیلا۔

اس کے عہد میں حدود پر کامل امن تھا اور ملک میں رفاہیت اور خوشحالی عام تھی۔

(۴) نظام الدولہ نصر بن احمد ۴۷۲

(۵) منصور بن نصر ۴۸۹

۴۸۹ھ میں یہ دولت بھی بنی بویہ کے ملک کے ساتھ سلجوقیوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔

حلب کے اوپر خلفاء فاطمیتین کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ بار بار فوجیں بھیجتے تھے۔ اسی طرح دیار مضر کے امراء کے ساتھ بھی ان کی جنگ قائم تھی یہاں تک کہ ۴۰۲ھ میں حلب میں فاطمی خطبہ جاری ہو گیا پھر انہوں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا۔ لیکن ۴۱۴ھ میں تین عربی رؤساء خان امیر بنی طے ۔ صالح بن مرداس امیر بنی کلاب اور سنان بن علیان نے ایک ساتھ مل کر حملہ کیا اور فاطمی امراء کو نہ صرف حلب بلکہ شام سے بھی نکال دیا حلب سے عانہ تک صالح کو ملا۔ رملہ سے مصر تک حسان کو دمشق سنان کو۔ ۴۲۰ھ میں فاطمی خلیفہ الظاہر نے مصر سے انوشتگین بربری کے ہمراہ ایک فوج بھیجی صالح اس جنگ میں مارا گیا۔ لیکن اس کے بیٹے نصر نے مصریوں کو شکست دی ۔ حلب کی حکومت ۴۸۲ھ تک اسی خاندان میں رہی۔ حسب ذیل امراء ہوئے۔

(۱) صالح بن مرداس ۴۱۲۔۴۲۰

(۲) شبل الدولہ ابو کامل نصر ۴۲۹

فاطمیتین ۴۳۴

(۳) معزالدولہ ابو علوان ثمل بن صالح ۴۴۹

فاطمیتین ۴۵۲

(۴) رشید الدولہ محمود بن شبل الدولہ	۴۵۳
معزالدولہ (دوبارہ)	۴۵۴
(۵) ابو ذؤابہ عطیہ بن صالح	۴۵۴
رشید الدولہ (دوبارہ)	۴۶۸
(۶) جلال الدولہ نصر بن رشید الدولہ	۴۶۸
(۷) ابو الفضل سابق بن رشید الدولہ	۴۸۲

اس کے بعد بنی عقیل اس پر قابض ہوگئے۔

مشرق

ماوراء النہر اور خراسان کا فرمان روا امیر نوح بن منصور سامانی تھا لیکن اس کی سلطنت کی بنیاد متزلزل ہو رہی تھی کیونکہ ادھر مشرق میں ایک جدید قوت شہاب الدین عرف بغرا خان کی پیدا ہو گئی تھی جو اس پرانی دولت کے مقابلہ میں جو کثرت اختلافات کی وجہ سے دن بدن کمزور ہو رہی تھی بہت زبردست تھی اور ادھر خراسان میں سبکتگین کے اقبال کا ستارہ طلوع ہو رہا تھا۔ ۳۸۳ھ میں بغرا خان نے آل سامان کے نائب ابو الحسن سجور کو جو خراسان کا امیر تھا اپنے ساتھ متفق کر کے بخارا پر حملہ کیا۔ باہمی قرارداد یہ تھی کہ بغرا خاں ماوراء النہر اور ابو الحسن خراسان پر قابض ہو گا نوح بن سامان مغلوب ہو کر آمد میں چلا گیا۔

اسی درمیان میں بغرا خاں بیمار ہو کر واپس آیا۔ نوح نے پہنچ کر وہاں قبضہ کر لیا۔ بغرا خاں اسی مرض میں فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا ایلک خاں امیر ہوا۔ اس نے ۳۸۷ھ میں امیر نوح کے انتقال کے بعد اپنے سپہ سالار فائق کی قیادت میں بخارا پر فوج بھیجی۔ فائق نے اس کو فتح کر لیا۔ منصور بن نوح نے خوشامد کر کے اس کے ساتھ اس بات پر صلح کر لی کہ ملک اس کا رہے اور حکومت فائق کی ہو۔ تھوڑے دنوں کے بعد فائق اور سامانی سپہ سالار مکتوبوزون نے مل کر منصور کو قتل کر ڈالا اور اس کے بیٹے عبد الملک کو تخت نشین کر دیا۔ ایلک خاں ۱۰ ذی حجہ ۳۸۹ھ میں بخارا کی طرف خود ہو گیا پہلے اس نے آل سامان کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی جس کی وجہ سے امراء اس کی طرف سے مطمئن ہو گئے لیکن جس وقت دار الامارۃ پر قابض ہو گیا اس وقت مکتبوزون وغیرہ کو گرفتار کر لیا۔ عبد المالک کو جو بھاگ گیا تھا اکند میں قید کر دیا۔ وہیں اس نے انتقال کیا اس کی وفات سے سامانی خاندان کا چراغ گل ہو گیا جو ایک مدت تک حلوان سے لے کر حدود چین تک حکمران رہا اور جس نے علم و ادب کی بہت تربیت کی۔

دولت غزنویہ

غزنین میں آل سامان کی طرف سے اسحاق بن الپتگین امیر تھا۔ سبکتگین اس کا غلام تھا لیکن عقل و ادب میں نہایت امتیاز رکھتا تھا۔ اسحاق ایک بار منصور بن نوح کے دربار میں بخارا میں گیا۔ سبکتگین بھی ساتھ تھا۔ وہاں کے لوگ اس کی دانائی اور لیاقت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اسحاق کی وفات کے بعد غزنین کی فوج نے اسی کو اپنا سردار بنا لیا وہ سپاہیوں کے ساتھ مساویانہ سلوک رکھتا تھا اس وجہ سے اہل فوج اس کے نہایت مطیع و فرمانبردار تھے۔ ہندوستان کی سرحد پر اس نے مختلف لڑائیاں لڑیں جن کی وجہ سے یہاں کے راجاؤں پر اس کا رعب غالب ہو گیا اس نے دو شہر بست اور قصدار بھی فتح کر لئے۔ راجہ جے پال ہندی نے یہ دیکھ کر اپنی فوجیں جمع کیں اور غزنین پر چڑھائی کی۔ سبکتگین نے اس کو شکست دے دی راجہ نے صلح اور ایک کثیر رقم اور پچاس ہاتھی دینے کا وعدہ کیا لیکن جب وہاں سے واپس آگیا تو عہد کو توڑ دیا اس وجہ سے سبکتگین فوج لے کر آیا راجہ جے پال مقابلہ میں گیا مگر ہزیمت اٹھا کر بھاگا۔ سبکتگین کی قوت اور شوکت اس فتح سے بڑھ گئی اور افغانی و خلجی اس کے حلقہ اطاعت میں آگئے۔ ۳۸۴ھ میں جب خراسان میں فائق

اور ابو علی سجور نے بغاوت کی اس وقت امیر نوح سامانی نے سبکتگین کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ان دونوں نے فخرالدولہ بنی بویہ امیر جرجان سے مدد مانگی اس نے ایک لشکر روانہ کیا۔ سبکتگین نے نواحی ہرات میں ان سب کو شکست دی جس سے خراسان آل سامان کے پاس رہ گیا۔

امیر نوح نے اس کو ناصرالدولہ کا خطاب دیا اور اس کے بیٹے محمود کو جس نے اس جنگ میں نمایاں کام کئے تھے سیف الدولہ کا خطاب عطا کر کے خراسان کا والی مقرر کر دیا اس نے نیشا پور میں قیام کیا اور سبکتگین غزنین کی طرف واپس آگیا۔ ابو علی سجور نے موقع پا کر پھر یورش کی۔ محمود کے پاس فوج کم تھی اس لئے اپنے باپ کی طرف چلا۔ سبکتگین نے جب خبر پائی تو طوس کے متصل پہنچ کر ابو علی کو ایسی شکست فاش دی کہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔ ۳۸۷ھ میں سبکتگین انتقال کر گیا۔ نہایت عادل۔ دین دار۔ مجاہد اور پابند عہد تھا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا اسماعیل جو محمود سے چھوٹا تھا امیر ہو گیا۔ محمود نے لکھا کہ امارت میرا حق ہے تم اپنے درجہ پر رہو مگر وہ کسی طرح اتفاق پر راضی نہ ہوا۔ اس لئے نیشا پور سے غزنین پر فوج کشی کی۔ اسماعیل گرفتار ہوا لیکن محمود نے اس کے ساتھ برادرانہ برتاؤ رکھا اور درگذر سے کام لیا۔

خراسان میں سامانی سرداروں سے اس کی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر میں وہ سب پر غالب آکر وہاں کا مستقل امیر ہو گیا۔ عباسی خلیفہ قادر باللہ نے اس کو یمین الدولہ کا خطاب عطا فرمایا اور ولایت کا خلعت بھیجا۔ اطراف ممالک کے بادشاہوں نے اس کی قوت کو دیکھ کر دربار میں اطاعت نامے بھیجے ہندوستان میں متعدد فتوحات حاصل کیں اور یہاں کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ نیز رے جبال وغیرہ میں بھی اس کی حکومت قائم ہو گئی اور طبرستان و جرجان کے ملوک نے اطاعت قبول کی۔ ۴۲۱ھ میں وفات پائی۔ مسلمان بادشاہوں میں محمود کا درجہ بوجہ جنگ و جہاد و دینداری وغیرہ کے سلطان صلاح الدین کے بعد رکھا گیا ہے اس نے کہیں شکست نہیں کھائی اور ہر لڑائی میں فتح حاصل کی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا محمد ہوا۔ لیکن اس کے بڑے بھائی مسعود نے اس سے سلطنت چھین لی۔ قادر کی وفات کے وقت مسعود حکمران تھا۔

اس خاندان میں ۵۸۳ھ تک سلطنت رہی۔ بادشاہوں کی ترتیب یہ ہے۔

(۱) سبکتگین	۳۶۶-۳۸۷
(۲) اسماعیل	۳۸۸
(۳) یمین الدولہ محمود	۴۲۱
(۴) جلال الدولہ محمد بن محمود	۴۳۱
(۵) ناصرالدولہ مسعود بن محمود	۴۳۲
(۶) شہاب الدولہ مودود بن مسعود	۴۴۰
(۷) مسعود بن مودود	۴۴۰
(۸) بہاء الدولہ ابو الحسن علی بن مسعود بن مودود	۴۴۰
(۹) عزالدولہ عبدالرشید بن محمود	۴۴۴
(۱۰) جمال الدولہ فرخ زاد بن مسعود بن محمود	۴۵۱
(۱۱) ظہیر الدولہ ابراہیم بن عبدالرشید	۴۹۲
(۱۲) علاؤالدولہ مسعود بن ابراہیم	۵۰۸
(۱۳) کمال الدولہ شیرزاد بن مسعود	۵۰۹

(۱۴) سلطان الدولہ ارسلان بن مسعود	۵۱۲
(۱۵) یمین الدولہ بہرام شاہ بن مسعود	۵۴۷
(۱۶) معزالدولہ خسرو شاہ بن بہرام شاہ	۵۵۵
(۱۷) تاج الدولہ خسرو ملک بن خسرو شاہ	۵۸۲

اس کے بعد یہ سلطنت غوریوں کے ہاتھ میں آگئی

دولت زیاریہ

جرجان میں مرداویج بن زیار نے سلطنت قائم کی تھی اس خاندان میں حسب ذیل امراء ہوئے۔

(۱) مرداویج بن زیار	۳۱۶-۳۲۳
(۲) وشمگیر	۳۵۷
(۳) ظہیر الدولہ بے ستون پسر دشمگیر	۳۶۶
(۴) شمس المعالی قابوس پسر دشمگیر	۴۰۳
(۵) فلک المعالی منوچہر پسر بے ستون	۴۲۰
(۶) انوشروان بن قابوس	۴۳۴

ان کے وارث غزنویہ ہوئے۔

عراق میں قادر کے زمانہ میں بنی بویہ کے چار امراء ہوئے۔

(۱) بہاء الدولہ ابو نصر بن عضدالدولہ اسی نے قادر کو خلافت کے لئے منتخب کیا تھا اس کی حکومت عراق۔ فارس۔ اہواز اور کرمان پر تھی۔ ۴۰۳ھ میں انتقال کر گیا۔

(۲) سلطان الدولہ ابو شجاع بن بہاء الدولہ اس کا زمانہ سخت مضطرب رہا اور فوج اس کے خلاف شور و شغب کرتی رہی۔

(۳) شرف الدولہ ابو علی بن بہاء الدولہ اس نے ۴۱۲ھ میں اپنے بھائی سلطان الدولہ سے سلطنت چھین لی اور اس کو عراق سے نکال دیا اس نے جاکر فارس اور کرمان پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ ۴۱۵ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کا بیٹا ابو کالیجار اس کا جانشین ہوا۔ شرف الدولہ نے ۴۱۶ھ میں وفات پائی۔ یہ نیک نہاد اور عادل تھا۔

(۴) جلال الدولہ ابو طاہر بن بہاء الدولہ۔ شرف الدولہ کے بعد خطبہ میں اس کا نام پڑھا گیا۔ یہ اس وقت بصرہ میں تھا۔ وہاں سے بلایا گیا لیکن نہیں آیا اس وجہ سے خطبہ سے نام نکال کر ابو کالیجار پسر سلطان الدولہ والی فارس کا نام رکھا گیا۔ وہ اپنے چچا ابو الفوارس فرمانروائے کرمان کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا اس وجہ سے بغداد آنے میں تعویق ہو گئی۔ یہاں بوجہ کسی بادشاہ کے نہ ہونے کے ترکوں نے شورش برپا کر دی۔ امراء نے پھر جلال الدولہ کو لکھا اس نے ۴۱۸ھ میں آکر عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔

قادر کو امور حکومت میں مطلق دخل نہ تھا۔ لیکن بنی بویہ کی کمزوری اور اپنی ہردل عزیز شخصیت کی وجہ سے اس نے امراء اور حکام پر ایک اثر قائم کر لیا تھا۔ وہ خود صاحب علم تھا اور اہل علم کو اپنی صحبت میں رکھتا تھا۔ ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی سنت کا سخت پابند تھا۔ صلحاء کی زیارت کے لئے جاتا تھا اور عوام سے ملتا تھا۔ فاطمیوں کی خلافت کے سوا ہر جگہ اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ افریقہ میں بھی معز بن بادیس صاحب مغرب و قیروان نے اپنے یہاں سے فاطمی خطبہ کو اٹھا کر عباسی خطبہ کو جاری کر دیا تھا۔ قادر کے عہد میں اکثر اسلامی ممالک میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے۔ بہت سی پرانی سلطنتیں مٹیں اور ان کی جگہ نئی دولتیں قائم ہوئیں۔ ۲۳ ذی حجہ ۴۲۲ھ کو اس نے وفات پائی اس کی عمر اس وقت ۸۶ سال دس مہینے کی تھی۔

(۲۶) قائم

خلافت ۲۳ ذی حجہ ۴۲۲ھ سے ۱۳ شعبان ۴۶۷ھ تک ۴۴ سال ۷ ماہ ۲۰ یوم

ابو جعفر قائم بامراللہ بن قادر۔ باپ کی وصیت کے مطابق ذی حجہ ۴۲۲ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

بنی بویہ

قائم کے آغاز عہد میں جلال الدولہ حکمران تھا۔ لیکن مال کی قلت اور فوج کے شور و شغب کی وجہ سے اس کی قوت کمزور اور ملک کی انتظامی حالت نہایت ابتر تھی۔ ۴۲۶ھ میں اس کے سپاہیوں کی ایک جماعت دیہات کو لوٹنے کے لئے نکلی۔ راستہ میں کردوں سے مقابلہ ہو گیا انہوں نے ان کے گھوڑے اور ہتھیار سب چھین لئے۔ یہ سپاہی موضع یحییٰ میں پہنچے جو خلیفہ کی جاگیر میں تھا۔ وہاں باغات کے پھل توڑے اور محافظوں کو مارا۔ خلیفہ نے جلال الدولہ کو لکھا لیکن وہ ان کو سزا دینے سے قاصر رہا۔ اس وقت خلیفہ نے قاضیوں اور فقیہوں کو بلا کر کہا کہ جب سلطان مظالم کا انسداد نہیں کر سکتا تو تم لوگ اس حکومت میں قضا اور فتوے کو بند کر دو۔ انہوں نے اپنی مسندیں چھوڑ دیں۔ جلال الدولہ نے مجبور ہو کر فوج کی خوشامد کی۔ انہوں نے ان لٹیرے سپاہیوں کو خلیفہ کے یہاں پیش کر دیا اس نے ان کو چھوڑ دیا۔

انتظام کی ابتری اور فوجی قوت کی کمزوری سے ملک میں لوٹ مار شروع ہو گئی۔ بادیہ نشین قافلوں پر حملے کرنے لگے یہاں تک کہ حوالی بغداد میں آکر باشندوں کے اموال اور عورتوں کے کپڑے اور زیورات چھین لے جاتے تھے۔

جلال الدین نے باوجود اپنی اس کمزوری کے ۴۳۲ھ میں خلیفہ سے ملک الملوک کے خطاب کی خواہش کی۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ اسلام میں اس قسم کا خطاب ممنوع ہے جلال الدولہ مصر ہوا اس وجہ سے علمائے بغداد سے فتویٰ طلب کیا گیا۔ قاضی ابو الطیب طبری ابو عبداللہ صیرفی اور ابو القاسم کرخی وغیرہ نے سلطان کے دباؤ سے جواز کا فتویٰ دیا جس سے مجبوراً خلیفہ کو خطاب دینا پڑا۔ لیکن قاضی القضاۃ ابو الحسن ماوردی نے جو جلال الدولہ کے خاص ندماء میں سے تھے اور وہ ان کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا اس فتوے کی مخالفت اور ان علماء کے ساتھ بحث کی اور سلطانی دربار چھوڑ کر اپنے گھر بیٹھ رہے ایک دن جلال الدولہ نے ان کو طلب کیا، ڈرتے ہوئے گئے۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں جانتا تھا کہ یہاں جس قدر اہل علم ہیں ان سے تم فائق تر ہو۔ لیکن اس معاملہ سے ظاہر ہو گیا کہ حق گوئی میں تم سب سے بڑھ کر ہو۔ اس لئے کمال علمی کے ساتھ تمہاری حق پرستی اور غیرت دینی کا نقش بھی میرے دل پر ثبت ہو گیا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اب میری آنکھوں میں تمہاری عزت بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ ہو گئی۔ انہوں نے الطاف شاہانہ کا شکریہ ادا کیا۔ سلطان نے ان کے رتبہ کو بڑھایا۔ جلال الدولہ نے ۴۳۵ھ میں انتقال کیا یہ کربلا اور نجف کی زیارت کے لئے پا پیادہ ننگے پاؤں جایا کرتا تھا اور اس کو دین داری سمجھتا تھا۔ اس کے بعد ابو کالیجار سرزبان بن سلطان الدولہ والی فارس جو مدت سے بغداد کی حکومت کی آرزو رکھتا تھا اور جلال الدولہ سے اس لئے لڑتا رہتا تھا۔ وہاں آیا۔ اس کا لقب محی الدین رکھا گیا لیکن یہ بھی دیلمیوں اور

بغدادی ترکوں کی باہمی نزاعوں سے مغلوب اور عاجز آگیا۔ ۴۴۰ھ میں انتقال کر گیا۔

ابو نصر خسرو فیروز جو اس کا بیٹا تھا اس کا جانشین ہوا۔ اس نے خلیفہ سے کہا کہ مجھ کو ملک رحیم کا خطاب دیا جائے۔ خلیفہ نے انکار کیا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ترین صفت ہے بندوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ لیکن اس نے مجبور کر کے اس خطاب کا فرمان اس سے لکھوا لیا۔ اسی کے زمانہ میں سلطان طغرل بک سلجوقی نے بغداد میں آکر بنی بویہ کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

آل بویہ کے عہد میں جو عراق میں ۱۱ جمادی الاول ۳۳۴ھ سے ۲۲ محرم ۴۴۷ھ تک رہا۔ یہ زرخیز صوبہ بالکل ویران اور برباد ہو گیا۔ نیز ان کے شیعہ ہونے کی وجہ سے سخت مذہبی تفرقہ پھیل گیا جس سے بڑے بڑے فتنے برپا ہوئے۔ اس خاندان کے امراء خود باہم ایک دوسرے سے لڑتے رہے رومی سلسلہ وار اسلامی حدود کو تاخت و تاراج کرتے تھے لیکن انہوں نے کبھی ان کی طرف رخ نہیں کیا۔ بلکہ جب خراسانی مجاہدین امام قفال کے ساتھ آنے لگے تو ان کو بھی روک دیا۔ ان میں حکومت کی لیاقت اس قدر کم تھی کہ خود اپنی ہم قوم فوج پر بھی قابو نہیں رکھ سکتے تھے جس کی وجہ سے برابر بدامنی قائم رہتی تھی صرف عضد الدولہ کا عہد اچھا گذرا۔

آل سلجوق

قبیلہ غز جس کی سکونت ترکستان میں تھی اس کا ایک نامور سردار تقاق ترکمانی بادشاہ پیغو کے دربار میں بڑی عزت رکھتا تھا۔ اس کا بیٹا سلجوق تھا جس سے شجاعت اور شہامت کے جوہر عیاں تھے تقاق کے انتقال کے بعد پیغو نے اسی کو فوج کا سردار بنا دیا۔ اس نے اہل فوج میں اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ پیغو کو خطرہ پیدا ہو گیا اس وجہ سے اس کے قتل کی تدبیریں کرنے لگا۔ سلجوق اس کی نیت کا پتہ پاکر اپنے سارے قبیلہ کو لئے ہوئے دریائے سیحوں کے کنارے مقام جند میں آکر قیام پذیر ہو گیا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد دین اسلام کی خوبیاں دیکھ کر یہ سب لوگ ایک ساتھ مسلمان ہو گئے جس سے ان کی قوت اور عظمت بڑھ گئی اور پیغو کے علاقوں پر یورش کرنے لگے۔ اسی اثنا میں آل سامان اور ہارون بن ایلک خاں میں جنگ چھڑ گئی سامانیوں نے سلجوق سے مدد چاہی اس نے ہارون کو شکست دے دی جس کی وجہ سے اس کو سامانی دربار میں رسوخ حاصل ہو گیا۔ سلجوق نے جند میں وفات پائی اس کے تین بیٹے تھے ۔ ارسلان، میکائیل، موسیٰ ان میں سے میکائیل بلاد ترک میں شہید ہو گیا۔ اس نے بھی تین بیٹے چھوڑے۔ پیغو۔ طغرل بک محمد ۔ جعفری بک داؤد۔ قبیلہ غز جند سے بڑھ کر بخارا کے متصل آباد ہوا۔ امیر بخارا نے ان کو خطرناک سمجھ کر وہاں سے نکال دیا اس وجہ سے انہوں نے ترکستان کے بادشاہ بغرا خاں کے ملک میں جاکر پناہ لی لیکن اس کے ناملائم سلوک سے پھر جند میں چلے آئے۔

۳۸۹ھ میں دولت سامانیہ کے انقراض کے بعد امیر علی تگین بخارا پر قابض ہو گیا۔ ایلک خاں کے بیٹے ہارون نے اس پر چڑھائی کی ۔ علی تگین نے ارسلان سے مدد مانگی اس نے جاکر ہارون کو شکست دی اور بخارا میں داخل ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی جس وقت سیحوں سے پار اتر کر اس طرف گیا اس وقت علی تگین اور ارسلان دونوں بخارا سے نکل گئے ۔ محمود نے ارسلان کی قوت کا اندازہ لگا کر اس کی استمالت کی اور امیدیں دلا کر بلایا لیکن جب وہ آگیا تو اس کو گرفتار کر لیا اور اس کے خاندان کو خراسان میں جابجا منتشر کر دیا۔ ان میں سے ایک شعبہ الغی خرگاہ عمال خراسان کی بدسلوکیوں سے تنگ آکر اصفہان کی طرف چلا گیا وہاں سے آذر بائی جان پہنچا۔ ۴۲۹ھ میں مراغہ میں داخل ہو گیا۔ باشندوں کو لوٹ لیا اور قتل کر ڈالا۔ کرد متفق ہو کر مدافعت کے لئے آئے اور سخت ہزیمت دے کر ان کو وہاں سے نکال دیا۔ اب اس جماعت کے دو ٹکڑے ہو گئے ۔ ایک فریق نے جس کا سردار بوقا تھا۔ رے آکر لوٹا اور دوسرے فریق نے جس کا سرخیل کو کتاش تھا ہمدان پر قبضہ کیا اور اس کو غارت کر ڈالا۔ پھر اسد آباد اور دینور کو تاخت و تاراج کیا۔

طغرل کا مادری بھائی ابراہیم نیال الغی خرگاہ والوں کی ان دست اندازیوں کو روکنے کے لئے رے کی طرف گیا۔ وہ اس کے خوف سے آذر بائیجان کی طرف نکل گئے وہاں کے باشندے چونکہ ان کے مظالم دیکھ چکے تھے اس لئے متحد ہو کر مقابلہ کے لئے تیار

ہوئے۔ یہ رخ بدل کر دیار بکر میں پہنچے وہاں کا امیر سلیمان بن نصر الدولہ تھا۔ اس نے مال دے کر مصالحت کر لی اب یہ موصل کی طرف بڑھے اور امیر قرواش کو شکست دے کر وہاں داخل ہوگئے ۔ باشندوں کو تہ تیغ کر ڈالا اور گھروں کو لوٹ لیا۔ قرواش نے مقام سن میں آکر جلال الدولہ فرمانروائے بغداد سے امداد طلب کی اس نے ایک آدمی بھی نہ بھیجا لیکن عرب اور کرد اس کے ساتھ آکر مل گئے۔ نہر مجاج پر بوقا کی جمعیت سے مقابلہ ہوا۔ پہلے قرواش نے شکست کھائی مگر پھر عربوں کی پامردی سے غالب آگیا۔ نصیبین تک تعاقب کر کے ان کو قتل کیا۔ جس سے ان کی قوت ٹوٹ گئی ۔ یہ فرقہ ارسلان بن سلجوق کا ماتحت تھا۔ اور تاریخ میں غز عراقی کے نام سے موسوم ہے۔

میکائیل بن سلجوق کی اولاد جو نواحی بخارا میں مقیم تھی ان میں سے یوسف بن موسیٰ بن سلجوق کو علی تگین نے اپنے دربار میں بلا کر ایک فوج کا امیر مقرر کر دیا اور چاہا کہ اس کو طغرل اور داؤد سے لڑا کر ان کی قوت کو توڑ دے ۔ یوسف اس پر راضی نہیں ہوا۔ اس لئے علی تگین نے اس کو قتل کرا دیا۔ طغرل نے اپنے قبیلہ کو ساتھ لے کر انتقام کے لئے اس پر چڑھائی کی اور ہزیمت دی لیکن پھر اس نے ایک فوج لا کر اس کو پیچھے ہٹا دیا۔

۴۲۶ھ میں خوارزم شاہ پسر التونتاش نے طغرل کو امیدیں دلا کر بلایا جب یہ اپنے قبیلہ کے ساتھ وہاں پہنچا تو اس نے غداری کر کے شبخون کیا۔ یہ لوگ نسا کی طرف چلے گئے وہاں سے سلطان مسعود بن محمود کو لکھا کہ ہم کو امان دے کر اپنے ملک میں لے لیجئے ۔ ہم مددگار رہیں گے اس نے انکار کیا اور ان کے استیصال کے لئے ایک فوج بھیجی ۔ سلاجقہ نے اس کو مار کے بھگا دیا۔ مسعود کو اب اپنے انکار پر ندامت ہوئی اور اس نے لکھا کہ میں تمہارے ساتھ ہر قسم کے احسان اور سلوک کا وعدہ کرتا ہوں تم شاطی جیحوں پر آمل میں سکونت اختیار کر لو۔ مگر سلجوقیوں کو اس کے وعدے پر اعتبار نہ تھا اس لئے اس کے ملک میں نہیں آئے۔

داؤد نے مقام مرو پر قبضہ کر کے وہاں کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا پھر ان حدود میں اپنی ریاست کی توسیع کرنے لگا۔ رجب ۴۲۸ھ میں مرو میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ جس میں اس کو شہنشاہ کا لقب دیا گیا تھا۔ مسعود نے پھر ایک لشکر گراں اپنے سپہ سالار کی ماتحتی میں بھیجا لیکن وہ سلجوقیوں کے مقابلہ سے عاجز رہا۔ داؤد نے طوس تک اس کا تعاقب کیا۔ ۴۲۹ھ میں خود مسعود فوج لے کر گیا۔ سلجوقیوں کا ایسا رعب اس کے سپاہیوں پر غالب تھا کہ وہ مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکے ۔ مسعود صرف سو سواروں کے ساتھ جان بچا کر بھاگا اور سارا ساز و سامان جو شمار سے باہر تھا سلجوقیوں کے ہاتھ لگا۔ اس واقعہ کے بعد ۴۳۱ھ میں طغرل نے نیشاپور پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے لوگوں کو جو بدامنی سے تنگ تھے اطمینان دلایا۔ ۴۳۳ھ میں انوشروان بن منوچہر سے جرجان اور طبرستان چھین لیا۔ ۴۳۴ھ میں خوارزم پر بھی قابض ہو گیا۔ ادھر داؤد نے بلخ لے لیا۔

طغرل نے اب رے اور جبل کی طرف پیش قدمی کی وہاں ابراہیم نیال پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ خدمت میں حاضر ہوا اور زمام حکومت اس کے ہاتھ میں سپرد کر دی ۔ اس کے بعد قزوین سے ہمدان تک طغرل کے قبضہ میں آگیا اور اس کا مقدمہ لشکر عراق تک پہنچ گیا۔ ابو کالی جار مرزبان نے صلح کے لئے سفیر بھیجے طغرل نے منظور کیا اور اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کی ۔ نیز اس کے بیٹے ابو منصور کے ساتھ اپنے بھائی داؤد کی لڑکی بیاہ دی ۔ یہ واقعات ربیع الاول ۴۳۹ھ میں ہوئے۔ ۴۴۲ھ میں طغرل آرمینیہ کی طرف گیا۔ وہاں سے رومیوں پر چڑھائی کی اور ملازکرد پر ان کو شکست دے کر ارضروم کی طرف بڑھا۔ رومی خوف زدہ ہوگئے۔ بغداد کی حالت اس زمانہ میں نہایت ابتر تھی رہزنی اور چوری عام تھی جابجا شورشیں برپا تھیں۔ بساسیری نے جو بہاء الدولہ کے غلاموں میں سے تھا وہاں غلبہ حاصل کر کے شیعیت کا علم کھڑا کیا۔ اور عباسی خطبہ کو اٹھا کر فاطمی خطبہ جاری کر دیا۔ خلیفہ قائم طغرل سے مدد کا خواہاں ہوا۔ وہ بھی چاہتا تھا فوراً رے سے روانہ ہو کر بغداد کی طرف آیا۔ ترکی امراء کے نام خطوط بھیجے جن میں ان کے ساتھ احسان کا وعدہ کیا۔ ان لوگوں نے جواب میں اس کو اپنی اطاعت کا یقین دلایا۔

۲۵ محرم ۴۴۷ھ کو بغداد میں داخل ہوا اور بنی بویہ کے آخری سلطان ملک رحیم کو پکڑ لیا اس دن سے وہاں سلطنت سلجوقی کا علم بلند ہوا اور دیلمی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ سلجوقی قبائل کے پانچ حصے ہو گئے تھے۔ ہر ایک نے جداگانہ ممالک پر تسلط کر کے اپنی اپنی حکومت قائم کی۔

سلاجقہ عظمیٰ

ان کا قبضہ خراسان سے لے کر رے۔ جبال۔ فارس۔ اہواز۔ جزیرہ اور عراق تک تھا۔ یہ سلطنت ۴۲۹ھ سے ۵۲۲ھ تک رہی۔

ملوک کے نام یہ ہیں۔

(۱) رکن الدین ابو طالب طغرل بک	۴۲۹-۴۵۵ھ
(۲) عضد الدین ابو شجاع الپ ارسلان	۴۶۵ھ
(۳) جلال الدین ابو الفتح ملک شاہ	۴۸۵ھ
(۴) ناصر الدین محمود	۴۸۷ھ
(۵) رکن الدین ابو المظفر برکیاروق	۴۹۸ھ
(۶) رکن الدین ملک شاہ ثانی	۴۹۸ھ
(۷) غیاث الدین ابو شجاع محمد	۵۱۱ھ
(۸) معزالدین ابو الحارث سنجر	۵۲۲ھ

اس کے بعد شاہان خوارزم کے قبضہ میں آ گئی۔

سلاجقہ کرمان

یہ لوگ قادرت بک بن داؤد بن میکائیل بن سلجوق کے قبیلہ کے تھے ان کی حکومت ۴۳۳ھ سے ۵۶۳ھ تک قائم رہی۔

فرماں رواؤں کی فہرست یہ ہے۔

(۱) عماد الدین قرا رسلان قادرت بک	۴۳۳-۴۵۶ھ
(۲) کرمان شاہ	۴۶۷ھ
(۳) حسین	۴۶۷ھ
(۴) رکن الدین سلطان شاہ	۴۷۷ھ
(۵) توران شاہ	۴۹۰ھ
(۶) ارانشاہ	۴۹۴ھ
(۷) ارسلان شاہ	۵۳۶ھ
(۸) مغیث الدین محمد اول	۵۵۱ھ
(۹) محیی الدین طغرل شاہ	۵۵۱ھ
(۱۰) بہرام شاہ	۵۵۱ھ
(۱۱) ارسلان شاہ ثانی	۵۵۱ھ

(۱۲) طرخان شاہ ۵۵۱ھ
(۱۳) محمد ثانی ۵۸۳ھ

ان کے وارث ترکمانان غز ہوئے۔

سلاجقہ کردستان

ان کی دولت ۵۱۱ھ سے ۵۹۰ھ تک رہی۔ پھر خوارزمیوں نے لے لی۔ بادشاہوں کی ترتیب اس طرح پر تھی۔

(۱) مغیث الدین محمود ۵۱۱-۵۲۵ھ
(۲) غیاث الدین داؤد ۵۲۶ھ
(۳) طغرل اول ۵۲۷ھ
(۴) غیاث الدین مسعود ۵۴۷ھ
(۵) معین الدین ملک شاہ ۵۴۸ھ
(۶) محمد ۵۵۴ھ
(۷) سلیمان شاہ ۵۵۴ھ
(۸) ارسلان شاہ ۵۷۳ھ
(۹) طغرل ثانی ۵۹۰ھ

سلاجقہ شام

یہ دولت تتش بن الپ ارسلان بن داؤد بن میکائیل بن سلجوق نے ۴۸۷ھ میں سلاجقہ عظمیٰ میں سے برکیاروق کے عہد میں قائم کی۔ یہ ۵۱۱ھ تک صرف ۲۴ سال رہی پھر بوری اور ارتقی سلاطین اس پر قابض ہوگئے۔

ملوک کے نام یہ ہیں۔

(۱) تتش بن الپ ارسلان ۴۸۷-۴۸۸ھ
(۲) رضوان بن تتش ۵۰۷ھ
(۳) الپ ارسلان بن رضوان ۵۰۸ھ
(۴) سلطان شاہ بن رضوان ۵۱۱ھ

سلاجقہ روم

یہ قطلمش سلجوقی کا قبیلہ تھا۔ ان کا شہ نشین شہر قونیہ تھا جو ایشیائے کوچک (روم) میں واقع ہے۔ اس دولت کی بنیاد ملک شاہ سلجوقی کے زمانہ میں ۴۷۰ھ میں پڑی اور ۷۰۰ھ تک قائم رہی ملوک حسب ذیل ہوئے۔

(۱) سلیمان بن قطلمش ۴۷۰-۴۸۵ھ
(۲) قلیج ارسلان بن سلیمان ۵۰۰ھ
(۳) ملک شاہ بن قلیج ارسلان ۵۱۰ھ
(۴) مسعود بن قلیج ارسلان ۵۵۱ھ

(۵) عزالدین قلیج ارسلان بن ملک شاہ	۵۸۴ھ
(۶) قطب الدین ملک شاہ بن قلیج ارسلان	
(۷) عزالدین	۵۸۸ھ
(۸) غیاث الدین کیخسرو بن قلیج ارسلان عزالدین	۵۹۷ھ
(۹) قلیج ارسلان بن سلیمان	۶۰۱ھ
غیاث الدین کے خسرو (دوبارہ)	۶۰۷ھ
(۱۰) عزالدین کیکاؤس بن ملک شاہ	۶۱۶ھ
(۱۱) علاء الدین کے قباد بن ملک شاہ	۶۳۴ھ
(۱۲) غیاث الدین کے خسرو بن کے قباد	۶۴۳ھ
(۱۳) عزالدین کے کاؤس بن کے خسرو	۶۵۵ھ
(۱۴) رکن الدین قلیج ارسلان بن کے خسرو	۶۸۲ھ
(۱۵) غیاث الدین کے خسرو بن قلیج ارسلان	۶۸۲ھ
(۱۶) غیاث الدین مسعود بن کیکاؤس	۶۹۱ھ
(۱۷) علاء الدین کے قباد	۷۰۰ھ

اس کے وارث آل عثمان ہوئے جو بحمداللہ اب تک سلطنت اور خلافت اسلامی کا علم سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان میں سے خلافت بغداد کا تعلق سلاجقہ عظمیٰ اور ان کے بعد سلاجقہ کردستان کے ساتھ تھا۔ جو عراق پر آکر مسلط ہوگئے تھے۔ یہ تعلق ۴۴۷ھ سے جب سے کہ طغرل بغداد میں داخل ہوا ۵۹۰ھ تک رہا۔

طغرل چونکہ سنی تھا اس وجہ سے اس نے خلافت اور خلیفہ کا بڑا احترام رکھا۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ قرابت کے تعلقات قائم کئے۔ پہلے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون بنت داؤد خلیفہ کے ساتھ بیاہی پھر خود اس کی بیٹی کے ساتھ اپنی شادی کی درخواست کی چونکہ یہ امر غیر معمولی تھا اس لئے خلیفہ کو بہت پس و پیش ہوا لیکن آخر میں منظور کر لیا اور عمید الملک کو وکیل بنا کر بھیجا۔ مقام تبریز میں شعبان ۴۵۴ھ میں اس عقد کی رسوم ادا ہوئیں۔

حادثہ بساسیری

۴۴۸ھ میں بساسیری نے نورالدولہ دبیس کو اپنے ساتھ متفق کر کے قریش بن بدران عقیلی پر حملہ کیا وہ سلطان طغرل کے بھتیجے قطلمش کو اپنے ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ میدان سنجار میں صف آرائی ہوئی۔ بساسیری غالب آگیا۔ یہ سن کر طغرل فوراً بغداد سے روانہ ہوا۔ جنگ و قتال کے بعد جزیرہ سے بلاد موصل تک قبضہ کیا۔ وہاں اپنے بھائی ابراہیم نیال کو مقرر کر کے ۴۴۹ھ میں بغداد میں واپس آیا۔ خلیفہ نے اس کے سر پر تاج رکھا اور عمامہ بھی باندھا جو اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ یہ عرب اور عجم دونوں کا بادشاہ ہے پھر سات خلعت دے کر ملک المشرق والمغرب کا خطاب عطا فرمایا۔ طغرل نے تبرکاً دوبارہ خلیفہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں پر رکھا۔

ابراہیم نیال نے موصل میں خود مختاری کا اعلان کر دیا اور بلاد جبل کی طرف لشکر لے کر بڑھا۔ طغرل اس کے تعاقب میں گیا۔ مصریوں نے موقع پا کر بساسیری کو فوج دے کر بھیجا۔ جب وہ بغداد کے قریب آیا تو چونکہ وہاں کوئی فوج نہیں تھی۔ اس لئے خلیفہ

نے بھاگ کر عربی رئیس قریش بن بدران عقیلی کے پاس پناہ لی اس نے اپنے چچا زاد بھائی مبارش کو جو نہایت دین دار تھا خلیفہ کے ساتھ کر دیا تاکہ بادیہ میں کسی محفوظ مقام میں لے جا کر رکھے۔

بساسیری نے بغداد میں داخل ہو کر فاطمی خلافت کا علم بلند کر دیا۔ مستنصر علوی کا خطبہ پڑھا اور اذان میں **حی علی خیر العمل** کا اضافہ کیا۔ طغرل نے جا کر ابراہیم کو گرفتار کیا اور ۴۵۱ھ میں اس کو کمان کی تانت سے پھانسی دلوائی پھر بغداد کی طرف پلٹا راستہ ہی سے امام اہل سنت ابو بکر احمد بن محمد کو جو ابن فورک کے نام سے مشہور تھے قریش بن بدران کے پاس بھیجا کہ خلیفہ کی حفاظت اور حمایت کے لئے اس کا شکریہ ادا کریں اور واپس لائیں۔ ذی قعدہ ۴۵۲ھ میں سلطان اور خلیفہ دونوں بغداد میں پہنچے۔ بساسیری خوف سے بھاگ گیا تھا۔ سلطان نے اس کے تعاقب میں فوج بھیجی جو اس کا سر کاٹ کر بغداد میں لائی۔

طغرل نے بغداد کے سارے انتظامات درست کئے وہاں ایک شحنہ مقرر کر دیا اور خود رے میں آ کر اسی کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ وہیں ۸ رمضان ۴۵۵ھ میں یوم جمعہ کو انتقال کیا۔

الپ ارسلان

ان کے بعد وزیر عمید الملک نے اس کے بھتیجے سلیمان کو سلطان بنانا چاہا لیکن عضد الدولہ ابو شجاع الپ ارسلان محمد بن داؤد بن میکائیل بن سلجوق اپنی قوت سے تخت پر آ گیا۔ یہ نیک نہاد اور عالی حوصلہ بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی وزارت کے لئے نظام الملک طوسی کو منتخب کیا جس کا نام وزراء کی تاریخ میں ممتاز ہے۔

الپ ارسلان کے عہد میں ملک روم نے منبج پر چڑھائی کی اور وہاں کے سپاہیوں کو ہلاک کر کے باشندوں کو قتل و غارت کیا۔ الپ ارسلان خود فوج لے کر چلا۔ راہ میں معلوم ہوا کہ رومیوں کا لشکر کثیر التعداد ہے اور وہ منبج سے خلاط کے محاصرے کے لئے بڑھ رہے ہیں اس لئے آذر بائیجان کا راستہ اختیار کیا۔ پہلے رومیوں کی بیس ہزار فوج خلاط پر آئی۔ ذی قعدہ ۴۶۳ھ میں وہاں کے سپاہ نے نکل کر اس کو شکست دی لیکن جب سارا رومی لشکر پہنچ گیا تو وہ شہر میں محصور ہو گئی رومیوں نے ملاز کرد کی چھاؤنی پر بھی قبضہ کر لیا۔

سلطان منزل بمنزل سرعت سے ساتھ جا رہا تھا اور اپنی فوج کا بھی انتظار نہیں کرتا تھا۔ اس کی آرزو یہ تھی کہ اس جنگ میں شہادت سے سرفرو ہو۔ ۶ ذی قعدہ یوم پنجشنبہ کو ملاز کرد اور خلاط کے وسط میں فروکش ہوا۔ اسی روز رومی بادشاہ کے نام خط لکھا کہ اگر تم صلح کرنا چاہو تو ہم آمادہ ہیں ورنہ اللہ کے بھروسے پر جنگ کریں گے۔ اس نے سفیر سے کہا کہ اس خط کا جواب میں رے میں پہنچ کر دوں گا۔ اس پر مسلمانوں کے دلوں میں جوش حمیت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

علامہ ابو نصر محمد بن عبد الملک بخاری نے جو عسکر شاہی کے امام تھے سلطان سے کہا کہ چونکہ تم جہاد کے لئے آئے ہو اور اللہ تعالی کا وعدہ حق ہے کہ وہ مجاہد کو فتح عطا فرمائے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ کل بعد نماز جمعہ ان کے مقابلہ میں بڑھو تاکہ اہل اسلام کی دعائیں تمہارے ساتھ ہوں۔ چنانچہ دوسرے دن سلطان نے نماز جمعہ کے بعد فوج کو باقاعدہ مرتب کر کے چار حصوں میں تقسیم کیا۔ سب سے پہلے خود رومیوں کے مقابلہ میں پہنچا۔ جب آتش جنگ خوب مشتعل ہوئی تو دوسری فوج پیچھے سے آ گئی۔ رومی منتشر ہونے لگے۔ یہاں تک کہ چاروں فوجوں نے ان کو گھیر کر سخت ہزیمت دی اور بادشاہ روم کو گھیر کر پکڑ لیا۔ قیدیوں اور مال غنیمت کا کچھ شمار نہ تھا۔ گھوڑوں اور ہتھیاروں کی قیمتیں گھٹ گئیں۔ ایک ایک دینار پر تین زرہیں فروخت ہوئیں۔ بار برداری کی تین ہزار گاڑیاں ملی تھیں۔ اور ایک منجنیق ہاتھ آئی تھی جس میں بارہ سو آدمی لگتے تھے۔ مسلمان مظفر و منصور واپس آئے۔ رومی اس کے بعد سے نواح آرمینیہ پر حملہ آور نہیں ہوئے۔

سلطان الپ ارسلان کا زمانہ عروج کا تھا اس میں فوجی قوت بڑھی اور علمی ترقیاں بھی ہوئیں۔ وزیر نظام الملک نے بغداد میں

۴۵۸ھ میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا جس میں شیخ ابو اسحاق شیرازی رئیس فقہاء شافعیہ درس دیتے تھے اس کو دیکھ کر شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور مستوفی المملکۃ نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر حنفیہ کے لئے ایک مدرسہ بنوایا۔

۴۶۵ھ میں الپ ارسلان فوج کثیر لے کر چین کی فتح کے لئے روانہ ہوا لیکن دریائے جیحون سے پار اتر کر ۶ ربیع الاول کو انتقال کر گیا اور یہ آرزو پوری نہ ہو سکی مرنے کے وقت اس نے کہا کہ میں جس جنگ میں گیا ہمیشہ میرا اعتماد اور توکل اللہ تعالیٰ پر رہا۔ مگر یہاں جب ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر میں نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اب دنیا میں کوئی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ میں یقیناً سارے ملک چین کو فتح کر لوں گا۔ غالباً یہی خیال میری ناکامی کا باعث ہوا۔ الپ ارسلان کے بعد اس کا ولی عہد جلال الدولہ ابو الفتح ملک شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے آغاز عہد میں خلیفہ قائم نے ۱۳ شعبان ۴۶۷ھ مطابق ۲ اپریل ۱۰۷۵ء میں وفات پائی۔

(۲۷) مقتدی

خلافت ۱۳ شعبان ۴۶۷ھ سے ۵ محرم ۴۸۷ھ تک ۱۹ سال ۴ ماہ ۲۲ روز

ابو القاسم عبداللہ بن ذخیرہ ابوالعباس بن قائم بامراللہ ۔ خلیفہ قائم کا بیٹا ذخیرہ اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ چونکہ اس کے کوئی دوسری اولاد نہ تھی اس لئے لوگوں کو خیال ہوا کہ اب قادر باللہ کی نسل سے خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس سے سخت خلل کا اندیشہ تھا کیونکہ دیگر بنی عباس جو خلفاء سابقین کی اولاد میں سے تھے عام لوگوں میں مخلوط ہو گئے تھے اور ان کی کوئی امتیازی حیثیت اور ہیبت باقی نہیں تھی ۔ لہذا ان میں سے کسی کو منتخب کرنا دشوار تھا مگر ذخیرہ کے مرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس کی ایک ارمنی کنیز ارجوان نامی حاملہ ہے ۔ اس کے شکم سے چند ماہ کے بعد عبداللہ پیدا ہوا۔ جب یہ سن بلوغ کو پہنچا تو قائم نے اس کو اپنا ولی عہد بنایا۔ اس کی وفات کے بعد ۱۳ شعبان ۴۶۷ھ کو اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔

یہ قوی دل اور مصلح تھا۔ بغداد میں مغنیات اور مفسدات کی بڑی کثرت تھی ۔ سب کو نکلوا دیا۔ کبوتر بازی یک قلم بند کرا دی ۔ حماموں کے نابدانوں کے لئے جو دجلہ میں گرتے تھے حوض بنوا دیئے ان اصلاحات کی وجہ سے اس کی ذات سے خلافت کی گری ہوئی شان کسی قدر بلند ہوئی اس کے عہد میں نہایت ارزانی اور رزق کی فراوانی تھی متعدد نئے محلے بھی آباد ہو گئے۔

ملک شاہ

ملک شاہ نہایت عادل ۔ دیندار ۔ عالی رتبہ اور بلند حوصلہ بادشاہ تھا۔ آل سلجوق میں اس کا عہد ہر لحاظ سے ممتاز ہے جس طرف اس نے رخ کیا فتح اور کامیابی حاصل کی۔ انطاکیہ سے قسطنطنیہ تک رومیوں کو پسپا کرتا ہوا چلا گیا اور ان کے ملک میں جابجا تقریباً پچاس منبر قائم کئے ۔ قیصر نے ایک ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کی اور ان تمام فتوحات میں دو ماہ سے زائد نہیں صرف ہوئے۔ مشرق میں سمرقند کو فتح کر کے وہاں کے خان کو گرفتار کر لیا۔ وہ اس کا زین پوش سر پر لئے ہوئے رے تک ہمرکاب آیا۔ وہاں پہنچ کر سمرقند اس کو بخش دیا۔ دوسرے سال اوسگند پر قبضہ کیا اس کے قرب و جوار کے تمام امراء نے ہدیئے اور اطاعت نامے بھیجے۔

نظام الملک

سلطنت کی یہ ساری عظمت و شان حقیقت میں وزیر کبیر خواجہ بزرگ ابو علی حسن قوام الدین نظام الملک طوسی کی بدولت تھی جس کی تدبیر اور جہانداری کی قابلیت سے سارے ملکی اور فوجی انتظامات درست ہوئے تھے۔ خواجہ نظام الملک بہت بڑا عالم اور علم دوست تھا۔ اس کا دربار فقہاء فضلاء صلحاء اور اہل ادب سے معمور رہتا تھا۔ اس نے تمام سلطنت میں مدارس نظامیہ قائم کئے ۔ اور انکے اخراجات کے لئے خزانہ سے رقمیں منظور کیں۔ جس وقت اذان سنتا تھا خواہ کیسے ہی ضروری کام میں مصروف کیوں نہ ہو چھوڑ کر اٹھ جاتا تھا اور پڑھ کر اس کو انہماک دیتا تھا بہت سے ناجائز محاصل جو پہلے بادشاہوں کے زمانوں میں لگائے گئے تھے اٹھا دیئے ۔ اس سے پہلے وزیر عمید الملک کندری نے سلطان طغرل کے عہد میں منبروں پر رافضیوں اور ان کے ساتھ اشعریوں پر بھی لعنت بھیجنے کا دستور

نکلا تھا جس کی وجہ سے بہت سے ائمہ مثلاً امام الحرمین استاد امام غزالی اور ابو القاسم قشری وغیرہ ترک وطن کر کے حجاز میں چلے گئے تھے نظام الملک نے اس کو بند کیا اور ان لوگوں کو واپس بلا لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ وزیر اپنی عقل و تدبیر کی وجہ سے دولت سلجوقیہ کی پیشانی کا نور تھا۔ اصول جہانداری پر فارسی زبان میں سیاست نامہ اسی کی تصنیف ہے جو اب تک علماء اور ادباء میں مقبول ہے لیکن حاسدوں اور غمازوں سے آخر میں شکایتیں کر کے ملک شاہ کو اس کی طرف سے بدگمان کر دیا اس لئے نظام الملک کو لکھا کہ تم میرے ملک پر مسلط ہو گئے اور اس کو اپنے قرابت مندوں میں تقسیم کر رہے ہو اب مجھے اجازت دو کہ میں وزارت کی دوات تمہارے سامنے سے اٹھا کر کسی دوسرے شخص کے آگے رکھ دوں اور اہل ملک کو تمہاری طویل حکومت کے ملال سے نجات دلواؤں۔ جو لوگ اس فرمان کو لے کر آئے تھے ان سے نظام الملک نے کہا کہ یہ دوات موجود ہے لیکن سلطان سے کہہ دو کہ اسی کے ساتھ اس کا تاج وابستہ ہے اگر آج یہ میرے سامنے سے اٹھ گئی تو کل اس کے سر پر تاج بھی نہیں رہے گا۔ ملک شاہ کو اس کا یہ جواب گراں گذرا۔ اسی اثناء میں ۴۸۵ھ میں نظام الملک کو ایک باطنی ملحد نے قتل کر ڈالا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کے بعد ملک شاہ بھی ۳۳ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہا اور اس کی موت سے آل سلجوق کی شوکت ختم ہو گئی کیونکہ وہ باہمی جنگوں میں مصروف ہو گئے۔

ملک شاہ کے زمانہ میں اس کے نام کا خطبہ حدود چین سے شام تک اور شمال سے یمن تک پڑھا جاتا تھا وہ اپنی زندگی میں کسی مقصد میں ناکام نہیں رہا۔ سارے قلمرو میں عدل و انصاف کی وجہ سے امن اور خوشحالی تھی۔ نہریں کھودی گئیں۔ پل بنائے گئے۔ جامع مسجدیں آباد ہوئیں۔ مدرسے تعمیر کئے گئے مکہ کے راستوں میں جابجا رباط اور لنگر خانے قائم ہوئے اور اسلامی شوکت ہمسایہ سلطنتوں پر غالب آ گئی۔ ملک شاہ کے چار بیٹے تھے۔ برکیارق۔ محمد۔ سنجر۔ اور محمود جو سب سے چھوٹا تھا اس کی والدہ ترکان خاتون تھی جو سلطان کی عزیز ترین بیوی تھی اور جس کی بیٹی خلیفہ مقتدی کے ساتھ بیاہی گئی تھی اس وجہ سے خلیفہ اور ترکان خاتون دونوں محمود کی ولی عہدی چاہتے تھے لیکن برکیاروق جو بڑا بیٹا تھا اور جس کو نظام الملک ولی عہد بنا گیا تھا ممالک نظامیہ کی امداد سے تخت نشین ہو گیا خلیفہ مقتدی کے پاس اعلان بھیجا گیا مگر وہ اس پر دستخط کرنے سے قبل اچانک انتقال کر گیا اس کی وفات ۵ محرم ۴۸۷ھ میں ہوئی۔

(۲۸) مستظہر

خلافت ۵ محرم ۴۸۷ھ سے ۱۶ ربیع اول ۵۱۲ھ تک

۲۵ سال ۳ ماہ ۱۱ روز

مقتدی کے بعد اس کا بیٹا ابو العباس احمد مستظہر باللہ خلیفہ ہوا۔ یہ بڑا نیک۔ فیاض اور مستقل مزاج تھا سب کو خوش رکھتا تھا۔ کسی کی تکلیف اس کو گوارہ نہ تھی اس کا سارا عہد اہل بغداد کے لئے آرام اور راحت کا زمانہ تھا۔ خط بہت پاکیزہ لکھتا تھا اور ادب و شعر میں مہارت رکھتا تھا۔

برکیاروق

اس نے اپنے آغاز عہد میں نظام الملک کے عزالملک کو وزارت اور اس کے بھائی عبدالرحیم کو منصب طغرا عطا کیا علی بن ابو علی قسمی کو متوفی الممالک بنایا لیکن یہ سب کے سب ناکارے اور شراب خور تھے خود برکیاروق بھی دن رات لہو و لعب میں مبتلا رہتا تھا۔ یہ دیکھ کر سلطان تتش ارسلان فرماں روائے دمشق نے جزیرہ موصل دیار بکر اور آذر بیجان پر قبضہ کر لیا۔ پھر برکیاروق سے سلطنت چھین لینے کا ارادہ سے آگے بڑھا لیکن رے کے متصل پہنچ کر ۴۸۸ھ میں شکست کھا کر مقتول ہو گیا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ برکیاروق نے خواب غفلت سے بیدار ہو کر موئد الملک ابو بکر عبداللہ کو جو نظام الملک کے بیٹوں میں سب سے زیادہ لائق تھا وزارات پر بلا لیا اس کے حسن تدبیر سے کامیابی حاصل ہوئی چنانچہ جس وقت وہ برکیاروق کو اس فتح کی مبارکباد دینے کے لئے گیا برکیاروق نے کہا کہ یہ فتح تمہاری کوشش اور برکت سے حاصل ہوئی ہے مگر باوجود اس کے دونوں میں صفائی نہ رہ سکی کیونکہ برکیاروق کی والدہ زبیدہ خاتون امور سیاست میں دخیل ہو گئی۔ نظام الملک کے دوسرے بیٹے فخرالملک نے اس کے پاس ہدیئے اور تحفے بھیج بھیج کر اپنا رسوخ پیدا کیا پھر اپنے بھائی موئد الملک کی شکایتیں کیں۔ جن کی وجہ سے اس نے برکیاروق کو مخالف بنا دیا اس نے موئد الملک کو قید کر کے فخرالملک کو وزارت دی۔

موئد الملک اپنی تدبیروں سے قید سے نکل کر محمد بن ملک شاہ والی اران کے پاس پہنچا اس نے اس کی تعظیم و تکریم کی اور وزارت سپرد کر دی۔ موئد الملک نے اس کو برکیاروق پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا وہ تیار ہو کر اصفہان کی طرف بڑھا اور وہاں قبضہ کر لیا برکیاروق نے بھی فوج بھیجی۔ فریقین میں ۴۹۱ھ سے ۴۹۷ھ تک متواتر پانچ سال جنگ ہوتی رہی جس سے ملکی نظام کا شیرازہ بکھر گیا اور رعایا تنگ آ گئی۔

کیفیت یہ تھی کہ رے۔ جبل۔ طبرستان۔ خوزستان۔ فارس۔ دیار بکر اور حرمین میں برکیاروق کے نام کا خطبہ جاری تھا اور آذر بائیجان۔ آران۔ آرمینیہ۔ اصفہان اور عراق میں محمد کا بطائح میں کہیں اس کا اور کہیں اسکا اور بصرہ میں دونوں کا سنجر بن ملک شاہ نے مشرق میں حدود جرجان سے ماراء النہر تک اپنے نام کا خطبہ شروع کر دیا۔ یہ ابتری دیکھ کر فرنگی ملک شام پر بیت المقدس کے لئے حملے کرنے لگے اس وجہ سے بعض دانش مند اور عقیل امراء نے برکیاروق اور محمد میں صلح کرا دی اور دونوں کے حدود قائم کر دیئے۔ برکیاروق اس کے چند روز کے بعد ۲ ربیع الاول ۴۹۸ھ میں انتقال کر گیا۔

ملک شاہ ثانی اور سلطان محمد

برکیاروق کی وفات کے بعد امراء نے اس کے بیٹے ملک شاہ ثانی کی سلطنت کا اعلان کیا محمد نے چڑھائی کی برکیاروقی امراء جنگ کرنی چاہتے تھے مگر اپنی قوت کو کم دیکھ کر مقابلہ کے لئے نہیں آئے ۔ سلطان محمد بلا منازعت تخت پر قابض ہو گیا لیکن وزراء اچھے نہیں منتخب کر سکا اس وجہ سے ملک میں بد نظمی اور شورش پھیلی ۔ ۲۴ ذی حجہ ۵۱۱ھ کو وہ انتقال کر گیا اس کے چند ماہ کے بعد مستظہر نے بھی وفات پائی ۔

مستظہر باللہ کے عہد میں اسلامی ممالک میں بڑے بڑے حادثات اور واقعات ہوئے ۔ مشرق میں فرقہ باطنیہ کا ظہور ہوا۔ جنہوں نے اپنی سفاکیوں اور خونریزیوں سے ایک عام جنگلہ مچا دیا اور مغرب میں صلیبی جنگ شروع ہوئی چونکہ ان دونوں کا تعلق مصر کی خلافت فاطمیہ کے ساتھ ہے کیونکہ باطنیہ ان کے حامی تھے اور فرنگی ان کے دشمن اس لئے اس کی تفصیل خلافت فاطمی کے مؤرخ کا فرض ہے ،ہم صرف یہاں اجمالی کیفیت لکھتے ہیں۔

باطنیہ

فاطمیہ نے جب مغرب میں اپنی دولت قائم کر لی تو چاہا کہ مشرق میں بھی اس کے حدود کی توسیع کریں تاکہ تمام عالم اسلامی میں ان کی خلافت مسلم ہو جائے۔ شروع سے ان لوگوں نے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ دعوت اور تبلیغ کا تھا۔ یعنی اپنے مریدین کو خاص تعلیمات دے کر جن میں ان کی امامت کی دعوت سب سے مقدم ہوتی تھی ۔ ممالک میں بھیجتے تھے کہ مخفی طور پر لوگوں کو ان کی تلقین کریں ۔ تبلیغ میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مصر میں ایک باقاعدہ نظام مرتب کیا تھا۔ جس کے سرغنہ کا لقب داعی الدعاۃ ہوتا تھا اور اس کا درجہ قاضی القضاۃ کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔ وہاں داعیوں کو طرق دعوت اور اسرار تبلیغ کی تعلیم دے کر اسلامی صوبوں میں روانہ کر دیتے تھے۔

خلفاء فاطمیین کی نگاہیں خراسان اور ایران پر جو شیعیت کا گہوارہ رہ چکے تھے لگی ہوئی تھیں مصر پر قابض ہونے کے بعد سب سے پہلے انہوں نے اپنے دعاۃ انہی ممالک میں بھیجے ۔یہاں بنی بویہ کے عہد تک جابجا اصحاب برید و اخبار متعین تھے ہر قسم کی اطلاعیں دیا کرتے تھے اس لئے ان کے زمانہ میں یہ کامیاب نہ ہو سکے لیکن الپ ارسلان نے جاسوسی کے صیغہ کو توڑ دیا۔ نظام الملک نے اس سے کہا بھی کہ سلطنت کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے مگر اس نے جواب دیا کہ ہر شہر میں ،ہمارے دوست بھی ہیں اور دشمن بھی۔ ممکن ہے کہ ارباب غرض دوست کو دشمن یا دشمن کو دوست کی شکل میں دکھلائیں اس لئے میں اس بات کو جائز نہیں رکھتا اس وقت سے باطنیہ کو موقع مل گیا اور انہوں نے اپنی تبلیغ کا جال پھیلا دیا۔

سب سے پہلے اس کا ظہور ساوہ میں ہوا جو رے اور ہمدان کے درمیان واقع ہے ۔ وہاں کے شحنہ نے دو باطنیوں کو گرفتار کیا لیکن لوگوں نے سفارش کر کے چھڑا لیا اس کے بعد ان لوگوں نے وہاں ایک مؤذن کو اپنے مقاصد کی تبلیغ کی اس نے ملنے اور ساتھ دینے سے انکار کیا۔ ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں مخبری نہ کر دے اس لئے اس کو قتل کر ڈالا ۔ یہ پہلا خون تھا جو مشرق میں انہوں نے بہایا۔

اصفہان اور نیشاپور کے وسط میں ایک قصبہ قائن ہے اس کا رئیس اس جماعت میں شامل ہو گیا۔ یہ لوگ اس کے پاس جمع ہوئے اسی اثناء میں کرمان کا قافلہ تجارت ادھر سے گزرا۔ نکل کر اس کو لوٹ لیا۔ اور کل کاروانیوں کو قتل کر ڈالا صرف ایک ترکمانی شخص کسی طرح بچ نکلا۔ اس نے قائن میں جا کر فریاد کی ۔ لوگ مدد کے لئے گئے لیکن باطنیوں کی جماعت کو مغلوب نہ کر سکے۔ اس فرقہ نے جابجا خاص کر نواحی اصفہان میں غارت گری شروع کر دی اور اپنی قوت کو بڑھا کر وہاں ملک شاہ کے تعمیر کردہ قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کا داعی اعظم احمد بن عبدالملک بن عطاش تھا۔ اس کے سر پر طیلسانہ تاج رکھا اور بہت مال غنیمت لا کر جمع کیا۔

حسن بن صباح جو ہندسہ، حساب اور نجوم وغیرہ میں بڑا ماہر تھا ابن عطاش کے مریدوں میں داخل ہو گیا اس نے اس کو مصر میں بھیج دیا وہاں اصول دعوت کی تعلیم حاصل کی اور خلیفہ فاطمی مستنصر سے مل کر مرو میں آیا کہ سیف و قلم سے اس جماعت کی مدد کرے سب سے پہلے ایک گروہ کے ساتھ قلعہ الموت پر قبضہ کر لیا جو ساحل بحر قزوین پر ایک محفوظ کوہستان میں واقع تھا۔ نظام الملک نے فوج بھیجی جس نے چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور رسد کی آمد روک دی حسن بن صباح نے اپنے ایک آدمی کو بھیجا جس نے جا کر اچانک نظام الملک کو قتل کر ڈالا وزیر کے قتل کے بعد فوج محاصرہ اٹھا کر واپس چلی آئی۔

باطنیوں کو اب آزادی مل گئی انہوں نے قہستان اور طبس وغیرہ پر بھی تسلط کیا اور ابہر کے متصل وسنم کوہ کے نامی اور محفوظ قلعہ کو قبضہ میں لا کر اپنا ماوی اور ملجا بنایا۔ نیز اس کے اطراف کے قلعہ بھی لے لئے۔ رؤساء باطنیہ اپنے مریدوں کو موت کے متعلق عجیب و غریب تلقینات کرتے تھے جن کے اثر سے ان میں کا ایک شخص باوجود اس یقین کے کہ وہ ضرور قتل کر دیا جائے گا بے خوف ہو کر اپنے متعدد مخالفین پر ٹوٹ پڑتا تھا اور جس کو مارنا چاہتا تھا اس کا کام تمام کر دیتا تھا اس وجہ سے ان کا رعب دلوں پر چھا گیا۔ اور ہر طبقہ کے لوگ ان سے ڈرنے لگے وہ چونکہ ایک مخفی جماعت تھی اس لئے اور بھی فتنہ برپا ہو گیا۔ لوگ باہم ایک دوسرے کے ساتھ بد گمانی رکھنے لگے اور دوست و دشمن کی تمیز جاتی رہی۔ چنانچہ تیران شاہ پسر توران شاہ بن قاورت بک کو رعایا نے باطنی سمجھ کر ملحد قرار دیا اور مقام بردسیو سے اس کو نکال کر ارسلان شاہ کو بلا لیا درباریوں کو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے باطنیت کی تہمت لگا دینا آسان ہو گیا کیونکہ سلاطین کو اپنی جانوں کا اس قدر خطرہ رہتا تھا کہ وہ اس قسم کے خفیف شبہہ پر بھی لوگوں کو سزائیں دے دیتے تھے۔

سلطان برکیاروق کے بہت سے امراء کو باطنیہ نے مار ڈالا اور یہاں تک ان کا خوف طاری ہو گیا کہ کوئی شخص بلا زرہ پہنے اور ہتھیار لگائے اپنے گھر سے نکلنے کی جرات نہیں کرتا تھا اسی درمیان میں سلطان محمد نے اس پر یورش کی اور ہر طرف مشہور کیا کہ برکیاروق خود باطنی ہے اس وجہ سے اس کی فوج اس پر الحاد کا شبہ کرنے لگی لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم باطنیوں پر لشکر کشی کرو تاکہ یہ بد گمانی رفع ہو جائے اس نے فوج لے کر چڑھائی کی اور ان کی ایک جماعت کو گرفتار کر کے میدان میں لا کر قتل کر دیا ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو بری تھے لیکن ان کے دشمنوں نے ان پر تہمتیں لگا دی تھیں۔ عجیب تر امر یہ ہے کہ علامہ کیاہر اس پر بھی جو مدرسہ نظامیہ بغداد کے نامور مدرس اور امام غزالی کے ساتھی تھے بعضوں نے الحاد کی تہمت لگا دی سلطان محمد نے ان کو پکڑ لیا۔ خلیفہ مستظہر نے فوراً اعیان بغداد کو بھیجا جنہوں نے ان کے صحت اعتقاد اور فضیلت علمی کی شہادت دی اس وقت ان کی جان بچی۔

باطنیوں کی دراز دستی سے خراسان میں اضطراب عظیم پیدا ہو گیا اس وجہ سے ۴۹۴ھ میں سلطان سنجر کا سپہ سالار اعظم امیر برغش ان پر حملہ آور ہوا بہت سے ملحدوں کو قتل کر کے طبس کا محاصرہ کیا۔ باطنوں نے ایک بڑی رقم رشوت میں اس کو دے دی اس لئے وہ محاصرہ اٹھا کر چلا گیا۔ ۴۹۷ھ میں پھر دوبارہ گیا اور طبس کو فتح کر لیا لیکن باطنیوں کا استیصال نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ مصالحت کر کے واپس آ گیا انہوں نے پھر غارت گری شروع کر دی اور اس سال ہند۔ سند۔ ماوراء النہر اور خراسان سے جو عظیم الشان قافلہ حج کے لئے جا رہا تھا اس کو رے کے متصل لوٹ لیا اور سب کو قتل کر ڈالا۔

۵۰۰ھ میں جب سلطان محمد کے جھگڑے برکیاروق کے ساتھ ختم ہو گئے تو اس نے ان کے مٹانے کا تہیہ کیا اور سب سے پہلے اصفہان کے قلعہ کا جہاں کا رئیس ابن عطاش تھا محاصرہ کیا۔ رعایا میں سے ایک جم غفیر اس جہاد میں اس کے ساتھ تھا۔ باطنیہ جب تنگ آ گئے تو انہوں نے معسکر سلطانی میں اس مضمون کا ایک استفتا بھیجا۔

سادات فقہا اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک جماعت جو اللہ اس کے رسولؐ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے لیکن صرف سلطان وقت کی مخالف ہے اس کے ساتھ صلح جائز ہے یا نہیں۔ اکثر فقہا نے جواز کا فتویٰ دیا لیکن بعض نے ناجائز کہا۔ فریقین مناظرہ

کے لئے جمع ہوئے اور دیر تک بحث ہوتی رہی ۔ علامہ ابو الحسن علی بن عبدالرحمن سمجانی نے جو فقہاء شافعیہ میں ممتاز تر تھے فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ واجب ہے اور صلح کسی طرح جائز نہیں۔ ہم نے مانا کہ وہ اللہ اور رسول کو مانتے ہیں اور قیامت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن جس کو انہوں نے امام مانا ہے وہ شرع شریف کے خلاف جو احکام دیتا ہے اس پر عمل کرنا بھی واجب سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کا خون قطعی مباح ہے۔

باطنیہ نے پھر درخواست بھیجی کہ جو لوگ ہمارے ساتھ صلح ناجائز قرار دیتے ہیں ان کو قلعہ میں بھیج دیجئے تاکہ ہمارے علماء کے ساتھ مناظرہ کریں۔ سلطان نے فقیہہ ابو العلاصاعد بن یحیی حنفی قاضی اصفہان کی معیت میں چند علماء کو بھیج دیا۔ ان لوگوں نے جا کر مناظرہ کیا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا کیونکہ باطنیوں کی غرض صرف یہ تھی کہ اس تدبیر سے وہ سلطانی فوج میں تفرقہ ڈال دیں اور ان کے آدمیوں کو امراء کے قتل کا موقع مل جائے چنانچہ ایک باطنی نے اس امیر پر جو جنگ میں سب سے زیادہ کوشاں تھا آکر وار بھی کیا مگر وہ بچ گیا اور نہایت خفیف زخم آیا۔ محاصرہ سختی کے ساتھ جاری رہا۔ باطنیوں نے لکھا کہ ہم کو امان دے دی جائے کہ ہم اس قلعہ کو چھوڑ کر ارجان اور طبس کی طرف چلے جائیں یہ درخواست منظور کر لی گئی لیکن ابن عطاش نے غداری کی اور قلعہ کو خالی نہیں کیا پھر جنگ شروع ہوئی آخر میں وہ مع اپنے بیٹے کے گرفتار ہوا ان دونوں کے سر کاٹ کر بغداد میں بھیج دیئے گئے ابن عطاش کی بیوی نے قلعہ سے گر کر خود کشی کر لی۔

سلطان محمد نے اب حسن بن صباح پر جو ۲۶ سال سے الموت کے قلعہ پر قبضہ کر کے قرب و جوار کے دیار کو لوٹ مار سے تباہ کئے ہوئے تھا لشکر کشی کی لیکن راہ میں بیمار ہو گیا۔ اس لئے خود نہ جا سکا اور امیر انو شتکین شیر گیر والی سارہ کو بھیجا اس نے ایک ایک قلعہ سے ان کو نکال کر آخر میں الموت کا محاصرہ کیا۔ باطنیہ شدت حصار سے تنگ آگئے تھے اور قریب تھا کہ قلعہ سپرد کر دیں مگر اسی اثناء میں سلطان کی وفات کی خبر آگئی جس کی وجہ سے فوج واپس چلی آئی۔

جنگ صلیبی

آل سلجوق نے جب قونیہ میں سلطنت قائم کر لی اور ایشیائے کوچک سے رومیوں کا تسلط اٹھا دیا تو ایک راہب بطرس نامی بابائے روم اور یانس کے پاس فریاد لے کر پہنچا اس نے اہل یورپ کو مذہب کے نام سے ارض مقدس اور آثار مسیح کی حفاظت کے لئے برانگیختہ کیا اور ان کے دلوں کو مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب سے بھر دیا چنانچہ ۴۸۹ھ مطابق ۱۰۹۶ء میں اگست کے مہینہ میں وہاں سے صلیبی فدائی بہت بڑی تعداد میں روانہ ہوئے آگے آگے بطرس راہب تھا۔ مگر اس جمعیت کا نظام فوجی نہیں تھا راستہ میں انہوں نے جابجا لوٹ مار کی جس کی وجہ سے بلغاریہ اور ہنگری کے باشندوں کے ساتھ لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے زیادہ تر ہلاک ہو گئے بقیہ جب ایشیائے کوچک میں داخل ہوئے تو ان کو سلطان قلیج ارسلان کی فوجوں نے ختم کر دیا ایک بھی بچ کر واپس نہ جا سکا۔ اس ناکامی کے بعد اہل یورپ نے دوسرے حملہ کا سامان کیا اس میں تین لشکر شامل تھے۔

(۱) پہلا لشکر فرانسیسیوں کا تھا جن کا سردار گاڈ فرے ڈیوک دی لورین تھا اس کے ساتھ فرانس اور آسٹریا کے متعدد امراء فوج تھے۔

(۲) دوسری فوج فلپ شاہ فرانس کے بھائی ہیو آف ورمانڈو کی ماتحتی میں تھی۔

(۳) تیسرا گروہ خود روم سے تیار ہوا تھا ان کا سرگروہ بوہیمند تھا جو اطالیہ کے مقام تارانت کا رئیس تھا۔

یہ تینوں جماعتیں جن کی مجموعی تعداد سات لاکھ سے کم نہ تھی مصیبتیں اٹھاتی ہوئی قسطنطنیہ سے آبنائے کو عبور کر کے ایشیاء میں پہنچیں سلطان مقابلہ نہ کر سکا انہوں نے آکر قونیہ کا محاصرہ کر لیا۔ تقریباً ۵۰ دن کے بعد وہ ان کے سپرد کر دیا گیا اس کے بعد ان میں نا اتفاقی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے باہمی خلفشار ہوا اور بہت سے ہلاک ہو گئے ان میں سے ایک امیر بالڈوین نامی جدا ہو کر جزیرہ فراتیہ کی طرف آیا اور مقام رہا پر قابض ہو گیا۔ بقیہ انطاکیہ کی طرف بڑھے وہاں کا حاکم امیر باغیان تھا اس نے مقابلہ میں نہایت

شجاعت دکھائی۔ پورے نو مہینے تک صلیبی محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے اور کچھ نہ کرسکے آخر میں ایک برج کے محافظ کو رشوت دے کر ملا لیا جس کی وجہ سے اندر داخل ہو گئے ۔ دوران محاصرہ میں ان لوگوں نے امراء دمشق اور حلب کو خطوط لکھے کہ ہم صرف ان شہروں کے خواہاں ہیں جو رومیوں کے تھے۔ آپ سے ہم کو کوئی واسطہ نہیں ہے مطلب اس سے یہ تھا کہ یہ لوگ اہل انطاکیہ کی مدد کو نہ آئیں۔ چنانچہ ان سادہ لوحوں نے یہی کیا۔

فتح انطاکیہ کے بعد معرۃ النعمان پر قبضہ کیا پھر بیت المقدس کی طرف بڑھے۔ یہ شہر آل سلجوق کی حکومت میں تھا لیکن فاطمیوں نے ان کو صلیبیوں کے مقابلہ میں مشغول پا کر اپنے امیر افضل بن بدر جمالی کو بھیج کر قبضہ کر لیا تھا تقریباً ڈیڑھ ماہ کے محاصرہ کے بعد صلیبیوں کے ہاتھ میں چلا گیا اور وہ ۲۳ شعبان ۴۹۲ھ میں اس میں داخل ہو گئے ۔ باشندوں کو بیدریغ تہ تیغ کیا ان میں سے کچھ لوگ نالہ و فریاد کناں قاضی ابو سعید ہروی کے ساتھ بغداد پہنچے ۔ وہاں ان خونی مظالم کو سنا کر امداد طلب کی اس زمانہ میں برکیا روق اور سلطان محمد باہمی جنگ میں مشغول تھے اس وجہ سے ان مظلوموں کو کوئی مدد نہیں مل سکی۔ فرنگیوں نے گاڈ فرے کو بیت المقدس کا بادشاہ بنایا لیکن اس نے اپنا لقب صرف محافظ قبر مسیح رکھا اور تھوڑے دنوں کے بعد ۱۸ جولائی ۱۱۰۰ء میں انتقال کر گیا اس کا بھائی بالڈوین رہا سے آکر اس کا جانشین ہوا اور اپنی جگہ اپنے بیٹے بالڈوین برگ کو چھوڑا جو عربی تواریخ میں بردویل لکھا جاتا ہے۔ اب اسلامی ممالک کے وسط میں اہل یورپ کی متعدد حکومتیں قائم ہو گئیں۔ بیت المقدس ۔ انطاکیہ اور رہا وغیرہ ان سب میں محترم بیت المقدس کی ریاست تھی۔ ان کی لڑائیاں مسلمانوں کے ساتھ ۴۹۰ھ سے ۶۹۰ھ دو صدی تک مسلسل جاری رہیں۔

وفات مستظہر

۱۶ ربیع الاول ۵۱۲ھ میں مستظہر باللہ نے وفات پائی۔

(۲۹) مسترشد

خلافت ۱۶ ربیع الاول ۵۱۲ھ سے ۱۷ ذی قعدہ ۵۲۹ھ تک ۱۷ سال ۸ ماہ ایک دن

ابو المنصور الفضل مسترشد باللہ بن مستظہر۔ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اس کی وفات ۱۶ ربیع الاول ۵۱۲ھ مطابق ۷ اگست ۱۱۱۸ء کو خلیفہ ہوا۔

سلطان محمود و سنجر

اس کے آغاز عہد میں سلطان محمد بن ملک شاہ فرماں روا تھا۔ اس نے اپنے چچا سنجر بادشاہ رے کو لکھا کہ تم مازندران مجھ کو دے دو۔ وہ اس طلب سے برہم ہو گیا۔ فریقین کی طرف سے جنگ کا سامان ہوا اور ساوا کے متصل لڑائی ہوئی محمود نے شکست کھائی جس وقت یہ خبر بغداد میں پہنچی۔ خلیفہ نے خطبہ سے اس کا نام نکال کر سنجر کا نام داخل کر دیا۔ سنجر کی والدہ جو محمود کی دادی تھی زندہ تھی اس کی سفارش سے سنجر نے پھر اس کا ملک اس کو واپس دے دیا اور اپنا ولی عہد بنایا یہ امر اس کے بھائی مسعود کو جو موصل اور آذر بائیجان کا رئیس تھا ناگوار گذرا۔ کیونکہ وہ اپنی سلطنت کی تدبیر میں تھا اس نے اپنے وزیر ابو اسمٰعیل طغرائی کے مشورہ سے محمود پر جو اصفہان میں تھا فوج کشی کی اسد آباد میں میدان کار زار گرم ہوا محمود نے دن بھر نہایت ثابت قدمی سے مدافعت کی شام کو حملہ کر کے مسعود کو شکست دے دی۔ طغرائی پکڑا گیا اس کے قتل کا حکم دیا اور کہا کہ اس کی بدباطنی سے یہ جنگ پیش آئی یہ وزیر انشاء پرداز اور شاعر تھا۔ پھر مسعود کو بلایا جب وہ آیا تو اس کے ساتھ سلوک و مہربانی کی۔

خلیفہ مسترشد نے سلجوقیوں کی باہمی نزاعوں میں موقع پا کر کچھ طاقت پیدا کر لی اور مخالفین کے مقابلہ میں فوج کشی کرنے لگا۔ آل سلجوق کے شحنہ کو بھی بغداد سے نکال دیا اس نے جا کر سلطان محمود سے شکایت کی وہ بغداد کیطرف آیا۔ خلیفہ اپنی فوج اور عوام الناس کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ مگر جب طاقت نہ دیکھی تو صلح کر لی۔ خلیفہ کے دشمنوں نے سلطان محمود کو مشورہ دیا کہ بغداد میں آگ لگا دے اس نے کہا کہ یہ ایسا کام ہے کہ اگر سارے عالم کی سلطنت بھی مجھ کو مل جائے تو میں نہیں کروں گا۔ سلطان جب شہر میں داخل ہوا تو خلیفہ نے خلعت اور عربی گھوڑے اس کے سامنے پیش کئے۔ تقریباً دو ماہ کے قیام کے بعد ۴ ربیع الثانی ۵۲۱ھ میں وہاں سے واپس چلا آیا۔

باطنیہ

یہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اصفہان میں ابن عطاش باطنی کی جماعت کو سلطان محمد نے فنا کر دیا تھا لیکن الموت والے رہ گئے تھے ۵۲۴ھ میں سلطان محمود نے ان کا استیصال کر دیا اس نے ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ نہایت حلیم و کریم تھا۔

سلطان مسعود و طغرل ثانی

سلطان محمود کی وفات کے بعد اس کے بیٹے داؤد کا نام خطبہ میں لیا گیا جو اس وقت بلاد جبل کا والی تھا مسعود نے مخالفت کی

اس وجہ سے دونوں میں جنگ ہوئی داؤد کو ہزیمت ملی اس پر سلطان سنجر والی رے جو اس خاندان کا بزرگ تھا۔ مسعود کو سزا دینے کے لئے آیا اس نے نواح دینور میں مقابلہ کیا۔ سنجر نے شکست دے دی پھر امان دے کر بلایا۔ عتاب فرما کر مقام گنجہ میں بھیج دیا اور اس کے بھائی طغرل ثانی کو تخت نشین کر کے رے کو واپس چلا آیا۔ مسعود نے موقع پا کر ایک جمعیت فراہم کی اور بغداد کی طرف آیا۔ خلیفہ کو متفق کر کے اس سے بھی امداد لی اور ہمدان میں جا کر طغرل کو مغلوب کر لیا۔ اس کے بعد اس کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا۔ خلیفہ بغداد نے بوجہ اپنی قوت کے اب بالا ستقلال احکام نافذ کرنے شروع کئے مسعود نے اس کو رد کا خلیفہ نے خطبہ سے اس کا نام نکال دیا اور فوج کشی کی لیکن مقابلہ کے وقت عوام نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور ترک سلطانی لشکر میں جا کر مل گئے اس وجہ سے گرفتار ہو گیا آخر اس نے یہ شرط لکھی کہ نہ کوئی فوج رکھے گا نہ اپنے قصر سے باہر نکلے گا اس وقت رہا کیا گیا۔ اسی اثناء میں ایک باطنی نے اس کو مار ڈالا یہ واقعہ مراغہ کے دروازہ پر ۱۷ ذی قعدہ ۵۲۹ھ میں ہوا۔

(۳۰) راشد

خلافت ۱۷ ذی قعدہ ۵۲۹ھ سے ۶ ذی قعدہ ۵۳۰ھ تک گیارہ ماہ گیارہ روز

ابو جعفر المنصور باللہ بن مسترشد ۱۷ ذی قعدہ ۵۲۹ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۱۳۵ء میں خلیفہ ہوا اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے سلطان مسعود کے خلاف امراء کے ساتھ سازش شروع کی اور سلطان محمود کے بیٹے داؤد کو اس کے مقابلہ کے لئے اٹھایا۔ مسعود فوج لے کر بغداد کی طرف بڑھا جن امراء نے خلیفہ کا ساتھ دیا تھا اب وہ خوف سے الگ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ عماد الدین زنگی صاحب موصل جو اس امر میں خلیفہ کا سب سے بڑا مددگار تھا وہ بھی بغداد سے نکلنے لگا۔ راشد بھی صورت حال دیکھ کر اسی کے ساتھ چلا گیا۔ مسعود نے بغداد میں داخل ہو کر فقہاء اور قضاۃ کو جمع کر کے فتویٰ کیا کہ راشد خلافت سے خارج ہے۔

(۳۱) مقتفی

خلافت ۸ ذی حجہ ۵۳۰ھ سے ۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ تک ۲۴ سال ۲ ماہ ۲۴ روز

ابو عبداللہ حسین مقتفی لامر اللہ بن مستظہر۔ راشد کے بعد خلافت کے لئے نامزد کیا گیا۔ ۸ ذی حجہ ۵۳۰ھ کو اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ سلطان مسعود نے اس کے ساتھ رشتہ بھی قائم کیا اور اپنی بہن فاطمہ کا ایک لاکھ دینار مہر پر اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔

خلیفہ معزول راشد نے داؤد کی مدد سے پھر خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا اور نواحی اصفہان میں باطنیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سلطان مسعود باوجود اپنے اہل خاندان اور دیگر امراء کی مخالفتوں کے برابر سلطنت پر قائم رہا۔ ۵۴۷ھ میں ہمدان انتقال کر گیا۔ نہایت فیاض نرم خو۔ خوش مزاج اور پاک دل تھا۔ رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا اس کی موت سے سلطنت سلجوقی کی سعادت ختم ہو گئی اور اس کے پرزے پرزے ہوگئے۔

سب سے پہلے خلیفہ بغداد نے سلطانی شحنہ اور امراء کو نکال دیا اور ان کے مکانات اور اموال ضبط کر لئے پھر ایک فوج مرتب کر کے عراق حلہ اور واسط وغیرہ پر قبضہ کر لیا دیگر ممالک اتابکوں میں تقسیم ہوگئے۔ اتابک ترکی لفظ ہے جس کے معنی ہیں اتالیق۔ سلاطین سلجوق تربیت کے لئے اپنے بیٹوں کو فوجی امراء کے حوالے کر دیتے تھے یہی لوگ اتابک کہے جاتے تھے ان میں سے اکثر والیان صوبہ اور نائبان حکومت کے درجوں پر تھے جب مرکزی قوت کمزور ہو گئی تو ہر ایک نے اپنے اپنے رقبہ حکومت پر مستقل قبضہ جما لیا۔

شاہان خوارزم

اس خاندان کا بزرگ محمد تھا جس کے باپ انوشتگین کو ایک سلجوقی امیر بلباک نے گرجستان سے خریدا تھا وہ چونکہ بہادر اور فرزانہ تھا۔ اس وجہ سے اس کو عروج مل گیا اس نے اپنے بیٹے محمد کو نہایت اچھی تعلیم و تربیت دی سلطان برکیاروق کے زمانہ میں محمد والی خوارزم کے ساتھ گیا۔ اس نے ایک بڑا عہدہ دیا اور تھوڑے دنوں میں اس کے کام سے ایسا خوش ہوا کہ خوارزم شاہ کا لقب بخشا۔ محمد نے اپنی لیاقت۔ انصاف پسندی اور علمی و دینی اوصاف کی بدولت ہر دل عزیزی حاصل کر لی۔ سلطان سنجر بھی اس سے بہت خوش ہوا اور اپنے زمانہ میں اس کو خوارزم کی حکومت پر بحال رکھا۔ وہیں ۵۲۱ھ میں محمد نے وفات پائی اس کی جگہ پر اس کا بیٹا اتسز مقرر ہوا۔ یہ بھی نہایت مدبر اور شجاع تھا۔ سنجر نے بڑی بڑی مہمات میں اس سے امداد لی۔ سلطان مسعود کی وفات پر یہ خوارزم کا خود مختار فرماں روا بن گیا۔ یہ سلطنت اس کے خاندان میں ۶۲۸ھ تک رہی۔

شاہوں کے نام یہ ہیں

(۱) محمد بن انوشتگین	۴۹۰-۵۲۱ھ
(۲) اتسز بن محمد	۵۵۱ھ
(۳) ارسلان بن اتسز	۵۶۸ھ

(۴) سلطان شاہ محمود بن ارسلان ۵۶۸ھ
(۵) تکش بن ارسلان ۵۹۶ھ
(۶) علاء الدین محمد بن تکش ۶۱۷ھ
(۷) جلال الدین منکبرتی بن علاء الدین ۶۲۸ھ
پھر یہ سلطنت تاتاریوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

دولت ارتقیہ

یہ دولت ارتق ترکمانی کی طرف منسوب ہے جو ملک شاہ کا غلام اور ایک فوج کا سردار تھا اس کے بیٹے معین الدولہ سقمان نے سلطان برکیارق کے عہد میں ۴۹۵ھ میں قلعہ کیف سے امیر موسیٰ ترکمانی کو نکال کر اس پر قبضہ کر لیا اس کے بعد علاقہ ماردین کو بھی اپنی ریاست میں شامل کیا۔ ۵۰۲ھ میں اس ریاست کے دو حصے ہوگئے۔ ایک کا مرکز حصن کیفا رہا اور دوسرے کا ماردین۔ کیفا کی حکومت ۶۲۰ھ تک اس خاندان میں رہی اس کے بعد ایوبیوں کے قبضہ میں آئی۔ امراء کی فہرست یہ ہے۔

(۱) معین الدولہ سقمانی ۴۹۵-۴۹۸ھ
(۲) ابراہیم بن سقمان ۵۰۲ھ
(۳) رکن الدین داؤد بن سقمان ۵۴۳ھ
(۴) قمر الدین قرہ ارسلان بن داؤد ۵۷۰ھ
(۵) نور الدین محمد بن ارسلان ۵۸۱ھ
(۶) قطب الدین سقمان بن محمد ۵۹۷ھ
(۷) ناصر الدین محمود بن محمد ۶۱۹ھ
(۸) رکن الدین مودود بن محمود ۶۲۰ھ
ماردین کی حکومت ۸۱۱ھ تک رہی اس کے وارث آل عثمان ہوئے۔

امراء کے نام یہ ہیں۔

(۱) نجم الدین غازی بن ارتق ۵۰۲-۵۱۶ھ
(۲) حسام الدین تیمور تاش بن غازی ۵۴۷ھ
(۳) نجم الدین البی بن تیمور تاش ۵۷۲ھ
(۴) قطب الدین غازی بن البی ۵۸۰ھ
(۵) حسام الدین یولق بن ارسلان غازی ۵۹۷ھ
(۶) ناصر الدین ارتق بن ارسلان غازی ۶۳۷ھ
(۷) نجم الدین غازی بن ارتق ارسلان ۶۵۸ھ
(۸) قرہ ارسلان بن غازی ۶۶۱ھ
(۹) شمس الدین داؤد بن قرہ ارسلان ۶۹۳ھ
(۱۰) نجم الدین غازی بن قرہ ارسلان ۷۱۲ھ
(۱۱) شمس الدین صالح بن غازی ۷۶۵ھ

(۱۲) منصور احمد بن صالح ۷۶۹ھ

(۱۳) صالح محمود بن احمد ۷۶۹ھ

(۱۴) مظفر داؤد بن صالح ۷۷۸ھ

(۱۵) ظاہر مجد الدین عیسیٰ بن داؤد ۸۰۹ھ

(۱۶) صالح بن داؤد ۸۱۱ھ

اتابکیہ دمشق

آل سلجوق میں سے تتش الپ ارسلان نے شام پر قبضہ کیا تھا اس کا ایک غلام ظہیر الدین طغتگین تھا جو لڑائیوں میں اس کے ساتھ شریک رہتا تھا تتش نے اس کی بہادری کی وجہ سے اس کو سیف الاسلام کا خطاب دیا اور اپنے بیٹے وقاق کا اتالیق مقرر کیا وقاق جب فرمانروا ہوا تو ظہیر الدین نے ہر کام میں خلوص کے ساتھ اس کی مدد کی اور جب وہ مر گیا تو اس کے چھوٹے بچے کو تخت نشین کیا۔ تتش کا بڑا بیٹا بکتاش مقابلہ کے لئے اٹھا اور بیت المقدس کے فرنگیوں سے مدد لے کر آیا لیکن ناکام رہا۔ وقاق کے بچہ کے بعد طغتگین نے اپنی حکومت قائم کر لی جو ۵۲ سال تک رہی پھر آل زنگی اس کے وارث ہوئے۔

ملوک کی فہرست یہ ہے۔

(۱) سیف الاسلام ظہیر الدین طغتگین ۴۹۷-۵۲۲ھ

(۲) تاج الملوک بوری ۵۲۶ھ

(۳) شمس الملوک اسماعیل ۵۲۹ھ

(۴) شہاب الدین محمود ۵۳۳ھ

(۵) جمال الدین محمود ۵۳۴ھ

(۶) مجیر الدین ابق ۵۴۹ھ

اتابکیہ موصل

آق سنقر ملک شاہ سلجوقی کا غلام اور سب سے نامور سپہ سالار تھا۔ وہ برکیا روق کے زمانہ میں تتش ارسلان کے مقابلہ میں حلب کے متصل مارا گیا۔ برکیا روق نے اس کی خدمت کی وجہ سے اس کے بیٹے عماد الدین کی شاہانہ تربیت کی اس لے اپنے باپ سے بھی زیادہ ناموری اور عزت حاصل کی۔ سلطان محمود نے ۵۲۱ھ میں اس کو موصل کی ولایت پر بھیجا۔ زنگی سلطنت کا بانی یہی شخص ہے اس خاندان کی چار شاخیں ہو گئیں۔

موصل (۱)

(۱) اتابک عماد الدین زنگی ۵۲۱-۵۴۱ھ

(۲) سیف الدین غازی بن زنگی ۵۴۴ھ

(۳) قطب الدین مودود بن زنگی ۵۶۵ھ

(۴) سیف الدین غازی بن مودود ۵۷۶ھ

(۵) عزالدین مسعود بن مودود ۵۸۹ھ

(۶) نور الدین ارسلان شاہ بن مسعود ۶۱۶ھ

(۷) نصیر الدین بن محمود بن مسعود	۶۳۱ھ
(۸) بدر الدین لولو	۶۵۷ھ
(۹) اسماعیل بن لولو	۶۶۰ھ

بدر الدین لولو اس خاندان کا غلام تھا۔ نصیر الدین محمود کے بعد حکمران ہو گیا۔ اس کے بیٹے اسماعیل کے عہد میں تاتاری آ گئے۔

حلب (۲)

۵۴۱ھ میں عماد الدین زنگی کی سلطنت اس کے قتل کے بعد اس کے دونوں بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ سیف الدین غازی موصل میں رہا۔ اور نور الدین محمود حلب میں۔ محمود کے بعد اس کا بیٹا اسماعیل تخت نشین ہوا۔ پھر سلطان صلاح الدین مالک ہو گیا۔

سنجار (۳)

قطب الدین مودود کی وفات کے بعد ۵۶۵ھ میں اس کا چھوٹا بیٹا سیف الدین جو ولی عہد تھا موصل میں حکمران ہوا اور بڑے بیٹے عماد الدین نے سنجار پر تسلط کر لیا۔

امراء کی فہرست یہ ہے

(۱) عماد الدین زنگی بن مودود	۵۶۶-۵۹۴
(۲) قطب الدین محمد زنگی	۶۱۶
(۳) عماد الدین شاہنشاہ	۶۱۶
(۴) عمر	۶۱۷

اس کے وارث بھی ایوبی ہوئے۔

جزیرہ (۴)

سیف الدین غازی بن مودود کے بعد اس کا ملک بھی اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہو گیا عز الدین موصل میں رہا اور سنجر شاہ نے جزیرہ پر قبضہ کیا۔

ملوک حسب ذیل ہوئے۔

(۱) سنجر شاہ بن مودود	۵۷۶-۶۰۵
(۲) معز الدین محمود بن سنجر شاہ	۶۴۸
(۳) مسعود بن محمود	۶۴۸

یہ سلطنت بھی ایوبی ممالک میں شامل ہوئی۔

اتابکیہ اربل

یہ دولت زین الدین علی کوچک نے قائم کی جو عماد الدین زنگی کا غلام اور سپہ سالار تھا سنجار۔ حران۔ قلعہ۔ عقر حمیدیہ۔ نیز قلعہائے ہکاریہ۔ تکریت اور شہر زور وغیرہ سب اس کے قبضہ میں تھے لیکن یہ سارا ملک اپنے آقا کے بیٹے قطب الدین مودود کو جس نے اس کی تربیت کی تھی دے دیا اور صرف اربل اپنے پاس رکھا اس کے مرنے کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا زین الدین ابو المظفر جانشین

ہو گیا۔ بڑے بیٹے مجاہد الدین قائماز نے مخالفت کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس لئے سیف الدین والئی موصل کے پاس امداد کے لئے گیا۔ اس نے اس کو حران دے دیا وہاں کچھ دنوں رہ کر سلطان صلاح الدین کے ہاں پہنچا۔ سلطان نے رہا بھی اس کی جاگیر میں شامل کر دیا اور اپنی بہن کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔

مجاہد الدین صلیبی جنگوں میں سلطان کے ساتھ رہا اور بڑے بڑے کام کئے۔ ۵۸۳ھ میں اپنے بھائی زین الدین کی وفات کے بعد اربل میں گیا وہیں ۶۳۰ھ میں وفات پائی چونکہ کوئی وارث نہیں رکھتا تھا اس لئے اپنے ملک کی وصیت خلیفہ عباسی کے لئے کر گیا چنانچہ تاتاریوں کے آنے تک انہیں کے قبضہ میں رہا۔

اتابکیہ آذربائیجان

سلطان محمود سلجوقی کے وزیر اعظم کمال سمیری کا ایک غلام ایلدگز نامی تھا اپنے عہد میں سلطان مسعود نے اس کو ارانیہ کا والی مقرر کر دیا وہاں پہنچ کر اس نے آذربائیجان کے بیشتر حصہ پر اپنا تسلط جما لیا فوج کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ بڑھا لی مکران سے لے کر تفلیس تک حکمران ہو گیا۔ اور ان سب ممالک میں اپنے ربیب ارسلان شاہ بن طغرل کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ ایلدگز نہایت شجاع عاقل اور عادل تھا اس کے اوصاف کی وجہ سے اس کی رعایا بہت عزت کرتی تھی اس کے خاندان میں حسب ذیل ملوک ہوئے۔

(۱) شمس الدین ایلدگز	۵۳۱-۵۶۱ھ
(۲) محمد پہلوان جہاں پسر ایلدگز	۵۸۱ھ
(۳) قزل ارسلان عثمان بن ایلدگز	۵۸۷ھ
(۴) ابو بکر بن محمد	۶۰۷ھ
(۵) مظفر الدین ازبک بن محمد	۶۲۲ھ

یہ دولت شاہان خوارزم کے مقبوضات میں شامل ہوئی۔

اتابکیہ فارس

سلاجقہ کے عہد میں سلغر ایک مشہور سپہ دار تھا اس کے پوتے سنقر نے یہ دولت قائم کی فرماں رواؤں کی فہرست یہ ہے۔

(۱) سنقر بن مودود بن سلغر	۵۴۳-۵۵۷ھ
(۲) زنگی بن سنقر	۵۹۱ھ
(۳) تکلہ بن زنگی	۵۹۱ھ
(۴) سعد بن زنگی	۶۲۳ھ
(۵) ابو بکر بن سعد	۶۵۸ھ
(۶) محمد بن سعد	۶۶۰ھ
(۷) محمد شاہ بن محمد	۶۶۰ھ
(۸) سلجوق شاہ بن سلغر بن سعد	۶۶۰ھ
(۹) ابش بن سعد	۶۸۶ھ

تاتاریوں کے ہاتھوں سے یہ حکومت ختم ہوئی سعد بن زنگی اور اس کے بیٹے ابو بکر کے عہد میں ایران کے مشہور شاعر شیخ مصلح الدین شیرازی تھے جنہوں نے اسی نسبت سے اپنا تخلص سعدی رکھا تھا۔

اتابکیہ لورستان (ہزار اسپیہ)

یہ اتابکیہ فارس کی ایک شاخ تھی اس کو سنقر کے ایک سردار فوج ابو طاہر نے قائم کیا تھا۔ امراء کے نام یہ ہیں۔

(۱) ابو طاہر بن محمد	۵۴۳-۶۰۰ھ
(۲) نصرت الدین ہزار اسپ بن ابو طاہرہ	۶۵۰ھ
(۳) دگلہ بن ہزار اسپ	۶۵۷ھ
(۴) شمس الدین الپ ارغو بن ہزار اسپ	۶۷۳ھ
(۵) یوسف شاہ اول بن الپ ارغو	۶۸۷ھ
(۶) افراسیاب اول بن یوسف	۶۹۶ھ
(۷) نصرۃ الدین احمد بن الپ ارغو	۷۳۳ھ
(۸) رکن الدین یوسف شاہ ثانی بن احمد	۷۴۰ھ
(۹) مظفر الدین افراسیاب ثانی بن یوسف شاہ	۷۵۶ھ
(۱۰) شمس الدین ہوشنگ بن افراسیاب ثانی	۷۸۰ھ
(۱۱) احمد	۸۱۵ھ
(۱۲) ابو سعید	۸۲۰ھ
(۱۳) حسین	۸۲۷ھ
(۱۴) غیاث الدین	۸۲۷ھ

شاہان ارمن

اس دولت کی ابتداء ۴۹۳ھ میں ہوئی۔ امیر سقمان قطبی نے جو قطب الدین اسماعیل سلجوقی کا غلام تھا شہر خلاط میں اس کو قائم کیا۔

ملوک حسب ذیل ہوئے۔

(۱) سقمان قطبی	۴۹۳-۵۰۶ھ
(۲) ظہیر الدین ابراہیم شاہ ارمن	۵۲۱ھ
(۳) احمد	۵۲۲ھ
(۴) ناصر الدین سقمان	۵۷۹ھ
(۵) سیف الدین بک تیمور	۵۸۹ھ
(اس خاندان کا ملوک تھا)	
(۶) بدر الدین (آق سنقر کا غلام)	۵۹۴ھ
(۷) منصور محمد بن بک تیمور	۶۰۳ھ
(۸) عزالدین بلبان	۶۰۴ھ

اس کے وارث سلاطین ایوبی ہوئے اسی عہد میں دولت غزنویہ کے بجائے سلطنت غوریہ قائم ہوئی ضمناً اس کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔

دولت غوریہ

بلاد غور میں جو ہرات اور غزنین کے مابین واقع ہے۔ ۵۴۳ھ میں آل سام آگئے تھے ان کا سردار قطب الدین محمد بن حسین غور پر قابض ہوگیا اس نے بہرام شاہ مسعود بن ابراہیم فرمانروائے غزنین کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق پیدا کیا جس سے اس کی عظمت اور شان بڑھ گئی۔ بہرام شاہ نے اس خوف سے کہ کہیں یہ سلطنت پر قابض نہ ہو جائے اس کو قتل کرا دیا۔ آل سام نے اس کے بھائی سیف الدین کو اپنا سردار بنا لیا۔ اور اس کی معیت میں قصاص کے لئے بہرام شاہ پر چڑھائی کی وہ ہندوستان میں چلا آیا یہاں سے لشکر جمع کر کے لے گیا۔ سیف الدین کو جو غزنین پر قابض ہوگیا تھا شکست دی اور گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیا۔

قبیلہ غور نے علاء الدین حسین کو رئیس بنایا۔ اس کا لقب جہاں سوز تھا۔ ۵۵۰ھ میں اس نے غزنین پر چڑھائی کی وہاں سے بہرام شاہ کو نکال کر اپنے بھائی سیف الدین محمد کو والی بنا دیا۔ علاؤ الدین نے ۵۵۶ھ میں انتقال کیا اس کے بعد غیاث الدین محمد بن بہاء الدین سام بن حسن تخت نشین ہوا۔ غیاث الدین کا بھائی شہاب الدین غوری تھا اس نے غزنین سے لے کر ہند تک آل سبکتگین کے تمام مقبوضات پر تسلط حاصل کر لیا اس کے ہاتھوں ۲۱۳ سال کے بعد ۵۸۲ھ میں غزنوی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی نے پرتھی رائے کو شکست دے کر دہلی کو فتح کیا اور ۵۸۷ھ میں یہاں کے تخت پر جلوس فرمایا پھر اپنے غلام قطب الدین کو چھوڑ کر واپس ہوا۔ راستہ میں انتقال کر گیا۔ دہلی کی سلطنت قطب الدین کے خاندان میں ۶۸۹ھ تک رہی۔

بادشاہوں کی فہرست حسب ذیل ہے

(۱) قطب الدین ایبک	۶۰۲ - ۶۰۷ھ
(۲) ارم شاہ	۶۰۷ھ
(۳) شمس الدین التمش	۶۲۳ھ
(۴) رکن الدین فیروز شاہ اول	۶۳۴ھ
(۵) رضیہ سلطانہ	۶۳۸ھ
(۶) معزالدین بہرام شاہ	۶۳۹ھ
(۷) علاء الدین مسعود شاہ	۶۴۴ھ
(۸) ناصر الدین محمود شاہ اول	۶۶۴ھ
(۹) غیاث الدین بلبن	۶۸۶ھ
(۱۰) معزالدین کیقباد	--

جنگ صلیبی

فرنگی جو ارض مقدس پر قابض ہوگئے تھے ان کے ساتھ نور الدین محمود زنگی والئی حلب نے جنگ شروع کی اور اکثر شہروں کو واپس لے لیا انہوں نے اپنے کو اس کے مقابلہ میں عاجز دیکھ کر پھر پاپائے روم کے پاس فریاد کی اور امداد کے طالب ہوئے اس نے تمام یورپ میں دعاۃ کو بھیج کر مسلمانوں کے خلاف اشتعال پیدا کیا اور جوش دلایا چنانچہ فرانس کا بادشاہ لوئی سابع اور فرمانروائے المانیا کنٹراڈ ثالث دونوں اپنی اپنی فوجیں خود لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں قسطنطنیہ تھا جس کا بادشاہ عمانویل تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں میرے ملک پر قبضہ نہ کر لیں اس لئے طرح طرح کے حیلے کئے کہ ان کو روکے مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ پہلے کنٹراڈ آیا۔ قسطنطنیہ سے آبنائے کو عبور کر کے بڑھا مسلمانوں نے شکست فاش دے کر اس کی فوج کے بیشتر حصہ کو قتل کر ڈالا۔ بقیۃ السیف بھاگے۔

راستہ میں فرانسیسی لشکر آتا ہوا ملا اس کے ساتھ ہو گئے۔

یہ لوگ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے ہوئے ۵۴۳ھ میں بیت المقدس پہنچے۔ وہاں سے دمشق پر جو اس وقت مجیر الدین ابق کے قبضہ میں تھا چڑھائی کا ارادہ کیا اس نے سیف الدین زنگی والئی موصل سے مدد مانگی۔ وہ فوراً اپنی فوجیں لے کر روانہ ہوا حلب سے اپنے بھائی نور الدین محمود کو بھی ساتھ لے لیا۔ فرنگیوں نے ۵۴۳ھ میں دمشق کا محاصرہ کیا وہاں کی فوج نیز رعایا نے بھی نہایت جرات کے ساتھ مدافعت کی اسی اثناء میں سیف الدین اور نورالدین فوجیں لئے ہوئے حمص میں پہنچے۔ فرنگی ان کے خوف سے محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔ ۵۴۵ھ میں نور الدین محمود نے دمشق پر خود قبضہ کر لیا۔

سلطان ملک شاہ ثانی و محمد

آل سلجوق میں سے سلطان مسعود نے جب وفات پائی تو اس کی جگہ اس کا بھائی محمد بن محمود تخت نشین ہوا۔ اس نے خلیفہ پر فوج کشی کی اور جا کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن بہت سے امراء نے خلیفہ کے مقابلہ کی وجہ سے ساتھ چھوڑ دیا۔ ادھر خبریں پہنچیں کہ ملک شاہ ایلدکز کی مدد سے ہمدان پر آ کر قابض ہو گیا۔ ناچار محاصرہ اٹھا کر واپس گیا۔ ملک شاہ اس کی آمد کی خبر پا کر ہمدان سے نکل گیا۔ یہ اپنے مستقر اصفہان میں آیا وہیں ۵۵۴ھ میں وفات پائی۔

سلیمان شاہ و ارسلان شاہ

محمد کی وفات کے بعد بعض امراء نے اس کے بیٹے سلیمان شاہ کو سلطنت کے لئے بلایا۔ اور بعضوں نے ارسلان بن طغرل کو بڑے بڑے جھگڑوں کے بعد ایلدکز نے ارسلان کو جو اس کا ربیب تھا تخت نشین کیا اس کے عہد میں خلیفہ نے وفات پائی۔

وفات مقتفی

مقتفی نے ۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۱۶۰ء کو انتقال کیا۔ دیالمہ کے آغاز عہد سے خلفائے عباسیہ حکومت سے محروم ہو گئے تھے یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے پھر حکومت حاصل کی اور عراق سے واسط تک اپنے قبضہ میں لایا۔ نہایت عاقل۔ شجاع۔ کریم اور عادل تھا۔ سلاطین سلجوق کے حالات اور اخبار کے تجسس کے لئے کثیر رقم صرف کرتا تھا۔ اس کی کوئی بات اس سے مخفی نہیں رہتی تھی۔

(۳۲) مستنجد

خلافت ۲ ربیع الاول ۵۵۵ ھ سے ۹ ربیع الثانی ۵۶۶ ھ تک ۱۱ سال ایک ماہ ایک ہفتہ

ابو المظفر یوسف مستنجد باللہ بن مقتفی اس کی ولادت ایک رومی ام ولد طاؤس نامی کے بطن سے ۵۱۰ ھ میں ہوئی تھی۔ باپ کی وفات کے دن ۲ ربیع الاول ۵۵۵ ھ میں خلیفہ ہوا۔ یہ مقتفی سے بھی زیادہ عادل اور فیاض تھا اور مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے لئے نہایت سخت ۔ ایک بار کسی باغی کو قید کیا ایک امیر نے اس کی سفارش کی اور دس ہزار درہم اس کی طرف سے بطور جرمانہ پیش کئے مستنجد نے کہا کہ میں تم کو دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس قسم کا کوئی دوسرا مفسد پکڑ لاؤ تاکہ میں اس کو قید کر دوں اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔

عراق میں امراء کے پاس جو جاگیریں تھیں ان پر لگان نہیں تھا اس نے خراج لگایا چونکہ اس سے بعض علوئین کو ضرر پہنچا اس لئے انہوں نے اس کو اس کے معائب میں شمار کیا۔ حالانکہ اس میں جمہور کی بہبود مد نظر تھی۔ اس کے عہد میں ارسلان شاہ سلجوقی فرمانروا تھا لیکن اس کی حکومت عراق سے اٹھ چکی تھی اور طاقت کمزور ہو گئی تھی۔ مستنجد نے ۹ ربیع الثانی ۵۶۶ ھ میں انتقال کیا

(۳۳) مستضئ

خلافت ۹ ربیع الثانی ۵۶۶ ھ سے ۲ ذی قعدہ ۵۷۵ ھ تک ۹ سال ۶ ماہ ۲۳ روز

ابو محمد حسن مستضئ باللہ بن مستنجد ایک ارمنی کنیز غضہ کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔ مستنجد کی وفات کے دن اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ۔ نیک عادل حلیم اور سخی تھا اس کے زمانہ میں عراق میں کامل امن رہا خوشحالی عام تھی مصر میں بھی خلافت فاطمیہ کا خاتمہ ہو گیا اور وہاں سلطان صلاح الدین نے دولت ایوبی قائم کر کے محرم ۵۶۷ ھ میں اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ اس کے عہد میں مجاہد اعظم سلطان نور الدین محمود بن زنگی نے جو سلطان صلاح الدین کا آقا تھا وفات پائی یہ صرف حلب کا والی تھا لیکن جنگ صلیبی میں اس کی شہامت اور شجاعت نے فرنگیوں کو مرعوب کر دیا۔ آخر میں اس کی سلطنت اس قدر وسیع ہو گئی کہ مصر شام یمن اور حرمین شریفین میں بھی اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ خلفائے اربعہ اور عمر بن عبدالعزیز سے بہتر کوئی حکمران مسلمانوں میں نہیں ہوا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین کا درجہ ہے۔ مستضئ نے ۲ ذی قعدہ ۵۷۵ ھ میں وفات پائی ۔

(۳۴) ناصر

خلافت ۲ ذی قعدہ ۵۷۵ھ سے ۳۰ رمضان ۶۲۲ھ تک ۴۶ سال ۱۰ ماہ ۲۸ روز

ابو العباس احمد ناصرالدین اللہ بن مستضئ اس کی والدہ ایک ترکی کنیز زمرد نامی تھی۔ مستضئی کی وفات کے بعد ۲ ذی قعدہ ۵۷۵ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۱۸۰ء کو خلیفہ ہوا۔

معاصرین

اندلس اور شمالی افریقہ میں موحدین کا تسلط تھا ناصر کے عہد میں ۵۹۱ھ میں وہاں دولت مرینیہ قائم ہوئی جس کا بانی عبدالحق مرینی تھا۔

مصر و شام و حرمین پر ایوبی خاندان کی حکومت تھی جس کی بنیاد ۵۶۴ھ میں سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں میں پڑی تھی۔

موصل اور سنجار وغیرہ دول اتابکیہ میں تقسیم تھے۔ قونیہ میں سلاجقہ روم کی فرمانروائی تھی جبل وغیرہ پر سلطان طغرل ثانی کی برائے نام حکومت رہ گئی تھی خوارزم اور اس کے ملحقات میں سلطان تکش بن ارسلان ۵۹۶ھ تک پھر علاء الدین بن محمد ۶۱۷ھ تک پھر جلال الدین منکبرتی آخری خوارزم شاہ ۶۲۸ھ تک حکمراں رہا۔ افغانستان میں غوری اور ہندوستان میں سلطنت غلامان قائم تھی۔

ناصر کے زمانہ میں علاء الدین تکش نے طغرل کو قتل کر کے دولت سلجوقی کا بلاد جبل سے خاتمہ کر دیا اور خوارزم شاہی سلطنت حدود چین سے رے تک پہنچ گئی۔ علاؤ الدین جب رے سے واپس گیا تو خلیفہ ناصر نے ایک فوج بھیجی کہ وہاں قبضہ کرے لیکن وہ خبر پا کر پلٹا اور اس لشکر کو شکست دے کر نکال دیا۔ علاؤ الدین نے ۵۹۶ھ میں وفات پائی اس کے بیٹے قطب الدین احمد نے اس کے بعد اور بھی ممالک فتح کئے اور اپنی سلطنت کو بڑھایا۔ اب اس کی خواہش ہوئی کہ بجائے سلجوقیوں کے بغداد میں خلیفہ کے نام کے ساتھ میرا نام خطبوں میں لیا جائے۔ خلیفہ نے نامنظور کیا اس لئے اس نے اپنے قلمرو میں خلیفہ کا نام خطبوں میں سے نکال ڈالا جس کی وجہ سے فریقین میں سخت عداوت ہو گئی۔ اسی بنیاد پر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ خوارزم شاہیوں کی قوت کو توڑنے کے لئے ناصر نے خفیہ خط لکھ کر چنگیز خاں کو بلایا۔

سیل تاتار

اسلامی تاریخ میں سب سے بڑا واقعہ اور سب سے جاں کاہ حادثہ تاتاریوں کا حملہ ہے۔ یہ جماعت ایک طوفان کی طرح مشرق سے نکل کر تمام ایشیا کے اسلامی ممالک پر مشرقی یورپ تک چھا گئی اور قتل و غارت سے ایک عالم کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس حادثہ کا آغاز چنگیز خاں مغولی اور خوارزم شاہ علاء الدین محمد بن تکش کی باہمی نزاع سے ہوا۔

چنگیز خاں

ترکی مؤرخوں کا بیان ہے کہ زمانہ قدیم میں ایک بادشاہ النجہ خاں کے دو بیٹے توأم پیدا ہوئے تھے ایک کا نام مغول رکھا گیا

دوسرے کا تاتاران کی نسل کے قبیلے بعد میں انہیں کے نام سے مشہور ہوئے ایک مدت تک ان میں اتحاد رہا لیکن جب ایل خان مغلوں کا سردار ہوا اور سونج خاں تاتاریوں کا تو ان میں باہم جنگ ہو گئی۔ تاتاریوں نے فتح پائی اور مغلوں کو غلام بنا لیا کچھ زمانہ کے بعد مغول نے متفق ہو کر تاتاریوں کی شوکت توڑ دی اور آزاد ہو گئے اس وقت سے ترکی اقوام کی سیادت ان کے ہاتھ میں آگئی اور لیسو کی بہادر خاں تک سلسلہ بہ سلسلہ انہیں میں سے بادشاہ ہوتے چلے آئے۔ ۵۴۹ھ میں اس کا بیٹا چنگیز خاں پیدا ہوا جس کا نام پہلے تموجین رکھا گیا۔

لیسوکی بہادر نے جس وقت انتقال کیا اس کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ مغولی سرداروں نے اس کو کمزور پا کر جابجا اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ تموجین ایک زمانہ تک ان کے ساتھ لڑتا رہا۔ آخر کار سب کو اپنا مطیع بنا لیا اس وقت سے اس کا لقب چنگیز خاں ہوا۔ شہر قراقرم کو اس نے اپنا پایہ تخت بنایا اور اپنی قوم کے لئے ایک دستور العمل بھی مرتب کیا جس کا نام الیساق رکھا اس کو وہ لوگ بمنزلہ ایک مذہبی کتاب کے سمجھتے تھے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ بغداد کے مدرسہ مستنصریہ میں محفوظ تھا۔ علامہ مقریزی نے اس کو دیکھ کر اپنی کتاب الخطط و الآثار میں اس کا خلاصہ لکھا ہے۔

یورش کا سبب

بعض مؤرخوں نے تاتاریوں کے حملہ کی وجہ یہ لکھی ہے کہ خلیفہ عباسی ناصر الدین اللہ اور خوارزم شاہ میں چونکہ سخت ناچاقی ہو گئی تھی اور خلیفہ کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ بغداد پر آکر قبضہ نہ کر لے اس لئے اس نے چنگیز خاں کو لکھا کہ خوارزم شاہ پر فوج کشی کرے۔

بنی عباس کی تاریخ دیکھتے ہوئے یہ بیان بے بنیاد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس سے پہلے استبداد کو توڑنے کے لئے انہیں لوگوں نے بنی بویہ کو طلب کیا تھا۔ پھر بساسیری کے غلبہ کے وقت طغرل بک سلجوقی کو بلا لیا تھا۔ اس کے بعد سلجوقیوں کو مٹانے کے لئے خوارزم شاہیوں سے درخواست کی تھی ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ یہ سب لوگ مسلمان تھے اور مغول کافر۔ مگر پھر بھی اپنے ملک کو بچانے کے لئے اس قسم کی کارروائی عباسی خلیفہ سے بعید نہیں معلوم ہوتی اس کا مقصد صرف یہ ہو گا کہ خوارزم شاہ اس کی مصروفیت کی وجہ سے ادھر کا رخ نہ کر سکے یہ کب اس کا خیال میں آسکتا تھا کہ یہ طوفان خود اس کی سلطنت کو بھی بہا لے جائے گا۔

لیکن اصلی سبب چنگیز کے حملہ کا یہ ہوا کہ ۶۱۲ھ میں اس نے اپنے ملک کے معزز مسلمانوں کا ایک وفد خوارزم شاہ کے پاس بھیجا کہ دونوں ممالک میں تجارت کا سلسلہ قائم کیا جائے خوارزم شاہ نے منظور کر لیا۔ ایک عرصہ تک دونوں طرف سے کاروان تجارت آتے جاتے رہے ۶۱۵ھ میں چار سو تاتاری تاجروں کا ایک قافلہ دریائے سیحوں کے ساحل پر مقام سردار یا میں اترا۔ وہاں کے والی نے خوارزم شاہ کو لکھا کہ چنگیز خاں کے جاسوس تاجروں کے بھیس میں یہاں آئے ہیں۔ خوارزم شاہ نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دو۔ والی نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور وہ سارا سامان تجارت خوارزم شاہ کے پاس بھیج دیا اس نے سمرقند اور بخارا کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔

چنگیز خاں نے لکھا کہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے لہذا وہ سارا سامان واپس کرو۔ اور غایر خاں والی سردار یا کو ہمارے حوالہ کر دو کہ قصاص لیں۔ خوارزم شاہ نے غصہ اور جہالت کی وجہ سے اس کے سفیر کو بھی قتل کرا دیا۔ اس پر چنگیز خاں نے غضب ناک ہو کر چڑھائی کی تیاری شروع کی۔ خوارزم شاہ نے یہ سمجھ کر کہ اب جنگ یقینی ہے پہلے ہی حدود ترکستان پر حملہ کر دیا چنگیز اس وقت اندرون ملک میں تھا اس کی جو تھوڑی سی فوج سرحد پر متعین تھی اس نے نہایت بہادری سے مدافعت کی جس کی وجہ سے خوارزم شاہ کو یقین ہو گیا کہ وہ تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے واپس ہوا راستہ میں جس قدر شہر اور قصبے تھے ان کے باشندوں کو

تاتاریوں کے حملہ کے خوف سے جلا وطنی کا حکم دیا جس سے وہ حصہ ملک جو دنیا کی جنت تھا ویران ہو گیا۔
چنگیز خاں اپنا لشکر تیار کر کے دریائے سیحوں سے اترا۔ کہیں کوئی مدافعت پیش نہیں آئی ۔ بخارا میں بیس ہزار خوارزم شاہی فوج تھی وہ بھی مقابلہ نہ کر سکی ۔ اہل شہر نے علامہ بدرالدین قاضی شہر کو بھیجا کہ امان طلب کریں۔ چنگیز نے منظور کی اور ۴ ذی حجہ ۶۱۶ھ کو بخارا میں داخل ہوا۔ شہر میں اعلان کرا دیا کہ ہمارے تاجروں کا سامان جس کے پاس ہو وہ حاضر کر دے چنانچہ سب لوگوں نے لا کر جمع کر دیا پھر حکم دیا کہ تمام باشندے یہاں سے نکل جائیں اس کے بعد جو لوگ رہ گئے تھے قتل کئے گئے ۔ مال لوٹ لیا گیا اور بخارا جیسا عظیم الشان اور آباد شہر صرف کھنڈروں کا مجموعہ رہ گیا۔
محرم ۶۱۷ھ میں سمرقند کی طرف بڑھا یہاں پچاس ہزار فوج تھی۔ مگر مرعوب پہلے ہی حملہ میں شکست کھا گئی ۔ تاتاریوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور ہر طرف سے باشندوں کو قتل کرنا اور لوٹنا شروع کیا پھر اعلان کیا کہ لوگ یہاں سے تین دن کے اندر نکل جائیں مسلمان بے چارگی اور سراسیمگی کے ساتھ بھاگے اور یہ شہر بھی جو ارباب علم و فن کا مخزن اور اہل ثروت و تجارت کا مرکز تھا بالکل اجاڑ ہو گیا۔ چنگیز خان نے اپنی بیس ہزار منتخب فوج کو حکم دیا کہ خوارزم شاہ کو جہاں سے مل سکے پکڑ لاؤ۔ گو وہ آسمان ہی پر کیوں نہ چڑھا گیا ہو۔ یہ فوج دریائے جیحوں سے اتر کر روانہ ہوئی۔ خوارزم شاہ غربیہ میں تھا۔ تاتاریوں کے خوف سے بھاگ کر نیشا پور پہنچا۔ وہاں قیام نہیں کرنے پایا تھا کہ وہ مازندران میں آگئے اس لئے فوراً نیشاپور چھوڑ کر آگے بڑھے ۔ تاتاری اس کے تعاقب میں چلے جاتے تھے اس حالت میں بھی جبکہ خطرناک دشمن اس کے پیچھے تھا۔ شراب میں رات اور دن مست رہتا تھا جس کی وجہ سے ایک بار بھی مقابلہ کی جرات نہ کر سکا حالانکہ اس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں فوج تھی۔
بحیرہ طبرستان کے اندر اس کا ایک قلعہ تھا۔ بندرگاہ پہنچ کر جہاز میں سوار ہوا۔ جب روانہ ہو گیا اس وقت تاتاری ساحل پر پہنچے ۔ اب اس کی گرفتاری کی کوئی صورت نہیں تھی اس وجہ سے مجبوراً پیچھا چھوڑ کر مازندران میں چلے آئے وہاں سے بڑھ کر رے کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ انہوں نے بہت سے مسلمانوں اور دوسری قوم کے لوگوں کو بھی جو فتنہ اور فساد میں حصہ لیتے تھے اپنے ساتھ ملا لیا۔ راستہ میں جو بستی پڑتی تھی لوٹ لیتے تھے۔ ہمدان میں جس وقت پہنچے وہاں کے لوگوں نے امان مانگ لی پھر قزدین کو فتح کر کے تقریباً چالیس ہزار باشندوں کو تہ تیغ کیا۔ وہاں سے آذر بائیجان کی طرف بڑھے ۔ تبریز کا محاصرہ کیا اس کا امیر ازبک پسر پہلوان تھا جو ہر وقت شراب کے نشہ میں رہتا تھا مدافعت کے لئے تیار نہ ہو سکا اس لئے وزراء نے کچھ رقم دے کر صلح کر لی۔
اب وہ ساحل کی طرف بڑھے اور موقان پر قبضہ کیا۔ بلاد کرج کے امراء نے ازبک اور ملک اشرف بن عادل ایوبی فرمانروائے خلاط و جزیرہ وغیرہ کو لکھا کہ ہم سب لوگ متفق ہو کر ان کا مقابلہ کریں لیکن کوئی راضی نہیں ہوا۔ ازبک کا ایک غلام آقوش ترکمانوں اور کردوں کی ایک جماعت لے کر تاتاریوں سے مل گیا۔ انہوں نے گرجستان پر حملہ کر کے ذی قعدہ ۶۱۸ھ میں اس کے مرکز تفلیس کو فتح کر لیا۔ پھر پلٹ کر مراغہ میں آئے اس کو تاراج کر ڈالا۔ وہاں سے دربند شروان ہوتے ہوئے شماخی پہنچے اور اس کو لوٹا پھر دشت قپچاق میں جا کر قتل و غارت کر کے اس کے قصبوں کو ویران کر ڈالا بہت سے باشندے بھاگ کر اسلامی ممالک میں آئے لوگوں نے ان کی ایک بڑی تعداد کو لے جا کر مصر میں فروخت کیا جن کو ملک صالح نجم الدین نے بحری خدمت میں لگایا یہی ممالیک بحریہ آخر میں دولت ایوبی کے وارث ہو گئے ان میں سے معزایبک اور منصور قلاؤن نامی ملوک گزرے ہیں۔
تاتاری قپچاق سے روس میں داخل ہوئے بقیہ قپچاقیوں اور روسیوں نے متحد ہو کر مقابلہ کیا مگر ہزیمت اٹھا کر بھاگے وہاں بھی قتل و نہب میں کوئی کمی نہیں کی۔ ۶۲۰ھ میں بلغاریہ میں پہنچے مگر ان لوگوں نے کمین گاہیں بنا کر ان میں اپنے سپاہی چھپا دیئے تھے جو تاتاریوں پر بے خبری میں آ پڑے اور ان کے بیشتر حصہ کو قتل کر ڈالا۔ یہ صرف اس مختصر جماعت کی کیفیت ہے جو خوارزم شاہ کے تعاقب میں بھیجی گئی تھی ان کی حالت الغی خرگاہ والے سلجوقیوں سے مشابہ ہے جنہوں نے سلاجقہ عظمیٰ سے پہلے نکل کر بلاد اسلامیہ میں

قتل و غارت سے شورش برپا کر دی تھی۔

چنگیز خاں نے سمرقند سے اپنے ایک بیٹے کی قیادت میں دوسری فوج خراسان پر بھیجی وہ دریائے جیحون کو عبور کر کے ۶۱۷ھ میں پہنچی۔ باشندوں نے امان طلب کر لی۔ تاتاری داخل ہوئے۔ کسی سے کچھ تعرض نہیں کیا اور اپنا ایک شحنہ مقرر کر کے آگے بڑھے۔ رفتہ رفتہ خراسان کے اکثر شہروں پر قابض ہوگئے۔ یہ لوگ رعایا میں سے نہ کسی کو قتل کرتے تھے نہ لوٹتے تھے نہ اذیت دیتے تھے صرف تھوڑے سے سپاہی ہر شہر سے مدد کے لئے ساتھ لے لیتے تھے۔ چنگیز خاں نے ایک اور فوج دشت قپچاق کی طرف روانہ کی وہاں کی قوت پہلے ہی ٹوٹ چکی تھی اس لئے آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا۔

اب اقصائے چین سے عراق۔ بحر خزر اور حدود روس تک اور بحر شمال سے سرحد ہند تک کا عریض و طویل رقبہ اس کے قبضہ میں آگیا اس نے اس کو اپنے چاروں بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔

بڑے بیٹے جوجی خاں کو دشت قپچاق۔ داغستان۔ خوارزم۔ بلغار۔ روس اور اس کے ملحقات ساحل بحر غربی تک دوسرے بیٹے چغتائی کو الیغور ماوراء النہر۔ مشرق ترکستان۔

تیسرے بیٹے تولی خاں کو۔ خراسان۔ دیار بکر وغیرہ مغربی علاقہ جہاں تک کہ قبضہ میں آچکا تھا۔

چوتھے بیٹے اوکدائی بلاد اصلی خطاؤ چین معمورہ شرقی تک۔

چوتھا سب سے چھوٹا تھا اسی کو قاآن اعظم مقرر کیا اور وصیت کی کہ دوسرے بھائی اس کے تابع اور مددگار ہیں اور کوئی اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔ ان چاروں میں سے جس کے ہاتھ سے خلافت عباسیہ کا سقوط ہوا۔ اور جس نے عراق و شام وغیرہ پر قبضہ کر لیا وہ تولی خاں کا بیٹا ہلاکو تھا۔

یہ تمام حوادث اسلامی ممالک میں ہو رہے تھے اور خون کا سیلاب مسلمانوں کے سروں پر سے گزر رہا تھا۔ لیکن خلیفہ بغداد ناصر الدین اللہ بے خبر اور اس کے درباری اپنے بے کار مشاغل میں مصروف تھے۔ اس پر بھی ابن طباطبا نے الفخری میں اس کی بڑی بڑی مدح سرائی کی ہے آخر میں لکھا ہے کہ وہ امامیہ کا ہم خیال تھا۔ غالباً اس کی ان تعریفوں کی اصل وجہ یہی ہے۔

وفات ناصر

آخر عمر میں ناصر کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ دوسری کی بینائی بھی برائے نام تھی تین سال تک اسی حالت میں رہا۔ رمضان ۶۲۲ھ کی آخری رات کو انتقال کیا۔ خلفائے عباسیہ میں سب سے طویل اسی کا زمانہ ہوا۔ اندلس میں عبدالرحمن ناصر ۵۰ سال خلیفہ رہا اور مصر کے خلفائے فاطمئین میں سے مستنصر نے ۶۰ سال کی مدت پائی۔

(۳۵) ظاہر

خلافت ۳۰ رمضان ۶۲۲ھ سے ۱۴ رجب ۶۲۳ھ تک ۹ ماہ ۱۴ دن

ابو نصر محمد ظاہر بامراللہ بن ناصر اپنے باپ کا ولی عہد تھا اس کے بعد ۳۰ رمضان ۶۲۲ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۲۲۵ء میں خلیفہ ہوا اس نے عدل و احسان سے شیخین کی رسم تازہ کر دی۔ ناجائز آمدنی کے تمام وسائل جو پہلے سے جاری تھے باطل کئے لوگوں کے اموال منصوبہ ان کو واپس دلائے۔ تشخیص لگان نہایت انصاف اور نرمی کے ساتھ کی۔ خزانہ میں زر و سیم تولنے کا جو کانٹا تھا اس کا سنگ معمولی سنگ سے نصف قیراط زیادہ تھا اس کو کم کرا دیا۔ خزانچی نے کہا کہ اس کی وجہ سے پچھلے سال ہم کو ۳۵ ہزار دینار کا فائدہ ہوا تھا کہا کہ اگر ۳۵ لاکھ کا بھی ہو تب بھی جائز نہیں رکھوں گا جو شئے قرآن میں تصریح کے ساتھ حرام کی گئی ہے وہ کیونکر حلال ہو سکتی ہے۔ ایک بار صاحب دیوان واسط سے ایک لاکھ دینار سے زائد رقم وصول کر کے لایا۔ ظاہر نے جب حسابات دیکھے تو اس کو ناروا قرار دے کر واپس کر دیا اور حکم دیا کہ جن جن لوگوں سے یہ رقمیں لی گئی ہیں ان کو مسترد کر دی جائیں۔ قید خانہ سے ان قیدیوں کو جو بلاوجہ محبوس تھے رہا کر دیا اور محکمہ قضا میں دس ہزار دینار بھیجے کہ ان سے محتاج زندانیوں کی خوراک کا سامان کیا جائے۔

شہر کے ہر ہر محلہ کا داروغہ روزانہ اپنے حلقہ کی کیفیت لکھ کر خلیفہ کے پاس بھیجا کرتا تھا جس میں باشندوں کے خانگی حالات۔ مہمانوں کی آمد وغیرہ بھی درج ہوتی تھی لوگ اس سے تنگ تھے ظاہر نے اس دستور کو بالکل بند کر دیا اور حکم دیا کہ صرف وہ امور لکھے جائیں جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں لوگوں کے ذاتی حالات کے تجسس سے ہم کو کیا غرض بعض درباریوں نے کہا کہ عوام فتنے برپا کرنے لگیں گے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ ان کو صلاح و تقویٰ عطا فرمائے اور بد وضعی اور فتنہ انگیزی سے محفوظ رکھے۔

اسی طرح وہ روزانہ اصلاحات اور احسانات کرتا تھا لیکن افسوس ہے کہ اس نیک نہاد خلیفہ سے امت زیادہ متمتع نہ ہو سکی اور پورا ایک سال کا زمانہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اس کی موت آگئی۔ وفات سے پہلے امراء اور وزراء کے نام ایک توقیع عام شائع کی جس میں ان کو عدل و انصاف کی ترغیب دلائی۔ اور ان کے فرائض کی تفصیل کر کے ان کی ادائیگی کی تحریض کی۔ ۱۴ رجب ۶۲۳ھ میں انتقال کیا ابن اثیر لکھتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد ظاہر جیسا عاقل۔ عادل اور متقی خلیفہ امت کو نصیب نہیں ہوا۔

(۳۶) مستنصر

خلافت ۱۴ رجب ۶۲۳ھ سے ۱۰ جمادی الثانی ۶۴۰ھ تک ۱۶ سال ۱۰ ماہ ۲۶ روز

ابو جعفر منصور مستنصر باللہ بن ظاہر ۱۴ رجب ۶۲۳ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۲۲۶ء کو خلیفہ ہوا۔ یہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا۔ نہایت عالی حوصلہ اور فیاض تھا بغداد کا نامی مدرسہ مستنصریہ دجلہ کے مشرقی ساحل پر اسی نے قائم کیا تھا اس کے علاوہ بہت سی سرائیں اور پل وغیرہ بنوائے۔

اس کی سیر چشمی کا یہ عالم تھا کہ سونے اور مٹی کو یکساں سمجھتا تھا ایک بار کہا بھی کہ مجھے خوف ہے کہ میں جو کچھ بخششیں کرتا ہوں ان پر مجھ کو ثواب نہ ملے گا کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ تم جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں کو صرف نہیں کرو گے تم کو مقبولیت نہیں عطا کی جائے گی اور زر و سیم کو میں نے کبھی پسند کیا نہ سنگریزہ سے بہتر سمجھا۔

اسی کے زمانہ میں ۶۲۴ھ میں چنگیز خاں نے وفات پائی اور اس کا بیٹا تولی خاں خراسان کا بادشاہ ہوا۔ اس نے آخری خوارزم شاہ جلال الدین منکبرتی کے استیصال کے لئے جو آذر بائیجان میں تھا فوج بھیجی۔ اہل آذر بائی جان پر نہایت خوف مستولی ہوا۔ کیونکہ کوئی مسلمان بادشاہ تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کرتا تھا اور سب کے سب اپنے عیش و آرام میں مشغول تھے۔ آخر کار تاتاریوں نے ۶۲۸ھ میں خوارزم شاہ کو قتل کر ڈالا اور خراسان سے لے کر عراق تک قبضہ کر لیا جس سے بغداد خطرہ میں آگیا۔

مستنصر نے ۱۰ جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں وفات پائی

(۳۷) مستعصم

خلافت ۱۴ رجب ۶۴۰ھ سے ۱۰ جمادی الثانی ۶۵۶ھ تک ۱۶ سال ۱۰ ماہ ۲۶ روز

ابو احمد عبداللہ مستعصم باللہ بن مستنصر ۱۰ جمادی الثانی ۶۴۰ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۲۴۲ کو تخت خلافت پر بیٹھا اس کے زمانہ میں تولی خاں اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف رہا اور ایران کے ان حصوں پر جو باقی رہ گئے تھے قبضہ کر لیا لیکن بغداد کی طرف رخ نہیں کیا کیونکہ اس کو یہ خیال تھا کہ خلافت کے مرکز پر اگر میں چڑھائی کروں گا تو تمام عالم اسلامی مجھ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ جب ۶۵۴ھ میں وہ انتقال کر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ہلاکو خاں تخت نشین ہوا تو بغداد کے بعض منافق امراء اس کے ساتھ مل گئے انہوں نے جرات دلائی جس پر اس نے اس طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔

صورت یہ تھی کہ بغداد کے زیادہ تر باشندے اگرچہ سنی تھے لیکن ایک جماعت شیعہ کی بھی وہاں تھی جن کی تعداد بنی بویہ کے زمانہ سے بڑھ گئی تھی ان دونوں فرقوں میں ایک دائمی نزاع قائم تھی۔ شیعہ جو علوئین کی امامت کے قائل تھے بنی عباس کی خلافت کے دشمن تھے اس وجہ سے وہ بھی ان سے بیزار تھے۔ مستعصم کے زمانہ میں ایک بار فریقین میں سخت جنگ ہوئی خلیفہ کے بیٹے ابو بکر کے اشارہ سے اہلسنت نے محلہ کرخ کو جو شیعہ کا تھا لوٹ لیا۔ اور اس کے باشندوں کو مارا۔ اس عناد اور تعصب کی وجہ سے خلیفہ کے وزیر ابن علقمی نے جو نہایت غالی شیعہ تھا ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔

ابن طبا طبا علوی نے اپنی تاریخ ابن علقمی کو اس منافقت اور غداری کے الزام سے بری کرنے کی کوشش کی ہے اور دلیل یہ لکھی ہے کہ ہلاکو نے فتح بغداد کے بعد سارا انتظام وزیر مذکور کے سپرد کر دیا تھا اگر وہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہوتا تو کبھی سلامت نہ رہ سکتا۔

میں اس دلیل اور اس کے نتیجہ کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں ایک بات یہ بھی پیش نظر رہے کہ ہلاکو کا وزیر نصیرالدین محمد طوسی بھی بڑا غالی شیعہ تھا اور اس کے دربار میں ابن علقمی کی تعریفیں کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے ہلاکو نے فتح کے بعد بغداد کا انتظام اس کے اور علی بہادر شحنہ کے سپرد کیا تھا۔

۱۵ محرم ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں اپنے جرار لشکر کو لے کر بغداد کی طرف آیا اور اسکا محاصرہ کیا۔ خلیفہ کے پاس مدافعت کی طاقت کہاں تھی دس روز کے اندر وہ شہر میں داخل ہو گیا۔ اس کی فوج نے قتل و غارت گری شروع کی اکثر باشندے مارے گئے اور بجز تھوڑے سے نصاریٰ اور شیعہ وغیرہ کے وہاں کوئی باقی نہیں رہا۔ اور وہ بغداد جو اسلامی عظمت کا گہوارہ خلافت و امارت کا مرکز اور مشرقی ممالک کا تاج تھا۔ ویران ہو کر ان متفرق جماعتوں کا مسکن ہو گیا جو ہلاکو کی فوج کے ساتھ آئی تھیں اور جن کا کوئی دین نہیں تھا۔ خلیفہ پیش کش کے لئے ایک طبق جواہر لے کر حاضر ہوا۔ ہلاکو نے اس کو اپنی فوج میں تقسیم کر دیا ابو بکر بن مستعصم کو مع ایک جماعت کے باب کلواذی پر پھانسی دی اور خلیفہ اور اس کے دوسرے بیٹوں اور خواجہ سراؤں کو ساتھ لے کر بغداد سے ۴ صفر ۶۵۶ھ کو روانہ ہوا۔ پہلے ہی مرحلہ میں سب کو قتل کرا دیا جس سے خلافت عباسیہ کا آفتاب جو ۵۲۴ سال سے تاباں تھا غروب ہو گیا۔ خراسانی

سیاہ علم لے کر اٹھے تھے جنہوں نے عباسیوں کو عرش خلافت پر بٹھلایا تھا۔ اسی طرف سے تاتاریوں کا سیلاب آیا جو ان کو اور ان کے تخت کو خونی موجوں میں بہالے گیا۔

سقوط بغداد کے وقت اسلامی ممالک کی حالت حسب ذیل تھی۔

(۱) غرناطہ اندلس میں بنی نصر کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور اس خاندان کا بانی محمد غالب باللہ بن یوسف بن نصر خلیفہ تھا۔

(۲) شمالی افریقہ میں موحدین کی دولت تھی تخت پر ابو حفص عمر مرتضیٰ بن اسحاق بن ابی یعقوب یوسف بن عبدالمومن تھا۔

(۳) الجزائر میں دولت زیانیہ یغمراسن بن زیان نے قائم کر لی تھی۔

(۴) تونس میں بنی حفص میں سے ابو عبداللہ محمد مستنصر باللہ امیر تھا۔

(۵) مراقش میں دولت مرینیہ تھی اور حکمران ابو یوسف یعقوب بن عبدالحق تھا۔

(۶) مصر میں ممالیک بحری ایوبی حکومت پر قابض ہو گئے تھے اور نورالدین علی تخت پر تھا۔

(۷) یمن میں دولت رسولی تھی اور مظفر بن یوسف برسر حکومت تھا

(۸) صنعاء میں ائمہ زیدیہ میں سے متوکل شمس الدین احمد امام تھا۔

(۹) روم میں سلاجقہ میں سے رکن الدین قزل ارسلان چہارم کا عہد تھا۔

(۱۰) ماردین میں دولت ارتقیہ کے تخت پر نجم الدین غازی سعید تھا۔

(۱۱) فارس کی اتابکیہ سلغریہ میں سے ابو بکر بن سعد بن زنگی فرماں رواں تھا۔

(۱۲) لورستان کی اتابکیہ ہزار اسپیہ کا بادشاہ دگلہ بن ہزار اسپ تھا۔

(۱۳) کرمان پر قتلغ خاتون کی حکومت تھی۔

(۱۴) ہندمیں نصرالدین محمود شاہ اول دہلی کے تخت پر تھا۔

(۳۸) خلافت عباسیہ پر ایک سرسری نظر

بنی عباس نے کسی شرعی استحقاق کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض قرابت رسولؐ کے دعوے پر خفیہ سازشوں اور کوششوں سے خلافت حاصل کی تھی اور امت کو یقین دلایا تھا کہ ہم اہل خیر و صلاح ہیں ہم سے خرابی اور فساد کا اندیشہ نہیں۔ چنانچہ پہلے عباسی خلیفہ کے ہاتھ پر جب بیعت ہوئی تھی تو اس کی طرف سے منبر پر سے کہا گیا تھا کہ

ہم نے اس خلافت کو زر و جواہر جمع کرنے کے لئے نہیں حاصل کیا ہے نہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ عالی شان محلات اور باغات بنائیں اور ان میں نہر نکالیں بلکہ ہم نے دیکھا کہ ہمارے حقوق ہضم کئے جا رہے تھے ہمارے بنی اعمام کی تحقیر کی جاتی تھی امت کے جان و مال پر دست درازیاں ہوتی تھیں۔ ان باتوں کو ہم برداشت نہیں کر سکے۔ اب اللہ، رسول، اور ان کے عم محترم عباس کا ذمہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کتاب و سنت کے مطابق برتاؤ کریں گے اور وہی طریقہ رکھیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ دیگر خاندانی سلطنتوں کے مقابلہ میں یہ دولت خلافت کے نام کی وجہ سے بہت سی خوبیوں میں ممتاز تھی خلفائے عباسیہ خیرات و مبرات میں شاہان عالم سے سبقت لے گئے۔ شعائر دین کا احترام رکھا جس کی بدولت اکثر ممالک میں اسلام پھیل گیا۔ منصور۔ ہارون اور مامون وغیرہ نے علوم و فنون کی تربیت میں بڑا حصہ لیا لیکن چونکہ جمہوریت کی روح نہیں تھی اور خلفاء اپنے آپ کو امت کے سامنے ذمہ دار نہیں سمجھتے تھے اس وجہ سے استبداد کے جو لازمی نقائص ہیں ان میں پیدا ہو گئے۔ زر و جواہر بھی جمع کئے محلات و باغات بھی بنوائے۔ عجمی اثرات سے ان کے دربار دارا اور کیخسرو کے درباروں کا نمونہ بن گئے۔ سادگی کے بجائے تکلفات بڑھے۔ غنا و شراب۔ عیش و نشاط۔ شکار و تفریح سے دلچسپی ہوئی کتاب و سنت سے کم لگاؤ رہا اور خلافت کے فرائض سے بے خبر ہو گئے اور جس قدر مدت دراز ہوتی گئی اسی قدر یہ خرابیاں بڑھتی گئیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض بعض خلفاء انفرادی حیثیت سے بہت اچھے تھے لیکن خلافت کی رفتار چونکہ غلط طریق پر تھی اس لے وہ بحیثیت خلیفہ ہونے کے زیادہ مفید نہیں ہو سکے۔

انہوں نے اپنے دور اول میں بھی جو ان کا زریں عہد تھا بجز شمال و مشرق کے چند معرکوں میں کامیابیاں حاصل کرنے کے فتوحات میں کوئی نمایاں کام نہیں کیا اور اسی میراث پر قانع رہے جو بنی امیہ سے پائی تھی اس میں سے بھی اندلس روز اول سے ان کے علم کے نیچے نہیں آیا ہاں ان کے زمانہ میں جو جدید اسلامی طاقتیں وجود میں آئیں انہوں نے فتوحات کیں مثلاً زیادۃ اللہ اغلبی نے جزیرہ قبرص کو لیا۔ سلاجقہ روم پر قابض ہوئے۔ غزنویوں اور غوریوں نے ہندوستانی ممالک پر تسلط کیا۔ اور یہی طاقتیں امت کی قوت بن گئیں۔ ورنہ خلافت عباسیہ تو ممالیک کے ہاتھ میں بے بس ہو گئی تھی۔

پانچ دور

خلافت عباسی کا آغاز ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو ہوا جس روز کہ اولین خلیفہ عباسی سفاح کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور اختتام ۴ صفر

۶۵۶ ہجری کو آخری خلیفہ مستعصم کے قتل پر ہو گیا۔

یہ دولت ۵۲۴ سال تک قائم رہی اور ۳۷ خلیفہ ہوئے لیکن اس تمام مدت میں ان کی حکومت یکساں نہیں رہی بلکہ مختلف حالتیں گذریں جن کو بالاجمال پانچ دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) یہ ابتدائی ۹ خلفاء سفاح ۔ منصور ۔ مہدی ۔ ہادی ۔ ہارون ۔ امین ۔ مامون ۔ معتصم اور واثق کا زمانہ تھا جو ۱۳۲ھ سے شروع ہو کر ۲۳۲ھ پر ختم ہوتا ہے۔ یہی اس خاندان کی قوت اور اقتدار کا دور تھا جس میں بجز اندلس کے تمام بلاد اسلامیہ پر ان کی حکومت قائم تھی اور ہمسایہ سلطنتوں پر رعب غالب تھا۔ کوئی مقابلہ کی جرات نہیں کرتا تھا صرف سرحد پر رومی کبھی کبھی غارت گری کے لئے حملہ آور ہوتے تھے اور ملک میں علویہ بوجہ قرابت رسولؐ اپنی امامت کا دعوی لے کر کھڑے ہو جاتے تھے مگر دم زدن میں ان کا استیصال کر دیا جاتا تھا۔

(۲) دور انحطاط ۲۳۳ھ سے ۳۳۴ھ تک ۔ اس میں ترکی مملوکوں کے غلبہ سے خلافت کمزور ہو گئی اور رفتہ رفتہ اسلامی امراء خود مختار ہونے لگے۔ یہاں تک کہ خلیفہ کے پاس صرف عراق فارس اور اہواز کے صوبے رہ گئے یہ بھی شورشوں اور فتنوں سے مضطرب تھے آخر میں یہ ہو گیا تھا کہ کوئی ترکی یا دیلمی بغداد میں امیر الامراء کے لقب سے خلیفہ کی نیابت میں حکومت کرتا تھا اور اس کو گذارہ دے دیتا تھا اس دور میں متوکل سے لے کر مستکفی تک ۱۲ خلفاء ہوئے جن کو اطمینان کی زندگی نصیب نہ ہو سکی کوئی مقتول ہوا اور کوئی معزول۔

(۳) مستکفی ہی کے عہد میں بنی بویہ بغداد پر آکر مسلط ہو گئے اور وہیں اس خاندان کے ایک شعبہ نے اپنا مرکز بنالیا۔ اس سے خلیفہ کا سیاسی نفوذ اور اثر حکومت سے مطلقاً اٹھ گیا اور اس کی حیثیت صرف ایک خانہ نشین جاگیردار کی رہ گئی۔ بنی بویہ شیعہ ہونے کی وجہ سے عباسیوں کی خلافت کے بھی قائل نہیں تھے صرف مصلحتاً ان کو اس منصب پر قائم رہنے دیا تھا تاکہ جب چاہیں اتار دیں یا قتل کر ڈالیں۔ یہ دور ۳۳۴ھ سے ۴۴۷ھ تک رہا جس میں قائم بامر اللہ تک پانچ خلیفہ گزرے۔

(۴) ۴۴۷ھ میں بنی بویہ کے بجائے آل سلجوق کی حکومت قائم ہو گئی جنہوں نے بغداد کو چھوڑ کر اپنا مرکز رے کو قرار دیا یہ لوگ چونکہ سنی تھے اس وجہ سے خلیفہ عباسی کا احترام کرتے تھے ان کے عہد میں جو ۵۹۰ھ تک رہا مقتدی سے لے کر مستضی تک ۷ خلیفہ ہوئے جن کی حالت بہ نسبت خلفاء عہد دیالمہ کے بہت بہتر رہی۔

(۵) سلاجقہ کے زوال کے بعد خلفائے عباسیہ ۶۶ سال تک آزاد رہے اس دور میں انہوں نے کچھ قوت بھی پیدا کر لی اور عملاً چند صوبوں پر حکومت کرنے لگے۔ ۶۵۶ھ میں ہلاکو نے آکر آخری خلیفہ مستعصم کو قتل کر دیا جس سے خلافت بغداد کا چراغ گل ہو گیا۔

اسباب زوال

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان اسباب کو مختصراً بیان کر دیں جن سے عباسیہ کا زوال ہوا۔

عصبیت دولت

دین اسلام نے عرب کے متفق اور متخاصم قبائل میں ایک ایسی وحدت اور اخوت پیدا کر دی تھی جس کی بدولت عدنانی ۔ قحطانی ۔ مصری ۔ ربعی ۔ قیسی کنعانی وغیرہ سب بھائی بھائی بن گئے تھے اور ان کے پیش نظر بجز ایک غرض رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ الحق کے اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ اسی متحدہ عربی عصبیت اور قومیت سے خلفائے راشدین کے عہد میں اسلام کی شوکت قائم ہوئی اور اسی کی بدولت ایران ۔ شام ۔ مصر اور افریقہ وغیرہ فتح ہوئے۔

آل مروان کے عہد میں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں عربوں میں پھر باہمی تفریق پیدا ہونے لگی اور رفتہ رفتہ ان میں زمانہ جاہلیت

کی قبائلی عصبیت کا اثر آ گیا باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی جاہلانہ عصبیت کو سخت ممنوع قرار دیا تھا لیکن خلفائے بنی امیہ نے اپنے ذاتی اغراض کے لئے اس آگ کو اور بھی بھڑکایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی کے شعلوں میں آپ جل اٹھے۔

بنی عباس نے جب بنی امیہ سے خلافت لینے کا قصد کیا تو انہوں نے عربی عصبیت پر اعتماد نہیں کیا کیونکہ اہل عرب کو ان کے خلاف اٹھانا ممکن نہ تھا اس لئے کہ ان کی دولت خود عربوں کی دولت تھی جس میں ان کو ہر قسم کی عزت اور عظمت حاصل تھی علاوہ بریں عربوں میں چونکہ قبائلی عصبیت پیدا ہو گئی تھی اس لئے اگر وہ ایک قبیلہ کو ان کے خلاف اٹھا بھی دیتے تو دوسرا قبیلہ مقاومت کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ اور ان کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا جس سے متحدہ عرب کو اپنے ساتھ ملا سکتے اس وجہ سے انہوں نے غیر عربی عناصر یعنی خراسانیوں اور ایرانیوں کی طرف رخ کیا اور مندرجہ ذیل دو اسباب سے ان کو اس میں کامیابی کی امید نظر آئی۔

(۱) یہ قومیں ہمیشہ سے حکمران چلی آتی تھیں اور اپنے اسلاف کے کارناموں کی عظیم الشان تاریخ رکھتی تھیں۔ اس وجہ سے عربوں کی حکومت ان پر گراں تھی اور اس میں وہ اپنی ذلت محسوس کرتی تھیں۔ لہٰذا ان کی عنصری عصبیت کو عربوں کے خلاف بھڑکا دینا آسان تھا۔

(۲) چونکہ یہ قومیں مسلمان ہو چکی تھیں اس لئے اہل بیت کی حمایت کے نام سے ان کے اندر بنی امیہ کے خلاف جوش پیدا کر دینا زیادہ مشکل نہ تھا۔

پہلا سبب عوام پر کارگر ہو سکتا تھا اور دوسرا خواص پر جن کو آل محمد کی امامت کی تلقین کر دی جائے۔ چنانچہ اسی تدبیر سے بنی عباس نے اپنی خلافت قائم کی مگر چونکہ یہ قومی قوت نہیں تھی اس وجہ سے ان کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں یہ ہمارے ہاتھ سے اس دولت کو نکال کر دوسرے کو نہ دے دیں یا اپنی تاریخی عظمت کے خیال سے خود سلطنت قائم کرنے کی فکر نہ کریں اس لئے ایک عربی فوج بھی اس کے مقابلہ میں رکھی تاکہ اس توازن سے اپنی خلافت کو محفوظ رکھیں۔ یہی سبب تھا کہ اگرچہ ملکی وزارت اور فوجی امارت کے لئے وہ اپنے موالی میں سے نہایت معتمد اور معتبر لوگوں کو چنتے تھے لیکن ہمیشہ ان کو شک اور شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے اور جس میں خفیف سے خفیف بھی انحراف کا اثر پاتے تھے فوراً اس کا خاتمہ کر دیتے تھے چنانچہ ان کے اکثر وزراء اور امراء مقتول یا محبوس ہوتے رہے خود ابو مسلم جو ان کی خلافت کا بانی تھا اسی شک میں مارا گیا اور منصور کے شبہ کے سامنے اس کی عظیم الشان خدمات کچھ کام نہ آئیں۔

بنی عباس کی خلافت قائم کر کے خراسانیوں میں اپنے قومی اقتدار کا احساس پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ابو مسلم کے قتل پر ایک مجوسی رئیس سنباد نے انتقام لینے کے لئے بہت بڑی جمعیت فراہم کی جس سے خراسان میں ایک قومی جوش پیدا ہو گیا مگر منصور نے بروقت جمہور بن مرار عجلی ایک عربی سردار کو قبائل ربیعہ کے ساتھ بھیج دیا جس نے پہنچ کر اس کا قلع قمع کر دیا اور ساٹھ ہزار خراسانی قتل کئے۔ پھر راوندیہ بھی ابو مسلم کے خون کے مطالبہ کے لئے اٹھے ان کا خاتمہ بھی ربیعہ کے نامی سردار معن بن زائدہ نے کیا۔ برامکہ کے بارے میں بھی ہارون کو شک ہو گیا تھا کہ یہ باطن میں علویہ کے طرفدار ہیں اسی وجہ سے اس نے اس کو مٹایا۔

گو عربی امراء میں سے کسی ایک کے خلوص میں بھی ان کو شک کی گنجائش نہیں ملی لیکن تعجب یہ ہے کہ باوجود اس کے وزارت کے لئے کبھی ان میں سے کسی کو منتخب نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے موالی کو وزیر بناتے رہے جس کی وجہ سے سلطنت میں دن بدن غیر عربی عنصر کا غلبہ ہوتا گیا۔ مامون کی کامیابی بھی چونکہ خراسانیوں ہی کے ذریعہ سے ہوئی تھی اس لئے اس کے عہد میں ان کا نفوذ بہت بڑھ گیا اور عرب فوج سے خارج کر دیئے گئے اب سوائے خلیفہ اور زبان کی بغدادی خلافت تمام تر عجمی ہو گئی۔

اس زمانہ میں ماوراء النہر سے ترکوں کے وفود اپنے رؤساء کے ساتھ آنے لگے۔ مامون اور معتصم نے ان کی بہت قدر دانی کی اور فوج میں بھرنا شروع کر دیا معتصم نے تو ہزاروں ترکی غلام خرید کر اپنے لشکر میں شامل کئے۔ بظاہر اس کی وجہ ترکوں کی شجاعت تھی

جس نے ان خلفاء کو گرویدہ کر لیا تھا لیکن حقیقت میں یہ توازن قوت کا سوال تھا۔ کیونکہ عربوں کو فوج سے نکالنے کے بعد خراسانیوں کے مقابل میں ایک جدید عنصر کی ضرورت تھی جو ان کے غلبہ سے خلافت کو محفوظ رکھے۔

مگر اس سے نتیجہ اور بھی برا ہوا۔ کیونکہ یہ جدید عنصر اس قدر غلبہ پا گیا کہ خود خلفاء کی گردنیں ان کے قبضہ میں آ گئیں۔ جس کو چاہتے تھے تخت نشین کرتے تھے اور جس کو چاہتے تھے معزول ان میں سے بعض بعض رؤساء اور شاہزادے خود اپنی سلطنت اور ریاست کے منصوبے باندھنے لگے اور بہت ممکن تھا کہ کامیاب ہو جاتے مگر ان کے اغراض متحد نہ تھے اس لئے خلافت قائم رہ گئی۔ چنانچہ افشین حیدر بن کاؤس معتصم کے سپہ سالار نے جو اشروسنہ کے بادشاہ کا بیٹا تھا جب ترکی سلطنت قائم کرنے کا داعیہ کیا تھا تو خود ترکی امراء نے خلیفہ سے اس کی مخبری کی تھی۔

ان کے غلبہ کا اثر یہ ہوا کہ خلیفہ عباسی ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو گیا اور اس کی ساری عزت اور عظمت دلوں سے جاتی رہی امراء ولایات نے یہ خیال کر کے کہ کیا ہم ان ترکی غلاموں سے بھی کم ہیں جو خلیفہ اور خلافت پر مسلط ہو گئے ہیں اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کرنا شروع کیا۔ خلیفہ کسی سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ رہے ترک۔ وہ خلیفہ پر قابو رکھتے تھے اور اسی کو اپنی غرض کے لئے کافی سمجھتے تھے اس لئے ان کو اس کی پرواہ بھی نہ تھی کہ وہ کسی سے جا کر جنگ کریں۔

یہ متغلبین امراء آپس میں جنگ و جدال اور معرکہ آرائیاں کرتے تھے جو غالب آ جاتا تھا وہ خلیفہ کو تحفے اور ہدیئے بھیج دیتا تھا۔ اس کے عوض میں خلیفہ اس کے نام ولایت کا فرمان لکھ دیتا تھا تاکہ اس کا خطبہ اور سکہ باقی رہ جائے ان میں سے بعض بعض ایسے بھی ہوئے جنہوں نے ارادے کئے کہ دار الخلافہ پر مستولی ہو جائیں جیسے یعقوب بن لیث صفار۔ اگر موفق نے جو خلیفہ معتمد کا بھائی تھا اپنی بسالت اور شجاعت سے اس کو نہ روکا ہوتا تو یقیناً وہ بغداد کو لے لیتا لیکن جب خلافت کی اصلی قوت یعنی قومی عصبیت مفقود تھی تو وہ کب تک اس کو روک سکتی تھی آخر بنی بویہ وہاں آ گئے ترکوں کو مغلوب کر کے قبضہ کر لیا اور خلیفہ کو محض نام کے لئے باقی رہنے دیا۔

پانچویں صدی میں مشرق سے ترکمانی غز اٹھے جن کا سردار سلجوق تھا اس جماعت نے سلطنت قائم کر کے بنی بویہ کی حکومت کو مٹا کر خلیفہ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہی خانہ جنگی کا مرض ان میں بھی پیدا ہوا۔ اور ان کی سلطنت بھی فنا ہو گئی۔

علویہ

دوسرا سبب یہ ہوا کہ ان کے بنی اعمام علویہ جو پہلے ہی سے اپنی امامت کی تبلیغ کر رہے تھے ان کے زبردست رقیب اور حریف بن گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم کی وجہ سے اہل بیت نبوت کا جو وقار جمہور اہل اسلام کے دلوں میں تھا اس کے لحاظ سے ان کو یہ زیادہ مرغوب تھا کہ خلافت اسی خاندان میں رہے۔ یہی وجہ تھی کہ صدر اول میں امامت کی دعوت نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور عوام الناس کثیر تعداد میں اہل بیت کے طرفدار ہو گئے جن کو لے کر علویہ بار بار خلافت کی کوشش کے لئے اٹھے مثلاً امام حسنؑ امام زید پھر ان کے بیٹے یحیی لیکن ناکامیاب رہے۔

ان کے بعد عباسیہ نے اس راستہ میں قدم رکھا اور اپنی دانش مندی اور تدبیر سے منزل مقصود پر پہنچ گئے یعنی بنی امیہ کا تخت الٹ کر اپنی خلافت قائم کر لی اس پر علویہ کی غیرت حرکت میں آئی اور وہ مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ بنی عباس اس امر کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جمہور کا میلان طبع بہ نسبت ہمارے ان کی طرف زیادہ ہے اور قرب رسولؐ جس کی بنیاد پر ہم نے خلافت حاصل کی ہے اس میں ان کا رتبہ ہم سے بڑھ کر ہے اس لئے ان کی طرف سے جو رخنہ سلطنت میں پڑے گا اس کا بند کرنا آسان نہ ہو گا اسی وجہ سے

انہوں نے مدینہ کی جو علویہ کا مرکز تھا مخفی طور پر شدید نگرانی شروع کی اور ان میں جو ممتاز افراد تھے ان کے اعمال و اشغال کی نگہداشت کرنے لگے۔

سفاح جب حج کو گیا تو تالیف قلوب کے لئے علوئین کو بلا کر عطیوں اور بخششوں سے مالا مال کر دیا تاکہ وہ بنی امیہ کے مقابلوں میں بنی عباس کی خلافت کو غنیمت سمجھ کر ان کے شکر گذار ہوں اور اپنی خلافت قائم کرنے کا خیال نہ کریں لیکن ان احسانات سے ان کے جذبہ غیرت میں اور ترقی ہو گئی اور اپنے ضائع شدہ حق کا احساس زیادہ بڑھ گیا کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہے اس کو اگر کوئی غیر لے لے تو اس قدر جوش میں نہیں آتا جس قدر کہ اقرباء کے غصب پر۔ خاص کر ایسی حالت میں جبکہ وہ یہ بھی دیکھتا ہو کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے مددگار مل سکتے ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے محمد بن عبداللہ نے جو نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے مدینہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں بنی عباس کے مقابلہ میں خروج کیا۔ اہل خراسان بھی ان کے قیام کے منتظر تھے۔ لیکن منصور نے اس طرف کے راستے بند کرا دیئے اور اپنی تدبیر و شجاعت سے اس مہم کو بہت جلد سر کر لیا۔ ورنہ یقیناً خلافت متزلزل ہو جاتی۔

اب عباسیوں کے شکوک علویہ کی طرف سے اور بھی بڑھ گئے انہوں نے شیعیت کے عقیدہ کو بھی جو ان کی تبلیغ کا جزو تھا چھوڑ دیا۔ اور شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر کو حضرت علی سے افضل ماننے لگے۔ نیز علوئین کی سخت نگرانی شروع کی اور ان کے اوپر بہت سی پابندیاں لگا دیں۔ جن کی وجہ سے وہ تنگ آگئے پرندے کی طرح اپنے آپ کو قفس میں محبوس دیکھ کر پھر ایک بار کوشش کا ارادہ کیا اور حسین بن علی بن حسن مثلث ۱۶۹ھ میں ایک جماعت کو لے کر اٹھے لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور مکہ کے متصل مقام فخ میں بنی عباس سے شکست کھا کر قتل ہوئے۔ اس جنگ سے دو آدمی ادریس اور یحییٰ جو نفس زکیہ کے بھائی تھے بچ کر نکل گئے اور بس۔ مصر اور شمالی افریقہ سے گذر کر مغرب اقصیٰ میں پہنچے وہاں انہوں نے سلطنت قائم کر لی یحییٰ بلاد دیلم میں پہنچ گئے مگر بوجہ قرب دارالخلافہ کے ان کا منصوبہ پورا نہ ہو سکا اور بغداد میں لا کر زیر حراست رکھے گئے۔

ان واقعات میں خلفائے عباسیہ کے اوپر یہ امر بھی ظاہر ہو گیا کہ ان کے خاص موالی میں سے بعض لوگ بہ نسبت ان کے علویہ کے زیادہ ہوا خواہ ہیں۔ کیونکہ برید مصر پر ان کا مولی واضح متعین تھا اس نے باوجود ہارون کے حکم کے جان بوجھ کر ادریس کو گرفتار نہیں کیا بلکہ ان کے گزرنے میں آسانیاں پیدا کیں اسی طرح جعفر برمکی ہارون کے پروردہ خاص اور عزیز ترین وزیر نے اس کی منشاء کے خلاف یحییٰ کو چھوڑ دیا اس لئے ہارون نے ان لوگوں کی تربیت شروع کی جو علویہ کے مخالف ہوں یا کم سے کم ان کے دل دادہ نہ ہوں وہ جس امیر یا وزیر کی نسبت سنتا تھا کہ آل علی میں سے کسی کی طرف میلان رکھتا ہے اس کو سزا دیتا تھا۔ امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کو مدینہ سے بغداد میں لا کر خاص اپنی نگرانی میں رکھا تھا۔

مراقش میں دولت ادریسی قائم ہو جانے کے بعد وہاں کے باشندے عباسی خلافت کی اطاعت سے نکل گئے اور ہارون کو اس خیال سے کہ یہ اثر دیگر افریقی قوموں میں نہ پھیلنے پائے قیروان میں اغالبہ کی ایک سرحدی ریاست قائم کرنی پڑی۔ باوجود اس کی ان تمام احتیاطوں کے جب مامون خلیفہ ہوا تو اس نے دیکھا کہ دولت عباسیہ ہر طرف سے علویہ کے خطرات سے گھری ہوئی ہے خود عباسی امراء اور موالی کے قلوب ان کی طرف مائل ہیں۔ اس وجہ سے اس کو مدارات کرنی پڑی۔ اور اس نے اپنے وزیر فضل بن سہل کے مشورہ سے شیعہ کے امام ہشتم علی رضا کی ولی عہدی کا فرمان لکھا۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ اگر ایک طرف امامیہ خوش ہوئے تو دوسری طرف بنی عباس مخالف ہو گئے اور انہوں نے بغداد میں اس کے خلع کا اعلان کر کے اس کے چچا ابراہیم کو خلیفہ بنا لیا۔

اس ورطہ سے نکلنے کے لئے آخر کار مامون نے حیلہ سے وزیر ابن سہل کو قتل کرایا اس کے بعد ہی امام علی رضا وفات پا گئے جس کا الزام بھی بعض مورخ مامون ہی پر رکھتے ہیں لیکن بجز قرائن کے کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ بغداد میں آجانے کے بعد بھی

مامون علویہ کی محبت اور اپنی شیعیت کا اظہار کرتا رہا۔ مگر ان میں سے جب کوئی سر اٹھاتا تھا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا تھا جو اس کے اسلاف نے کیا تھا یہاں تک کہ یمن کی بغاوت کے بعد ان کا اپنے دربار میں بھی آنا بند کر دیا۔ ہارون کی طرح شیعہ سے اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے مجبوراً اس کو بھی دولت زیادیہ بطور درمیانی ریاست کے قائم کرنی پڑی۔ علویہ کے ساتھ خلفائے عباسیہ کا یکساں طرز عمل نہیں رہا متوکل اس قدر سخت تھا کہ وہ سر دربار ان کی بلکہ خود حضرت علی کی مذمت کیا کرتا تھا اور اسی قسم کے لوگوں کو پسند کرتا تھا۔

مستعین کے عہد میں حسن بن زید نے طبرستان میں دولت زیدیہ قائم کر لی بنی عباس ان کے استیصال سے عاجز رہے اب علویہ کی طرف سے یہ تیسرا رخنہ دولت عباسی میں پڑ گیا اور مشرق و مغرب ہر طرف سے ان کے خطرات محیط ہو گئے جس کی وجہ سے وہ نگاہیں بھی اٹھ گئیں جو اب تک دین و حیا کی وجہ سے نیچی تھیں چنانچہ دعوت امامت کا نظام مرتب کر کے علویہ نے دولت عباسی کے قلب پر حملہ کا سامان کیا اور قرامطہ کے ہاتھوں جو ان کے دعاۃ تھے اس خلافت کو ایسا متزلزل کر دیا کہ یہ اپنے تمام فرائض سے عاجز ہو گئی اور وہ شورشیں اور خونریزیاں ہوئیں جو عالم اسلامی کے خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھیں۔

ان کے بعد ہی فاطمیہ نے افریقہ پر قبضہ کر لیا پھر مصر۔ شام۔ حجاز اور یمن تک تسلط بڑھا لیا۔ بساسیری نے ایک سال تک خود بغداد کے منبروں پر فاطمی خطبہ جاری رکھا۔ عباسی ان کے مقاومت سے عاجز ہو کر ان کے نسب پر طعن کرنے لگے ایک محضر تیار کرا کے شائع کیا کہ خلفاء مصر نسباً فاطمی نہیں ہیں بلکہ عبیدی ہیں لیکن اس سے کیا کام چل سکتا تھا۔

چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں فاطمی خلافت کی تحریک سے باطنی جماعت شام اور فارس میں پھیل گئی جنہوں نے خونریزی کو اپنا مشغلہ بنا لیا۔ امراء اور وزراء کے علاوہ خود خلفاء بنی عباس ان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ فریقین میں یہ نزاع برابر قائم رہی۔ یہاں تک کہ سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی فاتح جنگ صلیبی کے زمانہ میں مصر سے خلافت فاطمیہ منقرض ہو گئی اور وہاں عباسی خطبہ پڑھا جانے لگا لیکن بغداد میں اسی ناگوار جھگڑے میں ابن علقمی وزیر نے ہلاکو کو بلا کر خلافت عباسیہ کا خاتمہ کرا دیا۔ الغرض پہلے خلیفہ عباسی سفاح سے لے کر آخری خلیفہ مستعصم تک علویہ کی منافست کا سلسلہ برابر قائم رہا جس کی وجہ سے کمزور ہوتے ہوتے یہ خلافت آخر مٹ گئی اور حریفوں کے قلب کو تشفی ہوئی۔

بدعہدی

وفاء عہد اہل عرب کا نمایاں خلق تھا جس پر وہ زمانہ جاہلیت سے اپنے اشعار میں فخر کرتے چلے آتے تھے اسلام نے اس کو اور بھی مؤکد اور پختہ بنا دیا خلفائے راشدین کی تاریخ میں کہیں عہد شکنی کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ بنی امیہ کی تقریباً صد سالہ حکومت میں صرف خلیفہ عبدالملک سے ایک بدعہدی ہو گئی کہ اس نے سعید بن العاص کو امان دینے کے بعد قتل کر ڈالا چنانچہ اس پر بڑی واویلا ہوئی اور یہ مسلمانوں کی پہلی بے وفائی قرار دی گئی۔ خود عبدالملک نے ایک عربی شیخ سے پوچھا کہ میں نے جو سعید کو قتل کر دیا اس کی بابت تمہارا کیا خیال ہے اس نے کہا کہ کاش اس کے بعد تم زندہ رہتے عبدالملک نے کہا کہ میں تو زندہ ہوں بولا کہ بے اعتمادی کی زندگی کیا۔ مگر خلفاء عباسیہ نے جنہوں نے عربی عنصر پر اپنی خلافت کی بنیاد رکھی تھی بدعہدی کو اپنا شیوہ بنا لیا اور آغاز سے لے کر خاتمہ تک ان کے نزدیک پیمان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

منصور نے سفاح کی زندگی ہی میں ابن ہبیرہ کو قطعی امان دے دینے کے بعد جس میں کسی حیلہ کی گنجائش نہیں تھی ابو مسلم کے اشارہ پر قتل کر دیا۔ پھر اسی کا اعادہ خود ابو مسلم کے ساتھ کیا۔ اپنے چچا عبداللہ کو امان دے کر بلایا اور قید کر دیا۔ چنانچہ نفس زکیہ کو جب اپنے خط میں امان دی تو انہوں نے طنزاً لکھا کہ تم نے مجھے کونسی امان دی ہے۔ ابن ہبیرہ والی۔ یا وہ جو ابو مسلم یا اپنے عم محترم عبداللہ کو دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کے لئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہونے کا دعویٰ رکھتا ہو

اس سے بڑھ کر اور کیا شرم کی بات ہو سکتی ہے کہ اس بدعہدی کی وجہ سے کوئی اس پر اعتماد نہ کرے۔ ان مثالوں کا اثر یہ ہوا کہ خلیفہ عباسیہ کو پیمان شکنی کی جرات ہو گئی۔ خود ان کے اسلاف جو عہد نامے لکھ جاتے تھے وہ ان کو رد کر دیتے تھے اور اپنی اس باطل کاروائی کو حق کے پردہ میں چھپانا چاہتے تھے۔

سفاح نے منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنایا تھا۔ منصور نے اپنے زمانہ میں اس پر اپنے بیٹے مہدی کو مقدم کیا۔ اور اس کو جائز بنانے کے لئے عیسیٰ سے رضامندی لکھوائی لیکن یہ شہادت تاریخ دیتی ہے کہ اس رضامندی کے لئے کس قدر سختیاں اور دھمکیاں کام میں لائی گئیں۔ یہاں تک کہ اس غریب کو زہر کا پیالہ بھی دیا گیا لیکن سخت جان تھا بچ گیا عیسیٰ کے اشعار سے جو اس نے اس واقعہ کے متعلق لکھے ہیں یہ صاف کھل جاتا ہے کہ اگر وہ امت کی مصلحت کو پیش نظر نہ رکھتا تو عظیم الشان فتنہ کھڑا کر دیتا۔ منصور کے بعد مہدی نے بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کیا اور جبراً رضامندی لکھوا کر اس کو یک قلم ولی عہدی سے خارج کر دیا۔ پھر امین نے مامون کے ساتھ اسی قسم کی بدعہدی کی جس کی بدولت وہ خونی معرکے پیش آئے جو نہ صرف امین بلکہ لاکھوں افراد امت اور نصف بغداد کی تباہی کا باعث ہوئے۔

جب خلفاء کا یہ شیوہ تھا تو ظاہر ہے کہ وزراء اور امراء وغیرہ اس سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے۔ ان کی نظروں میں بھی عہد کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی اور ان معاملات میں وہ بھی خلفاء کا ساتھ دینے لگے۔ چنانچہ ہارون نے یحییٰ کو امان دینے کے بعد جب مسترد کرنا چاہا تو بعض علماء وقت نے اس کی خواہش کے مطابق فتوے دے دیئے۔ ان بے وفائیوں کا اثر یہ ہوا کہ خلفاء پر اعتماد نہیں رہا اور ارکان سلطنت اور امراء کا خلوص جاتا رہا جس سے امت پر مصائب آئے اور خلافت کو روز بروز زوال ہوتا گیا۔

یہ تین اصولی اسباب ہیں جو خلافت عباسیہ کے زوال کا باعث ہوئے ان کے علاوہ جزئی اسباب بہت سے ہیں جو اس تاریخ کو پڑھ کر اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

حصہ ششم

خلافتِ بنو عباسیہ

مصر

خلافت عباسی مصر میں

زوال بغداد کے بعد خلافت عباسی مصر میں آکر قائم ہوئی ۔ اس لئے وہاں کی مختصر تاریخ ابتداء سے بیان کر دینی ضروری تھی ۔ یہ پورا حصہ اسی میں صرف ہوا ۔ اور طوفان نوح کے بعد سے ۹۲۳ ھ تک کی جس میں وہاں سے خلافت منتقل ہو کر آل عثمان کے ہاتھوں میں چلی گئی ۔ مصر کی ایک اجمالی تاریخ اس میں لکھی گئی ۔

مصر کے دور اسلامی کی تاریخ عہد بعہد کی حسب معمول مسلمانوں نے اچھی طرح محفوظ رکھی ہے ۔ اور چونکہ دوسرے اسلامی مراکز کے مقابلہ میں وہاں کے کتب خانے زمانے کی دست برد سے نسبتاً بچے رہے ہیں ۔ اس وجہ سے تاریخ مصر کے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ کمتر نایاب ہوئی ہیں ۔ البتہ قدیم تاریخ کے معتبر مصادر موجود نہیں ۔ کیونکہ پانچویں صدی قبل مسیح سے پیشتر کی کوئی تصنیف اس موضوع پر نہیں ملتی ۔ سب سے پہلے مصر کا کچھ حال جس شخص نے لکھا ہے ۔ وہ مشہور یونانی سیاح اور مؤرخ ہیروڈوٹس ہے جو ۴۵۵ ق م میں نیل کے سواحل سے گزرا تھا ۔ اس کے دو صدی کے بعد ایک مصری کاہن سہانیتوس نے جو مانیتو کے نام سے مشہور ہے اس ملک کی تاریخ لکھی ۔ مگر وہ مفقود ہو گئی ۔ صرف اس کے بعض بعض حصے جو یوسیفوس یہودی نے اپنی کتاب آثار الاسرائیلین یا آٹھویں صدی عیسوی کے ایک مؤرخ سنسلوس نے اپنی تصنیف میں نقل کئے تھے ہم تک پہنچے ہیں ۔ قدیم حکمراں خاندانوں کے ملوک کی فہرستیں مانیتو کے حوالہ سے بعض مسیحی مورخوں نے لکھی ہیں ۔

۱۸۱۸ ء میں نو سال کی لگاتار کوشش کے بعد فرانس کے مشہور اثری محقق شمپولون نے ہیرو غلیفی کتابت کو حل کیا ۔ جس سے آثار قدیمہ کے کتبے پڑھے جانے لگے اور پرانے ہیکلوں اور معبدوں اور ان کے ستون و دیوار و در کے نقوش سے بعض حالات منکشف ہوئے ہیں ۔ ... نے اس حصہ کی تالیف میں یہ تمام معلومات اور اسلامی متداول کتب تاریخ کو سامنے رکھا ۔

چونکہ یہ کتاب جیسا کہ میں پہلے بھی ظاہر کر چکا ہوں محض تعلیمی ہے نہ کہ علمی اور میں صرف ضروری معلومات دینے پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ طلبا کے لئے اسلامی تاریخ آسان اور قریب الفہم ہو جائے ۔ اسی لئے حسب معمول اختصار سے کام لیا اور مصر کی علمی ترقی کی تاریخ بھی چھوڑ دی ۔ کیونکہ اس کے لئے ایک جداگانہ بسوط تصنیف درکار ہے ۔ تاریخ مصر کے بعض بعض امور بوجہ تعلق خلافت کے خلفاء بغداد کے بیان میں پہلے حصوں میں آچکے ہیں ۔ اس حصہ میں بھی مجبوراً ان کو دہرانا پڑا لیکن جہاں تک ہو سکا کوشش یہی رہی کہ کم سے کم تکرار واقع ہو ۔

تاریخ مصر

تاریخ مصر قبل از اسلام ۵۰۰۴ ق م سے شروع ہوتی ہے جبکہ مصر کے پہلے بادشاہ منانے اس ملک میں سلطنت قائم کی ۔ یہ دو دور میں منقسم ہے ۔

(۱) دور جاہلیت جو ۵۰۰۴ ق م سے ۳۸۱ تک ہے ۔ اس میں امت مصریہ اپنے قدیمی دین پر رہی ۔

(۲) دور مسیحیت جس میں اہل مصر نے دین عیسوی اختیار کرنا شروع کیا یہ ۳۸۱ء سے ۶۴۰ء یعنی فتح اسلامی تک ہے ۔

اقوام مصریہ

قدیم اہل مصر حسام بن نوح کے بیٹے مصرایم کی اولاد تھے ۔ جو شام سے جاکر وادی نیل میں جابجا قبیلے قبیلے آباد ہوگئے ۔ یہ لوگ پانچ طبقوں میں منقسم تھے ۔ پہلا طبقہ کاہنوں کا تھا جو دینی پیشوا تھے ۔ ان کی کسی بات کی خلاف ورزی معبود کے حکم سے سرتابی کے برابر سمجھی جاتی تھی ۔ دوسرا طبقہ جنگی جماعت کا تھا جو دشمنوں کی مدافعت کرتی تھی ۔ باقی تین طبقے تاجروں کاشتکاروں اور گلہ بانوں کے تھے ۔

بجز کاہنوں اور طبقہ دوم کے کوئی دوسرا زمین کی ملکیت کا حق نہیں رکھتا تھا ۔ چنانچہ اراضی کا بڑا حصہ کاہنوں کے قبضہ میں تھا اور کچھ جنگ آوروں کے ۔ تینوں طبقے ان سے ٹھیکہ یا کرایہ پر زمینیں لے کر کھیتی کرتے تھے ۔ زمانہ دراز کے بعد جب ان قبائل کی تعداد زیادہ ہو گئی اور انتظام کے لئے ضرورت نے مجبور کیا تو انہیں میں سے ایک شخص منانامی جو جنگ جماعت کا سرغنہ تھا بادشاہ بن گیا ۔ اور اس نے مصر میں پہلی سلطنت قائم کی جو ایک زمانہ تک ان کی اولاد میں چلی آئی ۔ پھر دوسرا خاندان غالب آگیا ۔ اسی طرح سلسلہ بسلسلہ اکتیس حکمران ہوئے ۔ جن میں سے اکثر اسی شہر کی نسبت سے موسوم ہیں جو ان کا پایہ تخت تھا ۔ ان ۳۱ خاندانوں کے بعد یونانیوں نے آکر مصر پر قبضہ کر لیا ۔ پھر ان سے رومیوں نے لے کر اپنی سلطنت کا صوبہ بنا لیا ۔

دینی عقائد و رسوم

قدیم اہل مصر گو متعدد دیوتاؤں اور دیویوں کو مانتے اور ان کی پوجا کرتے تھے لیکن ان کے تمام معبودوں کا اصل مرجع دو بڑے معبود تھے ۔ ایک فتاح (خالق) جس کا بت مقام منف میں تھا ۔ دوسرا رع (سورج) جس کی مورت لقصر میں بنائی گئی تھی ۔ یہ بھی درحقیقت ان کے عقیدہ میں خالق اکبر کی ایک مظہری تمثال تھا ۔ اس کے بعد جوں جوں بت تراشی میں ترقی ہوتی گئی معبودوں کے تنوع میں بھی اضافہ ہوتا گیا ۔ بسامتیک اول (خاندان ۲۶) کے زمانہ میں جب یونانی مصر میں آئے اور وہاں رہے تو انہوں نے علوم

مصریہ ریاضی ہیات اور نجوم وغیرہ کے ساتھ وہاں کے علم الاصنام کو بھی سیکھا۔ اور مصری بتوں کو مع ان کے ناموں کے یونان میں لے گئے۔

قدما مصر کا یہ خیال تھا کہ دیوتا بعض بعض حیوانات کی شکل میں بھی جسم اختیار کر لیتے ہیں یہی وجہ تھی کہ وہ گائے۔ مگر۔ شہباز۔ وغیرہ کو بھی پوجتے تھے۔ ان کے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ موت کے بعد روح جسم کے ساتھ قبر میں رہتی ہے۔ اسی بنیاد پر وہ اپنے مردوں کو ممی بناتے تھے۔ انہوں نے ایسی دوائیں معلوم کر لی تھیں جن کی بدولت جسم غیر محدود زمانہ تک سڑنے سے محفوظ رہ سکے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جسم اگر ضائع ہو گیا تو روح کا کوئی ٹھکانا نہیں رہے گا۔ اور وہ بھٹکتی پھرے گی اس لئے امیر و غریب سب ممی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ اور اس کو محفوظ تابوتوں اور صندوقوں میں بند کر کے تہہ خانوں میں رکھتے تھے۔ جن پر پختہ عمارتیں بنا دیتے تھے۔ چنانچہ مصر کے اہرام وہاں کے ملوک اور سلاطین وغیرہ کے مقبرے ہیں۔

ان میں ایک خاص رسم یہ بھی تھی کہ ممی تیار ہو جانے کے بعد مردہ کو ایک چبوترے پر لا کر رکھتے جہاں مذہبی حکام اور کاہن اور عوام الناس آکر جمع ہوتے پھر اعلان کیا جاتا کہ کسی کو اس کے اوپر کوئی دعویٰ ہو تو پیش کرے۔ جو بے گناہ نکلتا تو اس کو قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت ملتی اس کے اقربا اس وقت اپنا ماتمی لباس اتار دیتے اور اس کی برآت پر خوشی مناتے اور جو گنہگار ٹھہرتا تو دفن سے ممنوع قرار پاتا۔ مجبوراً اس کے ورثا اس کے تابوت کو لا کر اپنے گھر میں رکھتے جب اس قسم کے متعدد مردے کسی کے یہاں جمع ہو جاتے کاہن زندوں کی خاطر سے ان کو کہیں دفن کرنے کی اجازت دے دیتا۔ اس آخری احتساب میں کسی قسم کی رعایت نہیں برتی جاتی تھی۔ چنانچہ خوفو اور خفرع بادشاہوں کو بھی کاہنوں نے دفن سے روک دیا تھا۔ اس دستور کی وجہ سے ان کے اخلاق اچھے تھے۔ کیونکہ اس آخری نصیحت اور رسوائی کے خوف سے وہ معاملات کو صاف رکھتے اور سب کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے۔

علمی لحاظ سے قدیم اہل مصر طب سے واقف تھے اور اکثر بیماریوں کی شناخت اور ان کی دوائیں جانتے تھے۔ ریاضی اور ہیاۃ سے بھی ان کو ذوق تھا۔ چنانچہ دنیا میں سب پہلے سن شمسی ۴ / ۱ - ۳۶۵ اور سن قمری ۳۵۴ دن کا انہوں نے ہی قرار دیا تھا۔ اور فن تعمیر میں تو اہرام اور عجیب و غریب ہیکل و معبد ایسی یادگاریں انہوں نے چھوڑی ہیں جن کو آج تک ساری دنیا حیرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

ادوار تاریخی

مؤرخوں نے مصر جاہلیت کی تاریخ کو پانچ دور میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) دولت قدیمہ۔ ۵۰۰۴ سے ۳۰۶۴ ق م تک اس میں دس خاندان حکمران رہے جنہوں نے ۱۹۴۰ سال تک حکومت کی۔

(۲) دولت وسطیٰ۔ ۳۰۶۴ سے ۱۷۰۳ ق م گیارہویں خاندان سے سترھویں خاندان تک ۱۳۶۱ سال۔

(۳) دول اخیرہ۔ ۱۷۰۳ سے ۳۳۲ ق م اٹھارویں خاندان سے اکتیسویں خاندان تک مدت حکومت ۱۳۷۱ سال رہی۔

(۴) دولت یونانی۔ ۳۳۲ سے ۳۰ ق م تک ۳۰۲ سال حکومت رہی جس میں دو خاندان گزرے۔

(۵) دولت رومانی۔ ۳۰۰ ق م سے ۳۸۱ تک ۴۱۱ سال جس میں رومیوں کا قبضہ رہا۔ اس کے بعد چھٹا دور مسیحیت ہے جو ۳۸۱ء سے ۶۴۰ء یعنی فتح اسلامی تک ہے۔ اس میں بھی حکومت رومیوں ہی کے ہاتھ میں رہی۔ ان کل ادوار کی نہایت مختصر تاریخ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

دولت قدیمہ

اس دولت کا زمانہ جیسا کہ ابھی لکھا جا چکا ۵۰۰۴ سے ۳۰۶۴ ق م تک ۱۹۴۰ سال ہے۔ جس میں دس خاندانوں کی حکومت رہی۔

(۱) طینی

(مدت حکومت ۳۰۵ سال۔ عدد ملوک ۹)

۱۔ منا (مینس)	۶۲ سال حکمراں رہا۔	۲۔ تتا (اثوتیس)	۵۷ سال حکمراں رہا۔
۳۔ کنکنیس	۳۱ سال حکمراں رہا۔	۴۔ دنفش اول	۲۳ سال حکمراں رہا۔
۵۔ دنفس ثانی	۲۴ سال حکمراں رہا۔	۶۔ سبتی (اسافابیدوس)	۲۰ سال حکمراں رہا۔
۷۔ میہ بیدوس	۲۶ سال حکمراں رہا۔	۸۔ سمن بسس	۱۸ سال حکمراں رہا۔
(۹) بیہ نخس	۴۴ سال حکمراں رہا۔		

منا مصر کا اولین بادشاہ پہلے قبائل مصریہ کا سالار جنگ تھا۔ اور ان میں ہر دلعزیز کاہنوں کے استبداد سے تنگ آکر لوگوں کو ان کے خلاف اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ اور لڑ کر ان کو مصر سے نکال دیا اور اپنا تسلط قائم کیا۔ چونکہ طینیہ کے لوگ در پردہ کاہنوں کے طرفدار تھے اس لئے اس مقام کو چھوڑ کر نیا شہر منف آباد کیا اور اسی کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ ارد گرد خندق کھدوا کر چاروں طرف آمد و رفت کے لئے اس پر پل بنوائے۔

دریائے نیل کو جو صحرائے لیبیا کی طرف بہتا تھا نہر کے ذریعہ سے مشرقی سمت میں جاری کیا۔ ملکی نظم و نسق کے قوانین وضع کیے پھر اہل لیبیا سے لڑ کر ان کو اپنا محکوم بنا لیا۔ تتا نے منف میں شاہی قصر تعمیر کرایا۔ اس کے عہد میں قحط بھی پھیلا اور طاعون بھی جس سے بہت مخلوق مر گئی۔ ونفس اول نے مصر کا سب سے پہلا ہرم کوکمہ تعمیر کرایا۔ آخری تین بادشاہوں کے زمانوں میں فواحش کی گرم بازاری رہی اور جابجا فتنے برپا ہوئے جس کی وجہ سے سلطنت ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

(۲) منفی

(مدت حکومت ۳۰۲ سال۔ عدد ملوک ۹)

۱۔ بصاد (بوثوس)	۳۸ سال	۲۔ کاکاود (کلیہ خوس)	۳۹ سال
۳۔ بینوترلیس	۴۷ سال	۴۔ ونفس	۱۷ سال
۵۔ استس	۴۱ سال	۶۔ خانرس	۷ سال
۷۔ نفرخرس	۲۵ سال	۸۔ نفرکاسکر	۴۸ سال
۹۔ غزرس	۳۰ سال		

بصاد خاندان سابق کا رشتہ دار تھا۔

کاکاود کے عہد میں حیوانات خاص کر گائے کی پرستش زیادہ ہو گئی۔ بینوترلیس نے یہ قانون بنایا کہ خاندان شاہی میں اولاد ذکور نہ ہونے کی صورت میں عورتوں کو بھی تخت سلطنت پر بیٹھنے کا حق ہو گا۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ میں اللہ کا رشتہ دار ہوں۔ یہ عقیدہ اس کے بعد بھی ملک مصر میں یونانیوں کے عہد تک چلا آیا۔

اب تک سارے مصری قبائل زیر اطاعت نہیں تھے۔ اس نے سب کو قبضہ میں لا کر ایک متفقہ قوم بنایا۔ استس کو طب میں دخل تھا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ خاندان اول کے بادشاہ تتا نے طب میں ایک کتاب لکھی تھی استس نے اس کی تکمیل کی۔

(۳) منفی

(مدت حکومت ۲۱۴ سال عدد ملوک ۹)

۱۔ عزدوفس	۲۸ سال	۲۔ بنکا	۱۹ سال
۳۔ ترہ لیس	۷ سال	۴۔ سسوفریس	۱۷ سال
۵۔ بنکارع	۱۹ سال	۶۔ نفرکارع	۴۲ سال
۷۔ سفوریس	۳۰ سال	۸۔ --------	۲۶ سال
۹۔ سنفرد	۲۶ سال		

عزدوفس کے عہد میں اہل لیبیا نے بغاوت کی۔ وہ لشکر لے کر گیا چاندنی رات میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ اتفاقاً چاند گرہن میں آ گیا۔ لیبیا والوں نے خیال کیا کہ ہم نے بادشاہ کی جو مخالفت کی ہے اس پر آسمانی غضب کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے ہتھیار ڈال دیے اور اطاعت قبول کر لی۔ بنکا علم طب کا ماہر تھا۔ چنانچہ پہلی صدی عیسوی تک اس کے نوشتے لوگوں میں رائج تھے۔ فن کتابت اور سنگ تراشی کو بھی اس نے ترقی دی تھی۔ آخری بادشاہ سنفرد نے عرب کے ایک پہاڑ سے تانبے کی ایک کان نکالی۔ جبل حور پر لشکر

کشی کر کے وہاں کے قبائل کو مطیع بنایا اور متعدد قلعے اور عمارات تعمیر کرائیں ۔

اس خاندان کے عہد میں طلینۃ کی ساری رونق منتقل ہو کر منف میں چلی آئی ۔ اور ملک میں مال و دولت کی فراوانی ہوئی ۔ بڑے بڑے ہیکل اور معبود تعمیر کئے گئے ۔ ابوالہول کا عظیم الشان بت جو اہرام جیزہ کے پاس آج بھی قائم ہے اسی خاندان کے زمانہ میں بنا تھا ۔ اس بت کا جسم شیر کا ہے اور سر انسان کا جس سے قوت اور عقل دونوں کے اجتماع کی طرف اشارہ ہے ۔

(۴) منفی

(مدت حکومت ۲۸۴ سال ۔ عدد ملوک ۱۴)

ان چودہ میں سے صرف آٹھ کے نام معلوم ہو سکے ہیں ۔ ان میں سے بھی مشہور چار ہی ہیں ۔ خوفو ۔ خفرع ۔ منکورع ۔ اسکاف خوفو (کیوس) عمارات کا بڑا عاشق تھا ۔ اسی نے مصر کا سب سے بڑا اہرم جو جیزہ میں ہے بھی بنوایا جس کی بلندی ۴۵۰ اور چوڑائی ۷۴۶ قدم ہے کہ اس میں ایک لاکھ آدمی روزانہ کام کرتے تھے اور پورے ۳۰ سال میں تیار ہوا ۔ پہاڑ سے بھی زیادہ سنگین ہے ۔

خلیفہ مامون عباسی جب ۲۱۷ ء میں مصر میں گیا اور لوگوں سے سنا کہ ان عمارتوں میں قدماء ملوک کے خزانے مدفون ہیں تو اسی بڑے ہرم کو توڑوانا شروع کیا ۔ بہزار دقت صرف ایک کونہ ٹوٹ سکا اور صرفہ بہت پڑ گیا ۔ اس لئے چھوڑ دیا ۔ خوفو جنگ آور بھی تھا اس نے عربی اور شامی قبائل سے جو مشرقی سمت سے حدود مصر پر حملے کیا کرتے تھے ۔ متعدد لڑائیاں کیں اور ان کو شکستیں دیں ۔ ۲۳ سال حکمراں رہا ۔ خفرع نے دوسرا اہرم جو بڑے ہرم کے بالمقابل ہے بنوایا ۔ اس کا ارتفاع ۷۴۴ اور عرض ۶۹ قدم ہے ۔

منکورع عادل اور مہربان تھا ۔ رعیت اس کو محبوب رکھتی تھی ۔ جیزہ کا تیسرا اہرم جو ۲۰۳ قدم بلند اور ۲۵۲ قدم عریض ہے ۔ اس کا تعمیر کردہ ہے لیکن یہ اس کو مکمل نہیں کر سکا تھا ۔ ملکہ نیتو کریس نے جو خاندان ششم کی آخری فرماں روا تھی اس کی تکمیل کرائی منکورع کی نعش ایک سنگین تابوت میں برآمد ہوئی تھی ۔ انگریز اس کو انگلستان لے جا رہے تھے راہ میں پرتگال کے ساحل پر جہاز ڈوب گیا ۔ لیکن حنبۂ اور چوبین غلاف جو انسان کی شکل کا بنا ہوا تھا برآمد ہو گیا اور لندن کے میوزیم میں پہنچا ۔ اسکاف اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا وہ ہندسہ سے آشنا تھا ۔ اور آلات رصد کا شائق ۔ ۹ سال حکمراں رہا ۔

(۵) اصواق

(مدت حکومت ۲۱۸ سال ۔ عدد ملوک ۹)

۱ ۔ اسکاف	۲۸	۲ ۔ سحورع	۱۳
۳ ۔ نفر کا	----	۴ ۔ نفر فرس	۲۰
۵ ۔ شبس کارع	----	۶ ۔ رعنوسر	۱۱
۷ ۔ منکا حور	۹	۸ ۔ ددکارع ۴۴	
۹ ۔ اوناس	۳۳		

اسکاف عادل تھا ۔ سحورع نے اپنے عہد میں اس کے لئے دو ہرم بنوایا جو بوصیر کے متصل خعب کے نام سے مشہور ہے ۔ نفر فرس کے زمانہ میں مصر میں علمی اور تمدنی ترقی ہوئی ۔ ددکارع نے وادی مغارہ میں کئی کانیں دریافت کیں ۔

(۶) اصوانی

(مدت حکومت ۲۰۳ سال ۔ عدد ملوک ۶)

۱۔ آتی	۳۰	۲۔ مریرع (بیبی اول)	۵۳
۳۔ مرزرع اول	۷	۴۔ فیولیس (بیبی ثانی)	۱۰۰
۵۔ مرزرع ثانی	۱	۶۔ ملکہ نیتو کریس	۱۲

آتی کے زمانہ میں سواحل بحر پر تتا نامی ایک مدعی سلطنت کھڑا ہو گیا لیکن چھ مہینے بعد مارا گیا ۔ مریرع یعنی بیبی اول نے ایک طرف شام اور دوسری طرف نوبیا کو محکوم بنایا ۔ مرزرع کے عہد میں مصر میں جنگی کشتیاں تیار کی گئیں۔ بیبی ثانی کے زمانہ میں فیروزہ ، توتیا، تلنبے کی کانیں اور کوہ طور سے قیمتی پتھر لعل و زمرد وغیرہ نکالے گئے ۔

مرزرع ثانی اپنی حکومت کے دوسرے سال خود لپنے ہی امیروں کے ہاتھوں سے قتل ہوا ۔ اس کی بہن نیتو کریس نے جو اس کی بیوی بھی تھی تخت نشین ہونے کے بعد دعوت کے بہانے سے قاتلوں کو بلا کر ایک تہہ خانے میں بٹھلایا ۔ جس کے ارد گرد پانی بھروا رکھا تھا ۔ دفعتاً اس کو کھلوا دیا ۔ جس سے تہہ خانہ پانی سے لبالب ہو گیا اور وہ سب کے سب ڈوب کر مر گئے ۔ لوگ اس کے بھی دشمن ہو گئے اور قتل کی فکر میں لگے ۔ جب اس نے بچنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو آگ میں گر کر خود کشی کر لی اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کا لقب گلرخ تھا ۔

(۷) (۸) (۹) (۱۰) مدت حکومت ۴۱۴ سال

ان چاروں خاندانوں کی کوئی کیفیت اور ان کے بادشاہوں کی کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی ۔ تاریخ صرف اس قدر بتاتی ہے کہ ان میں سے پہلے دو خاندانوں میں منف میں تھے ۔ اور دوسرے دونوں ہرقلیو پولیس میں ۔

دولت وسطیٰ

۳۰۶۴ سے ۱۷۰۳ ق م تک ۔ ۱۳۶۱ سال ۔ گیارھویں سے لیکر اٹھارویں تک ۷ خاندانوں کی حکومت رہی ۔

(۱۱) طیبی

(مدت حکومت ۴۳ سال)

دسویں خاندان کے بعد مصر میں مختلف حکومتیں قائم ہو گئیں ۔ بحری سمت میں ملوک اہناس حکمراں تھے ۔ انہیں کی طرف سے گیارھویں خاندان کا بانی انتف عا طیبہ کا والی تھا اس نے لپنے رعب اور سطوت کی وجہ سے استقلال حاصل کر لیا ۔ پھر انتف عا رابع نے جو اس خاندان کا نامی بادشاہ گزرا ہے اہناس پر لشکر کشی کر کے غلبہ حاصل کر لیا ۔ نیز شمال میں بھی ایشیائی حدود پر قابض ہو گیا ۔ اس کے عہد میں بڑی بڑی سر بلند عمارتیں بنیں ۔ چنانچہ اسی کے زمانہ کی ایک عمارت کے کھنڈر کے ملبہ سے یونانیوں نے لپنے عہد میں ایک پل تیار کیا تھا ۔

اس کا جانشین منتوحتب رابع تھا ۔ جس کا لقب نیجزرع تھا ۔ آخری بادشاہ سنخ کارع ہوا جس نے ایک درباری حنو نامی سے مصر

اور عرب کے راستے کو درست کرایا۔ اس کام کو مریرح اول نے شروع کیا تھا لیکن پورا نہ کر سکا تھا۔ حنو نے اس میں پانچ منزلیں بنوائیں اور ہر ایک منزل پر کنواں کھدوایا۔ یہی راستہ یونانیوں اور رومانیوں کے عہد تک رہا۔

(۱۲) طیبی

(مدت حکومت ۲۱۳ سال۔ ملوک میں سے صرف آٹھ معلوم ہو سکے)

۱۔ امنا (امنحعت) اول	۳۰	۲۔ اوسرتسن اول	-----
۳۔ امنا ثانی	۳۸	۴۔ اوسرتسن ثانی	۱۹
۵۔ اوسرتسن ثالث	۲۶	۶۔ امنا ثالث	۴۲
۷۔ امنا رابع	۹ سال ۳ ماہ	۸۔ ملکہ سبک نفرورح	۱ سال ۱۰ ماہ ۴ روز

اس بارہویں خاندان نے سارے ملک کو اپنے قبضہ میں کیا اور کوئی دوسری حکومت مصر میں باقی نہ چھوڑی۔ پہلا بادشاہ امنا خاندان سابق کے بادشاہ منتوحتب کے ملازمین میں سے تھا۔ اس نے جب کل مصر پر حکومت قائم کر لی تو لبل لیبیا و نوبیا اور بعض ایشیائی قبائل منف کے مغرب میں حملہ آوری کے ارادہ سے مجتمع ہوئے۔ جاکر سب کو شکست دی حبشہ کے بھی ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ شجاع عاقل اور فرزانہ تھا۔ اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے اوسرتسن کو تخت پر بٹھادیا۔ جس نے طیبہ کا ہیکل تعمیر کرایا۔ اور وہ ستون بنوایا جو مطریہ میں ہے اور جس پر یہ کتبہ ہے۔

بادشاہ منصور۔ ہر موجود کی حیات، بالائی اور نشیبی مصر کے سلطان۔ دونوں تاجوں کے مالک۔ خورشید کے فرزند، اوسرتسن مطریہ کے معبودوں کے محب نے جو ہمیشہ زندہ رہے۔ اس نشان کو رسمی تیوہار کے آغاز میں اپنے نام سے اس جشن کی یادگار میں نصب فرمایا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ الفیوم میں جو ستون ہے وہ بھی اسی کا تعمیر کردہ ہے۔ اوسرتسن ثانی نے بھی اپنی کئی یادگاریں چھوڑیں ہیں اوسرتسن ثالث دانشمند اور بہادر بادشاہ تھا۔ اس نے اتھوپیا (برقعہ) اور اس کے آگے کے علاقہ کو بھی فتح کیا اور وادی حلفا میں ملک کی حفاظت کے لئے دو قلعے بنوائے جواب قمنہ و سمنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ مقام دہشور میں اس کا بنوایا ہوا ایک ہرم بھی ہے۔

امنا ثالث نے اپنے عہد میں الفیوم میں ایک بہت بڑا تالاب کھدوایا تھا جس کا نام موریس رکھا۔ غرض یہ تھی کہ جب نیل کا فیضان کم ہو تو اس کے پانی سے آبپاشی کی جائے۔ اور زیادہ ہو تو اس کی نہروں کے ذریعہ سے بحیرہ قازان میں گرا دیا جائے تاکہ ملک طغیانی کی آفت سے محفوظ رہے۔ اسی نے سب سے پہلے مقیاس نیل وضع کیا اور متعدد پل بنوائے۔

(۱۳) طیبی

(مدت حکومت ۴۵۰ سال)

اس خاندان میں مورخوں کے بیان کے مطابق ۸۷ بادشاہ ہوئے۔ لیکن ان میں سے کسی کے حالات نہیں مل سکے۔ بجز اس کے کہ ان کے عہد میں شہر طیبہ کی زینت اور عظمت بڑھ گئی تھی۔ جزیرہ ارجی میں ونقلہ کے قریب جو دونوں بت ہیں وہ انھیں کے زمانہ میں بنے تھے:

(۱۴) سخاوی

(مدت حکومت ۴۴۶ سال)

اس خاندان کے بادشاہوں کی تعداد ۷۶ بیان کی جاتی ہے۔ ان کی بابت بھی کچھ معلومات نہیں ملتیں۔ شہر سخا ان کا پایہ تخت تھا۔

(۱۵) ادواریسی عمالقہ

(مدت حکومت ۲۴۹ سال۔ عدد ملوک ۶)

سخاوی خاندان کے خاتمہ پر کنعان۔ شام اور عرب کے قبائل ٹڈی دل کی طرح سویس سے گزر کر مصر میں آپہنچے۔ ان پر جو قبیلہ حکمراں تھا وہ توریت میں حیثین اور عربی تواریخ میں عمالیق کے نام سے مشہور ہے۔ ان لوگوں نے مصر کے بڑے ہیکلوں اور عبادت خانوں کو ڈھایا۔ شہروں میں آگ لگادی اور باشندوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔

پہلے مصر کے بحری حصہ پر قبضہ کیا۔ وطنی حکومت وہاں سے بھاگ کر صعید کی طرف چلی گئی اور طیبہ کو اپنا مستقر بنالیا۔ عمالقہ میں سے پہلا بادشاہ سلاطیس تھا اس نے مقام ادواریس میں قلعہ بنایا اور دو لاکھ فوج مرتب کی جس کی بدولت وطنی سلطنت کو جو طیبہ میں تھی مغلوب کر لیا اور سارے مصر پر تسلط جمالیا۔ اس نے اپنے کو فرعون (بادشاہ اعظم) کہا جو اس کے بعد سلاطین مصر کا لقب ہو گیا۔ اسی خاندان کے عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر میں تشریف لے گئے تھے۔ یہ متعین نہ ہو سکا کہ وہ کس بادشاہ کا زمانہ تھا۔

ملوک کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ سلاطیس	۱۹	۲۔ بنون	۴۴		
۳۔ انجناس	۲۵ سال ۷ ماہ	۴۔ اباپی اول	۶۱		
۵۔ یانا	۵۰ سال ایک ماہ	۶۔ اسیس	۴۹ سال ۲ ماہ		

(۱۶۔ ۱۷) صائی (عمالقہ)

یہ بھی عمالیق ہیں۔ ان دونوں خاندانوں میں سے کسی بادشاہ کا نام یا حال تاریخ میں محفوظ نہیں ہے۔ صرف ایک بادشاہ آباپی رعاکنن کا نام معلوم ہے جس کو مانیتو نے ابوفیس اور عرب مورخوں نے ریان بن ولید لکھا ہے۔ اسی کے عہد میں تاجروں کا قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنعان سے مصر میں لایا تھا اور وزیر قطفیر کے ہاتھ جس کو قدیم مصری میں دوفر (ہدیہ الشمس لکھتے ہیں) بیچا تھا۔ حضرت یوسف جب قید سے رہا ہوئے اور بادشاہ مذکور نے ان کو اپنا وزیر مال مقرر کیا اس وقت ان کے سارے بھائی معہ اپنے قبائل اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر میں آگئے۔ یہ ۹۳ نفوس تھے۔ حضرت یوسفؑ نے وادی غسان میں مقام عین شمس سے فرما (پیلوزیمہ) تک بسنے کے لئے زمینیں عطا کیں۔ جن میں اسباط آباد ہوگئے۔ داخلہ مصر کے سولھویں سال حضرت یعقوبؑ نے انتقال فرمایا حضرت یوسفؑ خود معہ ایک جماعت کے ان کی نعش کو جبل جیرون (مقام خلیل الرحمن) میں جو کہ بیت المقدس سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر ہے اور جہاں حضرت ابراہیم و اسحاق علیہ السلام کا مدفن ہے لے کر گئے اور دفن کر کے واپس آئے۔ دوسرے سال حضرت یوسفؑ نے انتقال فرمایا۔ ان کا جسد مصری میں سپرد خاک رہا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے نکلے اس وقت اس تابوت کو بھی حضرت یوسفؑ کی وصیت کے مطابق اپنے ساتھ لائے اور اسی آبائی مقبرے میں دفن کیا۔ عمالقہ شروع شروع میں جب مصر میں آئے تھے تو انہوں نے مصریوں کو مغلوب و مقہور کر کے غلام بنالیا تھا۔ اور امور حکومت میں کسی قسم کا حصہ نہیں دیا تھا۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان سے میل جول

بڑھایا اور رشتے بھی کئے ۔ پھر ان کو سلطنت میں عہدے اور مناصب بھی دینے لگے ۔ مصریوں نے قوت اور موقع پاکر اپنے امیر تاعا کی قیادت میں وطنی حکومت قائم کرلی ۔ اور عمالقہ کے تسلط کو مصر کے اکثر حصوں سے اٹھادیا ۔ صرف منف ان کے قبضہ میں رہ گیا تھا ۔ تاعا کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے دو جانشینوں نے منف سے بھی ان کو نکالا ۔ مجبور ہو کر وہ اپنے پرانے پایہ تخت اداریس میں آکر قلعہ گیر ہوگئے ۔

دولت اخیرہ

۱۷۰۳ سے ۳۳۲ ق م تک ۔ ۱۳۷۱ سال ۔ اٹھارویں خاندان سے اکتیسویں خاندان تک ۔

(۱۸) طیبی

(مدت حکومت ۲۴۱ سال ۱۱ ملوک مشہور ہیں)

۱۔ احمس	۲۵	۲۔ امنو فلیس اول (امنوتپ)	۱۳
۳۔ تحوتمس اول	۲۱	۴۔ تحوتمس ثانی	۲۲
۵۔ ملکہ حتشپسو	۱۷	۶۔ تحوتمس ثالث	۴۸
۷۔ امنوفیس ثانی	۹	۸۔ تحوتمس رابع	۳۱
۹۔ امنوفیس ثالث	۶	۱۰۔ امنوفیس رابع (توت عنخ امن)	۳۷
۱۱۔ حور محب	۱۲		

احمس نے علیقی فوج کا جو قلعہ اداریس میں تھا محاصرہ کیا ۔ وہ تنگ آکر نکل بھاگی ۔ اس نے دریائے فرات تک تعاقب کر کے قتل کیا ۔ اب تقریباً چھ سو سال کے بعد مصر اجنبی حکومت سے خالی ہوا ۔ بقیہ عمالقہ جو وہاں رہ گئے تھے ملکی حکومت کے تابع ہوگئے واپسی کے بعد اس کو نوبیا پر فوج کشی کرنی پڑی ۔ کیونکہ وہاں کے لوگ باغی ہوگئے تھے ۔ جب وہ قابو میں آگئے تو برقہ کی طرف بڑھا اہل برقہ نے بلا جنگ اطاعت قبول کرلی ۔ منف کا معبد فتاح اور کرنک کا آمون دونوں اسی کے بنوائے ہوئے ہیں ۔ جبل قرنہ پر دیر بحری سے اس کی ممی برآمد ہوئی ہے جو مصری انتیقہ خانہ میں موجود ہے ۔ اس کے بیٹے امنوفیس اول نے شاہ برقہ کی بیٹی سے شادی کی تھی ۔ ان دونوں کی نعشیں بھی مصری عجائب خانہ میں ہیں ۔

تحوتمس اول نے نوبیا کی طرف اپنی سلطنت بڑھائی ۔ نیز فلسطین اور بابل پر بھی قبضہ کرلیا ۔ اس کی بیوی خاص اس کی مسماۃ اسیس تھی ۔ تحوتمس ثانی نے سوداں کو جو ایک مستقل سلطنت تھی فتح کر کے مصری سلطنت میں شامل کرلیا ۔ ملکہ حتشپسوا اپنے کم سن بھائی تحوتمس ثالث کی طرف سے حکومت کرتی تھی ۔ اس عورت نے ارض مقدس کی طرف خود فوج لے جاکر اس کے جنوبی حصہ کو فتح کرلیا ۔

تحوتمس ثالث حوصلہ مند اور شجاع تھا ۔ اس نے ایک طرف فلسطین شام ، عراق ، عجم ، ایشیائے کوچک ، آرمینیا ، کردستان ، الجزیرہ ، عراق ، عرب اور یمن کو فتح کیا اور دوسری طرف بحری بیڑہ سے قبرص ۔ کریٹ جزائر ارخبیل ، یونان اور جنوبی اطالیہ کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہوگیا ۔ ان عظیم الشان فتوحات سے سلطنت مصر کی شوکت اور حشمت بڑھ گئی ۔ اس کے بنائے ہوئے دوستون

مطریہ میں تھے ۔ جو ملکہ قیلیو بطرا کے عہد میں اسکندریہ میں منتقل کئے گئے تھے ۔ اب ان میں سے ایک لندن میں ہے اور ایک امریکہ میں۔ امنوفیس ثانی کے زمانہ میں اشوریوں نے بغاوت کی لیکن اس نے جاکر فرو کیا ۔ تحوتمس رابع کو سورج کی پرستش میں غلو تھا ۔ اور ابوالہول کی بہت تعظیم کرتا تھا ۔ اس کے سامنے ایک پتھر پر اپنی مورت بھی بنوائی جس پر ایک کتبہ بھی لکھوایا ہے ۔

امنوفیس ثالث کے عہد میں جابجا شورشیں برپا ہوئیں ۔ لیکن اس نے سب پر غلبہ پالیا ۔ اس کے عہد میں بہت سے ہیکل اور معبد تعمیر ہوئے ۔ لقصر کے بالمقابل نیل کے مغربی ساحل پر اس کا تعمیر کیا ہوا ایک ہیکل ہے جو چھٹی صدی ہجری تک مصر کے آثار قدیمہ میں سب سے بڑا گنا جاتا تھا ۔ مگر اب بالکل مٹ گیا ہے ۔ صرف دروازے پر کے دونوں بت باقی رہ گئے ہیں ۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان میں سے ممنون نامی بت کے سنگ زیریں سے پانی برسنے کے بعد آفتاب کی شعاع پڑنے سے ایک بلند آواز نکلتی تھی ۔ شوق تحقیق میں لوگوں نے اس کو کھود ڈالا ۔ اس وقت سے بند ہو گئی ۔

امنوفیس رابع نے سارے ملک کو آفتاب کی پرستش کا حکم دیا ۔ اور معبود آمون کی پوجا جو آشوریوں کا دیوتا تھا بند کرا دی ۔ یہاں تک کہ اپنے پایہ تخت طیبہ کو بھی اسی وجہ سے چھوڑ دیا کہ وہاں آمون کا معبد تھا ۔ آفتاب پرستی میں اس قدر غلو اس میں اپنی ماں کی تعلیم سے پیدا ہوا تھا ۔ جس کا نام تائی تھا ۔ اس کی بیوی کا نام نفرت اتن تھا ۔ جس کے شکم سے سات بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں ۔ تل عمارہ میں خود بادشاہ اور اس کی بیٹیوں کی مورتیں پتھر پر بنی ہوئی ہیں جو اس کے سامنے مغلوب اشوریوں کی نعشوں کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل رہی ہیں ۔ اس بادشاہ اور اس کی ملکہ کی نعش معہ طلائی تخت اور بے شمار خزائن و دفائن کے چوتھا سال ہے کہ لقصر سے برآمد ہوئی ہے ۔ چونکہ اس کے کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے اس کے مرنے کے بعد زمام سلطنت امراء کی ایک جماعت کے ہاتھ میں رہی ۔ آمون کی پرستش بند کردینے سے بعض بعض مقامات پر فتنے بھی برپا ہوئے جن کو اس خاندان کے آخری بادشاہ حور محب نے دبا دیا۔

(۱۹) طیبی
(مدت حکومت ۱۷۴ سال)

بادشاہوں میں سے صرف ۷ کے نام معلوم ہوئے ہیں ۔

۱۔ رعمسیس اول	۶	۲۔ سیتی اول	۵۱
۳۔ رعمسیس ثانی	۶۷	۴۔ منفتاح اول	۱۲
۵۔ سیتی ثانی	۲۶	۶۔ امن مس	۵
۷۔ منفتاح ثانی	۷		

رعمسیس اول حور محب کے سپہ سالاروں میں سے تھا ۔ بادشاہ ہو جانے کے بعد اس نے برقہ فتح کیا ۔ سیتی اول نے آرمینیا اور فلسطین پر فتوحات حاصل کیں ۔ اسی نے سب سے پہلے کوشش کی کہ دریائے نیل کو قلزم سے ملا دے ۔

رعمسیس ثانی کو یونانی سیزو سٹرس کہتے ہیں ۔ اس کا لقب رعمسیس اکبر ہے ۔ مصر کے بادشاہوں میں سے اس سے زیادہ پر شکوہ کوئی بادشاہ نہیں ہوا ۔ مصریوں کے دل میں اس کی عظمت اور محبت حد عبادت تک پہنچ گئی تھی اس نے شام اور برقہ کو فتح کیا اور کنعانیوں پر ایک لاکھ اسی ہزار فوج لے کر چڑھائی کی ۔ ۱۴ سال تک ان سے لڑتا رہا ۔ بالآخر مصالحت ہوئی اور چاندی کے پتروں پر صلح نامہ لکھا گیا ۔ جو اب لندن کے میوزیم میں محفوظ ہے ۔ صلح کے بعد وہاں کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی جس سے تعلقات اس قدر

خوشگوار ہو گئے کہ کنعانی معبود سوتیک (لعل) کی پرستش کی عام اجازت دے دی ۔ اس نے کئی شہر آباد کئے ۔ اور بہت سے ہیکل اور عبادت خانے تعمیر کرائے ۔ پایہ تخت صان میں منتقل کیا ۔ اس کی ممی جو لقصر سے نکلی ہے مصری عجائب خانہ میں موجود ہے ۔ اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے خاموآس کو حکومت سپرد کر دی تھی ۔ لیکن وہ مر گیا اس وجہ سے اپنے تیسرے بیٹے منفتاح اول کو بادشاہ بنایا ۔

منفتاح اول نے بھی طیبہ ۔ منف اور عرابہ میں جو اس وقت زیر زمین مدفون ہے ۔ بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں ۔ اس کے زمانہ میں ایشیائے کوچک اور لیبیا والوں نے بحری سمت میں حملے کئے اور سواحل پر قابض ہو گئے ۔ مگر اس نے جا کر ان کو نکالا ۔ اور مصریوں کو ان کے ظلم و ستم سے نجات دلائی ۔

اہل تاریخ متفق ہیں کہ منفتاح اول ہی فرعون ہے جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہوئے اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے ۔ جس کا پیچھا کرتے ہوئے یہ مع لشکر کے سمندر میں غرق ہوا ۔ اس کا سن اس وقت ۷۷ سال کا تھا ۔ ۱۹۰۴ میں اس مدعی ربوبیت کی بھی نعش برآمد ہو گئی جو جیزہ کے انتیقہ خانہ خدیوی میں موجود ہے اور حسب آیہ قرآنی ۔

الیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ

ترجمہ : آج ہم تیرے بدن کو نکالے دیتے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بنے ۔

دیکھنے والوں کے لئے مایہ عبرت ہے اس کے بعد اس کا بیٹا سیتی ثانی نشین ہوا ۔ لیکن اکثر امراء اور فوج کے غرق ہو جانے کے سے مصری شوکت مضمحل ہو گئی تھی ۔ اس وجہ سے ہمسایہ سلطنتیں حملے کرنے لگیں ۔ یہاں تک کہ ان کی چیرہ دستی کے سبب سے بہت سے مصری تباہ اور برباد ہو گئے اور اپنے گھر بار چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں چلے گئے ۔ آخر میں منفتاح ثانی کے زمانہ میں فینقیہ کے ایک امیر اریزد نامی نے مصر پر تغلب حاصل کر لیا ۔

(۲۰) رعمسیس

(مدت حکومت ۱۷۸ سال ۔ عدد ملوک ۱۳)

اریزد کے غلبہ کے بعد رعمسیس اکبر کی اولاد میں سے ایک شخص ستیخت نامی اٹھا جس نے اہل حمیت مصریوں کی ایک جماعت کو لے کر اس کو نکالا اور اپنا تسلط قائم کیا ۔ سوائے اس پہلے بادشاہ کے اس خاندان کے جملہ بادشاہوں کا لقب رعمسیس رہا ۔ ستیخت کے بعد رعمسیس ثالث ہوا ۔ جس نے مصر کے اندرونی انتظامات درست کیے ۔ پھر ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے فتح حاصل کی ۔ اور لیبیا پر بھی قابض ہوا جنگ سے واپسی پر اس کے بھائی ارماس نے جو غیر حاضری میں اس کا قائم مقام رہا تھا ۔ اس کی دعوت کا سامان کیا ۔ جب وہ معہ اپنی بیوی کے قصر شاہی میں بیٹھا تو ارماس نے اس میں آگ لگوا دی تاکہ وہ جل جائے اور بادشاہت مجھے ملے لیکن وہ بچ گیا اور اس نے ارماس اور اس کے ساتھیوں کو جو اس سازش میں شریک تھے واجبی سزا دی۔

آلو کی عظیم الشان سرائے اسی کی تعمیر کردہ ہے جس کی دیواروں پر اس کے حرب و فتوحات کی تصاویر بنی ہوئی ہیں ۔ لقصر کے ہیکل کی مرمت بھی اسی نے کرائی تھی ۔ ۳۳ سال سلطنت کی اس کا تابوت فرانسیسی لے گئے جو پیرس کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے رعمسیس رابع کے تخت نشین ہوتے ہی ایشیائے کوچک والوں نے علم بغاوت بلند کیا ۔ بہزار مشکل اس نے یہ بغاوت فرو کی اور اس کی یادگار ایک پتھر پر منقوش کرائی ۔ جس پر اپنے معبود اوزوریس کی بہت مدح لکھی ۔ کرنک کے معبدوں کے ستونوں اور دیواروں پر جو نقوش ہیں وہ بھی اسی کے بنوائے ہوئے ہیں ۔

پانچواں رعمسیس شاہی خاندان سے نہ تھا بلکہ غاصبانہ قابض ہو گیا تھا اسی وجہ سے رعمسیس سادس نے اس کے تمام کے تمام آثار محو کرا دیے۔ بیبان کے قدیم شاہی گورستان کی دیواروں پر عجیب و غریب نقوش اور اشکال جو وقائع فلکی اور امور اعتقادی کے مرموز اشارات ہیں۔ رعمسیس سادس ہی کے بنوائے ہوئے ہیں۔۔ رعمسیس ہفتم، ہشتم، نہم اور دہم چاروں کے کچھ حالات نہیں ملے بجز اس کے کہ ان کے زمانوں میں مصر برابر روبہ تنزل رہا۔

رعمسیس یازدہم نے اس کی شوکت پھر بڑھائی۔ خونسو کے ہیکل پر اس کا جو کتبہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شام اور نوبیا کو اس نے فتح کر لیا تھا۔ رعمسیس دوازدہم نے بلاد حبشہ تک قبضہ بڑھایا۔ طیبہ کے ہیکل کی چھوٹی چھوٹی مورتیں اسی کے عہد میں رکھی گئی تھیں۔ رعمسیس سیزدہم کم حوصلہ اور خانہ نشین تھا۔ اس کے عہد میں حرحور نے جو آمون کے معبد کے کاہنوں کا سرغنہ تھا۔ مصر پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

(۲۱) کہنہ

(مدت حکومت ۱۳۰ سال۔ عدد ملوک ۷)

حرحور نے تخت پر قبضہ کرتے ہی رعمسیس خاندان کے جملہ افراد کو ملک بدر کر دیا۔ اہل مصر کو رنج ہوا۔ مگر اس کے رعب کی وجہ سے کچھ نہ کر سکے۔ لیکن اس کے بعد جب بسنتی کاہن اس کا جانشین ہوا تو ملک میں فتنہ برپا ہوا۔ جس کو وہ اپنی زندگی بھر رفع نہ کر سکا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا بینوزم تخت پر آیا۔ اس وقت شورش اور بڑھ گئی۔ بینوزم نے اپنے بیٹے منخیررع کو ایک فوج گراں دے کر طیبہ کی طرف روانہ کیا کہ بغاوت کو فرو کرے۔ وہ خود وہاں کا مستقل رئیس بن بیٹھا۔ اسی زمانہ میں مصر کے بالائی حصہ میں ایک شخص سمندس نامی نے جداگانہ حکومت قائم کر لی جس سے ابتری دن بدن بڑھتی گئی اور بالائی اور نشیبی دونوں حصوں کی سلطنتیں سالہا سال تک ایک دوسرے سے برسرپیکار رہیں۔ اس خلفشار کو دیکھ کر اشور کے بادشاہ نمرود نے فوج کشی کر دی۔ اور کل مصر پر قبضہ کر لیا۔ وہیں اس نے وفات پائی اور عرابہ میں مدفون ہوا۔ اس کے بیٹے نے شہر بسطہ کو پایہ تخت قرار دیا۔ اور وہیں معہ فوجوں کے سکونت گزیں ہوا۔ مصر میں بابل و اشور کی تہذیب اسی خاندان کے ذریعے سے پہنچی۔

(۲۲) بسطی نمرودی

(مدت حکومت ۱۷۰ سال۔ عدد ملوک ۹)

۱۔ ششنق اول	۲۱	۲۔ اوسورکوں اول	۱۵
۳۔ تاکلوت اول	--	۴۔ اوسورکوں ثانی	--
۵۔ ششنق ثانی	--	۶۔ تاکلوت ثانی	۱۳
۷۔ ششنق ثالث	--	۸۔ بیمائی میاموں	--
۹۔ ششنق رابع	--		

ششنق اول پسر نمرود جس کو توریت میں شیشاق کہا ہے بڑا جابر اور قاہر تھا۔ عرابہ میں جب اپنے باپ کی قبر کی زیارت کو گیا اور وہاں دیکھا کہ خدام نے اس کے مدفن کا مال و متاع لے لیا ہے تو ایک طرف سے ان کو قتل کر ڈالا۔ اور مصر میں سخت قوانین

جاری کئے ۔ حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے پانچویں سال فلسطین پر چڑھائی کی اور بیت المقدس کو فتح کر کے مسجد اقصیٰ کے سارے خزانے اور سامان لوٹ لئے ۔ سلیمانی طلائی زرہیں قصر شاہی سے نکلوالیں ۔ پھر بنی اسرائیل کے شہروں پر فوجیں بھیجیں ۔ انہوں نے بدون جنگ اطاعت اختیار کر لی ۔ ان فتوحات کے بعد مصر میں آکر کرنک کے ہیکل کی چار دیواری پر اپنی مورت بنوائی ۔ سر پر شاہی تاج ہاتھ میں مصری تلوار ۔ اور سامنے حضرت سلیمان کے بیٹے رحبعام کی تصویر جن کی گردن میں رسی پڑی ہوئی تھی ۔ ششنق رابع کے زمانہ میں مصر میں طوائف الملوکی پھیلی گئی اور چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستیں قائم ہو گئیں ۔ آخر میں بنو باستیس نامی ایک رئیس نے اپنی قوت بڑھا کر سارے ملک پر قبضہ کر لیا ۔

(۲۳) تانیسی

(مدت حکومت ۸۹ سال ۔ عدد ملوک ۴)

۱۔ بنو باستیس	۴۰	۲۔ او سور خو	۹
۳۔ بساموت	۱۰	۴۔ زت	۳۰

زت کے زمانہ میں مصر کی قوت اس قدر کمزور ہو گئی کہ ایک مجہول النسب شخص تفنخت بادشاہ بن بیٹھا ۔

(۲۴) صاوی

(مدت حکومت ۔۔۔ عدد ملوک ۵)

۱۔ تفنخت	--	۲۔ بوخوریس (باکوریس) ورح کارع	۷
۳۔ استفیناتس	۷	۴۔ نخسو	۶
۵۔ ونکاؤ اول	۸		

اس خاندان کے ساتھ ملوک برقہ مسلسل جنگ کرتے رہے ۔ چنانچہ بوخوریس کو انہوں نے زندہ آگ میں جلا دیا تھا ۔ آخر سباقون بادشاہ برقہ نے ونکاؤ اول پر غلبہ حاصل کر کے مصری سلطنت لے لی ۔

(۲۵) اتھوپی (ملوک برقعہ)

(مدت حکومت ۵۳ سال عدد ملوک ۵)

۱۔ سباقون (شباکا)	۱۲	۲۔ سبیقون (شاباتق)	۱۲
۳۔ طبراق	۲۵	۴۔ اور دامین	۱
۵۔ نوات میامون	۳		

سباقون نے مصر پر قبضہ کرتے ہی نہروں اور پلوں کو درست کرایا ۔ ہیکلوں اور معبدوں کی مرمتیں کیں ۔ سزائے قتل کو قید بامشقت میں تبدیل کر دیا ۔ اس وجہ سے اہل مصر اس سے خوش ہو گئے ۔ اور محبت کرنے لگے ۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس نے اشور

پر فوج کشی کی تیاری کی۔ فلسطین کے حکمراں حانون اسرائیلیوں کے سردار ہوشع اور یہوذا کے رئیس حزقیا کو بھی مخفی طور پر اپنے ساتھ متفق کرلیا۔ لیکن اس کی اطلاع اشور کے بادشاہ سلامنصر کو ہوگئی۔ اس نے چالاکی سے حانون کو قید کر لیا جس سے ان لوگوں کے منصوبے پورے نہ ہوسکے۔ جب اطمینان ہوگیا تو چھوڑ دیا۔

سلامنصر کی موت کے بعد اس کے بیٹے سرجون کے تخت نشین ہوتے ہی ان لوگوں نے پھر اتفاق کرکے اشور پر چڑھائی کر دی مگر شکست کھائی۔ حانون گرفتار ہوگیا اور سباقون بھاگ کر مصر پہنچا۔ وہاں اس ہزیمت سے اس کی ایسی ہوا خیزی ہو چکی تھی کہ مصریوں نے اطاعت سے انحراف کیا اور مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے جس کی وجہ سے اس کو برقہ جانا پڑا۔ اہل مصر نے چوبیسویں خاندان کے بادشاہ استفیناتس کو تخت پر بٹھایا۔ اس نے شاہ اشور کی خدمت میں تحف وہدایا بھیجے اور خوشخبری لکھی کہ ہم نے سباقون کو اس ملک سے نکال دیا۔

سباقون کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے سبکوط نے ایک جرار لشکر ترتیب دے کر مصر پر چڑھائی کی اور فتح کرلیا۔ بارہ سال حکومت کرنے کے بعد اسی کے ایک ہم قوم طہراق نامی نے اس کو قتل کرکے تخت پر قبضہ کرلیا۔

اشور کے بادشاہ اشور اخی الدین نے طہراق پر فوج کشی کی اور مصر کو فتح کرکے منف اور طیبہ کے ہیکلوں اور عبادت خانوں کو لوٹ لیا اور وہ سارا ذخیرہ اپنے ملک میں بھیجدیا۔ طہراق بھاگ گیا۔ شاہ اشور نے جملہ عمال مصر کو بحال رکھا اور اپنا ایک نائب نخاؤ نامی چھوڑ کر نینوائے کو واپس چلا آیا۔ طہراق پھر ایک جمعیت لے کر پہنچا اور نخاؤ کو نکال کر مصر پر قابض ہوگیا۔ اشور اخی الدین واپسی کے بعد ایک مزمن مرض میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس لئے اپنے آپ کو مجبور پاکر اپنے بیٹے اشور بانیبال کو بادشاہ بنا دیا۔ اس نے مصر پہنچ کر طہراق کو شکست دی اور ایک نائب چھوڑ کر نینوائے واپس آیا۔ طہراق نے پھر قبضہ کرلیا۔ اشور بانیبال نے دوبارہ جاکر اس کو نکالا۔ اور ان مصری امراء کو بھی سزائیں دیں جو اس کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے۔ لیکن اس سے کچھ نفع نہ ہوا۔ کیونکہ جوں ہی وہ اپنے ملک کو واپس ہوا طہراق پھر تخت پر آگیا۔ اس کے بعد اشوری فوجیں جاتی رہیں اور سلسلہ وار جنگ ہوتی رہی۔

طہراق کے بعد اس کا جانشین اور داماد ہوا۔ جو اس کا داماد تھا۔ اشوری اس کے ساتھ بھی لڑتے رہے۔ مجبور ہوکر وہ برقہ بھاگ گیا اور اندرونی اختلاف کی وجہ سے اشوریوں نے بھی اپنی فوجیں مصر سے واپس بلالیں۔ میدان خالی پاکر برقہ کے ایک رئیس نوات میامون نے مصر پر قبضہ کرلیا۔ جو تین سال کے بعد مر گیا۔ اس وقت مصریوں نے تمام اہل برقہ کو نکال دیا۔ اب طوائف الملوکی کا دور ہوا اور چھوٹی چھوٹی بارہ ریاستیں قائم ہوگئیں۔ ان میں سے ایک رئیس بساتیک نے یونانی بحری غارت گروں کو اپنے ساتھ ملا کر ان کی مدد سے سارے مصر پر اپنی بادشاہت قائم کرلی۔ شہر صاکو پایۂ تخت قرار دیا۔

(۲۶) صاوی

(مدت حکومت ۱۳۸ سال عدد ملوک ۶)

۱۔ بساتیک اول	۵۴	۲۔ نکاؤ ثانی	۱۶
۳۔ بساتیک ثانی	۵	۴۔ وح ایرح (ایرعیس)	--
۵۔ احمس (امازیس ثانی)	۴۴	۶۔ بساتیک ثالث	--

بساتیک کو چونکہ یونانیوں کی مدد سے سلطنت حاصل ہوئی تھی اس لئے ان کے ساتھ خاص رعایت ملحوظ رکھی۔ سواحل بحر کی طرف بسنے کے لئے ان کو زمین عطا کی۔ فوج میں بھرتی کیا اور بڑے بڑے مناصب دیے۔ ان یونانیوں نے اپنی اولاد کو مصر میں تعلیم

دلوانی شروع کی ۔ زمانہ مابعد میں سولن ۔ فیثاغورس ، افلاطون ، اور ادوکس وغیرہ بہت سے یونانی مشاہیر انہیں مصری درسگاہوں سے نکلے جو مصری علوم اور ان کے اصنام کو معہ ان کے ناموں کے یونان میں لے گئے ۔

اہل مصر ان یونانیوں سے جو ان کے ملک میں اجنبی تھے سخت ناراض تھے ۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ اس معاملہ میں ان کی کچھ نہیں سنتا تو غصہ سے تقریباً ڈھائی لاکھ مصری سپاہی اپنے گھر بار اور اہل و عیال کو چھوڑ کر برقہ کی طرف ہجرت کر گئے ۔ وہاں کے بادشاہ نے ان کو عزت کے ساتھ لیا اور بسنے کے لئے زمین دی ۔ ان کے چلے جانے سے مصر ملکی افواج سے خالی ہو گیا اور صرف غیر ملکی یونانی سپاہی وہاں رہ گئے ۔ اب بساتنیک نے اپنی غلطی محسوس کی اور اس کو بہت قلق ہوا ۔ اس کے بیٹے نکاؤ کے عہد میں بحری بیڑہ میں اضافہ کیا گیا ۔ اس نے شام پر حملہ کر کے یہوذا کے رئیس یوشیا کو قتل کیا ۔ والی اشور بخت نصر کو جب حملہ کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً پہنچ کر اس کو شکست دی جس کی وجہ سے وہ بھاگ کر مصر واپس آگیا ۔ انیسویں خاندان کے بادشاہ سیتی اول نے دریائے نیل کو قلزم سے ملانے کا کام جو نامکمل چھوڑا تھا اس کو نکاؤ نے پورا کیا ۔ اور مقام بسطہ کے جنوب میں نیل سے ایک نہر کاٹ کر قلزم میں لا کر گرادی ۔

وح ابرع نے اپنے عہد میں بخت نصر کو شکست دی ۔ اس سے اس کے دل میں تکبر پیدا ہو گیا ۔ اہل مصر اس کی وجہ سے اس سے بیزار ہو گئے ۔ اسی درمیان میں لیبیا اور یونان میں جنگ شروع ہوئی اہل لیبیا نے اس سے امداد چاہی ۔ اس نے یونانی فوج کو یونانیوں کے مقابلہ میں بھیجنا مصلحت کے خلاف سمجھا ۔ اس لئے مصری فوج کو جانے کا حکم دیا ۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ ازراہ تحقیر ہم کو ہلاکت کے لئے بھیجتا ہے جانے سے انکار کیا اور بغاوت کر دی ۔ وح ابرع نے ان کو سمجھانے کے لئے ایک معتمد احمس کو بھیجا ۔ فوج نے اسی کو بادشاہ بنا لیا ۔ جس پر وہ بھی راضی ہو گیا ۔ ان کو ساتھ لے کر قصر شاہی پر حملہ کیا ۔ یونانی فوج نے مدافعت کی جس کی تعداد تیس ہزار تھی مگر شکست کھائی ۔ وح ابرع گرفتار ہوا ۔ احمس اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہتا تھا مگر فوج نے زندہ نہ چھوڑا ۔

احمس نے اپنی دانائی اور حسن سیاست سے اندرونی انتظام ایسا درست کیا کہ ملک خوشحال ہو گیا ۔ اس نے پرانے شاہی خاندان میں بساتنیک اول کی پوتی سے شادی کی ۔ نیز یونانیوں کی دل دہی کے لئے ان کے رئیس ارکیزیلاوس کی بیٹی سے بھی ۔ اور دونوں فریقوں کو خوش رکھا ۔ اس کا بیٹا بساتنیک ثالث جو بساتنیک اول کی پوتی کے شکم سے تھا ۔ چھ مہینے تخت پر بیٹھا تھا کہ ایرانی بادشاہ قمبیز نے مصر پر چڑھائی کی فریقین کا مقابلہ فرما میں ہوا ۔ قمبیز نے چالاکی سے فوج کے آگے ان حیوانات کو رکھا تھا جن کو اہل مصر مقدس مانتے تھے ۔ اس وجہ سے مصری تیر وغیرہ نہ چلا سکے صرف یونانیوں نے مقابلہ کیا مگر وہ بہت جلد شکست کھا گئے ۔ بساتنیک گرفتار ہو کر قتل کیا گیا ۔

(۲۷) فارسی

(مدت حکومت ۱۲۹ سال ۔ عدد ملوک ۷)

۱۔ قمبیز	۵	۲۔ دارا اول	۳۶
۳۔ شیارشن اول	۳۱	۴۔ ارتخشار شا اول	۳۸
۵۔ شیارشن ثانی	ایک ماہ پندرہ روز	۶۔ سوغد یانوس	۶ ماہ
۷۔ دارا ثانی	۱۹ سال		

قمبیز بہمن پسر اسفند یار ہے جس نے ایرانی مورخوں کے بیان کے مطابق ہفت اقلیم کو مسخر کر ڈالا تھا۔ ابو الفداء نے اسی کو کورش قرار دیا ہے۔ جس کا ذکر توریت میں ہے لیکن اکثر مورخ کورش اسفند یار کو لکھتے ہیں۔ اور یہی قرین قیاس ہے۔ کیونکہ قمبیز کا زمانہ کورش کے بعد پڑتا ہے۔

ملوک کی یہ فہرست جو ہم نے مصری تاریخوں سے نقل کی ہے تمام ایرانی تاریخوں کے خلاف ہے۔ حمزہ اصفہانی اور دوسرے معتبر مورخین بجم لکھتے ہیں کہ بہمن کی جانشین اس کی بیٹی ہمائے چہرہ زاد ہوئی جو اس کی بیوی بھی تھی اور بر وقت اس کی وفات کے باردار بھی تھی۔ اس کے شکم سے دارا اول جس کو داریوش اعظم کہتے ہیں پیدا ہوا۔ اور تیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا اس کا بیٹا دارا ثانی تھا جس کے عہد میں سکندر مقدونی نے ایران فتح کر لیا۔ اسکے مطابق بہمن کا عہد ۱۲۰ سال تھا۔ ہمائے چہرہ زاد ۳۰ دارے اول کا ۱۲۔اور دارا ثانی کا ۱۹ سال۔ درحقیقت اس موقع پر مصری مورخوں نے ایرانی بادشاہوں اور ان کے بابل کے نائبوں کے ناموں کو جو مصر کے ہم سرحد تھے باہم مخلوط کر دیا ہے۔

قمبیز نے جب مصر کو فتح کر لیا تو اس کے رعب و شوکت کو دیکھ کر لیبیا والوں نے بھی بلا جنگ اطاعت قبول کر لی۔ اب قمبیز نے ایک بحری فوج قرطاجنہ (تونس) فتح کرنے کے لئے روانہ کی جس میں فینیقی سپاہی تھے۔ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر بوجہ قرابتوں اور رشتہ داریوں کے ان کے ساتھ لڑنا پسند نہ کیا۔ دوسری فوج جس کی تعداد پچاس ہزار تھی واحہ سیوہ (واحہ آمون) کی طرف بھیجی۔ اور ان کو حکم دیا کہ جا کر مشتری کا ہیکل منہدم کر دیں۔ یہ لوگ بھول کر صحارے میں پڑ گئے۔ وہاں کے باد سموم سے بچنے کے لے بحر رمل کی طرف بھاگے جس میں سب کے سب غرق ہو گئے۔ تیسری فوج خود لے کر برقہ پر چڑھائی کی۔ لیکن راستہ نہ ملا اور بے آب و گیاہ ریگستانوں میں جا پڑے۔ جہاں سب کے سب تباہ ہو گئے۔ صرف قمبیز ایک مختصر جماعت کے ساتھ مشکل سے جانبر ہو سکا۔

ان پیہم ناکامیوں کا اس کے اوپر یہ اثر پڑا کہ جہاں وہ عادل۔ مدبر اور فرزانہ تھا۔ وہاں ظالم مغلوب الغضب اور بدتدبیر ہو گیا۔ مصریوں کے دیوتاؤں کی اہانت کی۔ ان کے قدیم گورستانوں کے ذخائر لوٹ لئے۔ مجیوں کو زندہ گڑوانے لگا۔ اپنے وزیر فرساسپ کو ایران میں بھیج کر اپنے بھائی سمردیس کو قتل کرا دیا۔ اپنی بہن کو جو اس کی بیوی بھی تھی جان سے مار ڈالا۔ اور اسی قسم کی دیگر حرکات اس سے سرزد ہونے لگیں۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دماغ مختل ہو گیا۔

اس کے بعد دارا اول تخت نشین ہوا۔ اس نے مصریوں کی دل جوئی کی اور ان کے معبودوں اور عبادت خانوں کی جن کو قمبیز نے نقصان پہنچایا تھا۔ مرمت کرائی جب فتاح کے معبد میں داخل ہوا تو رعمسیس اکبر کے بت کی تعظیم کی اور کاہنوں سے کہا کہ میرا بھی ایک بت اس کے برابر نصب کر دو۔ انہوں نے انکار کیا اور بولے کہ نہ تم نے اس قدر فتوحات کی ہیں نہ اس کے برابر تمہارا درجہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے میں آرزو رکھتا ہوں کہ اس کے رتبہ کو پہنچ جاؤں۔

دارا اگرچہ عادل اور مہربان تھا لیکن اہل مصر اجنبی حکومت سے بیزار تھے۔ چنانچہ بغاوت کر بیٹھے اور ایک شخص خبیش نامی کو بادشاہ بنا لیا۔ دارا چاہتا تھا کہ دو لشکر تیار کرلے۔ ایک کو مصر پر بھیجے ایک کو یونان پر۔ لیکن اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شیارش اول لشکر لے کر مصر کی طرف آیا۔ خبیش مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ گیا۔ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔ شیارش پست حوصلہ تھا اس کے زمانہ میں کردوں نے بغاوت کی یونانیوں نے ایرانی بیڑہ کو تباہ کر دیا۔ اور یہ کچھ نہ کر سکا اس کے عہد میں ایرانی قوت کمزور ہو گئی۔ جب ارتخشار شا تخت نشین ہوا اس وقت قدیم مصری شاہی خاندان کے ایک شخص ارمانوس نے اس کے مصری نائب اخمنیس کو قتل کر ڈالا اور خود اپنے سر پر تاج رکھا۔ ایرانیوں نے آکر دوبارہ مصر فتح کیا۔ شیارش ثانی کو صرف ۴۵ دن حکومت کرتے گزرے تھے کہ اس کے بیٹے سوغدیانوس نے اس کو قتل کر کے تخت حاصل کیا۔ لیکن باپ کے قاتل کے دستور کے مطابق چھ مہینے کے بعد دارا ثانی کے ہاتھوں سے وہ بھی مارا گیا۔ اس کے زمانہ میں ایران میں اختلال واقع ہو گیا۔ اس وجہ سے مصریوں نے موقع پا کر اپنی حکومت قائم کرلی اور ایک سردار امیر تیس کو بادشاہ بنایا۔

(۲۸) صاوی

اس خاندان میں صرف یہی ایک بادشاہ امیرتیس ہوا جو سات سال حکمراں رہا اس مدت میں اس نے مصر کے ان معبدوں اور معبودوں کی مرمت کرائی جو ایرانیوں کے عہد میں خراب ہوگئے تھے ۔ اس کے بعد نفرتیس متغلب ہوگیا ۔

(۲۹) منددیسی

(مدت حکومت ۲۱ سال ۔ عدد ملوک ۴)

۱۔ نفرتیس اول	۶	۲۔ اخوریس	۱۳
۳۔ بساموتیس	۱	۴۔ نفرتیس ثانی	۴ ماہ

نفرتیس اول نے اسپارٹا کے بادشاہ کے ساتھ ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لئے عہد نامہ کیا ۔ اس نے فوجوں اور ساز و سامان سے بھری ہوئی کشتیاں روانہ کیں مگر ایرانیوں نے ان کو غرق کر دیا ۔ اخوریس نے یونانی سپہ سالار خابرس کی ماتحتی میں ایک عظیم الشان فوج تیار کی ۔ ایرانی لشکر مقابلہ کے لئے آیا ۔ مگر ناکام واپس گیا ۔ اس کے عہد میں مصری علوم و فنون بہت ترقی پر تھے ۔ خود یونانیوں نے بھی وہاں درسگاہیں قائم کی تھیں ۔ افلاطون وغیرہ حکماء یونان نے اسی زمانہ میں مصر آکر عین شمس منف اور طیبہ کے کاہنوں سے علوم حاصل کئے ۔

(۳۰) سمنودی

(مدت حکومت ۳۸ سال ۔ عدد ملوک ۳)

۱۔ نکتانیوس اول	۱۸	۲۔ تاخو	۲
۳۔ نکتانیوس ثانی	۱۸		

نکتانیوس اول کے زمانہ میں ایرانیوں نے پھر مصر پر حملہ کیا ۔ لیکن مصری فوجوں نے جن کی قیادت کار آزمودہ یونانی سپہ داروں کے ہاتھوں میں تھی شکست دے کر ان کو پسپا کر دیا ۔ اس بادشاہ کے کتبے کرنک اور خونسو کے ہیکلوں میں موجود ہیں ۔

تاخو نے اٹھارہ ہزار مصریوں اور دس ہزار یونانیوں کا لشکر ترتیب دیا اور جنگی کشتیاں تیار کرا کے امیراتیون پر جو فینقیہ میں حکمراں تھا چڑھائی کی ۔ اہل ملک نے اس جنگ کو غیر مفید سمجھ کر اس کو معزول کر دیا ۔ اور نکتانیوس ثانی کو بادشاہ بنایا ۔ اس کے زمانہ میں اوخوس شاہ ایران نے مصر کو فتح کر لیا ۔

(۳۱) فارسی

(مدت حکومت ۸ سال ۔ عدد ملوک ۳)

اوخوس ظالم و سفاک تھا کسی نے زہر دے کر اس کو مار ڈالا ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ارسیس تخت پر آیا ۔ دو سال حکمراں رہا اس کی جگہ دارا ثالث نے لی جو اس کا قریبی رشتہ دار تھا اس کے زمانہ میں سکندر کا ظہور ہوا جس نے شام اور مصر کو فتح کر لیا ۔ یونانی ۳۳۲ ق م سے ۳۰ ق م تک قابض رہے ۔ دو خاندان حکمراں ہوئے مقدونی اور بطلیموسی

(۳۲) مقدونی (۹ سال)

سکندر مقدونیہ کے فرماں روا فلپس کا بیٹا اور مشہور یونانی حکیم ارسطاطالیس کا شاگرد تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے ایک فوج گراں لئے ہوئے دردانیال سے اتر کر پیش قدمی کی۔ اناطولیہ میں دارائے غرانیکوس پر مقابلہ ہوا۔ سخت جنگ کے بعد ایرانیوں نے ہزیمت اٹھائی۔ سکندر وہاں سے قبضہ کرتا ہوا مصر آیا۔ یہاں ہر شے کو اس نے بدستور رہنے دیا۔ نہ بندوبست ملکی میں کسی قسم کا تغیر کیا نہ معاملات دینی میں اپنے ایک مہندس دینو قراطس سے ساحل بحر پر ایک شہر تعمیر کرایا جس کا نام اسکندریہ رکھا۔ اس کے بعد معبد آمون کی زیارت کو گیا۔ اسی سفر میں طرابلس غرب پر بھی بلا جنگ کے قبضہ کر لیا۔ جب واپس آیا تو مصر میں اقلیمونیدس کو اپنا نائب مقرر کر کے ایران کی طرف چلا۔ دارا نے پوری قوت سے مقابلہ کیا لیکن دریائے فرات کے ساحل پر شکست کھائی اور اپنے امیروں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ سکندر نے ایران اور پھر ہندوستان فتح کیا۔ واپسی میں بابل پر قبضہ کر کے چاہتا تھا کہ اسی کو اپنا پایہ تخت بنائے مگر موت نے مہلت نہ دی۔ اس کا جثہ مصر میں لا کر اس کے تعمیر کردہ شہر میں دفن کیا گیا۔

(۳۳) بطلیموسی (بطالسہ)

(مدت حکومت ۲۹۳ سال۔ عدد ملوک ۱۴)

۱۔ بطلیموس اول (سوتر)	۳۹	۲۔ بطلیموس دوم (فیلادلفوس)	۴۰
۳۔ بطلیموس سوم (افرجیت اول)	۲۵	۴۔ بطلیموس چہارم (فیلوباطور)	۱۷
۵۔ بطلیموس پنجم (ابیفان)	۲۴	۶۔ بطلیموس ششم (فیلو ماتر)	۳۵
۷۔ بطلیموس ہفتم (افرجیت ثانی)	۲۹	۸۔ بطلیموس ہشتم (سوتر ثانی)	۱۷
۹۔ بطلیموس نہم	----	۱۰۔ بطلیموس دہم (سکندر ثانی)	۸
۱۱۔ بطلیموس یازدہم (اولتین)	۲۹	۱۲۔ بطلیموس دوازدہم (ولونیوس)	۵
۱۳۔ بطلیموس سیزدہم	۲	۱۴۔ ملکہ قیلیو بطرا	۲۲

بطلیموس اول سکندر کی طرف سے بابل میں نائب تھا۔ سکندر کی موت کے بعد جب مقدونیہ کی قوت خانگی نزاعوں سے مضمحل ہو گئی اس وقت اس نے مصر میں آکر بالاستقلال اپنی حکومت قائم کرلی۔ اور اسکندریہ کو پایہ تخت بنایا۔ پھر تونس اور مصری سرحد کے متصل بلاد عربیہ نیز جزیرہ قبرص اور جزائر بحرابیض پر قابض ہوا۔ اسکندریہ میں جہازوں کی رہنمائی کے لئے ایک عظیم الشان منارہ تعمیر کرایا۔ اور ایک مدرسہ اور کتب خانہ بھی قائم کیا۔ چنانچہ تھوڑے دنوں میں یہ شہر علوم و معارف اور ثروت و تجارت میں نامور ہو گیا۔

بطلیموس ثانی نے جو بطلیموس اول کا بیٹا تھا۔ اپنے عہد میں توریت کا ترجمہ عبرانی سے یونانی میں کرایا جس کے لئے ستر یہودی علماء جمع کئے گئے تھے۔ اسی کے حکم سے مانیتو کاہن نے مصر کی تاریخ لکھی تھی۔ اس نے نہر سویز کی بھی تجدید و ترمیم کی۔ بطلیموس سوم نے نوبیا کو فتح کیا۔ پھر شام پر قبضہ کرتا ہوا دریائے فرات سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اور ایرانیوں سے وہ تمام ذخیرے جو مصر کے ہیکلوں اور معبدوں سے قمبیز کے زمانہ میں گئے تھے۔ واپس لایا اور ان کے مجاوروں کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بیٹے بطلیموس چہارم نے ادفو کا ہیکل جو لقصر اور اصوان کے درمیان واقع ہے تعمیر کرایا۔ یہ ظالم اور عیش پرست تھا۔ اس کا بیٹا بطلیموس پنجم بھی لہو و لعب اور عیش و عشرت میں رہا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا کم سن لڑکا بطلیموس ششم تخت نشین ہوا۔ اس کی ماں اس کی طرف سے

سلطنت کا کام کرتی تھی۔ اسی زمانہ میں شامیوں نے آکر مصر پر تسلط کر لیا مگر چوتھے سال نکال دیے گئے۔
بطلیموس ہفتم ظالم اور بے تدبیر تھا۔ لیکن علم کا ذوق رکھتا تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ اس نے ۲۴ کتابیں تصنیف کی تھیں جن میں سے بیشتر علم الحیوانات میں تھیں۔ دسویں بطلیموس کے بعد اس خاندان میں کوئی شخص حکومت کے قابل نہ رہا اس وجہ سے یونانیوں نے اپنی قوم کے ایک امیر اولتیس کو بادشاہ بنالیا یہ شخص موسیقی کا عاشق تھا اور سلطنت کے مہمات سے غافل۔ اس کے عہد میں حکومت میں اضطراب رہا۔ بارھویں بطلیموس کی بیوی اس کی بہن قلیلو بطرا تھی۔ جو چاہتی تھی کہ حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے۔ وزراء نے اس کو مصر سے نکال دیا۔ وہ شام میں چلی گئی۔ جو لیوس قیصر نے اس کی مدد کی اور مصر کو فتح کر کے اس کے بھائی کو دریائے نیل میں غرق کرا دیا۔
قلیلو بطرا نے اب اپنے دوسرے بھائی بطلیموس سیزدہم کے ساتھ شادی کی۔ مگر اس کو چھوڑ کر پھر قیصر مذکور کے پاس چلی گئی وہاں سے دو سال کے بعد واپس آکر اس کو بھی زہر دے کر مار ڈالا۔ اور خود حکمراں ہو گئی۔ اس زمانہ میں دو رومی امیر انتونیوس اور اوکتافیوس۔ بروٹس کے ساتھ جنگ میں مصروف تھے۔ قلیلو بطرا نے بروٹس کی بحری بیڑہ سے مدد کی۔ اس سے پہلے اس کے شکم سے ایک بچہ پیدا ہو چکا تھا۔ جس کا نام اس کے باپ قیصر کی نسبت سے قیصرون رکھا گیا تھا۔ اور اسی کے نام سے یہ حکومت کرتی تھی۔ اس وجہ سے انتونیوس نے اس کو بروٹس کی امداد کا مجرم گردان کر محاکمہ کے لئے طرسوس میں طلب کیا۔
یہ ملکہ حسین اور عیار تھی۔ آراستہ و پیراستہ ہو کر ایسی زیب و زینت سے وہاں پہنچی کہ انتونیوس فریفتہ ہو گیا۔ اور جو کچھ اس نے چاہا وہی لکھ دیا۔ پھر اس کے ساتھ شادی کر لی اور مصر چلا آیا۔ اور اپنی پہلی بیوی کو جو اس کے شریک کار اکتافیوس کی بیٹی تھی چھوڑ دیا۔ قلیلو بطرا کو قیصر کی بیوی اور قیصرون کی ماں ہونے کی وجہ سے شہنشاہ بیگم کا خطاب دیا۔ اس نے اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنا لقب ایزیس (جدید معبود) رکھا۔ رومی مجلس نے واقعات سے اطلاع پا کر ۳۲ ق م میں مصر پر لشکر کشی کی اور اوکتافیوس کو بیڑہ دے کر روانہ کیا۔ انتونیوس نے مقابلہ کے لئے پانچ سو جنگی جہاز تیار کئے ملکہ قلیلو بطرا بھی ۶۰ کشتیوں کا بیڑہ لے کر اس کے ساتھ گئی۔ مگر اوکتافیوس کی قوت زبردست دیکھ کر مخفی طور پر اس کے ساتھ ساز باز کر لیا۔ اور واپس چلی آئی۔ انتونیوس نے جب اس کے جہازوں کو دیکھا کہ سمندر کی موجیں چیرتے ہوئے مصر کی سمت جا رہے ہیں تو وہ بھی پیچھے پیچھے اسکندریہ میں آیا۔ اس کا بیڑہ شکست کھا گیا۔ ملکہ نے یہ سمجھ کر کہ اب وہ اس کی حمایت سے قاصر ہے اپنے آپ کو مخفی کر لیا اور خود کشی کی افواہ اڑا دی۔ اس کشتہ عشق کو اب زندگی کا کیا لطف تھا۔ اس نے بھی خود کشی کر ڈالی۔ مرتے وقت اس فریب پر مطلع ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔
قلیلو بطرا نے اوکتافیوس کو بھی اپنے دام تزویر میں پھنسانا چاہا۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر موت کا فرمان اس کو سنا دیا گیا جس میں اختیار دیا گیا تھا کہ وہ مرنے کے لئے جو صورت چاہے اختیار کرے۔ اس نے غیر کے ہاتھوں قتل ہونے کے بجائے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے ہاتھ سے زہر کا پیالہ پی کر جان دیدے۔ جس سے ۱۵ اگست ۳۰ ق م میں اس کا اور اس کے ساتھ مصر سے یونانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

(۳۴) رومی

(مدت حکومت ۲۷۰ سال ق م سے ۶۴۰ء تک)

رومی فاتح اوکتافیوس نے جو قیصر اگسٹس کے لقب سے مشہور ہوا سکندر اعظم کی طرح اہل مصر کے دین رسوم اور امور حکومت میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا اس کے عہد سے ملک مصر رومی سلطنت کا ایک صوبہ ہو گیا۔ اور دربار روما کی طرف سے یہاں

کے والی مقرر ہونے لگے ۔ ان میں سے جن کے نام معلوم ہو سکے ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ قوزنیلوس غالوس	----	۲۔ بطرنیوس	۸
۳۔ طیباریوس	۳۲	۴۔ غانیوس	۴
۵۔ قلیوديوس	۱۴	۶۔ قارون	14
۷۔ طیطلوس	۷	۸۔ دومطیانوس	۱۵
۹۔ اذریانوس	۲۱	۱۰۔ قوموردوس	۱۳
۱۱۔ وقلطیانوس	۲۱		

قورنیلوس نے پہلے آکر مصری حکومت کا نظام درست کیا ۔ اور رعایا کی رفاہیت کی کوشش کی لیکن بعد میں متکبر ہو گیا اور شاہانہ سطوت کے ساتھ مصریوں پر سختی کرنے لگا ۔ اپنے بڑے بڑے بت ترشوا کر عام مناظر پر نصب کرائے ۔ تھوڑے دنوں کے بعد کسی سیاسی جرم پر دربار روما نے اس کو معزول کر دیا ۔ جس کی وجہ سے اس نے خود کشی کر لی ۔

بطرنیوس نے اگستس کے حکم سے بلاد عرب پر فوج کشی کی ۔ اول اول تو کچھ فتوحات ہوئیں لیکن آخر میں عرب کو جو کسی کی حکومت برداشت نہیں کر سکتے متواتر تاخت و تاراج سے بہت نقصان اٹھا کر واپس آنا پڑا ۔ اس کی غیبت میں موقع پا کر ادھر سودانیوں نے اپنے سردار قنداقہ کی بیعت میں مصر پر چڑھائی کر کے اسوان اور اس کے توابع پر قبضہ کر لیا تھا ۔ بڑی مشکلوں سے ان کو نکالا ۔

قیصر اگستس کے عہد حکومت کے تیسویں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی جس کے ۱۴ سال بعد اس نے وفات پائی ۔ طیباریوس نے اپنے زمانہ میں شام کا مشہور شہر طیباریہ آباد کرایا تھا ۔ قلیوديوس کے زمانہ میں نصرانیت کے مشہور داعی شمعون قید کئے گئے تھے ۔ جو رہا ہونے پر انطاکیہ ہوتے ہوئے روما پہنچے ۔ وہاں قیصر کی بیگم نے اس دین کو اختیار کر لیا ۔ قارون (نیرون) نے اپنے زمانہ میں بولس اور بطرس داعیان مسیحیت کو قتل کر ڈالا ۔ اس کے بعد طیطلوس آیا ۔ اس نے بیت المقدس پر چڑھائی کی اور یہودیوں کی ایک جماعت کو پکڑ کر قید کیا اور بیچ ڈالا ۔ دومطیانوس نے بھی یہود پر سختیاں کیں ۔ اذریانوس کے عہد میں حکیم بطلیموس تھا ۔ جس نے کتاب مجسطی لکھی ۔ اور قوموردوس کا ہم عصر جالینوس تھا ۔ اس کے زمانہ میں مصر میں کثرت کے ساتھ نصرانیت کی اشاعت ہوئی وقلطیانوس نے عیسائیت کا نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ کیا اور بہت سے مصریوں کو ذبح کر ڈالا ۔ چنانچہ اہل مصر نے اپنا سن قبطی انہیں شہداء کی یادگار میں اسی زمانہ سے مقرر کیا ہے ۔ یہی مصر کا آخری بت پرست حاکم تھا اس کے بعد مسیحی دور شروع ہوا جس کے ولاۃ رومی نصاریٰ رہے ۔

رومیوں نے اہل مصر کو حکومت میں بہت کم حصہ دیا تھا اور ان کی ہر چیز زمین باغ مویشی اثاث البیت ۔ یہاں تک راستہ سے گزرنے والے زندوں اور قبرستان میں جانے والے مردوں پر بھی محصول لگایا تھا ۔ جس کی وجہ سے وہ محتاج ہو گئے ۔ اور ان کی علمی، ادبی اور تاریخی شان مٹ گئی ۔

اس کے علاوہ مصر میں دین مسیحی پہونچنے کے بعد جب باشندے اس کو اختیار کرنے لگے تو رومیوں نے جو اس وقت بت پرست تھے ان پر بہت سختیاں کیں ۔ ۳۱۳ء میں قسطنطین اعظم نے اپنی تخت نشینی کے پہلے سال جب اس دین کو اختیار کر لیا اور اسی کو سلطنت کا مذہب قرار دیا تو اہل مصر کو کسی قدر پناہ ملی ۔ لیکن ۳۰۸ء میں قیصر تھیودوسیس نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی فرمان جاری کر دیا کہ سلطنت کے تمام باشندے عیسائی بنا لئے جائیں اس حکم کی بنیاد پر مصری بت پرستوں کی عبادت گاہیں ڈھا دی گئیں ۔ اور ان پر وہ مظالم کئے گئے جو ان سے پہلے مصری عیسائیوں پر بھی نہیں ہوئے تھے ۔ اسی درمیان میں نصاریٰ میں تفرقہ واقع ہو گیا اور یعقوبی اور ملکی دو فرق ہو گئے ۔

یعقوبیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح کے اندر الوہیت اور بشریت دونوں مجتمع ہوئیں۔ پہلے وہ نفس لاہوتی تھے۔ بعد میں ناسوتی ہوئے۔ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر گئے۔ ملکی کہتے تھے کہ ابن غیر مخلوق ہے وہ ازل سے باپ سے مولود اور اس کا جوہر اور نور ہے وہی اس انسان کے ساتھ جو مریم کے شکم سے پیدا ہوا متحد ہو کر ایک بن گیا۔ جس کا نام مسیح رکھا گیا۔ یہ اختلاف چونکہ جوہری اور خود حقیقت مسیح کے متعلق تھا اسی وجہ سے دونوں فرقوں میں سخت نزاع قائم ہوئی۔ اس کے فیصلہ کے لئے قیصر مرقیانوس نے پاپائے روم کے مشورہ سے مقام خلقدونیہ میں مسیحی علماء کا مجمع کیا۔ انہوں نے بحث و مناظرہ کے بعد یہ طے کیا کہ دیوسقورس اسکندریہ کا بطریرق جو یعقوبی عقیدہ کا بانی ہے غلطی پر ہے۔ لہٰذا اپنے منصب سے معزول کیا جائے اور ہر قسم کی کہنوتی خدمات اس سے نکال لی جائیں۔ جو شخص اس کے عقیدہ کو اختیار کرے واجب القتل ہے۔ اہل مصر تمام تر یعقوبی تھے اور رومی سب کے سب ملکی۔ اس وجہ سے ان پر سختیاں کرنے لگے۔ لیکن وہ مقابلہ کے لئے پختگی کے ساتھ آمادہ ہو گئے اور آخر کار بہت جھگڑوں کے بعد ایک یعقوبی بطریق کی کرسی انہوں نے قائم کر لی۔ مگر رومی حکام بوجہ تعصب مذہبی کے برابر ان پر ظلم و ستم توڑتے رہے۔ اس وجہ سے اہل مصر نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی رومیوں سے الگ اور ان کی حکومت سے سخت بیزار ہو گئے اور ان کی زبان رسم اور لباس وغیرہ ہر چیز کو چھوڑ دیا۔ ۳۹۵ء میں رومی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مغربی حصہ کا پایہ تخت رومۃ الکبریٰ رہا اور مشرقی کا قسطنطنیہ قرار پایا۔ جس کے ماتحت شام و مصر تھے اس کی سرحدیں چونکہ ایران سے ملی ہوئی تھیں اس وجہ سے اکثر ان کے ساتھ لڑائیاں رہتی تھیں۔

۶۱۰ء میں جب ہرقل قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا تو اس کی غفلت اور عیش پرستی کو دیکھ کر ایرانیوں نے ۶۱۸ء میں چڑھائی کر دی۔ اور شام اور فلسطین لیتے ہوئے مصر پر بڑھے۔ رومی سپہ سالار نیکتیاس مقابلہ سے عاجز رہا۔ اور مصر سے چلا گیا۔ ایرانی وہاں قابض ہو گئے انہوں نے اہل مصر کے مذہب میں دست اندازی نہیں کی اور ان کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے اس مشرقی دولت کے سایہ میں ان کو امن نصیب ہوا۔ اور انہوں نے اپنے ہر دلعزیز پیشوا بنیامین کو مصر کے بطریق کی کرسی پر لا کر بٹھایا۔ جس کی تمام ملک میں خوشی منائی گئی۔ لیکن یہ خوشی زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی۔ کیونکہ ہرقل نے خواب غفلت سے بیدار ہو کر ۶۲۲ء میں تیاری کر کے ایرانیوں پر حملہ کیا اور ان کو شام اور فلسطین سے نکال کر ۶۲۷ء میں مصر بھی واپس لے لیا۔ اور جوش انتقام میں مصریوں پر سختیاں کیں۔ بنیامین اس کے خوف سے وادی نطروں کی طرف بھاگ کر روپوش ہو گیا۔ اس کا بھائی بینا گرفتار ہوا اور رومیوں نے اس کو مجبور کیا کہ خلقدونی فیصلہ کو تسلیم کرے۔ اس نے انکار کیا۔ اس پر مشعل سے اس کے چہرہ کو یہاں تک جلایا کہ اس کی پیشانی سے زمین پر چربی ٹپکنے لگی۔ مگر وہ اپنے قول پر قائم رہا۔ رومیوں نے ایک ایک کر کے اس کے دانت اکھاڑے اس پر بھی وہ اپنے عقیدہ سے نہیں پھرا۔ پھر اس کو ریت کے تھیلے میں ڈال کر ساحل پر لے گئے اور تین بار کہا کہ خلقدونی عقیدہ کو مان لے تو جان بخشی کر دی جائے گی۔ جب اس نے نہیں مانا تو سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ اہل مصر ان سختیوں سے نالاں تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح رومی یہاں سے نکل جائیں۔

ہرقل نے ایک قبطی نژاد رئیس مقوقس کو قسطنطنیہ میں اپنے پاس رکھ کر تربیت دیا تھا جو بخلاف اپنی قوم کے ملکی فرقہ کا تھا اور یعقوبیوں سے تعصب رکھتا تھا۔ قیصر نے مصریوں کی مذہبی سیاست کے لئے اس کو وہاں کا والی بنا دیا۔ کچھ دنوں کے بعد رومیوں کے مظالم دیکھ کر وہ بھی در پردہ یعقوبی اور اپنی قوم کا طرفدار ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس میں اور رومی افواج کے امیر فیرس میں جو سخت متعصب ملکی تھا مخالفت ہو گئی۔ اسی کے عہد میں ۶۲۹ء میں نامہ نبوی عظیم القبط کے نام حاطب بن ابی بلتعہ لے کر مصر گئے تھے وہ اسلام تو نہیں لایا۔ مگر ایک خچر جس کا نام دلدل تھا اور دو لونڈیاں معہ دیگر تحف و ہدایا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھیجیں ان میں سے ایک ماریہ قبطیہ تھیں جن کے بطن سے آنحضرتؐ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے اس طرح ایک جدید رشتہ اہل مصر کا رسولؐ عربی کے ساتھ قائم ہو گیا۔

عہد اسلامی

۱۸ھ مطابق ۶۳۹ء میں مصر پر اسلامی حملہ ہوا۔ اور دو سال کے اندر حضرت عمرو بن عاص نے مصر اور اس کے ساتھ برقہ اور طرابلس کو بھی فتح کر لیا اس وقت سے آج تک یہ ملک مسلمانوں کے زیر نگیں ہے۔ مورخین نے عہد اسلامی کو بارہ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ خلافت راشدہ	۱۸ھ سے ۴۱ھ تک	مطابق ۶۳۹ء سے ۶۶۱ء تک
۲۔ بنی امیہ	۱۳۲	۷۵۰
۳۔ عباسی بار اول	۲۵۷	۸۷۰
۴۔ طولونی	۲۹۲	۹۰۵
۵۔ عباسی بار دوم	۳۲۳	۹۳۴
۶۔ اخشیدی	۳۵۸	۹۶۹
۷۔ فاطمی	۵۶۷	۱۱۷۱
۸۔ ایوبی	۶۴۸	۱۲۵۰
۹۔ ممالیک بحری	۷۸۴	۱۳۸۲
۱۰۔ ممالیک چرکسی (برجی)	۹۲۳	۱۵۱۷
۱۱۔ عثمانی	۱۲۱۶	۱۸۰۱
۱۲۔ خدیوی (محمد علی)	۱۲۱۶	۱۸۰۱

خلافت راشدہ

۱۸ھ سے ۱۳۱ھ تک

عمرو بن عاصؓ

تاریخ الامت حصہ دوم میں ہم فتح مصر کی کیفیت مجملاً اور سیرت عمرو بن عاص میں مفصلاً لکھ چکے ہیں اس لئے اس موقع پر اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

خلافت راشدہ میں اس کے سب سے پہلے والی خود فاتح مصر حضرت عمرو بن عاصؓ تھے۔ انہوں نے مصر کا انتظام اسلامی عدل و انصاف کے اصول پر کیا۔ ہر قسم کے ظلم و ستم جو زمانہ سابق سے وہاں کی رعایا پر ہوتے تھے مٹا دیئے۔ باشندوں کی دل جمعی کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ فرمائی۔ دینی امور میں ان کو پوری آزادی بخشی۔ جان۔ مال۔ جائداد۔ اولاد اور عزت و حرمت وغیرہ ہر چیز کی حفاظت کا اطمینان دلایا۔ ان کے ہر دل عزیز پیشوا بنیامین کو جو تیرہ سال سے رومیوں کے ڈر سے مخفی تھا امان نامہ لکھوا کر بلوایا اور اسکندریہ میں بطریق کی کرسی عطا کی۔ نیز اس نے کینسہ کے متعلق جو جو درخواستیں کیں ان کو منظور فرمایا۔ ملکی نظم و نسق کے لئے چن چن کر کارکن اور لائق لوگوں کو رکھا۔ مقدمات کے فیصلوں کے لئے جابجا قضاۃ مقرر کئے۔ خراج کی تحصیل خود قبطیوں کے سپرد کی اور دفتر بھی انہی کی زبان میں رہنے دیا۔ ان کی نگاہ میں یعقوبی۔ ملکی۔ یہودی۔ نصرانی۔ مشرک اور ستارہ پرست سب یکساں تھے اور ہر ایک کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا برتاؤ رکھتے تھے جس کی وجہ سے اہل ملک ان کے احسان کے گرویدہ ہو گئے اور ان کے انصاف حسن سلوک اور مساوات کو دیکھ کر جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ عربی اخلاق۔ عربی لباس بلکہ عربی زبان اختیار کرنے لگے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ مابعد میں مصر اسلامی علوم اور تہذیب کا ایک بڑا مرکز بن گیا اور زوال بغداد کے بعد سے تو حضارۃ اسلامی کا علمبردار وہی ہے۔ عمرو بن عاص نے خلیفہ ثانی کے حکم سے شہر فسطاط کو آباد کر کے دارلامارہ قرار دیا اور ایک جامع بھی تعمیر کرائی جو آج تک ان کی یادگار ہے۔

نہر امیرالمومنین

قبضہ مصر کے پہلے ہی سال عرب میں سخت قحط پڑا جو عام الرمادہ کے نام سے مشہور ہے اس لئے انہوں نے مصر سے عرب میں غلہ کی تجارت کے لئے ایک نہر دریائے نیل سے قلزم میں ملادی۔ یہ وہی نہر تھی جس کو سیتی اول (خاندان ۱۹) نے کھدوانا شروع کیا تھا اور نکاؤ (خاندان ۲۶) نے اس کی تکمیل کی تھی۔ لیکن رومیوں کی غفلت سے خراب ہو گئی تھی۔ عمرو بن عاص نے فسطاط کے کنارہ سے اس کو کھدوانا شروع کیا اور عین شمس اور وادی طمیلات سے لا کر شہر قلزم کے متصل بحیرہ میں گرا دیا۔ اس کا طول ۸۰ میل تھا اور صرف چھ مہینے میں تیار ہو گئی تھی۔ پہلے ہی سال اس کے ذریعہ سے ساٹھ ہزار اردب غلہ مصر سے عرب میں آیا۔ اسی وقت

سے تجارتی کشتیاں مصر سے عرب میں آنے جانے لگیں۔ خلیفۂ عمر بن عبدالعزیز کے بعد والیوں کی غفلت سے اس کی مرمت نہ ہوئی جس کی وجہ سے اس میں ریتا اٹ گیا۔ یہاں تک کہ بالکل بند ہو گئی اس کے نشانات کہیں کہیں باقی تھے۔ مگر ۱۸۹۷ء میں مصری حکومت نے ان کو بھی آٹنے کا حکم دے دیا۔

نہر سوئیز

عمرو بن عاص نے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ بحیرہ روم و قلزم کو بھی ملا دیں۔ فرما کے متصل ان دونوں میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے وہیں سے نہر نکالنی چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عمر نے اس خیال سے منع کر دیا کہ رومی اس کے ذریعہ سے عرب پر حملہ کرنے لگیں گے کیونکہ اس وقت بحری قوت عرب کے پاس نہ تھی اور وہ پانی میں رومیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

سرزمین مصر

عمرو بن عاص نے سرزمین مصر کی کیفیت کے متعلق دربار خلافت میں ایک تحریر بھیجی تھی جو اب تک علم و ادب میں مشہور ہے۔ فرانسیسی ادیب موسیو اوکتاف اوزان نے تو اس کو دنیا کی زبانوں میں بلاغت کا ایک حیرت انگیز نمونہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ معمورہ عالم کے جملہ مدارس میں اس کو پڑھانا چاہئے تاکہ طلباء کو اشیاء کے حقائق بیان کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ گبن اور بٹلر نے بھی اپنی تاریخوں میں اس کے ترجمے درج کئے ہیں۔ یہ پورا خط النجوم الزاہرہ فی اخبار المصر و القاہرہ میں ثبت ہے۔ ہم اس کو اردو میں نقل کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ترجمہ میں اصل کی لطافت نہیں دکھائی جا سکتی صرف مفہوم کا اظہار ہو سکتا ہے۔

> مصر کی زمین سیر حاصل اور بارور درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اس کا طول ایک ماہ اور عرض دس روز کی مسافت ہے اس کے وسط میں سے وہ دریا گزرتا ہے جس کی خرام سحری فرخ فرجام اور روانی شام مبارک انجام ہے اس کے فیضان میں مہر و ماہ کی طرح کبھی زیادتی ہو جاتی ہے اور کبھی کمی۔
>
> جس وقت چڑھتا ہے اور اس کی موجیں سر اٹھاتی ہیں اسی وقت تمام نہریں اور چشمے لبالب ہو جاتے ہیں اور باشندوں کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بجز کشتیوں کے گزرنے کی کوئی سبیل نہیں رہتی پھر جب اس کا جوش پورا ہو جاتا ہے تو پلٹا کھاتا ہے اور تیزی کے ساتھ اتر کر اپنی حد پر آجاتا ہے اس وقت کاشتکار اس کے ساحلوں کے فراز اور دامنوں کے نشیب میں نکل پڑتے ہیں دانے بوتے ہیں اور خرمن کے آرزو مند ہوتے ہیں۔
>
> جب دانے جمے اور کھیتیاں اگیں اور نیچے زمین کی نمی اور اوپر بارش کی تری سے پرورش پا کر ان میں نشوونما اور بالیدگی ہوئی تو ہرے بھرے کھیت لہلہانے لگتے ہیں اور زمین کی دولت اس کے شکم سے اس کی پشت پر آجاتی ہے۔
>
> امیر المومنین! میں اس زمین کا کیا حال لکھوں۔ ابھی گوہر سپید ہے۔ ابھی عنبر سیاہ اور ابھی زمرد سبز۔ یہ قدرت الٰہی کے کرشمے ہیں جس نے اس میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے اور باشندوں کی معیشت کے لئے اس کو ایسا بنا دیا ہے۔
>
> یہاں کا خراج پیداوار سے قبل وصول نہیں ہو سکتا اور یہ بھی ضروری ہے کہ محاصل کا

کم سے کم ایک ثلث یہاں کی نہروں اور پلوں کی تعمیر و ترمیم میں صرف کیا جائے کیونکہ
اس سے آبادی بڑھے گی اور ملک کی آمدنی میں اضافہ ہو گا۔

حضرت عمرؓ اس کو پڑھ کر شگفتہ ہو گئے اور فرمایا کہ ابن عاص نے تو گویا مصر کی زمین میری آنکھوں کے سامنے رکھ دی۔

بندوبست اراضی

فراعنہ کے عہد میں مصر میں چہار سالہ بندوبست کا دستور تھا۔ تشخیص لگان کے لئے وہ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال لیتے تھے اور خراج نقد و جنس دونوں میں وصول کرتے تھے بلکہ ان محاصل کے علاوہ فوج کے اخراجات کے لئے کثیر مقدار میں غلہ بھی لیتے تھے لیکن مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی زراعت کا مدار نیل کے فیضان پر ہے۔ اور اس میں اکثر تفاوت رہتا ہے جس سے پیداوار میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے اس لئے وہاں ہر سال آب نیل کی کمی یا زیادتی کے مطابق خراج کی تعیین قرین انصاف تھی۔ اس بنا پر انہوں نے خلیفہ سے استصواب کر کے ان کے حکم کے مطابق مقام حلوان پر مقیلس نیل بنوایا جو اب تک بھی باقی ہے۔ اسی پیمانے سے پیداوار کا اندازہ پوچھ کر انہیں سے لگان کا تخمینہ لیتے۔ اسی حساب سے ہر جگہ کی تحصیل ہوتی جہاں جہاں کنیسے اور حمام ہوتے ان کے اخراجات نیز مسلمانوں کی ضیافت کے صرفے مہیا کر دیئے جاتے۔ کاشتکاروں ہی کی شرح لگان کی مقدار سے پیشہ وروں سے بھی خراج لیا جاتا۔
رومیوں کے عہد میں دوسرے محاصل جو رعایا سے وصول کئے جاتے تھے یک قلم موقوف کر دیئے گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہاجرہ کے قدیم رشتہ سے جو حضرت اسماعیلؑ اور عدنانی عربوں کی ماں تھیں مصریوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت فرمائی تھی اس وجہ سے بندوبست اراضی میں خصوصیت کے ساتھ نرمی برتی گئی اور شرح لگان کم سے کم رکھی گئی یعنی زیادہ سے زیادہ فی جریب ایک دینار یا تین اردب غلہ۔ مسلمانوں نے آنحضرتؐ کے جدید رشتہ کا بھی لحاظ رکھا اور قریہ حفن کو جو توابع انصا میں ہے اور جہاں کی رہنے والی حضرت ماریہ قبطیہ سریہ رسول تھیں خراج سے بری کر دیا۔ اس سالانہ بندوبست کی وجہ سے ہر سال کی وصولی کی کوئی رقم متعین نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ عدم پیداوار کی وجہ سے کبھی بھی بہت سے پرگنوں اور دیہاتوں کا خراج معاف کر دینا پڑتا تھا اس لئے رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی وصولی میں کمی ناگزیر تھی۔ چنانچہ سال اول میں تمام ملک مصر سے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ دینار وصول ہوئے بحالیکہ سال ماسبق مقوقس نے دو کروڑ دینار وصول کئے تھے۔

لیکن باوجود اس نرمی کے زمانہ مابعد میں کبھی اس قدر وصولی نہیں ہوئی صرف حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایک سال عبداللہ بن سعد نے دو کروڑ دینار وصول کئے تھے۔ امیر معاویہؓ کے سلیقہ انتظام میں کس کو شک ہے مگر ان کے زمانہ میں بھی تحصیل ۹۰ لاکھ سے نہیں بڑھی۔ ان کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس تو چالیس بلکہ تیس ہی لاکھ وصول کرتے رہے۔ خلفائے فاطمیہ نے اپنے عہد میں شرح لگان بھی بہ نسبت سابق کے دگنی کر دی تھی مگر پھر بھی ۳۴ لاکھ سے زائد نہ وصول کر سکے۔

عبداللہ بن سعد

۲۴ھ میں حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے عبداللہ بن سعدؓ اپنے رضاعی بھائی کو افریقہ کا امیر حرب مقرر کیا اور عمرو بن عاص کو بدستور والی مصر رہنے دیا۔ اسی درمیان میں اسکندریہ کے رومی جن کی تعداد ڈھائی لاکھ تھی اور جو مسلمانوں سے عہد نامہ کر چکے تھے قیصر کے اشارہ اور بعض قبطی رئیسوں کے مشورہ سے بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ قیصر قسطنطین پسر ہرقل نے قسطنطنیہ سے ایک عظیم الشان جنگی بیڑہ ان کی امداد کے لئے بھیجا۔ جس کا امیر منویل خصی تھا۔ یہ ساری جمعیت اسکندریہ سے نکل کر آگے بڑھی۔ عمرو بن عاص خبر پاتے ہی روانہ ہوئے۔ مقام نقیوس میں مقابلہ ہوا۔ بر و بحر دونوں میں جنگ ہوئی۔ رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو بن عاص نے تعاقب کیا اور سرعت کے ساتھ پہنچ کر اسکندریہ میں گھس گئے وہاں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ منویل بھی مارا گیا اور رومی

مغلوب ہو گئے حضرت عثمان نے چاہا کہ انہیں کو امیر عرب مقرر کریں اور ابن سعد کو ان کی جگہ مصر کا والی بنا دیں اس پر وہ راضی نہیں ہوئے اس مخالفت کی بنیاد پر ان کو معزول کر دیا اور ابن سعد کو امارت حربی کے ساتھ ولایت مصر کا بھی فرمان لکھ دیا۔

ابن سعد نے چالیس ہزار فوج تیار کی اور شمالی افریقہ ۔ تیونس ۔ الجزائر ۔ مراقش اور طنجہ فتح کر لیا۔ ۱۳۱ھ میں اہل نوبیا نے عہد شکنی کی ان کے ساتھ جنگ کی اور دنقلہ میں ان کی جمعیت کو محصور کر لیا مجبور ہو کر ان کے سردار اقلید روس نے صلح کی درخواست کی جس کو منظور کر لیا۔

فتنہ سبائی

۳۳ھ میں جب حضرت عثمان اور ان کے والیوں کے متعلق سبائی جماعت نے ہر طرف شکایات پھیلائیں اس وقت انہوں نے تمام صوبوں کے والیوں کو مشورہ کے لئے حج کے موقع پر طلب کیا۔ ابن سعد بھی گئے اور اپنی جگہ عقبہ بن عامر کو چھوڑ گئے محمد بن ابی حذیفہ نے جو مصر میں حضرت عثمانؓ کے مخالفوں میں سے تھے سبائیوں کی ایک جماعت فراہم کر کے عقبہ کو وہاں سے نکال دیا۔ اس کی اطلاع جب حضرت عثمان کو پہنچی تو انہوں نے سعد بن وقاص فاتح قادسیہ کو ان کے سمجھانے کے لئے بھیجا۔ مگر انہوں نے ان کی بات نہ مانی بلکہ اہانت کی جب عبداللہ بن سعد واپس آئے تو ان کو مصر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ وہ مجبوراً عسقلان کو چلے گئے۔

اس کے بعد سبائی جماعت کے لوگ مصر، کوفہ اور بصرہ سے مدینہ پہنچے اور خلیفہ ثالث کو قتل کر ڈالا۔ اس قتل کی خبر جب مصر میں پہنچی تو شیعہ عثمان نے ایک جھنڈا کھڑا کیا کہ ان کے خون کا بدلہ لیا جائے یہ علم معاویہ بن خدیج کے ہاتھ میں تھا جس کے ساتھ خارجہ بن حذافہ ۔ مسلمہ بن مخلد اور بسری بن ارطاۃ وغیرہ تھے ۔ یہ لوگ اپنی جمعیت کو لے کر صعید کی طرف بڑھے ۔ ابن ابی حذیفہ نے ان کے مقابلہ میں ایک لشکر بھیجا جس نے جا کر شکست دی ۔ معاویہ بن حدیج برقہ کی طرف نکل گئے پھر اسکندریہ کی جانب آئے ابن ابی حذیفہ نے دوبارہ فوج بھیجی ۔ ۳۶ھ میں فریقین کا مقابلہ مقام خرتبا میں ہوا جس میں شیعہ عثمان غالب رہے وہیں انہوں نے اپنا مرکز بنا لیا۔

قیس بن سعد

ادھر حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رئیس الانصار کے بیٹے قیس کو جو نہایت شجاع اور فرزانہ تھے مصر کا والی مقرر کیا جس نے جا کر اہل مصر کو قابو میں کر لیا۔ لیکن اہل خرتبا اطاعت پر راضی نہ ہوئے کیونکہ وہ نہ صرف جس کی امارت بلکہ حضرت علی کی خلافت کو بھی بوجہ حضرت عثمان کا قصاص نہ لینے کے ناجائز سمجھتے تھے ۔ قیس نے ان کو نہیں چھیڑا اور کہلا بھیجا کہ میں تم کو بیعت پر مجبور نہیں کرتا نہ تمہارے وظیفے بند کروں گا بشرطیکہ امن کے ساتھ رہو۔

جب امیر معاویہ حضرت عثمان کے خون کے مطالبہ کے لئے کھڑے ہوئے اس وقت ان کو مصر میں قیس کی موجودگی سے خطرہ محسوس ہوا کہ ایک طرف سے اگر عراقی فوجیں آ گئیں اور دوسری طرف سے مصری تو ہم بیچ میں پڑ جائیں گے اس وجہ سے بہت کوشش کی کہ قیس کو اپنا طرفدار بنا لیں جب اس میں ناکامی ہوئی تو شامیوں سے کہنا شروع کیا کہ قیس کو برا نہ کہو وہ در پردہ ہمارا حامی ہے اس کے خلوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ اس نے اہل خرتبا کے ساتھ نہ کوئی سختی کی نہ ان کے عطیے روکے۔ یہ خبر محمد بن ابو بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب وغیرہ نے شام سے حضرت علی کو لکھ بھیجی انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں اور عبداللہ بن جعفر کو بلا کر یہ بات سنائی اور کہا کہ میرا گمان قیس کی طرف ہرگز ایسا نہیں ہے ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ نہ ہو لیکن پھر بھی اس شک کی حالت میں ان کو معزول کر دینا چاہئے۔

اسی درمیان میں قیس کا خط موصول ہوا جس میں انہوں نے مصر کی بیعت اور خرتبا والوں کی کیفیت لکھی تھی اور یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ میں نے ان کو اس حال پر چھوڑ دیا ہے عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ قیس کے اس فعل سے طرف داری کا شبہ ہوتا ہے لہذا حکم دیجئے کہ ان کے ساتھ جنگ کریں ۔ حضرت علی نے یہی لکھا اس پر قیس نے جواب دیا کہ اہل خرتبا کی تعداد دس ہزار ہے جن میں سے زیادہ تر اعیان و اشراف مصر ہیں میں نے جس طریقہ پر ان کو رکھ چھوڑا ہے یہی مناسب ہے جنگ کی صورت میں ایک فتنہ عام برپا ہو جائے گا کیونکہ ایک تو خود وہ لوگ اس نیستان کے شیر ہیں دوسرے معاویہ ان کی امداد کریں گے ۔ حضرت علیؓ نے یہ عذر قبول نہیں کیا اور قیس کو معزول کر کے محمد بن ابو بکر کو جو ان کے ربیب تھے ولایت مصر کا فرمان بھیجا۔ انہوں نے جا کر اہل خرتبا کو لکھا کہ تم لوگ بیعت کرو ورنہ مصر سے نکل جاؤ ۔ وہ مقابلہ کے لئے تیار ہوئے اسی اثناء میں جنگ صفین شروع ہو گئی جس کے نتیجہ کے انتظار میں دونوں فریق خاموش بیٹھے رہے۔

اہل خرتبا کو جب صفین سے حضرت علی کی واپسی اور تحکیم کا حال معلوم ہوا تو وہ مقابلہ کے لئے نکل آئے اور محمد بن ابو بکر کو شکست پر شکست دینے لگے ۔ حضرت علی نے اشتر کو جو والئی جزیرہ تھے مصر کی ولایت پر روانہ کیا لیکن راستہ میں قلزم میں پہنچ کر وہ انتقال کر گئے بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ کے اشارہ سے شہر قلزم کے مقدم نے شربت میں زہر پلا دیا تھا لیکن یہ الزام بھی ویسا ہی بے ثبوت ہے جیسا امام حسنؓ کو ان کی بیوی جعدہ سے زہر دلوانے کا۔

امیر معاویہ نے عمرو بن عاص کو مصر کا امیر مقرر کر کے چھ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا اور اہل خرتبا کو لکھا کہ دل میں ہراس نہ لانا میں امداد بھیجتا ہوں۔ عمرو بن عاص نے پہنچ کر محمد بن ابو بکر کو کہلا بھیجا کہ بہتر یہ ہے کہ مصر سے چلے جاؤ۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ہاتھ سے تم کو کوئی صدمہ پہنچے لیکن وہ فوج لے کر مقابلہ میں آئے اور مارے گئے۔

داخلہ عمرو بن عاص بار دوم

عمرو بن عاص پورے بارہ سال کے بعد ۳۸ھ میں پھر اپنے آباد کردہ شہر فسطاط میں داخل ہوئے مصریوں کو جو شورشوں اور جنگوں کی وجہ سے مصیبت میں تھے خوشی اور طمانیت حاصل ہو گئی۔ عمرو بن عاص نے مفاسد کی اصلاح کی اور سارے انتظامات از سر نو درست کئے ۔ فوجوں کو مرتب کر کے شریک بن سمی کی قیادت میں بربر کے مقابلہ میں روانہ کیا انہوں نے ان کو مغلوب کیا اور مصالحت کر کے چلے آئے بربر نے پھر عہد شکنی کی ۔ عمرو بن عاص نے عقبہ بن نافع کو بھیجا انہوں نے جا کر شکست دی پھر ہوارہ کی طرف بڑھے اور فتح کر کے اس وقت واپس آئے جب عمرو بن عاص سکرات موت میں تھے۔

بنی امیہ

۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک

عمرو بن عاص نے ۴۳ھ میں عید الفطر کی شب کو فسطاط میں وفات پائی تمام مصر میں ان کا ماتم ہوا۔

بعض یوروپین مورخوں نے اسکندریہ کے کتب خانے جلانے کا الزام ان کے اوپر لگایا ہے لیکن جس وقت یہ مسئلہ بساط بحث پر آیا تو خود یورپ کے محقق مورخوں مثلاً گبن ۔ بٹلر ۔ سدیو اور گستاؤ لیبان وغیرہ نے اس الزام کو غلط قرار دیا اور اس کے تسلیم کرنے سے قطعی انکار کیا۔ کیونکہ یہ کتب خانہ قیصر جولیوس کے زمانہ میں ۴۷ء میں جل چکا تھا۔ پھر کتابیں جمع کی گئیں وہ اسقف توفیل کے حکم سے ۳۹۱ء میں جلا دی گئیں۔ اسلامی فتح کے وقت اس کا وجود ہی ثابت نہیں ہے۔ مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس الزام کی مدلل تردید لکھی ہے۔

عمرو بن عاص کی جگہ پر امیر معاویہ نے ان کے بیٹے عبداللہ کو مقرر کیا۔ پھر بعض مصلحتوں کی بناء پر اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کو وہاں کا والی بنا کر بھیج دیا۔ ۴۴ھ میں وہ انتقال کر گئے ان کی جگہ عقبہ بن عامر کو ملی جن میں ہر قسم کے صفات تھے مگر سیاست اور تدبیر نہ تھی اس وجہ سے چند مہینوں کے بعد معزول ہوئے۔ ان کے بعد مسلمہ بن مخلد کو ولایت کا فرمان ملا۔ مسجدوں میں منارے سب سے پہلے انہوں نے ہی بنوائے۔

۵۳ھ میں رومیوں نے بحری فوج مقام برنس میں اتار دی مسلمہ نے مدافعت کی اس جنگ میں عمرو بن عاص کے غلام وردان جو نامور مجاہد تھے بہت سے مسلمانوں کے ساتھ شہید ہوگئے۔ ۶۰ھ میں امیر معاویہ نے وفات پائی اور یزید خلیفہ ہوا اس نے عقبہ بن نافع کو افریقہ کا امیر حرب مقرر کیا اور مسلمہ کو بدستور مصر کا والی رہنے دیا انہوں نے اہل مصر سے یزید کی خلافت کی بیعت لی ۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے انکار کیا۔ مسلمہ نے کہا کہ جماعت کا ساتھ اگر چھوڑ دو گے تو گھر میں آگ لگا دوں گا اس لئے راضی ہوگئے۔ ۲۵ رجب ۶۴ھ میں جب مکہ میں عبداللہ بن زبیر خلیفہ گئے تو انہوں نے سعید کو برطرف کر کے اپنے خاص معتمد عبدالرحمان بن عتبہ کو بھیجا اس نے مصر پہنچ کر ان کی خلافت کی بیعت لی اور بنی امیہ کے حامیوں کو وہاں سے نکال دیا۔

مرج راہط کی جنگ کے بعد جس میں بنی امیہ نے فتح پائی تھی مروان اپنی فوجیں لئے ہوئے مصر کی طرف گیا عبدالرحمان نے مقابلہ میں شکست کھائی اور چلا گیا۔ مروان وہاں دو مہینے رہا۔ اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو والی بنا کر واپسی کا ارادہ کیا۔ اس نو عمر لڑکے نے کہا کہ میں اس ملک میں اکیلا کس طرح رہوں گا جہاں نہ میرا کوئی بھائی ہے نہ عزیز ۔ مروان نے کہا کہ سلوک اور احسان کرو گے تو سب تمہارے بھائی ہو جائیں گے۔ چلتے وقت اس کو تقویٰ ۔ عدل نماز باجماعت اور عہد کی پابندی ۔ عجلت سے احتراز اور عقلاء کی مشاورت کی وصیتیں کر کے رخصت ہوا۔

۶۵ھ میں مروان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک ۔ سریر خلافت پر متمکن ہوا۔ اس کے حکم سے عبدالعزیز نے فسطاط کا بڑا پل بنوایا اور جامع عمرو بن عاص کی جو منہدم ہو گئی تھی مرمت کی اب تک قبطی کاہنوں پر سے سرکاری لگان معاف تھا اس نے ان

سے بھی وصول کرنا شروع کیا۔

عبدالعزیز بیس سال تک مصر کا والی رہا۔ سخی - حلیم - دانش مند اور خوش خلق تھا۔ سب لوگ اس سے خوش رہے۔ ۸۶ھ میں انتقال کر گیا اس کی جگہ پر عبدالملک نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیجا۔ اسی سال عبدالملک بھی گزر گیا اور ولید خلیفہ ہوا اس نے عبداللہ کو برقرار رکھا۔

مصر کا دفتر اب تک قبطی زبان اور قبطیوں کے ہاتھ میں تھا۔ سر دفتر پر جس کا نام اتناس تھا اعتماد کے کافی وجوہ نہ تھے اس لئے عبداللہ نے حمص کے ایک کاتب ابن یربوع فزاری سے سارا دفتر عربی میں منتقل کرا لیا جو آج تک چلا جاتا ہے۔

۸۸ھ میں عبداللہ دمشق میں چلا آیا اس کا قائم مقام.... عبدالرحمن بن عمر ہوا جس کے زمانہ میں اہل مصر شدت اور اوپر سے قحط کی مصیبت میں مبتلا رہے۔ ۹۰ھ میں قرہ بن شریک والی ہوا یہ نہایت سخت گیر تھا اور مصریوں کے اعتقادات و معابد کی تحقیر کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ آزردہ رہتے تھے۔ ۹۶ھ میں فسطاط میں انتقال کر گیا اس کی جگہ پر عبدالملک بن رفاعہ آیا۔ اسی سنہ میں ولید کی وفات پائی اور سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا اس کے حکم سے ابن رفاعہ نے مقام روضہ میں مقیاس النیل بنوایا۔ اس زمانہ میں خراج مصر پر اسامہ بن یزید تھا جو نہایت ظالم تھا اس نے دریائے نیل کے ہر وارد و صادر پر دس دینار محصول لگا رکھا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک تنگ دست عورت اپنے بیٹے کو ساتھ لئے ہوئے نیل سے گزرنا چاہتی تھی اس کے لئے روانہ درکار تھا جو اس وقت تک نہیں مل سکتا تھا جب تک کہ دونوں کے دس دس دینار ادا نہ کر دیئے جائیں اس نے کسی نہ کسی طرح یہ رقم ادا کی اور دونوں کشتی میں بیٹھے وسط دریا میں لڑکا پانی لینے کے لئے ایک طرف جھکا تھا کہ اس کو مگرمچھ سب کی آنکھوں کے سامنے سے کھینچ لے گیا۔ وہ مصیبت زدہ عورت روتی ہوئی کنارے پہنچی وہاں اس سے روانہ مانگا گیا جو اس کے پاس نہ تھا کیونکہ وہ لڑکے کی جیب میں گیا ہر چند اس نے گریہ و زاری کی اور کشتی کے مسافروں نے بھی کہا۔ لیکن اس وقت تک نہیں چھوڑی گئی جب تک اپنا زیور بیچ کر دس دینار نہ ادا کر دیئے۔ اسامہ کی ان سختیوں سے لوگ اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے کہ اسی درمیان میں ۹۹ھ میں سلیمان کا انتقال ہو گیا اور عمرو بن عبدالعزیز تخت خلافت پر آ گئے۔ انہوں نے فوراً ایوب بن شرجیل کو مصر کا امیر بنا کر روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ اسامہ کے گلے میں طوق - ہاتھ میں ہتھکڑی اور پاؤں میں بیڑی ڈال کر میرے پاس بھیج دینا۔ اس نے ایسا ہی کیا جس سے وہ راستہ ہی مر گیا۔

ایوب نیک نیت - متقی - عادل اور عاقل امیر تھا مگر مصری سپہ دار حبان بن شریح کے مزاج میں سختی تھی وہ ان لوگوں سے بھی جزیہ طلب کرتا تھا جو مسلمان ہو جاتے تھے اس پر عمر بن عبدالعزیز نے اس کو تہدیدی فرمان بھیجا۔ پھر کوڑے بھی لگوائے۔

۱۰۱ھ میں یزید بن عبدالملک کی خلافت شروع ہوئی اس نے کچھ دنوں ایوب ہی کو بحال رکھا پھر اس کی جگہ بشر بن صفوان کو مقرر کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس کو افریقہ کی طرف بھیج دیا اور حنظلہ بن صفوان کو امارت بخشی اس نے خلیفہ مذکور کے حکم سے باقی ماندہ بتوں اور مورتوں کو توڑ دیا۔

۱۰۴ھ میں حنظلہ کے بھائے خلیفہ کا بھائی محمد بن عبدالملک آیا۔ ۱۰۵ھ میں جب ہشام خلیفہ ہوا تو اس نے محمد مذکور کو واپس بلا لیا اور حر بن یوسف کو امارت دی اس کے عہد میں ۱۰۷ھ میں قبطیوں نے بغاوت کی جس کی وجہ سے اسے استعفا دینا پڑا۔ اس کی جگہ حفص بن ولید امیر ہوا۔ لیکن ایک سال بھی نہ رہنے پایا تھا کہ عبدالملک بن رفاعہ دوبارہ اپنی امارت کا فرمان خلافت سے لے کر پہنچا اور اسی سال مر گیا اس کی جگہ اس کے بھائی ولید بن رفاعہ کو ملی اس نے ۹ سال تک نہایت خوبی کے ساتھ کام کیا اور ۱۱۷ھ میں گزر گیا۔ اس وقت عبدالرحمن بن خالد فہمی والی ہوا دوسرے سال وہ بھی انتقال کر گیا اب دوبارہ حنظلہ بن صفوان آیا اور چھ سال تک رہا اس کے ظلم سے لوگ تنگ تھے خلیفہ سے بھی شکایت کی اس نے پھر اس کو افریقہ بھیج دیا اور حفص بن ولید کو جو پہلے ہی امیر رہ چکا

تھا والی بنا دیا۔

۱۲۵ھ میں ولید بن یزید کی خلافت کا آغاز ہوا اس نے حفص کو برطرف کر کے عیسیٰ بن عطاء کو مقرر کیا مگر اس کی بدتدبیری کی وجہ سے ملک میں ابتری پھیلی اس وجہ سے حفص سہ بارہ امیر ہوا۔

۱۲۷ھ میں جب بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان تخت پر آیا تو اس نے حفص کے بجائے عثامیہ نجیبی کو بھیجا۔ اہل مصر راضی نہیں ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم کو حفص کے بدلہ میں کسی امیر کی ضرورت نہیں ہے اگر خلیفہ مجبور کرے گا تو ہم اس کی بیعت توڑ دیں گے اس لئے وہ واپس چلا گیا دوسرے سال خلیفہ نے حوثرہ بن سہل کو والی بنا کر بھیجا مصریوں نے چاہا کہ اس کو روکیں مگر اس کے ساتھ فوج زیادہ تھی۔ ۱۳۱ھ میں حوثرہ کی جگہ مغیرہ بن عبداللہ آیا۔ چند مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ بھی معزول کر دیا گیا اور عبدالملک بن موسیٰ جو خراج پر متعین تھا کل مصر کا والی قرار پایا۔

مصر میں بنی امیہ کا سب سے آخری نائب یہی تھا کیونکہ اس کے بعد کوفہ میں عباسی خلافت قائم ہو گئی ۔ اور بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بھاگ کر مصر آیا جس کے تعاقب میں صالح بن علی فوجیں لئے ہوئے پہنچا اور مقام بوصیر میں گرفتار کر کے ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۲ھ کو قتل کر ڈالا۔

دولت عباسیہ اولیٰ

۱۳۲ھ سے ۲۵۷ھ تک

اولین خلیفہ عباسی سفاح نے اپنے چچا صالح بن علی کو جس نے مروان کو قتل کیا تھا مصر کی ولایت دی اس نے مصریوں سے بیعت لی اور بنی امیہ کے حامیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا۔ اسی سال دربار خلافت سے اس کے پاس فلسطین کی امارت کا فرمان پہنچا وہ ابوعون بن عبدالملک بن یزید جرجانی کو اپنی جگہ پر مصر میں چھوڑ کر فلسطین کو چلا گیا۔ ۱۳۶ھ میں سفاح کا انتقال ہو گیا اور ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا اس کے حکم سے ابوعون نے وہ نہر جو عمرو بن عاص نے نکالی تھی بند کر دی ۔ منصور چونکہ نہایت متلون طبع تھا اس وجہ سے ذرا سے وہم پر بھی والیوں کو نکال دیتا تھا چنانچہ پہلے سات سال میں یکے بعد دیگرے چھ والیوں کو مقرر اور معزول کیا۔ ۱۴۴ھ میں یزید بن حاتم مہلبی کو بھیجا۔ یہ آٹھ سال مصر کا امیر رہا۔ اس کے عہد میں مصر میں مخفی طور پر لوگ اہل بیت کی امامت کی بیعت کرنے لگے منصور نے ذی حجہ ۱۴۵ھ میں ابراہیم بن عبداللہ نفس زکیہ کے بھائی کا جنہوں نے بصرہ میں خروج کیا تھا سر کٹوا کر مصر میں بھیجا۔ خطباء نے اس کو منبروں پر رکھ کر لوگوں کو بغاوت کا نتیجہ دکھلایا۔ اس سال میں بنی حسن کے خروج کی وجہ سے حجاز میں اضطراب تھا اس وجہ سے یزید نے مصریوں کو حج میں آنے سے روک دیا۔ ۱۴۸ھ میں سب سے پہلے اسی نے برقہ کو مصر کے ساتھ ملحق کیا۔

۱۵۲ھ میں یزید نے وفات پائی جس کے بعد منصور نے پھر یکے بعد دیگرے والیوں کا عزل و نصب شروع کیا۔ اس وجہ سے مصر میں کوئی پائیدار انتظام نہ قائم ہو سکا اور دن بدن حالت خراب ہوتی گئی کیونکہ جو والی آتا وہ اس یقین کے ساتھ آتا کہ بہت جلد معزول کر دیا جائے گا اس لئے مصالح ملکی کی بہ نسبت اپنے ذاتی مصالح کا زیادہ خیال رکھتا۔ انتظامی ابتری کی وجہ سے رعایا زیادہ خستہ حال ہو گئی اور پیداوار کی کمی اور حکام کی سختی کی وجہ سے بہت سے باشندے ہجرت کر گئے۔

۱۵۸ھ میں منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا اس کے عہد میں بھی یہی صورت قائم رہی بلکہ ایک ایک سال میں دو دو اور تین تین والی بدلتے رہے جس سے ملکی نظام ایسا درہم برہم ہو گیا کہ چوری ۔ رہزنی اور بد امنی عام ہو گئی اس وجہ سے ذی حجہ ۱۶۲ھ میں اس نے ابو صالح یحییٰ بن داؤد کو جو بڑا مہیب اور رعب دار شخص تھا مصر کی ولایت پر بھیجا اس کی سخت گیری کی وجہ سے امن قائم ہوا۔ اس نے اعلان کرا دیا تھا کہ کوئی شخص رات کو نہ اپنے مکان کا دروازہ بند رکھے نہ دکان کا جو مال چوری جائے گا وہ میں ادا کروں گا۔

دو سال کے بعد وہ بھی الگ کر دیا گیا اور سوارہ تمیمی آیا دوسرے سال صالح بن علی کا بیٹا ابراہیم بھیجا گیا اس کے زمانہ میں دحیہ بن مصعب جو بقایائے بنی امیہ میں سے تھا بالائے مصر میں اپنی خلافت کا دعویٰ لے کر کھڑا ہوا۔ ابراہیم نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے سواحلی علاقہ پر قابض ہو گیا۔ مہدی کو جب یہ اطلاع پہنچی تو اس نے نہایت تحقیر کے ساتھ ابراہیم کو نالائق قرار دے کر برطرف کیا اور موسیٰ بن مصعب کو بھیجا اس نے آتے ہی اراضی کی لگان دوگنی کر دی اور دوکانوں اور مویشیوں پر

بھی محصول لگا دیا اس سے اہل مصر اس کے خلاف ہو گئے اور جس وقت وہ ان کو لے کر وحیہ کے مقابل میں گیا اس وقت اس کو موت کے منہ میں تنہا چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ وحیہ کی شوکت اب بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ امراء اس کے مقابلہ میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے آخر میں ۱۶۹ھ میں فضل بن صالح نے آکر اس کو شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر مہدی کے پاس بھیجا۔

اسی سال مہدی گذر گیا اور ہادی تخت پر آیا اس نے فضل کو واپس بلا کر علی بن سلیمان کو امارت پر بھیجا۔ دوسرے سال ہادی کے بعد ہارون رشید خلیفہ ہوا اس نے ابن سلیمان کو بدستور رہنے دیا۔ ابن سلیمان نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سختی سے کام لیا۔ نصاریٰ نے فسطاط اور جیزہ میں بعض جدید کنیسے جو تیار کئے تھے ان کو گرانے کا حکم دیا انہوں نے پچاس ہزار دینار پیش کئے کہ باز رہے لیکن نہیں قبول کیا اس کے عدل کی وجہ سے مصر میں پھر خوشحالی ہو گئی اہل مصر نے چاہا کہ اسی کو پھر خلیفہ بنالیں یہ خبر سن کر ہارون نے ۱۷۱ھ میں اس کو معزول کر دیا اور موسیٰ بن عیسیٰ علوی کو امارت کا فرمان دیکر بھیجا۔ اس نے عیسائیوں سے رشوت لے کر کنیسوں کی تعمیر کی پھر اجازت دے دی۔

ہارون نے ۱۷۶ھ میں مصر کی ولایت جعفر بن یحییٰ برمکی کے سپرد کی اس نے اپنی طرف سے عمران بن مہران کو بھیجا جو نہایت حقیر صورت تھا جس وقت مصر میں پہنچا موسیٰ کے دربار میں جا کر صف پائیں میں جا کر بیٹھ گیا جب محفل اٹھ گئی تو موسیٰ نے اس سے پوچھا کہ کوئی کام ہے؟ بولا کہ ہاں اور وہ فرمان اس کے ہاتھ میں دے دیا اس نے جب پڑھا تو کہا کہ امیر عمران بن مہران کب تشریف لائیں گے جواب دیا کہ وہ میں ہی ہوں موسیٰ نے کہا اللہ کی لعنت کم بخت فرعون پر جو اسی مصر کی سلطنت پر خدائی کا دعویٰ رکھتا تھا۔

ابن مہران نے عدل و تقویٰ کے ساتھ امارت کی اس کے زمانہ میں مصر کی جس قدر وصولی تھی بے باقی ہوتی رہی یہ ان تمام تحفوں اور ہدیوں کو بھی جو لوگ دیتے تھے ان کی لگان میں مجرا کر دیتا تھا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ صرف امیر خراج تھا۔ ولایت مصر مسلمہ بن یحییٰ کے ہاتھ میں تھی جس کی معزولی کے بعد محمد بن زہیر آیا۔ وہ ایک سال بھی نہ رہنے پایا تھا کہ داؤد بن یزید مقرر ہوا وہ بھی الگ کیا گیا اور دوبارہ موسیٰ بن عیسیٰ بھیجا گیا چند مہینوں کے بعد ابراہیم بن صالح کو امارت کا فرمان ملا جو مہدی کے زمانہ میں والی رہ چکا تھا پھر ولایت عبداللہ بن مسیب کے سپرد کی گئی اس نے محصول میں اس قدر اضافہ کر دیا کہ رعایا ادا نہ کر سکی اور حوف کے باشندے مقابلہ کر بیٹھے جس میں بہت سے سرکاری آدمی مارے گئے۔ خلیفہ نے ہرثمہ بن اعین کو فوج کے ساتھ روانہ کیا اس نے یہ بغاوت فرو کی۔

اسی طرح سلسلہ وار ولاۃ تبدیل ہوتے رہے اور انتظام کوئی مستقل صورت اختیار نہ کر سکا جس کی وجہ سے فساد بڑھا، اور خوں ریزی ہونے لگی خاص کر اہل حوف سے تو بلا فوجی قوت کے خراج کی وصولی نہیں ہوتی تھی۔

ہارون کے آخری زمانہ میں خصیب بن عبدالحمید امیر خراج تھا جس کے نام سے قصبہ منیہ خصیب آباد ہے۔ یہ ایک عاقل شخص تھا نہ کہ سعدی کے بیان کے مطابق احمق۔ ہارون کی وفات کے بعد امین اور مامون میں نزاع برپا ہوئی اس وقت مصر میں سری بن الحکم مامون کی حمایت کے لئے کھڑا ہو گیا اس نے ۲۲ جمادی الثانی ۱۹۶ھ میں خلع امین اور خلافت مامون کی بیعت لی۔ مامون نے خلیفہ ہونے کے بعد اسی کو وہاں کا والی کر دیا۔ ۲۰۴ھ میں سری نے فسطاط میں وفات پائی اسی سال اور اسی مقام میں امام شافعی نے بھی جو وہاں سکونت گزیں ہو گئے تھے انتقال کیا۔

سری کے بعد مصری فوج نے اس کے بیٹے محمد کے ہاتھ پر بیعت کر لی مرکز خلافت سے دور ہونے کی وجہ سے مصری وہاں کے احکام کی زیادہ پروا بھی نہیں کرتے تھے اور ملک میں اس قدر ابتری تھی کہ کوئی نظام درست نہ تھا اسی درمیان میں اسکندریہ پر اہل اسپین آکر قابض ہو گئے۔ پانچ سال کے بعد مامون نے عبداللہ بن طاہر کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے محمد کو شکست دی اہل اسپین کو نکالا اور تمام ملک میں امن و امان قائم کیا۔

۲۱۳ھ میں مامون نے اس کو واپس بلا لیا اور مصر و شام کی ولایت اپنے بھائی معتصم کو دی اس نے عمیر بن ولید کو اپنا نائب بنا کر مصر میں بھیج دیا۔ اہل حوف نے مقابلہ کیا اور اس کو قتل کر ڈالا۔ اس کی جگہ عیسیٰ جلودی مقرر ہوا۔ اس نے بھی شکست کھائی اس وجہ سے معتصم خود چار ہزار ترکوں کی فوج لے کر آیا۔ حوف کے رئیسوں کو جو بغاوت کے بانی تھے قتل کیا اور عیسیٰ جلودی کو برطرف کر کے عیسیٰ بن منصور کو مقرر کیا۔ اس کے پاس ایک ترکی فوج چھوڑ کر جس کا امیر افشین حیدر بن کاؤس تھا۔ خود شام کی طرف چلا گیا۔ اہل حوف پھر مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور سلسلہ وار جنگ جاری رہی جس سے ملک کا سارا انظام ابتر ہو گیا۔ اس وجہ سے ۲۱۷ھ میں مامون رومیوں کی جنگ سے واپس ہوتے ہوئے خود مصر میں آیا اس نے تمام حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ والی مصر عیسیٰ بن منصور کو ان خرابیوں کا ذمہ دار قرار دے کر برطرف کیا کیدر صفدی کو معتصم کے نائب کی حیثیت سے والی بنایا۔ اسی نے مقیاس روضہ کی مرمت کرائی اور وہاں خلیفہ کے حکم سے ایک جامع بنوائی۔

۲۱۸ھ میں مامون کے بعد معتصم خلیفہ ہوا۔ اس کے آٹھ سال کے عہد میں پانچ والی مصر میں تبدیل ہوئے آخری ابو جعفر اشناس تھا۔ معتصم کے بعد واثق کے عہد میں اشناس مر گیا۔ اس کی جگہ علی بن یحییٰ ارمنی آیا اور وہ بھی معزول ہوا اور عیسیٰ بن منصور کو دوبارہ ولایت کا فرمان دیا گیا۔

متوکل کے عہد میں ۲۳۴ھ میں جبکہ مصر کا والی حاتم بن ہرثمہ تھا اہل نوبیا نے فوج کشی کی اور کثیر تعداد میں جنگی ہاتھی لے کر آئے ۔ حاتم نے گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں بندھوائیں جس کی آواز سے وہ بھاگے اور تھوڑی دیر میں حبشی شکست کھا گئے رئیس نوبہ نے مصالحت کی درخواست کی جس کے لئے وہ خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ انتظامی ابتری کی وجہ سے سواحل مصر پر رومیوں کے حملے ہونے لگے ۔ متوکل نے حکم دیا کہ دمیاط فرما اور تانیس تینوں مقامات پر قلعے تعمیر کئے جائیں تاکہ ان کے حملوں سے ملک کی حفاظت ہو سکے ابھی یہ قلعے تعمیر بھی نہیں ہو چکے تھے کہ رومیوں نے تین سو جنگی کشتیوں کے ذریعہ تینوں مقامات پر فوجیں اتار دیں تمام مال و متاع اور عورتوں بچوں کو لوٹ لے گئے اور مسجدوں میں آگ لگا دی والی مصر عنبسہ بن اسحاق نے جملہ امراء اور افواج کو محفل عید کی شرکت کے لئے فسطاط میں بلا رکھا تھا اس وجہ سے ان کا مقابلہ کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

متوکل کے بعد منتصر اور نیز مستعین کے عہد میں بھی عبداللہ مصر کا والی رہا۔ معتز نے ۲۵۳ھ میں اس کو معزول کر کے مزاحم بن خاقان کو بھیجا۔ جس نے چراگاہوں اور مچھلی کے شکار پر بھی محصول لگا دیا اور مساجد میں بسم اللہ بالجہر پڑھنا جو شافعیہ کا مذہب ہے بند کرا دیا ۔ لوگ اس کے خلاف بغاوت کے لئے تیار ہوئے مگر وہ مر گیا اس کے بعد اس کے بیٹے احمد کو مصر کی ولایت دی گئی لیکن اس نے قبول نہ کی اس لئے ترکی امیر بائکباک کو سپرد کی گئی اس نے اپنی طرف سے احمد بن طولون کو امیر الجیش اور احمد بن مدبر کو امیر خراج مقرر کر کے بھیجا۔ اس زمانہ میں مرکز خلافت کی کمزوری کی وجہ سے مصر میں ایک علوی نے ۔ جو ابن صوفی کے نام سے مشہور تھا علم امامت بلند کیا اور اقلیم اسناد پر قابض ہو گیا ابن طولون نے اس کو شکست دی جس سے وہ الواحات کی طرف بھاگ گیا۔

دولت طولونیہ

۲۵۷ھ سے ۲۹۲ھ تک

طولون ایک ترکی غلام تھا جس کو نوح بن اسد سامانی نے مامون کے پاس ۲۰۰ھ میں ہدیتاً بھیجا تھا مامون نے اس کو دانا اور توانا دیکھ کر خدم میں داخل کر لیا اور اپنے ساتھ بغداد لایا۔ ۲۲۰ھ میں سامرا میں طولون کا بیٹا پیدا ہوا اس نے قرآن حفظ کیا اور علوم و آداب کی تکمیل کی ۔ جب اس کا سن بیس سال کو پہنچا اور اس کا باپ گذر گیا اس وقت یہ امیر بانکباک کی فوج میں داخل کر دیا گیا۔ ۲۵۴ھ میں جب امیر مذکور کو مصر کی ولایت ملی تو اس نے احمد بن طولون کی لیاقت اور صلاحیت دیکھ کر اپنی طرف سے اس کو وہاں کی فوج کا امیر بنا کر بھیجا اور اپنے خاص کاتب احمد بن وسطی کو ساتھ کر دیا۔ خراج پر احمد بن مدبر کو مقرر کیا۔

ابن طولون متقی اور انصاف دوست تھا اور ابن مدبر ظالم اور بے تدبیر نتیجہ ہوا کہ دونوں میں عداوت ہو گئی اور ایک دوسرے کے خلاف بساط سیاست پر شطرنج بازی کرنے لگے ۔ اسی درمیان میں ۲۵۵ھ میں مہتدی سریر خلافت پر آگیا اور اس نے بانکباک کو قتل کر کے مصر کی امارت امیر اماجور کو دے دی جس کی لڑکی ابن طولون کے نکاح میں تھی اس نے ابن طولون کو مصر کے سارے اختیارات سپرد کر دیئے ۔ ابن طولون نے چاہا کہ ابن مدبر کو برطرف کر دے لیکن اس کا بھائی دربار خلافت میں وزیر خزانہ تھا اس لئے صبر کیا۔

ابن مدبر نے دیکھا کہ اب وہ اپنے حریف کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے اپنا تبادلہ ملک شام میں کرا لیا اور ابن طولون کے ساتھ رابطہ مؤدت پیدا کرنے کے لئے اپنی بیٹی اس کے بیٹے خمارویہ کے ساتھ بیاہ دی اور جو کچھ ملکیت مصر میں رکھتا تھا اس کو ہبہ کر کے شام میں چلا گیا ۔ شقیر خادم بھی جو اس کا دست راست اور ابن طولون کا مخالف تھا مر گیا۔

حکومت مصر

اب ابن طولون کے لئے راستہ صاف تھا ۔ ملک مصر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور چاہا کہ ان تمام ناروا محاصل کو موقوف کر دے جو رعایا پر لگائے گئے ہیں۔ امین خراج ابن دسومہ کو بلا کر اپنا خیال ظاہر کیا۔ وہ ایک طماع اور دنیا دار شخص تھا۔ اس نے حساب لگا کر بتلایا کہ اس سے سالانہ ایک لاکھ دینار کا خسارہ ہو گا اور نشیب و فراز سمجھا کر باز رکھنے کی کوشش کی ۔ ابن طولون نے کہا کہ اچھا سوچوں گا۔

رات کو اپنے متوفی طرسوی دوست کو جو بڑا متقی تھا خواب میں دیکھا کہ وہ آیا ہے اور کہتا ہے کہ جو رائے تم کو دی گئی وہ صحیح نہیں ہے ۔ اگر تم اللہ کے خوف سے اس ناجائز آمدنی کو چھوڑ دو گے تو وہ اس کے عوض میں تم کو بڑے بڑے خزانے دے دے گا۔ صبح کو بیدار ہوتے ہی اس نے فوراً ان محاصل کے الغاء کے احکام نافذ کر دیئے ۔ ابن دسومہ پھر پہنچا اور سمجھانے لگا۔ ابن طولون نے رات کا خواب اس سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ تعجب ہے کہ ایک مردہ کے قول پر آپ عمل کرتے ہیں اور ایک زندہ ناصح کی بات

نہیں سنتے ۔ بولا کہ اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔

دفینہ غیبی

ایسا اتفاق کہ دوسرے دن وہ اپنے خدام کے ساتھ صحرا میں نکلا ان میں سے کسی کے گھوڑے کا پاؤں زمین میں گھس گیا تو اندر تہ خانہ تھا جس میں سے اس قدر خزانہ برآمد ہوا کہ جس کی قیمت دس لاکھ دینار تھی اس کی خبر تمام عالم اسلامی میں پھیل گئی ۔ ابن طولون نے خلیفہ سے دریافت کیا کہ یہ رقم کس مصرف میں لگائی جائے اس نے لکھا کہ وجوہ خیر میں ۔ چنانچہ ایک حصہ غرباء اور فقراء میں تقسیم کرایا۔ بقیہ سے ایک قلعہ اور ایک مارستان بنوایا اور راستوں کی مرمت کی۔ فسطاط میں یہ مارستان مصر کا سب سے پہلا شفاخانہ تھا ۔ اس کے ساتھ اطباء کے لئے مکانات بھی تھے۔ بہت سی دکانیں بھی تعمیر کرائی گئیں تاکہ ان کے کرایہ سے صرفہ چلے ۔ نیز نخاس کی ساری آمدنی اس پر وقف کی گئی ۔ ابن طولون اکثر خود اطباء اور ان کے معالجات کو دیکھنے اور مریضوں کی عیادت کو یہاں آیا کرتا تھا۔ ایک بار کسی مجنوں نے اس پر حملہ کیا کہ ہلاکت سے بال بال بچا۔ لیکن پھر بھی آنا ترک نہ کیا۔

روضہ کا مقیاس خراب ہو گیا تھا۔ دس ہزار دینار لگا کر اس کو اچھی طرح پختہ کر دیا ملک میں متعدد پل بنوائے۔ اسکندریہ کی نہر جس میں ریت اٹ گیا تھا صاف کرائی اور اس میں جابجا حوض اور سقائے بنوائے اور منارہ کو بھی از سر نو تعمیر کرایا۔ ۲۵۸ھ میں امیر اماجور نے وفات پائی اس وقت سے یہ مصر کا خود مختار حکمراں ہو گیا۔ اہل مصر اس کے حسن انتظام اور پسندیدہ اخلاق سے بہت خوش تھے۔

جامع طولونی

خود مختاری کے بعد اپنی قوت بڑھانی شروع کی۔ فوج کی تعداد اس قدر ہو گئی کہ فسطاط میں گنجائش نہ رہی ۔ اس وجہ سے اسی کے متصل ایک جدا چھاؤنی قطائع کے نام سے آباد کی ۔ جبل مقطم پر تنور فرعون کے قریب لشکر نامی ایک ٹیکرا تھا جس کی بابت مشہور تھا کہ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مناجات کے لئے آیا کرتے تھے ۔ اسی کو جامع مسجد کے لئے پسند کیا۔ بنیاد کھودتے وقت وہاں بھی ایک دفینہ ملا جو اس سے بھی زیادہ تھا جو صحرا میں ملا تھا۔

دو سال کی کوشش سے ۲۶۳ھ میں یہ جامع تیار ہوئی جس کے آثار اب تک باقی ہیں۔ افتتاح کے دن امراء اور ارکان دولت کے علاوہ علماء اور فقہاء بھی بلائے گئے مگر وہ اس وقت تک مسجد میں داخل نہیں ہوئے جب تک کہ ان کو یقین نہ دلایا گیا کہ اس میں اس خزانہ کی ایک پائی بھی صرف نہیں کی گئی جو اتفاقاً ملا ہے اور جو مسلمانوں کی کمائی کا نہیں ہے۔ اسی جامع میں علامہ محمد بن ربیع نے حدیث کا درس شروع کیا۔ ابن طولون اور اس کے بیٹے بھی معمولی طلباء کی طرح آکر شریک ہوتے تھے۔

واقعہ عمری

ابن صوفی علوی جس کی بابت ہم لکھ چکے ہیں کہ الواحات کی طرف بھاگ گیا تھا پھر وہاں سے ایک فوج لے کر اشمونین کی طرف آیا۔ ابن طولون نے مدافعت کے لئے لشکر بھیجا لیکن اس سے پہلے ابو عبدالرحمن نے جو حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے تھے ایک جماعت کے ساتھ اس کو وہاں سے مار کر بھگا دیا۔ اس نے اسوان میں جا کر لوٹ مار شروع کی ۔ ابن طولون نے اس طرف فوج بھیجی جس کے خوف سے وہ قلزم کی طرف آیا اور بھاگ کر مکہ پہنچا۔ والی مکہ نے گرفتار کر کے مصر بھیج دیا۔ ابن طولون نے کچھ دن قید رکھا پھر چھوڑ دیا۔ وہ مدینہ چلا آیا اور وہیں مر گیا۔

ادھر عمری کی جمعیت بڑھ گئی اور کثرت سے لوگ ان کے تابع ہو گئے ۔ ابن طولون نے شبہ بیگی کی ماتحتی میں لشکر بھیجا۔ عمری نے اس سے کہا کہ غالباً ابن طولون کو میرا حال معلوم نہیں ہوا۔ میں بغاوت یا فساد کے لئے نہیں کھڑا ہوا ہوں۔ نہ مجھ سے کسی

مسلمان یا ذمی کو اذیت پہنچی ہے۔ میرا مقصد صرف اہل نوبیا کے ساتھ جہاد ہے جو مسلمانوں پر حملے کرتے رہتے ہیں۔ لہذا امیر کو تم میرا حال لکھ دو۔ اگر وہ تم کو واپس بلائے تو چلے جانا۔ ورنہ پھر معذور مجھے جاؤ گے۔ اس نے یہ منظور نہ کیا اور جنگ کی۔ آخر کار شکست کھائی جب لوگوں نے ابن طولون سے یہ حقیقت بیان کی تو وہ شبہ بگی پر بہت برہم ہوا اور کہا کہ مجھے کیوں نہ لکھا۔ تمہارے اسی عناد کی وجہ سے عمری نے فتح پائی۔ اسی درمیان میں عمری کے دو غلام ان کے سر لئے ہوئے آئے۔ ابن طولون نے پوچھا کہ تم نے اپنے آقا کو کیوں قتل کر ڈالا۔ بولے کہ آپ کی خوشنودی کے لئے اس نے کہا کہ اس جرم کے ارتکاب پر تم قتل کے مستحق ہو۔ چنانچہ ان سے قصاص لیا اور سر کو غسل دے کر احترام کے ساتھ دفن کرایا۔ اس واقعہ کے دوسرے سال محمد بن فاراب فرغنی اہل برقہ کو ساتھ لے کر باغی ہو گیا۔ ابن طولون نے اپنے غلام لولو کی ماتحتی میں فوج بھیجی جس نے اس کی بغاوت فرو کی۔

موفق کی عداوت

اس زمانہ میں معتمد خلیفہ تھا اور اس کا بھائی موفق سپہ سالار جو سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ اس کے پاس خبریں پہنچیں کہ ابن طولون نے شاہانہ شان و شوکت پیدا کر لی ہے۔ موفق نے اس کو معزولی کی دھمکی دی۔ ابن طولون کی طرف سے بھی جواب سخت گیا۔ اس نے موسیٰ بن بغا کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ ابن طولون مقابلہ کی تیاری کرنے لگا اور ایک قلعہ بنانا شروع کیا۔ جس میں علاوہ عملہ اور مزدوروں کے تمام فوج اور امراء اور خود بھی دن رات کام کرتا تھا۔ بغدادی فوج مقام رقعہ میں پہنچ کر رسد کی کمی سے رک گئی۔ دس مہینہ تک وہیں پڑی رہی اور آخر کار وظائف نہ ملنے کی وجہ سے واپس چلی گئی۔ جس دن یہ خبر مصر میں پہنچی اسی دن ابن طولون نے قلعہ کی تعمیر بند کر دی جس کو جو کچھ پیشگی دے دیا تھا سب معاف کر دیا اور اس شکریہ میں کہ اللہ تعالیٰ نے بلاجنگ نجات دے دی بہت کچھ صدقہ اور خیرات تقسیم کیا۔

شام کی ولایت

سواحل شام پر رومیوں کے سلسلہ وار حملے ہوتے تھے۔ خلیفہ کے پاس مدافعت کی طاقت نہ تھی اس نے مجبوراً ۲۶۳ھ میں ابن طولون کو طرسوس کی ولایت کا فرمان بھیج کر ان کے مقابلہ کے لئے مامور فرمایا۔ اس نے جا کر سرحد کو محفوظ کیا اور سارے ملک شام پر قابض ہو گیا۔ اب اس کی سلطنت برقہ سے ساحل فرات تک پہنچ گئی اور خلیفہ عباسی کے پاس صرف عراق۔ جزیرہ اور اہواز تین صوبے رہ گئے۔ موفق اس زمانہ میں حبشیوں کی جنگ میں مصروف تھا۔ ابن طولون نے موقع کو غنیمت سمجھ کر جہاں تک ہو سکا اپنی قوت بڑھائی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ خلیفہ موفق کے استبداد سے تنگ ہے اس لئے تحفے و ہدیئے بھیج کر درخواست کی کہ آپ مصر میں آ جائیے۔ وہ سامرا سے روانہ بھی ہوا لیکن موفق کو خبر لگ گئی اور اس نے روک لیا۔ اب موفق ابن طولون کے اور زیادہ خلاف ہو گیا اور خلیفہ سے اس پر لعنت بھیجنے کا حکم لکھوایا اس نے بادل ناخواستہ لکھا کیونکہ وہ ابن طولون کا طرف دار تھا۔

عباس کی بغاوت

ابن طولون جس وقت شام کی طرف گیا تھا۔ مصر میں اپنے بیٹے عباس کو اپنی جگہ چھوڑ گیا تھا۔ جب واپس آیا تو معلوم ہوا کہ عباس بغاوت کی تیاری میں ہے خزانہ کی کل رقم جو بیس لاکھ دینار تھی اپنے قبضہ میں کر لی ہے۔ مزید برآں تین لاکھ دینار قرض بھی لئے ہیں اور جنگ کے ارادہ سے برقہ میں جا کر فوجیں مرتب کر رہا ہے ابن طولون نے اس کو سمجھانے کی بہت کوشش کی جب وہ راہ پر نہ آیا تو فوج بھیجی وہ اپنے ساتھیوں کے مشورہ سے افریقہ کی طرف چلا گیا۔ وہاں اغالبہ اور ان کے عمال سے لڑائیاں کیں۔ آخر میں ہزیمتیں اٹھا کر اور مال و متاع اور فوج کو تباہ کر کے برقہ میں آیا۔ وہاں کے والی نے گرفتار کر کے بھیج دیا۔ ابن طولون نے اس کے مشیروں کو سخت سزائیں دیں اور اس کو سو کوڑے لگوائے۔ مگر رقت اور شفقت سے آنسو خود اس کی آنکھوں سے جاری تھے پھر قید کر

دیا۔

وفات

۲۰ ذیقعدہ شب یکشنبہ کو ۲۷۰ھ میں احمد بن طولون نے وفات پائی ۔ شجاعت اور عدل میں مشہور تھا۔ نہایت متواضع اور مردم شناس، علم دوست اور فیاض تھا۔ دستر خوان عام تھا۔ شکریہ اور نذر کے علاوہ روزانہ صدقے اور خیرات دیتا اور ہر ہفتہ میں تین ہزار دینار ہواؤں ۔ مسکینوں اور یتیموں کو تقسیم کراتا۔ ایک بار متولی صدقات ابراہیم نے کہا کہ بعض وقت ارباب استحقاق کا پہچاننا بہت دشوار ہوتا ہے کیونکہ برقعہ کے نیچے سے حنائی ہاتھ نکلتے ہیں جن کی کلائیوں میں مزرکش آستینیں اور مرصع کنگن اور انگلیوں میں طلائی انگوٹھیاں ہوتی ہیں۔ ابن طولون نے جواب دیا کہ جو ہاتھ پھیلائے اس کو دو۔ حافظ قرآن اور خوش آواز تھا۔ تلاوت بڑے ذوق سے کرتا تھا ۱۷بیٹے اور ۱۳ بیٹیاں چھوڑیں۔

خمارویہ

ابن طولون کے بعد اس کا بیٹا خمارویہ تخت نشین ہوا۔ سب لوگوں نے بیعت کی مگر دمشق کے والی نے انکار کیا۔ مصری فوجوں نے جا کر اس کو شکست دی وہ شیزر کی طرف بھاگ گیا۔ خمارویہ نے سب سے پہلے اسکندریہ کے بطریق کو قید خانہ سے رہا کیا جس کو ابن طولون نے ایک موعودہ رقم ادا نہ کرنے کی وجہ سے محبوس کیا تھا اس کی وجہ سے مصری عیسائی اس سے بہت خوش ہو گئے۔ خلیفہ کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے ۔ تخت پر آتے ہی اس کے لئے بیس خچر اشرفیوں سے لدے ہوئے دس غلام ۔ دو صندوق زیور ۔ ۱۷ راس اسپ مع طلائی ساز ۔ ۳۷ شتر جن کے جھول زربفت کے تھے ۔ سواری کے پانچ خچر اور ایک زرافہ بیس سواروں کے ساتھ جن کی قبائیں ریشمی اور کریں مرصع بجواہر تھیں بھیجا۔ مزید تقریب کے لئے اپنی بیٹی قطرالندیٰ خلیفہ معتضد کے ساتھ بیاہ دی اس کو جہیز میں اس قدر ساز و سامان دیا جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی ۔ اس کے بیٹھنے کے لئے سونے کا ایک تخت بنوایا تھا جس کے چاروں گوشوں پر مرصع ستون تھے ۔ ان پر جالی دار طلائی قبہ تھا۔ جس کے ہر ہر حلقہ میں ایک ایک بڑا موتی سونے کے تاک میں لٹکتا تھا۔ جوڑوں کی قیمت کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک ہزار ازار بند ایسے دیئے تھے جن کا صرفہ ۱۲ہزار دینار تھا۔ رخصتی کے وقت مصر سے بغداد تک ہر منزل پر اپنے محل کے مشابہ ایک قصر تعمیر کرا کے آلات و فروش وغیرہ سے آراستہ کرا دیا تھا۔ عروس جو نرم رفتار سے لاتے تھے اور قصر میں اتار دیتے تھے ۔ اس طرح پر مصر سے بغداد تک گویا وہ برابر اپنے باپ ہی کے گھر میں قیام کرتی چلی آئی ۔ آغاز محرم ۲۸۲ھ میں بڑی شان کے ساتھ بغداد میں اس کا داخلہ ہوا۔

خمارویہ کو درختوں اور جانوروں کا بڑا شوق تھا۔ اس نے قصر شاہی کو بڑھا کر ایک بڑا میدان اس کے اندر داخل کر لیا۔ جس میں قسم قسم کے درختوں کے تختے رنگ برنگ کے پھولوں کے چمن لگائے اور طرح طرح کے خوشنما اور خوش آواز پرند منگا کر ان میں رکھے۔ اسی طرح ایک بڑے احاطہ میں ہر قسم کے جنگلی جانور خاص کر درندے فراہم کئے ۔ شیروں اور چیتوں سے اس کو ایسی دلچسپی تھی کہ دربار میں بھی ہمیشہ اپنے سامنے بندھوائے رکھتا تھا۔ ان میں سے بعض بعض اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ کھلے ہوئے اس کے پیچھے گھومتے تھے۔

محل کی دیواروں کو لاجور و محلول اور طلا اور مختلف قسم کی چوبیں تصویروں سے آراستہ کیا تھا اور اپنے سونے کے لئے ایک خاص حوض بنوایا تھا جس میں پارہ بھر دیا تھا اس کے دونوں کناروں پر ریشم کی ڈوریاں چاندی کے کڑوں میں بندھی ہوئی تھیں جن کے اوپر چرمی گدا ہوا سے بھر کر ڈال دیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس کو کم خوابی کی شکایت تھی ۔ طبیب نے بتلایا کہ چپی سے نیند آ جائے گی۔ اس نے کہا کہ میری طبیعت گوارا نہیں کر سکتی کہ کوئی بدن پر ہاتھ رکھے ۔ اس وجہ سے یہ صورت اختیار کی ۔ کیونکہ پارہ

برابر حرکت میں رہتا تھا جس سے نیند آ جاتی تھی۔

خمارویہ ۲۸۳ھ میں مقتول ہوا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اس کے ایک خادم اور محل کی کسی کنیز میں اس قسم کے تعلقات کا انکشاف ہوا۔ جس سے یہ ان پر سخت برہم ہوا۔ انہوں نے اپنی جان کے خوف سے سازش کر کے رات کو سوتے میں ذبح کر ڈالا۔

جیش بن خمارویہ

خمارویہ کے بعد اس کے بیٹے ابو العساکر جیش کے ہاتھ پر امارت کی بیعت ہوئی مگر اس کی کم سنی کی وجہ سے حاکم شام طغج بن جف نے بیعت سے انکار کیا۔ مصری فوجیں بھی اس کے ہم خیال ہو گئیں۔ اور ہنگامہ برپا کر کے اس کو قتل کر دیا۔ محل بھی لوٹ لیا اور شہر میں آگ لگا دی۔ پھر ہارون کو تخت پر بٹھایا۔

ہارون بن خمارویہ

ہارون کو چونکہ امراء فوج نے بادشاہ بنایا تھا اس لئے وہ اس کو اپنا احسان مند سمجھتے تھے اور اس کے حکموں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ خلیفہ معتضد نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر لشکر کشی کی۔ جب شہر امیدہ میں پہنچا تو وہاں کے عامل محمد بن احمد نے اطاعت قبول کر لی۔ ہارون کو خطرہ ہوا۔ اس نے خلیفہ کو لکھا کہ میں فرمانبردار ہوں اور ولایت طرسوس بطور نذر پیش کرتا ہوں۔ معتضد نے خوشی سے قبول کیا اور طرسوس کو قبضہ میں لایا۔ پھر قنسرین اور عواصم بھی اس سے نکال لیا اور اس کی ولایت شام اور مصر پر محدود کر دی وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ سالانہ چار لاکھ دینار خزانہ خلافت میں بھیجا کرے۔

معتضد کے بعد مکتفی خلیفہ ہوا۔ اس نے ۲۹۲ھ میں محمد بن سلیمان کے ساتھ ایک فوج بھیجی کہ شام و مصر پر قبضہ کر لے۔ محمد نے جا کر شام پر تسلط قائم کیا پھر مصر کی طرف بڑھا۔ یہاں فوجیں متحد نہ تھیں۔ اس وجہ سے ہارون مقابلہ میں ناکام رہا اور ۱۸ صفر سنہ مذکور میں قتل کیا گیا۔

اس کے بعد بعض امیروں نے اس کے چچا شیبان احمد کو امیر بنایا لیکن عوام نے بیعت نہیں کی۔ اب مصر طولونی قبضہ سے جو ۳۷ سال ۷ ماہ اور ۲۰ یوم رہا نکل کر پھر عباسی خلافت کے ماتحت آ گیا۔

دولت عباسیہ ثانیہ

۲۹۲ھ سے ۳۲۳ھ تک

مکتفی نے عیسیٰ نوشری کو مصر کا امیر بنایا۔ تین سال کے بعد مقتدر خلیفہ ہوا۔ اس نے بھی عیسیٰ مذکور کو اپنے عہدہ پر قائم رکھا۔ ۲۹۷ھ میں عیسیٰ نے انتقال کیا اس کی جگہ پر تکین خزری مقرر ہوا۔ اس کے زمانہ میں عبیداللہ فاطمی مہدی کی طرف سے حباسہ بن یوسف نے آکر برقہ پر قبضہ کر لیا اور ایک لاکھ سے زیادہ سوار لئے ہوئے محرم ۳۰۲ھ میں اسکندریہ کی طرف بڑھا۔ تکین کی امداد کے لئے بغداد سے فوجیں آئیں۔ سخت ہولناک جنگ ہوئی جس میں فریقین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ آخر کار حباسہ کامیاب نہ ہو سکا اور واپس چلا گیا۔ خلیفہ بغداد نے اس کے بعد تکین کی جگہ پر زکاروی کو مقرر کیا۔ اس کے عہد میں ۸ صفر ۳۰۷ھ میں فاطمی خلیفہ نے ابوالقاسم کی ماتحتی میں ایک لشکر گراں بھیجا رکا اس اثنا میں مر گیا۔ اس لئے مقابلہ پر تکین خزری مامور ہوا۔ بغداد سے تین لاکھ فوج لے کر مونس خادم بھی پہنچ گیا تھا۔ مقام الفیوم اور اسکندریہ میں سخت لڑائیاں ہوئیں اور ابوالقاسم بھی بے نیل مرام پلٹ گیا۔ دوسرے سال تکین نے وفات پائی۔ اس کا بیٹا محمد بلا حکم خلافت کے والی بن بیٹھا۔

مقتدر کی وفات کے بعد ۳۲۰ھ میں قاہر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی اس نے محمد بن طغج کو مصر کی ولایت دی مگر وہ اس وقت نہ جا سکا۔ اس وجہ سے محمد بن کیغلغ بھیجا گیا۔ ۳۲۲ھ میں راضی باللہ نے پھر ابن طغج کو فرمان دیا وہ مصر کی طرف آیا۔ احمد نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور بھاگ کر خلیفہ فاطمی کے پاس چلا گیا۔ محمد بن طغج نے مصر کی ولایت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے عہد میں فاطمی فوج نے آکر اسکندریہ لے لیا۔ دولت عباسیہ اس وقت ایسی کمزور ہو گئی تھی کہ قرمطی شام اور عرب کے ایک حصہ پر قابض ہو رہے تھے۔ سامانیوں کی ریاستیں خراسان میں مستقل ہو چکی تھیں۔ آل بویہ فارس پر متغلب تھے۔ حمدانی جدہ اور دیار پر یہ دیکھ کر ابن طغج نے بھی مصر میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

دولت اخشیدی

۳۲۳ھ سے ۳۵۸ھ تک

ابو بکر محمد بن طغج ملوک فرغانہ کی نسل سے تھا۔ معتصم کے زمانہ میں جب ترکوں کی آمد شروع ہوئی تو ان کی زبانی خلیفہ کو معلوم ہوا کہ ترکستان میں ایک رئیس جف نامی نہایت قوی اور بہادر ہے۔ معتصم نے اس کو طلب کیا اور جب وہ پہنچا تو نہایت اکرام کے ساتھ رکھا اور جاگیر عطا کی۔ جف سامرا میں رہا: وہیں اس کی اولاد پیدا ہوئی۔ ۲۴۷ھ میں جس دن متوکل مارا گیا اس کا بھی انتقال ہو گیا اس کے بعد اس کا بیٹا طغج بن طولون کے غلام لولو کے پاس آگیا جو اس وقت جزیرہ میں تھا۔ خمارویہ نے اس کو پسند کر کے اپنے حشم کا سرخیل بنایا اور طبریہ کی امارت بخشی۔ اس کے قتل ہو جانے کے بعد طغج کو خلیفہ مکتفی نے اپنے پاس بلا لیا اور خلعت و انعام سے سرفراز فرما کر درباریوں میں داخل کیا۔ اس زمانہ میں عباس بن حسین وزیر تھا طغج کے ساتھ اس کو عداوت ہو گئی اور اس نے اس کو معہ اس کے بیٹے محمد کے قید کرا دیا۔ طغج قید خانہ ہی میں مر گیا لیکن محمد کو رہائی ملی جس نے اپنے بھائی عبیداللہ کی مدد سے ۲۹۶ھ میں وزیر عباس سے اپنے باپ کا بدلہ لیا اور بھاگ کر بادیہ شام میں تکین خزری کے پاس چلا گیا وہاں بعض معرکوں میں شہرت حاصل کی۔ ۳۰۶ھ میں قافلہ حجاج کو رہزنوں کے حملہ سے بچایا۔ خلیفہ مقتدر نے اس پر خوش ہو کر خلعت بھیجا۔ ۳۱۶ھ میں تکین سے ناموافقت ہو جانے کے باعث رملہ میں گیا۔ مقتدر نے جب سنا تو ۳۱۸ھ میں رملہ کی امارت کا فرمان اس کے نام لکھ دیا۔

۳۲۱ھ میں قاہر نے اس کو مصر کی ولایت دی مگر وہ جا نہ سکا۔ دوبارہ ۳۲۳ھ میں راضی باللہ نے فرمان بھیجا اس وقت وہاں پہنچا اور امارت پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے استقلال کا اعلان کر دیا۔ خلیفہ نے بھی مجبوراً اس کے استقلال کو تسلیم کیا اور ۳۲۷ھ میں اس کو اخشید کا لقب دیا۔ جس کے معنی فرغانی زبان میں شاہنشاہ کے ہیں۔ استقلال کے بعد اس نے شام پر بھی قبضہ کر لیا۔ بغداد کے امیر الامراء محمد بن رائق نے ۳۲۸ھ میں اس پر فوج کشی کی۔ پہلے شام میں جا کر اس کے عامل بدر کو شکست دی پھر مصر کی طرف بڑھا۔ فرما میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ بعض امیروں نے بیچ میں پڑ کر اس طرح صلح کرا دی کہ اخشید مصر سے رملہ تک قابض رہے اور دمشق سے دست بردار ہو جائے جس کا دس ہزار سالانہ خراج اس کو ملتا رہے دونوں فریق اس پر راضی ہو گئے۔ ۳۳۰ھ میں راضی نے انتقال کیا اور اس کا بھائی متقی خلیفہ ہوا۔ اس نے بھی اخشید کی امارت کو سابقہ قرارداد کے مطابق بحال رکھا۔ جب ناصر الدولہ بن حمدان والی موصل نے امیر الامرائی حاصل کرنے کے خیال سے ابن رائق کو قتل کر ڈالا۔ اس وقت اخشید نے پھر دمشق پر قبضہ کر لیا۔

۳۳۳ھ میں ناصر الدولہ کے بھائی سیف الدولہ نے حلب پر چڑھائی کی۔ جو اخشید کے زیر حکومت تھا۔ اخشید نے اپنے غلام کافور کے ساتھ فوج بھیجی مگر سیف الدولہ نے شکست دے دی اور حلب کے بعد حمص پر بھی قبضہ کر لیا اور دمشق کی طرف بڑھا۔ قنسرین میں طرفین نے صف آرائی کی لیکن جنگ میں کوئی ایک دوسرے پر غالب نہ آسکا۔ آخر کار اس بات پر مصالحت ہوئی کہ دمشق تک اخشیدی حکومت رہے اور حمص و حلب وغیرہ پر حمدانی قابض ہوں۔ ۳۳۴ھ میں ۱۱ سال تین ماہ حکومت کرنے کے بعد محمد بن طغج اخشیدی نے وفات پائی۔ مدبر اور شجاع تھا اور لشکر کا شیدائی۔ کم و بیش چار لاکھ فوج مرتب کی تھی۔

انوجور بن اخشید

اخشید کے بعد اس کا بیٹا انوجور تخت نشین ہوا۔ چونکہ کم سن تھا اس وجہ سے مہمات سلطنت غلام کافور کے ہاتھ میں تھے جو فرزانہ اور منتظم تھا۔ سیف الدولہ نے اخشید کی موت کی اطلاع پاتے ہی دمشق پر آکر قبضہ کر لیا۔ کافور نے جاکر اس کو نکالا اور بدر اخشیدی کو وہاں کا حاکم وار مقرر کر کے واپس آیا۔ ۳۴۰ھ میں شاہ نوبیا نے مصر پر حملہ کیا۔ کافور نے ایسی شکست دی کہ اصوان سے بھاگ کر ۱۵۰ میل پر جاکر دم لیا۔ ۸ ذی قعدہ ۳۴۹ھ میں انوجور نے انتقال کیا۔

علی بن اخشید

انور جور کی جگہ اس کا بھائی علی بادشاہ ہوا۔ اس کے عہد میں مصر میں سخت قحط پڑا اور اندرونی نزاعات کی وجہ سے فوجی طاقت گھٹ گئی۔ ۳۵۵ھ میں وہ مر گیا۔

کافور اخشیدی

یہ ایک حبشی غلام تھا جس کو اخشید نے ۳۱۲ھ میں کسی مصری رئیس سے خریدا تھا چونکہ بعض معرکوں میں اس نے شہرت حاصل کی اس وجہ سے اخشید کی اولاد کا اتالیق ہو گیا۔ علی کے مرنے کے بعد اس کے ہاتھ پر امارت کی بیعت ہوئی۔ خلیفہ مطیع کا عہد تھا اس نے بھی تسلیم کر لیا اس کی عظمت و شان اس قدر بڑھ گئی کہ مصر کے علاوہ حجاز اور شام میں خطبوں میں اس کا نام بھی خلیفہ کے نام کے ساتھ لیا جانے لگا۔ دو سال ۴ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۰ جمادی الاول ۳۵۷ھ میں گذر گیا اس کی کنیت ابو المسک تھی اور چہرہ سخت مشکیں۔ غالباً یہ مصرع کسی فارسی شاعر نے اسی کے نام کی مناسب سے موزوں کیا ہے۔

بر عکس نہند نام زنگی کافور

لیکن باوجود حبشی ہونے کے نہایت رعب دار تھا اور اہل علم و صلاح کی توقیر کرتا تھا۔ ابو جعفر مسلم بن عبداللہ بن طاہر علوی کا بیان ہے کہ ایک بار کافور کے ساتھ ہم چند آدمی سوار ہو کر سیر کو نکلے۔ راستہ میں کوڑا اس کے ہاتھ سے گر گیا میں نے فوراً اتر کر اٹھا لیا اور اس کو دے دیا۔ کہنے لگا۔ "اللہ اکبر" اس رتبہ پر پہنچنے کی مجھے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی میں تو ایک زر خرید غلام ہوں یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ واپسی کے بعد جب میں گھر آیا تو اس نے شکریہ میں اپنے غلاموں کے ہاتھ میرے پاس گھوڑے اور خچر مال و متاع سے لدے ہوئے بھیجے جن کی قیمت پندرہ ہزار دینار سے کم نہ تھی۔ مصر میں کسی واعظ نے اپنے وعظ میں کہا کہ دینار کی خواری دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے لوگوں کو اس کا مالک بنا رکھا ہے بغداد میں معزوالدولہ دیلمی ہے۔ وہ مشلول اور مصر میں کافور اخشیدی ہے وہ خصی۔ یہ بات کافور تک پہنچی۔ ہنسا اور کہا کہ اس واعظ سے میں ایک بار سختی سے پیش آیا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے ایسا کہا پھر بلا کر اس کو ایک رقم دے دی اس کے بعد میں وہ اپنے وعظ میں کہا کرتا تھا کہ حام کی اولاد میں سے صرف تین شخص کامل نکلے۔ لقمان حکیم۔ حضرت بلال مؤذن رسول اللہؐ اور کافور اخشیدی خلد اللہ ملکہ، و سلطانہ۔ سیف الدولہ والی موصل کا مداح خاص عربی کا مشہور شاعر متنبی آخر میں اس کے دربار سے خفا ہو کر کافور ہی کے دربار میں چلا آیا تھا اور اس کی مدح نیز ہجو میں متعدد قصیدے لکھے جو اس کے دیوان میں ہیں۔

احمد بن علی

کافور کے بعد اخشید کا پوتا احمد امیر بنایا گیا جس کا سن صرف ۱۱ سال کا تھا۔ شامیوں نے اس کی امارت تسلیم نہیں کی اور حسن اخشیدی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ قرامطہ کا اس زمانہ میں زور تھا انہوں نے حسن کو شکست دے کر شام پر قبضہ کر لیا۔ حسن اپنی فوجیں

لے کر بھاگا ہوا مصر آیا کہ احمد سے امارت چھین لے ۔ یہ باہمی خلفشار دیکھ کر بعض اراکین دولت نے خلیفہ فاطمی معزالدین اللہ کو قبضہ مصر کی دعوت دی جو اسی تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے غلام جوہر صقلی کے ساتھ ایک فوج بھیجی جس نے ۳۵۸ھ میں آکر بلا مقابلہ مصر کو لے لیا۔

دولت فاطمیہ

۳۵۸ھ سے ۵۶۷ھ تک

۲۶۹ھ سے شمالی غربی افریقہ میں فاطمی دعوت کا آغاز ہوا اور فاس کے متصل کتامہ میں ابو محمد عبیداللہ نے اپنی مہدویت کا اعلان کیا۔ جس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ امام جعفر صادق کے بیٹے اسمٰعیل کی اولاد میں ہے اور فاطمی علوی ہونے کی وجہ سے امامت کا اصلی حقدار ہے ۔ رفتہ رفتہ اس نے غلبہ حاصل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ۲۸۰ھ میں قیروان (مرکز افریقہ) کو بھی فتح کر لیا۔ ۲۹۵ھ میں جب اس کی قوت بڑھ گئی اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا

مہدی کی نگاہیں مصر کے زرخیز خطہ پر لگی ہوئی تھیں جس کو وہ اپنا مرکز بنانا چاہتا تھا لیکن اس کو لینے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اس وجہ سے قیروان کے متصل مہدیہ آباد کر کے فتح مصر تک اسی کو اپنا عارضی دار الخلافہ قرار دیا۔ ۳۰۱ھ کے آخر میں حباسہ کی قیادت میں مصر پر فوج بھیجی لیکن امیر مصر تکین خزری نے جس کی امداد کے لئے خلیفہ بغداد نے فوجیں بھیج دی تھیں اس کو شکست دے دی۔ ۳۰۷ھ میں پھر ابوالقاسم کی ماتحتی میں لشکر بھیجا۔ مگر وہ بھی شکست کھا کر واپس آگیا۔ ۳۲۲ھ میں عبیداللہ مہدی نے انتقال کیا اور اس کا بیٹا ابوالقاسم محمد قائم بامراللہ خلیفہ ہوا۔ یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ مصر کا آرزومند تھا اسی سال بغداد میں راضی باللہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی جس نے محمد بن طغج کو مصر کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے وہاں جا کر احمد کیغلغ کو نکال دیا۔ وہ بھاگ کر قائم بامراللہ کے پاس پہنچا اور فتح مصر کے لئے اس کو آمادہ کیا اس نے ایک لشکر گراں بھیجا۔ ابن طغج نے ہر چند مدافعت کے لئے غربی حدود پر قلعے اور مورچے بنوائے لیکن فاطمی لشکر نے آکر اسکندریہ فتح کر لیا۔

(۱) معزالدین اللہ

۳۵۸ھ سے ۳۶۵ھ تک

۳۵۸ھ میں دولت اخشیدی کے خاتمہ پر قائم بامراللہ کا بیٹا ابو تمیم معد معزالدین اللہ کے لقب سے مہدیہ میں خلیفہ تھا جو برقہ سے مراقش تک اور مالٹہ سارڈینیہ۔ صقلیہ۔ نیز اکثر جزائر بحر متوسط پر قابض ہو چکا تھا۔ اس نے موقع دیکھ کر اپنے غلام جوہر کو جس نے فاس اور سجلماسہ وغیرہ کی فتوحات سے بڑی عظمت حاصل کر لی تھی ایک لاکھ سوار اور بے شمار مال و متاع اور ساز و سامان دے کر فتح مصر کے لئے روانہ کیا۔ مصر اس زمانہ میں سخت قحط میں مبتلا تھا جس میں تقریباً چھ لاکھ آدمی مر گئے تھے اور کوئی طاقت بھی وہاں موجود نہ تھی علاوہ بریں بہت سے امراء مصر فاطمی قبضہ کے خواہاں تھے اس لئے کوئی مدافعت نہیں ہوئی اور جوہر آکر قابض ہو گیا۔ ۱۲ شعبان ۳۵۸ھ کو امراء وزراء علماء و قضاۃ نے فسطاط کے دروازہ پر اس کا استقبال کیا جمعہ کے دن اس نے جامع عمرو بن عاص میں فاطمی کے نام کا خطبہ پڑھا۔ عباسی سیاہ شعار کو اٹھا کر فاطمی سفید شعار مقرر کیا (بنی امیہ کا سبز شعار تھا)۔ اور اذان میں "حی علی خیر العمل" پکارنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بغداد کے نقشہ پر قاہرہ کی داغ بیل ڈالی۔ وسط میں خلیفہ کے لئے دو عظیم الشان قصر بنوائے اور جامع ازہر تعمیر کرائی۔

جب مصر پر تسلط ہو گیا تو جعفر بن صلاح کتامی کو فوج دے کر شام کی طرف بھیجا اس نے وہاں قبضہ کر کے سب سے فاطمی خلافت کی بیعت لی جو لوگ مخالف تھے ان کو گرفتار کر کے مصر بھیج دیا۔ ان فتوحات کے بعد جوہر نے معز کو مصر میں آنے کی دعوت دی وہ ۵ صفر ۳۶۲ھ میں مہدیہ سے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں میں قیام و شکار و سیر و تفریح کرتا ہوا ۲۴ شعبان کو اسکندریہ میں داخل ہوا جہاں جملہ طبقات کے لوگ اس کے استقبال کے لئے حاضر تھے۔ مجمع کے سامنے ایک طویل تقریر کی جس میں یہ کہا کہ مصر کے قبضہ سے زیادتی مال یا توسیع ملک ہم کو مقصود نہیں ہے بلکہ اقامت حق اور جہاد فی سبیل اللہ مد نظر ہے۔

معز اسکندریہ سے جیزہ میں آیا جہاں جوہر نے معہ فوج کے سلامی ادا کی۔ ۵ رمضان کو قاہرہ میں داخل ہوا اور قصر کبیر میں ایک عام جشن کیا جس میں لوگوں نے جمع ہو کر خوشی منائی اور اس کو مبارک باد دی۔ اس وقت سے قاہرہ کو دارالخلافہ قرار دیا۔ قصر کبیر کا ایک حصہ گورستان کے لئے مخصوص کر کے اس میں اپنے آباء و اجداد کو دفن کرایا جن کی نعشوں کے تابوت اپنے ساتھ لایا تھا اس کے بعد سے خاندان خلافت کے جملہ اموات اسی میں دفن ہوتے رہے اور یہ قبرستان تربت زعفران کے نام سے مشہور ہوا۔ مصر میں سب سے پہلا مقدمہ جو اس کے سامنے پیش ہوا یہ تھا کہ کافور اخشیدی کی بیوی نے ایک یہودی پر دعویٰ کیا کہ میں نے موتی کی ایک قبا جو سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی اس کے پاس امانت رکھی تھی اب یہ انکار کرتا ہے معز نے خانہ تلاشی کا حکم دیا۔ یہودی نے دیگ میں رکھ کر زیر زمین دفن کر دیا تھا سرکاری سپاہیوں نے برآمد کر لی مل جانے کے بعد اس عورت نے وہ قبا بطور نذر کے خلیفہ کے سامنے پیش کی لیکن اس نے ایک بیوہ کا مال لینا گوارا نہ کیا۔۔۔ تمام حاضرین نے اس کے اس فعل کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

۳۶۳ھ میں قرامطہ نے حسن بن احمد کی قیادت میں مصر پر چڑھائی کی۔ معز نے ان کو لکھا کہ تم ہماری ہی امامت کی دعوت کو

لے کر کھڑے ہوئے تھے اب جب اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کو پورا کر دیا اور اہل بیت کو خلافت دے دی تو بجائے حمایت کرنے کے مخالفت پر کیوں آمادہ ہو گئے مگر قرامطہ نے اس کی بات نہ سنی اور جنگ کے لئے بڑھے ۔ حسن کا خیال یہ تھا کہ اس جدید طاقت کو جس نے ابھی تک رسوخ حاصل نہیں کیا ہے نکال کر اپنی بادشاہت قائم کر لے ۔ معزان کی کثرت اور قوت سے سخت متردد ہوا۔ آخر وزیروں نے یہ تدبیر کی کہ حسان بن جراح عربی رئیس کو جو شام کے ایک حصہ کا امیر تھا اور قرمطیوں کے ساتھ ایک قوی جمعیت لے کر آیا تھا ایک لاکھ دینار دے کر توڑ لیا۔ چنانچہ مقابلہ کے دن اس نے میدان چھوڑ دیا حسن کی فوج یہ دیکھ کر بددل ہو گئی اور شکست کھا کر بھاگی۔ ابو محمد ابراہیم ان کے تعاقب میں بھیجا گیا جس نے بہتوں کو قتل کیا اور تقریباً ڈیڑھ ہزار کو پکڑ لایا جن کی گردنیں ماری گئیں۔

مصر میں خلافت فاطمیہ کے قیام سے جو قوی اور تازہ دم تھی عباسی خلفاء کا رتبہ گھٹ گیا اور چونکہ وہ مقابلہ سے عاجز رہے اس وجہ سے ان کے نسب پر طعن کرنے لگے تاکہ عوام میں ان کو نامقبول بنا دیں۔ علماء و اعیان و سادات کے دستخط سے ایک محضر تیار کرایا کہ یہ فاطمی نہیں ہیں مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا اس لئے کہ یہ خلافت محض نسب پر نہیں بلکہ طاقت پر قائم ہوئی تھی چنانچہ جس وقت معز قاہرہ میں داخل ہوا اس وقت سرکردہ سادات عبداللہ بن طباطبا نے اس سے اس کے نسب کی بابت سوال کیا بولا کہ میں اس کا جواب مجلس عام میں دوں گا۔ جب مجلس منعقد ہوئی اور جملہ سادات و اشراف جمع ہوئے اس وقت معز نے اپنی تلوار کھینچ لی اور کہا کہ یہ میرا نسب ہے پھر سب کے آگے اشرفیوں کے توڑے ڈال دیئے اور کہا کہ لو یہ میرا نسب ہے سب یک زبان ہو کر بول اٹھے کہ ہم خادم اور غلام ہیں۔ معز نے ۱۱ ربیع الثانی یوم جمعہ ۳۶۵ھ کو انتقال کیا ۔ ۴۵ سال کی عمر تھی اسی دن اس کے بیٹے نزار بن معد ابو منصور کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی اور اس کا لقب عزیز بدین اللہ رکھا گیا۔

(۲) عزیز بدین اللہ

۳۶۵ھ سے ۳۸۶ھ تک

اس کی ولادت ۱۴ محرم ۳۴۴ھ کو مہدیہ میں ہوئی تھی۔ ۲۱ سال کی عمر میں خلیفہ ہوا اس کے عہد میں فاطمی خلافت کا رقبہ اور بھی وسیع ہوا اور مکہ تک پہنچ گیا۔ اس نے کل فوج امیر جوہر کے ہاتھ میں دے دی اور کل سلطنت یعقوب بن یوسف کے جس کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا اور خود عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔ یعقوب منتظم۔ مدبر اور ذی علم تھا۔ اس نے تمام دواوین اور دفاتر باقاعدہ مرتب کئے اور ملک کا سارا انتظام درست کر دیا۔ علماء و فضلاء کا سرپرست تھا اور علوم و فنون کا مربی۔ فقہ اور قرات میں کتابیں بھی تصنیف کی تھیں جن کو ہر جمعہ کے دن خود بیٹھ کر سناتا۔ ۳۸۰ھ میں وفات پائی۔ خلافت فاطمی میں سب سے پہلا وزیر یہی تھا۔

۳۶۴ھ میں معز کے عہد میں ہفتگین شرابی نے جو معزالدولہ احمد بن بویہ کا غلام تھا اور بغداد سے شام میں آکر حمص پر قابض تھا دمشق میں جاکر ریان خادم کو جو فاطمیہ کی طرف سے حکم دار تھا نکال دیا۔ ۳۶۵ھ میں عزیز نے خلیفہ ہونے کے بعد جوہر کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا مگر ہفتگین نے قرامطہ کو ساتھ لے کر اس کو شکست دے دی وہ بھاگ کر عسقلان کے قلعہ میں پناہ گیر ہوا اور محصور ہو گیا۔ آخر میں مجبور ہو کر جو کچھ مال و متاع تھا سب ہفتگین کے حوالہ کر کے جان بچا کر مصر آیا۔ عزیز اب خود فوج لے کر گیا اور سخت جنگوں کے بعد غلبہ حاصل کیا۔ ہفتگین روپوش ہو گیا عزیز نے اعلان کرایا کہ جو اس کو گرفتار کرائے گا اس کو ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا۔ ہفتگین اپنے ایک دوست مفرج بن دغفل طائی کے گھر میں تھا۔ اس نے لالچ میں آکر اطلاع دی اور گرفتار کرا کے انعام حاصل کر لیا۔ مگر عزیز نے بہادری کی وجہ سے ہفتگین کی قدردانی کی اور اس کو اپنے ساتھ مصر لایا اور عزت کے ساتھ رکھا ۔ ۳۷۲ھ میں اس نے وفات پائی۔ یعقوب کے بعد اس نے دو وزیر رکھے ایک عیسائی جس کا نام تھا عیسیٰ بن نسطورس۔ دوسرا یہودی جس کو منشیا کہتے تھے ان دونوں نے اپنی اپنی قوموں کی حمایت شروع کی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے لگے۔ آخر میں شکایات ہوئیں جن سے معزول کئے گئے۔ عیسیٰ سے تین لاکھ دینار تاوان بھی وصول کیا گیا۔ ۲۸ رمضان ۳۸۶ھ میں عزیز نے وفات پائی۔ کریم الطبع اور شجاع تھا۔ شعر اور ادب سے دل چسپی رکھتا تھا۔ جامع ازہر میں اس کے عہد میں جملہ علوم و فنون کی تقریباً دو لاکھ کتابیں جمع کی گئیں۔

(۳) حاکم بامراللہ

۳۸۶ھ سے ۴۱۱ھ تک

عزیز کے بعد اس کا بیٹا ابو علی منصور حاکم بامراللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا گیا اس کا سن ساڑھے گیارہ سال تھا اس وجہ سے ارجوان خادم مدبر دولت قرار پایا۔ اس نے اکثر صوبوں کی امارتوں پر خدام خاص کو بھیج دیا۔ تین سال کے بعد جب وہ مقتول ہو گیا اس وقت حاکم نے عنان حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس کی عقل میں فتور تھا جو آخر دم تک رہا چنانچہ اس کے اکثر احکام و اعمال سے دماغی خلل صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ۳۹۱ھ میں دن کو کاروبار کرنے کی ممانعت کر دی اور حکم دیا کہ رات کو دکانیں کھلیں لوگ اس کے مطابق عمل کرنے لگے خود راتوں کو سڑکوں پر اور گلیوں میں گھوم گھوم کر دیکھتا تھا ایک بار دن کو نکلا دیکھا کہ ایک بڑھے نے دوکان کھول رکھی ہے۔ باز پرس کی اس نے جواب دیا کہ جب دن کو کاروبار ہوتا تھا تو اس وقت بھی تو بعض لوگ کبھی کبھی ضرورت کے موقع پر راتوں کو جاگتے تھے۔ یہ اسی قسم کی دن کی بیداری ہے یہ سن کر مسکرایا اور چلا گیا۔ علم کی اشاعت کے لئے بہت سے مدارس قائم کئے جن کے لئے علماء و فقہاء کو تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد ان کو قتل کرا دیا اور مدرسے بند کرا دیئے۔ عورتوں کے متعلق فرمان شائع کیا کہ نہ وہ باہر نکلیں نہ کھڑکیوں سے جھانکیں نہ حماموں میں جائیں۔ اس میں ایسی سختی کی کہ جب کبھی ان کو حماموں میں دیکھتا تو دروازہ چنوا دیتا اور وہ مع بچوں کے اسی میں تڑپ تڑپ کر مر جاتیں۔

شراب مطلقاً اٹھا دی اور اس کے ظروف تڑوا دیئے شہر کے تمام کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا کارآمد گائے اور بیل کو بجز قربانی کے ذبح کرنا ممنوع قرار دیا۔ مچھلی کا شکار روک دیا اور ان پھلوں اور ترکاریوں کی خرید و فروخت بند کرا دی جو امیر معاویہ یا خلیفہ متوکل عباسی کو پسند تھیں اس بناء پر کہ یہ دونوں اہل بیت کے دشمن تھے قاہرہ کے دربانوں کو حکم دیا کہ نہ شہر میں گدھا آنے پائے نہ باب القاہرہ سے کوئی آدمی داخل ہو۔ عیسائیوں نے اس کے زمانہ میں بہت عروج پا لیا تھا اور مسلمانوں پر ظلم کرنے لگے تھے۔ جب اس کے کان میں اس کی شکایتیں پہنچیں تو ان کے سرغنوں اور رئیسوں کو قتل کر ڈالا۔ اور کنیسے گروا دیے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کا کنیسہ قمامہ بھی منہدم کرا دیا۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ عیسائیوں کے قتل اور کنیسوں کے انہدام کا سبب یہ تھا کہ اس زمانہ میں رومیوں نے شام پر حملے کر کے مسلمانوں کو تاخت و تاراج کیا تھا اور مسجدیں توڑ ڈالی تھیں۔ اس کے انتقام میں حاکم نے ان کے ہم مذہبوں پر سختیاں کیں۔

۳۹۵ھ میں صحابہ کرام کے نام پر گالیاں لکھوا کر مساجد مقابر اور شوارع عام پر لگوائیں۔ اور ہر ہر صوبہ میں بھیجیں۔ لیکن لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے دو برس کے بعد اس کو بند کیا بلکہ اعلان شائع کیا کہ جو اس کا مرتکب ہو گا اس کو سزا دی جائے گی۔ اس زمانہ میں ایک شخص ضرار نامی ظاہر ہوا۔ جس نے ایک جدید شریعت نکالی جس میں نہ نماز تھی نہ روزہ نہ زکواۃ حج کے بدلے یمن میں مقام طالب کی زیارت نکالی تھی اور بہن بیٹی ماں وغیرہ کسی کے ساتھ نکاح حرام نہ تھا۔ ضرار کے ایک شاگرد حمزہ بن احمد نے جس کا لقب ہادی تھا۔ اس کی تبلیغ شروع کی حاکم بھی اس کی نصرت و حمایت کرنے لگا اس کے بعد غیب دانی کا بھی دعویٰ کیا اور کہا کہ

حضرت موسیٰ کی طرح اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی ہم کلام ہوتا ہے۔ چنانچہ روزانہ صبح جبل مقطم پر مناجات کے لئے جاتا تھا۔ اسی زمانہ میں کسی باطنی نے اس کو ایک کتاب لکھ کر دی جس میں یہ بیان تھا کہ روح الہیٰ حضرت آدم میں آئی۔ ان سے حضرت علیؓ میں منتقل ہوئی۔ اب اس کا ظہور حاکم میں ہوا۔ اس بنیاد پر اس نے "خدائی" کا دعویٰ کر دیا اور مساجد میں حکم بھیجا کہ جس وقت خطبہ میں میرا نام لیا جائے تب لوگ سجدہ میں گر جائیں۔ نیز راستوں اور سڑکوں پر سے گزرتا تو لوگوں سے سجدہ کراتا۔ اپنے لقب حاکم بامراللہ کو بدل کر حاکم بامرہ کر دیا تھا۔ جہال کی ایک جماعت نے اس عقیدہ کو تسلیم بھی کر لیا چنانچہ آج بھی جبل دروز کے باشندے اس کی خدائی کے قائل ہیں۔ اہل مصر ان بے دینوں کی وجہ سے اس کے دشمن ہوگئے۔ یہاں تک کہ اس کا مذاق اڑانے لگے اس نے غضبناک ہو کر غلاموں کو حکم دیا کہ شہر میں آگ لگا دیں۔ انہوں نے آتش زنی اور قتل و نہب شروع کیا۔ باشندوں نے مصاحف لے لے کر مسجدوں میں پناہ لی اور اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا۔ آخر ایک ثلث شہر جل جانے کے بعد تیسرے دن یہ عذاب ان کے اوپر سے رفع ہوا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے یہ بھی چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک مدینہ سے قاہرہ میں منتقل کرائے تاکہ اس کا پایہ تخت مقبول عام اور زیارت گاہ خاص و عام بن جائے۔ اس کام کے لئے اپنے ایک امیر ابوالفتوح کو مدینہ میں بھیجا۔ اور وہاں سخت مخالفت ہوئی اور اتفاق سے اسی روز ایک خوفناک آندھی بھی آئی جس کو لوگوں نے اسی ناپاک ارادہ کی نحوست قرار دیا۔ اس وجہ سے ابوالفتوح خوفزدہ ہو کر واپس چلا آیا اور حاکم کو اس کے انجام سے ڈرا کر باز رکھا۔

۴۱۳ھ میں حجرا اسود پر اس کو توڑنے کے لئے جس مصری نے وار کئے تھے وہ بھی اسی کا درباری تھا۔ اس کے کچھ ریزے ٹوٹ کر گرے تھے جس کے آثار اب تک نمایاں ہیں۔

حاکم کے زمانہ میں ایک شخص ابورکوہ نے جو اپنے آپ کو بنی امیہ میں سے کہتا تھا کہ علم بغاوت بلند کیا۔ اس کے ساتھ بڑی جمعیت ہو گئی جس نے حاکم کی فوجوں کو بار بار شکستیں دیں۔ الفیوم کے ناحیہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ آخر میں فضل بن صالح نے سخت لڑائیوں کے بعد اس کو گرفتار کر لیا۔ فضل پر ازراہ قدر دانی بڑی مہربانی کا اظہار کیا۔ وہ بیمار ہوا تو اس کی عیادت کو گیا۔ مگر جب شفا پائی تو قتل کر ڈالا۔

اواخر شوال ۴۱۱ھ میں حاکم مفقود ہو گیا۔ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ عام بیان یہ ہے کہ اس لے اپنی بہن پر تہمت لگا کر اس کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اس نے پتہ پا کر پیش قدمی کی اور اپنے غلاموں سے اس کو قتل کرا دیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ بنی حسن میں سے ایک شخص نے اس کے ملحدانہ خیال دیکھ کر غیرت دینی کے جوش میں جبل مقطم پر جہاں وہ مناجات کے لیئے جایا کرتا تھا پہنچ کر اس کو مارا اور وہیں پیوند زمین کر دیا۔ حاکم کی یادگار جامع حاکی ہے جس کی بنیاد عزیز نے ڈالی تھی۔ مگر تکمیل اس نے کرائی۔ حاکم میں باوجود اس شائبہ جنون کے علمی ذوق بھی تھا۔ چنانچہ اس نے بغداد کے بیت الحکمۃ کے مقابلہ پر اپنے قصر کے متصل دارالحکمۃ کے نام سے ایک عمارت بنوائی تھی جس میں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کی تھیں تاکہ لوگ آکر مطالعہ کریں اور جس کتاب کی چاہیں نقل کر لیں۔ ناقلین کو جملہ سامان کتابت خود دارالحکومت سے دیا جاتا تھا۔ اس عمارت کا ایک حصہ اہل علم کے مناظرہ کے لئے مخصوص تھا۔ جس میں خود حاکم بھی شریک ہوتا اور جس کی تقریر یا قابلیت اس کو پسند آتی اس کو خلعت و انعام دیتا۔ حاکم کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر بحثوں میں نوبت جنگ و جدال تک پہنچنے لگی۔ نیز اہل بدعت اس کو اپنے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ بنانے لگے۔ اس وجہ سے چھٹی صدی ہجری میں افضل بن امیرالجیوش نے اس کو بند کر دیا۔ مگر تھوڑے سے دنوں کے بعد ابن بطائحی نے وزارت کے منصب پر پہنچ کر پھر اجازت دیدی۔ سلطان صلاح الدین نے اپنے عہد میں اس کو مدرسہ شافعیہ بنا دیا۔ اس میں کتابوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ تھی۔

(۴) ظاہر لاعزاز دین اللہ

۴۱۱ھ سے ۴۲۷ھ تک

حاکم کے مفقود ہونے کے بعد امراء فوج نے کئی دن تک خلاف معمول جب اس کو نہ دیکھا تو پانچویں روز اس کی بہن ست الملک کے پاس پہنچ اور کیفیت دریافت کی اس نے جواب دیا کہ خلیفہ کا رقعہ مجھے ملا ہے کہ پرسوں دربار کریں گے۔ یہ سن کر لوگ واپس آگئے۔

اس کے بعد ست الملوک نے ابن دواس کے ہاتھ ان لوگوں کے پاس بڑی بڑی رقمیں پہنچا دیں۔ اور تیسرے دن حاکم کے بیٹے ابوالحسن علی کو جس کی عمر ۱۶ سال تھی شاہی لباس پہنا کر دربار میں بٹھایا۔ ابن دواس نے اس وقت حاکم کی موت کا اعلان کیا اور ابوالحسن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان امراء نے بھی جن کے پاس اشرفیوں کے توڑے پہنچ چکے تھے اس کی تقلید کی پھر بیعت عام ہوئی اور ہر ہر صوبہ میں اعلان بھیج دیا گیا۔ ابوالقاسم علی بن احمد وزیر مقرر ہوا۔

ظاہر اگرچہ انصاف دوست تھا لیکن عیش پرست اور ضعیف الرائے۔ اس وجہ سے امراء نے اس پر قابو پالیا۔ سوائے مخصوص ارکان دولت کے کوئی اس سے مل نہیں سکتا تھا۔ استبداد سے مخلوق پر مظالم ہونے لگے۔ اور ملک میں ابتری پھیل گئی اوپر سے قحط اور وباء کی بلائیں نازل ہوئیں۔ اور گرانی اور قلاشی کی وجہ سے چوری اور رہزنی عام ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا کا ایک حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔ زراعت کی ترقی کے لئے ۴۱۷ھ میں خلیفہ کی طرف سے منشور عام تمام ملک میں شائع کیا گیا کہ کوئی گائے یا بیل جو کارآمد ہو ذبح نہ کیا جائے۔ اس کے زمانہ میں عیسائیوں پر سے وہ تمام قیود اٹھا دیے گئے جو حاکم نے لگائے تھے۔ نیز کینسوں کی تعمیر کی بھی ان کو اجازت دیدی گئی۔ وسط رمضان ۴۲۷ھ میں ظاہر نے وفات پائی۔

(۵) مستنصر باللہ

۴۲۷ھ سے ۴۸۷ھ تک

ظاہر کے بعد اس کا بیٹا ابو تمیم معد جس کا سن سات سال کا تھا مستنصر باللہ کا لقب دے کر خلیفہ بنایا گیا ۔ یہ ایک حبشی کنیز کے شکم سے تھا ۔ جس کو ظاہر نے ایک یہودی تاجر ابو سعید سہیل بن ہارون تستری سے خریدا تھا ۔ بیعت کے بعد اس کی ماں نے اپنے قدیم مالک ابو سعید کو بلا کر مستشار دولت اور سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا ۔

مستنصر کی مدت خلافت جملہ خلفاء اور سلاطین اسلام سے زیادہ رہی یعنی ساٹھ سال ۔ اور اس میں حوادث اور انقلابات بھی بہت پیش آئے ۔ قیصر روم نے اس زمانہ میں اسلامی حدود پر پیہم حملے کر کے حلب پر قبضہ کر لیا ۔ اور شام پر بھی نفوذ جمانے لگا ۔ مستنصر نے ۴۲۹ھ میں اس کے ساتھ مصالحت کر لی ۔ جس سے وہ حلب چھوڑ کر چلا گیا ۔ اور اس دیار میں امن قائم ہوا ۔

۴۳۴ھ میں مصر میں ایک شخص سکین نامی نے دعویٰ کیا کہ وہ حاکم بامراللہ ہے ۔ جو لوگ حاکم میں خدائی قوت مانتے اور اس کی رجعت کے قائل تھے ۔ انہوں نے اس کا ساتھ دیا ۔ جس کی ایک ظاہری وجہ بھی تھی کہ اس کی شکل حاکم سے بہت ملتی جلتی تھی اس نے اپنے اعوان و انصار کو لے کر دن دھاڑے قصر خلافت پر دھاوا کیا ۔ آخر میں بڑی خوں ریزی کے بعد گرفتار ہوا اور سولی پر چڑھا دیا گیا ۔ خلیفہ کی والدہ نے اس درمیان میں وزارت میں تبدیلی کی اور زمام حکومت احمد بن علی عنبری کے ہاتھ میں دی ۔ پھر اس سے لے کر صدقہ علاجی کے سپرد کی لیکن وہ قتل کیا گیا ۔ اور حسین جرجرائی اس کی جگہ پر مقرر ہوا ۔ وہ بھی معتوب ہو کر نکالا گیا ۔ آخر میں قاضی یازوری نے مستنصر کی رضامندی حاصل کی اور وزیر اعظم ہوا ۔

معزالدولہ

اسی اثنا میں حلب میں اضطراب رونما ہوا ۔ وہاں ۴۳۶ھ میں خلیفہ نے معزالدولہ کو والی بنا کر بھیجا تھا ۔ اس نے استقلال کا دعویٰ کر دیا ۔ خلافت سے متعدد فوجیں گئیں ۔ لیکن ہزیمت اٹھاتی رہیں ۔ معزالدولہ نے مصالحت کے لئے خلیفہ کے پاس اپنی ایک بیوی کو بھیجا ۔ جس کے رعب حسن سے اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو وہ لکھوانا چاہتا تھا اور حلب کا مستقل فرماں روا اس کو تسلیم کر لیا ۔

افریقہ

مغرب و قیروان کا والی معز بن بادیس وزیر یازوری کی سختیوں سے تنگ آکر فاطمی خلافت سے باغی ہو گیا اور اس نے اپنے صوبہ میں عباسی خطبہ رائج کر دیا ۔ قائم بامراللہ خلیفہ بغداد نے یہ سن کر اس کے پاس امارت کا فرمان اور خلعت بھیجا۔ اس وقت ملک مصر میں دو عربی قبیلے زاغ اور بنی رباح باہم برسرپیکار تھے ۔ وزیر نے ان دونوں کو متفق کرا کے معز بن بادیس کے مقابلہ میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ اگر تم فتح یاب ہو جاؤ گے تو برقہ اور طرابلس تم کو دے دیا جائے گا ۔ گو ان قبائل کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی ۔ مگر

انہوں نے جا کر تیس ہزار قیروانی فوجوں کو شکست دے دی۔ معز پھر دوسری فوج لایا اور سلسلہ وار چھ سال تک جنگ رہی۔
مستنصر کو امن مل گیا۔ اس نے ۴۴۱ھ قاہرہ میں بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ جامع عمرو بن عاص کی مرمت کی اور اس میں جدید منبر اور مینارے بنوائے۔ ۴۴۳ھ میں خلیفہ کی معز کی دونوں بیٹیوں راشدہ اور عبدہ نے انتقال کیا جن کی موت کا خلفاء فاطمیہ کو مدت سے انتظار تھا۔ ان میں سے پہلی نے ۲۷ لاکھ دینار کی ثروت اور دوسری نے بھی اس کے قریب دولت چھوڑی مستنصر کے لئے غنیمت بار دہ تھی۔

مشرق

۴۴۴ھ میں مشرق سے دو مختلف خبریں مصر میں موصول ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ خلیفہ عباسی نے ایک منشور شائع کیا ہے جس میں خلفائے فاطمیہ کے نسب کو صحیح نہیں مانا ہے۔ دوسری یہ کہ امیر یمن علی بن محمد صالحی نے عباسی خطبہ اٹھا کر اپنے یہاں فاطمی خطبہ جاری کر دیا۔ مستنصر کو اگر ایک خبر سے رنج ہوا تو دوسری سے خوشی۔ اس لئے خاموش رہا۔ ۴۴۶ھ میں مصر میں سخت قحط پڑا۔ اسی کے ساتھ طاعون بھی پھیلا جو شام بلکہ بغداد تک پہنچ گیا اور لاکھوں آدمی ہلاک ہوئے۔ ادھر رومیوں سے جنگ چھڑ گئی اس لئے مصریوں پر نہایت سختی گزر گئی۔ بلی اور کتے تک کھانے پڑے وہ بھی پانچ پانچ اور دس دس دینار میں میسر ہوتے تھے۔ وزیر کی کوششوں سے رفتہ رفتہ دوسرے صوبوں سے رسد آنے لگی جس سے یہ مصیبت کم ہوئی۔

بساسیری

۴۵۰ھ میں خلیفہ عباسی قائم بامراللہ کے ایک فوجی امیر بساسیری نے غلبہ اور قوت حاصل کر کے بغداد میں فاطمی خلیفہ کا خطبہ پڑھا اور سیاہ عباسی علم کو گرا کر سفید فاطمی جھنڈا نصب کیا۔ اسی کی تقلید واسطہ، کوفہ اور دیگر شہروں میں بھی کی گئی۔ خلیفہ عباسی نے بھاگ کر عربی امیر قریش بن بدران عقیلی کے پاس پناہ لی اور سلطان طغرل بک سلجوقی کو لکھا کہ آ کر اس فتنہ کو رفع کرے۔ اس نے پہنچ کر ۲۶ ذیقعدہ ۴۵۱ھ کو بغداد میں پھر عباسی خطبہ جاری کیا۔ بساسیری کی مدد کے لئے مستنصر نے ۵ لاکھ دینار۔ ساز و سامان ذخائر و اسلحہ مع ایک فوج گراں کے بھیجے تھے لیکن طغرل کی خبر پا کر مزید امداد سے دستکشی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلجوقی فوجوں نے شکست دے کر اس کا سر کاٹ لیا۔ ورنہ سارا مشرق فاطمی خلافت میں آ چکا تھا۔

قضیہ حلب

حلب میں گو معز الدولہ مستقل رئیس ہو گیا تھا لیکن اس کا استقلال قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ عربی قبائل متفق ہو کر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے متواتر حملوں سے تنگ آ کر اس نے مستنصر کو لکھا کہ حلب عباسیوں کے حوالہ کر دیا جائے اور مجھے اس کی بجائے کسی ایسی امارت پر بھیجا جائے جو ان عربوں کی دسترس سے باہر ہو۔ مستنصر نے اس کی درخواست منظور کر کے بیروت کی ولایت کا فرمان بھیج دیا اور حلب پر اپنے ایک سپہ سالار مکین الدولہ کو مقرر کیا۔ اس نے وہاں جا کر عربوں سے مصالحت کی اور امن قائم کیا۔ لیکن بنی کلاب کا رئیس محمود مخالف رہا۔ اس نے مکین الدولہ کو محصور کر لیا۔ مکین الدولہ نے مستنصر سے مدد مانگی۔ اس نے ناصر الدولہ حمدانی کو بھیجا۔ محمود نے اس کو بھی شکست دی اور حلب پر قبضہ کر لیا۔ مستنصر نے مناسب سمجھا کہ محمود کو حلب کا امیر تسلیم کر لے۔ چنانچہ امیر الامراء کا خطاب معہ خلعت و فرمان ولایت کے اس کے پاس بھیج دیا اور ناصر الدولہ کو شکست کی تلافی کے لئے دمشق کا والی مقرر کر دیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد برطرف کر کے اس کی جگہ بدر جمالی کو بھیجا۔

مصر میں وزیر یازوری نے نصاریٰ پر تشدد کیا۔ جس سے ایک شور عام برپا ہوگیا۔ خلیفہ نے اس کو موقوف کرکے ابو الفرج بلبلی کو بلایا۔ دو مہینہ کے بعد عبداللہ بن یحییٰ مقرر ہوا۔ پھر سلسلہ وار تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۲ سال کے عرصہ میں ۳۵ وزیر بدلے۔ اس سے مہمات میں پیچیدگیاں پڑ گئیں اور روزانہ خلیفہ کے پاس عمال کی اس قدر شکاتیں موصول ہونے لگیں کہ وہ حیران رہ گیا۔ کاروبار تمامتر معطل ہوگئے کیونکہ امراء کو ان شکایات کی جوابدہی سے اپنے فرائض ادا کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ بہت سے لوگ مناصب چھوڑ بیٹھے اور ترک وطن کرکے دوسرے ملکوں میں چلے گئے۔

مزید وضاحت کے لئے اس موقع پر ضرورت ہے کہ خلافت فاطمیہ کی فوجی کیفیت مختصراً بیان کر دی جائے۔

افواج فاطمیہ

جس طرح بنی امیہ کی خالص عربی حکومت سے غیر قومیں بیزار تھیں اور بنی عباس نے موقع دیکھ کر خراسان میں اپنی امامت کی دعوت پھیلائی اور ان کی مدد سے خلافت حاصل کی۔ اسی طرح فاطمیئن نے بغداد سے فاصلہ پر افریقہ کو اپنی دعوت کا مرکز قرار دیا۔ اقوام بربر جو جنگ اور عقیدہ دونوں میں سخت تھیں۔ ان کی حمایت کے لئے تیار ہوگئیں کیونکہ بغدادی خلافت ان کو ہمیشہ محکوم رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ حالانکہ ان کے ہاتھوں مغربی افریقہ اور ماورائے بحر کے جملہ ممالک فتح ہوئے تھے جن کی وجہ سے ان کے حقوق بہت بڑے تھے۔

جب عبیداللہ مہدی وہاں پہنچا اور اس نے عباسیوں کے مقابلہ میں فاطمی خلافت کی دعوت شروع کی تو قبائل بربر خاص کر کتامہ صہناجہ اور ہوارہ اس انقلاب کے لئے جس میں ان کو اپنا فائدہ نظر آتا تھا اس کی مدد کو آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ ۲۹۷ھ میں جب یہ دولت قائم ہوگئی تو مہدی مذکور نے تمام امراء اور اراکین دولت انہیں میں سے منتخب کئے۔ یہی حال اس کے بیٹے قائم بامر اللہ اور پوتوں منصور بنصراللہ اور معزالدین اللہ کے عہد تک رہا۔ بربر نے نہ صرف افریقہ سے عباسی حکومت اٹھا دی بلکہ سارے مغربی صوبے اور بحر متوسط کے تمام جزائر فتح کرکے فاطمی مقبوضات میں شامل کر دیئے۔ پھر معز کے عہد میں مصر اور شام کو بھی قبضہ میں لائے۔ عزیز باللہ نے ۳۶۵ھ میں مصر میں بھی عباسیوں کی طرح ترکوں اور دیلمیوں کی ایک بڑی تعداد کو فوج میں بھرتی کیا۔ اب ان میں اور بربر میں باہمی منافقت شروع ہوئی۔

عزیز کے بعد حاکم خلیفہ ہوا۔ اس کو بھی بربر کی خیر خواہی پر زیادہ اعتماد تھا۔ اسی وجہ سے ابن عمار کتامی کو اپنا مشیر ناصح سمجھ کر حاجب خاص مقرر کیا۔ ترکوں اور دیلمیوں نے جو عزیز کے زمانہ میں محترم تھے اس کو گوارا نہ کیا اور ابن عمار کی تذلیل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ مجبور ہوکر اپنے عہدہ سے دست بردار ہوگیا۔ اس کی جگہ ارجوان آیا۔ جس نے محل کے اندر اور باہر سے بربر کو نکال کر ترکوں کو متعین کیا اور صوبوں کی ولایتیں بھی انہی کو دیں۔ یانس خادم کو برقہ ۔ میسور خادم کو طرابلس اور یمنا خادم کو غزہ و عسقلان۔ حاکم کے مزاج کو بدلنا کیا مشکل تھا۔ اس کو بھی بربر کا دشمن بنا دیا۔ اس نے ابن عمار اور بڑے بڑے بربری رئیسوں کو قتل کر ڈالا جس سے ان کی شوکت جاتی رہی اور ترک مسلط ہوگئے۔ ظاہر کے عہد میں بھی یہی حالت رہی۔ جب مستنصر باللہ خلیفہ ہوا تو اس کی ماں نے جو حبشی تھی تمام غلام اپنی ہی قوم کے رکھے اور فوج میں بھی کثرت سے انہیں کو بھرتی کرایا۔ اب ترکوں اور ان حبشیوں میں عداوت پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے بڑی بڑی لڑائیاں پیش آئیں۔

مستنصر کا دستور تھا کہ قافلہ حجاج کے ساتھ حج کے لئے نکلتا اور پہلی منزل برکہ عمیرہ میں پہنچ کر رات بھر شراب و کباب کی

محفل گرم رکھتا۔ صبح کو اپنے ہمراہیوں سمیت واپس آجاتا۔ ۴۵۴ھ میں اسی مقام پر اس کے حشم میں سے ایک ترک نے مستی کی حالت میں تلوار کھینچ کر ایک حبشی غلام پر جو خلیفہ کے محافظوں میں سے تھا۔ وار کیا اس کے ساتھیوں نے اس ترک کو قتل کر ڈالا۔ اس پر سارے ترک بگڑ بیٹھے اور جا کر مستنصر سے کہا گیا کہ اگر یہ قتل آپ کے حکم سے ہوا ہے تو ہم مجبور ہیں ورنہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس نے جواب دیا کہ میرے حکم سے ہوا ہے نہ رضامندی سے۔ یہ سن کر ترک حبشیوں پر ٹوٹ پڑے۔ فریقین میں دیر تک جنگ ہوتی رہی۔آخر میں اس بات پر صلح ہوئی کہ ملزم ترکوں کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد قاہرہ واپس آئے مگر دونوں طرف کینہ دلوں میں بڑھتا رہا۔

ناصر الدولہ

شیدیوں کا پشت پناہ وزیر یازوری تھا۔ ترکوں نے اپنا رئیس ناصر الدولہ حمدانی کو بنایا جو اگرچہ عرب تھا لیکن دمشق کی ولایت سے معزول ہونے کے بعد سے خلیفہ اور وزیر دونوں کا نہانی دشمن اور قاہرہ میں ان کی تاک میں فرصت کا منتظر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ چند عربی قبائل کو بھی متفق کر لیا۔ شیدیوں نے جب دیکھا کہ ترکوں کا جتھا بڑا قوی ہے اور وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو قاہرہ چھوڑ کر بالائی مصر کی طرف چلے گئے اور وہاں کے اکثر باشندوں کو اپنے ساتھ ملا لیا جس سے ان کی جمعیت پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ اب وہ قاہرہ کی طرف پلٹے۔ ترکوں نے نکل کر مقام کوم شریک میں کمین گاہیں بنائیں اور ان میں چھپ رہے۔ جب ان کا جھنڈ سامنے آیا اس وقت نکل کر اچانک حملہ کر دیا۔ بہت سے شیدی مارے گئے اور کچھ غرق ہوئے اور جو بچے وہ بھاگ نکلے۔

مستنصر کی والدہ علی الاعلان اپنی قوم کی طرفدار تھی۔ اس پر یہ ہزیمت نہایت شاق گزری اس لئے اس نے شیدیوں کو ہر قسم کی مدد پہنچائی۔ وہ پھر ترکوں کے مقابلہ میں آگئے۔ مختلف مقامات پر فریقین میں لڑائیاں ہوئیں۔ آخر میں دونوں تھک کر بیٹھ رہے۔ مگر دلوں میں عداوت بدستور مضمر رہی۔

ترکوں کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی۔ اکثر امارتوں پر بھی قابض ہوگئے اور ان کی تنخواہیں بجائے ۲۸ ہزار کے ۴ لاکھ دینار ماہانہ تک پہنچ گئیں۔ خلیفہ ادا کرنے سے قاصر رہا۔ انہوں نے تقاضوں سے اس کا ناک میں دم کر دیا۔ یہاں تک کہ ۴۵۷ھ میں پیدل بھاگ کر جامع عمرو بن عاص میں پناہ لی اور ارادہ کیا کہ سلطنت چھوڑ دے۔ لیکن ارکان دولت سمجھا بجھا کر واپس لائے۔ ۴۵۹ھ میں ترکوں کی سختیاں اور بڑھ گئیں۔ خلیفہ کی والدہ نے شیدیوں کو پھر ان کے مقابلہ میں اٹھایا۔ مقام جیزہ میں فریقین میں جنگ ہوئی جس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ آخر میں ترک غالب آگئے۔ ناصر الدولہ ان کو لئے ہوئے قاہرہ میں پہنچا اور خلیفہ سے سختی کے ساتھ پیش آیا۔

شیدیوں نے پھر پندرہ ہزار کی جمعیت فراہم کی اور ترکوں کے مقابلہ میں آگئے۔ ناصرالدولہ نے نہایت غضبناک ہو کر ان پر چڑھائی کی۔ متعدد جنگوں کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ بالائی مصر شیدیوں کے ہاتھ میں رہا اور نشیبی ناصرالدولہ کے۔ مستنصر وزراء اور امراء کے ساتھ مل کر اپنے نفوذ اور اقتدار کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن نہ کسی کی نگاہ میں اس کی وقعت تھی نہ کوئی اس کو خلافت یا سلطنت کا اہل سمجھتا تھا۔

مرکز میں ادھر یہ خلفشار تھا ادھر بدر جمالی نے شام میں اپنے استقلال کا اعلان کر دیا اور امیر یمن صالحی جس نے فاطمی خطبہ جاری کیا تھا قتل کر دیا گیا۔ جس کے بعد یمن میں پھر عباسی خطبہ پڑھا جانے لگا۔ مستنصر نے امیر الامراء محمود والی حلب کو لکھا کہ آکر ترکوں کو نکال دے۔ اس نے جواب دیا کہ ترک مجھ سے زبردست ہیں وہ مجھ ہی کو نکال دیں گے۔ اس جواب سے خفا ہو کر بدر جمالی کو فرمان بھیجا کہ حلب پر قبضہ کرے اس نے یہ حکم پاتے ہی اس طرف دھاوا کر دیا۔ ناصر الدولہ شیدیوں کے مقابلہ میں بڑھا۔ انہوں نے بار بار اس کو شکستیں دیں۔ مگر آخر میں ہزیمت اٹھائی جس سے ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ ناصر الدولہ قاہرہ میں آیا اور خلیفہ اور اس کی ماں کی شیدیوں کے حامی ہونے کی وجہ سے تحقیر شروع کی۔ ترکوں کی تنخواہیں نہیں ملی تھیں اس وجہ سے انہوں نے خلیفہ کو مجبور کیا

کہ قصر کا سامان فروخت کر کے ادا کرے۔ چنانچہ سارے امتعہ و ذخائر اس کو بیچنے پڑے جس کو خود انہیں ترکوں نے سستے دام تجویز کر کے لے لیا۔ یہاں تک کہ کتب خانہ سے کتابیں اور قبرستان سے قدیم خلفاء کی یادگاریں بھی اٹھا لے گئے۔ مؤرخین نے ان ذخائر کی حیرت انگیز فہرستیں لکھی ہیں اور ان کی قیمتوں کا اندازہ کروڑوں دینار لگایا ہے۔

ناصر الدولہ چاہتا تھا کہ مستنصر کو تخت سے اتار دے لیکن اس کے لئے موقع نہیں پاتا تھا۔ ۴۶۱ھ میں ایک دن ایوان وزارت سے نکلتے ہوئے کسی نے اس کو خنجر مارا۔ ضرب اوچھی پڑی تھی چند دنوں میں اچھا ہو گیا۔ اب اس نے مشہور کیا کہ یہ حملہ مستنصر کے اشارہ سے ہوا ہے اور علی الاعلان کہنے لگا کہ ایسا فاسق، فاجر، شراب خور شخص خلافت کے قابل نہیں۔

اس زمانہ میں شریف ابو طاہر علوی جس کو بدر جمالی نے شام سے نکال دیا تھا قاہرہ میں تھا۔ اس کے زہد و تقویٰ کے لوگ بہت قائل تھے۔ ناصر الدولہ نے اس کے ساتھ ساز باز کیا اور کہا کہ میں تم کو خلیفہ بنا دوں گا لیکن خطرہ صرف بدر جمالی سے ہے اگر تم جا کر اس کو کسی صورت میں قتل کر دو تو معاملہ آسان ہے۔ شریف اس کے لئے تیار ہو گیا اور ایک شامی اور ایک عربی امیر کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ ناصر الدولہ نے ان تینوں کو چالیس ہزار دینار دے کر دمشق کی طرف رخصت کیا۔ وہاں جا کر انہوں نے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ مگر بدر جمالی بیدار تھا اس نے سب کو پکڑ لیا اور شریف مذکور کی کھال کھنچوا لی۔ ناصر الدولہ پھر بھی مستنصر کی معزولی کی کوشش میں لگا رہا جب اس نے کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو مقابلہ کی کوشش کی اور ناصر الدولہ کو لکھا کہ ہم نے جس قدر تمہارے ساتھ احسانات کئے اسی قدر تمہاری ناشکری اور سرکشی بڑھتی گئی۔ تم نے ہماری فوجوں کو مخالف بنا دیا اور ہماری عداوت اور تحقیر میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس لئے ہمارا شہر چھوڑ دو۔ جو کچھ مال و متاع چاہو لے کر نکل جاؤ تم کو امان ہے اور اگر نہ نکلے تو سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔

ایلدکز

مستنصر نے امیر ایلدکز کو جو ناصر الدولہ کا سخت دشمن تھا اپنے ساتھ متفق کر لیا اور مغاربہ، بربر اور بعض عربی رؤسا اور ان کے قبائل کو بھی اس طرح اس کے پاس ایک جمعیت ہو گئی جس نے حمایت کی بیعت کی۔ ناصر الدولہ تاب مقاومت نہ دیکھ کر قاہرہ سے نکلا اور جیزہ کی طرف چلا۔ خلیفہ کے حامیوں نے اس کا گھر لوٹ لیا۔ اس کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور ہر طرف فتح کا اعلان کر دیا۔ جس سے بقیہ تمام لوگ جمعیت میں شامل ہوگئے۔ ناصر الدولہ نے اسکندریہ میں جا کر پناہ لی اور وہاں جا کر مستنصر کے خلاف نفرت پھیلانے لگا۔

اس زمانہ میں مصر سخت قحط میں مبتلا تھا اور متواتر پانچ سال سے پیداوار نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے فسطاط اور قاہرہ میں لوگ بھوکوں مرتے تھے۔ ناصر الدولہ نے نشیبی مصر کا سارا غلہ فراہم کر لیا اور ایک قوی جماعت لے کر قاہرہ پر چڑھائی کی۔ شدت قحط سے مستنصر فوج کا سامان نہ کر سکا اور مجبور ہو گیا کہ شہر کا دروازہ کھول دے۔

ناصر الدولہ نے داخل ہو کر پھر اس کی تحقیر و تذلیل شروع کی اور اپنے پرانے مطالبات کی وصولی کے لئے ایک آدمی اس کے پاس بھیجا۔ قحط اور ناداری سے خلیفہ کا یہ حال تھا کہ قصر کبیر میں بوریا کے فرش پر ایک بوسیدہ چادر لپیٹے بیٹھا ہوا تھا۔ تین شیدی اس کی خدمت میں تھے جو تقریباً نیم برہنہ تھے اس نے قاصد سے کہا کہ کیا ناصر الدولہ کے لئے یہ کافی نہیں کہ میں اس محل میں اس چٹائی پر اسی حالت میں بیٹھا ہوا ہوں کہ نہ پہننے کو کپڑا میسر ہے نہ سد رمق کو کھانا۔ رقم کہاں سے لاؤں۔ فرستادہ رو پڑا اور واپس جا کر ناصر الدولہ کو یہ کیفیت سنائی۔ اس کو بھی ترس آگیا اور اس نے خلیفہ کے گزارے کے لئے ایک رقم بھیج دی۔ ۴۶۵ھ میں ایلدکز نے ناصر الدولہ کے ساتھ ظاہر میں مصالحت کر لی۔ مگر باطن میں اس کے خون کا پیاسا رہا۔ چنانچہ اپنے ایک ہمراز کو لے کر ایک دن اس کے مکان پر گیا اور موقع پا کر اس پر تلوار کا وار کیا۔ وہ گھبرا کر حرم کی طرف بھاگا لیکن وار کاری پڑا تھا گر گیا۔ ان دونوں نے اس کا سر

کاٹ لیا۔ اس کے بعد ایلدکز نے ایک آدمی کو بھیج کر اس کے بھائی فخرالعرب کو بھی قتل کرا دیا۔ جس سے مصر میں حمدانیوں کا چراغ گل ہو گیا۔ لیکن مستنصر کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ ایلدکز کا استبداد ناصرالدولہ سے بھی سخت تھا۔ اس لئے اس نے مخفی طور پر بدر جمالی والی شام کو لکھا کہ تم آکر اس مصیبت سے مجھ کو رہائی دلاؤ۔

بدر جمالی

بدر جمالی ارمنی نژاد اور امیر جمال الدولہ کا زر خرید غلام اور اسی کی طرف منسوب تھا۔ چونکہ متعدد مواقع پر اس سے شہامت اور بسالت کے جوہر کا ظہور ہوا تھا۔ اس وجہ سے امراء خلافت میں امتیاز رکھتا تھا۔ خلیفہ نے شام کی ولایت اس کے سپرد کی تھی جس میں اس نے اپنے استقلال کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ خط پہنچتے ہی اپنی منتخب سپاہ کو ساتھ لے کر مصر کی طرف آیا۔ ۲۹ جمادی الاول ۴۶۷ھ کو وہاں داخل ہو کر ترکی امراء کو قتل کیا اور ان کے محلات و اموال کو قبضہ میں لایا۔ پھر اسکندریہ میں جا کر مخالفین کو فنا کیا اور جہاں جہاں وہ بھاگے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑا۔ سارے ملک پر اس کا رعب غالب آگیا۔ خلیفہ نے اس کو ملکی اور فوجی دونوں وزارتوں کا عہدہ دیا اور بڑے بڑے خطابات بخشے۔ اس نے ہر طرف امن قائم کیا۔ کاشتکاروں اور فلاحوں کو جو مدت سے خستہ حال ہو رہے تھے اطمینان دلایا۔ جابجا پلوں کی مرمت کرائی۔ مقیاس النیل کو درست کیا۔ تجارت کو فروغ دیا جس سے سارا ملک خوشحال ہو گیا اور خلیفہ کی دینی عزت اور دنیاوی سطوت پھر قائم ہو گئی۔ یہاں تک کہ اہل مکہ نے اس کی بیعت کی اور اس کے نام کا خطبہ پڑھنے لگے۔ حالانکہ وہاں پانچ سال سے عباسی خطبہ رائج تھا۔

دمشق سے بدر جمالی کے چلے آنے کے بعد اتسز ترکمانی نے وہاں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی اور اسی پر بس نہ کیا بلکہ بیس ہزار فوج لے کر مصر پر بھی چڑھائی کی اور قاہرہ کے متصل پہنچ گیا۔ بدر جمالی نے فوجوں کو مسلح کر کے اچانک پہنچ کر اس کو ایسی شکست دی کہ دمشق بھی ہاتھ سے چھین لیا۔ بدر جمالی کے حسن انتظام سے ملک میں آبادانی اور پیداوار میں ترقی ہو گئی۔ ۴۸۳ھ میں اس نے بندوبست کرایا۔ باوجود شرح لگان میں کمی کر دینے کے ۳۱ لاکھ سالانہ دینار وصول ہونے لگے۔ حالانکہ اس سے پہلے فاطمیہ نے کبھی ۲۸ لاکھ سے زیادہ تحصیل نہیں کی تھی۔

اوائل ذی حجہ ۴۸۷ھ میں بیس سال امارت کرنے کے بعد اس نے مصر میں وفات پائی۔ اس کی شہامت، سخاوت، رعایا پروری، علم اور علماء کی قدر افزائی اور سب سے بڑھ کر بیدار مغزی اور مخلوق کی بہی خواہی کی وجہ سے سب کے دلوں میں اس کا احترام تھا اور لوگ اس کو احمد بن طولون کے درجہ کا امیر سمجھتے تھے۔ اسکندریہ کی جامع عطارین اسی کی تعمیر کردہ ہے۔ قاہرہ کی فصیل بھی اس نے از سر نو درست کرائی تھی۔ شعر سے بھی ذوق رکھتا تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے شعراء تھے۔ جن میں سے علقمہ نے خاص طور پر شہرت پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شاہنشاہ افضل امیرالجیوش ہوا۔ اس کو بھی وہی القاب دیئے گئے جو اس کے باپ کے تھے۔

وفات مستنصر

بدر جمالی کے انتقال کے چند روز بعد ذی حجہ ۴۸۷ھ میں مستنصر نے بھی وفات پائی۔ اسی سال کے آغاز میں بغداد کے ستائیسویں عباسی خلیفہ مقتدی نے انتقال کیا تھا۔ وفات کے وقت مستنصر کی عمر ۶۷ سال تھی۔ جس میں پورے ۶۰ سال اس نے خلافت میں گزارے تھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ خلافت کی اہلیت اس میں مطلقاً نہ تھی، نہ کسی کام کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس پر عیب یہ کہ کان کا کچا جو شکایت سنتا صحیح سمجھتا۔ اسی وجہ سے اس کے خیر خواہ بہت کم لوگ تھے۔

جزیرہ صقلیہ

اسی کے عہد میں صقلیہ جو سلطنت فاطمیہ کا ایک بیش قیمت اور زرخیز صوبہ تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ صقلیہ کو تیسری صدی کے آغاز میں زیادۃ اللہ اغلبی نے فتح کیا تھا۔ ان سے فاطمیہ کو ملا۔ مرکز خلافت سے بعید ہونے کی وجہ سے جو والی وہاں بھیجا جاتا وہ استقلال کا دعویٰ کر دیتا۔ اس جزیرہ میں فرنگی بھی تھے جو اپنے اہل ملک کو مسلمانوں کے خلاف حملوں کے لئے بلاتے رہتے تھے۔ والیوں میں ان کی مدافعت کی طاقت نہ ہوتی تھی۔ اس وجہ سے وہاں ہمیشہ اضطراب رہتا تھا۔ خود مسلمان بھی باہم متفق نہ تھے بلکہ دو متضاد گروہ تھے۔ جو ایک دوسرے سے برسرِ پرخاش رہتے تھے۔ ان میں سے ایک جماعت کا رئیس ابو تمامہ تھا۔ اس نے دوسرے فریق سے شکست کھا کر مقام کاتان میں جس پر ۴۲۷ھ میں فرنگیوں نے قبضہ کر لیا تھا پناہ لی اور ان سے مدد کا خواستگار ہوا۔ وہ تو اسی دن کے آرزو مند تھے فوراً تیار ہوگئے۔ دوسرے گروہ نے والی قیروان معزبن بن بادیس سے مدد چاہی۔ اس نے فوج بھیجی۔ لڑائی میں ابو تمامہ غالب آیا۔ مگر یہ غلبہ دراصل اس کے حامی فرانسیسی سپہ سالار رودجر اول کا تھا جس نے سارے جزیرہ پر قبضہ کر کے ۴۵۳ھ میں اپنی حکومت قائم کر لی اور اسلامی حکومت کو اٹھا دیا۔

(۶) مستعلی باللہ

۴۸۷ھ سے ۴۹۵ھ تک

مستنصر نے تین بیٹے چھوڑے تھے۔ نزار۔ احمد اور اسماعیل ان میں سے نزار جو سب سے بڑا تھا۔ شجاع اور تنومند تھا۔ اس کے ساتھ امراء کی ایک جماعت بھی تھی۔ لیکن امیر الجیوش افضل کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ ایک بار شہر کے دروازہ سے گزرتے ہوئے افضل سامنے آگیا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا کہ ارمنی گھوڑے سے اتر جا۔ اس وجہ سے افضل نے مستنصر کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بیٹے ابوالقاسم احمد کو تخت نشین کرا کے امراء سے بیعت لے لی او راس کا لقب مستعلی باللہ رکھا۔ نزار کو بھی بلایا کہ بیعت کرے۔ اس نے مخالفت کی اور کہا کہ میرا ہاتھ بھی کاٹ لیا جائے تب بھی میں بیعت نہیں کروں گا۔ میرے پاس خلیفہ کے قلم کا لکھا ہوا ولی عہدی کا فرمان موجود ہے۔ یہ کہہ کر فرمان لینے گیا۔ اس کے اعوان و انصار نے کہا کہ اب فرمان لے جا کر دکھانے سے بھی کچھ نہ ہوگا۔ اور یہ گرہ بلا تلوار کے نہیں کھلے گی۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اسکندریہ نکل چلیں اور وہاں سے سامان کر کے آئیں اور خلافت کریں۔ چنانچہ وہ امیر ابن مصال کو ساتھ لئے ہوئے بھیس بدل کر اسکندریہ کو نکل گیا۔ وہاں کا والی نصرالدولہ افتگین تھا جس کو بدر جمالی نے امارت کے رتبہ پر پہونچایا تھا۔ رات کے وقت اس کے پاس گیا اور وزارت کی امید دلا کر اس کو اپنے ساتھ متفق کر لیا

افضل نے لشکر کشی کی۔ اسکندریہ کے باہر محرم ۴۸۸ھ میں مقابلہ ہوا۔ افضل ہزیمت اٹھا کر بھاگا۔ نزار سواحلی علاقوں پر قابض ہو گیا۔ افضل دوبارہ فوج لے کر گیا اور اسکندریہ میں محصور کر لیا۔ شدت محاصرہ سے تنگ آکر ابن مصال معہ اپنے مال و منال کے مغرب کی طرف بھاگ گیا۔ نزار اور افتگین گرفتار ہوئے اور قاہرہ میں لا کر قتل کئے گئے۔ ۱۷ صفر ۴۹۵ھ میں مستعلی نے قاہرہ میں وفات پائی۔ اسی کے عہد میں اہل یورپ نے صلیبی جنگ شروع کی اور جوق در جوق آکر الجزیرہ اور شام پر قابض ہو گئے۔ دولت فاطمیہ کے رقبہ میں بیت المقدس بھی تھا۔ ۲۲ شعبان ۴۹۲ھ میں چالیس دن کے محاصرہ کے بعد اس میں بھی داخل ہو گئے اور سارے مسلمانوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس کے بعد مصر کی طرف بڑھے امیر الجیوش نے سعدالدولہ کی قیادت میں ایک فوج بھیجی جس نے عسقلان کی فصیل کے نیچے شکست دے کر ان کا رخ مصر کی طرف سے پھیر دیا۔

چونکہ جنگ صلیبی کا تعلق تاریخ مصر کے ساتھ مسلسل دو سو سال تک چلا جائے گا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اختصار کے ساتھ ان حملوں کی تفصیل بیان کر دی جائے گا کہ آئندہ واقعات سمجھنے میں آسانی ہو۔

حروب صلیبیہ

سلجوقیوں نے جب قونیہ میں اپنی سلطنت قائم کر لی اور ارض روم سے عیسائیوں کا تسلط اٹھا دیا اس وقت ایک فرانسیسی راہب بطرس نامی نے جو مقامات مقدسہ کی زیارت کو آیا تھا۔ پاپائے روم اربانس کے پاس جا کر فریاد کی۔ اسی وجہ سے یہ لڑائیاں

جیسا کہ ہم حصہ پنجم میں لکھ چکے ہیں ارض مقدس آثار مسیح کی حفاظت کے نام سے یورپین کلیسا نے دینی عداوت اور تعصب کی بنیاد پر مسلمانوں کے ساتھ شروع کیں جن کا سلسلہ ۴۹۰ ھ سے ۶۹۰ ھ پورے دو سو سال تک قائم رہا۔ اس مدت میں صلیبیوں کی آٹھ یورشیں ہوئیں۔

(۱) پہلی صلیبی فوج اگست ۱۰۹۲ء مطابق ۴۸۹ ھ میں یورپ سے روانہ ہوئی جابجا لوٹ مار کرتی اور ہنگری اور بلغاریہ کے باشندوں سے لڑتی ہوئی بہزار خرابی ایشیائے کوچک میں پہنچی۔ وہاں سلطان قلیچ ارسلان سلجوقی کی فوجوں نے ان سب کو ختم کر دیا۔ اس کی تباہی کی خبر سے یورپ میں کہرام مچ گیا۔ پاپائے روم اور راہبوں کی کوشش سے فرانس اور اطالیہ سے امراء اور شاہزادوں کی قیادت میں متعدد فوجیں روانہ ہوئیں جن کی تعداد سات لاکھ سے کم نہ تھی۔ انہوں نے آکر انطاکیہ رہا اور بیت المقدس کو فتح کر کے تین ریاستیں قائم کر لیں۔

(۲) دوسری یورش ۵۴۲ ھ میں ہوئی جبکہ سلطان نور الدین زنگی نے صلیبیوں پر سخت حملے شروع کئے اور رہا کو جوان کا ایک بڑا مستقر تھا فتح کر لیا۔ صلیبیوں پر اس کا ایسا رعب غالب آگیا کہ وہ مقابلہ سے ہمت ہار بیٹھے۔ اور اوجانیوس پاپائے روم کے پاس فریاد کی کہ اہل یورپ کو امداد کے لئے بھیجے۔ اس نے تمام یورپین ممالک میں مذہبی جنگ کا اعلان کیا۔ چنانچہ اطالیہ، فرانس جرمنی آسٹریا نیز انگلستان سے جوق در جوق صلیبی فدائی جمع ہو کر روانہ ہوئے۔ شاہ فرانس لوئس سابع اور شاہ جرمنی کونراڈ بھی ساتھ تھے۔ بڑی بڑی مزاحمتوں کے بعد یہ لوگ قدس میں پہنچے اور زیارت کے بعد دمشق کی طرف چڑھائی کی لیکن سلطان نور الدین کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے اور سلسلہ وار جنگوں اور شکستوں میں مبتلا رہے۔

(۳) جب غازی نور الدین نے ۵۶۹ ھ میں انتقال فرمایا اور سلطان صلاح الدین اس کی جگہ پر پوری قوت کے ساتھ صلیبیوں کے مقابلہ میں آگیا۔ یہاں تک کہ ۵۸۳ ھ میں بیت المقدس بھی لے لیا۔ اس وقت پاپائے روم اربانس ثالث نے پھر تمام یورپ میں شور مچا دیا اور استرداد قدس کے لئے عیسائیوں کو آمادہ کیا۔ اس زمانہ میں فرانس اور انگلستان میں جنگ قائم تھی مگر اس مذہبی جنگ کے لئے دونوں نے باہم صلح کر لی اور بادشاہ فرانس فلپ آگسٹس اور بادشاہ انگلستان رچرڈ شیردل دونوں اپنی اپنی فوجیں لے کر بڑے ساز و سامان کے ساتھ چلے۔ آسٹریا کا بادشاہ فریڈرک بھی جو دوسری یورش میں شامل تھا اپنے امراء اور لشکر کو لے کر روانہ ہوا۔ بحری راستہ سے یہ لوگ فلسطین پہنچے لیکن صلاح الدین کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ آخر کار مجبور ہو کر ۵۸۸ ھ میں اس کے ساتھ صلح کر کے واپس گئے۔

(۴) یورپ میں جب سلطان صلاح الدین کی وفات کی خبر پہنچی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنی سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر گیا ہے اس وقت پاپائے سلیٹینوس ثالث نے موقع دیکھ کر پھر یورپین طاقتوں کو آمادہ کیا۔ انگلستان اور فرانس کے بادشاہ تو باہمی جنگ کی وجہ سے مستعد نہ ہوئے لیکن شاہ آسٹریا ہنری جو فریڈرک مذکور کا بیٹا تھا فوجیں لے کر چلا۔ راستہ میں سسلی کو فتح کر کے خود وہیں رہ گیا اور لشکر قدس کی طرف بھیجا۔ یہاں صلاح الدین کے بیٹے ملک عزیز اور اس کے بھائی سیف الدین عادل نے ان کو مغلوب رکھا یہاں تک کہ ۵۹۴ ھ میں ہنری مذکور کی موت کی خبر آگئی اور یہ فوج واپس چلی گئی۔

(۵) ۵۹۸ ھ میں انوشانیسوس جس کی عمر ۳۳ سال تھی روم میں پاپائی کی مسند پر آیا۔ اس نے نئے سرے سے دینی جہاد کا جوش پھیلایا اور تمام ملوک یورپ کے پاس قاصد بھیج کر قدس کو مسلمانوں سے واپس لینے کی ترغیب و تحریک دلائی ٹیوبلٹ کاؤنٹ دی شمپانیا جو شاہ فرانس کا بھتیجا تھا اپنے ساتھ بہت سے امیروں اور فوجوں کو لے کر چلا۔ راستہ میں ان لوگوں نے زارا اور قسطنطنیہ کو فتح کر لیا اور رومیوں سے لڑتے رہے مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں پہنچ سکے جس پر کلیسا کی طرف سے مورد لعن و طعن ہوئے۔

(۶) ۶۰۶ ھ میں جب شام میں صلیبیوں کا بادشاہ اموری مر گیا تو انہوں نے شاہ فرانس فلپ آگسٹس سے امداد کی درخواست کی اس نے یوحنا بریانا کو وہاں کا بادشاہ بنا کر بھیجا اور کلیسا کے ذریعہ سے تمام یورپ میں اعلان کر کے ایک موتمر منعقد کرائی جس میں ارض

مقدس کے صلیبیوں کی امداد کی ترغیب و تحریک دلائی گئی ۔ نوجوانوں کی ایک جماعت آمادہ ہوئی مگر جس وقت پاپائے روم کی برکتیں لے کر اور سینوں پر صلیبیں لگا کر جہاز پر سوار ہوئی تو ایک ہوائی طوفان آگیا جس سے اکثر غرق ہوگئے ۔ بقیہ کچھ اپنے گھروں کو واپس گئے اور کچھ اطالیہ میں رہ گئے اور وہیں کھیتی کرنے لگے ۔

۶۱۴ ھ میں پھر کلیسا کی طرف سے پکار ہوئی ۔ اس وقت ایک بڑی جماعت شاہ ہنگری اندراؤس ثانی کی معیت میں ارض مقدس کی طرف چلی ۔ ان کے ساتھ ہوکزاول شاہ سسلی بھی فوجیں لے کر روانہ ہوئے ۔ ملک عادل نے ان کے مقابلہ کے لئے نابلس پر مورچہ بندی کی تھی مگر ان کی تعداد و قوت اس قدر زیادہ تھی کہ وہ مدافعت نہ کر سکا ۔ انہوں نے بہت سے شہروں کو فتح کر لیا ۔ پھر مصر کی طرف بڑھے اور دمیاط کا محاصرہ کیا ۔ ستر ہزار سوار تھے اور چار لاکھ پیدل ۶ ماہ ۲۲ دن کے بعد اس میں داخل ہوئے ۔ اسی دوران میں ملک عادل نے وفات پائی اور اس کا بیٹا ملک کامل تخت نشین ہوا ۔ اس نے دمیاط سے ان کو نکالا ۔ اس اثناء میں ایوبی امراء میں باہمی نزاعیں واقع ہوگئیں جن کی وجہ سے صلیبی صلحاً بیت المقدس پر قابض ہوگئے ۔ ۶۳۷ ھ میں ملک ناصر والی کرک نے آکر ان کو پھر وہاں سے نکالا ۔

(۷) استرجاع قدس کی خبر سے یورپ میں پھر ہیجان پیدا ہوا ۔ لیکن اس زمانہ میں چنگیز خان کے حملوں کی وجہ سے جن کے شعلے آسٹریا اور ہنگری تک پہنچ گئے تھے یورپین سلطنتیں اپنی اپنی حفاظت میں مشغول تھیں ۔ جب وہ خوف جاتا رہا تو ۶۴۳ ھ میں شاہ فرانس لوئس تاسع اپنے امراء کے ساتھ ایک عظیم الشان فوج لے کر روانہ ہوا ۔ قبرص ہوتے ہوئے مصر کے سواحل پر آیا اور دمیاط پہنچ کر اس کو فتح کر لیا ۔ ملک صالح نجم الدین جو بیمار تھا مدافعت کے لئے آیا لیکن انتقال کر گیا ۔ اس کی بیوی شجرۃ الدر نے اس کی موت کو مخفی رکھا یہاں تک کہ اس کا بیٹا ملک معظم حصن کیفا سے آکر تخت نشین ہوا ۔ اس نے صلیبیوں کو دمیاط سے نکالا ۔ اس جنگ میں ممالیک بحریہ نے نمایاں کام کئے ۔ تیس ہزار صلیبیوں کو قتل کر ڈالا ۔ اور شاہ لوئس کو بھی پکڑ لیا اور قید کر دیا ۔ ملک معظم کے بعد جب شجرۃ الدر تخت پر بیٹھی تو اس نے شاہ مذکور سے ۸ لاکھ دینار فدیہ لے کر رہا کر دیا ۔ وہ عکا میں چلا گیا ۔

۶۴۹ ھ میں ناصرالدین یوسف ایوبی والی دمشق اور معزجاشنگیر سلطان مصر میں جب صلیبیوں کے مقابلہ کے لئے باہمی اتحاد کا عہد و پیمان ہوا اس وقت لوئس مذکور نے یورپ سے کمک کی درخواست کی ۔ مگر کوئی جواب نہ آیا ۔ اسی اثناء میں اس کی والدہ ملکہ بلا نشا جو اس کی عدم موجودگی میں فرانس کی حکمراں تھی انتقال کر گئی ۔ اس وجہ سے وہ فرانسیسیوں کو لے کر واپس چلا گیا ۔ تاکہ اپنے ملک کی حکومت سنبھالے ۔

(۸) ۶۵۹ ھ میں جب ایک طرف رومیوں نے ان صلیبیوں کو جو پانچویں یورش میں قسطنطنیہ پر قابض ہوگئے تھے اپنے سردار میخائیل کی قیادت میں مار مار کر نکال دیا ۔ اور دوسری طرف بیبرس بند قداری کے بے پناہ حملوں سے ارض مقدس کے صلیبی عاجز اور مغلوب ہوگئے اور اکثر شہر ان کے قبضہ سے نکل گئے ۔ اس وقت شاہ فرانس لوئس تاسع پھر لشکر لے کر آیا اور بجائے ارض مقدس کے افریقہ میں اتر کر تونس کا محاصرہ کر لیا ۔ اسی میں وفات پا گیا ۔

بادشاہ سسلی کارلونس بھی فوجیں لے کر اس کی کمک کے لئے آگیا تھا ۔ سلطان تونس نے کچھ رقم دے کر ان کے ساتھ صلح کر لی جس کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے ۔ شام کے صلیبی جو سلطان بیبرس کے ہاتھ سے بچ رہے تھے ان میں سے طرابلس شام والوں کو ملک منصور قلاؤن الفی نے ۶۸۸ ھ میں اور آخری صلیبی جماعت کو جو عکا میں رہ گئی تھی اس کے بیٹے ملک اشرف خلیل نے ۶۹۰ ھ میں نکال دیا اور ارض مقدس کو دو سو سال کے بعد ان سے بالکل خالی کرا لیا ۔

(۷) آمر باحکام اللہ

۴۹۵ھ سے ۵۲۴ھ تک

مستعلی کے بعد اس کا بیٹا ابو علی منصور آمر کے لقب سے خلیفہ ہوا اسی سال صلیبیوں نے عکا پر قبضہ کیا ۔ پھر طرابلس اور شام لے لیا ۔ اس کے بعد سلسلہ وار سات سال تک یکے بعد دیگرے شام اور فلسطین کے شہروں پر قبضہ کرتے رہے اور رہا ۔ انطاکیہ اور بیت المقدس تین مستقل ریاستیں قائم کر لیں ۔ خلیفہ فاطمی بھی خلیفہ عباسی کی طرح خاموش بیٹھا مسلمانوں کے قتل و غارت اور تباہی و بربادی کا تماشا دیکھتا رہا ۔ اور سوائے ایک دو بار کے جو صرف مصر کی حفاظت کے لئے تھی کبھی ان کی مدافعت کا خیال نہ کیا ۔

اواخر ۵۱۱ھ میں شاہ بالڈدین قدس سے ایک بڑی جمعیت لے کر فتح مصر کے لئے روانہ ہوا ۔ اور فرما میں پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو ذبح کر ڈالا ۔ ان کے مکانات لوٹ لئے اور مسجدوں میں آگ لگا دی ۔ آمر عیش پرستی میں منہمک تھا کوئی مقابلہ نہیں کیا ۔ مگر بالڈدین خود بیمار ہو کر واپس چلا گیا اور راستہ میں ہی مر گیا ۔ رمضان ۵۱۵ھ میں آمر نے امیر الجیوش افضل کو قتل کرا دیا ۔ چالیس دن تک اس کے گھر کا مال و متاع خچروں پر خلیفہ کے محل میں منتقل ہوتا رہا اس کی اولاد بھی قید کر دی گئی ۔ افضل کے بعد ابن بطائحی وزیر مقرر ہوا ۔

ادھر یہ اضطرابات تھے ادھر باطنیوں نے موقع پا کر اپنی قوت بڑھالی اور شام میں بڑے بڑے قلعے بنا لئے جو امیر یا والی ذرا بھی ان کے خلاف حرکت کرتا باطنی فدائی پہنچ کر بے دریغ اس کو قتل کر دیتے مجبوراً لوگ ان کو رضامند رکھنے کی کوشش کرتے تھے ۔ اسی جماعت کے ایک شخص نے ۲ ذیقعدہ ۵۲۴ھ میں آمر کو قتل کر دیا ۔ آمر نہایت بدتدبیر اور عیاش تھا ۔ نہ مہمات سلطنت کی اس کو خبر تھی نہ ان کو انجام دینے کی لیاقت رکھتا تھا ۔ امیر فضل امیر الجیوش اگر نہ ہوتا تو صلیبی مصر کو فتح کر لیتے ۔ نادانی سے اس کو بھی خدام قصر کی شکایت پر قتل کرا دیا ۔

(۸) حافظ الدین اللہ

۵۲۴ھ سے ۵۴۴ھ تک

آمر نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی تھی ۔ لیکن اس کی بیوی حاملہ تھی اس وجہ سے انتظار کیا گیا کہ شاید بیٹا ہو مگر لڑکی پیدا ہوئی اس لئے خاندان فاطمی میں سے اس کا چچا زاد بھائی عبدالمجید حافظ الدین اللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا گیا ۔ اس نے افضل کے بیٹے احمد کو وزیر مقرر کیا ۔ مخالفین نے اس کو قتل کر ڈالا ۔ اس کے بعد ایک شخص بہرام نامی وزارت پر بلایا گیا ۔ وہ بھی ۵۲۳ھ میں

مقتول ہوا۔

صلیبیوں کی طرف سے اس زمانہ میں اہل مصر مطمئن تھے کیونکہ ان کو سلطان نورالدین زنگی کے پیہم حملوں سے مصر کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی فرصت نہ تھی۔ لیکن مغرب سے ایک اس سے بھی بڑا خطرہ رونما ہوا۔ وہ یہ تھا کہ روجر ثانی فرمانروائے سسلی نے ڈھائی سو جنگی کشتیاں لے کر افریقہ پر حملہ کیا۔ پہلے برقعہ پر فوجیں اتاریں وہاں مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ لیا۔ پھر ۵۴۱ھ میں طرابلس غرب پر قابض ہو گیا۔ اس کے دو سال کے بعد مہدیہ پر جو خلافت فاطمیہ کا مہد اور اولین مرکز تھا تسلط کر لیا۔ وہاں سے اسکندریہ کی طرف بڑھا اہل مصر نہایت خوفزدہ تھے۔ مگر خود سسلی پر رومیوں کے حملہ کی وجہ سے وہ واپس چلا گیا۔ ۵۴۴ھ میں ۸۱ سال کی عمر میں حافظ الدین اللہ نے انتقال کیا۔ ساٹھ سال کی عمر میں خلیفہ ہوا تھا۔ بجز دستخط کر لینے کے خلافت کی اور کوئی قابلیت اس میں نہ تھی۔ اس کو اکثر درد قولنج کا دورہ ہوا کرتا تھا۔ موسیٰ طبیب نے سات دھاتوں کو مرکب کر کے ایک طبل تیار کیا جس پر ساتوں ستاروں کے نقوش بنائے۔ اس کے بجانے سے ریاح خارج ہوتے اور درد جاتا رہتا۔ خزانہ خلافت میں یہ طبل محفوظ تھا۔ صلاح الدین کے زمانہ میں کسی کرد سپاہی نے اس پر ہاتھ رکھا اور ریح خارج ہو گئی۔ شرما کر اس کو توڑ ڈالا۔ لوگوں نے جب دیکھا تو اس کے ضائع ہونے پر افسوس کیا کیونکہ یہ طبل فن طب کا ایک نایاب کرشمہ سمجھا جاتا تھا۔

(۹) ظافر بامر اللہ

۵۴۴ھ سے ۵۴۹ھ تک

حافظ کے بعد اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ابو المنصور اسماعیل ظافر بامر اللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا گیا۔ اس کی عمر اس وقت ۱۷ سال تھی۔ امور سلطنت سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تھا اور دن رات شہوات میں منہمک۔ آغاز عہد ہی میں وزیر بھی مر گیا اور دوسرا وزیر امراء کے باہمی اختلاف کی وجہ سے مقرر نہ ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا انتظام ابتر ہو گیا۔ ۵۴۸ھ میں صلیبیوں نے بڑھ کر عسقلان کو فتح کر لیا اور مغرب سے روجر ثانی پھر ایک جنگی بیڑہ لے کر پہنچا۔ شہر تانیس میں آگ لگا دی۔ فرما کو تاخت و تاراج کیا اور بے شمار مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر واپس گیا۔

اب عباس وزیر مقرر کیا گیا۔ اس کا بیٹا نصر جو نہایت درجہ حسین تھا خلوت اور جلوت میں ظافر کے ساتھ رہتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کو متہم کرنے لگے۔ اس داغ کو مٹانے کے لئے وزیر زادہ نے اپنے باپ کے اشارہ سے مخفی طور پر ظافر کو وسط محرم ۵۴۹ھ میں اپنے گھر دعوت کے لئے بلا کر ذبح کر کے وہیں دفن کر دیا۔ عباس دوسرے دن حسب معمول خلیفہ کو سلام کرنے کے لئے قصر میں پہنچا۔ جب وہ نہ ملا تو تلاش شروع کی اور اس کے دونوں بھائیوں جبریل اور یوسف کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو کچھ علم نہیں۔ عباس نے اپنے بیٹے کے جرم کو چھپانے کے لئے انہیں دونوں پر خلیفہ کے قتل کا الزام رکھ کر اسی وقت ان دونوں کے سر کٹوا دیئے۔

(۱۰) فائز بنصر اللہ

۵۴۹ھ سے ۵۵۶ھ تک

عباس نے ظافر کے بیٹے فائز کو جس کی عمر اس وقت پانچ سال سے زائد نہ تھی اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور امراء اور خدام سے مخاطب ہو کر کہا کہ خلیفہ کو اس کے دونوں بھائیوں نے مارا تھا جو قصاص میں قتل کئے گئے۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ اپنے اس کم سن

آقا زادہ کو امام بنائیں اور اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کریں ۔ حاضرین نے اس زور سے " بسرو چشم " کا نعرہ لگایا کہ خلیفہ نے سہم کر وزیر کے کندھے کو تر کردیا ۔ اس کے دل و دماغ میں بھی خلل پڑ گیا ۔ جس کی وجہ سے مسلسل مرگی اور اختلاج کے دورے ہونے لگے عباس خوش تھا کہ ایک بچہ کو تخت پر بٹھا کر وہ سلطنت کا مالک بن گیا لیکن اہل قصر کو اصل حقیقت کی خبر لگ گئی اور وہ انتقام کی فکر کرنے لگے ۔

صالح طائع بن رزیک ارمنی والی منیۃ الخصیب جو نہایت غالی شیعہ اور ظافر کے خاص معتمدین میں سے تھا اس زمانہ میں نجف اور کربلا کی زیارت کو گیا ہوا تھا ۔ حرم نے یہ کیفیت اس کو لکھی اور مدد چاہی وہ اپنے ساتھیوں کے مشورہ سے اعراب کی ایک جمعیت ساتھ لے کر سیاہ ماتمی لباس پہنے ہوئے مصر آیا ۔ امراء سلطنت سب اس کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے ۔ عباس معہ اپنے بیٹے کے عسقلان کی طرف بھاگا ۔

صالح نے قاہرہ میں داخل ہو کر وزیر کے گھر میں سے ظافر اور اس کے ساتھیوں کی نعشیں نکلوائیں اور ان کو تربت زعفران میں دفن کرایا ۔ اس کے بعد مسند وزارت میں بیٹھ کر ملکی انتظامات میں مصروف ہوا ۔ ظافر کی بہن نے عسقلان کے صلیبیوں کو ایک کثیر رقم کا وعدہ دے کر لکھا کہ جس طرح ہو سکے عباس اور اس کے بیٹے کو پکڑ کر بھیجیں ۔ انہوں نے گھیر کر عباس کو لوٹ لیا اور قتل کر ڈالا اور نصر کو پکڑ کر مصر لائے اور موعدہ رقم لیکر اس کو خدام کے حوالہ کیا ۔ جنہوں نے ہر قسم کی سزائیں دے کر مار ڈالا اور جثہ کو سولی پر لٹکا دیا ۔ پھر ۵۵۱ھ میں عین عاشورہ کے دن اس کی ہڈیاں جلائیں ۔

فائز ۵۵۶ھ میں مر گیا ۔ اس کے زمانہ میں مصر زوال و اضمحلال کی انتہائی حد پر پہنچ گیا تھا ۔ چنانچہ ہر سال صلیبیوں کو ایک بڑی رقم اس لئے بھیجنی پڑتی تھی کہ وہ مصر پر چڑھائی نہ کریں ۔

(۱۱) عاضد الدین اللہ

۵۵۶ھ سے ۵۶۷ھ تک

فائز کی وفات کے بعد صالح نے فاطمی خاندان کے ایک سن رسیدہ شخص کو خلافت کے قابل سمجھ کر اس کی بیعت کا ارادہ کیا ۔ مگر کسی خیر خواہ نے اس کے کان میں کہا کہ پہلے وزراء تم سے زیادہ عاقل تھے جو بچوں کو خلیفہ بنا کر خود امور سلطنت کے متولی بن جاتے تھے ۔ یہ سن اس نے حافظ الدین اللہ کے ایک نابالغ پوتے عبداللہ کو عاضد کا لقب دے کر خلیفہ بنا دیا ۔ اور مہمات سلطنت پر بلاشرکت غیرے قابض ہو گیا ۔ مزید تقریب کے لئے اپنی بیٹی بھی خلیفہ کے ساتھ بیاہ دی اور رخصتی کے وقت بیش قیمت جہیز اس کو دیا

قتل صالح

صالح کے استبداد سے لوگ تنگ آگئے ۔ خاص کر خلیفہ کی پھوپی اس لئے اس نے اپنے چند غلاموں کو بھیجا جو قصر کی دہلیز میں چھپے رہے ۔ جب وہ نکلنے لگا تو خنجر سے اس کا شکم چاک کر دیا لوگ اس کو اٹھا کر اس کے گھر لے گئے جہاں وہ ۱۹ رمضان ۵۵۶ھ میں مر گیا ۔ مگر مرنے سے پہلے خود خلیفہ کے حکم سے اس کی پھوپی سے اپنا انتقام لے لیا ۔ یہ شخص فاضل ، شجاع ، سخی اور مدبر تھا ۔ فرائض

شرعیہ کا پابند لیکن شیعت میں غلو رکھتا تھا۔ حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر علماء و فقہا سے مناظرے کئے اور ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام رکھا" الاعتماد فی الرد علی اہل العناد " شعر بھی کہتا تھا۔

مشہد حسینؓ

اسی کے زمانہ میں مشہد حسین تعمیر کیا گیا۔ صورت یہ ہوئی کہ افضل امیرالجیوش جب شام کی مہم پر گیا تھا اس کو معلوم ہوا کہ عسقلان میں امام حسینؓ کا سر مدفون ہے اس نے اس مدفن پر ایک قبہ تعمیر کرا دیا۔ صالح نے اپنے عہد میں چاہا کہ اس کو مصر میں لائے اس کے لئے قاہرہ کی فصیل کے باہر ایک مدفن اور جامع تیار کرائی لیکن خلیفہ نے اس اثر شریف کو شہر کے باہر رکھنا گوارا نہ کیا۔ بلکہ اپنے قصر زمرد میں ایک جگہ اس کے لئے مخصوص کی۔ وہیں مشہد بنایا گیا جس میں عسقلان سے خاک منتقل کی گئی۔

صالح طائع کے بعد اس کا بیٹا محی الدین وزیر ہوا۔ جس کو خلیفہ نے ملک عادل کا خطاب دیا۔ مگر وہ زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکا اور اس کی جگہ شاور نے لے لی۔ صالح کے پروردوں کی ایک جماعت تھی جس کا سرغنہ ضرغام تھا اس نے اپنے رفیقوں کو متفق کر کے چاہا کہ اس کی جگہ لے لے۔ رمضان ۵۵۷ ھ میں اس کے محل پر حملہ کیا۔ شاور کا بڑا بیٹا مارا گیا۔ مگر وہ خود بچ کر شام کی طرف نکل گیا اور ضرغام نے وزارت حاصل کر لی۔

ضرغام

ضرغام میں عقل، شجاعت، کرم شیریں زبانی اور حسن صورت جملہ صفتیں تھیں لیکن ایک عیب یہ تھا کہ جو شکایت کسی کی سنتا اس پر فوراً یقین کر لیتا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد کسی کے ذریعہ اس کو یہ خبر ملی کہ امراء پھر شاور کو وزارت پر بلانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اس بناء پر اس نے جملہ امراء کو جن کی تعداد ۶۰۔۷۰ تھی اپنے گھر بلا کر قتل کرا دیا۔ ان رجال دولت کے خاتمہ سے ملک میں بین اضمحلال پیدا ہو گیا۔ چنانچہ صلیبیوں نے چڑھائی کر دی۔ ضرغام نے اپنے بھائی ہمام کو مقابلہ کے لئے بھیجا وہ شکست کھا کر بحال تباہ قاہرہ واپس آ گیا۔ اور صلیبی بلبیس کے قلعہ پر قابض ہو گئے۔

اسدالدین شیرکوہ

شاور مصر سے سلطان نورالدین کے پاس پہنچا جو اس وقت صلیبیوں کے مقابلہ میں سرگرم جہاد تھا۔ اور جملہ سلاطین و ملوک اسلام میں قوت شوکت میں سربلند اور اس سے مدد کا طالب ہوا۔ اس نے مصر کو زیر بار احسان رکھنے کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے امراء میں سے ایک خاص معتمد اسدالدین شیرکوہ کو فوج لے کر اس کے ساتھ روانہ کیا۔ شیرکوہ کرد کے قبیلہ رواویہ سے تھا جن کی سکونت در بند ناحیہ آذربیجان میں تھی۔ اس نے اور اس کے بھائی نجم الدین ایوب نے سلطان نورالدین کے ہمراہ صلیبیوں کے مقابلہ میں ایسی شجاعت۔ بسالت اور جنگی لیاقت کا اظہار کیا تھا جس سے سلطان کے دل میں ان کی خاص وقعت ہو گئی تھی۔

صلاح الدین

یوسف صلاح الدین پسر نجم الدین ایوب بھی اپنے چچا کے ہمراہ چلا اس کا باپ بوجہ نو عمری کے اس کو بھیجنے پر رضامند نہ تھا لیکن تقدیر یوسف صدیق کی طرح ان کو کھینچ کر لے گئی کہ عزیز مصر بنا دے۔ اس کی ولادت قلعہ تکریت میں ۵۳۲ ھ میں ہوئی تھی۔ یہی وہ نوجوان ہے جو آگے چل سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح جنگ صلیبی کے لقب سے مشہور ہوا اور جس کے کارنامے اسلامی تاریخ کے اوراق کے زیب و زینت بنے۔

۲۹ جمادی الاول ۵۵۹ ھ کو یہ لوگ مصر میں داخل ہوئے ۔ ضرغام مقابلہ میں مارا گیا ۔ اور شاور پھر وزارت پر آیا ۔ اس نے ایک ثلث مصر کا خراج سلطان نورالدین کے پاس اس کے احسان کے معاوضہ میں بھیجا ۔ مگر سلطان کی غرض یہ نہ تھی وہ چاہتا تھا کہ فاطمی سلطنت پر جو انتہائی ضعف کو پہنچ چکی ہے خود قابض ہو جائے ۔ اس بارہ میں شیر کوہ کو لکھا اس نے شاور سے مشورہ کیا دونوں مخفی طور پر باہم متفق ہوئے کہ سلطانی قبضہ کا اعلان کر دیں ۔ لیکن پھر شیطان نے شاور کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ وہ شیر کوہ اور اس کے مٹھی بھر ساتھیوں کو مصر سے نکال سکتا ہے ۔ اور نور الدین وہاں پہنچ نہیں سکتا ۔ پھر کیوں ملک اس کے حوالہ کرے ۔ یہ سوچ کر صلیبیوں کو لکھا کہ تم فوج لے کر آؤ اور شیر کوہ کو مصر سے نکالنے میں میری مدد کرو ورنہ اگر مصر نورالدین کے قبضہ میں چلا گیا تو تمہاری بھی خیر نہیں ۔ اس کے علاوہ ان کو بہت کچھ مال و متاع دینے کا بھی وعدہ کیا ۔

صلیبیوں نے جمعیت کثیر فراہم کر کے کوچ کیا ۔ سلطان نورالدین کو جب اس کا علم ہو تو فوجیں لے کر انکے شہروں پر حملہ آور ہوا تاکہ وہ مصر کی طرف نہ جا سکیں لیکن وہ نہیں رک سکے ۔ کیونکہ مصر کا نورالدین کے قبضہ میں چلا جانا ان کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا ۔ علاوہ بریں یہ بھی امید رکھتے تھے کہ شاید اس نادر موقع پر مصر کو فتح کر لیں ۔ شیر کوہ اطلاع پاکر بلبیس کے قلعہ میں جہاں سے صلیبیوں کو نکالا تھا جا کر قلعہ گیر ہو گیا ۔ شاور نے صلیبیوں کو ساتھ لے کر محاصرہ کیا ۔ باوجود اس کے کہ اس کی فصیلیں بلند نہ تھیں اور روزانہ صبح و شام کو نکل کر وہ مقابلہ بھی کرتا تھا ۔ مگر تین مہینہ گزر گئے اور یہ لوگ اس کا کچھ نہ کر سکے ۔ اس درمیان میں نورالدین نے شام میں صلیبیوں کو شکستیں دیں ۔ اور قلعہ حارم پر بھی جو ان کا خاص مامن تھا قبضہ کر لیا ۔ جب یہ خبریں مصر میں پہنچیں تو صلیبیوں نے گھبرا کر اپنے گھر کی حفاظت کے لئے مصر سے واپسی کا ارادہ کیا شیر کوہ کو لکھا کہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو ہم محاصرہ اٹھالیں ۔ وہ واقعات سے بے خبر اور قلت ذخیرہ سے تنگ تھا ۔ راضی ہو گیا اور مصر کو چھوڑ کر نورالدین کے پاس چلا آیا ۔ وہاں ۵۶۲ ھ تک رہا لیکن مصر کا خیال اس کے دل کو چین نہ لینے دیتا تھا آخر کار اس نے منتخب بہادروں کی ایک فوج مرتب کر کے سلطان سے مصر کی اجازت چاہی ۔ وہ راضی نہ تھا مگر اس کے وفور شوق سے مجبور ہو کر پروانگی دی اور چند امیروں کو بھی ساتھ کر دیا ۔ اس کل جماعت کی تعداد دو ہزار سوار تھی ۔

شاور نے اس کی اطلاع پاکر پھر صلیبیوں کو بلایا وہ یلغار کرتے ہوئے پہونچے ۔ شیر کوہ آب نیل سے اتر کر بالائی مصر میں پہنچ چکا تھا ۔ اس کے پیچھے مصری اور صلیبی لشکر دریا کی طرح موجیں مارتے ہوئے چلے ۔

شیر کوہ نے دیکھا کہ میری جمعیت قلیل اور غریب الدیار ہے ایسا نہ ہو کہ ان کے دل چھوٹ جائیں ۔ اس لئے سب کے سب کو جمع کر کے مشورہ لیا ۔ بعضوں نے کہا کہ یہاں اگر ہم شکست کھا گئے اور ظن غالب یہی ہے تو ہمارے لئے کوئی صورت پناہ کی نہ ہوگی اور اس ملک کے عامی اور لشکری اور بازاری و فلاح سب کے سب چن چن کر ہم کو قتل کر ڈالیں گے ایک بھی بچ کر گھر نہ جا سکے گا ۔ یہ سن کر نورالدین کے ممالیک میں سے ایک شخص شرف الدین برغش نامی کھڑا ہوا اور بولا کہ جو قتل یا قید سے ڈرتا ہے وہ فوج میں کیوں شامل ہوتا ہے اسے چاہیے کہ بیوی کے ساتھ گھر میں بیٹھے ۔ یاد رکھیے اگر یہاں سے بلا جنگ یا غلبہ حاصل کئے ہم واپس گئے تو نورالدین ہماری تنخواہیں بند اور جاگیریں ضبط کر لے گا اور کہے گا کہ تم مسلمانوں کا مال کھاتے ہو اور ان کے دشمنوں سے بھاگتے ہو ۔ مصر کو کیوں کفار کے حوالہ کر آئے اس کا کوئی جواب ہمارے پاس نہ ہو گا ۔

صلاح الدین نے بھی اس کی تائید کی اور کہا کہ اب سوائے جنگ کے اور کوئی سبیل نہیں ۔ شیر کوہ نے کہا یہی رائے صحیح ہے اور میں اسی پر عمل کروں گا ۔ چنانچہ مقابلہ کے لئے صف آرائی کی اور اپنی جنگ مہارت اس روز کام میں لا کر ایسی بے جگری اور تدابیر کے ساتھ لڑا کہ ایک ساتھ دونوں فوجوں کو شکست دی اور کشتوں کے پشتے لگا دیے ۔ میمنہ پر خود تھا اور قلب میں صلاح الدین کو رکھتا تھا ۔ شیر کوہ کے اس عجیب کارنامہ پر مورخین انگشت بدنداں ہیں کہ کس طرح اس نے صرف دو ہزار سواروں سے ساری

مصری اور فرنگی طاقت کو چند گھنٹوں میں توڑ دیا۔ اس فتح سے وہ صعید سے اسکندریہ تک قابض ہو گیا۔ وہاں اپنے بھتیجے صلاح الدین کو متعین کیا اور خود بالائی مصر کا خراج تحصیل کرنے لگا۔

ہزیمت خوردہ جماعت نے پھر اپنا ساز و سامان درست کر کے اسکندریہ پر چڑھائی کی اور صلاح الدین کو محصور کر لیا۔ شدت محاصرہ اور قلت رسد کی وجہ سے اس پر ایسی سختی گزر گئی جس کو وہ زندگی بھر نہیں بھولا۔ جب شیرکوہ مقابلہ کے لئے پہنچا اس وقت مصالحت کی گفتگو شروع ہوئی طے یہ پایا کہ جو کچھ اس نے وصول کر لیا ہے اس کے علاوہ پچاس ہزار دینار اور لے اور اپنی فوج کو لے کر مصر سے چلا جائے۔ شیرکوہ نے منظور کیا بشرطیکہ صلیبی یہاں سے واپس جائیں اور مصر کے ایک گاؤں پر بھی قبضہ نہ کریں۔ شیرکوہ اسکندریہ کو مصریوں کے حوالہ کر کے ذیقعدہ ۵۶۲ھ کو واپس چلا گیا۔ لیکن صلیبیوں نے قاہرہ میں اپنا شحنہ اور سواروں کا ایک دستہ چھوڑا کہ اگر نورالدین کوئی فوج بھیجے تو وہ شہر کی حفاظت کر سکیں۔

اس شحنہ اور اس کی فوج نے اہل قاہرہ پر سخت ظلم و ستم ڈھائے اور دو سال کے بعد جب دیکھا کہ یہاں کوئی طاقت نہیں ہے شام میں اپنے بادشاہ اموری کو دعوت دی کہ آکر مصر پر قبضہ کرے۔ صلیبی امراء نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔

اموری اگرچہ دلیر اور خوں ریز تھا لیکن مدبر بھی تھا۔ کہنے لگا کہ ہمارا مصر کی طرف چلنا مناسب نہیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ ملک کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے۔ اور جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں گے بلکہ یقین ہے کہ نورالدین کو بلائیں گے اس صورت میں اگر شیرکوہ کو اس نے مصر بھیجدیا اور خود شام پر چڑھائی کی تو سوائے جلاوطنی کے ہمارے لئے کوئی سبیل نہ رہے گی۔ لیکن صلیبی امراء نے اس کی بات نہ مانی اور کہا کہ جب تک نورالدین تیاری کرے گا اس وقت تک ہم مصر پر قبضہ کر چکیں گے۔

اسی اثناء میں مصر کے بعض ارکان دولت کے بھی اس کے پاس خطوط پہنچے کہ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اس وجہ سے وہ قوی دل ہو کر روانہ ہوا اور مصر پہنچ کر صفر ۵۶۴ھ میں بلبیس کو قتل و غارت سے تباہ کر ڈالا۔ پھر قاہرہ کی طرف بڑھا۔

اہل قاہرہ بلبیس کے قتل عام کو دیکھ کر ڈر گئے۔ شہر کا دروازہ بند کر لیا۔ اور پوری قوت کے ساتھ مدافعت کرنے لگے۔

خلیفہ عاضد نے سلطان نورالدین کے پاس خط بھیجا کہ آکر اس مصیبت سے مصریوں کو نجات دلائے۔ خط کے اندر حرم کے سر کے بال بھی رکھ دیئے تاکہ اس کو ترس آئے۔ اس نے فوراً شیرکوہ کو چھ ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ اس کے پہنچتے ہی صلیبی خائب و خاسر شام کی طرف لوٹ گئے۔ لیکن اس ہنگامہ میں فسطاط جیسا عظیم الشان شہر ویران ہو گیا۔ جس میں مورخین کے بیان کے مطابق تین ہزار سے زائد مسجدیں تھیں۔

شیرکوہ کے آجانے سے مصریوں کو امن مل گیا۔ انہوں نے اس کی فوج کی ضیافتیں کیں۔ خلیفہ نے بھی اس کو خلعت اور اس کے سپاہیوں کو انعامات دیئے۔ شاور البتہ دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ آخر میں چاہا کہ دعوت کے بہانہ سے بلا کر شیرکوہ کو قتل کر دے لیکن اس کے بیٹے کامل نے مخالفت کی اور کہا اگر تم نے ایسا ارادہ کیا تو میں خود اس کو مطلع کر دوں گا۔ شاور نے کہا کہ اگر ہم اس کو نہ ماریں گے تو یہ یقینی ہے کہ وہ ہم کو مار ڈالے گا۔ کامل نے جواب دیا کہ بلا سے ہم قتل ہو جائیں۔ ملک تو مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہے گا۔ یہ سمجھ رکھیے کہ جس دن شیرکوہ مارا گیا۔ اسی دن صلیبی آکر سارے مصر پر قبضہ کر لیں گے۔ اس وقت اگر خود عاضد بھی نورالدین کے پاس جائے گا تب بھی وہ ایک سپاہی مدد کے نہ دے گا۔ مجبوراً شاور اپنے ارادہ سے باز رہا۔

صلاح الدین کو یہ اطلاع ملی کہ شاور پھر صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے۔ اس لئے جرات کر کے اس کو گرفتار کر لیا۔ خلیفہ کو جب معلوم ہوا تو اس نے بھی قتل کا فرمان دیا۔ لوگوں نے اس کا گھر بھی لوٹ لیا۔ اسی میں اس کا بیٹا کامل مارا گیا۔ شیرکوہ کو اس کے مارے جانے کا افسوس ہوا۔ کہا کہ اگر وہ زندہ رہتا تو میں اس کو اس احسان کا کہ اپنے باپ کو میرے قتل سے روکا تھا اچھا بدلہ دیتا۔

شاور کے قتل کے بعد خلیفہ نے شیر کوہ کو بلا کر وزارت کا خلعت عطا کیا مگر وہ صرف دو مہینے پانچ دن اس منصب پر رہنے پایا تھا کہ ۲۲ جمادی الثانی ۵۶۴ ھ کو انتقال کر گیا۔ عاضد نے اس کے بعد صلاح الدین کو وزارت عطا کی۔

موتمن الخلافہ

صلاح الدین کے صفات اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے اہل مصر اس کے گرویدہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حساد کو رشک آیا جن میں سب سے مقدم موتمن الخلافہ تھا۔ یہ خصی غلام قصر خلافت کے جملہ امور کا منصرم اور خدم و حشم کا سردار تھا۔ اس نے چند مصری امراء کے ساتھ اتفاق کر کے صلیبیوں کے پاس خط لکھا کہ صلاح الدین کو مصر سے نکالنے میں ہماری مدد کرو۔ یہ خط جوتے کے تلے میں سلوا کر ایک غلام کو دیا کہ مخفی طور پر پہنچا دے۔ وہ راہ میں جوتا ہاتھ میں لیے ہوا جا رہا تھا کہ صلاح الدین کے کسی آدمی کو شبہ ہوا۔ اس نے پکڑ لیا۔ خط برآمد ہوا۔ اور تحقیقات سے ساری کیفیت منکشف ہو گئی۔ موتمن الخلافہ نے خوف کی وجہ سے قصر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ صلاح الدین خاموش رہا جب وہ مطمئن ہو گیا اور باہر آنے جانے لگا اس وقت اس کو قتل کرا دیا۔ شیدیوں نے غضبناک ہو کر شورش کی اور تقریباً پچاس ہزار جمع ہو کر صلاح الدین پر حملہ آور ہوئے خلیفہ نے بھی قصر کے ایک جھروکے میں بیٹھ کر ان کی حمایت شروع کی صلاح الدین نے نفط اندازوں کو حکم دیا کہ اس میں آگ لگا دیں۔ جب خلیفہ وہاں سے بھاگا اس وقت شیدی سست پڑ گئے۔ صلاح الدین کے بھائی شمس الدولہ نے ان سب کو شکست دے کر تعذیب و تحریق سے فنا کر دیا۔ اس وقت سے ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ اور عاضد بھی بے کس اور مخول ہو گیا۔ لوگوں نے اس کا ذکر بھی چھوڑ دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ فاطمیوں کے لئے مصر کو جس غلام نے فتح کیا تھا اس کا نام بھی جوہر تھا اور جس کی بدولت مصر ان کے قبضہ سے نکل گیا یعنی موتمن الخلافہ اس کا نام بھی جوہر تھا۔ صلاح الدین نے اب اطمینان کے ساتھ ملکی انتظامات شروع کئے۔

صلیبیوں کو سخت خطرہ ہوا کہ ایک طرف نور الدین اور ایک طرف صلاح الدین اس لئے ۵۶۵ ھ میں اموری نے ایک فوج گراں لے کر مصر پر چڑھائی کی اور دمیاط کو محصور کر لیا۔ مگر وہاں سے بہت نقصان اٹھا کر واپس آ گیا۔ دوسرے سال خود صلاح الدین نے اس پر فوج کشی کی۔ شکست دیکر عسقلان۔ رملہ اور پھر غزوہ کو بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد مصر آیا اور کشتیاں بنوا کر بر و بحر دونوں راستوں سے فوجیں لے گیا اور ایلہ پر قبضہ کر لیا۔

خطبہ عباسی

جب صلاح الدین کا مصر پر پورا تسلط ہو گیا۔ یہاں تک کہ قصر خلافت کے امور بھی اس کے ہاتھ میں آ گئے جس کا متولی امیر قراقوش کو بنا دیا۔ اور خلیفہ عاضد بالکل بے بس اور گمنام ہو گیا۔ اس وقت سلطان نور الدین نے حکم بھیجا کہ فاطمی خطبہ موقوف کر کے وہاں عباسی خطبہ جاری کرو۔ صلاح الدین ڈرتا تھا کہ اہل قاہرہ جو فاطمیوں کے اثر سے زیادہ تر شیعہ ہو گئے ہیں مخالفت پر آمادہ ہوں گے۔ مگر ایک مشرقی شخص نے جس کا نام امیر عالم تھا جرآت کر کے محرم ۵۶۷ ھ کے پہلے جمعہ کی جامع مسجد میں مستضی باللہ خلیفہ عباسی کے نام کا خطبہ پڑھ دیا۔ کوئی بھی مخالفت کے لئے نہیں اٹھا۔ اس وقت سے فاطمی خطبہ منقطع ہو گیا۔ اور شام و مصر کے تمام شہروں میں عباسی خطبہ پڑھا جانے لگا۔

بغداد میں جس وقت یہ خبر پہنچی وہاں بڑا جشن منایا گیا۔ خلیفہ نے سلطان نور الدین کے پاس خلعت اور مصر و شام کی امارت کا فرمان بھیجا۔ نیز صلاح الدین کے لئے خلعت اور سیاہ عباسی علم روانہ کئے۔ عاضد اس وقت مرض الموت میں تھا۔ صلاح الدین نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ایسی حالت میں اس کو اس خبر کی اطلاع دی جائے جو اس کے لئے رنج کا موجب ہوگی۔ چنانچہ وہ بلا اطلاع کے عاشورہ کے دن گزر گیا اس کی موت پر فاطمی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ عاضد نہایت غالی شیعہ تھا اور سنیوں کے خون کو حلال سمجھتا تھا۔

خلفاء فاطمیہ

خلفاء فاطمیہ کی تعداد خلفاء بنی امیہ کے برابر ہوئی ۔ یعنی ۱۴۔ جن میں سے مہدی ۔ قائم اور منصور تین افریقہ میں گزرے اور بقیہ گیارہ مصر میں ۔ لیکن زمانہ انہوں نے بنی امیہ سے تگنا پایا اور ۲۹۵ھ سے ۵٦۷ھ تک ۲۷۲ سال خلافت کی ۔

مورخین بالعموم ان کی نسبت اچھی رائیں نہیں رکھتے ۔ کیونکہ جہانبانی اور ملک داری میں یہ لوگ حصہ نہیں لیتے تھے ۔ بلکہ مہمات سلطنت وزراء کو سپرد کر کے خود حرم میں تعیشات اور تکلفات میں زندگیاں گزارا کرتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ ملک کی انتظامی حالت ان کے عہد میں بہ نسبت سابق کے خراب رہی اور مستنصر کے عہد سے تو بالکل غلاموں کے قبضہ میں پڑ گئے ۔ اور کسی کام کے قابل نہیں رہے ۔ یہاں تک کہ جزیرہ صقلیہ بھی نکل گیا ۔ صلیبیوں نے آکر شام کو لے لیا ۔ اور وہاں ڈیرے ڈال دیے ۔ روجر نے دو بار مصر کو تخت و تاراج کیا ۔ اور اگر وہ ملک کی اندرونی شورشوں کی وجہ سے واپسی پر مجبور نہ ہوا ہوتا تو پورے مصر پر قبضہ کر لیتا

چونکہ یہ خلافت بھی عباسی خلافت کی طرح قرابت رسولؐ کے دعوے پر قائم ہوئی تھی اور عبیداللہ نے فاطمی اور علوی نسب کی بنیاد پر اپنی مہدویت و امامت کا علم بلند کیا تھا اس وجہ سے تشیع اس کے اصل قوام میں داخل تھا جس میں یہ تمام خلفاء اول سے آخر تک غلو رکھتے تھے اور عوام الناس میں یہی عقائد پھیلاتے تھے ۔ مصر پر قبضہ کرنے کے بعد اسماعیلیت کی تبلیغ کے لئے جس میں بنی فاطمہ کی امامت کا عقیدہ سب سے مقدم تھا ایک خاص مرکز قائم کیا گیا جس کے رئیس کا لقب داعی الدعاۃ ہوتا اور اس کا درجہ قاضی القضاۃ سے بھی برتر سمجھا جاتا تھا ۔ چنانچہ قاضی یازوری مستنصر کا مقبول ترین وزیر پہلے اسی رتبہ پر تھا ۔ اس مرکز میں طریق دعوت اور اسرار امامت کی تعلیم دے کر دوسرے ممالک میں مبلغ بھیجے جاتے تھے کہ مخفی طور پر لوگوں کو ان عقائد کی تلقین کریں ۔ ان خلفاء کی نگاہیں ایران و خراسان پر لگی ہوئی تھیں ۔ جو شیعیت کا گہوارہ رہ چکے تھے ۔ اس لئے ان میں کثرت کے ساتھ مبلغ بھیجے گئے ۔ جن کی وجہ سے سلمیہ کی مرتب باطنی جماعت پیدا ہوئی جن کو بوجہ حشیش (بھنگ) کے استعمال کے حشیشین کہنے لگے اور عراق میں قرامطہ کی شورش بڑھی جس کی بدولت نہ صرف خلافت عباسی بلکہ تمام مشرق میں اضطراب پھیل گیا ۔ باطنیہ کا سلسلہ اصفہان اور مرو تک پہنچ گیا تھا اور حسن بن صباح جس نے مصر میں اصول دعوت کی تعلیم حاصل کی تھی اور مستنصر سے مل کر مشرق میں گیا تھا ۔ ساحل بحر قزوین پر قلعہ الموت میں اپنا مرکز بنا رکھا تھا ۔

ان جماعتوں کے رات دن کے فتنوں ، خلفاء سلاطین امراء وزراء اور علماء وغیرہ کے قتل و ذبح سے ممالک شرقیہ کمزور اور بے جان ہو گئے ۔ خلفاء عباسیہ کی تو یہ نوبت پہنچ گئی کہ بساسیری نے جو خود انہیں کا غلام تھا بغداد میں فاطمی خطبہ رائج کر دیا اور وہ کچھ نہ کر سکے ۔ اور اگر سلجوقی حمایت کو نہ کھڑے ہو جاتے تو سارا مشرق فاطمیوں کے زیر اثر آچکا تھا ۔ سنی علماء نے ان کے الحاد فسق و فجور اور ظلم و ستم کے واقعات پر مفصل کتابیں لکھی ہیں جن میں سے قاضی ابو بکر باقلانی کی کشف الاسرار عبدالجبار بصری معتزلی کی تثبیت

النبوۃ اور ابو شامہ اور حافظ ابوالقاسم کی تاریخیں مشہور ہیں ۔ خلفاء عباسیہ نے بھی ایک محضر تیار کرایا جس میں اس عہد کے شرفاء اور علماء نے شہادتیں لکھیں کہ فاطمیہ کا دعویٰ نسب صحیح نہیں ہے ۔ بلکہ یہ میمون بن قداح کی نسل سے ہیں ۔ جو ایک شعبدہ گر ملحد مجوسی تھا ۔ اور عبیداللہ مہدی کا نام سعید تھا ۔ جس کا باپ سلمیہ میں آہنگری کا کام کرتا تھا ۔ اسی سعید نے مغرب میں جا کر اپنا نام عبیداللہ رکھا اور فاطمی اور علوی بن کر مہدویت کا مدعی ہوا ۔

فاطمیہ چونکہ اپنے آپ کو عباسیہ کا مدمقابل سمجھتے تھے اس وجہ سے جاہ و جلال اور نام و نمود کے ساز و سامان میں ان سے فوقیت کی کوشش کرتے تھے ۔ اور مصر کی بے شمار دولت کی وجہ سے اس میں ناکام بھی نہیں رہتے تھے ۔ چنانچہ صلاح الدین نے جب عاضد کے قصر پر قبضہ کیا اس وقت اس قدر آلات و فروش ۔ امتعہ و ذخائر اور نقود و جواہر ملے جو حد شمار سے باہر تھے اور جن کے بیان سے تاریخ کے صفحات تنگ ہیں ۔ مزید برآں دو لاکھ کتابیں تھیں جن میں سے بڑا حصہ قاضی فاضل کو ملا ۔ بقیہ فروخت کی گئیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کتابوں میں بہت سی کتابیں اب جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہیں ۔

دولت ایوبی

۵۶۷ھ سے ۶۴۸ھ تک

صلاح الدین نے قصر خلافت پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کے غلاموں اور کنیزوں کو امراء میں تقسیم کر دیا ۔ حرم خلافت کے لئے ایک حویلی مخصوص کی اور خاندان فاطمی کے افراد کو نظر بند رکھا ۔ اس کے بعد رفض و شیعیت کو مٹانے اور مذہب شافعی کو فروغ دینے پر کمر باندھی ۔ اذان میں حی علیٰ خیر العمل کے بجائے حی علی الفلاح پکارنے کا حکم دیا ۔ جامع ازہر میں اسماعیلیت کی تعلیم بند کر دی اور مذہب اربعہ کے اساتذہ وہاں تدریس کے لئے مقرر کئے اور ملک سے جملہ شعائر اسماعیلیت کے اٹھا دیے ۔ نیز جو ناجائز ضرائب عہد فاطمی میں رعایا پر لگائے گئے تھے ۔ منسوخ کئے ۔ جن پر بقایا تھا معاف کر دیا ۔ ملک کی ابتری کی اصلاح کی اور رعایا کی بہبود اور اراضی کی آبادانی کی طرف متوجہ ہوا ۔

داعی الدعاۃ اور عمارہ یمنی نے جو فاطمیہ کے پروردہ تھے ۔ بہت بڑی سازش کی کہ صلاح الدین کو قتل کر ڈالیں ۔ مگر راز کھل گیا ۔ صلاح الدین نے سرغنوں کو سولی پر چڑھایا اور بقیہ فاطمیوں پر نگرانی زیادہ بڑھا دی ۔

سلطان نورالدین محمود زنگی

صلاح الدین مصر میں اگرچہ سلطان نورالدین کی نائب کی حیثیت سے تھا لیکن اس کی نیت استقلال کی تھی اور در پردہ اسی کا سامان کر رہا تھا اور برابر اپنی مالی اور فوجی قوت بڑھانے میں مصروف تھا ۔ اپنے بھائی کو اسوان کا امیر بنایا ۔ اس نے نوبیا اور اس کے دوسرے سال یمن پر قبضہ کر لیا ۔ نورالدین نے اس امر کو محسوس کر لیا ۔ چاہا کہ اس کو اپنے پاس بلالے لکھا کہ میں صلیبیوں پر حملہ کرتا ہوں تم بھی فوجیں لے کر مصر سے آو اور مقام کرک میں مجھ سے ملو ۔ صلاح الدین نہیں گیا اور جواب بھیجا کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے مصر میں رہنا ناگزیر تھا ۔ نورالدین کو اب یقین ہو گیا ۔ اس نے لکھا کہ آو ورنہ میں خود آؤں گا ۔ صلاح الدین نے اپنے حامیوں کو جمع کر کے مشورہ لیا ۔ اس کے بھتیجے تقی الدین نے کہا کہ آنے دیجئے ہم مقابلہ کریں گے ۔

نجم الدین ایوب

اس مجمع میں صلاح الدین کا باپ نجم الدین بھی تھا ۔ بولا کہ یہ رائے غلط ہے ہم سب نورالدین کے خدام اور اس کے نمک پروردہ ہیں ۔ جس وقت وہ سامنے آجائے گا کون ہے گھوڑے سے اتر کر اس کو سلام نہ کرے ۔ مناسب یہ ہے کہ تم یہ جواب لکھو کہ آپ خود یہاں آنے کی زحمت کیوں اٹھائیں اگر میری گرفتاری منظور ہے تو ایک پیادہ کو بھیج دیجئے وہ میرے گلے میں رسی ڈال کر لے جائے ۔ یہاں کون ہے جو چوں و چرا کر سکے ۔ اس کے بعد جب سب امراء چلے گئے تو اس نے صلاح الدین کو سمجھایا کہ سلطان سے بغاوت کا اعلان نادانی ہے ۔ کیونکہ پھر وہ پوری قوت سے چڑھائی کرے گا اور ہم مقابلہ نہ کر سکیں گے ۔ اور فرماں برداری کے اظہار سے ہماری طرف سے غافل ہو کر دوسری مہمات میں مشغول رہے گا اور تقدیر اپنا کام کرتی رہے گی ۔ یہ تم یقین رکھو کہ وہ اگر یہاں

سے ایک حبہ بھی لینا چاہے گا تو سب سے پہلے میں لڑوں گا۔ مگر زہر کی بہ نسبت شہد سے کام لینا زیادہ بہتر ہے۔

صلاح الدین نے اپنے باپ کی رائے کے مطابق جواب دیا۔ جس سے سلطان مطمئن ہو گیا اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد شوال ۵۶۹ھ میں دمشق میں اس کا انتقال ہو گیا۔ عمر ساٹھ سال تھی۔

صفات نورالدین

سلطان نورالدین پہلے حلب کا والی تھا۔ لیکن صلیبی جنگوں میں ایسی عظیم الشان فتوحات کیں کہ اس کی بہادری کا سکہ بیٹھ گیا اور اس کی سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔ مصر شام یمن میں بھی اس کا نام خطبوں میں لیا جانے لگا۔ نہایت متقی عالم اور علم دوست تھا۔ بیت المال میں سے کبھی ایک پائی اپنے خرچ میں نہیں لایا۔ اور ہمیشہ گزر اوقات ایک جائیداد سے کی جس کو اپنی خاص حلال کی کمائی سے خرید کیا تھا۔

علماء و صلحاء کی بہت تعظیم و توقیر کرتا تھا۔ ملک میں جا بجا مدارس مساجد مارستان اور سرائیں تعمیر کرائیں اور ان پر املاک وقف کئے۔ شام کے اکثر شہروں کی فصیلیں بنا دیں کہ فرنگیوں کے حملہ سے محفوظ رہیں۔ جہاد میں خود سپاہیوں کی طرح دو دو کمانیں لے کر لڑتا تھا۔ فقیہ قطب نسادی نے ایک بار کہا کہ آپ اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں کیونکہ اگر کوئی بات ہو گئی تو پھر مسلمانوں کی خیر نہیں بولا کہ محمود سے پہلے مسلمانوں کا کون محافظ تھا۔ یہ کام اللہ کا ہے اور بس۔ رات کا بڑا حصہ دعا اور عبادت میں گزارتا۔ اور عدل و انصاف میں یگانہ اور بیگانہ۔ چھوٹے اور بڑے سب کو ایک سا سمجھتا تھا۔ چوڑی پیشانی، مطبوع شکل اور بادامی آنکھیں تھیں۔ چہرہ سے رعب و وقار برستا تھا۔

مؤرخین نے شاہان اسلام میں سب سے بہتر اسی کو قرار دیا ہے۔ چونکہ اس کی سلطنت کا رقبہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور اکثر صلیبیوں کے ساتھ جنگ و جہاد میں مصروف رہتا تھا اس وجہ سے خبر رسانی کا کام زیادہ تر کبوتروں سے لیتا تھا۔ جو سکھا کر اس کے لئے تیار کئے جاتے تھے۔ اس کے جنگی کارناموں اور فتوحات پر مفصل اور مستقل کتابیں علما نے لکھیں ہیں ان کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

سلطان صلاح الدین

نورالدین کی وفات کے بعد مصر اور شام کی مستقل حکومت صلاح الدین کے ہاتھ میں آگئی ۔ ۵۷۱ھ میں حلب ، رہا ، نہار اور موصل وغیرہ بھی جو نورالدین کے بیٹے اسمعیل کے قبضہ میں تھے اس کو مل گئے ۔ اس وقت سے سلطان کے لقب سے مشہور ہوا ۔ خلیفہ بغداد مستضی نے معزامیرالمومنین کا خطاب بخشا ۔ اس کے بعد ناصرالدین اللہ خلیفہ ہوا تو اس نے ملک ناصر کا خطاب دیا ۔ لیکن صلاح الدین نے اس کو قبول نہ کیا ۔ کہا کہ خود خلیفہ کا لقب اپنے جیسے خادم کے لئے خلاف ادب سمجھتا ہوں ۔

صلاح الدین جس زمانہ میں حلب کی طرف گیا تھا صلیبیوں نے موقع پا کر شام کے مغربی شہروں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا ۔ اس کا بھائی تورانشاہ مدافعت کے لئے فوجیں لے کر گیا مگر مقابلہ نہ کر سکا ۔ سلطان نے اطلاع پا کر اپنے لشکر میں سے ایک مصری فوج کمک کے لئے بھیجی جس نے صلیبیوں کو پسپا کیا ۔ جب حلب سے سیف الدین غازی اور ملک صالح وغیرہ سے معاہدہ کر کے واپس آرہا تھا مقام عیراز میں دو باطنی جو اس کے مارنے کے لئے آئے تھے پکڑے گئے ان کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ۔ ۲۰ محرم ۵۷۲ھ کو مصر میں پہنچا اور اس کا انتظام وزیر بہاالدین اسدی کے سپرد کر کے خود صلیبی مہم پر روانہ ہوا ۔

وزیر مذکور نے نہایت دیانت ، دانشمندی اور چستی سے کام کیا ۔ عہد فاطمی میں جتنی خرابیاں پڑ گئی تھیں ان کی اصلاح کی ۔ نہروں اور پلوں کی مرمت کرائی راستے ٹھیک کئے تجارت اور زراعت کو ترقی دی جس سے ملک خوش حال رعایا فارغ البال اور خزانہ سلطنت معمور ہو گیا ۔ سلطان ہمیشہ اس کے حسن انتظام سے خوش رہا ۔ ۵۷۴ھ سے صلیبیوں کے ساتھ جہاد شروع کیا ۔ اور متواتر چودہ سال تک لڑ کر شام کا ایک ایک شہر ان کے ہاتھوں سے نکال لیا ۔ یہاں تک کہ بیت المقدس بھی لے لیا ۔ جہاں انہوں نے اپنی پوری قوت سے جنگ کی تیاریاں کی تھیں ان معرکوں کی تفاصیل سے تاریخیں بھری پڑی ہیں ۔

بالآخر صلیبیوں نے مجبور ہو کر ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ میں حلف نامہ لکھ کر مصالحت کی اس وقت لڑائی ختم ہوئی ۔ طے یہ پایا کہ اسلامی اور عیسائی بلاد یکساں ہیں ہر شخص آزادانہ بلا خوف و خطر جہاں چاہے آئے جائے ۔ اس کے بعد سلطان دمشق میں گیا جہاں اس کے اہل و عیال موجود تھے وہیں کرک سے اس کا بھائی ملک عادل بھی آگیا اور سارا خاندان نہایت امن و آرام کے ساتھ رہنے لگا ۔ سلطان کو دمشق اس قدر پسند تھا کہ مصر جانے کا خیال بھی نہ کیا ۔ آخر وہیں ۵۸۹ھ میں ۲۷ صفر کو ۵۷ سال کی عمر میں انتقال کر گیا ۱۷ بیٹے چھوڑے اور صرف ایک بیٹی مونسر خاتون ۔

صفات صلاح الدین

صلاح الدین شجاعت ، عدل ، کرم اور تقوے میں نورالدین ثانی تھا بیحد سخی اور بے انتہا رقیق القلب ، دشمنوں پر بھی ترس کھاتا تھا ۔ صلیبی جنگوں میں کوئی سرہنگ فرنگی فوج میں سے ایک شیر خوار بچہ اٹھالایا ۔ اس کی ماں رنج و غم سے بے قرار ہو گئی اور اپنے

سرداروں کے پاس جاکر روئی ۔ انہوں نے کہا کہ سلطان بڑا نرم دل ہے اس کی خدمت میں جاکر عرض کر ۔ وہ روتی ہوئی آئی اور اپنی کہانی سنائی سلطان مضطرب ہو گیا اور اسی وقت اٹھا اور فوج میں تلاش کرایا معلوم ہوا کہ بچہ بیچ دیا گیا ۔ دام دے کر واپس منگایا جب بچہ آگیا تو اسکی کی ماں کی گود میں دیا اور سوار کرا کے عزت کے ساتھ پہونچا دیا ۔

جس زمانہ میں رملہ کے متصل خیمہ زن تھا یافا میں انگلستانی بادشاہ رچرڈ بیمار پڑا ۔ فرانسیسی اس وقت جا چکے تھے اور رچرڈ کے پاس صرف دو تین سو سپاہی رہ گئے تھے ۔ سلطان بجائے اس کے کہ کسی رئیس کو حکم دیتا کہ وہاں قبضہ کر لے روزانہ اس کے واسطے میوہ اور برف بھیجتا تھا ۔ بلکہ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ خود طبیب بن کر اس کو دیکھنے گیا اور علاج بھی کیا ۔

بیت المقدس میں فرنگی جب اس کے محاصرہ سے تنگ آگئے تو امان کے طالب ہوئے ۔ سلطان نے کہا کہ ۴۹۲ھ میں جب تم اس میں داخل ہوئے تھے تو کسی مسلمان کو امان دی تھی ؟ میں بھی امان نہیں دوں گا ۔ اور وہی سلوک تمہارے ساتھ کروں گا ۔ آخر میں اسقف بالیاں اور دیگر رؤساء کے کہنے سے اس شرط پر ان کو امان دی کہ فی مرد ۱۰ فی عورت ۵ اور فی طفل دو دینار دیں اور اپنا مال متاع لے کر چالیس دن کے اندر یہاں سے نکل جائے ۔ اسلامی فوج شہر میں داخل ہوئی سپاہیوں نے دیکھا کہ فرنگی اشرفیوں کے صندوق بھرے لئے جا رہے ہیں سلطان سے جا کر کہا کہ فاتح فوج ایسی غنیمت سے کیوں محروم کی جاتی ہے ۔ بولا بدعہدی ہمارا شیوہ نہیں ہے ۔

پرنس رانوڈوی شانیلون والی کرک نے ایک بار معاہدہ کر لینے کے بعد مسلمانوں کی ایک جماعت کو بلا وجہ قتل کر ڈالا تھا اور کہا تھا کہ میرے مقابلہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کون نصرت کر سکتا ہے ۔ سلطان نے سن کر یہ قسم کھائی تھی کہ وہ گرفتار ہو گا تو اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کروں گا ۔ معرکہ حطین جو صلیبی لڑائیوں میں سب سے سخت تھا اور ربیع الثانی ۵۸۳ھ میں ہوا ۔ اس میں ان کا سب سے بڑا بادشاہ جافرے (گوے دی لوزینانا) مع اپنے بھائی پرنس مذکور کے گرفتار ہوا ۔ جب یہ دونوں دربار میں لائے گئے اس وقت جافرے بہت پیاسا تھا ۔ سلطان نے اس کے لئے برف کا شربت منگوایا ۔ پینے کے بعد اس نے پرنس کو بھی پلایا ۔ سلطان نے کہا کہ آپ پلا رہے ہیں میں نہیں ۔ کیونکہ کھلانے یا پلانے کے بعد کسی کو قتل کرنا اس کے نزدیک سپاہیانہ روح کے منافی تھا ۔ اس کے بعد تلوار لے کر اٹھا اور کہا کہ دیکھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے لئے تیار ہوں ۔ اور اگر اب بھی تو اسلام قبول کرے تو چھوڑ دوں لیکن یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی ۔ جافرے اس کے قتل سے سہم گیا ۔ سلطان نے اس کو اطمینان دلایا کہ میں تم کو قتل نہیں کروں گا ۔ یہ تو غدار اور بے دین تھا اور انبیائے کی شان میں زبان درازی کرتا تھا ۔

علم کا ایسا قدر دان تھا کہ سینکڑوں مدرسے بنوائے ، علماء و صلحا کے وظائف مقرر کئے اور اپنے دونوں بیٹوں عزیز اور افضل کو ساتھ لے کر امام سلفی سے سماع حدیث کے لئے اسکندریہ کا سفر کیا ۔ ۵۷۴ھ میں عسقلان کی جنگ میں جب فقیہہ عیسیٰ جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے صلیبیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تو ان کو واپس لے کر چین لیا اگرچہ چھ لاکھ دینار فدیہ میں دینے پڑے ۔ اس کی تمام فوج مطیع و فرماں بردار اور دل سے محبت اور عزت کرتی تھی اور رعب اس قدر تھا کہ باوجود کثرت کے کبھی ان میں سے کوئی منحرف نہ ہو سکا ۔ دنیا سے بے نیازی کی کیفیت یہ تھی کہ گو بے حد مال و متاع زندگی میں اس کو ملا مگر مرنے کے بعد خزانہ خاص میں صرف ایک دینار چھوڑا تھا اور ۴۷ درہم ۔ مصر اور شام میں اس کی بہت سی یادگاریں ہیں ۔ قاہرہ کے متصل جبل مقطم کا قلعہ اسی نے اپنی سکونت کے لئے بنوایا تھا جو اب تک موجود ہے اور مصر کے کل قلعوں سے زیادہ سنگین ۔ بڑا اور موقع کے لحاظ سے بہتر ہے ۔

ملک عزیز

صلاح الدین نے آمراء کے مشورہ سے اپنی زندگی ہی میں سلطنت کو اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا ۔ عماد الدین عثمان کو

ملک عزیز کے لقب کے ساتھ مصر کی ولایت دی ۔ نور الدین کا خطاب ملک افضل رکھا اور اس کو دمشق کا بادشاہ بنایا ۔ اور غیاث الدین ابوالفتح غازی کو ملک ظاہر کالقب دے کر عراق عجم حوالہ کیا ۔ بقیہ بیٹوں کو چھوٹے چھوٹے اقطاع دیدیئے ۔ عزیز فیاض اور شجاع تھا لیکن امور سلطنت میں سہل انگار ۔ اس کے عہد میں وہ محاصل جن کو سلطان صلاح الدین نے شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے موقوف کر دیا تھا ۔ پھر لگا دیے گئے قحط بھی پڑا ۲۰ محرم ۵۹۵ھ کو اس نے وفات پائی ۔ ارباب خیر و صلاح کو بہت عزیز رکھتا تھا ۔

ملک منصور

عزیز کے بعد اس کا بیٹا منصور جس کا سن صرف آٹھ سال تھا مصر کے تخت پر بیٹھا ۔ ملک عادل سیف الدین ابو بکر بن ایوب کرک سے فوج لئے ہوئے آیا اور اس دعوے سے کہ وہ منصور کا دادا ہوتا ہے سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ پھر شوال ۵۹۶ھ میں علماء کے فتوے کے مطابق اس نابالغ کو اتار کر خود تخت نشین ہو گیا ۔

ملکِ عادل

عادل کے تخت پر آتے ہی دور صلاح الدین تازہ ہو گیا ۔ کیونکہ اس نے افضل سے شام بھی لے لیا اور حلب کو بھی تابع کر لیا اس طرح پر پوری سلطنت جو حصوں بخروں میں منقسم ہو گئی تھی پھر ایک علم کے نیچے آ گئی ۔ اسی کے عہد میں ۵۹۷ھ میں مصر کا وہ مشہور قحط پڑا تھا جس میں آدمی آدمیوں کو کھانے لگے تھے اور جس کی چشم دید ، پر درد کیفیت عبداللطیف بغدادی نے اپنے سفر نامے میں لکھی ہے ۔

سلطان صلاح الدین کے انتقال کے بعد صلیبیوں نے جب دیکھا کہ اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تو یورپ سے مدد طلب کی اور خود بھی اپنی قوتیں بڑھانے لگے تاکہ اپنی کھوئی ہوئی شوکت پھر حاصل کر لیں ۔ مگر یہ مدد اس وقت پہنچی جب ملک عادل سلطنت کو متحد کر چکا تھا اس وجہ سے وہ کچھ نہ کر سکے ۔

۶۱۳ھ میں جب چھٹا حملہ صلیبیوں کا ہوا اس وقت بوجہ کثرت کے انہوں نے شام کے اکثر شہروں کو لے لیا ۔ ۶۱۵ھ میں مصر کی طرف بڑھے اور دمیاط کو فتح کر لیا ۔ اسی درمیان میں ملک عادل نے وفات پائی ۔ یہ سلطان صلاح الدین کا بھائی اور اسی کی طرح شجاع عاقل حلیم اور اقبال مند تھا ۔ صلیبی معرکوں میں اس کا رعب اس قدر غالب تھا کہ دشمن ، صلاح الدین سے زیادہ اس سے ڈرتے تھے ۔ رچرڈ شیر دل کوشش میں تھا کہ اپنی بہن جون کی جو سسلی کے بادشاہ کی بیوہ تھی اس کے ساتھ شادی کر دے صلیبیوں نے دونوں جماعتوں جمعیت ہیکلین اور جمعیت عاری یوحنا کے مشورہ سے بار بار اس کے لئے قاصد بھیجے ۔ شرط یہ تھی کہ قدس اور وہ بلاد جو مسلمانوں کے پاس ہیں جون کو ملیں ۔ عادل نے اس شرط کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھ کر منظور کر لیا ۔ اور سلطان صلاح الدین نے بھی اجازت دے دی ۔ لیکن کششیوں اور راہبوں نے جا جا کر جون کو سمجھایا کہ اس سے تو مسیح کی نافرمانی ہو جائے گی اور آسمانی بادشاہت میں داخل نہ ہو سکے گی اس وجہ سے وہ رک گئی ۔

ملک کامل

عادل کے بعد اس کا بیٹا کامل محاصرہ دمیاط ہی میں تخت نشین ہوا ۔ اس نے ۹ رجب ۶۵۱ھ میں صلیبیوں کو وہاں سے نکالا ۔ اس کے بعد قاہرہ میں آیا اور فتح کی خوشی میں جشن عام کیا ۔

مصر میں اس کی بنائی ہوئی متعدد عمارتیں ہیں امام شافعی کی قبر پر اسی نے خوش اعتقادی سے قبہ تعمیر کرایا ۔ حدیث کی تعلیم کے لئے ایک عظیم الشان مدرسہ بنوایا ۔ جس کے لئے جائیداد وقف کی ۔ زمانہ بعد میں یہ مدرسہ کاملیہ کے نام سے مشہور ہوا ۔

ایک بار شرف الدین بن عین الدولہ قاضی القضاۃ کے سامنے ایک مقدمہ میں شہادت دی ۔ انہوں نے اس کو پایہ اعتبار سے ساقط گردانا اس بنا پر کہ وہ روزانہ ایک مغنیہ عجیبہ نامی کو بلوا کر گانا سنا کرتا تھا ۔ اس پر اس نے قاضی کی شان میں سخت کلمہ استعمال کیا ۔ قاضی نے کہا یہ مسند عدالت کی توہین ہے میں اس پر نہیں بیٹھ سکتا ۔ اسی وقت اپنی برطرفی کا اعلان کر کے گھر چلے آئے کامل نے مجبوراً جا کر ان کو راضی کیا کیونکہ اس کو اپنی بدنامی کا خوف ہوا ۔ کامل ۶۳۵ھ میں دمشق میں بیمار ہوا ۔ اور وہیں ۲۳ رجب کو انتقال کر گیا ۔ ۲۰ سال ۲ مہینے حکومت کی شان و شکوہ اور ہیبت و وقار میں ممتاز تھا ۔

عادل ثانی

کامل کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین ابو بکر عادل سلطان ہوا ۔ لیکن ۲ سال سے زیادہ نہ رہ سکا ۔ وجہ یہ ہوئی کہ اس کا بھائی ملک صالح نجم الدین جزیرہ کا فرمانروا تھا اور امیر مونس شام کا ۔ صالح نے امیر مذکور سے امارت کا تبادلہ کر لیا اور شام میں آگیا ۔ غرض یہ تھی کہ مصر پر تغلب حاصل کرے ۔ چنانچہ فوج کشی کی عادل مقابلہ کے لئے چلا مگر مقام بلبیس میں پہنچ کر امراء اور فوج نے جو در پردہ صالح کے حامی تھے اس کو گرفتار کر لیا ۔ صالح آکر مصر پر قابض ہو گیا ۔

ملک صالح

ذی حجہ ۶۳۷ھ میں اس کی سلطنت کی بیعت ہوئی اس کے بعد امیر مونس کو جزیرہ سے معزول کر کے مصر میں طلب کیا ۔ اس کو خطرہ ہوا اور اس نے صلیبیوں کے پاس پناہ لی ۔ والی دمشق اسماعیل ، امیر حمص ابراہیم ، اور حاکم کرک بھی اس کے ساتھ مل گئے اور سب نے متفق ہو کر لشکر کشی کی ۔ لوئس نہم فرانسیسی بادشاہ بھی ان کے ساتھ آکر شریک ہو گیا ۔ ۲۲ صفر ۶۴۷ھ میں دمیاط کو لے لیا ۔ پھر فارسکور کی طرف بڑھے ۔ ملک صالح بیمار تھا مگر ۱۴ مہینے مقابلہ میں جما رہا ۔ آخر اسی سال ۱۴ شعبان کو انتقال کر گیا ۔ اس کی بیوہ شجرۃ الدر نے اس کی موت کو مخفی رکھا ۔ یہاں تک کہ اس کا بیٹا ملک معظم تورانشاہ حصن کیفا سے آکر تخت نشین ہوا اس نے صلیبیوں کو سخت شکست دے کر نکال دیا۔

قاضی عزالدین

ملک صالح کے زمانہ میں علامہ عزالدین بن عبدالسلام مصر میں آئے پہلے یہ دمشق میں قاضی تھے ۔ وہاں کے امیر اسمٰعیل نے جب صلیبیوں کو صیدا اور قلعہ شقیف دینے کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملایا اس وقت انہوں نے اعلان کرایا کہ خطبوں میں سے اسمٰعیل کا نام نکال دیا جائے ۔ وہ یہ سن کر نہایت غضبناک ہوا ۔ اس لئے یہ دمشق چھوڑ کر مصر کی طرف چلے ۔ چونکہ نہایت محترم تھے اس وجہ سے امراء اور اعیان شہر نے روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ ہم اسماعیل کو راضی کر لیں گے ۔ آپ ہمارے ساتھ چل کر اس کی دست بوسی کر لیجئے ۔ فرمایا کہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں ہوں کہ تمہارا امیر میری دست بوسی کرے ۔ چہ جائیکہ میں خود اس کا ہاتھ چوموں اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس آفت سے مجھ کو پناہ میں رکھا ہے جس میں تم مبتلا ہو ۔ جاؤ تم دوسرے عالم میں ہو میں دوسرے عالم میں ہوں ۔ جب مصر پہنچے تو ملک صالح نے تکریم کی اور قضا کا عہدہ دیا ۔

اس زمانہ میں سلطانی حاجب امیر فخرالدین نے جس کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ تھی ایک مسجد کے دروازہ پر بالا خانہ بنایا تھا جس پر نوبت بجائی جاتی تھی ۔ قاضی موصوف نے جب اس کو دیکھا تو فوراً توڑنے کا حکم دیا اور امیر فخرالدین کے ناقابل شہادت ہونے کا اعلان کر دیا ۔ اور یہ خیال کر کے اس کی مخالفت میں اپنے منصبی فرائض ادا نہ کر سکوں گا استعفا دے کر عدالت سے چلے آئے ملک صالح نے خود جا کر اس بالا خانہ کو گرا دیا اور ان کو راضی کر کے دوبارہ مسند عدالت پر لایا ۔

فخرالدین اور اس کے رفقاء سمجھتے تھے کہ ان کے اعلان کا ہمارے اوپر کیا اثر پڑ سکتا ہے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اسی درمیان

میں سلطان نے بغداد کے خلیفہ مستعصم کے پاس کسی امر خاص کے متعلق سفارت بھیجا۔ سفیر نے وہاں پہنچ کر جب خلیفہ کو پیغام سنایا تو خلیفہ نے پوچھا کہ اس کو تم سے خود سلطان نے کہا تھا یا کسی اور نے ؟ اس نے جواب دیا کہ امیر فخرالدین نے ۔ خلیفہ نے کہا کہ عزالدین نے اس کو ساقط الاعتبار کر دیا ہے ۔ اس لئے اس کی روایت ہم قبول نہیں کر سکتے ۔ مجبوراً سفیر نے واپس آکر سلطان کی زبان سے پیغام لیا اور جا کر جواب لایا ۔

قاضی موصوف کے نزدیک یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ممالیک بحریہ جو سلطان کے زر خرید ہیں آزاد نہیں کئے گئے ہیں اس لئے اعلان کرایا کہ ان کے جملہ تصرفات خود مختارانہ از قسم بیع و شریٰ و نکاح و طلاق وغیرہ بوجہ عدم حریت ناجائز ہیں اور حکم بھیجا کہ وہ سب کے سب حاضر آئیں میں ان کو فروخت کروں گا کیونکہ وہ بیت المال کی ملکیت ہیں ۔ قاضی صاحب کو ان کے احباب نے اس کے انجام سے ڈرایا ۔ مگر وہ اجراء حکم شرعی پر اڑے رہے ۔

ممالیک نے جب یہ سنا تو قیامت برپا ہو گئی ۔ اس لئے کہ وزارت امارت سپہ سالاری وغیرہ سپہ سلطنت کے تمام بڑے بڑے مناصب پر وہی لوگ تھے ۔ نائب السلطنت نے غضبناک ہو کر کہا کہ ہم روئے زمین کے ملوک ہیں ۔ قاضی کی کیا مجال ہے کہ وہ ہمارے سامنے دم مار سکے ۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن ماروں گا ۔ یہ کہہ کر اپنے اعوان کی ایک جماعت کو ساتھ لئے ہوئے چلا ۔ سب کے سب غصہ میں بھرے ہوئے اور برہنہ تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے تھے ۔ جب ان کے گھر کے پاس پہنچے تو شور سن کر ان کا لڑکا باہر نکل آیا ۔ کیفیت دیکھ کر سہما ہوا اندر بھاگا اور باپ کو مطلع کیا ۔ نہایت بے پرواہی سے بولے کہ تیرے باپ کا یہ رتبہ کہاں کہ اس کا خون راہ حق میں بہایا جائے اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے ۔ نائب السلطنت کی نگاہ جب ان پر پڑی جلال حق سے کانپنے لگا تلوار ہاتھ سے گر گئی اور بولا کہ یا مولانا! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں ؟ فرمایا کہ تم لوگوں کو فروخت کروں گا ۔ بولا کہ قیمت کون لے گا جواب دیا کہ میں اور اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کروں گا ۔ چنانچہ یہی کیا ۔ قاضی عزالدین کا لقب سلطان العلماء تھا ۔ مصر کے مشہور اور نامور امام شیخ تقی الدین ابن دقیق العید جن کو بعضوں نے ساتویں صدی کا مجدد لکھا ہے ان کے شاگرد تھے ۔

ملک معظم

غیاث الدین تورانشا پسر ملک صالح نجم الدین ملک معظم کے لقب سے تخت نشین ہوا ۔ اس نے جملہ امراء کو برطرف کر کے ان لوگوں کو مقرر کیا جو اس کے ساتھ حصن کیفا سے آئے تھے ۔ اس وجہ سے ممالیک ناراض ہوگئے ۔ دو مہینے بھی نہ گزرنے پائے کہ ۷ محرم ۶۴۸ھ میں اس کو قتل کر ڈالا ۔

شجرۃ الدر

چونکہ معظم کے کوئی بیٹا نہ تھا اس وجہ سے امراء میں اختلاف پیدا ہوا کہ کس کو تخت پر بٹھائیں ۔ قریب تھا کہ جنگ تک نوبت پہنچ جائے شجرۃ الدر نے جو ایک شاہی کنیز تھی اور ملک صالح نے اس کے حسن و جمال اور عقل و فہم کو دیکھ کر اپنے نکاح میں لیا تھا ممالیک کا پلہ بھاری دیکھ کر ان کے سرغنہ عزالدین ایبک کو اپنے ساتھ متفق کر لیا ۔ خود ۱۰ صفر ۶۴۸ھ کو تخت سلطنت پر بیٹھ گئی اور اس کو اپنا وزیر بنا لیا ۔

خلیفہ بغداد مستعصم نے عورت کی سلطنت کو جائز نہیں رکھا ۔ اس وجہ سے تین مہینہ کے بعد اس کو تخت چھوڑ دینا پڑا ۔ عزالدین ایبک نے ملک مذکورہ کے ساتھ شادی کر لی اور خود تخت نشین ہو گیا ۔ اس وقت سے ایوبی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ۔ شجرۃ الدر کی ایک یادگار اب تک قائم ہے ۔ یعنی مصری محمل جو اسی کے عہد سے غلاف کعبہ لے کر مکہ کو بھیجا جاتا ہے ۔

دولت ممالیک بحریہ

(۶۴۸ھ سے ۷۸۴ھ تک)

ترکی مملوک خلیفہ معتصم اور اس کے بعد احمد بن طولون کے زمانہ سے مصر میں گئے تھے۔ پھر عہد فاطمی میں ان کی اور کثرت ہوئی۔ مگر ان ممالیک بحریہ کا مولد و منشا دوسرا تھا۔ یہ روسی ممالک دشت قبچاق، قزوین اور کوہ قاف کے علاقوں سے تاتاری حملوں کے زمانہ میں بھاگ کر اسلامی ملکوں میں آگئے تھے لوگوں نے جابجا سے لے جا کر ان کو مصر میں فروخت کیا۔ ملک صالح نجم الدین ایوبی نے خرید کر ان میں سے اپنے درباری اور امراء دولت منتخب کئے۔ بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا اور جزیرہ روضہ کے قریب رہنے کے لئے ان کو زمین عطا کی جہاں انہوں نے عظیم الشان محلات اور قلعے تعمیر کرائے۔ چونکہ اس مقام پر دریائے نیل کی دو شاخیں ملی ہیں جن کی وجہ سے وہ بحر کے نام سے مشہور ہو گیا ہے اس لئے یہ ممالیک بحری کہلائے۔ دولت ایوبی کی کمزوری اور اپنے استیلاء کی وجہ سے آخر میں تخت سلطنت پر قابض ہو گئے۔

معز جاشنگیر

عزالدین ایبک جمادی الاول ۶۴۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور اپنا لقب معز جاشنگیر رکھا۔ اہل مصر مملوک ہونے کی وجہ سے اس کی حکومت سے خوش نہ تھے۔ مگر اس نے داد و دہش سے فوج کو ہمیشہ اپنے قابو میں رکھا۔

ناصرالدین یوسف ایوبی جو دمشق پر متغلب ہو گیا تھا ملک معظم کا انتقام لینے کے لئے صلیبیوں کے ساتھ مل کر مصر پر لشکر کشی کا ارادہ رکھتا تھا۔ معز نے بھی اطلاع پا کر صلیبیوں کو کچھ دے کر اپنے موافق کر لیا۔ ناصرالدین نے جبیں ہزار فوج روانہ کی جس کو غزہ میں مصریوں نے شکست دیدی۔ اس کے بعد وہ خود ایک لشکر گراں لے کر دمشق سے آیا۔ اس کو بھی معز اور اس کے سپہ سالار فارس الدین اقطائی نے پسپا کر دیا۔ اب اسے مجبوراً مصر کو ممالیک ہی کے ہاتھ میں چھوڑ دینا پڑا۔ لیکن ازراہ دانشمندی ان کے ساتھ یہ معاہدہ کر لیا کہ صلیبیوں کے مقابلہ میں دونوں فریق متحد رہیں گے۔ مصالحت کے بعد قاہرہ میں پہنچ کر معز نے والی موصل کی بیٹی سے شادی کا پیغام بھیجا۔ شجرۃ الدر نے اس رشک میں اپنی لونڈیوں کے ذریعہ سے ربیع الاول ۶۵۵ھ میں حمام میں اس کو قتل کرا دیا۔ اس کے غلاموں نے جب سنا تو شجرۃ الدر کو بھی مار کر فصیل کے نیچے خندق میں پھینک دیا۔ معز نے مصر قدیم میں شاطی نیل پر ایک بڑا مدرسہ بنوایا تھا جس پر ملکیت وقف کی تھی۔

ملک منصور نورالدین

معز کے بعد امراء نے اس کے بیٹے نورالدین علی ایبک کو جس کا سن پندرہ سال تھا ملک منصور کا لقب دے کر تخت پر بٹھایا اور سیف الدین محمود قطوزی بن مودود کو جو خوارزم شاہ کا بھانجا تھا اور تاتاریوں کے خوف سے مصر میں آکر معز کا معتمد خاص بن گیا

تو اتابک مقرر کیا۔ منصور کی تخت نشینی کے دوسرے سال ۶۵۶ھ میں ہلاکو نے بغداد کو تباہ کیا جس سے مصر میں بھی خوف چھا گیا۔

قطوزی نے امراء اور علماء کو جمع کر کے کہا کہ یہ موقع اسلامی سلطنتوں کے لئے سخت خطرہ کا ہے۔ تاتاریوں نے مرکز خلافت کو غارت کر ڈالا۔ اب شام کی طرف آئے ہیں اور بالیقین مصر پر بھی حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے اس وقت کارآزمودہ اور مدبر سلطان کی ضرورت ہے۔ نہ کہ ایک نادان بچہ کی جو دن بھر غلاموں کے ساتھ بجز کبوتر اڑانے کے اور کچھ نہیں جانتا۔ لوگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور ۴ ذیقعدہ ۶۵۷ھ میں منصور کو تخت سے اتار کر اسی کو بوجہ شجاع و مدبر ہونے کے مسند نشین کر دیا۔ اور مظفر لقب رکھا۔

ملک مظفر سیف الدین

ہلاکو نے دمشق اور سواحل شام کو فتح کر کے مصر کا ارادہ کیا اور ملک مظفر کو لکھا کہ ملک ہلا جنگ میرے حوالہ کر دو ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو اہل بغداد کا ہوا۔ مظفر ہراساں ہوا مگر مصری فوجوں نے جو صلیبیوں پر پیہم فتوحات حاصل کر چکی تھیں ہلاکو کی دھمکی کی پرواہ نہ کی اور لڑنے کے لئے تیار ہو گئیں وہ ان کو لے کر مقابلہ کے لئے چلا۔ اسی دوران ہلاکو کو اپنے باپ کے انتقال کی خبر پہنچی اور وہ شام میں مصریوں کے مقابلہ کے لئے اپنے نائب امیر کتبغا کو چھوڑ کر خود واپس چلا گیا۔ شوال ۶۵۸ھ میں عین جالوت پر فریقین میں معرکہ ہوا جس میں تاتاریوں نے سخت ہزیمت اٹھائی۔ کتبغا مارا گیا اس کا بیٹا قید ہوا۔ اور مصریوں کو بہت مال اور بیشمار ساز و سامان غنیمت میں ملا۔ مظفر نے بیبرس بند قداری کو تاتاریوں کے تعاقب میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ اگر تم انکو شام کی سرحد سے نکال دو گے تو میں تم کو حلب کی ولایت دوں گا اس نے سارا شام تاتاریوں سے خالی کرا لیا۔ لیکن مظفر نے وعدہ نہیں پورا کیا اور والی موصل کے بیٹے علاء الدین کو حلب کا والی کر دیا۔ بیبرس نے جب یہ دیکھا تو مملوک کی ایک جماعت کو ملا کر واپسی میں قاہرہ کے متصل موقع پا کر مظفر کو مار ڈالا۔ اس کے بعد فوراً یہ جماعت قصر سلطانی میں پہنچی وہاں فارس الدین اقطائی نے جو منصور کا اتالیق اور ممالیک کا سرغنہ تھا پوچھا کہ پہلا وار کس نے کیا تھا؟ بیبرس نے کہا میں نے بولا کہ تمھیں تخت پر بیٹھ جاؤ۔ اسی وقت اس کی مسند نشینی کا اعلان ہوا۔

ملک ظاہر بیبرس

رکن الدین بیبرس بند قداری ۱۷ ذیقعدہ ۶۵۸ھ کو تخت سلطنت پر بیٹھا بہاء الدین کو وزیر اور بیلی ملک کو خزانچی مقرر کیا۔ ملک مظفر کے جتنے لوگ تھے ان کی دلجوئی کے لئے مناصب پر بحال رکھا۔

خلافت عباسی

بغداد کی تباہی اور خلیفہ معتصم کے قتل کے بعد ۶۵۹ھ میں عباسی خاندان کا ایک شخص ابوالقاسم احمد جو اپنے آپ کو ظاہر بامراللہ خلیفہ بغداد کا بیٹا کہتا تھا مصر کی طرف پہنچا۔ بیبرس نے اس کا شاہانہ استقبال کیا اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کو قاہرہ میں لے گیا۔

چونکہ مستعصم کے بعد سے ساڑھے تین سال سے منصب خلافت خالی تھا۔ اس لئے چاہا کہ پھر اس کو قائم کرے علماء اور قضاۃ کو جمع کیا۔ احمد مذکور کا نسب ثابت کرنے کے بعد مستنصر کے لقب سے اس کو خلیفہ بنایا اور سب سے بیعت لی اس وقت سے عباسی خلافت قاہرہ میں آ گئی۔

فتوحات

ملک کے اندرونی انتظامات کی طرف سے جب اس کو اطمینان ہو گیا اس وقت لشکر تیار کر کے صلیبیوں کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ پورے دو سال ۶۶۲۔۶۶۳ھ تک لڑتا رہا اور شام کے ایک ایک شہر سے ان کو نکالا۔ پھر آرمینیہ کو فتح کرتا ہوا اناطولیہ تک پہنچ گیا۔ وہاں ہلاکو کا بیٹا ریگا خاں مقابلہ کے لئے آیا۔ اس کو ہزیمت دی۔ ۶۶۵ھ میں مصر آکر ملکی انتظام کے ساتھ ساتھ جنگی تیاری شروع کی اور ۶۶۶ھ میں فلسطین کے صلیبیوں پر حملہ کیا وہاں سے انطاکیہ بلکہ اس سے بھی آگے مقام مرقیہ تک فتح کرتا ہوا چلا گیا۔ ادھر سے پلٹ کر اسی سال بغداد واپس لیا۔ باطنیوں کو ہرچند ہلاکو نے غارت کر ڈالا تھا مگر انکا خاتمہ نہیں ہوا تھا ۶۷۰ھ میں پھر ان کی شورشیں بڑھیں۔ بیبرس خود فوج لے کر گیا۔ ان کے قلعے فتح کر لئے اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔ جس کے بعد یہ جماعت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی

تاتاریوں نے پھر شام پر یورش کی۔ ان کے مقابلہ کے لئے امیر قلادون کو بھیجا۔ جس نے شکست پر شکست دے کر ان کو وہاں سے نکالا۔ بیبرس امیر مذکور کی بہادری سے نہایت خوش ہوا۔ اور اپنے بیٹے کو اس کی بیٹی کے ساتھ بیاہ دیا کہ اس کا حامی رہے۔ ۶۷۴ھ میں امیر آق سنقر کو نوبیا کی طرف بھیجا۔ اس نے وہ سارا علاقہ فتح کر لیا۔ ۶۷۵ھ میں تاتاریوں نے اباقا خان پسر ہلاکو کی قیادت میں عراق عجم پر چڑھائی کی۔ بیبرس مقابلہ کے لئے پہنچا۔ نہایت خوں ریز جنگ ہوئی جس میں فریقین کے قریباً ایک لاکھ آدمی مارے گئے آخر میں تاتاری ہزیمت اٹھا کر بھاگے اس کے بعد بیبرس نے قیساریہ کا رخ کیا جو صلیبیوں کے قبضہ میں تھا اور جنہوں نے تاتاریوں کی آمد کی خبر پا کر مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے تھے۔ ان کو مغلوب کر کے شہر میں نہایت شان و شوکت سے داخل ہوا۔ فتح قیساریہ کے بعد دمشق میں آیا۔ وہیں بیمار ہو کر ۲۷ محرم ۶۷۶ھ میں وفات پائی۔

صفات بیبرس

سلطان بیبرس اپنے کارناموں، فتوحات، شجاعت، شان و شوکت اور وسعت سلطنت کے لحاظ سے سلطان صلاح الدین سے کم نہ تھا۔ ایک طرف اس نے صلیبیوں کو سخت سے سخت شکستیں دے کر بجز عکا اور طرابلس شام کے تمام مقبوضات چھین لئے۔ دوسری طرف بغداد واپس لیا اور تاتاریوں کو ایسی ہزیمتیں دیں کہ ان کا رخ شام اور مصر کی طرف سے پھیر دیا۔ اور باطنیوں کو جو مار آستین تھے ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔

کشیدہ قامت، خوش رو، خوش وضع، جاہ و جلال میں بے نظیر، شہسواری میں فرد، سپہ گری کا ایسا شائق کہ امراء، شہزادوں اور سپاہیوں کو لیکر میدان میں تیر اندازی، شمشیر زنی، نیزہ بازی اور سواری کی روزانہ مشق کرتا۔ اور سب کو اس کی ترغیب دلاتا۔ ہمہ تن عمل تھا، جہاد کا عاشق اور شرع کا پابند تمام ناجائز محاصل موقوف کر دیے۔ مسکرات یک قلم اٹھا دیں۔ فواحش کا انسداد کیا اور شعائر دینی کا ہمیشہ احترام رکھا۔ اسی کے عہد سے مصر میں یہ دستور جاری ہے کہ جب محمل شریعت کعبہ کے لئے روانہ ہوتا ہے تو پہلے اس کو سارے شہر میں گشت کراتے ہیں اس کے آگے غلاموں کے اکھاڑے ہوتے ہیں جو جگہ جگہ ٹھہر کر نیزوں اور تلواروں کے کرتب دکھاتے ہیں۔ ۶۶۷ھ میں وہ خود حج کے لئے گیا تھا۔ خانہ کعبہ کو عرق گل سے اپنے ہاتھوں سے مل مل کر غسل دیا۔ اور دیبا کا غلاف چڑھایا۔ مدینہ میں دیکھا کہ لوگ قبر شریف نبوی کے قریب جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کو ادب کے خلاف سمجھ کر وہ حجر لگوا دیا جو آج تک موجود ہے۔ مسجد نبوی اس سے پیشتر جل گئی تھی۔ خلیفہ مستعصم نے اس کی تعمیر بھی شروع کرائی تھی لیکن اسی درمیان میں وہ تاتاریوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ بیبرس نے اس کو مکمل کرایا۔

سخاوت اور فیاضی میں بے مثل تھا۔ ہزاروں من غلہ فقراء، مساکین اور ارباب زوایا میں تقسیم کراتا۔ رمضان میں مطبخ سے بے شمار اہل حاجت کو کھانا دیتا اور حرم میں شرفا و مجاورین کے لئے وظائف بھیجتا۔ بے کسوں کی تجہیز و تکفین کے لئے اپنی خاص

ملکیت سے وقف کر دی تھی ۔

قضاۃ اربع

مصر میں علاوہ دیگر رفاہ عام کے کاموں کے اس نے ایک عظیم الشان جامع اور دارالعدل تعمیر کرایا ۔ ہفتہ میں ایک روز خود بھی آکر قضاۃ کے ساتھ فیصل مقدمات کے لئے بیٹھا کرتا ۔ مصر اور شام میں ابتداء سے بالعموم شافعی مذہب رائج تھا ۔ اسی وجہ سے وہاں قاضی بھی ہمیشہ اسی مذہب کے مقرر ہوتے رہے ۔ کبھی کبھی ضرورت پر وہ خود اپنی طرف سے دوسرے مذاہب کے علماء کو اپنا نائب بنا لیتے تھے ۔ فاطمیہ کے عہد میں جب شیعت اور اسماعیلیت پھیلی اس وقت افضل امیر الجیوش کے بیٹے احمد نے اپنی وزارت ۵۲۵ھ میں چار مذاہب کے مستقل قاضی مقرر کئے ۔ سلطان بن رشا شافعی ۔ ابو محمد عبدالمولیٰ مالکی ۔ افضل بن ازرق اسماعیلی اور ابن ابی کامل اثنا عشری ۔

فاطمیہ کے انقراض کے بعد نورالدین اور صلاح الدین وغیرہ چونکہ شافعی تھے اس وجہ سے ان ممالک میں پھر اسی مذہب کے قاضی ہونے لگے ۔ بیبرس کے زمانہ میں قاہرہ میں جمعہ کی نماز مذہب شافعی کے مطابق صرف ایک ہی جگہ جامع حاکمی میں ہوتی تھی ۔ بیبرس نے جامع ازہر میں چاہا کہ جمعہ ہوا کرے ۔ قاضی تاج الدین نے اجازت دینے سے انکار کیا ۔ اس وجہ سے اس نے ایک حنفی قاضی صدرالدین سلیمان کو مقرر کر کے ان سے فتویٰ لے لیا ۔ پھر مالکی قاضی شرف الدین عمر اور حنبلی شمس الدین محمد بھی مقرر کئے گئے ۔ اس وقت سے وہاں مذاہب اربعہ کے قضاۃ ہونے لگے ۔

امام نووی

بیبرس نے جب وہ دمشق میں تھا چاہا کہ جہاد کے صرفہ کے لئے مسلمانوں سے کچھ رقم وصول کرے ۔ شامی علماء نے جواز کا فتویٰ لکھ دیا ۔ علامہ محی الدین نووی صحیح مسلم کے مشہور شارح بھی بلائے گئے اور ان سے بھی دستخط کرنے کی درخواست کی گئی ۔ انہوں نے انکار کیا اور سلطان سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تو امیر بند قدار کا زر خرید غلام تھا اور ایک حبہ کا بھی مالک نہ تھا ۔ اب اللہ نے تجھ کو سلطنت دے دی ہے اور تو نے ہزاروں غلام خریدے ہیں جن کے سارے ساز و سامان طلائی ہیں ۔ نیز تیرے محل میں سو کنیزیں ہیں جو زرو جواہر سے لدی ہوئی ہیں جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب قیمتی چیزیں اپنے غلاموں اور کنیزوں سے تو نے فوجی ضرورت کے لئے لے لی ہیں اس وقت تک میں غریب مسلمانوں کے مال لینے کا فتویٰ تیرے حق میں کیسے لکھ دوں ۔ یہ سخت جواب سن کر وہ برہم ہوا ان کے شہر بدر کرنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ وہ اپنے وطن نووی میں چلے گئے ۔ اس کے بعد علماء نے جا کر سلطان سے عرض کیا کہ نووی ہماری جماعت کے پیشوا اور امام ہیں ان کو یہاں سے نکال دینا مناسب نہ تھا ۔ اس پر اس نے اپنے حکم کو منسوخ کیا اور ان کو دمشق میں رہنے کی اجازت دیدی ۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں اس وقت تک وہاں نہیں آسکتا جب تک بیبرس موجود ہے اس کے دوسرے ہی مہینہ بیبرس کا انتقال ہو گیا ۔

مؤرخین بالعموم امام نووی کے طرفدار ہیں ۔ اور ان کے قول کو حق بجانب سمجھتے ہیں ۔ لیکن جن علماء نے دستخط کئے تھے وہ سب کے سب نادان یا دنیا پرست نہ تھے ۔ بیش ازیں نیست کہ سلطان اگر اپنے گھر سے اس جہاد کے چندہ کو شروع نہ کرے تو قصور وار ہے ۔ لیکن جواز میں کیا شبہ ۔ کیونکہ یہ اس کا ذاتی کام نہیں ہے ۔ بادشاہ اسلام کو مدافعت کفار کے لئے مال دے دینا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ وہ غلبہ کر کے جان و مال دونوں پر مسلط ہو جائیں یہی وجہ تھی کہ سلطان ان سے برہم ہوا ۔ ورنہ علماء کی توقیر ہمیشہ اس کا شیوہ تھی ۔ چنانچہ اس کے آغاز عہد میں مصر میں علامہ عزالدین بن عبدالسلام کا ایسا اثر تھا کہ جو کہتے وہی ہوتا ۔ اس نے کبھی ان کے خلاف دم مارنے کی جرآت نہ کی اور جب وہ انتقال کر گئے تو کہا کہ آج تک شیخ فرماں روا تھا ۔ اب میری حکومت شروع ہوئی ۔

ملک سعید برقہ خاں

بیبرس کے بعد اس کا بڑا بیٹا ناصرالدین برقہ خاں سریر سلطنت پر آیا اس نے اپنے باپ کے ایک زر خرید غلام بلبائی کو وزیر مقرر کیا۔ جس کے حسن انتظام سے اہل مصر خوش تھے مگر وہ بہت جلد مر گیا۔ ملک سعید نے یہ خیال کیا کہ امراء نے قصداً اس کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ اس وجہ سے ان کی طرف سے بد گمان ہو گیا بہت کچھ غور و تامل کے بعد آخر میں آق سنقر فاتح نوبیا کو وزارت پر بلایا مگر اس سے خوش نہ ہوا۔ اس وجہ سے اسکندریہ کے برج میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا اراکین سلطنت اس کے خلاف ہو گئے اور سازشیں کرنے لگے۔ اسی درمیان میں مشہور ہوا کہ شرف الدین سنجر امیر دمشق نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ملک سعید فوجیں لے کر پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ یہ امراء مصر کا ایک فریب تھا۔ جس کی کچھ حقیقت نہ تھی۔ واپس آکر ان کو سزا دینی چاہی۔ مگر انہوں نے جتھا باندھ کر اسی کو محصور کر لیا۔ چاہتے تھے کہ قتل کر ڈالیں لیکن خلیفہ حاکم بامراللہ نے روکا۔ آخر میں انہوں نے اس کو تخت سے اتار کر قلعہ میں مقید کر دیا اور اس کے بھائی سلامش کو ملک عادل کے لقب سے سلطان بنایا۔

ملک عادل سلامش

ربیع الاول ۶۷۸ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کا سن صرف سات سال تھا۔ امیر سیف الدین قلاؤن اتابک مقرر کیا گیا۔ اس نے چھ مہینے کے بعد اس کو تخت سے اتار کر قلعہ کرک میں بھیج دیا۔ اور خود تخت نشین ہو گیا۔ لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور ملک منصور لقب دیا۔

ملک منصور قلاوٗن الفی

سیف الدین قلاؤن کو آق سنقر نے ایک ہزار دینار پر خرید کیا تھا۔ اس وجہ سے الفی کہا جاتا تھا۔ ملک صالح نے اس کی قابلیت دیکھ کر ۶۴۷ھ میں آزاد کر دیا۔ اس وقت سے اس نے عروج حاصل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ رجب ۶۷۸ھ میں تخت سلطنت پر پہنچ گیا۔

حکومت پر آتے ہی اپنے اعوان و انصار کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا اور اپنے کاتب خاص فخرالدین کو وزارت کا قلمدان بخشا۔ شرف الدین سنجر والئی دمشق نے اب واقعی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اپنا لقب ملک عادل رکھا۔ شامیوں نے بالعموم اسکے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ملک منصور نے امیر طرنطائی سپہ سالار افواج مصر کو اس فتنے کے رفع کرنے کے لئے بھیجا۔ مقابلہ بہت سخت تھا۔ مگر آخر میں ملک عادل گرفتار ہو گیا۔ اس کو قاہرہ میں لائے اور سلطان کے حکم سے تاریک زندان میں قید کر دیا۔ دمشق کی امارت حسام الدین لاچین کو دی گئی۔

۶۸۰ھ میں ہلاکو کے دو بیٹوں نے شام پر فوج کشی کی اور دو لشکر لے کر آئے ایک اباقا خان کی قیادت میں تھا اور دوسرا جس میں اسی ہزار سوار تھے۔ اس کے بھائی منجو تیمور کی۔ ملک منصور اپنی ساری فوجیں مرتب کر کے لے گیا۔ حمص کے متصل ۱۴ رجب کو صف آرائی ہوئی۔ نہایت سخت جدال و قتال کے بعد آخر میں منجو تیمور مارا گیا۔ اباقا خاں ہزیمت خوردہ فوج کو لئے ہوئے بھاگ کر ہمدان پہنچا۔ وہاں اس کے بھائی تیکو دار اوغلان نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا اور خود حکمران ہو گیا۔ اس کے بعد اسلام قبول کر کے اپنا نام احمد خاں رکھا اس وجہ سے تعلقات مصریوں کے ساتھ برادرانہ ہو گئے اور فریقین میں باہمی موالات کا عہد نامہ لکھا گیا۔

تاتاریوں میں اسلام

تاتاری اگرچہ جاہل، وحشی، سفاک اور خون آشام تھے۔ مگر ان میں کچھ صفات بھی تھیں۔ جن میں نمایاں حر آئین و نظام کی

پابندی، صداقت، باہمی محبت اور رواداری تھی۔ ہمیشہ دوسروں کے عقائد کا احترام کرتے اور مکر و فریب سے نفرت رکھتے تھے۔ غالباً انہیں خوبیوں کے باعث اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے ان کے دلوں کو کھول دیا۔ ورنہ یہ قیمتی دولت سب کو نہیں ملتی۔ چنگیز خاں کے ساتھی تاتاری جب اسلامی ممالک میں داخل ہوئے اور مسلمانوں سے میل جول کا ان کو موقع ملا اسی وقت سے ان میں سے لوگ مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔ مگر جو اس دین کو اختیار کرتے وہ اپنے امراء کے خوف سے اسلامی ریاستوں خاص کر مصر میں چلے جاتے۔ ۶۸۰ھ میں جب ان کے بادشاہ احمد خاں مذکور نے اسلام قبول کر لیا۔ تو بالعموم تاتاری مسلمان ہو گئے۔ یہاں تک کہ قوبیلائی قاآن کے پوتے انندہ سلطان نے بھی جو ختا کا حکمران تھا معہ اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج کے اس دین کو اختیار کر لیا۔ اور دن رات عبادت اور تلاوت میں بسر کرنے لگا۔ خاقان اعظم نے اس کو بلا کر کھانے اور باز رکھنے کی کوشش کی مگر اس نے ایسے جوابات دیے جن سے خود اس کی اور دین اسلام کی وقعت اس کے دل میں بڑھ گئی اور پھر اس نے کچھ نہ کہا۔ چنانچہ ختا کے اکثر باشندے بھی مسلمان ہو گئے۔ ۶۸۸ھ میں طرابلس شام کے صلیبیوں نے سر اٹھایا۔ ملک منصور نے جا کر اس کو فتح کر لیا اور پورے ۱۸۵ سال کے بعد ان کے تغلب سے اس اسلامی خطہ کو آزادی دلائی۔ وہاں سے واپس آکر ۱۲ ذیقعدہ ۶۸۹ھ کو قاہرہ میں انتقال کر گیا۔ ملک منصور عاقل، شجاع، مطبوع اور کم سخن تھا۔ حسن انتظام سے اس کے عہد میں رعایا کو کامل امن اور آرام نصیب رہا۔ اس کی یادگار جامع منصوری اور ایک عظیم الشان مارستان ہے۔ اس نے اپنے بیٹے علی کو جو شاہانہ اوصاف رکھتا تھا ولیعہد بنا کر سلطنت اور جہانبانی کے طریقے سکھائے تھے۔ مگر وہ ۶۸۷ھ میں مر گیا۔ اس غم نے موت تک اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔

ملک اشرف خلیل

ملک منصور کے بعد اس کا بیٹا خلیل تخت پر بیٹھا۔ صلیبیوں کی حکومت صرف عکا میں رہ گئی تھی۔ ۶۹۰ھ میں اس نے جا کر ان کو وہاں سے بھی نکال دیا اب کل ارض مقدس اسلامی قبضہ میں آ گئی۔ ۶۹۱ھ میں آرمینیہ کی طرف فوج کشی کی اور ارض روم کو فتح کیا وہاں سے واپسی پر ۶۹۳ھ میں غلاموں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ملک اشرف اور نیز اس کا باپ دونوں چرکسی غلاموں کے بہت قدر دان تھے۔ ہزاروں خرید ڈالے اور وہی ان کے معتمد علیہ ہو گئے۔ ممالیک سابقہ کو رشک پیدا ہوا۔ اس وجہ سے انہوں نے اتفاق کر کے اس کو قتل کیا۔ اس سازش میں رئیس الممالیک بیدرا لاچین نائب شام، قراسنقر والی حلب اور بہادر شیدیوں کا سردار شریک تھے۔ قتل کے بعد بیدرا کے سر پر تاج رکھا گیا۔ لیکن چرکسوں نے اسی روز اس کا سر کاٹ لیا۔ اور نیزہ پر رکھ کر شہر میں تشہیر کی۔ لاچین وغیرہ خوف سے روپوش ہو گئے۔

ملک ناصر محمد بن قلاؤون (بار اول)

چرکسوں نے ملک اشرف کے دوسرے بھائی محمد کو تخت پر بٹھایا۔ اس کی عمر صرف نو سال تھی۔ اس وجہ سے ملک منصور کے غلاموں میں سے زین الدین کتبغا نے نیابتاً سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ لی اور علم الدین سنجر وزیر ہوا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک تخت سلطنت کا خواہاں تھا۔ اس باہمی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنجر مارا گیا۔ اب کتبغا کے لئے راستہ صاف تھا اس نے ۹ محرم ۶۹۴ھ میں ناصر کو تخت سے اتار کر قلعہ کرک میں جو سلاطین کی نظر بندی کے لئے مخصوص تھا بھجوا دیا۔ اور خود اس پر بیٹھ گیا۔

ملک عادل کتبغا

کتبغا کا لقب ملک عادل رکھا گیا۔ جو بیبرس کے بیٹے سلامش کا تھا۔ اور امیر حسام الدین لاچین جو مخفی تھا بلا کر وزیر بنایا گیا۔ اس کے زمانہ میں مصر میں طاعون اور قحط دونوں ایک ساتھ پھیلے اور کثرت سے مخلوق تباہ ہوئی۔ ۶۹۵ھ میں تاتاریوں کی ایک جماعت اپنے سردار طرغائی کے ساتھ جو ہلاکو کے بیٹے منجو تیمور کا داماد تھا۔ مصر میں آئی۔ یہ لوگ اویراتیہ قبیلہ کے کفار تھے جو سلطان غازان

محمود بن ارغون کے خوف سے بھاگ کر آئے تھے۔ ملک عادل نے بوجہ ہم قوم ہونے کے انکو اپنی حمایت میں لیا۔ سواحل پر رہنے کے لئے زمین دی اور ان کے تین سو سرداروں کو بلا کر اپنے پاس رکھا اور بڑے بڑے عہدے عطا کئے۔ امراء دولت نے اس کو گوارا نہ کیا کتبغا کو تخت سے اتار دیا اور امیر لاچین کو ملک منصور کا خطاب دے کر جو اس کے آقا کا تھا سلطان بنا لیا۔

ملک منصور لاچین

محرم ۶۹۶ھ میں لاچین کے ہاتھ پر امارت کی بیعت ہوئی۔ اس زمانہ میں آرمینیہ کی طرف سے برابر اضطراب کی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ اس نے جا کر پورا صوبہ قابو میں کیا۔ جب واپس آیا تو چراکسہ نے بوجہ عداوت کے ۶۹۸ھ میں قتل کر ڈالا اور اپنے آقا زادہ ملک ناصر کو جس کی عمر پندرہ سال ہو گئی تھی کرک کے قلعہ میں لا کر تخت پر بٹھایا۔

ملک ناصر (بار دوم)

لاچین کے حامیوں نے کوشش کی کہ اس کو قتل کر ڈالیں مگر ناکام رہے۔ ۷۰۰ھ میں سلطان غازان محمود مغول نے ایک فوج گراں لے کر شام پر چڑھائی کی۔ ناصر نے جا کر اس کو شکست دی اور نکالا۔ تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے آرمینیہ والوں نے بغاوت کر دی تھی اس کو فرو کرنے کے لئے ایبک خازندار اور بدرالدین بکتاش کو فوجیں دے کر روانہ کیا۔ کتبغا کو بھی جو سلطنت سے مخلوع ہونے کے بعد حلب کی امارت پر تھا ساتھ جانے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے جا کر وہاں امن قائم کیا۔ جزیرہ ارواد میں فرنگیوں کی ایک جماعت قلعہ گیر تھی جن کا پیشہ بحری غارتگری تھا۔ ناصر نے ۷۰۲ھ میں بحری فوج بھیجی جس نے پہنچ کر وہاں قبضہ کر لیا۔ ۷۰۴ھ میں سلطان مغرب ابو یعقوب یوسف نے پانچ سو گھوڑے اور فرمعہ طلائی ساز اور بیش قیمت ہدایا کے بھیجے جس سے دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ حبش کا بادشاہ ابابی بھی قسم قسم کے جانور اور تحفے لے کر حاضر ہوا اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے امداد طلب کی۔ ناصرالدین نے ایک فوج اس کے ساتھ کر دی۔

باوجود اس عظمت کے وہ اپنے باپ کے غلاموں جاشنگیر اور سلار کے استبداد سے تنگ تھا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ تخت پر رہنا اس کے لئے ناممکن ہو گیا۔ اس وجہ سے ۷۰۸ھ میں حج کے بہانہ سے قلعہ کرک میں بھاگ گیا اور وہاں سے مہر حکومت اور سلطنت سے دست برداری لکھ کر بھیجدی۔ ممالیک نے رکن الدین بیبرس جاشنگیر کو ملک مظفر کے لقب سے تخت نشین کر دیا۔

ملک مظفر بیبرس

بیبرس ثانی ۲۳ شوال ۷۰۸ھ کو تخت نشین ہوا۔ پہلے از راہ مہربانی ناصر کو کرک کی امارت کا فرمان بھیجدیا۔ جس سے وہ خوش ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے نام کا خطبہ کرک میں پڑھا۔ مگر اس کے بعد مظفر نے اس کے غلاموں، سواری کے گھوڑوں اور اس رقم کا بھی مطالبہ کیا جو اس کو وہاں کی اپنی ملکیت سے حاصل ہوئی تھی۔ اس سے تنگ ہو کر ناصر نے امراء شام کے پاس فریاد کی۔ انہوں نے لکھا کہ ہم حمایت کے واسطے تیار ہیں۔ ناصر نے کرک میں اپنے غلام ارغون کو چھوڑا۔ اور خود شام کی طرف گیا۔ والی شام امیر برلک جو ممالیک کا سرغنہ اور مظفر کا دشمن تھا منتخب جماعت کو لے کر اس کے ساتھ مصر کی طرف چلا۔ جب یہ لوگ غزہ میں پہنچے اکثر امراء مصر نے آ کر اطاعت کا اظہار کیا۔ مظفر کے لئے مقابلہ کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے امان مانگی۔ ناصر نے اس کو قید کر دیا ۷۰۹ھ میں عید کے دن تخت پر بیٹھا۔

ملک ناصر (بار سوم)

ملک میں اب کوئی حریف نہ تھا۔ اس وجہ سے اطمینان اور سکون کے ساتھ انتظامات کی طرف توجہ کی۔ ناجائز محاصل موقوف

کیئے ۔ دار العدل قائم کیا ۔ جابجا پل بنوائے ۔ باغات لگوائے ۔ قصور و محلات تعمیر کرائے ۔ رصد گاہ قائم کی اور وسیع مارستان بنوایا ۔ جس کے اخراجات کے لئے املاک وقف کیں ۔ اس کے عہد میں شام اور مصر میں ہر زمانہ سے زیادہ عمارات، مساجد اور جوامع تعمیر ہوئیں اور اب کی بار ۳۲ سال حکومت کر کے ۱۹ ذی حجہ ۷۴۱ھ میں وفات پائی ۔ ملک ناصر جلیل القدر اور بارعب تھا ۔ امن و امان اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے اس کی سلطنت کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی ۔ علم کا بھی شائق تھا ۔ اور قاضی القضاۃ علامہ بدر الدین کے درس حدیث میں جا کر شریک ہوتا تھا ۔ سیاسی سازشوں اور خطروں سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے اپنے عہد میں خلیفہ عباسی کا نام خطبوں سے نکال دیا ۔

اولاد ناصر

ملک ناصر نے اپنے سب سے لائق بیٹے انوک کو سلطنت کے لئے تیار کیا تھا اور اسی کو ولی عہد بنایا تھا ۔ لیکن وہ اس کی زندگی ہی میں ۷۴۰ھ میں وفات پا گیا ۔ ناصر اس کے غم میں گھل گیا ۔ یہاں تک کہ اس کے دوسرے سال انتقال کر گیا ۔ اس نے آٹھ بیٹے چھوڑے تھے جو یکے بعد دیگرے تخت سلطنت پر آئے لیکن کچھ ایسے انقلابات رہے کہ ان میں سے کوئی زیادہ عرصہ تک نہیں رہنے پایا سب سے پہلے ناصر کا بڑا بیٹا سیف الدین ابو بکر سلطان بنایا گیا ۔ اور ملک منصور رابع اس کا لقب رکھا گیا ۔ لیکن چالیس دن کے بعد معزول کر کے مقام قوص میں جو بالائی مصر میں ہے بھجوا دیا گیا ۔ وہیں ۷۴۲ھ میں مر گیا ۔

اس کی جگہ علاء الدین کو چک ملک اشرف کے لقب سے تخت پر بٹھایا گیا اس کی عمر صرف چھ سال تھی ۔ پانچ مہینے کے بعد یہ بھی مخلوع ہوا اور شہاب الدین احمد کو جو کرک میں نظر بند تھا لایا گیا ۔ اس کا لقب ملک ناصر ثانی ہوا ۔ ۱۲ محرم ۷۴۳ھ کو ممالیک نے اس کو معزول کر کے پھر کرک بھیج دیا ۔ اور عماد الدین اسمٰعیل کو ملک صالح کے لقب سے تخت نشین کیا ۔ اس نے تین سال ڈھائی مہینے سلطنت کی اور ربیع الثانی ۷۴۶ھ میں فوت ہو گیا ۔ پھر زین الدین شعبان سلطان ہوا اس کا لقب ملک کامل رکھا گیا ۔ لیکن کامل بدتدبیری اور بد خلقی میں تھا ۔ اس وجہ سے امراء نے اس کو اتار دیا اور زین الدین حاجی کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ اور مظفر لقب رکھا ۔ یہ اس سے بھی زیادہ نااہل نکلا اس وجہ سے ایک سال تین ماہ کے بعد ۷۴۸ھ میں قتل کر دیا گیا ۔ اس کی جگہ حسن تخت نشین ہوا ۔ اور مالک ناصر ثالث اپنا لقب رکھا ۔ ۷۵۲ھ میں اتار دیا گیا ۔ پھر صلاح الدین ملک صالح ثانی آیا ۔ تین سال اور ساڑھے تین مہینے کے بعد ۲۲ شوال ۷۵۵ھ میں یہ بھی نکال دیا گیا ۔ اور حسن ملک ناصر ثالث دوبارہ لایا گیا ۔ یہ چھ سال ۷ ماہ تخت پر رہا ۔ آخر میں اپنے مملوک یلبغا خاصگی کے ہاتھ سے مارا گیا ۔

ملک منصور خامس

حسن کے بعد اس کا بھتیجا محمد بن حاجی ملک منصور خامس تخت پر آیا ۔ وسط شعبان ۷۶۴ھ میں ممالیک نے اس کو اتار دیا ۔ اور اس کے چچازاد بھائی شعبان بن حسن بن محمد بن قلاؤون کو لائے ۔

ملک اشرف ثالث

شعبان مذکور کا لقب ملک اشرف ثالث ہوا ۔ اس کے عہد میں فرنگیوں نے سکندریہ کو لوٹ لیا ۔ عورتوں اور بچوں کو پکڑ لے گئے ۔ ملک اشرف مدافعت کے لئے پہنچا ۔ لیکن وہ بھاگ چکے تھے ۔ اس کے باپ کے مملوک یلبغا نے جو نائب سلطنت تھا ممالیک پر سختی کی جس کی وجہ سے انہوں نے اس کو مار ڈالا ۔ پھر قصر سلطانی کی طرف بڑھے ۔ لیکن فوج نے ان کو روکا اور شکست دے کر تعاقب کیا ۔ بہت سے مارے گئے اور بہت سے بھاگتے ہوئے دریا میں ڈوبے ۔ بقیہ شہر بدر کر دیے گئے ۔ ۷۷۶ھ میں ملک اشرف حج

کے ارادے سے نکلا راستہ میں ممالیک کے سرغنہ طشتمر دوادار اور اس کی جماعت نے چاہا کے قتل کر دیں ۔ اس لئے بھاگ کر قاہرہ واپس آیا ۔ یہاں دیکھا کہ امراء نے اس کے بیٹے علی کو ملک منصور سادس کے لقب سے سلطان بنا رکھا ہے ۔ اس وجہ سے قبہ نصر میں پناہ گیر ہوا ۔ ممالیک نے وہیں پہنچ کر ۱۵ حجہ ۷۷۸ھ کو اس کا گلا گھونٹ دیا ۔

ملک منصور سادس

علی کا سن سات سال کا تھا ۔ امیر لائن اتابک مقرر ہوا ۔ پھر اس کی جگہ امیر قرطائی آیا ۔ آخر میں برقوق نائب سلطنت ہوا ۔ یہی دولت چراکسہ کا بانی ہے ، سلطنت کا خیال اپنی امارت کے روز اول ہی سے اس کے دل میں تھا ۔ لیکن آقا کی وفاداری کی وجہ سے کچھ دنوں صبر سے کام لینا مناسب سمجھا ۔ ملک منصور ۷۸۳ھ میں گزر گیا۔

ملک صالح حاجی

منصور کی وفات کے دن حاجی بن شعبان سلطان ہوا ۔ ڈیڑھ سال کے بعد ۱۹ رمضان ۷۸۴ھ کو برقوق اس کو تخت سے اتار کر خود اس پر بیٹھ گیا ۔ ملک صالح دولت ممالیک بحری کا آخری سلطان تھا ۔

دولت ممالیک چرکسیہ

(برجیہ)
(۷۸۴ھ سے ۹۲۳ھ تک)

ان ممالیک کا اصل مولد و منشا چرکس یا کرغز ہے جو نواحی سیبریا اور بحیرہ بیکال کی طرف واقع ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں ان کے آباؤ اجدا بالائی ایشیا کی طرف آئے اور بحر قزوین کے سواحل پر سکونت گزین ہوگئے۔ انہیں کی اولاد کو ممالیک بحریہ میں منصور اور اشرف نے کثرت کے ساتھ خریدا۔ چونکہ دماغی اور جسمانی دونوں لحاظ سے یہ لوگ بہ نسبت سابقہ ممالیک کے بہتر تھے۔ اس لئے قلعوں کی حفاظت اور فوجی امارت وغیرہ ان کے سپرد ہوئی اور محل سلطانی کے امور بھی ان کے ہاتھ میں آگئے۔ جب ان کی قوت اور تعداد بڑھ گئی اور ملک کی سیاست میں ان کا عنصر غالب ہوگیا اس وقت ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کرسی سلطنت پر جلوس فرمائیں چنانچہ برقوق نے صالح کو اتار کر خود تخت پر قبضہ کر لیا۔

برقوق کا باپ انس قبیلہ کسا کا تھا۔ سرکیشیا سے ایک تاجر اس کو قرم میں لے گیا۔ وہاں ایک مسلمان عثمان نامی نے خرید لیا۔ اور ۷۶۲ھ میں مصر میں لاکر امیر ایلبغا کے ہاتھ بیچ دیا اس نے اپنے غلاموں میں شامل کر لیا۔ اس کے بیٹے برقوق میں حسن و جمال، ذہن و ذکا، عقل و فہم اور رعب اور ہیبت کے آثار تھے۔ اس وجہ سے ایلبغا نے اس کو مصاحب خاص بنایا۔ برقوق نے علم و ادب بھی حاصل کیا اور علوم اسلامیہ میں اچھی مہارت پیدا کر لی۔ جس کے باعث اس کا وقار بہت بڑھ گیا۔ یلبغا نے اس کو شیخ کہنا شروع کیا اور امارت کا عہدہ دیا۔ جب ایلبغا مخالفین کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ اس وقت برقوق اور ایک دوسرا مملوک امیر برکہ دونوں قید خانہ میں تھے۔ وہاں سے آزادی پاکر امیر منجک والی دمشق کے پاس پہنچے اور اس کی فوج میں داخل ہوگئے۔ ملک اشرف شعبان نے برقوق کو مصر میں بلا لیا اور ایک ہزار سپاہیوں کا امیر بنا دیا۔ اس وقت سے سلطنت کی آرزو اس کے دل میں پیدا ہوگئی۔ چنانچہ سخت کوشش کر کے ملک منصور کے عہد میں اتابکی کے عہدہ پر آگیا۔ آخر میں ملک صالح کے تخت نشین ہونے پر اپنی جماعت کی مدد سے سلطنت پر تغلب کر لیا۔

ملک ظاہر برقوق

برقوق نے خلیفہ وقت سے اپنی امارت کا فرمان لکھوایا۔ قضاۃ علماء اور امراء سے بیعت لی اور مصر کے سب سے بڑے آخری سلطان رکن الدین بیبرس بندقداری کا لقب ملک ظاہر اپنے لئے منتخب کیا۔ اس نے ملک کی انتظامی حالت درست کی۔ ممالیک بحریہ کے عہد میں جو ناجائز رسوم اور محاصل تھے ان کو موقوف کیا اور رعایا کی اقتصادی اور اخلاقی اصلاح کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ

اس زمانہ میں تیموری حملوں سے مشرقی ممالک میں ایک ہیجان برپا تھا۔ ۷۸۰ھ میں تیمور شام کی طرف پہنچا جس کی وجہ سے مصر میں بھی اضطراب پیدا ہو گیا۔ برقوق نے فوجیں جمع کیں اور جا کر حدود شام سے اس کو روکا لیکن ادھر مصر میں خلیفہ متوکل نے اس کے عزل کا فتویٰ دے دیا۔ جب وہ واپس آیا تو دیکھا کہ حالت دگرگوں ہے۔ امراء اور قضاۃ سے مل کر بڑی کوشش کے بعد آخر میں خلیفہ کو قید کیا اور اس کی جگہ عمر بن ابراہیم کو واثق باللہ کے لقب سے خلافت کی گدی پر بٹھایا۔ لیکن وہ شوال ۷۸۸ھ میں گزر گیا۔ اس لئے زکریا بن ابراہیم کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ اس نے مخالفت شروع کی برقوق نے اس کو بھی معزول کر کے ۷۹۱ھ میں دوبارہ متوکل کو خلیفہ بنایا اس نے پھر اسکی معزولی کی کوشش کی۔ چونکہ امیر الامراء منطاش اور دوسرے امراء بھی خلیفہ کے ساتھ سازش میں شریک تھے اس وجہ سے برقوق کا کچھ بس نہ چلا وہ قلعہ کرک میں بھیجا گیا اور حاجی بن شعبان ملک صالح دوبارہ تخت پر لایا گیا۔ مگر ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ معزول ہوا۔ اور ۴ صفر ۷۹۲ھ میں برقوق پھر بلایا گیا۔ اب کے اس نے ملک صالح اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا۔

۷۹۴ھ میں قرا یوسف والی فارس نے تبریز کو بطور نذر پیش کش کیا۔ برقوق نے اس کے لئے خلعت بھیجا اور فرمان لکھا کہ سلطنت مصر کی طرف سے تبریز اور اس تمام علاقہ کی امارت تم کو دی جاتی ہے جو فتح کر سکو۔ اسی درمیان میں ادھر تیمور کا گزر ہوا۔ قرا یوسف معہ اپنے ایک حلیف احمد بن یوسف کے بھاگا اور قیصر قسطنطنیہ منویل کے پاس پناہ لینی چاہی۔ اس نے انکار کیا۔ کیونکہ وہ ایک جدید طاقت یعنی دولت عثمانیہ سے جس کی صبح سعادت طلوع ہو رہی تھی لرزاں تھا اس لئے وہ دونوں مصر آئے۔ برقوق نے ان کو عزت کے ساتھ رکھا۔ ۷۹۷ھ میں سلطان عثمانی بایزید پسر مراد نے مصر میں معاہدہ کے لئے سفیر بھیجا اور یہ بھی خواہش کی کہ خلیفہ عباسی اناطولیہ اور اس کے مفتوحہ علاقوں کی امارت کا فرمان اس کے نام لکھ دے۔ چنانچہ عہد نامہ اور فرمان دونوں لکھے گئے۔ اس کے بعد امیر تیمور کے قاصد پہنچے اور قرا یوسف کی حوالگی کا مطالبہ کیا برقوق نے نرمی کے ساتھ اس سے انکار کیا۔ قاصدوں نے سخت کلامی کی جس پر ان کو قتل کرا دیا۔ تیمور نے برافروختہ ہو کر شام پر حملہ کر دیا اور رہا سے حلب تک خون کے دریا بہا دیئے۔ مگر وہیں تک آکر رک گیا۔

برقوق نے مصر میں افواج اور اسلحہ کی ترتیب شروع کی اور سازو سامان درست کر کے مدافعت کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن ۸۰۱ھ میں ۱۵ شوال کو مرگی کے دورہ میں اچانک انتقال کر گیا۔ جامع برقوق اور مدرسہ ظاہریہ اس کی یادگاریں باقی ہیں۔ نہایت فیاض اور علم دوست تھا۔

ملک ناصر زین الدین

برقوق کا بڑا بیٹا زین الدین فرج باپ کی جگہ پر سریر سلطنت پر بیٹھا۔ اتابک لطمش نے نیم فرسانی نائب دمشق اور یلبغا والی حلب کو متفق کر کے بغاوت کر دی۔ ناصر نے فوج کشی کی۔ فلسطین میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ جس میں باغیوں نے شکست کھائی اور اپنی سزا کو پہنچے۔ ۸۰۳ھ میں تیمور ہندوستان اور ایران سے ہوتا ہوا بغداد اور ملاطیہ پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد شام کی طرف پہنچا

اس زمانہ میں ایشیا دو عظیم الشان فاتحوں کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ ایک تیمور گورگانی۔ دوسرا بایزید عثمانی۔ بدقسمتی سے یہ دونوں قوتیں آپس ہی میں ٹکرا گئیں اور ۸۰۴ میں تیمور نے انگورہ کو فتح کر کے بایزید کو قید کر لیا۔ مصری تیمور کی طرف سے مطمئن تھے مگر اب بایزید کی شکست کے بعد ان کو پھر اضطراب لاحق ہوا۔ کیونکہ ۸۰۵ھ میں تیمور نے سلطان مصر کے پاس تحف و ہدایا کے ساتھ جن میں ایک ہندوستانی ہاتھی بھی تھا یہ حکم بھیجا کہ ہماری سلطنت تسلیم کر لو۔ ناصر کو مجبوراً اس کی سیادت ماننی پڑی۔ مگر اسی سال تیمور نے انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں تخت سلطنت کے لئے نزاع پڑ گئی۔ جس کی وجہ سے مصری ان کے تسلط سے آزاد

ہو گئے۔

۸۰۸ھ میں متوکل کے بعد اس کا بیٹا ابوالفضل مستعین باللہ خلیفہ بنایا گیا وہ دل میں ناصر سے عداوت رکھتا تھا۔ اس نے امراء دولت کو جن میں سب سے مقدم شیخ محمودی تھا اپنے ساتھ ملا لیا اور ناصر کے خلع کا اعلان کر دیا۔ ناصر نے دیکھا کہ اس کے طرفدار کم ہیں اس وجہ سے بھاگنا چاہا۔ مگر گرفتار ہو گیا خلیفہ مذکور نے تخت پر بیٹھ کر اس کو قتل کرا دیا۔

ملک عادل مستعین باللہ

ملک عادل کے لقب سے مستعین کے ہاتھ پر ۲۵ محرم ۸۱۵ھ میں سلطنت کی بھی بیعت ہوئی اور عباسی خلیفہ کے سر پر مستعصم کے بعد ایک بار اور دینی دستار کے ساتھ دنیاوی سلطنت کا تاج بھی رکھا گیا۔ اس نے شیخ محمودی کو وزارت سیف و قلم دونوں کے عہدے دیے۔ لیکن اس نے دیکھا کہ خلیفہ ضعیف العقل ہے۔ اس وجہ سے درخواست کی کہ مجھ کو شریک سلطنت بنایا جائے اس نے اس کو بھی منظور کر لیا اور ملک موید کے لقب سے اس کو اپنا سہیم قرار دیا۔ مگر یہ شرکت نہ چل سکی اور ۸ ربیع الاول ۸۱۵ھ میں شیخ نے اس کو اتار کر اپنی سلطنت کا اعلان کر دیا۔

شیخ محمودی

شیخ محمودی برقوق کے غلاموں میں شجاعت اور دانائی میں ممتاز اور شہسواری میں فرد تھا۔ صاحب علم بھی تھا اور شرع کا پابند اس وجہ سے لوگوں میں مقبول تھا۔ مستعین نے معزولی کے بعد اس کے خلاف سازش شروع کی اور اپنے ایک مخلص دوست نوروز کو جس کو شام کی ولایت دی تھی مخفی طور پر اپنا حال لکھ بھیجا اور مدد چاہی۔ اس نے جواب دیا کہ میں لشکر لیکر آتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے تم اپنے دینی اثر سے کام لو اور اس کی معزولی کا فتویٰ شائع کر دو۔ یہ سب کچھ ہوا مگر محمود معزول نہ ہو سکا بلکہ اس نے خود مستعین کو خلافت کی گدی سے اتار کر اس کے بھائی داؤد کو معتضد کے لقب سے خلیفہ بنا دیا محمودی منصف مزاج اور منتظم تھا۔ اس کے زمانہ میں مصریوں نے آرام پایا۔ ۸ سال حکومت کرنے کے بعد ۹ محرم ۸۲۴ھ کو مر گیا۔ جامع موید اور مدرسہ محمودی اسی نے بنائے تھے جس میں شیخ شمس بن مدبری اس زمانہ کے ممتاز محدث درس دیتے تھے۔ محمودی معہ اپنے بیٹے ابراہیم کے ان کے درس میں حاضر ہوتا اور ان کا فرش بچھاتا اور مسند لگاتا۔

احمد بن محمودی سیف الدین تتر۔ محمد بن تتر

محمود کے بعد ممالیک نے اس کے شیر خوار بچہ احمد کو تخت نشین کیا اور سیف الدین تتر کو اتالیق۔ اس نے شوال ۸۲۴ھ میں احمد کے سر سے تاج لیکر اپنے سر پر رکھ لیا۔ لیکن تین ہی مہینہ کے بعد گزر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد سلطان ہوا جس کا اتابک سیف الدین برس بائے تھا۔ سنت جاریہ کے مطابق اس نے بھی محمد کو تخت سے اتار دیا۔ ممالیک میں اختلاف پیدا ہوا اور لڑائیاں ہونے لگیں۔ برس بائے خاموش بیٹھا رہا۔ جب باہمی جنگوں میں ان کا زور ٹوٹ گیا اس وقت بلا کسی مزاحمت کے تخت پر آگیا۔

ملک اشرف برس بائے

برس بائے سیف الدین تتر کا زر خرید غلام تھا۔ ربیع الاول ۸۲۵ھ میں اس کے ہاتھ پر سلطنت کی بیعت ہوئی۔ اس کے عہد میں بجز ایک خفیف شورش کے جو ۸۲۷ھ میں شام کے والی نماشی کی بغاوت کی بدولت ہو گئی تھی اور فوراً رفع کر دی گئی اور کوئی فتنہ برپا نہیں ہوا نہ قحط پڑا نہ طاعون آیا۔ اس وجہ سے تمام ملک خوش حال ہو گیا۔ حسن سیاست۔ تدبیر، رعب اور وقار میں اس کا رتبہ شیخ محمودی سے فائق تر تھا۔ نہایت شجاع اور عاقل۔ مورخین لکھتے ہیں کہ آخر میں حاکم بامراللہ کی طرح اس نے بھی عجیب و غریب

احکام دینے شروع کئے تھے ۔ قاہرہ سے تمام کتے نکلوا دیئے ۔ عورتوں کو سڑکوں پر بلا اجازت نکلنا ممنوع کر دیا یہاں تک ہ اگر کوئی غسالہ کو بلواتا تو وہ محتسب کا اجازت نامہ سر پر رکھے بغیر شاہراہ سے نہیں گزر سکتی تھی۔ ۱۷ سال ۸ ماہ حکومت کر کے ۶۰ سال کی عمر میں ۱۳ ذی حجہ ۸۴۱ھ کو انتقال کیا۔ سلاطین چراکسیہ میں گل سرسبد یہی سمجھا جاتا ہے۔

ملک عزیز یوسف

برس بائے کے بعد اس کے بیٹے جمال الدین یوسف کے ہاتھ پر بیعت ہوئی سیف الدین چقمق نائب مقرر ہوا۔ حسب دستور تین مہینہ کے بعد اس نے یوسف کو نکال کر سلطنت پر قبضہ کر لیا اور ۱۹ ربیع الاول ۸۴۲ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

ملک ظاہر چقمق

بیعت کے وقت اس کا سن ۶۹ سال کا تھا۔ اس کے زمانہ میں معتضد باللہ خلیفہ نے انتقال کیا جو بڑا متقی اور دین دار تھا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی مستکفی باللہ خلیفہ ہوا وہ ۸۵۴ھ میں گزر گیا پھر قائم بامر اللہ خلیفہ ہوا اس نے چقمق کے خلاف سازش شروع کی۔ چقمق کا سن اس وقت ۸۰ سال سے متجاوز ہو چکا تھا دیکھا کہ خلیفہ کے دسائس کا میں مقابلہ نہ کر سکوں گا اس وجہ سے اپنے بیٹے عثمان کو تخت پر بٹھا دیا اس کے چند روز کے بعد ۸۵۷ھ میں جس میں کہ سلطان محمد ثانی فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا انتقال کر گیا۔
چقمق منکسر المزاج ۔ درویش دوست اور غریب پرور تھا۔ اس کے زمانہ میں کثرت سے مساجد اور عمارات وغیرہ تعمیر ہوئیں اس کے عہد میں مصر میں سخت طاعون پھیلا تھا جس سے بہت مخلوق تباہ ہوئی۔

ملک منصور عثمان

فخر الدین عثمان ابھی تخت پر متمکن ہونے بھی نہ پایا تھا کہ خلیفہ قائم نے امراء کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر اس کے عزل کا فرمان شائع کیا۔ چنانچہ یکم ربیع الاول ۸۵۷ھ میں اس کو تخت چھوڑ دینا پڑا۔ خلیفہ مذکور چاہتا تھا کہ مستعین کی طرح اپنی سلطنت قائم کرے لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ ممالیک نے اپنی جماعت میں سے ایک پیر کہن سال ابو نصر نیال کو تخت پر بٹھا دیا۔

ملک اشرف نیال

نیال کی تخت نشینی سے بھی خلیفہ کی امیدیں ختم نہیں ہوئیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ بڈھا عنقریب مر جائے گا اس کے بعد میں تخت لے لوں گا۔ مگر ۲ سال اس انتظار میں گزر گئے ۔ آخر میں اس نے سازش شروع کی۔ سلطان کو پتہ مل گیا معزول کر کے اسکندریہ میں بھیج دیا اور اس کے بھائی یوسف کو مستنجد کے لقب سے خلافت کا منصب عطا کیا۔ نیال آٹھ سال ڈھائی مہینے سلطنت کرنے کے بعد ۱۵ جمادی الاول ۸۶۵ھ میں گزر گیا۔

ملک موئید احمد

نیال کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین احمد سلطان ہوا۔ یہ باپ کے وقت سے مہمات سلطنت میں دخیل تھا چونکہ امراء اس سے ناراض تھے اس وجہ سے چار مہینے کے بعد معزول کر دیا گیا۔

ملک ظاہر خوش قدم

خوش قدم نسباً یونانی تھا اور ملک ظاہر کا زر خرید غلام اس وجہ سے ناصری اور یونانی دونوں نسبتوں سے مشہور ہے اس کے عہد میں ملک کا انتظام اچھا رہا۔ ۱۰ ربیع الاول ۸۷۲ھ کو انتقال کر گیا۔

ملک ظاہر بلبائے ۔ ملک ظاہر تمربوغا

ابو سعید بلبائے خوش قدم کے بعد سلطان ہوا لیکن ظالم اور غضبناک تھا اس لئے دو مہینے کے بعد نکال دیا گیا اور اسی لقب کے ساتھ تمربوغا تخت پر بٹھلایا گیا یہ بھی دو مہینے کے بعد ۶ رجب کو مخلوع ہوا۔

ملک اشرف قایت بائے

قایت بائے چقمق کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ۸۷۲ھ میں تمربوغا کے بعد عنان سلطنت اس کے ہاتھ میں آئی اس نے دانش مندی سے مختلف جماعتوں کو قابو میں کیا اور ملک کا انتظام بہت اچھا رکھا۔ اس زمانہ میں سلاطین عثمانیہ اپنی سلطنت کا دائرہ وسیع کر رہے تھے۔ ایرانیوں نے ان کے خوف سے مصریوں کے ساتھ اتحاد کا معاہدہ کر رکھا تھا جب عثمانیوں نے اوزون حسن والئی فارس کو شکست دے دی اس وقت قایت بائے کو خوف ہوا کہ وہ شام پر حملہ آور ہوں گے اس لئے ایک فوج گراں اس کے حدود پر بھیج دی جس نے ترکی سلطنت کے دو شہر اذنہ اور ترسوس فتح کر لئے۔

عثمانی اس وقت یورپین اقوام کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گئے۔ اس وجہ سے ادھر کا خیال نہ کر سکے۔ ۸۷۵ھ میں وہاں ان کو فتوحات حاصل ہوئیں مگر اسی اثناء میں سلطان محمد فاتح کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹوں میں تخت سلطنت کے لئے نزاع واقع ہو گئی آخری لڑائی یکی شہر میں ہوئی جس میں بایزید غالب آگیا اور اس کے بھائی جم نے بھاگ کر مصر میں پناہ لی۔

قایت بائے نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس کو احترام کے ساتھ رکھا اور حمایت کی امید دلا کر عثمانیوں پر حملے بھی شروع کر دیئے بایزید نے اب شام پر چڑھائی کا ارادہ کیا لیکن اتمام حجت کے لئے سفیر بھیجا کہ اذنہ اور ترسوس سے دست بردار ہو جاؤ اور جو خسارہ ہوا ہے اس کا تاوان دو۔ قایت بائے نے سفیروں کو واپس کر دیا اس وجہ سے ترکی فوجوں نے بڑھ کر اپنے مقامات واپس لے لئے۔

قایت بائے نے امیر ازبکی کو بھیجا اس نے پھر ان شہروں پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان سے ایک سیاسی وفد بایزید کے پاس جا رہا تھا اس کو بھی پکڑا بایزید یہ سن کر غصہ میں بھر گیا۔ ۳ ربیع الاول ۸۹۳ھ کو خود آستانہ سے فوج لے کر چلا اور تہدید آمیز لہجہ میں قایت بائے کو لکھا کہ اس کش مکش سے باز آؤ ورنہ میں تمام آل عثمان کو جمع کر کے چڑھائی کروں گا اور مصر بھی فتح کر لوں گا۔ قایت بائے نے سلامتی اسی میں دیکھی کہ ان دونوں شہروں سے دست بردار ہو کر عثمانیوں سے صلح کر لے اس کے پانچ سال کے بعد ۲۹ سال ۴ ماہ ۲۵ روز حکومت کر کے ۹۰۱ھ میں ۲۲ ذیقعدہ کو وفات پائی۔

ملک ناصر محمد بن قایت بائے (بار اول)

قایت بائے کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت پر بیٹھا مگر چھ مہینے کے بعد اٹھارہ جمادی الاول ۹۰۲ھ کو اتار دیا گیا۔

ملک اشرف قانصوہ خمسمایہ

قانصوہ پانچ سو دینار پر خریدا گیا تھا اسی وجہ سے خمسمایہ کے لقب سے مشہور ہوا محمد کے بعد امراء نے اس کو تخت پر بٹھایا لیکن اس نے دیکھا کہ میں سلطنت کا کام نہیں کر سکتا اس لئے دست بردار ہو گیا۔

ملک ناصر (بار دوم)

ممالیک دوبارہ محمد بن قایت بائے کو تخت پر لائے لیکن وہ سخت وحشی اور جاہل نکلا۔ ایک بار ایک نو عمر کنیز کی زندہ کھال کھینچ ڈالی اس قسم کی سختیوں سے ڈیڑھ سال کے بعد ۱۶ ربیع الاول ۹۰۴ھ کو ذبح کر دیا گیا۔

ملک ظاہر قانصوہ اشرفی

ناصر کے قتل کے دوسرے دن تخت نشین ہوا ایک سال ۸ ماہ کے بعد معزول کر دیا گیا۔

ملک اشرف قانصوہ جان بلد

قانصوہ ثالث ذیعقدہ ۹۰۵ھ میں سلطان بنایا گیا۔ ۷ مہینے کے بعد ۱۸ جمادی الاول کو مخلوع ہوا۔

ملک عادل طوماں بائے اول

جان بلد کے بعد قایت بائے کے غلاموں میں سے طوماں بائے کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ ساڑھے چار مہینے کے بعد ذیقعدہ ۹۰۶ھ کو قتل کر دیا گیا۔

ملک اشرف قانصوہ غوری

یہ بھی قایت بائے کے غلاموں میں سے تھا۔ نہایت متقی اور پرہیزگار اور ان تمام سیاسی جھگڑوں سے الگ جو ممالیک میں جاری تھے طوماں بائے کے بعد امراء نے اسی کو منتخب کیا اس نے معافی چاہی اور کہا کہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں لیکن انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ اہل ملک کو جو اعتماد تمہارے اوپر ہے وہ تمہاری اہلیت کے لئے کافی ہے اس لئے مجبور ہو کر بادل ناخواستہ قبول کیا مگر یہ کہا کہ میرے لئے وہ دن بڑی خوشی کا ہو گا جس دن تم لوگ اس گرفتاری سے مجھ کو آزادی کی خوشخبری دو گے اور میں تخت چھوڑ کر اپنے اس بوریا پر آ بیٹھوں گا۔ غوری نے زمام سلطنت ہاتھ میں لے کر عدل و حسن انتظام کے ساتھ حکومت شروع کی جس سے ملک میں اس سرے سے لے کر اس سرے تک امن و امان ہو گیا۔

پرتگالیوں نے اس زمانہ میں اپنے ہندوستانی مقبوضات سے بحری قزاقی شروع کر دی تھی جس سے مصر اور ہندوستان کی تجارت بند ہو گئی تھی ایک بحری بیڑہ ان کے استیصال کے لئے روانہ کیا مگر اس کو بحر احمر میں فرنگیوں نے تباہ کر ڈالا۔

۹۱۸ھ میں سلطان سلیم اول عثمانی کا بھائی کرکود جو اس کے ساتھ تخت و تاج کے لئے برسرپیکار تھا ہزیمت اٹھانے کے بعد بھاگ کر مصر میں آیا۔ غوری نے حمایت کے لئے جنگی کشتیاں اس کے ساتھ کر دیں کہ جا کر قسطنطنیہ فتح کرے۔ سلطان سلیم نے مشتعل ہو کر شام پر لشکر کشی کر دی مصریوں نے شاہ ایران اسمٰعیل صفوی کے ساتھ جو ترکوں کا دشمن تھا مل کر مقابلہ کیا مگر ترکوں نے دونوں کو ایک ساتھ شکست دے دی غوری نے مصالحت کے لئے ایلچی بھیجا۔ سلطان نے جواب دیا کہ اب میں تمہارے فریب میں نہیں آسکتا۔

مصری فوجیں مقابلہ کے لئے بڑھیں حلب کے متصل مرج دابق میں معرکہ آرائی ہوئی غوری اور اس کے سپاہیوں نے بے مثل بہادری کا اظہار کیا۔ لیکن ترکوں کی توپوں کے سامنے ان کی ساری جرات اور دلاوری بیکار ہو گئی۔ کیونکہ وہ ابھی تک نیزوں اور تلواروں ہی سے لڑتے تھے اور توپیں ان کے پاس نہ تھیں۔

۲۵ رجب ۹۲۲ھ کو مصری افواج کے میمنہ اور میسرہ کے سران سپاہ عثمانیوں کے ساتھ مل گئے غوری جو قلب میں تھا گھوڑے پر بھاگا راستہ میں گرا اور ٹاپوں کے نیچے پڑ کر ہلاک ہو گیا۔

ملک اشرف طومان بائے ثانی

غوری قاہرہ میں اپنے بھتیجے طومان بائے کو نائب بنا کر چھوڑ گیا تھا لوگوں نے اسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سلطان سلیم فوجیں لئے ہوئے مصر کی طرف آیا۔ طومان بائے نے شکست کھائی اور بھاگ کر اسکندریہ کی طرف چلا۔ راستہ میں ایک دیہاتی نے پکڑ لیا اور لا

کر ترکوں کے حوالہ کر دیا۔

سلطان سلیم نے دس دن تک اس کو اپنے پاس رکھا اور امور ملک میں مشورے لیتا رہا جب ضرورت باقی نہ رہی تو ۱۹ ربیع الاول ۹۲۳ھ میں سولی پر چڑھا دیا اس روز دولت چرکسی ختم ہو گئی اور مصر سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ ہو گیا۔ سلطان سلیم نے اسکندریہ میں ایک فوج متعین کی اور خیر بک کو جو غوری کی فوج کا ایک امیر تھا مصر کا والی مقرر کر دیا پھر متوکل سے جو اس وقت خلیفہ تھا خلافت کا منصب بھی لے لیا اور اس کو اپنے ساتھ آستانہ لیتا گیا یہی سب سے آخری عباسی خلیفہ تھا جس سے عثمانیوں کو خلافت مل گئی۔

گو میں عمود تاریخ اسلام یعنی خلافت کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں لیکن اس موقع پر میرا جی یہ چاہتا تھا کہ عثمانی اور خدیوی خاندانوں کے حالات بھی لکھ کر شامل کر دیتا کہ مصر کی تاریخ آغاز عہد سے آج تک کی مکمل ہو جاتی مگر میں نے دیکھا کہ یہ تتمہ بجائے خود ایک مستقل حصہ کی ضخامت چاہتا ہے اس لئے سر دست اس ارادہ کو چھوڑ دیا۔

خلفاء عباسیہ مصر

(۱) مستنصر باللہ

سقوط بغداد کے بعد عباسی خاندان کے دو شخص وہاں سے نکل بھاگے تھے ایک ابو القاسم احمد بن ظاہر بامراللہ ۔ دوسرا ابو العباس احمد بن حسن بن علی بن ابو بکر مسترشد باللہ ابو القاسم احمد جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں رجب ۶۵۹ھ میں مصر میں پہنچا ملک ظاہر بیبرس بند قداری نے اس کے استقبال کے لئے قاہرہ کی آئین بندی کرائی پھر عظیم الشان دربار کر کے امراء قضاۃ اور علماء کو جمع کیا قاضی تاج الدین نے ثبوت لینے کے بعد علی رؤس الاشہاد اس کے صحیح النسب ہونے کا فیصلہ کر دیا اس وقت اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی اور اس کا لقب مستنصر باللہ رکھا گیا۔

اب خلیفہ کا پہلا کام یہ تھا کہ تاتاریوں کے قبضہ سے بغداد کو نکالے۔ بیبرس نے ایک فوج گراں اس کو دی اور خود اس کے ساتھ دمشق تک آیا۔

ابو العباس احمد حلب میں خلیفہ بنا لیا گیا تھا۔ دمشق میں اس نے بھی آکر مستنصر کی اطاعت قبول کر لی اور اس کے ساتھ شامل ہو گیا دیگر امراء شام و حلب بھی اس جہاد میں شریک ہوئے بیبرس نے دس لاکھ دینار کے صرفہ سے سارا ساز و سامان درست کر کے ان کو روانہ کیا۔ ۳ محرم ۶۶۰ھ میں مقام ہیت سے آگے بڑھ کر تاتاریوں سے مقابلہ ہوا انہوں نے شکست دے دی بہت سے مسلمان مقتول ہوئے اور غالباً مستنصر بھی مارا گیا کیونکہ اس دن سے اس کا کچھ پتہ نہ ملا اس کی خلافت چھ مہینے سے بھی کم رہی۔

(۲) حاکم بامراللہ اول

(۶۶۰ھ سے ۷۰۱ھ تک)

مستنصر کے بعد حلبی خلیفہ ابو العباس احمد مصر میں بلایا گیا اور ۸ محرم ۶۶۰ھ کو اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی ۔ سلطان بیبرس نے اپنے قصر کبیر میں ایک محل اس کی سکونت کے لئے نامزد فرمایا اور اس کی کل ضروریات کا انتظام کر دیا۔

حاکم ۴۱ سال تک اس منصب پر قائم رہا اور ۷۰۱ھ میں یوم جمعہ ۱۲ جمادی الاول کو سلطان بن محمد قلاؤن کے عہد میں انتقال کر گیا۔ سیدہ نفیسہ کے مزار کے متصل دفن ہوا تمام امراء اور اعیان دولت جنازہ میں از راہ ادب ننگے پاؤں شریک تھے۔

(۳) مستکفی باللہ اول

(۷۰۱ھ سے ۷۴۰ھ تک)

ابو الربیع سلیمان بن حاکم اپنے باپ کا نامزد کردہ ولی عہد تھا۔ اس کے عہد میں ۷۰۹ میں تاتاری بادشاہ خوبندہ نے رفض اختیار کیا اور اپنے تمام قلمرو میں حکم بھیج دیا کہ خطبوں میں سے خلفائے ثلاثہ کے نام نکال دیئے جائیں اس کی وجہ سے سخت شورش برپا ہوئی اسی اثناء میں وہ مرگیا اور اس کی جگہ سلطان ابو سعید آخری تاتاری بادشاہ تخت نشین ہوا جو سنی تھا اس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ مصر کے ذمیوں نے وزیر کے پاس یہ درخواست دی کہ اہل ذمہ کے اوپر جو قیود ہیں وہ اٹھا دی جائیں ہم اس کے عوض میں سالانہ سات لاکھ دینار دیتے رہیں گے وزیر اور سلطان کا میلان طبع یہ تھا کہ منظور کرلیں مگر امام تقی الدین احمد ابن تیمیہ نے مخالفت کی اور کہا کہ شریعت کے احکام کسی قیمت پر فروخت نہیں ہو سکتے خلیفہ نے بھی ان کی تائید کی اس لئے باز رہے۔

سلطان مصر محمد بن قلاؤون اور خلیفہ میں بہت یگانگت تھی دونوں ایک ساتھ سیر و شکار اور چوگاں بازی کے لئے نکلا کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بھائی بھائی ہیں مگر ۷۳۶ھ میں بعض دشمنوں کی دور اندازی سے ان میں باہم رنجش پیدا ہو گئی اس وجہ سے سلطان نے خلیفہ کو برج قصر میں نظر بند کر کے لوگوں کو اس سے ملنے سے روک دیا پھر ذی حجہ ۷۳۷ھ میں اس کو قاہرہ سے مع اہل و عیال اور متعلقین کے جو تقریباً سو نفوس تھے مقام قوص میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ خطبوں میں سے اس کا نام نکال دیا جائے لیکن گزارہ بڑھا دیا۔

شعبان ۷۴۰ھ میں مستکفی نے قوص ہی میں انتقال کیا۔ عمر ۵۰ سال سے زیادہ تھی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مستکفی فاضل، کریم الطبع، شجاع اور سپہ گری میں کامل تھا ہمیشہ علماء و فضلاء کے ساتھ مجالست رکھتا اور سلوک کرتا۔ خط نہایت پاکیزہ لکھتا تھا۔ اسی نے بادشاہ ہند محمد تغلق کو خلعت اور امارت کا فرمان بھیجا تھا۔

(۴) واثق باللہ

(۷۴۰ھ سے ۷۴۱ھ تک)

حاکم بامر اللہ نے اپنے بیٹے ابو عبداللہ محمد کو اپنا ولی عہد بنایا تھا لیکن وہ اس کی زندگی ہی میں مرگیا اس وجہ سے اس کے بیٹے ابراہیم بن محمد کے نام ولایت عہد لکھ دی مگر جب دیکھا کہ اراذل کی صحبت میں بیٹھنے سے اس کی صحبتیں خراب ہو گئی ہیں تو اپنے دوسرے بیٹے مستکفی کو ولی عہد کیا چنانچہ اس کے خلیفہ کو جانے پر اسی نے ملک ناصر محمد بن قلاؤون کو اس کا دشمن بنا دیا تھا۔

مستکفی مرتے وقت اپنے بیٹے احمد کے لئے خلافت کی وصیت کر گیا تھا مگر سلطان نے اس کی وصیت کی طرف التفات نہیں کیا اور ابراہیم کو واثق باللہ کا لقب دے کر خلیفہ بنا دیا۔ علماء اور قضاۃ نے بوجہ اس کے ناشائستہ افعال کے سخت مخالفت کی۔ سلطان نے اس کو معزول تو نہیں کیا لیکن خطبوں سے اس کا نام نکلوا دیا اور انتقال کے وقت وصیت کر گیا کہ مستکفی کے بیٹے احمد کو خلیفہ بنا لینا۔

(۵) حاکم بامر اللہ ثانی
(۷۴۱ھ سے ۷۵۳ھ تک)

محمد بن قلاؤں کی وصیت کے مطابق اس کے بیٹے سیف الدین ابو بکر نے تخت نشین ہونے کے بعد ذی حجہ ۷۴۱ھ میں قاضی القضاہ کو بلا کر دربار عام میں واثق کو معزول کیا اور ابو العباس احمد بن مستکفی کو ولی عہدی کا ثبوت لینے کے بعد خلیفہ بنایا چونکہ یہ دوسرے خلیفہ حاکم بامر اللہ کا ہم نام اور ہم کنیت تھا۔ اس لئے وہی لقب بھی اس کو دیا گیا۔ ۷۵۳ھ کے وسط میں طاعون سے ہلاک ہوا۔

(۶) معتضد باللہ اول
(۷۵۳ھ سے ۷۶۳ھ تک)

الفتح معتضد حاکم بامر اللہ کا بھائی تھا اس کے انتقال کے بعد اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ جمادی الاول ۷۶۳ھ میں گزر گیا۔ متواضع اور علم دوست تھا اس کی طرف سے فیروز شاہ کے نام ہندوستان کی امارت کا فرمان ۷۵۰ھ میں آیا تھا۔

(۷) متوکل علی اللہ اول
(۷۶۳ھ سے ۸۰۸ھ تک)

ابو عبداللہ محمد بن معتضد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ۷۶۳ھ میں خلیفہ ہوا۔ اس نے زمانہ بہت پایا۔ ۷۷۹ھ میں اشرف کے قتل کے معاملہ میں اتابک لائن اس سے کسی بات پر ناراض ہو گیا اس وجہ سے قوص میں بھیج دیا اور زکریا بن واثق کو معتصم کا لقب دے کر خلافت کا خلعت عطا کیا۔ لیکن نہ بیعت ہوئی نہ اجماع۔ آخر کار پندرہ روز کے بعد پھر متوکل خلافت پر بلایا گیا۔

۷۸۰ھ میں متوکل نے برقوق کے خلع کا اعلان کیا مگر اس نے خود متوکل کو خلافت سے برطرف کر کے عمر بن ابراہیم کو خلیفہ بنا لیا۔ ۷۸۸ھ میں جب عمر گزر گیا اس وقت امراء نے اس کو متوکل کی بیعت کا مشورہ دیا مگر وہ راضی نہ ہوا اور زکریا بن واثق کو جو اتابک لائن کے عہد میں خلافت پر آیا تھا۔ خلیفہ بنایا اس نے مخالفت شروع کی اس وجہ سے مجبوراً اس کو نکال کر پھر متوکل کو بلایا اس نے خلیفہ ہوتے ہی برقوق کی معزولی کی کوشش شروع کی اور کامیاب ہو گیا۔

رجب ۸۰۸ھ میں وفات پائی۔ کنیزوں کا عاشق تھا۔ نر و مادہ سو اولادیں چھوڑیں جن میں سے پانچ خلیفہ ہوئے۔

(۸) مستعین باللہ
(۸۰۸ھ سے ۸۱۵ھ تک)

ابو الفضل عباس بن متوکل، بائی خاتون نامی ترکی کنیز کے شکم سے تھا۔ رجب ۸۰۸ھ میں ملک ناصر پسر برقوق کے عہد میں اپنے باپ کی جگہ خلیفہ ہوا جب شیخ محمودی نے ناصر کو گرفتار کیا تو مستعین نے اس کو قتل کرا کے تخت سلطنت بھی حاصل کر لیا۔ چونکہ مدت کے بعد عباسی خلیفہ کو دنیاوی اقتدار ملا تھا اس وجہ سے مسلمانوں نے اس پر شادیانے بجائے لیکن یہ خوشی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ شیخ محمودی نے بہت جلد اس کو خلافت اور سلطنت دونوں سے معزول کر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا اور خود سلطان ہو گیا اور خلافت کی بیعت داؤد بن متوکل کے ہاتھ پر کر لی اس کے بعد مستعین کو اسکندریہ بھیج دیا وہاں اس نے بڑی ثروت پیدا کر لی اور ۸۳۳ھ میں انتقال کیا۔

(۹) معتضد باللہ ثانی
(۸۱۵ھ سے ۸۴۵ھ تک)

داؤد کا لقب معتضد باللہ رکھا گیا اس کی ماں کزل نامی ترکی کنیز تھی اس کی بیعت ۸۱۵ھ میں ہوئی۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۴ ربیع الاول ۸۴۵ھ میں مر گیا باوقار عالم اور فیاض تھا۔

(۱۰) مستکفی باللہ ثانی
(۸۴۵ھ سے ۸۵۴ھ تک)

ابو الربیع سلیمان بن متوکل، معتضد کے بعد اس کی وصیت کے مطابق خلیفہ بنایا گیا نہایت متقی اور عبادت گزار تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی کیونکہ ان کے والد اس کے اتالیق تھے ملک ظاہر چقمق اس کے ساتھ عقیدت اور اس کے حق حرمت کا بہت خیال رکھتا تھا۔ ۶۳ سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۹ ذی حجہ ۸۵۴ھ میں انتقال کر گیا۔ امراء و سادات جنازہ پر ٹوٹے پڑتے تھے خود چقمق نے بھی کاندھا دیا۔

(۱۱) قائم بامراللہ
(۸۵۴ھ سے ۸۵۹ھ تک)

ابو البقا حمزہ بن متوکل، بلا ولی عہدی کے خلافت کے منصب کا متولی بنایا گیا اسی کی سازشوں کے ڈر سے چقمق نے سلطنت

اپنے بیٹے عثمان کے حوالہ کر دی تھی قائم نے اس کے خلع کا اعلان کیا اور چاہا کہ مستعین کی طرح خود سلطنت پر قابض ہو جائے مگر کامیاب نہ ہو سکا اور ملک اشرف نیال تخت پر آگیا اس کے خلاف بھی سازش شروع کی اس وجہ سے ۸۵۹ھ میں اسکندریہ بھیج دیا گیا وہیں ۸۶۳ھ میں وفات پائی اور اپنے بھائی مستعین کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(۱۲) مستنجد باللہ

(۸۵۹ھ سے ۸۸۴ھ تک)

ابو المحاسن یوسف بن متوکل ۸۵۹ھ میں منصب خلافت پر آیا۔ اس کے زمانہ میں بڑی بادشاہ گردی رہی ۔ آخر میں ملک اشرف قایت بائے پر آکر سلطنت نے قرار لیا۔ ظاہر خوش قدم نے سازش کے خطرے سے اس کو قلعہ میں نظر بند رکھا تھا وہیں ۲۴ محرم ۸۸۴ھ میں گزر گیا۔

(۱۳) متوکل علی اللہ ثانی

(۸۸۴ھ سے ۹۰۳ھ تک)

عبدالعزیز بن یعقوب بن متوکل ۱۶ محرم ۸۸۴ھ کو خلیفہ ہوا دیندار اور خوش اخلاق تھا۔ ۲۰ صفر ۹۰۳ھ کو وفات پائی۔

(۱۴) مستمسک باللہ

(۹۰۳ سے ۹۲۰ھ تک)

یعقوب بن عبدالعزیز باپ کے مرنے کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ۹۲۰ھ میں انتقال کر گیا۔

(۱۵) متوکل علی اللہ ثالث

(۹۲۰ھ سے ۹۲۳ھ تک)

اس کا نام محمد تھا۔ مستمسک کے بعد اس کی خلافت کی بیعت ہوئی اس کے زمانہ میں ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم اول عثمانی نے

مصر کو فتح کیا۔ چونکہ اصولاً منصب خلافت منصب سلطنت سے بالاتر ہے اور خلیفہ کے احکام سلطان کے لئے واجب التعمیل ہوتے ہیں اس لئے سلیم نے سلطنت کے ساتھ ہی خلافت بھی لے لی اور یہ اختیار دوسروں کے ہاتھ میں رکھنا پسند نہ کیا۔ اس وقت سے یہ نام کی خلافت بھی بنی عباس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ سلیم متوکل کو اپنے ساتھ آستانہ لیتا گیا وہاں وظیفہ مقرر کر دیا۔ ۹۴۵ء میں متوکل نے وہیں وفات پائی۔

خلافت عباسیہ

عباسی خلافت اگرچہ کل عالم اسلامی کی نمائندہ نہ تھی کیونکہ اس کا ایک حصہ اندلس روز اول سے اس کے قلمرو سے خارج رہا اور پھر امتداد اور زمانہ کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ اکثر اسلامی ممالک اس کے قبضہ سے نکلتے گئے یہاں تک کہ دیلم اور سلجوق نے خود اس کے مرکز پر قبضہ کر لیا اور ان کے زمانوں میں اس کا دنیاوی تسلط برائے نام رہ گیا لیکن پھر بھی بوجہ خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے وارث ہونے کے بالعموم امت میں مرکزی حیثیت اس کو حاصل رہی مشرق سے مغرب تک اکثر سلاطین اور ملوک اسلام خلفائے عباسیہ ہی کو جانشین رسول اور دنیائے اسلام کا مرکزی فرماں روا مانتے انہیں سے اپنی امارتوں کا فرمان لکھواتے اور اپنے آپ کو ان کا نائب قرار دے کر ان کے ناموں کے خطبے پڑھتے اور اس کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اندلس اور مراقش کی خلافتوں نیز خلافت فاطمیہ کو بجز ان کے ماتحتوں اور ہم عقیدہ لوگوں کے اور کسی نے کبھی صحیح تسلیم نہیں کیا اور عام طور پر امت کے نزدیک یہ خلافتیں نامعقول بلکہ ناجائز رہیں۔ اس وجہ سے بغداد سے خلافت عباسیہ کے زوال کو باوجود اس کے کہ اس کے پاس تین صوبوں سے زائد نہ تھے خوارزم شاہی طویل و عریض سلطنت اور دیگر اسلامی ریاستوں کے زوال کی بہ نسبت امت نے زیادہ محسوس کیا۔ کیونکہ اس سے دنیا اسلام کی مرکزیت مٹ گئی تھی اور ایک عظیم الشان منصب جو روایات کے لحاظ سے دینی حیثیت اختیار کر چکا تھا امت کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اس لئے اس کا دوبارہ قائم کرنا ضروری سمجھا گیا۔

یہ احساس عوام الناس کی بہ نسبت علماء کو زیادہ تھا اور خلافت کی تاریخ کی بناء پر ان کے دلوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ اس منصب کی تولیت کے مستحق عباسی ہی خاندان کے افراد ہو سکتے ہیں اسی بنیاد پر ابو العباس احمد کو جو بغداد سے بھاگ کر حلب گیا تھا حاکم بامر اللہ کے لقب سے امام ابن تیمیہ کے والد بزرگوار عبدالحلیم بن تیمیہ نے خلیفہ بنایا اور سب لوگوں سے بیعت لے کر خلافت کا منصب قائم کیا اور مصر میں جب ابوالقاسم احمد پہنچا وہاں علامہ عزالدین اور قاضی تاج الدین کی کوششوں سے اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی اور جو مرکزیت بغداد میں شکست ہوئی تھی قاہرہ میں نصب کی گئی۔

سلطان بیبرس بند قداری نے بھی عقیدت مندی اور نیز اس خیال سے کہ اس مرکزیت کی بدولت اس کی سلطنت کو قبولیت عامہ نصیب ہو گی اور اس کا اقتدار بڑھ جائے گا۔ بیعت کر لی چنانچہ بیعت کے بعد جمعہ کے دن خلیفہ نے خطبہ پڑھا اور سلطان مذکور کو قسیم امیر المومنین کا لقب اور مصر و شام وغیرہ کی امارت کا فرمان عطا فرمایا۔ اس نے خلیفہ کے لئے ایک محل مخصوص کر دیا۔ اور کاتب، حاجب، خزانچی وغیرہ متعین کر دئے غلام، کنیزیں، خدم و حشم اور سواری کے لئے گھوڑے دیئے نیز جملہ لوازمات اور ان کے اخراجات کا بندوبست فرمایا۔ خطبوں میں بھی اس کا نام داخل کیا اور سکوں میں بھی اور خلافت کا پورا اعزاز مرعی رکھا۔

اس میں شک نہیں کہ علماء نے نیک نیتی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے اس خلافت کا احیاء کیا تھا اور ان کا مقصد یہ تھا کہ امت کی وحدت اور مرکزیت قائم رہ جائے لیکن اقوام مسلمہ کا تشتت و افتراق اس حد سے گزر چکا تھا کہ اس بوسیدہ رشتہ سے جو روحانی خلافت کی شکل میں قائم کیا گیا ہے ان کی شیرازہ بندی ہو سکتی چنانچہ سیاسی حیثیت سے یہ مفید ہونے کے بجائے خود مصر کے

لئے مضر ثابت ہوا کیونکہ دو مستقل اختیارات ہر وقت متصادم ہو سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلاطین نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد خلیفہ کو قلعہ میں اپنی نظر کے سامنے رکھنا شروع کیا اور ارکان دولت کا ملنا اس سے بند کر دیا اس کے بعد سکوں اور خطبوں سے بھی اس کا نام نکال ڈالا اور اس کو محض ایک تبرک کی حیثیت سے رہنے دیا جو مذہبی مجالس میں شرکت کے لئے بلایا جاتا تھا اس کا لقب بھی بجائے خلیفہ کے امام کر دیا اور سیاسیات میں کسی قسم کا دخل دینے سے روک دیا۔ ان میں سے جو کسی قسم کی مخالفت کا اظہار کرتا وہ یا تو معزول ہوتا یا قید۔ مستعین باللہ نے جرات کر کے ذرا قدم آگے بڑھایا تھا اور تخت سلطنت پر پہنچ گیا تھا جس پر علماء نے حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کیا یہاں تک کہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے جوش سرور میں ایک قصیدہ بھی لکھ ڈالا لیکن چونکہ کوئی عصبیت اس کے پاس نہ تھی اور امراء اپنی اپنی غرض کے بندے تھے اس لئے وہ چالیس دن بھی تخت پر نہ رہ سکا اور قید کر دیا گیا۔

جب خود مصر میں ان کا یہ حال تھا تو دیگر سلاطین و ملوک اسلام اس تاریخی رشتہ کا کہاں تک احترام کرتے۔ بایزید عثمانی نے اگر سنت قدیم کے مطابق ان سے اپنی امارت کا فرمان لکھوایا تو آخر میں اسی خاندان کے سلطان سلیم نے ان سے خلافت بھی چھین لی جس سے نہ صرف بنی عباس اور قریش بلکہ عرب کے ہاتھوں سے یہ منصب نکل کر عجم کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ بے شک ایک دوسری حیثیت سے اس خلافت کی بدولت مصر کو فائدہ پہنچا۔ یعنی اگرچہ فتح اسلامی کے بعد ہی سے علوم اسلامیہ وہاں رائج ہو گئے تھے اور ہر قرن میں اچھے اچھے علماء اور مصنفین کی کثرت رہی مگر اس خلافت کے قیام سے وہاں علم اور دین کو زیادہ ترقی ہو گئی اور بجائے بغداد کے قاہرہ حضارۃ اسلامی کا مرکز ہو گیا۔ سلاطین عثمانیہ خلافت اسلامیہ کو تو روم میں لے گئے مگر علوم اسلامیہ کو مصر ہی میں چھوڑ گئے۔ چنانچہ آج تک یہ اس کی مرکزیت باقی ہے اور اس کے علمی احسانات کا فیض دنیائے اسلام میں جاری ہے۔

حصّہ ہفتم

خلافتِ عثمانیّہ

تعارف آل عثمان

یہ تاریخ الامت کا ساتواں حصہ ہے اس حصے میں سلاطین و خلفاء عثمانیہ کے ابتداء سے لے کر آج تک کے حالات لکھے گئے ہیں۔ تاریخ الامت کے دوسرے حصوں کے تناسب سے اس حصے کو بھی میں نے نہایت اختصار کے ساتھ مرتب کیا ورنہ ان سلاطین میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی سوانح عمریاں تفصیل سے لکھی جائیں تو اس کتاب سے بڑی ہو سکتی ہیں اس کو آل عثمان کی محض تاریخ سمجھنا چاہئے۔

ترکوں کے عالی شان اسلامی کارناموں اور نیز اس دلچسپی کے لحاظ سے جو مسلمانان ہند کو نصف صدی سے ان کے ساتھ رہی ہے اردو زبان میں بہت کچھ ان کے متعلق لکھا جانا چاہئے تھا لیکن افسوس ہے کہ بجز دو ایک انگریزی کتابوں کے ترجموں کے ان کی تاریخ میں کوئی مستقل تصنیف اب تک شائع نہیں ہوئی اس لئے یہ کتاب فی الجملہ اس کمی کو پورا کرے گی۔

اس حصے کی تالیف میں چھوٹی بڑی متعدد ترکی تاریخیں جو عربی زبان میں مجھ کو مل سکیں میں نے پیش نظر رکھیں ان میں سے محمد فرید بک مصری کی تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ جو ۱۱۳۱ھ میں مصر میں چھپی ہے مجھ کو زیادہ قابل اعتماد معلوم ہوئی کیونکہ وہ اہل بصیرت و رجال کے ساتھ لکھی ہے جس میں جملہ معاہدات ترکی کے تراجم بھی حسب موقع درج کر دیئے ہیں۔

دوسری کتاب تاریخ الاتراک العثمانیین بھی پسند آئی جس کو حسین لبیب مصری نے انگریزی سے نہایت خوبی کے ساتھ عربی میں ترجمہ کر کے ۱۳۳۵ھ میں شائع کیا ہے اس میں علاوہ تفصیلی معلومات کے حسن ترتیب بھی ہے جس کی دوسری عثمانی تاریخوں میں کمی ہے۔

دولت عثمانیہ کی بنیاد ایک ترکی قبیلہ کے ہاتھ سے پڑی جو وسط ایشیا کے مقام تائی کا باشندہ اور ادغوز کے لقب سے مشہور تھا۔ چنگیز خاں کے حملہ میں سواحل جیحوں کے قبائل جب خوف سے اپنے اپنے مسکن چھوڑ کر نکل بھاگے اس وقت یہ قبیلہ بھی ترکستان کے شہر ماہان میں آیا پھر آرمینیا کے شہر اخلاط سے ہوتا ہوا ارزنجان میں پہنچ کر قیام پذیر ہوا وہاں سات سال گذار کر ۶۲۶ھ میں جب چنگیزی فتنہ فرد ہو گیا اپنے وطن کی طرف واپس چلا راستہ میں فرات سے عبور کرتے ہوئے ان کا سردار سلیمان غرق ہو گیا اس کی نعش دریا سے نکال کر ساحل پر اس جگہ دفن کی گئی جو آج تک "ترک مزاری" کے نام سے مشہور ہے۔

سلیمان کے چار بیٹے تھے ترکی دستور کے مطابق قبیلہ ان چاروں میں منقسم ہو گیا ان میں سے دو باپ کی وصیت کے مطابق وطن کو چلے آئے، اور دو ارطغرل اور دوندار معہ اپنے ساتھیوں کے جو دو ہزار نفوس سے زائد نہ تھے ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کے سایہ میں پناہ گزیں ہونے کے ارادے سے چلے۔ صحرائے پاسین اور سورمہ لی سے گذر کر ارطغرل نے زمین کی درخواست کے لئے اپنے بیٹے کو سلجوقی بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور خود قافلے کے ساتھ رہا۔ اثنائے راہ میں ایک دن جب کہ وہ ایک میدان سے گذر رہا تھا دیکھا کہ دو فوجیں آمادہ پیکار ہیں جن میں سے ایک زبردست ہے اور دوسری کمزور۔ ارطغرل کی حمیت شجاعت جوش میں آ گئی وہ

اپنے قبیلے کے جنگ آوروں کو لے کر جن کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی کمزور ... ابت کو بڑھا اور اس بہادری سے لڑا کر فتح حاصل کی اس کے بعد معلوم ہوا کہ جس فریق کو اس نے امداد کی ہے خوش قسمتی سے وہ ... مدینہ کے قباد پسر ملک شاہ سلجوقی کی فوج ہے اور جن کو شکست دی ہے وہ تاتاری ہیں۔

ارطغرل

سلطان علاء الدین نے اس کارنامے کی وجہ سے ارطغرل پر شاہانہ نوازش فرمائی۔ قصبہ سکوررا اور طومانج کا سرسبز اور زرخیز قطعہ اراضی جو دریائے سکاریہ کے کنارے رومی سرحد کے متصل واقع تھا اس کو جاگیر میں عطا کیا اور "اوج بک" خطاب کے ساتھ ان حدود کا سپہ دار مقرر کر دیا۔ رومی سلطنت کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا۔ ایشیائے کوچک اور اناطولیہ میں اس کے بہت سے قلعے تھے جن میں رومی قلعہ دار رہتے تھے اور تکفور بولے جاتے تھے۔ ارطغرل کی ان کے ساتھ سلسلہ وار جنگ شروع ہوئی جن میں اس نے پے در پے فتوحات حاصل کیں اور اپنی شجاعت اور شہامت کا سکہ بٹھا دیا جس سے رومیوں پر اس کی ہیبت غالب ہو گئی اس ناموری کی وجہ سے ترکی قبائل جو اس سے پہلے سلجوقیوں کے ساتھ اس علاقہ میں ائے تھے اس کے پاس آگئے اور اس کے لواء مظفر کے نیچے جنگ و جہاد میں جوش و خروش کے ساتھ شریک ہونے لگے۔

سلاجقہ کی یہ سلطنت جس کی بنیاد سلطان قطلمش کے ہاتھوں ۴۷۰ھ میں پڑی تھی۔ چھٹی صدی ہجری میں ملک شاہ اور قلیج ارسلان کے زمانوں میں شوکت اور قوت میں نامور تھی اور ایشیائے کوچک، شام، جزیرہ، آرمینیہ نیز ایران کا بھی ایک حصہ اس کے زیر فرماں تھا لیکن اندرونی اختلال اور امراء کی بغاوتوں اور خود مختاریوں سے اس کی قوت روز بروز مضمحل ہوئی گئی ایک طرف سے تاتاریوں نے پے در پے حملے کر کے اس کے شمالی اور مشرقی حصے پر قبضہ کر لیا تھا دوسری طرف سے رومیوں نے ایشیائے کوچک اور اناطولیہ کے اکثر علاقے واپس لے لئے تھے، جس کی وجہ سے یہ سلطنت نیم جان ہو رہی تھی۔

علاؤ الدین شاہ قونیہ نے ایسے وقت میں ارطغرل اور اس کے قبیلے کو جو قدیم سلاجقہ کی طرح دین کی مدد اور جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے، اپنے واسطے قوت اور شوکت کا ذریعہ سمجھا ان کی فتوحات کی خبریں سن کر خوش ہوتا تھا اور ان کے ساتھ ہر قسم کی مراعات کرتا تھا یہاں تک کہ اپنی لڑائیوں میں بھی سب سے زیادہ انہیں پر اعتماد کرنے لگا چنانچہ بنی شیر میں جو جنگ ہوئی جس میں تاتاری اور رومی متحد ہو کر علاء الدین پر حملہ آور ہوئے تھے اس میں اس کی بہترین فوج ارطغرل اور اس کے قبیلہ ہی کی تھی، جنہوں نے اپنی بہادری اور جنگی مہارت سے دشمنوں کو شکست دے کر بھگا دیا علاؤ الدین نے اس صلے میں اس شہر کو بھی ارطغرل کی جاگیر میں دے دیا اسکے کل علاقہ کا نام امارت سلطونی رکھا اور اس کو مقدمہ الجیش کا سپہ سالار مقرر کیا۔

یہ علاقہ ایک وسیع پرگنہ تھا جس میں کثرت سے سرسبز چراگاہیں اور ہری بھری وادیاں تھیں بڑے حصے میں گیہوں کی کاشت ہوتی تھی اور جابجا انگور کے باغات اور خوشنما مناظر تھے جن کو دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے آتے تھے متعدد قلعے بھی تھے مثلاً کارد چا حصار، بلد کوچک اور اغنی وغیرہ اور کئی شہر اور قصبے تھے جن میں سے اس کے شہر سیدی غازی اور سکود مشہور تھے۔ اطراف و جوانب میں جو قلعہ نشین امراء سلجوقیوں سے خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے ان کے علاقوں پر بھی ارطغرل نے بحکم سلطان لڑ کر قبضہ کر لیا اس طرح اس کے مقبوضات کا دائرہ وسیع تر اور امراء دولت میں اس کا رتبہ فائق ہو گیا۔

۶۸۷ھ میں ارطغرل نے ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور سکود کے متصل دفن ہوا۔

غازی عثمان خان

۶۵۶ ھ میں جس میں تاتاریوں نے حضارۃ اسلام کے مرکز بغداد کو تباہ اور خلافت عباسیہ کو غارت کیا۔ ارطغرل کا بڑا بیٹا عثمان پیدا ہوا تھا اسی کے ہاتھوں عثمانی سلطنت کی بنیاد پڑی جس نے اسلام کی وہ خدمات کیں جس کی توقع خلافت عباسی سے بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ عثمان نے اپنے باپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں تربیت پائی تھی اور نوجوانی ہی میں جابجا معرکوں میں ناموری حاصل کر لی باپ کے مرنے کے بعد سلطان غیاث الدین کے حکم سے قبیلہ کی ریاست اسی کو ملی اسی کے نام سے ترک آج تک اپنے آپ کو عثمانی کہتے ہیں اور اس کی بہادری اور شہ سواری کی داستانیں اپنی محفلوں میں گاتے ہیں۔

مال خاتون

اس کی شہر کے متصل مقام اتیرونی میں ایک صاحب علم روشن ضمیر بزرگ رہتے تھے جن کا نام ادب عالی تھا۔ دیار کے لوگ ان کی ولایت کے معتقد تھے اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے عثمان بھی نو عمری میں ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا ان کی ایک ماہ پیکر بیٹی مال خاتون نامی تھی جس کے ساتھ عثمان کو دلی محبت پیدا ہو گئی اس نے شیخ مذکور کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے اپنی درویشانہ اور عثمان کی امیرانہ حالت کا فرق دیکھ کر قبول نہ کیا۔

عثمان کے قلب پر عشق کا غلبہ معمولی نہ تھا اس نے طے کر لیا کہ سوائے مال خاتون کے اور کسی عورت سے وہ شادی نہ کرے گا ۔ اتفاقاً اسی درمیان میں اس نے خواب دیکھا کہ شیخ کے سینے میں ایک ہلال نکل کر بلند ہوا اور بدر کامل بن کر میرے آغوش میں اتر آیا پھر اس سے ایک درخت نکلا جس کی شاخیں، بر و بحر، دشت و جبل پر چھا گئیں اور اس کی پتیاں لنگی ہوئی تلواروں کی طرح ہوا کے جھونکوں سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھنے لگیں۔ اس کو شیخ سے بیان کیا انہوں نے اس میں مبارک فالی کی تعبیر دیکھ کر مال خاتون کو اس کے نکاح میں دے دیا اس کی بناء پر شہر کے والی نے کہ وہ بھی عثمان کی طرح مال خاتون کا خواہاں تھا اور اس کے باپ کے پاس پیغام نکاح بھیج کر ناکام رہا تھا۔ رشک رقابت میں عثمان کو ایک قصر میں محصور کر لیا اور چاہا کہ قتل کر ڈالے لیکن عثمان اپنے رفیقوں کے ساتھ بہادری سے حریفوں کے نرغے سے باہر نکل آیا اور کھلے میدان میں لڑ کر ان کو شکست دی والی مذکور بھاگا۔ مگر اس کے ساتھ ایک یونانی رئیس کوسہ میخائیل نامی گرفتار ہو گیا وہ عثمان کی شجاعت پر اس قدر فریفتہ ہوا کہ مسلمان ہو کر زندگی بھر اس کے ساتھ رہا۔ عثمانی تاریخ میں اس کی اولاد میخائیل اوغلی کے نام سے مشہور ہے۔ مال خاتون کے ساتھ نکاح ہو جانے کی وجہ سے امارت کے ساتھ دینی اثر بھی شامل ہو گیا۔

قراچہ حصار

تخت ریاست پر بیٹھنے کے ساتھ ہی ۶۸۸ھ میں قراچہ حصار کے امیر نکولس ۔نے جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا چڑھائی کی۔ عثمان نے اس کو شکست دے کر اس کا حصار بھی اس سے چھین لیا اس کامیابی پر سلطنت کی طرف سے توغ طبل و علم اور " بک " کا

خطاب ملا۔ نیز جمعہ کے خطبوں میں اس کا نام شامل کیا گیا اور اپنے نام کے سکے ڈھالنے کی اجازت اور علاقہ جات مفتوحہ کی امارت بھی عطا ہوئی اس وقت سے عثمان کی حیثیت ایک مستقل رئیس کی ہو گئی اسی سال مال خاتون کے شکم سے اس کا بیٹا اور خاں پیدا ہوا۔ قرب و جوار کے متعدد رومی امیروں نے اس کے ساتھ لڑائیاں کیں لیکن ہر ایک میں عثمان ہی کامیاب رہا اور اس کا مقبوضہ علاقہ بڑھتا چلا گیا۔

بیلہ چک

حصار بیلہ چک کے تکفور نے جو بظاہر عثمان سے دوستی رکھتا تھا ۶۹۸ھ میں اپنی بیٹی کی بزم عروسی میں اس کو شرکت کی دعوت دی اور در پردہ یہ سامان کیا کہ گرفتار کر لے۔ کوسہ میخائیل نے جو جرمن قبا کی امارت پر تھا عثمان کو اس سے آگاہ کر دیا اس لئے وہ چالیس بہادروں کو ساتھ لے کر جن کی قباؤں کے نیچے اسلحہ تھا۔ شادی کی محفل میں گیا وہاں جب غدر کا اندازہ دیکھا تو اسی وقت قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ عروس کو بھی جس کا نام نیلوفر تھا اپنے ساتھ لایا اور جب اور خاں جوان ہوا تو اس کے ساتھ بیاہ دیا۔

استقلال

۷۰۰ھ میں جب تاتاریوں کے ہاتھوں قونیہ کی سلطنت مٹ گئی اور وہاں کا آخری سلجوقی تاج دار علاء الدین ثانی مارا گیا اس وقت طوائف الملوکی پھیل گئی اور ہر حصے کا امیر خود مختار ہو گیا عثمان نے بھی اپنے استقلال کا اعلان کیا اور ینگی شہر کو پایہ تخت بنایا۔ اس کے اردگرد متعدد مستقل امارتیں تھیں قرہ سی، صاروخاں، آیدین تنشا (ساحل بحر متوسط پر) تکہ، حمید، قرہ مان، اسفندیار (بحر اسود پر) اور کرمیاں ان میں سے امیر قرہ ماں طاقت ور تھا لیکن عثمان نے اس کو بھی شکستیں دیں۔ بیزنطینی سلطنت کو اپنے قرب میں یہ بڑھتی ہوئی طاقت کانٹے کی کھٹکی تھی چنانچہ اعلان استقلال کے ساتھ ہی قسطنطنیہ سے ایک فوج گراں اس کے استیصال کے لئے بھیجی گئی عثمان نے بڑھ کر قویوں کے حصار کے متصل صف آرائی کی سخت معرکہ ہوا جس میں رومیوں نے ہزیمت اٹھائی اور بھاگے ترکوں نے تعاقب کر کے ان کو مارا اور مقام استاد روس تک قبضہ کر لیا۔

رومیوں نے تاتاریوں کو ساتھ لے کر دوبارہ فوج کشی کی اور قراچہ کے حصار کے سامنے پھر شکست کھائی۔

بروصہ

عثمان نے ایشیائے کوچک کے جملہ رومی امراء کے پاس اعلان بھیج دیا کہ اسلام جزیہ یا جنگ ان تینوں میں سے جو صورت چاہو اختیار کر لو۔ بعض مسلمان ہوئے بعضوں نے جزیہ دینا منظور کیا لیکن اکثر تاتاریوں سے مدد لے کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ عثمان نے اپنے بیٹے اور خاں کی قیادت میں ایک لشکر جرار ترتیب دیا جس میں میخائیل بھی تھا دشمنوں کو جابجا شکست ہوئی آخر میں ۷۱۷ھ میں بروصہ پر محاصرہ کیا پورے دس سال کے بعد اہل قلعہ قیصر کے حکم سے ایک رات کو نکل بھاگے اور ۷۲۷ھ میں ترکی فوج اس میں داخل ہو گئی۔

وفات

غازی عثمان نے فتح بروصہ کی خوش خبری موت کے بستر پر سنی اور جب اور خاں اس کو دیکھنے کے لئے پہنچا تو اس کو وصیت کی اور کہا۔ میں مرتا ہوں مگر مجھ کو اپنے مرنے کا غم نہیں ہے کیونکہ تم جیسے لائق بیٹے کو اپنی جگہ پر چھوڑتا ہوں جو میری قائم مقامی مجھ سے بہتر کر سکتا ہے۔ دیکھو! ظاہر اور باطن میں اللہ کا خوف رکھنا اور عدل گستری کو اپنا شیوہ بنانا کہ اسی سے سلطنت کی بنیاد مضبوط رہتی ہے رحم کرتے رہنا کیونکہ ہمارے رب کی صفت رحیم ہے حقوق کے معاملے میں قوی اور ضعیف کو یکساں سمجھنا شریعت کو رائج

کرنا اور کتاب و سنت کے مطابق عمل کرنا اگر میری اس وصیت پر عمل کرو گے تو تم ان اولیاء میں سے ہو جاؤ گے جو رضاء الٰہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ بروصہ کو پایہ تخت بنانا اور وہیں مجھے دفن کرنا ۲۱ رمضان ۷۲۶ھ میں عثمان نے وفات پائی اور حسب وصیت بروصہ میں لے جا کر دفن کیا گیا۔ غازی عثمان، شجاع، عاقل اور نرم خو تھا دشمن کے لئے جس قدر سخت تھا رعایا کے لئے اسی قدر مہربان۔ اس کے عدل و انصاف سے ملک میں امن و امان قائم تھا۔ اور مسلم، یہودی، عیسائی سب اس کے ظل حمایت میں آرام و آسائش سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اس میں وہ تمام اوصاف تھے جو بانیان دولت اور موسئین سلطنت میں ہوا کرتے ہیں۔ رعایا اور بالخصوص عثمانیوں میں وہ حد سے زیادہ محبوب تھا اس کا علم اور اس کی شمشیر ترکی سلطنت کے تحفہ خانے میں اب تک محفوظ ہے جو ہر عثمانی سلطنت کی تخت نشینی کے موقع پر تبرکاً اس کی کمر سے باندھی جاتی تھی اس کی دعا کی جاتی تھی کہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ عثمان جیسا اقبال مند بنائے۔

اورخان

غازی عثمان کا بڑا بیٹا علاء الدین پاشا تھا پہلے پاشا سلاطین کی اولاد کے لئے مستعمل تھا جب امراء کو یہ خطاب ملنے لگا تو شہزادے چلپی کے جانے لگے ۔ آخر میں ان کے لئے آفندی کا لقب مخصوص کیا گیا لیکن اس کا میلان زہد اور عزلت گزینی کی طرف تھا۔ اسی وجہ سے عثمان خاں نے اورخاں کے لئے سلطنت کی وصیت کی جو محاربات میں اس کے ساتھ رہتا تھا چنانچہ باپ کی وفات کے بعد وہی تخت نشین ہوا اور علاء الدین نے بھی کسی قسم کی مخالفت نہیں کی اور خاں نے اس کو صدارت عظمیٰ کے منصب پر مامور فرمایا جس میں وزارت کے ساتھ فوج کی سپہ سالاری بھی شامل تھی لیکن اس نے اپنی تمام تر توجہ اندرونی انتظامات کی طرف مصروف کی اور بیرونی جنگوں کے لئے اورخاں کو آزاد چھوڑ دیا۔

علاء الدین عاقل اور منتظم تھا سب سے پہلے اس نے عثمانی ٹکسال قائم کی جس میں سونے چاندی اور تانبے کے سکے ڈھالنے شروع کئے ورنہ اب تک قدیم سلجوقی سکے مستعمل تھے اس کے بعد فوجی نظام کی طرف رخ کیا۔ فوج کی حالت یہ تھی کہ عثمانی ترکوں، سلطان کے پروردوں، نیز رضاکاروں کی جماعت سوار اور پیادہ بروقت ضرورت جنگ کے لئے جمع ہو جاتی اور بیچ میں سلطان کو لئے ہوئے ایک بے قاعدہ جھنڈ کیطرح میدان میں پہنچ کر لڑتی اور لڑائی ختم ہونے کے بعد اپنے اپنے مقامات کو واپس چلی جاتی ۔ علاء الدین نے تنخواہ دار فوج پیادہ اور سوار دونوں قسم کی ملازم رکھی تاکہ وہ ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہے دس دس، سو سو، اور ہزار ہزار سپاہیوں پر چھوٹے چھوٹے بڑے بڑے امراء مقرر کئے جو ان کو باقاعدہ فن سپہ گری اصول جنگ کی مشق کرائیں۔

اس نظامی فوج کی عظمت اس قدر بڑھ گئی کہ سلطنت کی اصلی طاقت یہی بن گئی اور ملک کی غیر نظامی جماعت حقیر ہو گئی اس لئے اورخاں کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ اگر کسی کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ کس طاقت سے اس کا مقابلہ کر سکے گا۔

انکشاریہ

اورخاں نے علاء الدین پاشا نیز اپنے خاندان کے ایک تجربہ کار مدبر قرہ خلیل سے اس خیال کو ظاہر کیا آخر الذکر نے یہ تجویز پیش کی کہ عیسائی اسیران جنگ میں سے جو نوجوان مسلمان ہو جائیں ان کا لشکر ترتیب دیا جائے چونکہ سلطان کے سوا کوئی ان کا مربی نہ ہو گا اس وجہ سے ان میں کسی خاندان یا قبیلہ کی عصبیت پیدا نہ ہو گی اور نہ ان سے کسی قسم کا خطرہ ہو گا ۔ سلطان کو یہ تجویز پسند آئی اور اس نے اس کے نفاذ کا حکم دیا۔ اس قسم کی پہلی فوج جو مرتب ہوئی برکت لینے کی غرض سے حاجی بکطاش کی خدمت میں بھیجی گئی جو اس زمانے میں طریقت کے محترم بزرگ سمجھے جاتے تھے شیخ حاجی نے اس کے لئے دعا کی اور اس کا نام ینی شاری (فوج جدید) رکھا جو ترکی میں ینیچاری لکھا جاتا ہے اور عربی میں انکشاری شیخ مذکور کی تقلید میں انکشاریہ نے اپنی ٹوپی اونچی اور سفید رکھی اور اس کو اپنی خاص علامت قرار دیا۔

سلطان نے اس فوج کی تربیت اور ترقی کا بہت خیال رکھا۔ تنخواہوں کے علاوہ زمینیں بھی ان کو جاگیروں میں دیں۔ اور

خطابات اور القاب سے ممتاز کیا۔ ہر سال ایک ہزار نوجوانوں کی بھرتی ہوتی تھی یہاں تک کہ اس کی تعداد بہت بڑھ گئی اور جنگ و جہاد کا مدار اسی پر ہو گیا چنانچہ عثمانی فتوحات اور مقبوضات کا دائرہ انہیں کے ہاتھوں بڑھا۔ زمانہ مابعد میں اس کا شمار پانچ لاکھ تک پہنچ گیا تھا اور عیسائی سلطنتوں کے لئے اس کی قوت ایک عظیم الشان خطرہ بن گئی تھی لیکن آخر میں اسنے اپنے حدود سے آگے اپنے قدم بڑھا دیئے اور سلطانی احکام سے تمرد اختیار کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے سلطان محمد ثانی نے رمضان ۱۲۴۱ھ میں اس کے سرغنوں کو قتل کر کے اس فوج کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا۔

فتوحات

اور خاں نے باپ کی وصیت کے مطابق دارالخلافہ بروصہ کو بنالیا وہاں سے بقیہ ایشیائے کوچک کو فتح کرنے کے لئے متعدد لشکر روانہ کئے جنہوں نے ہر جگہ کامیابی حاصل کی خود اس نے ارمید پر چڑھائی کی اور اس کو قبضے میں لایا پھر ازنیک کا محاصرہ کیا۔ دو سال کے بعد اس میں داخل ہو گیا اور اپنے بیٹے سلطان یودہان کا والی مقرر کر دیا۔

مفتوح قوموں کے ساتھ اس کا دباؤ نرم اور عادلانہ تھا وہ ان کے کسی مذہبی یا دینی معاملے میں دخل نہیں دیتا تھا اعلان کرا دیا تھا کہ جو رہنا چاہے امن کے ساتھ رہے اور جو ہجرت کا خواہاں ہو اطمینان کے ساتھ اپنی ملکیت منقولہ وغیرہ فروخت کر کے چلا جائے۔ ۷۳۶ھ میں ریاست قرہ سی کے امیر کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹوں میں تخت حکومت کے لئے نزاع واقع ہو گئی سلطان نے اس موقع پر اس کو اپنے مقبوضات میں داخل کر لیا۔ اور خاں نے بیس سال تک نہایت تدبر اور جانفشانی سے سلطنت کے ہر انتظامی شعبے کو درست کیا۔ نیز جابجا مدارس، مساجد اور زوایا تعمیر کرائے اور علماء و شعراء کی قدر دانی سے علم و ادب کو فروغ دیا۔ بخلاف دیگر مشرقی فاتحین کے سلاطین عثمانیہ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ محض فتح ممالک کے حریص نہ تھے بلکہ جس قدر ان کے قبضے میں آتا تھا اس میں امن و امان اور پورا انتظام قائم کر لینے کے بعد دوسرے ملک پر ہاتھ ڈالتے تھے غالباً یہی وجہ ہوئی کہ دیگر شاہی خاندانوں کی بہ نسبت اس خاندان میں مدت دراز تک سلطنت رہ گئی۔

ملکی اور فوجی انتظامات کی درستی سے اورخاں کی طاقت اس قدر بڑھ گئی کہ قیصر قسطنطنیہ اندر دینکولس نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اس کے بعد قیصر کانتا کوزینی نے ۷۴۶ھ میں اپنی نوجوان دختر اس شصت سالہ سلطان کے ساتھ بیاہ دی تاکہ دشمنوں کے مقابلے میں اس سے مدد حاصل کر سکے۔

داخلہ یورپ

۷۵۶ھ میں شاہ سربیا اسٹیفن دوشان نے قبائل صقالبہ کو اپنے ساتھ ملا کر بلغاریہ کو فتح کر لیا اور قسطنطنیہ پر چڑھائی کی قیصر یوحنا بالیولاج نے سلطان سے مدد مانگی اس نے ایک جرار لشکر بھیج دیا مگر اسی دوران میں دو شان مر گیا جس کی وجہ سے اس کی جمعیت متفرق ہو گئی اور ترکی فوج بلا جنگ واپس چلی آئی اس موقع پر ترکوں کو رومی سلطنت کی کمزوری اچھی طرح معلوم ہو گئی اس وجہ سے سلطان نے چاہا کہ چند فوجی دستے خفیہ طور پر سمندر سے پار اتار کر مغربی ساحل کے کسی مقام پر قابض ہو جائے تاکہ یورپ میں بڑھنے کا راستہ ملے اس کی تجویز کے مطابق اس کا بڑا بیٹا سلیمان جو علاء الدین کے انتقال کے بعد سے صدر اعظم تھا رات کو چالیس بہادر ترکوں کو لے کر درہ دانیال سے پار اتر گیا پھر وہاں سے کشتیاں پکڑ کر چند گھنٹوں میں تیس ہزار فوج بندرگاہ ترنب پر اتار دی اور اپسالا اور روستور پر قبضہ کر لیا اس وقت سے ترکوں کا قدم یورپ میں جم گیا اس حملے کے قائد عشی بابا اور غازی فاضل بابا تھے جنکی قبریں گیلی پلی میں زیارت گاہ ہیں۔

وفات

۷۷۰ھ میں سلیمان پاشا صدر اعظم جو ولی عہد تھا شکار میں گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ اس حادثے کا اور خاں کے اوپر جس کی عمر ۸۲ سال ہو چکی تھی۔ سخت اثر پڑا چنانچہ دو ماہ کے بعد وہ بھی انتقال ہو گیا اور بروصہ میں دفن ہوا۔ اور خاں ۳۴ سال حکمراں رہا اس نے ایک طرف اپنی فتوحات سے سلطنت کا دائرہ وسیع کیا یہاں تک کہ یورپ میں قدم جما دیا اور دوسری طرف اندرونی انتظامات سے سلطنت کی حالت ایسی درست کر لی کہ ہمسایہ ممالک پر اس کی ہیبت چھا گئی شجاعت اور فرزانگی کے ساتھ شریعت کا تابع اور رفاہ عام کا شیدائی تھا، مساجد، مدارس، خانقاہیں، پل سرائیں لنگر خانے اور حمام وغیرہ جو اس نے اپنے عہد میں تعمیر کرائے ان کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی۔

مراد اول

اورخاں کے بعد اس کا سب سے چھوٹا بیٹا مراد جس کی ولادت ۷۵۶ھ میں ہوئی تھی اور جس کا لقب خداوندگار تھا۔ سریر سلطنت پر آیا۔ ریاست قرہ مان جس کا پایہ تخت انگورہ تھا اس کے رئیس علاء الدین نے موقع دیکھ کر اردگرد کے مستقل امراء کو عثمانیوں کی قوت توڑنے کے لئے متفق کر لیا اور ان کے ساتھ لے کر چڑھائی کی۔ سلطان مراد نے سب کو شکست دی اور انگورہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ آخر میں علاء الدین نے اس کے ساتھ صلح کر لی اور اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دی۔

فتح ادرنہ

بلقان میں بکلربک لالہ شاہین نے سلطان کے حکم سے ادرنہ کو فتح کیا۔ موقع کی اہمیت کے لحاظ سے سلطان نے بروصہ کو چھوڑ کر اسی کو اپنا مرکز قرار دیا۔ چنانچہ فتح قسطنطنیہ تک عثمانی پایہ تخت وہی رہا۔

مغربی حملہ

آفرینوس سپہ دار نے عثمانیوں کے نام سے دردار اور گمجن پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے ایک طرف قسطنطنیہ جملہ مسیحی حکومتوں سے الگ اور ہر طرف سے عثمانی املاک سے محصور ہو گیا اور دوسری طرف سربیا، بلغاریہ اور البانیہ کے ساتھ ترکی سلطنت کے حدود مل گئے۔ اس وجہ سے ان دولتوں کے فرمانرواؤں نے پاپا اور یانوس خامس کے پاس فریاد کی کہ وہ یورپین حکومتوں کو آمادہ کرے کہ ترکوں کے مقابلے میں ہماری امداد کریں ورنہ اگر ان کی فتوحات کا سیلاب کوہستان بلغار سے آگے بڑھا تو کوئی مغربی طاقت اس کو روک نہ سکے گی اور سب کے لئے یہ خطرہ یکساں ہو گا۔

پاپائے مذکور نے جملہ یورپین بادشاہوں کے پاس خطوط بھیجے اور ان کو صلیب کے نام سے اس جنگ کے لئے برانگیختہ کیا۔ سلطان مراد اس زمانہ میں شہر بیجا کا محاصرہ کئے ہوئے ایشیائے کوچک میں پڑا تھا۔ شاہ سربیا اروک جو دوشان کے بعد تخت نشین ہوا تھا اس موقع کو مناسب سمجھ کر پاپائے روم کی امداد کا انتظار کئے بغیر سنیا اور ہنگری سے ایک بڑا لشکر جمع کر کے ۷۶۶ھ میں ادرنہ کی طرف بڑھا۔ ترکوں نے دریائے مرتضیٰ کے کنارے پہنچ کر ان پر ایسا شب خون مارا کہ میدان میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ جو باقی بچے وہ ابتری اور بدحواسی کے ساتھ بھاگ نکلے۔

مراد ایشیائے کوچک میں فتح حاصل کر کے اس کے نظم و نسق کو مکمل کر لینے کے بعد ادرنہ پہنچا۔ قرہ خلیل کو جو فوج میں قاضی تھا۔ خیر الدین پاشا کا لقب دے کر صدر اعظم بنایا اور اس کی مدد سے ملکی معاملات اور سلطنت کے مہمات کے انصرام میں مشغول رہا۔ ۷۸۰ھ میں شاہ سربیا لازار جو اورک کے قتل کے بعد اس کا جانشین ہوا تھا۔ فرمانروائے بلغاریہ سیسمین کو اپنے ساتھ متحد کر کے پھر عثمانیوں کے مقابلے کے لئے آیا لیکن چند معرکوں کے بعد جب ان کو اپنی کمزوری کا یقین ہو گیا تو دونوں نے سالانہ ایک معین خراج

منظور کر کے مصالحت کر لی ۔ والی بلغاریہ نے اپنی بہن بھی سلطان کے نکاح میں دے دی۔

نشان ہلال

اس جنگ کے بعد مشہور عثمانی سپہ سالار لالہ شاہین انتقال کر گیا جس کی جگہ تیمور طاش مقرر ہوا اس نے ترکی سواروں کو جدید نظام کے ساتھ ترتیب دیا اور ان کے مراتب میں بھی اضافہ کیا رومی سلاجقہ کے پرچم پر ہلال تارہ کا نشان ہوتا تھا چونکہ ابتداء میں عثمانیوں نے انہیں کے سایہ میں پناہ لی تھی اور پھر انہیں کے جانشین بھی ہوئے اس وجہ سے انہوں نے بھی اپنے سرخ علم پر ہلال تارہ کا نشان رکھا جو آج تک چلا جاتا ہے۔

فتوحات

ایشیائے کوچک میں ریاست حمید ۷۸۲ھ میں مقبوضات عثمانی میں داخل کر لی گئی ۔ امیر کرمیان نے بھی اپنی بیٹی سلطان کے بڑے بیٹے کے ساتھ بیاہ دی اور شہر کوتاہیہ کو جہیز میں پیش کیا۔ اسی سال شاہ سربیا اور بلغاریہ پر جنھوں نے خراج ادا نہیں کیا تھا۔ تیمور طاش نے لشکر کشی کی اور مناستر اور استب وغیرہ مقامات لے لئے پھر بڑھ کر صوفیا کا محاصرہ کیا اور تین سال کے بعد اس میں داخل ہو گیا۔ صدر اعظم خیر الدین پاشا نے سلانیک فتح کر لیا۔ ہر چند کہ بزنطینی شاہی خاندان کے تعلقات سلطان کے ساتھ اچھے تھے اور قیصر کے محل کی متعدد خواتین اس کے نکاح میں تھیں لیکن قیصر یوحنا بالیو لاج در پردہ اس کوشش میں تھا کہ جس طرح ہو سکے اس کو بلقان سے نکال دے چنانچہ ۷۸۱ھ میں خفیہ روما پہنچا اور پوپ سے امداد کی درخواست کی لیکن وہاں سے ناکام واپس پلٹا۔ سلطان اس کی اس منافقانہ حرکت سے سخت ناراض ہوا۔ اس وجہ سے قیصر نے سلطان کو راضی کرنے کے لئے اپنے تیسرے بیٹے تھیوڈر کو اس کی خدمت میں بھیج دیا کہ فوج میں داخل کر لیا جائے اس سے مراد کا نائرۂ غضب کسی قدر فرو ہوا۔

اس درمیان میں ایشیائے کوچک سے اضطراب کی جو خبریں پہنچیں مراد نے اپنے بیٹے صاروجی کو اپنا قائم مقام بنا کر اس طرف کوچ کیا۔ قیصر کے بیٹے اندر نکولس نے جو صاروجی کا مصاحب تھا۔ ترغیب و تحریص دلا کر اس سے استقلال کا اعلان کرا دیا۔ مراد سنتے ہی پلٹا۔ درہ دانیال کو عبور کر کے قیصر کو بھی ساتھ لیا۔ اور اردنہ کی طرف بڑھا۔ ترکی فوجیں صاروجی کو چھوڑ کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گئیں اور دونوں نافرمان بیٹے پکڑ لئے گئے ۔ مراد نے صادر جی کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر دی اور چونکہ اس کو شبہ تھا کہ در پردہ اس سازش میں قیصر بھی شریک ہے اس لئے قیصر نے بھی اس بد گمانی کو رفع کرنے کے لئے اپنے بیٹے کے ساتھ وہی سلوک کیا۔

۷۸۸ھ میں جب خیر الدین پاشا مر گیا اس وقت امیر قرہ ماں نے یہ خیال کر کے کہ اب مجھے روکنے والا کون ہے۔ انگورہ پر چڑھائی کر دی ۔ تیمور طاش نے پہنچ کر اس کو مغلوب کیا لیکن اس کی بیٹی کی سفارش سے جو سلطان کے نکاح میں تھی اس کا قصور معاف کر دیا گیا اور اس کی ریاست پھر اس کو دے دی گئی مگر سالانہ خراج لگا دیا گیا۔ اسی سال شاہ سربیا اور سیسمین والی بلغاریہ نے پھر مل کر حملہ کیا۔ علی پاشا تیس ہزار فوج لے کر مقابلے کے لئے گیا اور قرطوہ اور شوملہ کو فتح کر لیا اور سیسمین نے بھاگ کر نیکو پلی میں پناہ لی اور وہاں سے لشکر جمع کر کے لایا مگر شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے اس کی لجاجت دیکھ کر قصور کو معاف کر دیا اور اس کی نصف سلطنت بھی چھوڑ دی۔

شاہ سربیا نے اب امیرا لبانیہ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ۷۹۰ھ میں قوصوہ میں ترکوں کا مقابلہ کیا۔ نہایت ہولناک جنگ پیش آئی جو کئی دن تک جاری رہی آخر وہ شکست کھا کر گرفتار اور قتل ہوا۔ اس معرکے میں سلطان کے بڑے بیٹے بایزید نے ایسی شجاعت اور بسالت کا اظہار کیا کہ اس کا لقب ایلدرم (صاعقہ) رکھا گیا۔ میدان جنگ میں مراد جس وقت زخمیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ایک نیم زخمی سربی سپاہی نے اس کو ایسا خنجر مارا کہ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ ۶۵ سال کی عمر میں ۷۹۱ھ میں وفات پائی ۔ نعش بروصہ میں لاکر آبائی مقبرہ میں دفن کی گئی۔

بایزید اول (ایلدرم)

میدان قوصوہ ہی میں ۷۹۱ھ میں باتفاق ارکان دولت بایزید کی سلطنت کا جس کی ولادت ۷۶۱ھ میں ہوئی تھی اعلان کیا گیا چونکہ اس کا بھائی یعقوب چلپی جو اس سے عمر میں چھوٹا لیکن جرات اور شہامت میں ممتاز تھا اپنے دادا اور خاں کی سنت کے مطابق کہ وہ اپنے بڑے بھائی علاء الدین کے ہوتے ہوئے سلطان بنا دیا گیا تھا۔ داعیہ سلطنت رکھتا تھا اس وجہ سے امراء سے مشورہ اور علماء سے فتویٰ لے کر بایزید نے اس کو قتل کرا دیا تاکہ کسی قسم کی نزاع برپا نہ ہوسکے۔

سربیا کے جنگ جو باشندوں کی طرف سے مطمئن رہنے کے لئے ان کے مقتول بادشاہ کے بیٹے اسٹفن کو وہاں کا والی بنا دیا اس شرط پر کہ سالانہ جزیہ دیتا رہے اور بروقت ضرورت فوجیں لاکر سلطانی سپاہ میں شریک ہو۔ اسٹفن نے بھی سلطان کی رضامندی اور مزید تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنی بہن اس کے نکاح میں دے دی۔

فتوحات

چونکہ جنگ قوصوہ میں درپردہ قیصر عمانویل پالیولاج کی شرکت ثابت ہوئی۔ اس وجہ سے بایزید نے مقام الاشہر کو جو فلاڈیلفیا کے نام سے رومیوں کا آخری مقبوضہ ایشیائے کوچک میں رہ گیا تھا۔ ضبط کر لیا اور قسطنطنیہ پر بھی چڑھائی کی۔ دوران محاصرہ میں خبر آئی کہ والی فلاخ (رومانیہ کا ایک صوبہ) ڈیوک مانٹیں نے ادرنہ کے ارادے سے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے۔ اس لئے قسطنطنیہ پر ایک فوج چھوڑ کر خود اس طرف گیا۔ ڈیوک مذکور نے شکست کھا کر دولت علیہ کی سیادت کو تسلیم کیا اور سالانہ جزیہ دینے کا عہد لکھا۔ سلطان نے بدستور اس کا ملک اس کے قبضے میں رہنے دیا تاکہ اپنے قوانین اور رسوم کے مطابق حکومت کرتا رہے۔

ایشیائے کوچک میں امیر قرہ مان علاء الدین نے پھر قرب و جوار کے امراء کو متحد کر کے سرکشی اختیار کی اور سپہ سالار تیمور طاش کو گرفتار کر لیا۔ بایزید یہ سن کر خود مقابلے کے لئے پہنچا۔ مقام آق چائے میں جنگ ہوئی جس میں علاء الدین مع اپنے دونوں بیٹوں محمد علی کے گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے اس کی ریاست کو ضبط کر لیا۔ اس کے بعد سیواس توقات اور اس کے اطراف کی ریاستیں بھی رقبہ عثمانی میں داخل کر لی گئیں۔ ان مقامات کے امراء نے بھاگ کر ریاست قسطمونی کے امیر کے پاس پناہ لی۔ سلطان نے سفیر بھیجا کہ ان کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس نے انکار کیا اس وجہ سے لشکر کشی کر کے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔

معرکہ صلیبی

۷۹۳ھ میں سلطان بایزید نے بلغاریہ کو فتح کر کے سلطنت میں شامل کر لیا اور اس کے مقتول بادشاہ سیسمین کے بیٹے کو جو مسلمان ہو گیا تھا وہاں کا والی بنا دیا گیا اس سے شاہ ہنگری سجمونڈ کو اپنے ملک کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا جس کی سرحد بہ کئی مقامات پر ترکی سلطنت سے مل گئی تھیں۔ اس لئے اس نے یورپ کے بادشاہوں کو اکسایا اور یورپ نے بھی اس کی درخواست پر صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔

سب سے پہلے کلیسا کی آواز پر ڈیوک برگنڈیا نے لبیک کہی اور اپنے بیٹے کاؤنٹ ڈی نیفر کو چھ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ جن میں اکثر شرفاء فرانس اور خود شاہی خاندان کے ممبر اکین شامل تھے روانہ کیا۔ راستے میں بویریا اور آسٹریا سے امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر ان کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ جرمنی سے فریڈرک کاؤنٹ ہونسزیوں اور اس کا لشکر نیز قریس یوحنا اور شلیبی کی جماعت کے بہت سے نامور شہسوار جوروڈس سے آئے تھے ساتھ ہو گئے۔ ان صلیبی فدائیوں کے منصوبے یہ تھے کہ ترکوں کو شکست دیتے ہوئے درہ دانیال سے عبور کر کے ارض مقدس پر جہاں سے سلطان صلاح الدین اور ملک ظاہر بیبرس نے ان کو نکال دیا تھا۔ پھر قبضہ کر لیں۔ یہ لوگ ہنگری پہنچے اور وہاں کے بادشاہ کو مع ان فوجوں کے جو اس نے جمع کر رکھی تھیں لے کر دریائے ڈینیوب سے عبور کر کے نیکو پلی کا محاصرہ کیا۔ شاہ ہنگری نے والی فلاخ کو بھی جو ترکوں سے عہد کر کے گیا تھا اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

ہر چند کہ محاصرہ بہت سخت تھا۔ لیکن وہاں کے بہادر امیر ادعلان بک نے نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ سلطان اس شہر سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جلد آ جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بایزید اس حملے کی خبر سنتے ہی دو لاکھ سپاہ لے کر صاعقہ کی طرح پہنچ گیا۔ والی سربیا اسٹفن بھی جو باوجود صلیبوں کے دباؤ کے اپنے پیمان سے نہیں پھرا تھا۔ ایک لشکر جرار لئے ہوئے ترکوں کے ساتھ تھا۔

۲۷ ستمبر ۱۳۹۳ء مطابق ۷۹۶ھ کو مقابلہ ہوا۔ بایزید نے پہلے غیر نظامی جماعت کو بڑھایا۔ جس کے بعد انکشاریہ تھے پھر سواروں کے دستے اور منتخب نظامی فوجوں کو لے کر خود ٹیلوں کے پیچھے کھڑا رہا۔

کاؤنٹ ڈی نیفر جو سارے صلیبی لشکر کا سپہ سالار تھا۔ فوراً مقابلے کے لئے چلا۔ شاہ ہنگری نے اس کو روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ ترکوں کے انداز جنگ سے میں کچھ واقف ہوں۔ اصلی قوت ابھی اس کے پیچھے ہوگی مگر کاؤنٹ جوش تہور میں رک نہیں سکا اور کل فوج لے کر حملہ آور ہوا۔ ترکی فوجیں خفیف مقابلہ کے بعد پسپا ہوتی گئیں وہ اپنے خیال میں فتح کرتا ہوا آگے بڑھا جب ٹیلے کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ جہاں تک نظر جاتی ہے چمکتے ہوئے نیزوں کا ایک بے پایاں نیستاں ہے۔

اب ترکی نظامی فوج نے سلطانی حکم کے مطابق جو قلب میں تھا میمنہ اور میسرہ دونوں جانب سے باقاعدہ پیش قدمی کی اور غنیم پر دباؤ ڈالا وہ پیچھے مڑا لیکن ادھر غیر نظامی اور انکشاری صفوں نے واپسی کی راہ مسدود کر رکھی تھی بیچ میں پڑ کر ان کا بڑا حصہ مقتول ہوا اور بقیہ گرفتار۔ کاؤنٹ ڈی نیفر بھی پکڑ لیا گیا۔ اس کے بعد نظامی دستہ نیز سربی لشکر ہنگری فوج کی طرف بڑھا اور اس کے خون سے میدان لالہ زار بنا دیا شاہ ہنگری نے چند ساتھیوں کے ساتھ بحال زار بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

سلطان کو معلوم ہوا تھا کہ ان صلیبیوں نے اپنے تمام مسلم قیدیوں کو جن کو انہوں نے سربیا اور اس کے نواح سے گرفتار کیا تھا۔ قتل کر ڈالا ہے اس وجہ سے ان کے اسیروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ بعض امراء اور رؤسا جنہوں نے گراں بہا فدیے اپنے گھروں سے منگا کر دیئے چھوڑ دیئے گئے ان میں سے کاؤنٹ ڈی نیفر بھی تھا۔ بایزید نے اس سے عہد لیا تھا کہ پھر مقابلے کے لئے نہ آئے گا لیکن جب وہ رہائی پا کر رخصت ہونے کے لئے آیا تو بایزید نے کہا کہ میں نے جو عہد تم سے لیا تھا اس سے بری کرتا ہوں کیونکہ میرے لئے اس سے بڑی کوئی خوشی نہیں ہے کہ یورپین فوجیں لڑنے کے لئے آئیں اور میں ان پر فتح حاصل کروں۔

اس عظیم الشان فتح کی بشارت تمام اسلامی ممالک میں بھیجی گئی اور ہر جگہ اس پر خوشی منائی گئی۔ قاہرہ کے خلیفہ عباسی متوکل علی اللہ نے بایزید کے نام جملہ علاقہ جات مفتوحہ کا فرمان لکھا۔ اس کے بعد سلطان نے آسٹریا اور جنوبی ہنگری پر فوجیں بھیجی جنہوں نے ان کے بعض حصوں پر قبضہ کر لیا اور خود ایک فوج لے کر یونان پر حملہ آور ہوا اور تسالیا وغیرہ کو فتح کرتا ہوا اتھینس تک پہنچ گیا۔

واپسی پر قسطنطنیہ کے مسلمانوں کی شکایت پہنچی کہ قیصر ان کے مذہبی امور میں دست اندازی کرتا ہے اس لئے پھر اس کا محاصرہ کیا۔ قریب تھا کہ فتح کر لے لیکن اسی درمیان میں ایشیائے کوچک کی طرف تیمور کے حملے کی خبریں پہنچیں اسی وجہ سے قیصر کے

محض اس عہد نامے پر اکتفا کر لی کہ وہ دس ہزار سکہ طلائی سالانہ جزیہ دیا کرے گا۔ اور جو مسلمان یہاں رہتے ہیں ان کے لئے ایک جداگانہ محکمہ شرعیہ قائم کرے گا۔ نیز ان کو جامع مسجد بنانے کا بھی حق دے گا۔

تیمور لنگ

ایشیائے کوچک کے اکثر امراء جن کی ریاستیں سلطنت عثمانی میں داخل کر لی گئی تھیں امیر تیمور سے جو ایران فتح کرتا ہوا ۸۰۳ ھ میں اس طرف پہنچا تھا جا کر مل گئے اور اس کو بایزید کے مقابلے کے لئے ابھارنے لگے چنانچہ اس نے آرمینیہ کے شہر سیواس کو فتح کر لیا اور وہاں کے امیر ارطغرل کو جو بایزید کا بیٹا تھا قتل کر ڈالا۔ اس پر بایزید کو نہایت طیش آگیا وہ فوجیں لے کر پہنچا۔ انگورہ کے متصل فریقین کا مقابلہ ہوا۔ بایزید نے بے مثل شجاعت کا اظہار کیا لیکن اس کی فوج کے بعض دستے جن کے سابق امراء تیمور کے پاس تھے اپنے مالکوں سے جا کر مل گئے اس وجہ سے اس نے شکست کھائی اور معہ اپنے بیٹے موسیٰ کے گرفتار ہو گیا۔ تیمور بایزید کو تخت رواں پر جس کے اوپر ہر طرف سے لوہے کے جنگلے لگے ہوئے تھے اپنے ساتھ کوتاہیہ میں لایا اور ایک سال تک وہاں رکھا اس اثناء میں ایشیائے کوچک کی اکثر ریاستوں پر ان کے امراء پر قابض ہو گئے ادھر مغرب میں بلغاریہ سربیا اور فلاخ نے بھی اپنی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ بایزید دوسرے سال قید کی تکالیف سے ۸۰۵ ھ میں مر گیا تیمور کی اجازت سے اس کے بیٹے موسیٰ نے جو امیر کرمیاں کی حراست میں تھا اس کے جثہ کو لا کر بروصہ میں دفن کیا۔

نزاع تخت

بایزید کے کئی بیٹے تھے جن میں سے سلیمان اس کی موت کے بعد اورنہ میں تخت نشین ہو گیا ادھر تیمور لنگ نے موسیٰ کو بروصہ میں بھیج دیا اس نے وہاں اپنی سلطنت کا اعلان کیا۔ تیسرے بیٹے عیسیٰ نے تیمور طاش کی مدد سے موسیٰ کو شکست دے دی اور بروصہ کے تخت پر آگیا محمد بن بایزید نے بھی جو تیمور کے مقابلے میں بر سر جنگ تھا اور توقات اور اماسیہ کو فتح کر چکا تھا سلطنت کا دعوی کیا اور بروصہ میں پہنچ کر عیسیٰ کو قتل کر ڈالا پھر موسیٰ کو جو امیر کرمیان کے پاس تھا بلا کر اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک فوج دے کر سلیمان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا سلیمان اورنہ کی فصیل کے متصل مارا گیا۔ موسیٰ نے سربیا کو بھی فتح کر لیا اور خود سلطان ہونے کا ارادہ کیا محمد نے قیصر سے مدد لے کر اس پر چڑھائی کی اور متعدد جنگوں کے بعد آخر میں غلبہ حاصل کر کے ۸۱۶ھ میں اکیلا دولت علیہ کا مالک ہو گیا۔

محمد اول (چلپی)

سلطان محمد کی ساری زندگی داخلی جنگوں میں ان ریاستوں پر قبضہ کرنے میں جو تیموری حملے کے بعد دوبارہ قائم ہو گئی تھیں صرف ہوئی چونکہ وہ شجاعت کے ساتھ علم کی بھی صفت رکھتا تھا اس وجہ سے کامیاب ہوا۔ جن رؤسا کی ریاستیں لیں ان کے ساتھ نرم برتاؤ کئے قرہ مان کو جب فتح کیا تو اس کے امیر سے قرآن پر ہاتھ رکھوا کر اطاعت کا حلف لینے کے بعد اسی کو وہاں کا والی بنا دیا اس نے عہد شکنی کی مگر پھر اس کی خطا معاف کر دی اسی طرح قرہ جنید جو بایزید کی طرف سے ازمیر کا والی تھا لیکن استقلال کا دعویدار ہو گیا تھا جب گرفتار ہوا تو اس کی خطا سے بھی درگذرا اور اس کو نیکوپلی کا امیر بنا کر بھیج دیا۔

پیر قلیچہ

ازنیک میں ایک شخص بدرالدین نامی نے جو پہلے موسیٰ کے لشکر میں قاضی تھا۔ ایک جدید مذہب نکالا جس میں کل انسان خواہ وہ کسی فرقے یا کسی نسل کے ہوں بھائی بھائی تسلیم کئے گئے اور جملہ مال و متاع میں سب کا حصہ برابر رکھا گیا یہ مذہب مزدکی، ایرانی اور نیز موجودہ اشتراکی مذہب سے ملتا جلتا تھا۔ ایک مسلمان پیر قلیچہ مصطفیٰ اور ایک یہودی طور لاق کمال نے اس کی اشاعت اور تبلیغ شروع کی۔ اس کے پیروؤں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ سلطنت کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا۔ پیر قلیچہ کے گرد ہزاروں مریدوں کا ہر وقت اجتماع رہتا تھا جو اس کو دادا سلطان کہتے تھے سلطان محمد نے سلسمین والی بلغاریا کو جو مسلمان ہو گیا تھا ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا مگر پیر قلیچہ نے اس کو شکست دی اور اس کو قتل کر ڈالا اس وجہ سے صدر اعظم بایزید پاشا فوج لے کر گیا پیر قلیچہ پکڑا گیا اور وہ اور اس کے متبعین قتل کر دئے گئے بدرالدین بھی سخت مقابلہ کے بعد مقدونیہ میں گرفتار ہوا اور مولانا سعید کے فتوے کے مطابق جو علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے ۸۲۰ھ میں سولی پر چڑھایا گیا جس کے بعد اس فتنے کا خاتمہ ہو گیا۔

اس طرف سے ابھی کلی اطمینان حاصل نہیں ہوا تھا کہ ایک شخص مصطفیٰ نامی اس بنیاد پر سلطنت کا دعویٰ لے کر کھڑا ہو گیا کہ وہ سلطان بایزید کا بیٹا ہے۔ قرہ جنید والی نیکوپلی نے جس کی خطا سلطان معاف کر چکا تھا اس کا ساتھ دیا اور والی فلاخ کی مدد سے اس کے لئے فوج جمع کی وہ اس کو لئے ہوئے یونان میں تسالیا کی طرف بڑھا مگر سلطانی فوج کی تاب مقاومت نہ لا کر سلانیک میں چلا گیا جس پر اس زمانے میں رومی قابض ہو گئے تھے۔ قیصر نے اس کو حمایت میں لے لیا۔ اور سلطان کو لکھا کہ میں ضامن ہوں آئندہ اس کی طرف سے کوئی فتنہ نہ ہو گا۔ سلطان نے اس کے گزارے کے لئے ایک لاکھ دوکٹ سالانہ مقرر کر دیا اور قرۃ جنید کی بھی خطا معاف کر دی جو اس فتنہ کا اصلی محرک تھا۔

ان مصائب کے رفع ہونے کے بعد سلطان نے اپنی توجہ داخلی انتظامات کی طرف مصروف کی۔ نیز ہمسایہ سلطنتوں سے عہد نامے کئے تاکہ ملک خطرات سے محفوظ رہے اسی حالت میں ۸۲۴ھ میں وفات پائی۔

اس نے اپنے بیٹے مراد کے لئے سلطنت کی وصیت کی تھی جو اس وقت اماسیہ میں تھا اس وجہ سے صدر اعظم نے اس کی موت

کو مخفی رکھا اور اکتالیسویں دن جب مراد آگیا تو اس کی وفات کا اعلان کیا۔ نعش بردصہ میں دفن کے لئے بھیجی گئی۔ سلطان محمد چلپی علم و فن کا مربی اور شرع کا پابند تھا۔ اسی کے عہد سے سلطنت ترکی کی طرف سے سالانہ ایک معین رقم جس کا نام "صرہ ہمایونی" ہے حرمین شریفین کے خدام کے لئے بھیجنے کا دستور مقرر ہوا۔

مراد ثانی

سلطان مراد ۸۲۴ھ میں جبکہ اس کی عمر ۱۸ سال کی تھی تخت نشین ہوا۔ سب سے پہلے اس نے امیر قرہ مان کے ساتھ پانچ سال کے لئے مصالحت کی تاکہ اس عرصے میں سلطنت کے اندرونی انتظامات کو درست کرلے لیکن اسی عرصہ میں قیصر نے مطالبہ کیا کہ میرے ساتھ ہمیشہ کے لئے جنگ سے دستبرداری کا عہد لکھو اور اپنے بھائیوں کو ضماناً بھیج دو۔ نیز اپنے چچا مصطفیٰ کا سالانہ وظیفہ جاری رکھو۔ ورنہ میں اس کا ذمہ دار نہیں۔ مراد نے یہ مطالبات نامنظور کردیئے اس وجہ سے قیصر نے مصطفیٰ کو دس جنگی جہازوں کے ساتھ جس کا امیر دمتریوس لاسکاریس تھا روانہ کیا۔ اس نے گیلی پلی کا محاصرہ کیا لیکن فتح کئے بغیر ایک فوج وہاں چھوڑ کر ادرنہ کی طرف بڑھا۔ وزیر بایزید پاشا مقابلہ میں شکست کھا کر مارا گیا۔ اب مصطفیٰ نے خود سلطان پر چڑھائی کی۔ مگر اس کے بعض امیروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس لئے ہزیمت اٹھا کر گیلی پلی کی طرف بھاگا۔ راستے میں اس کی فوج کے ایک سپاہی نے اس کو پکڑ لیا اور لا کر سلطان کے حوالے کر دیا۔ سلطان نے سولی پر چڑھا دیا۔

فتوحات

اب مراد نے انتقام کے لئے پوری قوت کے ساتھ قیصر پر چڑھائی کی لیکن اسی اثنا میں خبر آگئی کہ ایشیائے کوچک میں اس کے بھائی مصطفیٰ چلپی نے چند رئیسوں کی سازش سے سلطنت کا دعویٰ کر دیا اس لئے ادھر گیا اور مصطفیٰ کو گرفتار اور قتل کیا اس کے مددگاروں کو بھی سزائیں دیں جس سے اس دیار میں رعب چھا گیا امیر قسطمونی نے خوف زدہ ہو کر اپنی نصف ریاست سے دست برداری لکھ دی اور اپنی بیٹی بھی اس کے نکاح میں دے دی۔ دوسرے سال قرہ جنید نے بغاوت کی اور ریاست آیدین پر متغلب ہو گیا۔ سلطان نے گرفتار کر کے اب کے بار اس خائن کو جو کئی بار عہد شکنی کر چکا تھا سولی دے دی۔

آیدین کے بعد منتشا، صادر خاں، کرمیاں اور حمید وغیرہ ریاستوں کو جو تیمور کی بدولت نکل گئی تھیں پھر قبضے میں کیا اور قرہ مان کے امیر محمدؒ کو قتل کر کے اس کے بیٹے ابراہیم کو وہاں کا رئیس بنا دیا۔ ان مہمات سے فارغ ہو کر یورپ کا رخ کیا۔ شاہ ہنگری نے ڈر کر دریائے ڈینوب کے سارے شمالی علاقے حوالہ کر دئے اور وہی دریا دونوں ملکوں میں حد فاصل قرار پایا۔ سربیا جارج برنکوفتش نے بھی پچاس ہزار دوک سالانہ جزیہ دینے کا عہد کیا۔ نیز یہ کہ بروقت ضرورت فوج لے کر حاضر ہوا کرے گا اور وسط سربیا میں مقام کرد شینعانس کو خالی کر دیا کہ اس میں سلطانی فوج رہے۔

وہاں سے واپس آکر رومیوں سے سلانیک واپس لیا اور بلاد ارناؤط و البانیہ پر بھی قبضہ کیا تاکہ قسطنطنیہ کا تعلق ہر طرف سے منقطع ہو جائے اور اس کو کہیں سے امداد نہ مل سکے۔

والئی فلاخ نے بھی جس کا لقب ڈراگون (شیطان) تھا باب عالی کی سیادت تسلیم کی لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد شاہ ہنگری کے اشارے سے امیر البانیہ اسکندر بک کو ساتھ ملا کر بغاوت کی۔ مراد نے فوراً پہنچ کر ان کو مغلوب کیا پھر ہنگری تاخت و تاراج کر کے وہاں سے ہزار دس قیدیوں کو پکڑلایا۔

۸۴۱ھ میں والی سربیا نے پھر سرکشی اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مراد نے سمندریہ کو جو سربیا کے پایہ تخت بلغراد کے قریب ہے فتح کر لیا والی سربیا نے بھاگ کر ہنگری میں پناہ لی۔

ہونیاد

مراد نے ٹرانسلوانیا کی طرف لشکر بھیجا جس نے مقام ہران ساد کا محاصرہ کیا امیر ہونیاد نے جو ہنگری فوجوں کا سپہ سالار تھا پہنچ کر مدافعت کی ایسی سخت جنگ ہوئی کہ جس میں بیس ہزار ترک شہید ہوئے اور باقی ہزیمت اٹھا کر واپس آئے ۔ مراد نے پھر اسی ہزار فوج بھیجی مگر ہونیاد نے اس کو شکست دے دی اور اس کے سپہ سالار شہاب الدین کو گرفتار کر لیا۔ ہونیاد کی شجاعت کی شہرت سن کر پوپ نے یورپ میں جنگ صلیبی کا اعلان عام کیا جس کی وجہ سے ہنگری کے علاوہ پرشیا، پولینڈ اور سربیا وغیرہ کے جنگجو جوق در جوق جمع ہو گئے ۔ ہونیاد نے ان سب کو ساتھ لے کر چڑھائی کی اور نیشن میں پہنچ کر سلطان کو شکست دے دی ۔ ایشیائے کوچک میں امیر قرہ مان نے موقع دیکھ کر بغاوت کر دی اور بروصہ کا محاصرہ کر لیا مراد نے مجبوراً ہونیاد کے ساتھ مصالحت کی جس میں فلاخ کی آزادی کو بحال کیا اور اس پر سے اپنی سیادت اٹھا لی۔ سربیا کے مفتوحہ مقامات واپس کئے اور ہنگری سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد لکھا۔

اسی زمانے میں اس کا بڑا بیٹا علاء الدین انتقال کر گیا ان پے در پے حادثوں کا اس کے اوپر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اپنے بیٹے محمدؒ کو جس کی عمر ۱۴ سال کی تھی تخت پر بٹھا دیا اور خود ولایت آیدین میں جا کر گوشہ نشین ہو گیا لیکن چند مہینے بھی گذرنے نہیں پائے تھے کہ ۸۴۶ھ میں شاہ ہنگری نے پوپ کے ایک فرستادہ کار ۔ نیال نامی کے اغواء سے کہ مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے ۔ بلا لحاظ پیمان کے بلغاریا پر جو عثمانی قبضے میں تھی حملہ کر دیا ۔ مراد کو وزراء کے اصرار سے ناچار گوشہ خلوت سے نکلنا پڑا۔ اس نے فوج لے جا کر مقام ادرنہ میں جو بحر اسود کے کنارے پر ہے بدعہدوں کو شکست دی شاہ ہنگری مقتول ہوا اور اردنیال بھی جو اس فتنے کا اصل بانی تھا۔ ہونیاد کی شجاعت اس روز کچھ کام نہ آئی۔ ہزیمت خوردہ فوج کے ساتھ بھاگا اور ترکوں نے بے شمار مال غنیمت پایا۔

اس فتح کے بعد سلطان نے پھر محمد کو تخت پر بٹھا دیا اور خود گوشہ نشین ہو گیا مگر انکشاریہ کی بغاوت کی وجہ سے دوبارہ بلایا گیا ان کو قابو میں لانے کے لئے یونان میں مورہ کی طرف رخ کیا اسی جنگ میں قلعہ کورنتہ کے محاصرہ میں جو رومیوں نے مدافعت کے لئے بنایا تھا ترکوں نے پہلی بار توپ کا استعمال کیا۔

البانیہ میں اسکندر بک کی سرکشی بڑھتی جاتی تھی اور گو اس نے خاص سلطانی محل میں تربیت پائی تھی مگر ہونیاد کے بعد دولت علیہ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ مراد نے چڑھائی کی ۔ دو شہر بھی فتح کر لئے مگر اسی درمیان میں ہونیاد بہت بڑا صلیبی لشکر جو یورپ کے مختلف ملکوں سے جمع ہوا تھا لے کر قوصوہ کی طرف آیا۔ مراد نے پلٹ کر مقابلہ میں صف آرائی کی اور ۸۵۰ھ میں اس پر اسی طرح فتح حاصل کی جس طرح ۷۹۰ھ میں بایزید نے اسی میدان میں شاہ سربیا پر حاصل کی تھی۔

اس جنگ میں صلیبیوں کی ناکامی کا بڑا سبب ان کا تعصب تھا۔ اہل ہنگری و پولینڈ رومی کلیسا کے تابع تھے اور سربیا والے یونانی چرچ کے۔ شاہ سربیا نے ہونیاد سے پوچھا کہ اگر تم کو فتح حاصل ہو گئی تو کیا کرو گے؟ اس نے جواب دیا کہ سب کو کیتھولک بنا کر چھوڑوں گا پھر اس نے یہی سوال مراد کے پاس بھیجا۔ مراد نے لکھا کہ میں ہر مسجد کے پہلو میں ایک کینسہ بنوا دوں گا کہ جس کا جی چاہے مسجد میں آئے اور جس کا جی چاہے کنسیہ میں جائے اس وجہ سے شاہ سربیا نے متعصب کیتھولکوں پر مسلمانوں کو ترجیح دی اور اس کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی وجہ سے ہزیمت ہوئی۔ اس فتح کے بعد مراد نے پھر البانیا پر فوج کشی کی اور اسکندر بک کو محصور کر لیا اس نے مجبور ہو کر سالانہ خراج دینا منظور کیا اور عہد نامہ لکھ دیا مراد ادرنہ واپس آیا اور ۸۵۵ھ میں انتقال کر لیا۔

محمد ثانی فاتح

سلطان محمد کی ولادت ۲۶ رجب ۸۳۱ھ میں ہوئی تھی اس کے باپ نے دو بار اس کو تخت نشین کرا کے گوشہ نشینی اختیار کی مگر دشمنوں کے مقابلے کے لئے پھر اس کو واپس آنا پڑا اس کے انتقال کے بعد ۸۵۵ھ میں تیسری بار تخت پر بیٹھا۔ ہمسایہ سلطنتوں کی طرف سے سفراء مبارکباد دینے کے لئے آئے۔ ایشیائے کوچک میں طربزوں اور قرہ مان کی ریاست دونوں خلفشار کا موجب تھے اس وجہ سے قرہ مان کو سلطنت عثمانی میں داخل کر لیا اور طربزوں پر سالانہ خراج لگایا۔

فتح قسطنطنیہ

باپ کی وصیت کے مطابق چونکہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اس لئے پہلے باسفور کے یورپی ساحل پر ایک حصار اس حصار کے مقابلہ میں جو ایشیائی کنارے پر سلطان بایزید نے بنایا تھا تعمیر کرایا۔ پھر محاصرہ کا کل سامان تیار کیا۔ ہنگری کے ایک صناع سے بڑی توپیں بنوائیں جن کے کھینچنے کے لئے ساٹھ ساٹھ جوڑ بیل لگتے تھے۔ دوسرے سال ادرنہ سے خود نوے ہزار فوج لے کر چلا اور امیر بالسطہ اوغلی کی قیادت میں جنگی کشتیاں روانہ کیں کہ سمندر کی طرف سے محاصرہ رکھے لیکن وہاں قیصر کی امداد کے لئے جنیوا کے جہاز آ گئے تھے نیز رومیوں نے غلطہ سے استانبول تک حفاظت کے لئے سمندر میں زنجیریں باندھ دی تھیں۔ ترکی بیڑے نے مقابلہ کیا مگر شکست کھا گیا اس وجہ سے سلطان محمد نے خشکی میں چھ میل تک لکڑی کے تختے ڈال کر روغن اور چربی سے ان کو چکنا کیا اور راتوں رات ۸۰ کشتیاں جنے قاسم سے گزار کر قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے بہادیں بری فوج نے مناسب فاصلے پر توپیں نصب کیں۔

سلطان نے ۲۹ مئی ۱۴۹۳ء کو صبح کو عام حملے کا وقت مقرر کیا تھا۔ اس رات تمام لشکر میں چراغاں کیا گیا اور ساری فوج دعا اور عبادت میں مصروف رہی صبح ہوتے ہی فصیل کی طرف بڑھی۔ رومیوں نے نہایت ہمت اور پامردی سے مدافعت کی یہاں تک کہ قیصر قسطنطین اسی جنگ میں مارا گیا۔ لیکن اس ناقابل تسخیر شہر کے فتح ہونے کا وقت آ چکا تھا۔ فصیل توپ کے گولوں سے ٹوٹی اور کشتیوں سے سپاہی نکل کر اندر داخل ہوگئے۔ سلطان انکشاری فوج کے ساتھ تھا جس وقت مشہور کینسہ اباصوفیا کے دروازے پر پہنچا۔ اس میں اذان دلوائی اور ظہر کی نماز پڑھی اس وجہ سے یہ کنیسہ جامع مسجد ہو گیا۔

سلطان نے رومیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا ان کے دینی معاملات میں مطلق دخل نہیں دیا اور پوری مذہبی آزادی بخشی ایک بطریرک کی کرسی نصب کر کے ان کے معاملات اس کے متعلق کر دیئے اور بجز چند کینسوں کے جو مسجدوں میں تبدیل ہو چکے تھے سب ان کو دے دئے۔ نیز راہبوں اور کششیوں کو ہر قسم کی خدمات اور محصولات سے مستثنیٰ کر دیا۔ یہ خبریں سن کر جو رومی خوف سے وہاں سے بھاگ گئے تھے واپس آکر پھر آباد ہو گئے اور امن و آسائش سے رہنے لگے۔

اس فتح عظیم کی خوشی میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق ہوئی تھی۔ تمام عالم اسلام میں جشن منایا گیا اور ہر طرف سے ملوک و سلاطین و علماء و شعراء نے سلطان کو مبارکباد بھیجی۔ بلدۃ طیبۃ جو قرآنی آیت کا ٹکڑا ہے اس فتح کی تاریخ ہوئی

سلطان نے اس وقت سے اسی کو دار الخلافہ قرار دیا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار پر ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جس میں سلاطین عثمانیہ کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جانے لگی۔ سلطان محمد کی عمر اس وقت ۲۶ سال کی تھی یعنی سکندر اعظم سے جب اس نے گرانیکوس کی مہم سر کی ہے تین سال زیادہ اور نپولین اول سے جب اس نے معرکہ لودی میں کامیابی حاصل کی ہے تین سال کم۔

دیگر فتوحات

۸۶۰ ھ میں سربیا کے بادشاہ کے مرجانے پر اس کے بیٹوں میں نزاع پیدا ہوئی۔ سلطان نے اس کو اپنی سیادت میں لے لیا۔ وہاں سے بلغراد کی طرف بڑھا۔ ہونیاد نے سخت مقابلہ کیا جس میں ۲۴ ہزار ترک شہید ہوئے خود سلطان بھی مجروح ہوا اور بے نیل و مرام واپس آیا مگر ہونیاد اس قدر زخمی ہوا تھا کہ جان بر نہ ہو سکا اور بیس روز کے بعد مر گیا اس کی موت سے عثمانیوں کے سب سے بڑے دشمن کا خاتمہ ہو گیا۔ ۸۶۳ ھ میں مورہ اور پھر بوسنیا کو فتح کیا۔ ایشیا میں طربزون اور اسفند یار دونوں ریاستیں سلطنت میں شامل کر لی گئیں۔ سلطان نے سمندری بیڑہ کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کی اور اس کو اس قدر قوی بنایا کہ جنیوا اور وینس کے بیڑوں سے جو اس وقت نامور تھے ترکی سمندری بیڑہ فائق تر ہو گیا۔

۸۸۱ ھ میں حسن اوزن نے جو فرات سے آمودار یا تک قابض تھا۔ عثمانیوں کی حدود میں تاخت و تاراج شروع کی سلطان نے خود پہنچ کر آذر بیجان کے متصل اس کو ایسی شکست دی کہ پھر وہ کبھی مقابلہ کو نہ آیا۔ ۸۸۳ ھ میں البانیا کے قلعہ جات کر دیا اور اشقودرہ کو لیا۔ پھر ہنگری کی طرف فوج بھیجی جس نے ٹرانسلوانیا کو فتح کیا۔ وہاں کاؤنٹ کینس نے پہنچ کر ترکوں کو شکست دی جس میں وہ کثرت سے قتل اور گرفتار ہوگئے۔ ہنگریوں نے عداوت کے وحشیانہ جوش میں اسیروں کو قتل کر کے ان کی نعشوں پر فرش بچھا کر کھانے کھائے۔ پوپ نے "بطل اسیض" ہونیاد کی جگہ پر کاؤنٹ مذکور کو "حامی دین" کا خطاب دیا۔

۸۸۴ ھ میں جزائر بحر روم فتح کرتے ہوئے سلطانی ارادے کے مطابق صدر اعظم کدک احمد پاشا رومہ پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھا لیکن صرف اوترانت کو فتح کر کے رک گیا۔ ارض مقدس سے نکالی ہوئی جماعت قدیس یوحنا اور صلیبی کے رہبانوں کا مرکز روڈس میں تھا یہ ہمیشہ یورپ کو صلیبی جنگ کے لئے بھڑکاتے رہتے تھے ترکی بیڑے نے تین مہینے تک اس جزیرہ کا محاصرہ رکھا لیکن فتح نہ ہو سکا۔

وفات

۱۴ ربیع الاول ۸۸۶ ھ میں سلطان محمد نے وفات پائی۔ قسطنطنیہ میں شاہی مقبرے کے لئے جو زمین اس نے متعین کی تھی اس میں دفن ہوا۔ سلطان محمد سلاطین عثمانیہ میں نہ صرف فتح قسطنطنیہ بلکہ انتظامات کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے اس کے عہد میں سارے ملکی و فوجی انتظامات نئے سرے سے مرتب کئے گئے اور جدید قوانین وضع ہوئے۔ لیکن تعزیرات میں بجائے شرعی حدود کے جرمانے رکھے گئے مکاتب و مدارس کثرت سے قائم ہوئے اور متعدد جوامع تعمیر ہوئیں۔

بایزید ثانی

سلطان محمد ثانی کے بعد اس کا بڑا بیٹا بایزید ۸۸۶ھ میں سریر سلطنت پر آیا اس کے بھائی امیر جم نے بردصہ پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کا اعلان کر دیا۔ انکشاری فوج مقابلہ کے لئے بھیجی گئی۔ جم شکست کھا کر بھاگا اور مصر میں پہنچا پھر کچھ دنوں کے بعد روڈس کی صلیبی جماعتوں کے پاس چلا گیا۔ ان لوگوں نے سلطان کو لکھا کہ اگر چالیس ہزار دوک سالانہ اس کے گذارہ کے لئے مقرر کر دیا جائے تو ہم اس کو اپنی حفاظت میں رکھ لیں گے۔ سلطان نے منظور کر لیا۔

لٹل روڈس نے اس قول کو وفاداری کے ساتھ نباہا اور باوجود شاہ ہنگری و جرمنی کی کوششوں کے بھی جو امیر جم مانگتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ سے ترکی سلطنت میں فتنے برپا کریں اس کو نہیں دیا اور جب زیادہ دباؤ پڑا تو پوپ نوساں ہشتم کے پاس امانتاً روما میں بھیج دیا۔ پوپ بھی اس کا سالانہ وظیفہ سلطان سے منگاتا رہا۔ ایک بار یہ بھی لکھا کہ اگر سلطان تین لاکھ دوک دے دے تو اس حریف سے اس کو ہمیشہ کے لئے نجات مل سکتی ہے جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنے ہوئے کہ اس قدر رشوت لے کر وہ اس کو ہلاک کرنے کے لئے تیار ہے۔

اسی دوران میں شارل ہشتم شاہ فرانس نے قسطنطنیہ واپس لینے کے لئے لشکر کشی کی اس کا خیال تھا کہ اطالیہ اور سواحل ایڈریاٹک پرونیس سے گزرتا ہوا وہاں تک پہنچ کر فتح کرے گا۔ لیکن یہ سلطنتیں مختلف وجوہ سے اس کے راستے میں حائل ہو گئیں اس لئے پہلے اس نے روما کا محاصرہ کیا اور امیر جم کو لے لیا۔ مگر پوپ نے حوالگی سے پہلے اس کو ایک بطیئ الاثر زہر پلا دیا تھا۔ جس کے اثر سے چند دنوں کے بعد وہ مر گیا۔ شارل نے اس کی نعش آستانہ میں بھیج دی جو بردصہ میں دفن کرائی گئی۔

فتوحات

بایزید امن پسند اور صلح جو تھا۔ اس وجہ سے اس کے زمانے میں قابل ذکر فتوحات نہ ہو سکیں۔ سلطان محمد کے عہد میں پورا بلقان فتح ہو چکا تھا صرف بلغراد رہ گیا تھا جس پر ہنگری قابض تھی۔ بایزید نے ہرچند کوشش کی مگر اس کو نہ لے سکا۔ مصریوں نے ادنہ اور ترسوس دو عثمانی شہروں پر جو ان کے حدود کے متصل تھے قبضہ کر لیا تھا۔ ۸۹۳ھ میں بایزید نے فوجیں جمع کر کے مصر پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ مگر بائے تونس نے بیچ میں پڑ کر اسلامی ہمدردی کے باعث باہم صلح کرا دی۔ حسن اوزون کے انتقال کے بعد شاہ اسمٰعیل صفوی نے ایران میں شیعی حکومت قائم کر لی تھی اور نہایت زور شور کے ساتھ اس مذہب کی ترویج کر رہا تھا اس کے اعوان میں سے ایک شخص شاہ قول نامی اناطولیہ میں آیا اور باشندوں میں تشیع پھیلا کر بغاوت پر آمادہ کرنے لگا۔ اناطولیہ کے امیر نے اس کو وہاں سے نکال دیا اس نے کوتاہیہ میں پہنچ کر اپنا جتھا قائم کیا۔ صدر اعظم نے علی پاشا کو ایک فوج دے کر مقابلے کے لئے بھیجا۔ جنگ میں شاہ قول اور علی پاشا دونوں مارے گئے۔

یورپ

بایزید ہی کے عہد میں دولت علیہ کے تعلقات یورپین سلطنتوں کے ساتھ شروع ہوئے۔ ۸۹۷ھ میں پہلا روسی سفیر ماسکو سے تحفے اور ہدیے لے کر آیا اور اپنے ملک کے تاجروں کے لئے عثمانی قلمرو میں چند امتیازات حاصل کئے۔ سلطنت بولونیا سے بھی اسی سال بغدان (رومانیہ کا ایک حصہ) کے متعلق عہد نامہ ہوا۔ اہل بغدان نے دولت علیہ کی سیادت قبول کی اور ہنگری کا قبضہ وہاں سے اٹھا دیا۔ ڈیوک میلانو، جمہوریہ فلارنسا نیز پوپ اسکندر سادس نے بھی دوستی کا ہاتھ عثمانی سلطان کی طرف بڑھایا تاکہ اس کی بری اور بحری قوتوں سے اپنے مخالفوں کے مقابلے میں امداد حاصل کر سکیں۔ جمہوریہ وینس ترکوں کی مخالف تھی اس وجہ سے بایزید نے اس پر فوج کشی کی ترکی بیڑہ نے بعض یونانی جزائر جو وینس کے قبضے میں تھے فتح کر لئے اور بری فوجیں بوسنہ میں داخل ہو گئیں۔

اہل وینس نے شاہان یورپ اور پوپ کی مدد سے جزیرہ مدللی پر محاصرہ کیا لیکن ترکوں نے شکست دی اور روڈسٹو پر بھی قابض ہو گئے۔ اسی درمیان میں سلطان کے بیٹوں کی بغاوت کی وجہ سے اندرونی اضطراب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے صلح کر لینی پڑی۔ ورنہ وینس کے بقیہ حصے بھی فتح ہو جاتے۔

اندلس

بایزید ہی کے عہد میں اندلس کے مسلمان اپنی شامت اعمال سے عیسائیوں کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ آخری دولت غرناطہ بنی احمر نے اس مصیبت میں بایزید سے مدد مانگی لیکن اس نے کچھ زیادہ توجہ نہ کی صرف ایک معمولی بیڑہ امیر البحر کمال کی قیادت میں بھیج دیا۔

عزلت

بایزید کے تین بیٹے تھے جن میں سے بڑے بیٹے احمد کو وہ تخت نشین کرنا چاہتا تھا لیکن انکشاریہ اس سے راضی نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے شاہزادہ سلیم کو جو جنگجو، بہادر اور ان میں ہر دلعزیز تھا۔ ۹۱۸ھ میں سلطان بنا دیا بایزید مجبوراً تخت چھوڑ کر گوشہ نشینی کے ارادے سے روانہ ہوا مگر راستہ ہی میں انتقال کر گیا۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ اس خوف سے کہ کہیں یہ بھی سلطان مراد کی طرح پھر تخت پر واپس نہ آ جائے اس کو زہر دے دیا گیا تھا۔ سلطان بایزید نیک مزاج، علم دوست، اور صوفی منش تھا۔ بعض لوگ اس کو بایزید ولی کہتے تھے اس کا وزیر داؤد پاشا بھی اسی قسم کا نیک نہاد شخص تھا۔

سلیم اول

بایزید کے انتقال کے بعد سلیم ادرنہ میں گیا وہاں سفراء دول نے اس کو سلطنت کی مبارک باد دی ۔ احمد اور کرکود اس کے دونوں بھائی بڑی بڑی جمعیتوں کے ساتھ تخت حاصل کرنے کے لئے اٹھے ۔ مگر سلیم نے شکست دے کر دونوں کو گرفتار کر لیا اور قتل کر ڈالا ۔

شاہ اسماعیل

ایران میں شاہ اسماعیل صفوی کا نفوذ و اثر بڑھ رہا تھا اس نے شروان کو فتح کر کے تبریز کو مرکز بنایا تھا۔ نیز خراسان ۔ دیار بکر اور عراق عرب پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ عثمانیوں کی طاقت توڑنے کے لئے سلیم کے مقابلے میں اس نے احمد کو مدد دی نیز مصریوں کے ساتھ ترکوں سے لڑنے کے لئے معاہدہ کیا اور خود اناطولیہ میں اپنے گماشتے بھیجے کہ لوگوں کو تلقین کر کے سنی ترکوں سے منحرف کر دیں۔ سلیم ان حالات سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے سب سے پہلے سرحدی علاقہ میں ان لوگوں کو جو شیعہ ہو گئے تھے اور جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی جاتی ہے اچانک قتل کرا دیا اور پھر ایران پر لشکر کشی کی۔ شاہ اسماعیل نے مقام چالدیران میں ترکی توپوں کے سامنے شکست کھائی اور ۹۲۰ھ میں ترک تبریز میں داخل ہو گئے سلیم تین ماہ وہاں رہا اپنے دربار کے مشہور عالم ملا ادریس کو دیار بکر میں بھیجا جن کے کہنے سے اکثر کرد قبیلوں نے اطاعت اختیار کر لی۔

ریاست ذوالقدریہ کے امیر نے جو مصریوں کے ماتحت تھا ترکی افواج کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالی تھیں۔ اس لئے اس کو گرفتار کر لیا اور اس کا سر کاٹ کر سلطان مصر قانصوہ غوری کے پاس بھیج دیا۔ غوری نے سفیر بھیج کر مطالبہ کیا کہ حسب دستور سابق ذوالقدریہ میں خطبہ اس کے نام کا پڑھا جائے ۔ سلیم نے جواب دیا کہ میں آتا ہوں اگر کسی میں ہمت ہے تو وہ مصر میں اپنے نام کے خطبے کی حفاظت کرے۔

فتح مصر

سلیم نے ساز و سامان درست کر کے پوری قوت کے ساتھ مصر پر چڑھائی کی مقام مرج دابق میں مصریوں نے ہزیمت اٹھائی اور غوری گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوا۔ سلیم شام اور فلسطین پر قبضہ کرتا ہوا صحرا کی راہ سے مصر پہنچا۔ سلطان طومان بائے نے جو غوری کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ مدافعت کی لیکن ترک قاہرہ میں داخل ہو گئے ۔ طومان بائے گرفتار ہوا اور چند روز بعد سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اس وقت سے مملکت مصر عثمانی قلمرو میں داخل ہو گئی۔

سلیم نے قاہرہ میں ایک مہینے رہ کر وہاں کے امراء علماء اور اعیان کو انعام و اکرام سے خوش کیا اور آثار و مقابر کی زیارتیں کیں۔ خانہ کعبہ کے محمل کے جلوس میں بھی شریک ہوا اور خدام حرم کے لئے صرہ ہمایونی بھیجا۔ شریف مکہ ابوالبرکات نے فتح مصر کی تہنیت اور خانہ کعبہ کی کنجی بھیجی ۔ اس وقت سے سلیم نے خادم الحرمین الشرفین کا لقب اختیار کیا جو اس کے جانشینوں میں متوارث چلا

آیا۔

ملک مصر کا سارا انتظام مکمل کر کے خیر بک کو جو غوری کے امراء میں سے تھا وہاں کا والی بنایا اور ۷ رجب ۹۲۳ کو واپس چلا۔ راستے میں صحرائے عریش میں صدر اعظم یونس پاشا سے جو حملہ مصر کا مخالف تھا فرمایا کہ دیکھا! اللہ تعالیٰ نے کیسی کامیابی عطا فرمائی اس نے کہا بیشک لیکن اس نقصان سے بچنے کی کیا صورت ہے کہ نصف حربی فوج آپ نے اس خیانت کار خیر بک کے ہاتھ میں چھوڑ دی ہے جو نامعلوم کس وقت اس کو ذبح کر کے مصر پر متغلب ہو جائے۔ سلیم کو یہ سننے کی تاب کہاں تھی برافروختہ ہو کر فوراً اس کو قتل کرا دیا۔ اور پیر محمد پاشا کو جس کی رائے سے مصر پر چڑھائی کی تھی۔ صدر اعظم مقرر کر دیا۔

رمضان کے پورے مہینے دمشق میں قیام کیا۔ وہاں شیخ محمد محی الدین بن عربی کی قبر پر جامع مسجد تعمیر کرائی اور بڑی شان کے ساتھ اس میں نماز جمعہ ادا کی۔

خلافت

۲۴ رجب ۹۲۴ھ کو آستانہ پہنچا۔ متوکل علی اللہ ثالث آخری خلیفہ عباسی کو مصر سے اپنے ساتھ لیتا گیا تھا۔ خلیفہ مذکور نے جامع ابا صوفیا میں خلافت اور اس کے تبرکات یعنی سیف علم اور رداء نبوی سلطان سلیم کے حوالے کر دیئے اس وقت سے خلافت عثمانی آل عثمان کے ہاتھوں میں آ گئی۔

یورپ

سلطنت اسپین کی طرف سے سفیر نے آکر درخواست کی کہ قدس شریف میں حسب دستور اسپین کے عیسائیوں کو زیارت کی آزادی رہے اس کے مقابلہ میں جو رقم سالانہ ہم مصری حکومت کو دیتے تھے دولت علیہ کے خزانے میں بھیجتے رہیں گے۔ سلطان نے اس کو منظور فرمایا۔ جمہوریہ وینس کی طرف سے بھی جزیرہ قبرص کا دو سال کا خراج جو باقی تھا موصول ہوا۔ اس فرصت میں سلیم جزیرہ روڈس کو فتح کرنے کے لئے بحری اور ایران پر لشکر کشی کرنے کے لئے بری فوجیں تیار کر رہا تھا۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۸ شوال ۹۲۶ھ کو انتقال کر گیا۔ عمر ۵۴ سال تھی۔

سلطان سلیم خونریز اور سفاک تھا۔ لڑائیوں میں اس کی شجاعت اور دلاوری ضرب المثل تھی۔ اور انصرام مہمات میں نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس کے انتظام اور رعب کی وجہ سے اس کے عہد میں کوئی بغاوت نہیں ہو سکی صرف ایک بار اسماعیل کے مریدوں میں سے ایک شخص جلال نامی نے اناطولیہ میں آکر مہدویت کے ادعا سے کچھ لوگوں کو گمراہ کر کے فتنہ برپا کیا تھا۔ سلیم نے علی بک شہسوار کو ایک دستے کے ساتھ بھیج دیا۔ جس نے جلال کو قتل کر کے اس کی جماعت کو منتشر کر دیا۔ افسوس یہ ہے کہ شاہ اسماعیل کو تشیع بلکہ رفض میں بھی غلو تھا اور سلیم کو سنن بلکہ حنفیت میں انہماک اس مذہبی تعصب کی وجہ سے دونوں میں عداوت پیدا ہو گئی جس نے باہمی جنگوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا جو نسلاً بعد نسل چلا آیا کاش اگر یہ دونوں اسلامی اخوت کی حقیقت سمجھ کر اس وقت متحد ہو جاتے تو آج دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ سلیم کو فارسی ادبیات سے ذوق تھا اور ترکی زبان میں اچھے شعر کہتا تھا۔

سلیمان اعظم قانونی

سلیمان کی ولادت ۹۰۰ھ میں ہوئی تھی۔ سلیم کی وفات کے وقت یہ صاروخاں میں تھا۔ ۱۷ شوال ۹۲۶ھ کو قسطنطنیہ میں پہنچ کر تخت نشین ہوا۔

بغاوت شام

غزالی نے جو قانصوہ غوری کے امراء میں سے تھا اور جس کو سلطان سلیم نے شام کا والی مقرر کر دیا تھا اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور خیر بک والی مصر کو لکھا کہ ہم قسطنطنیہ سے بہت دور ہیں یہاں تک سلطان کی دسترس مشکل سے ہو سکتی ہے اس لئے تم بھی میرا ساتھ دو اس نے جواب دیا کہ اگر تم حلب فتح کر لوگے تو میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ سلیمان نے فرہاد پاشا کو نظامی فوج کے ساتھ بھیجا۔ غزالی اس وقت حلب کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ فرہاد پاشا نے ۷ صفر ۹۲۷ھ کو اس کا سر کاٹ کر قسطنطنیہ بھیج دیا۔

فتوحات

سلیمان نے شاہ ہنگری کے پاس جزیہ کے مطالبہ کے لئے سفیر بھیجا اس نے سفیر کو قتل کر ڈالا۔ اس وجہ سے اس پر چڑھائی کی۔ ۲۵ رمضان ۹۲۷ھ کو بلغراد کو فتح کر لیا چونکہ سارے بلقان میں یہی ایک ایسا قلعہ تھا جو عثمانیوں کے قبضے سے باہر تھا اور جنگی اہمیت کے لحاظ سے نہایت وقیع اس لئے اس کی فتح کی خوشخبری ملکوں ملکوں بھیجی گئی۔ شہنشاہ روس اور رئیس جمہوریہ وینس نے اس کامیابی پر تہنیت کے پیام بھیجے۔

روڈس

یوحنا اور شلیبی کی جماعت جو ارض مقدس سے بزور تیغ نکالی گئی تھی روڈس میں آکر مقیم ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ و غارت گری کرتی تھی سلاطین عثمانیہ عرصے سے خواہش رکھتے تھے کہ اس پر قبضہ کر لیں تاکہ ان کا خطرہ جاتا رہے اور غنیم کے جہازوں کو وہاں پناہ نہ مل سکے فتح مصر کے بعد سے اس کی ضرورت مصر کے ساتھ بحری مواصلات کی غرض سے اور بڑھ گئی تھی سلیمان نے وہاں کے امراء کو لکھا کہ جزیرہ خالی کرا کر چلے جاؤ تمہاری جان و مال سے تعرض نہیں کیا جائے گا لیکن وہ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے اس لئے سلیمان خود بیڑہ لے کر گیا۔ محاصرہ سے مجبور ہو کر انہوں نے نکلنا منظور کر لیا۔ سلیمان نے اپنی فوج وہاں سے ایک میل دور ہٹالی اور بارہ دن کی مہلت دی جس میں وہ اپنا مال و اسباب لے کر جزیرہ مالٹہ میں چلے گئے۔

کریمیا

۹۳۹ء میں کریمیا کے فرمانروا محمد کرائی خاں کے دونوں بیٹوں غازی اور بابا نے مل کر اس کو قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے وہاں فتنہ برپا ہو گیا۔ دولت علیہ نے جس کی سیادت اس پر برائے نام تھی اس موقع پر اس کو عثمانی ولایت بنا لیا۔

ہنگری

اس زمانے میں شارلکان یورپ میں سب سے بڑا بادشاہ تھا جو اسپین کے ساتھ جرمنی اور ہالینڈ کا بھی مالک تھا اور جنوبی اطالیہ کے بڑے حصے پر قبضہ رکھتا تھا۔ جمہوریہ فلارنس اور جنیوا اس کے تابع تھے اور جزائر منارکا اور سسلی بھی ۔ فرانس کے بادشاہ فرانسیس اول نے اطالیہ کے صوبہ میلان کے لئے اس کے ساتھ جنگ کی جس میں شکست کھائی باوجود اس کے پوپ کے دربار میں فرانس سب سے اہم کیتھولک سلطنت تھی جس نے یورپ میں اسلامی پیش قدمی کو روکنے کا حلف اٹھایا تھا لیکن مجبوراً فرانسیس کو دولت علیہ سے مدد مانگنی پڑی۔ چونکہ شارلکان ترکوں کا سخت دشمن تھا۔ اس وجہ سے سلیمان نے فرانسیس کی امداد مناسب سمجھی اور ایک لاکھ فوج اور تین سو توپیں لے کر شارلکان کی طرف بڑھا اسی حملے میں ہنگری کو فتح کر کے سلطنت عثمانی میں شامل کیا۔

ویانا

شارلکان نے اپنے بھائی فرڈیننڈ کو آسٹریا کا بادشاہ بنا دیا تھا اس نے ہنگری پر فوج کشی کر کے جاپو لائے کو جو سلطان کی طرف سے وہاں کا والی تھا شکست دے دی اور وہاں کے پایہ تخت بودین (بوڈاپسٹ) پر قابض ہو گیا۔ سلیمان نے ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر چڑھائی کی بودین کو واپس لے کر پھر جاپولائے کو وہاں کا والی بنایا۔ اور آسٹریا میں بڑھ کر ویانا کا محاصرہ کیا لیکن شدت سرما کی وجہ سے فتح نہ کر سکا اور واپس چلا آیا یہی یورپ میں سب سے آخری نقطہ تھا۔ جس پر ترک پہنچے۔

بغداد

شہ طہماسپ پسر اسماعیل صفوی نے سلیمان کو یورپ کی جنگ میں مشغول پا کر عثمانی حدود میں دست درازی شروع کی اور تبریز پر قبضہ کر لیا سلیمان نے ۹۴۰ھ میں لشکر کشی کی ۔ وان اور ارحیش کے قلعے لیتا ہوا تبریز میں آیا اور وہاں سے عراق عرب میں پہنچ کر بغداد کو فتح کر لیا چند روز اس میں قیام کر کے کربلا وغیرہ کی زیارتیں کیں اور امام ابو حنیفہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزارات تعمیر کرائے۔

الجزائر

آستانہ واپس آنے پر بار بروسہ خیر الدین پاشا نے جو جزائر کے ایک حصے پر قابض تھا۔ حاضر ہو کر اپنے مقبوضہ کو سلطنت عثمانی میں شامل کر لینے کی درخواست کی ۔ سلیمان نے منظور کیا اور اس کو قبودان دریا کے نام سے عثمانی بیڑے کا امیر بنا دیا۔ شارلکان مشہور امیر البحر آندرہ دوریا نے اپنے بیڑے کو لے کر تونس کو تاخت و تاراج کیا تھا اور وہاں کی مساجد و معابد منہدم کر دیئے تھے اس لئے سلیمان نے باربروسہ کی قیادت میں عثمانی اسطول روانہ کیا جس نے سواحل اطالیہ پر پہنچ کر آندرہ دوریا کے بیڑے کو شکست دی اور اوتر انت اور اس کے حوالی سے بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آیا۔

ہند

۹۴۲ھ میں دہلی کے بادشاہ نے مغلوں کے مقابلے کے لئے اعانت چاہی ۔ نیز بہادر شاہ گجراتی کی طرف سے سفیر گئے اور پرتگالوں کے مقابلے میں جن کی غارت گری سے سواحل ہند کے اسلامی علاقے ویران ہو گئے تھے امداد کے طالب ہوئے ۔ سلطان کے حکم سے سلیمان پاشا والی مصر ، ۷۰ جنگی کشتیاں جن میں بیس ہزار سپاہی اور بڑی بڑی توپیں تھیں لے کر روانہ ہوا بحر احمر سے نکل کر پہلے اس نے عدن پر قبضہ جمایا پھر گجرات پر آکر پرتگالیوں کے قلعے منہدم کر دیئے آخر میں ان کے سب سے بڑے مرکز کا محاصرہ کیا لیکن اس کو فتح کے بغیر اموال غنیمت لے کر واپس چلا گیا اور عدن سے آگے بڑھ کر یمن کو فتح کر کے عثمانی ولایت بنا لیا۔

جزائر بحر روم

فرانس اور دولت علیہ میں فتح اطالیہ کے لئے باہم یہ معاہدہ ہوا کہ عثمانی بیڑہ چنل ۔ سسلی اور اسپین کی طرف سے حملہ آور ہو اور فرانس شمالی سمت سے ۔ اس کے مطابق سلیمان نے اپنے بیڑہ کو روانہ کیا اور خود ایک لاکھ فوج لے کر البانیہ کی طرف بڑھا لیکن چونکہ عام مسیحی رائے فرانسیس اول کے خلاف ہو گئی کہ اس نے اپنے ہم مذہبوں سے لڑنے کے لئے مسلمانوں کو حلیف بنایا ہے اس وجہ سے وہ نہیں آیا اور جو منصوبہ تھا وہ پورا نہ ہو سکا ورنہ سارا اطالیہ دولت علیہ کے قبضے میں آجاتا۔

باربروسہ نے جزیرہ کارفور کا محاصرہ کیا مگر سفیر فرانس نے جس کو سلطانی دربار میں بہت درخور حاصل تھا بیچ میں پڑ کر ان کی طرف سے حربی ضمانت دلا دی ہے اس لئے محاصرہ اٹھا لیا گیا واپسی میں باربروسہ نے کریٹ وغیرہ اکثر جزائر فتح کر لئے ۔ آندرہ دوریا ۱۹۷ جہاز لے کر مقابلہ میں آیا مگر شکست کھا کر واپس گیا۔ ان فتوحات سے اسپینی بیڑہ کا اقتدار جاتا رہا اور بحری سیادت ترکی بیڑے نے لے لی جس کی شہرت اقطار عالم میں پھیل گئی۔

۹۴۴ھ میں فرانس کے ساتھ ایک تجارتی عہد نامہ ہوا جس میں بوجہ حلیف ہونے کے فرنچ تجار کے لئے قلمرو عثمانیہ میں خاص مراعات منظور کی گئیں۔ ٹھیک اسی زمانہ میں شاہ ایران طہماسپ شارلکان کے ساتھ معاہدے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نہ ہو سکا۔

فرانس

۹۵۲ھ میں فرانسیس اول اور شارلکان میں پھر جنگ شروع ہوئی اس وقت فرانس کی طرف سے موسیو بولان نامی سفیر آستانہ میں آکر امداد کا طالب ہوا سلیمان نے باربروسہ کو ایک بیڑے کے ساتھ بھیج دیا جس نے نیس کا محاصرہ کیا اور فتح کر لیا۔ لیکن ترکی اور فرنچ افواج میں اختلاف ہو جانے کے باعث فتح کی تکمیل نہ ہو سکی باربروسہ نے فرانس کی بندرگاہ طولون میں موسم سرما بسر کیا جس کا صرف آٹھ لاکھ ریال فرانسیسی حکومت نے ادا کیا اس کے بعد واپس چلا آیا ۔ قسطنطنیہ میں پہنچ کر ۹۵۳ھ میں باربروسہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جگہ پر طور غود پاشا امیر البحر مقرر ہوا۔

اسی سال شارلکان نے بھی تحفے اور ہدیے بھیج کر مصالحت کی درخواست کی ۔ سلطان نے منظور کیا۔ پانچ سال تک جنگ نہ کرنے کا فریقین میں معاہدہ ہوا بشرطیکہ تیس ہزار اشرفی خراج آسٹریا کی طرف سے سالانہ ادا ہوتا رہے۔

طہماسپ

شاہ ایران نے ۹۶۰ھ میں حدود عثمانی میں پیش قدمی شروع کی ۔ سلیمان نے جا کر قرہ باغ کے متصل اس کو شکست دی آخر میں شاہ مذکور نے قلعہ قرص دولت عثمانیہ کے حوالے کر کے صلح کر لی۔ طور غود پاشا نے اسی اثناء میں جزیرہ مالطہ کا محاصرہ کیا اسی میں اس نے شہادت پائی جس کے بعد عثمانی بیڑہ بے نیل و مراد واپس آگیا۔

وفات

۹۷۳ھ میں میکسمین پسر فرڈیننڈ شاہ آسٹریا نے ہنگری کے مقام توکائے پر قبضہ کر لیا سلیمان نے باوجود درد نقرس کے خود فوج کشی کی اور آسٹریا کے قلعہ سگنوار کا محاصرہ کیا فتح سے چند روز پیشتر اس کا مرض بڑھ گیا اور ۳۰ صفر ۹۷۴ھ میں اس نے وفات پائی عمر ۷۴ سال تھی۔ سلطان سلیمان ۴۸ سال تک تخت سلطنت پر متمکن رہا چونکہ اس زمانے میں حکومت کے قوانین نئے سرے سے وضع کئے گئے اور فوج کی تقسیم اور اس کے مناصب کی ترتیب عمل میں آئی اس وجہ سے وہ " قانونی " کے لقب سے مشہور ہوا اس کا عہد دولت عثمانیہ کی تاریخ میں منتہائے کمال و اقبال کا عہد تھا جس میں مشرق اور مغرب میں فتوحات ہوئیں اور سلطنت کا دائرہ نفوذ

اور اس کے اقتدار کا غلبہ دور دور تک پہنچ گیا یہاں تک کہ وہ اس زمانہ کی سب سے بڑی بری اور بحری طاقت ہو گئی ۔ تین لاکھ جنگ آور فوجیں تھیں جن میں سے پچاس ہزار نظامی تھی اور تین سو جنگی کشتیاں جو اس وقت کے بڑے سے بڑے بیڑہ کو شکست دے چکی تھیں۔

اس کے بعد سے عثمانی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا جو سلسلہ وار چلا آرہا ہے جس کے مختلف اسباب ہوئے۔

(۱) رقبہ سلطنت اور فتوحات کی وسعت کے ساتھ دولت اور ثروت کی زیادتی ہوئی جس کی وجہ سے سادگی اور سپہ گری کی بجائے عیش پرستی اور آرام طلبی آگئی جس کا لازمی نتیجہ زوال ہوتا ہے۔

(۲) انکشاریہ کا سپہ سالار خود سلطان ہوتا تھا اس لئے وہ بلا اس کو لئے ہوئے جنگ کے لئے نہیں نکلتے تھے سلیمان کے وقت سے یہ دستور مقرر ہوا کہ وہ اپنے امراء کے ماتحت لڑائی میں جایا کریں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ مابعد میں اکثر سلاطین نے راحت طلبی کی وجہ سے جنگ و جہاد میں شریک ہونا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے فوج کی ہمتوں میں فتور پڑ گیا۔

(۳) پیشتر سلطنت کے تمام مہمات دیوان و وزراء میں بریاست و ارادہ سلطانی انصرام پاتے تھے لیکن سلطان نے اس دستور کو توڑ کر جملہ امور صدر اعظم کے متعلق کر دیئے جس کی وجہ سے اکثر معاملات کی حقیقت سے ناواقف رہنے لگا اور وزرا اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے حرم کی بیگمات سے بھی امداد لینے لگے ۔ اس طرح پر سلطان کے گرد دسیسہ کاریوں کا ایک جال بچھا رہتا تھا جس میں وہ اکثر شکار ہوتا تھا اور سلطنت کے کام بگڑتے تھے خاص کر اس وجہ سے اور بھی کہ یہ وزراء جنسیت میں مغائر ہوتے تھے کیونکہ بیشتر نو مسلم نصاریٰ جو سلطان کے خدام میں سے مقرب ہو جاتے تھے وہی صدارت کے منصب پر آجاتے تھے اور بالطبع ان میں خلوص کم ہوتا تھا۔

(۴) سب سے بڑا سبب یہ ہوا کہ ترکوں کا حریف یورپ دور جہالت اور وحشت سے نکل کر علم اور تمدن کی طرف آرہا تھا ۔ بجائے تشتت کے وحدت اور ملکی اور قومی مقاصد کے لئے بڑی بڑی قربانیاں اور مصائب کے برداشت کی ہمت ان کے دلوں میں پیدا ہو رہی تھی ۔ اندلس کے مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد ان کے شجاعانہ اور فاتحانہ حوصلہ بڑھ گئے تھے ۔ مطابع کی ایجاد سے نشر علوم و فنون شروع ہو گیا تھا اور آتشیں اسلحہ کی ساخت اور اس کے استعمال کو روز افزوں ترقی دے رہے تھے بخلاف اس کے ترک اپنے حال پر تھا بلکہ جملہ اوصاف میں روبہ تنزل

اولاد

سلیمان اعظم اپنی بے مثل شجاعت اور عالی حوصلگی اور بے نظیر تدبر و فرزانگی کی بدولت دنیا کا نہایت ممتاز سلطان ہوتا اگر اس کے دامن پر قتل اولاد کا بدنما دھبہ نہ ہوتا۔ صورت یہ ہوئی کہ اس کی ایک روسی بیوی فرحانہ نامی تھی جو بوجہ اپنے حسن و جمال کے اس کے دل پر شروع سے آخر تک قابض رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ شاہزادہ سلیم جو اس کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ ولی عہد ہو اس نے رستم پاشا صدر اعظم کو جو اس کا داماد تھا متفق کر لیا اور دونوں نے شاہزادہ مصطفیٰ کی طرف سے جو ولی عہد تھا سلطان کو بدظن کرنا شروع کیا۔

ایران کے آخری حملے کے موقع پر مقام ارگلی میں رستم پاشا نے سلطان سے کہا کہ مصطفیٰ نے انکشاریہ کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے جو چاہتے ہیں کہ اس کو آپ کی زندگی ہی میں سلیم اول کی طرح تخت پر بٹھا دیں چونکہ مصطفیٰ بوجہ اپنی دلاوری کے انکشاریہ میں ہر دلعزیز تھا اس وجہ سے سلطان کو یقین آگیا اس نے کوئی تفتیش نہیں کی اور مصطفیٰ کو بلا کر حاجیوں سے قتل کرا دیا انکشاریہ بگڑ بیٹھے اور صدر اعظم کے قتل کے درپے ہوئے ۔ سلطان نے مصلحتاً اس کو معزول کر دیا۔

مصطفیٰ کے بھائی جہانگیر نے باپ کو اس قتل ناحق پر ملامت کی سلیمان نے اس کو دھمکایا جس کی وجہ سے غصہ میں اس نے

خود کشی کر لی فرحانہ نے اپنے ایک خاص آدمی کو بھیج کر مصطفیٰ کے شیر خوار بچہ کو بھی مروا ڈالا اور اس فکر میں پڑی کہ شاہزادہ بایزید کا بھی جو باقی رہ گیا ہے خاتمہ کرا دے تاکہ اس کے بیٹے سلیم کے سوا سلطنت کا کوئی حقدار نہ رہ جائے مگر اسی اثناء میں وہ خود مر گئی لالہ مصطفیٰ نے جس کو وہ سلیم کا اتالیق مقرر کی گئی تھی اپنی پر فریب دراندازیوں سے سلطان کو بایزید کا بھی مخالف بنا دیا تھا یہاں تک کہ اس نے بایزید کی گرفتاری کے لئے فوج بھیجی۔ بایزید نے معہ اپنے چاروں بیٹوں کے بھاگ کر ایران میں شاہ طہماسپ کے یہاں پناہ لی اس نے گرم جوشی سے لیا اور حمایت کا وعدہ کیا۔ مگر مخفی طور پر سلطان کو اطلاع دے دی اور جب اس کے آدمی آگئے تو ان کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے قزوین میں پہنچ کر بایزید کو معہ اس کے چاروں بیٹوں کے سلطانی حکم سے قتل کر ڈالا۔ بروسہ میں اس کا شیر خوار بچہ رہ گیا تھا اس کا بھی گلا گھونٹ دیا گیا اس طرح بجز سلیم کے سلطان نے خود اپنی ساری اولاد کا خاتمہ کر دیا۔

سلیم ثانی

سلیم کی ولادت ۲۴ رجب ۹۳۰ھ کو ہوئی تھی باپ کی وفات کے وقت کوتاہیہ میں ولایت پر تھا اطلاع پاکر پچاس روز کے بعد قسطنطنیہ پہنچا اس وقت سلیمان کی موت جو فتنہ کے ڈر سے مخفی رکھی گئی تھی ظاہر کی گئی اور اس کی تخت نشینی کا اعلان کیا گیا۔ سلیم میں مزید فتوحات تو کیا خود مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کی بھی لیاقت نہ تھی لیکن صدر اعظم محمد پاشا عاقل تجربہ کار وزیر تھا جس سے سلطنت کی عظمت قائم رہی۔ سب سے پہلے آسٹریا کے ساتھ معاہدہ ہوا جس میں اس نے ٹرانسلوانیا اور رومانیہ پر باب عالی کی سیادت تسلیم کی ۔ آسٹریا کو اس بات کا حق دیا گیا کہ وہ ہنگری میں اپنے املاک پر قابض رہے اور دولت علیہ کو حسب سابق سالانہ جزیہ دیا کرے فرانس کے ساتھ عہد سابق کی تجدید کی گئی اور اس کے سفیر کو حق دیا گیا کہ فرانسیسی قیدیوں کو جو ترکی کی غلامی میں ہوں آزاد کرا سکتا ہے نیز جملہ فرانسیسیوں سے جو عثمانی قلمرو میں تھے شخصی خراج اٹھا دیا گیا اور فرنچ کشتیوں کو محفوظ قرار دیا گیا جن کے نقصان کی تلافی دولت علیہ نے اپنے ذمہ لے لی۔ ان مراعات سے سواحل بحر روم پر فرانسیسی تجارت کو آزادی مل گئی جس کی وجہ سے ترکی مسیحی رعایا پر فرانسیسی سفیر نے اپنا اثر بڑھا لیا جو زمانہ مابعد میں دولت علیہ کے لئے مصائب کا ذریعہ بن گیا۔

یمن

امام زیدیہ مطہر بن شرف الدین یحیٰی نے ۹۷۶ھ میں بغاوت کی اور یمن کے قلعوں سے ترکی فوجوں کو نکال دیا صدر اعظم نے عثمان پاشا کو یمن کی ولایت کا فرمان دے کر ایک فوج گراں کے ساتھ روانہ کیا سنان پاشا والی مصر نے بھی بحکم باب عالی اس کی مساعدت کی جس کے اثر سے امراء یمن نے امام کا ساتھ چھوڑ دیا اور ترکی فوجیں قلعوں کو فتح کرتی ہوئی صنعار تک پہنچ گئیں امام نے مجبور ہو کر دولت علیہ کی سیادت کی اور معاہدہ لکھ دیا۔

قبرص

جزیرہ قبرص جو وینس کے ماتحت تھا اس کی فتح کے لئے لالہ مصطفیٰ کی ماتحتی میں جس نے سلطان کے بھائی بایزید کو قتل کرایا تھا۔ ایک لاکھ بحری فوج ۹۷۸ھ میں بھیجی گئی جس نے اس کو فتح کر لیا اس وقت سے برابر دولت علیہ کے قبضے میں رہا یہاں تک کہ ۱۸۸۷ میں اس کو انگریزوں نے لے لیا۔

ترکی بیڑہ

لالہ مصطفیٰ نے کریٹ اور سواحل بحر ایڈریاٹک پر حملے شروع کئے۔ جمہوریہ وینس نے اسپین اور پاپائے روم کے ساتھ مدافعت کے لئے معاہدہ کیا۔ ان سب کا بیڑہ ایک ساتھ امیر دون جوان کی قیادت میں جس نے اندلس سے مسلمانوں کو طرح طرح کی سختیوں سے نکالا تھا۔ مقابلے کے لئے آیا۔ ۷۰ کشتیاں اسپین کی تھیں۔ ۱۴۰ وینس کی ۱۲۰ یورپ کی اور نومالٹہ کے راہبوں کی تین گھنٹے کی

لڑائی میں ۲۰۰ ترکی کشتیوں میں سے ۱۳۰ غرق ہو گئیں۔ بقیہ گرفتار اور بیس ہزار ترک شہید ہو گئے اور تیس ہزار اسیر۔

ترکوں کی اس شکست پر سارے یورپ میں خوشی منائی گئی لیکن محمد پاشا صدر اعظم نے چھ مہینے کے اندر جس میں اہل یورپ اس کامیابی کے جشن میں مصروف تھے نہایت کوشش اور ہمت کے ساتھ ڈھائی سو جدید جہاز تعمیر کرالئے چنانچہ جاڑا گزرنے کے بعد نوبہار کے موسم میں یورپ نے دیکھا کہ بحیرہ روم میں ترکوں کا وہی اقتدار پھر قائم ہے جو فتح سے پہلے تھا۔ اس لئے جمہوریہ وینس کو مجبوراً قبرص ترکوں کے ہاتھ میں چھوڑنا پڑا۔ مزید برآں اس نے تاوان جنگ بھی ادا کیا۔ دون جوان نے اسپینی بیڑہ لے جا کر تونس پر قبضہ کر لیا تھا مگر ترکی بیڑہ نے قلیج علی پاشا کی قیادت میں پہنچ کر اس کو وہاں سے نکال دیا۔ آٹھ سال سلطنت کرنے کے بعد ۲۷ رمضان ۹۸۲ھ میں سلیم نے انتقال کیا۔

مراد خاں ثالث

سلیم نے چھ بیٹے چھوڑے تھے مراد، محمد، سلیمان، مصطفیٰ، جہانگیر اور عبداللہ اس کے مرنے کے بعد مراد جو بڑا تھا اور جس کی ولادت ۹۵۳ھ میں ہوئی تھی تخت نشین ہو۔ اس نے سب سے پہلے اپنے پانچوں بھائیوں کو قتل کرا دیا۔

سلیم کے زمانے میں ترکوں میں شراب خواری کثرت سے پھیل گئی تھی خاص کر انکشاریہ میں مراد نے اس کی بابت اقتناعی احکام کر دیئے انکشاریہ نے شورش کی اور اس کو مجبور کر دیا کہ ان کے لئے ان مقدار میں جس سے نشہ نہ پیدا ہو۔ مباح کر دے۔ ۹۸۳ھ میں شاہ بولونیا کے فرانس چلے جانے پر وہاں کے باشندوں نے فرانسیسی سفیر متعینہ باب عالی کے مشورے سے ٹرانسلوانیا کے فرمانروا کو جو دولت علیہ کا تابع تھا اپنا حکمراں تسلیم کر لیا اس طرح پر بولونیا خود ترکی حمایت میں آ گیا۔

محمد پاشا صدر اعظم نے جملہ معاہدات کی جو سلطنتوں کے ساتھ تھے تجدید کی فرانس کے ساتھ تعلقات اچھے تھے اس کے سفیر کو دول یورپ کے جملہ سفراء پر باب عالی میں تفوق حاصل تھا اور بجز جمہوریہ وینس کے دیگر یورپین سلطنتوں کے تمام تجارتی جہاز ترکی سمندروں میں صرف فرانسیسی جھنڈا لگا کر داخل ہو سکتے تھے انگلینڈ کی ملکہ ایلزبتھ نے اپنے تجارتی معاہدے میں یہ حق خاص طور پر حاصل کر لیا کہ اس کے ملک کے جہاز انگریزی علم کے ساتھ آ سکیں گے۔

مراکش

۹۸۶ھ میں مراکش کا سلطان شریف عبداللہ فوت ہو گیا اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد مستنصر تخت پر بیٹھا۔ اس کی بدلیاقتی کو دیکھ کر اس کا چچا شریف عبدالملک سلطنت کا دعوے لے کر اٹھا اور حکومت عثمانیہ سے امداد طلب کی۔ مستنصر نے پرتگالیوں سے اعانت چاہی چنانچہ وہ ایک زبردست بیڑہ تین سو توپوں کے ساتھ لے کر آ گئے۔ باب عالی نے رمضان پاشا والی الجزائر کو مقابلہ کا حکم دیا اس نے وادی سبیل میں پرتگالیوں کو شکست دی جس میں شاہ پرتگال اور مستنصر دونوں معہ بیس ہزار فوج کے مارے گئے۔ عبدالملک ثانی سیادت میں تخت سلطنت پر آ گیا۔

دیگر فتوحات

ایرانیوں کی دراز دستی کی وجہ سے پھر ان کے ساتھ جنگ شروع ہوئی اور ترکی فوجوں نے تفلس اور شماخی فتح کرتے ہوئے قفقاز تک قبضہ کر لیا اس اثناء میں ایران میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ شاہ طہماسپ کو زہر دے دیا گیا اور اس کی جگہ اسمٰعیل مرزا تخت پر آیا جس نے اپنے آٹھوں بھائیوں کو قتل کر ڈالا۔ ڈیڑھ سال کے بعد وہ بھی مر گیا۔ اس فرصت میں لالہ مصطفیٰ کی تحریک سے عثمان پاشا نے جا کر گرجستان کو فتح کر لیا اور فرہاد پاشا نے ایرانی فوجوں سے تبریز اور شروان لے لیا۔

یورپ

انکشاریہ کا نظام اس قدر ابتر ہو گیا کہ انہوں نے تمرد اور سرکشی اختیار کر لی اور جابجا قتل و غارت کرنے لگے۔ بعض بعض حکام اور عمال کو بھی مار ڈالا صدر اعظم نے ہنگری کے ساتھ اعلان جنگ کر کے ان کو اس لڑائی میں لگا دیا لیکن وہاں وہ کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے اسی اثناء میں رومانیہ اور ٹرانسلوانیا نے روڈلف شاہ آسٹریا اور قیصر جرمنی کی مدد سے اپنے استقلال کا دعویٰ کر دیا۔ صدر اعظم سنان پاشا خود مقابلے کے لئے گیا اور ان کو شکست دے کر بخارسٹ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن پھر انہوں نے مجتمع ہو کر اس کو وہاں سے نکال دیا اور دریائے ڈینیوب سے دھکیلتے ہوئے نیکوپلی تک آگئے۔

۱۰۰۳ھ میں مراد نے وفات پائی شاعری میں مشہور تھا ترکی۔ فارسی عربی تینوں زبانوں میں شعر کہتا تھا اور نہایت عیاش جس کی وجہ سے اس کے عہد میں حرم سرا کی بیگمات امور حکومت میں دخل دینے لگی تھیں مرتے وقت ۱۰۳ اولاد میں سے ۲۷ بیٹیاں اور ۲۰ بیٹے چھوڑے۔

محمد ثالث

مراد کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد سلطان ہوا اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے ۱۹ بھائیوں کو قتل کرا دیا جو سب کے سب باپ کے ساتھ دفن کئے گئے۔ مراد کی فضول خرچیوں سے قرضے کا بار بہت ہو گیا تھا محمد نے انؐ سب کو ادا کیا ان قرضوں کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ سلطانی مطبخ کے لئے جو سبزی آتی تھی اس کی قیمت میں سے ۸۰ ہزار اشرفیاں باقی تھیں۔

محمد نے دیکھا کہ وزراء علی الاعلان مناصب فروخت کر رہے ہیں جس سے نالائقوں کے ہاتھ میں ولایات کی حکومتیں چلی جا رہی ہیں اور جابجا بد انتظامی کی وجہ سے فتنہ اور فساد برپا ہو رہے ہیں اس پر مزید یہ کہ ترکی فوج آزمودہ کار امراء کے نہ ہونے سے مسلسل شکستیں کھا رہی ہے۔ اس لئے خود مہمات سلطنت کی طرف توجہ کی سب سے پہلے میدان جنگ میں پہنچا جس سے فوج میں حمیت اور جرات پیدا ہو گئی اور اس نے غنیم کا تختہ الٹ دیا یہاں تک کہ قلعہ ارلو بھی فتح کر لیا جس کے لینے سے سلطان سلیمان بھی عاجز تھا دشمنوں کو مغلوب کرنے کے بعد ظفر مندی کے ساتھ آستانہ واپس آیا۔ پھر اناطولیہ میں جو بغاوت پھیلی ہوئی تھی ایک عرصہ کی جنگ و جدال کے بعد اس کو فرد کیا اس داخلی شورش میں شاہ عباس نے موقع پا کر تبریز پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا اس کے مقابلے کے لئے امیر طربزوں حسن پاشا متعین ہوا۔ اسی حالت میں ۱۰۱۲ھ میں محمد ۳۸ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

احمد اول

محمد کے بعد اس کا بڑا بیٹا احمد جس کی ولادت ۹۹۸ھ میں ہوئی تھی۔ ۱۴ سال کی عمر میں سلطان بنایا گیا ملک کی حالت اس وقت نہایت سقیم تھی کیونکہ حدود عجم پر شاہ عباس اپنی پوری قوت کے ساتھ بڑھتا چلا آ رہا تھا اور تبریز کے بعد شماخی ۔ روان ۔ آقچہ قلعہ اور قارس لے چکا تھا اور مغربی سرحد پر آسٹریا کی فوجیں مصروف پیکار تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ولایات شرقی میں جابجا بغاوتیں پھیلی ہوئی تھیں جن کے سرغنہ جان پولاد اور امیر فخرالدین درزی وغیرہ تھے۔

خوش قسمتی سے اس وقت دولت علیہ کی صدارت پر مراد شاہ آ گیا تھا جو نہایت تجربہ کار امیر تھا اور جس کی عمر ۸۰ سال سے متجاوز ہو چکی تھی سب سے پہلے اس نے اندرونی بغاوت کی طرف توجہ کی اور اس کے ایک بڑے سرکردہ قلندراوغلی کو اپنے ساتھ ملا کر انگورہ کا والی مقرر کر دیا جس کی وجہ سے باغیوں کا جتھا ٹوٹ گیا۔ فخرالدین بھاگ کر بادیہ شام میں روپوش ہو گیا اور جان پولاد نے آستانہ میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی۔ سلطان نے اس کی جان بخشی کی اور تمسوار کی ولایت عطا فرمائی۔ آخر میں یوسف پاشا نے جو اقلیم صاروں خاں منتشا اور آیدین میں علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھا شکست کھائی اور مارا گیا جس سے امن و امان ہو گیا۔

شاہ عباس

سنان پاشا حدود عجم کی طرف بھیجا گیا شاہ عباس نے مقابلہ کی تاب نہ لا کر صلح کا پیغام بھیجا بشرطیکہ حدود وہی رکھے جائیں جو سلیمان اعظم کے زمانے میں تھے مراد پاشا نے منظور نہیں کیا لیکن اسی درمیان میں وہ انتقال کر گیا اور نصوح پاشا صدارت پر آیا جس نے شاہ عباس کی شرطوں پر سنان پاشا کو مصالحت کی ہدایت کی صرف یہ اضافہ کیا کہ دو صد خردار حریر سالانہ ایران بھیجا کرے۔

یہ پہلا معاہدہ تھا جس میں دولت علیہ نے خسارہ اٹھایا اور اس کو اپنے بعض مفتوحہ قلعے اور علاقے چھوڑ دینے پڑے۔

یورپ

آسٹریا کے مقابلے کے لئے یاوز علی پاشا متعین ہوا تھا وہ بلغراد میں پہنچ کر انتقال کر گیا اس کی جگہ لالہ محمد پاشا بھیجا گیا متعدد معرکوں کے بعد آخر میں حکومت آسٹریا نے ہنگری سے دست برداری لکھی اور کانیشا پر عثمانی قبضہ تسلیم کیا اور دولت علیہ نے تیس ہزار دوک سالانہ جزیہ کی رقم جو آسٹریا سے اس کو وصول ہوتی تھی چھوڑ دی، ۱۰۱۵ھ میں ویانا میں اس عہد نامہ کی تکمیل ہوئی تاریخ میں یہ معاہدہ ستواتو روک کے نام سے مشہور ہے۔

اب اگرچہ ہر طرف سے امن ہو گیا تھا لیکن مالطہ اسپین اور اطالیہ کی جنگی کشتیاں بحیرہ روم میں دولت علیہ کی کشتیوں پر حملے کرتی رہتی تھیں۔ صدر اعظم نے جملہ ترکی کشتیوں کو بحیرہ روم میں لا کر جمع کر دیا جس کی وجہ سے بحیرہ اسود میں روسیوں نے غارت گری شروع کر دی اس جرم پر سلطان نے صدر اعظم کو ۱۰۲۱ھ میں قتل کرا دیا۔

۱۰۱۹ھ میں ہالینڈ کے ساتھ تجارتی معاہدہ ہوا اور جو مراعات فرنچ اور انگلش تجار کو دی گئی تھیں۔ اس کے تاجروں کو بھی دی

گئیں۔ نیز دیگر مغربی سلطنتوں کے ساتھ جو عہد نامے تھے ان کی تجدید ہوئی ۔ فرانس کے حقوق میں کچھ اور بھی اضافہ کیا گیا۔ ولندیزی تاجروں کے ذریعے سے اسی زمانے میں ترکی میں تمباکو آیا اور اس کو لوگ استعمال کرنے لگے ۔ مفتی اعظم نے اس کی حرمت کا فتویٰ شائع کیا لیکن فوج اور خود سلطان کو شک کے خدام کی مخالفت کی وجہ سے مباح کرنا پڑا۔ ۲۳ ذیقعدہ ۱۰۲۶ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۶۱۷ء کو سلطان احمد نے وفات پائی ۔ اس کا بیٹا عثمان اس وقت تیرہ سال کا تھا اس لئے وہ اپنے بھائی مصطفیٰ کے لئے سلطنت کی وصیت کر گیا۔

مصطفیٰ اول

مصطفیٰ نے اپنی ساری زندگی حرم میں گزاری تھی ۔ اس وجہ سے ضعیف العقل اور امور سلطنت سے بے خبر تھا۔ امراء نے جب یہ حالت دیکھی تو تین مہینے بعد تخت سے اتار دیا اور سلطان احمد کے بڑے بیٹے عثمان کو بٹھایا اس میں انکشاریہ نے خاص حصہ لیا کیونکہ جب کوئی نیا سلطان تخت نشین ہوتا تھا تو وہ انعام لیتے تھے۔

عثمان ثانی

عثمان کے تخت نشین ہوتے ہی بولونیا (بلستان) کے امیر نے بغدان کے معاملے میں دست اندازی شروع کی ۔ عثمان نے لشکر کشی کی لیکن اس سے پہلے اپنے بھائی محمد کو قتل کرا دیا تاکہ تخت کی طرف سے اطمینان رہے ۔ نیز مفتی کے بھی اختیارات محدود کر دیئے تاکہ وہ اس کی معزولی کا فتویٰ نہ دے سکے۔

بولونیا کی فوج سے پہلا مقابلہ شوک زم میں ہوا۔ عثمانیوں نے شکست کھائی اور تیس ہزار ترک شہید ہوئے ۔ انکشاریہ نے حملہ کرنے سے انکار کر دیا اس وجہ سے عثمان مجبوراً صلح کر کے چلا آیا اور دل میں یہ ٹھان لیا کہ انکشاری فوج کو توڑ کر رہے گا چنانچہ ایشیائی ولایت میں جدید فوجیں بھرتی کرائیں اور جب وہ منظم ہو گئیں تو انکشاریہ کو نکالنا شروع کیا۔ انہوں نے بغاوت کر دی اور ۹ رجب ۱۰۳۱ھ میں سلطان مصطفیٰ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا اور عثمان کو پکڑ کر گھسیٹتے اور گالیاں دیتے ہوئے یدی قلعے کے سامنے لے جا کر قتل کر ڈالا ۔ اب انکشاریہ کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ جس کو چاہتے معزول کرتے اور جس کو چاہتے منصب دیتے داؤد پاشا صدر اعظم کو جس نے بغاوت میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ خفیف سی مخالفت پر قتل کر دیا۔ امراء ولایت نے یہ دیکھ کر جابجا اپنے استقلال کے اعلان کر دیئے یوسف پاشا والی طرابلس و شام خود مختار ہو گیا اور اباظا پاشا والی ارضروم بھی بلکہ اس نے بڑھ کر سیواس اور انگورہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

خود دارالخلافہ میں اٹھارہ مہینے تک فتنہ و فساد کا بازار گرم رہا اور لوٹ مار اور غارت گری جاری رہی آخر میں کمانکش پاشا صدر اعظم ہوا۔ جس نے امن و امان قائم کیا اور مصطفیٰ کو تخت سے اتار کر سلطان احمد کے تیسرے بیٹے مراد کو بٹھایا۔

مراد رابع

مراد ۲۲ جمادی الاول ۱۰۱۸ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۳۲ھ میں ۱۴ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس کی کمسنی کی وجہ سے سررشتہ مہمات وزراء کے ہاتھ میں تھا۔

بغداد

بکیر آغا شحنہ بغداد نے ازراہ تمرد وہاں کے والی کو قتل کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ حافظ پاشا اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا بکیر آغا نے شاہ عباس کو مدد کے لئے بلایا اور وعدہ کیا کہ میں شہر کو آپ کے حوالے کر دوں گا۔ بشرطیکہ یہاں کا والی مجھ کو بنا دیں۔ شاہ موصوف فوج لے کر ایران سے روانہ ہوا۔ ادھر حافظ پاشا کے پہنچنے پر اس کو بھی لکھا کہ اگر تم مجھ کو یہاں کا والی تسلیم کرو تو میں دروازہ کھول دوں۔ اس نے منظور کر لیا اور ترکی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ عباس نے پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ بکیر آغا نے ترکوں سے بے وفائی کر کے ایرانی لشکر کو اندر بلا لیا جس کی وجہ سے عثمانی فوج شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئی لیکن شاہ موصوف نے اس جاہل غدار کو اس کی خیانت کی وجہ سے مجمع عام میں قتل کر دیا۔

۱۰۳۸ھ میں جب عباس نے وفات پائی اور اس کا نو عمر بیٹا شاہ مرزا تخت نشین ہوا۔ خسرو پاشا ترکی سپہ دار نے فوج کشی کی اور ہمدان میں داخل ہو گیا جابجا ایرانی مقابلے کے لئے آئے اور ہزیمت اٹھا کر بھاگے۔ خسرو پاشا نے موسم زمستان حلب میں گزار کر اوائل بہار میں بغداد کا محاصرہ کیا لیکن تھوڑے دنوں کے بعد انکشاریہ نے جنگ سے انکار کر دیا اس لئے بلا فتح کئے واپس چلا گیا۔

انکشاریہ کا تمرد یہاں تک بڑھ گیا کہ انہوں نے سلطان کے سامنے صدر اعظم کو قتل کر ڈالا۔ اس پر مراد کے دل میں ان کی طرف سے غیظ و غضب پیدا ہو گیا۔ اس نے مہمات سلطنت اپنے ہاتھ میں لئے اور رفتہ رفتہ توڑ کر ان کو قابو میں لایا۔ ۱۰۴۵ھ میں ان کو خود لے جا کر اریوان اور تبریز کو فتح کر لیا اور دوسرے سال بغداد واپس لیا ایرانیوں نے درخواست کی کہ اریوان ہم کو واپس دے دیا جائے اور بغداد ہم دولت علیہ کے حصہ میں چھوڑتے ہیں سفراء کی آمد و رفت کے بعد اسی پر باہم مصالحت ہو گئی اور مدت ہائے دراز سے جو عداوت فریقین میں چلی آئی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ بولونیا میں بھی بغاوت ہوئی اس لئے اس طرف فوجیں لے کر گیا اور اس کو فرو کیا۔

۱۰۴۹ھ میں مراد نے وفات پائی۔ اگر زندگی نے وفا کی ہوتی تو تدبیر اور فتوحات میں یہ دوسرا سلیمان قانونی ہوتا۔ مگر صرف تیس سال کی عمر میں گذر گیا۔

ابراہیم خاں

یہ بھی سلطان احمد کا بیٹا تھا۔ ۲۵ سال کی عمر میں ۱۰۴۹ھ میں تخت پر آیا۔ نہایت بے عقل تھا بلکہ لوگ دیوانہ لکھتے ہیں اس کے ساتھ جنجی خوجہ نامی ایک شخص تھا جس نے اس کے مزاج پر غلبہ پایا تھا۔ حکومت کا سارا اختیار اس کے ہاتھ میں تھا اور اس نے بے شمار دولت بھی جمع کرلی تھی۔ قرہ مصطفیٰ جو ایک نامی مدبر وزیر تھا صدر اعظم مقرر ہوا لیکن جنجی خوجہ کی در اندازیوں سے قتل کر دیا گیا۔

۱۰۵۱ھ میں یوسف پاشا نے جزیرہ کریٹ کو فتح کرلیا اسی زمانے میں بوسنیا میں سخت بغاوت ہوئی اور جمہوریہ وینس نے جزیرہ مدللی پر حملہ کیا۔ ابراہیم ایسا برہم ہوا کہ اس نے سفراء دول کو قید کر دیا اور حکم دیا کہ ممالک محروسہ میں جس قدر نصاریٰ ہیں قتل کر دیئے جائیں۔ مگر مفتی اسعد زادہ نے روکا اور کہا کہ یہ امر شرع مبین کے بالکل خلاف ہے۔

ابراہیم دن رات ہمیں شہوات اور لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا کبھی قسم قسم کے لباس تیار کراتا کبھی عنبر جمع کرتا اور کبھی مشعل لے کر سڑکوں پر غلاموں کے ساتھ دوڑتا۔ انکشاریہ نے اس کے عہد میں پھر قوت پیدا کرلی تھی۔ اس نے چاہا کہ ان کے رؤسا کو قتل کرا دے مگر انہوں نے علماء کو اپنے ساتھ ملا کر اس کی معزولی کا فتویٰ لکھالیا اور ۱۸ رجب ۱۰۵۳ھ میں اس کے بیٹے محمد کو جس کی عمر سات سال تھی تخت پر بٹھا دیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ بچہ حکومت کے قابل نہیں ہے ابراہیم کو واپس لانا چاہا انکشاریہ نے اس خوف سے کہ وہ تخت پر آجائے گا تو ہم سے انتقام لے گا کوشک میں جا کر اس کو قتل کر دیا۔

محمد رابع

محمد کی تخت نشینی کے بعد جنجی خوجہ کے اموال ضبط کر لئے گئے اور پھر وہ قتل کر دیا گیا۔ سلطان کی کمسنی کی وجہ سے انکشاریہ کا تمرد بڑھ گیا انہوں نے رعایا کو لوٹنا شروع کر دیا ملک کی ابتری کی وجہ سے بری اور بحری فوجوں میں بد نظمی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے عثمانی بیڑے نے دشمنوں سے شکست کھائی۔ ادھر ایشیائے کوچک میں ایک رئیس قاطرچی اوغلی نے سرکشی اختیار کی اور وہاں کے ایک نامی سردار کورجی بنی کو اپنے ساتھ ملا کر احمد پاشا والی اناطولیہ کو شکست دے دی۔ پھر قسطنطنیہ کی طرف بڑھے ان کی جمعیت اس قدر تھی کہ آستانہ پر ان کا قبضہ ہو جانا کچھ مشکل نہ تھا مگر ان دونوں میں آپس میں ناچاقی ہو گئی جس کی وجہ سے قاطرچی اوغلی نے کورجی بنی کا سر کاٹ کر سلطان کی خدمت میں بھیج دیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ سلطان نے اس کو کوہ قرہ مان کا والی مقرر کر دیا جس سے اس بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔

کوپریلی

جمہوریہ وینس کے جنگی جہاز درہ دانیال کے دہانے پر آگئے تھے انہوں نے جملہ تجارتی جہازوں کو اندر جانے سے روک دیا جس کی وجہ سے آستانہ میں ہر چیز گراں ہو گئی اور لوٹ مار ہونے لگی اس وقت محمد پاشا جو ترکی تاریخ میں کوپریلی کے نام سے مشہور ہے۔ صدارت کے لئے بلایا گیا ہر چند کہ اس کی عمر نوے سال کی ہو چکی تھی لیکن اس نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا سب سے پہلے انکشاریہ کو جو فساد کا سرچشمہ تھے بہت سے سرغنوں کو ذبح کر کے قابو کر لیا۔ پھر رومی بطریرک کو جس کے اغواء سے وینس کا بیڑہ حملہ آور ہوا تھا پھانسی دی اس کے بعد جنگی کشتیاں ساز و سامان سے درست کر کے مقابلے کے لئے بھیجیں جنہوں نے ایک سال کی کوشش کے بعد وینس کے جہازوں کو شکست دے کر بھگایا اور وہ جزائر اور مقامات واپس لئے جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

ٹرانسلوانیا اور رومانیہ میں بھی اضطرابات تھے۔ ان کو اطاعت پر مجبور کر کے عہد نامے لکھوائے اور اندرون ملک جو جو فتنے تھے سب فرد کئے۔ کوپریلی ۱۰۷۲ھ میں انتقال کر گیا۔ سلطان محمد نے اس کی جگہ اس کے بیٹے احمد پاشا کو پریلی کو صدارت کا منصب عطا کیا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح شجاع، صائب الرائے اور عالی ہمت تھا۔ اسی کے زمانے میں جنوبی روس کے باشندے قوزاق دولت علیہ کی حمایت میں آئے نیز بولونیا نے یوکرین پر حملہ کر دیا تھا وہاں کے والی نے سلطان سے مدد طلب کی۔ ۱۰۸۲ھ میں احمد پاشا فوج لے کر گیا۔ سلطان بھی ساتھ تھا بولونیا والوں نے شکست کھائی اور یوکرین نے دولت علیہ کی سیادت قبول کی۔

یہ ہوش مند وزیر پندرہ سال دیانت کے ساتھ سلطنت کی خدمت کرنے کے بعد ۱۰۸۷ھ میں انتقال کر گیا اس کے بعد کوپریلی کا داماد قرہ مصطفیٰ پاشا صدارت پر آیا اس نے آسٹریا میں جا کر ویانا کا محاصرہ کیا اور قریب تھا کہ اس کو فتح کرے لیکن اہل بولونیا نے اچانک حملہ کر دیا جس کی وجہ سے شکست کھا گیا۔ سلطان نے اس کو معزول کر کے ابراہیم پاشا کو صدر بنا دیا۔

مقدس عہد

ویانا پر ترکوں کی شکست سے یورپ بھر میں خوشی منائی گئی۔ اور آسٹریا بولونیا۔ جمہوریہ وینس۔ رہبان مالطہ پاپائے روم اور سلطنت روس سب نے مل کر باہم مقدس عہد کیا کہ عثمانیوں کو یورپ سے نکال دیں۔ متعدد مقامات پر انہوں نے فتوحات بھی حاصل کیں۔ اور آسٹریلیا نے ہنگری واپس لے لیا اور وینس نے جزیرہ سنائے مورہ پر قبضہ کر لیا سلطان نے ابراہیم پاشا کو برطرف کر کے سلیمان پاشا کو صدارت پر بلایا۔ اس نے بوداپست پر لشکر کشی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے اس کی جگہ سیاؤش پاشا مقرر ہوا۔ مگر فوج اس سے خوش نہ تھی۔ چنانچہ مخالفت کا جھنڈا کھڑا کر کے آستانہ کی طرف آئی۔ انکشاریہ نے اپنی دیگیں میدان میں لا کر ڈال دیں جو ان کی بغاوت کی علامت تھی محمد نے اپنے تفریحی مشاغل اور شکار میں معروف تھا۔ سلطنت کے معاملات سے کچھ سروکار نہ رکھتا تھا اس وجہ سے ارکان دولت نے مفتی سے اس کی معزولی کا فتویٰ لے کر تخت سے اتار دیا اور اس کے بھائی سلیمان کو سلطان بنا دیا۔

سلیمان ثانی

سلیمان کی ولادت ۱۰۵۲ھ میں ہوئی تھی اپنے بھائی محمد رابع کی معزولی کے بعد ۱۰۹۹ھ میں ۴۷ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر آیا۔ انکشاریہ نے سیاؤش پاشا کو قتل کر کے اس کا گھر لوٹ لیا اور بہت سے امیروں اور وزیروں کو مارا اور نکال دیا۔ نیز شہر کے تاجروں اور دولت مندوں کو لوٹنے لگے ایک دوکاندار نے جھنڈا کھڑا کیا جس کے نیچے ہزاروں آدمی آکر جمع ہو گئے ان سب لوگوں نے جا کر سلطان سے فوج کے مظالم پر فریاد کی اس نے بڑی مشکلوں سے ان کی دست اندازیوں کو روکا۔

آسٹریا

دار الخلافہ کے اس انتشار کی وجہ سے مخالفین کو موقع مل گیا چنانچہ آسٹریا کی فوجوں نے بلغراد کو فتح کر لیا اور نیش تک آگئیں۔ سلطان نے مشہور وزیر کوپریلی کے پوتے مصطفیٰ کو صدارت پر طلب کیا اس نے سب سے پہلے فوج کو قابو میں کیا اور اس کو لے کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے بڑھا۔ جابجا فتوحات حاصل کیں روم ایلی کے جو مقامات نکل گئے تھے واپس لئے اور دولت علیہ کا گیا ہوا رعب و اقتدار پھر قائم کیا۔ ۱۱۰۲ھ میں مرض استسقاء میں سلیمان نے وفات پائی۔ عابد و زاہد و علم دوست تھا جس وقت سلطنت کے لئے بلایا گیا تھا انکار کر دیا تھا۔ بڑے اصرار سے لوگ تخت پر لائے تھے۔

احمد ثانی

سلیمان ثانی کے کوئی اولاد نہ تھی اس وجہ سے اس کا بھائی احمد خاں جس کی ولادت ۱۰۵۳ھ میں ہوئی تھی تخت نشین ہوا۔ اس نے جملہ مہمات کو وزیر کوپریلی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی اور عین جوانی میں اسی سال انتقال کر گیا۔ اس کے بعد عربہ جی علی پاشا اس کی جگہ پر آیا۔ لیکن اس میں وہ لیاقت نہ تھی۔

احمد کے زمانے میں کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا بجز اس کے کہ جمہوریہ وینس نے جزیرہ ساقز پر قبضہ کر لیا۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۰۶ھ میں احمد انتقال کر گیا۔

مصطفیٰ ثانی

مصطفیٰ ثانی سلطان محمود رابع کا بیٹا ہے اس کی ولادت ۸ ذیقعدہ ۱۰۷۴ھ میں ہوئی تھی ۔ شجاعت میں نامور تھا۔ تخت نشینی کے تیسرے دن بولونیا پر فوج کشی کی اور کئی مقامات پر فتوحات حاصل کیں۔

محاربات

پیٹر اعظم زار روس نے ازاق کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اس کو فتح کر کے بحیرہ اسود پر روسی بندرگاہ بنا لے ۔ سلطان نے پہنچ کر اس کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر ہنگری پر حملہ کیا اور قلعہ لیپا فتح کرتے ہوئے مقام لوگوس میں جنرل فترانی ہنگری کے سپہ سالار کو سخت شکست دے کر مع چھ ہزار سپاہیوں کے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

۱۱۰۷ھ میں اولاش میں آسٹریوں پر فتح حاصل کی جس کی وجہ سے وہاں کا مشہور سپہ سالار ادجن ذی سافوا مقابلے کے لئے آیا۔ اس نے ترکوں پر اس وقت اچانک حملہ کر دیا جب کہ وہ دریائے تیس کو عبور کر رہے تھے ۔ نہایت ابتری پھیلی بہت سے ترک مقتول اور بہت سے غرق ہوگئے۔ صدر اعظم الماس پاشا بھی مارا گیا اور اگر سلطان دریا کے اس پار نہ ہوتا تو وہ بھی نہ بچتا۔ اس کے بعد ادجی نے بوسینیا پر قبضہ کر لیا۔

سلطان کو اس طرف مشغول دیکھ کر پیٹر اعظم نے ازاق پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے سلطنت عثمانی دو طرف سے خطرے میں پڑ گئی ادھر آسٹریا۔ ادھر روس لیکن حسین پاشا کو پریلی نے جزیرہ ودس جمہوریہ وینس سے واپس لیا۔ آخر میں ۱۱۱۰ھ میں دولت علیہ کا روس ۔ اسٹریا ۔ وینس اور بولونیا کے ساتھ معاہدہ ہوا جو عہد نامہ ردفتش کے نام سے مشہور ہے اس میں ترکوں کو ہنگری اور ٹرانسلوانیا آسٹریا کے لئے یوکرین بولونیہ کے لئے ۔ ازاق روس کے لئے اور جزیرہ نمائے مورہ اور اقلیم ڈلماسیا وینسکے لئے چھوڑنا پڑا۔ نیز یہ کہ آسٹریا آئندہ اس کو کوئی رقم بطور جزیہ کے بلکہ ہدیہ کے بھی نہیں دے گا۔

مسئلہ شرقیہ

اس مسئلہ کا آغاز اگرچہ پہلے سے ہو چکا تھا لیکن اس معاہدے کے بعد دول یورپ کے مطامع ترکی املاک کی طرف بڑھ گئے اور دریائے وینس کی شکست کے بعد ترکی فوجوں کا اہل مغرب پر جو رعب تھا جاتا رہا۔ اس لئے ان دولتوں نے یہ طے کر لیا کہ نہ صرف یہ کہ ترکوں کو آگے بڑھنے سے روکیں بلکہ رفتہ رفتہ یورپ سے خارج کر دیں تاکہ اسلام مسیحیت کا حریف نہ بن سکے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو مسئلہ شرقیہ کے نام سے موسوم ہے اور جو حقیقتاً بالکل مذہبی ہے مگر کمزور مسیحی اقوام کی حمایت کے نام سے اس پر سیاسی پردہ ڈالا گیا ہے۔

صدر اعظم حسین پاشا نے ملک کو خطرات سے گھرا ہوا دیکھ کر نہایت ہمت اور فرزانگی سے داخلی اصلاح کی طرف توجہ کی تاکہ اقتصادی حالت کی درستی سے فوجی قوت میں اضافہ ہو۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ مسیحی رعایا کو راضی رکھنے کی کوشش کی اور ان کے

ساتھ مراعات برتی تاکہ دشمنان دولت کو اپنے وسائس سے ان میں بغاوت پھیلانے کا موقع نہ مل سکے۔

حسین پاشا نے ملک کی انتظامی حالت بہت کچھ ٹھیک کرلی تھی اور سب کو امیدیں ہو گئی تھیں کہ وہ دولت علیہ کی قوت اور شوکت کو پھر تازہ کردے گا۔ لیکن شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کی در اندازیوں سے جو سلطان کا استاد تھا حسین پاشا کو صدارت چھوڑنی پڑی اس کی جگہ پر مصطفیٰ پاشا آیا جو چاہتا تھا کہ معاہدہ کارلوفتس کو توڑ کر آسٹریا پر فوج کشی کرے۔ شیخ الاسلام نے اس کو بھی برطرف کرا دیا اور اپنے ایک خاص دوست رامی پاشا کو صدارت دلوائی جس نے شیخ الاسلام کے چاروں بیٹوں کو بڑے بڑے مناصب پر مقرر کر دیا۔ انکشاریہ اور دیگر امراء نے رامی پاشا کی مخالفت کی اور سلطان سے اس کی معزولی کے خواہاں ہوئے۔ اس نے شیخ الاسلام کے دباؤ سے انکار کر دیا جس پر انہوں نے ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں سلطان کو معزول کر کے اس کے بھائی احمد کو تخت پر بٹھا دیا۔

احمد ثالث

احمد پسر سلطان محمد رابع کی ولادت ۳ رمضان ۱۰۸۳ھ میں ہوئی تھی اس کے تخت پر بیٹھتے ہی انکشاریہ نے شیخ الاسلام فیض اللہ کو قتل کر ڈالا۔ سلطان نے اپنے داماد حسن پاشا کو صدر اعظم مقرر کر دیا اس نے امن و امان قائم کیا۔ نیز بہت سے مدرسے کھولے اور ترسانہ یعنی کارخانہ جہاز سازی کو ترقی دی۔

پیٹر اعظم

زار روس پیٹر اعظم نے جو لائحہ عمل اپنے ملک کے سامنے رکھا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہم ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف قسطنطنیہ سے قریب تر ہوتے جائیں کیونکہ ہندوستان کی دولت جس کے پاس ہو وہ ساری دنیا سے بے نیاز ہے اور قسطنطنیہ پر جس کا قبضہ ہو وہ سارے عالم پر حکومت کر سکتا ہے چنانچہ اس لئے اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے سوید کے بادشاہ شارل دوازدہم کے ساتھ جنگ شروع کی تاکہ درمیانی سلطنتوں کو کمزور کر کے قسطنطنیہ کے لئے اپنا راستہ صاف کرے۔

افسوس یہ ہے کہ اس وقت ترکوں نے پیٹر کی سیاست کو مطلق نہیں سمجھا ورنہ ان کمزور سلطنتوں کی حمایت کرتے۔ شارل نے ہر چند اعانت طلب کی۔ لیکن باب عالی نے کوئی توجہ نہیں کی۔ حالانکہ وہ اس قدر بہادر تھا کہ روسیوں کو اس نے متعدد شکستیں دی تھیں اور دولت علیہ نے اس کی مدد کی ہوتی تو غالباً ماسکو پر قابض ہو جاتا۔ آخر میں بولٹاوا میں شکست کھانے کے بعد وہ بااُمید امداد عرصہ تک ترکی علاقہ میں پڑا رہا۔ مگر جب کوئی صورت نہ دیکھی تو چلا گیا۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب بلطہ جی محمد پاشا صدارت پر آیا تو روس کے ساتھ جنگ چھڑ گئی محمد پاشا نے دو لاکھ فوج کے ساتھ پیٹر اعظم اور اس کی ملکہ کیتھرائن کو دریائے بروت کے متصل ایک قلعہ میں محصور کر لیا لیکن ملکہ مذکورہ نے اپنے زیورات اور جواہر اس کی خدمت میں بھیج دیئے جس کی وجہ سے اس نے ۹ جمادی الثانی ۱۱۲۳ھ کو پیٹر سے صرف یہ معاہدہ لکھوا کر کہ وہ قوزاق کے معاملہ میں دخل نہ دے گا۔ محاصرہ اٹھا لیا سلطان نے اس خیانت پر اس کو معزول کر دیا اور یوسف پاشا کو صدر بنایا جو صلح پسند تھا اس نے روس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ فریقین میں ۲۵ سال تک جنگ نہ ہو گی مگر چند ہی مہینوں کے بعد بوجہ اس کے کہ پیٹر نے معاہدہ مذکور کی بعض شرطیں پوری نہیں کیں جنگ چھڑ گئی۔ ہالینڈ اور انگلینڈ نے اپنے تجارتی نقصانات کے خطرے سے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی اور نہ میں معاہدہ لکھا گیا جس میں روس کو بحیرہ اسود پر کوئی بندرگاہ نہیں دی گئی۔

۱۱۲۷ھ میں جمہوریہ وینس کی حمایت سے مانٹی نیگرو نے بغاوت کی۔ صدر اعظم علی پاشا نے فوجیں لے جا کر جزیرہ مورہ اور اس سارے عثمانی علاقہ پر قبضہ کر لیا جو اس نے دبا رکھا تھا وینس نے فرانس اور آسٹریا سے امداد چاہی پرنس اوجین فوج لے کر آیا علی پاشا مقابلے میں مارا گیا اور ترک شکست کھا گئے پرنس مذکور تمسوار اور بلغراد لیتا ہوا نیش تک آ گیا اس وقت انگلینڈ اور فلمنگ نے باہم مصالحت کرا دی جس میں بلغراد اور سربیا کے ایک بڑے حصے سے دولت علیہ کو دستبردار ہونا پڑا۔ علی پاشا کی جگہ ابراہیم پاشا

صدر ہوا جو سلطان کا رشتہ دار تھا اس نے باسفورس کے ساحل پر عالی شان محلات تعمیر کرائے اور ان میں باغات لگائے روزانہ طرب و نشاط کی محفلیں کرتا تھا جن میں خود سلطان بھی شریک ہوتا تھا اس وجہ سے اکثر ارکان سلطنت میں عیش پرستی کا مرض پھیل گیا۔

ایران

اس زمانے میں میر اشرف کے تغلب سے شاہ ایران طہماسپ خراسان کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ترکی فوجوں نے یورپ کے نقصان کی تلافی کے لئے آرمینیہ اور گرجستان پر قبضہ کر لیا۔ شاہ طہماسپ نادر خاں کو ساتھ لے کر اصفہان کی طرف آیا اور میر اشرف کو شکست دے کر اپنے آبائی تخت پر قابض ہو گیا پھر باب عالی میں سفیر بھیجا کہ جو حصے ایران کے لئے گئے ہیں چھوڑ دیئے جائیں صدر اعظم اور سلطان دونوں اپنے عیش میں مصروف تھے کسی نے کوئی توجہ نہ کی طہماسپ نے بڑھ کر تبریز پر قبضہ کر لیا اور ترکی فوجوں کو مار کر نکال دیا اس وجہ سے امراء انکشاریہ نے صدر اعظم کو قتل کر کے اس کے اموال لوٹ لئے اور سلطان کو مخلوع کر کے اس کے بھتیجے محمود کو تخت نشین کر دیا۔

سلطان احمد کے زمانے میں ترکی سلطنت میں پہلا مطبع قائم کیا گیا اس کے کھولنے کی اجازت مفتی اعظم نے اس وقت دی جب یہ شرط لے لی کہ اس میں قرآن نہ چھاپا جائے کیونکہ موصوف کو تحریف کا خطرہ تھا۔

محمود اول

محمود اول سلطان مصطفی ثانی کا بیٹا ہے اس کی ولادت ۳ محرم ۱۱۰۸ھ میں ہوئی تھی۔ ۱۱۴۳ھ میں سریر سلطنت پر آیا اس وقت ایک حمام بطرونہ خلیل جو اس جماعت کا سرغنہ تھا جس نے احمد کو مخلوع کیا تھا مہمات سلطنت پر قابض تھا محمود نے اس کے استبداد سے تنگ آکر اس کو قتل کرا دیا اور طوبال عثمان پاشا کو صدارت پر بلایا۔

نادر شاہ

اس زمانے میں ایران میں نادر شاہ افشار تخت پر آگیا تھا اس نے بغداد پر چڑھائی کی۔ طوبال پاشا نے جا کر مقابلہ کیا مگر مارا گیا نادر نے پھر موصل پر حملہ کیا اور وہاں بھی ترکوں کو شکست دے دی۔ آخر میں ۱۸ جمادی الاول ۱۱۴۹ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۷۳۶ء میں تفلیس میں باہمی عہد مصالحت ہوا جس میں دو سلطنتوں کے حدود وہ رکھے گئے جو مراد رابع کے زمانے میں ۱۶۳۹ کے معاہدے میں طے ہوئے تھے۔

روس و آسٹریا

محاربات عجم کی مصروفیت کے زمانے میں روسیوں نے فوج کشی کی۔ دولت علیہ نے بھی فوجیں بھیجیں۔ روس نے آسٹریا کو بھی اپنے ساتھ متحد کر لیا لیکن علی پاشا والی بوسینیا اور کوپریلی پاشا نے منیس میں اس کو سخت شکست دی اور بلغراد بھی لے لیا۔ صدر اعظم یکن پاشا نے اس سے بھی آگے بڑھ کر اس کو سمندرہ میں ہزیمت دی ادھر خان کریمیا اور سرعسکر عثمان پاشا نے روسیوں کو شکست دے کر ہٹایا اس وجہ سے ان دونوں سلطنتوں نے فرانسیسی سفیر کے توسط سے صلح چاہی۔ ۱۴ جمادی الثانی ۱۱۵۳ھ کو عہد مصالحت لکھا گیا جس میں آسٹریا سے بلغراد اور روس نے ازاق سے دست برداری لکھی۔ نیز یہ کہ روس کو بحیرہ اسود میں کسی جنگی کشتی رکھنے کا حق نہ ہوگا۔

۱۱۵۶ھ میں نادر شاہ نے پھر بغداد پر حملہ کیا۔ قریب تھا یکن پاشا اس کو شکست دے دے لیکن تپ محرقہ میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا جس کی وجہ سے ترکوں نے ہزیمت اٹھائی۔ اور دولت علیہ کو مصالحت کرنی پڑی۔ نادر شاہ نے سلطان محمود کے پاس بوجہ خلیفۃ المسلمین ہونے کے بار بار درخواست بھیجی کہ مذہب جعفری پانچواں مذہب تسلیم کیا جائے اور خانہ کعبہ میں جہاں چار مصلے ہیں۔ ایک مصلی جعفری بھی بڑھایا جائے لیکن ترکی کے شیخ الاسلام نے اس کو منظور نہیں کیا۔ ان محاربات کے بعد سلطان محمود نے اپنی تمام تر توجہ ملک کے اندرونی انتظامات کی طرف منعطف کی اور نو سال تک لگاتار علمی اور اقتصادی ترقی دینے میں مشغول رہا۔ ایاصوفیہ اور جامع محمد فاتح میں کتب خانے قائم کئے اور نور عثمانیہ نامی ایک جامع بھی تعمیر کرائی۔

فرانس

۱۷۴۰ء مطابق ۱۱۵۴ھ آسٹریا کے بادشاہ کی وفات پر اس کی بیٹی تخت پر بیٹھی۔ شاہ فرانس نے اپنی پرانی عداوت کی وجہ سے

بعض دول کے ساتھ مل کر تقسیم کے ارادے سے آسٹریا پر حملہ کیا۔ سلطان محمود کو بھی لکھا کہ اس موقع پر اگر دولت علیہ بھی فوج کشی کر دے تو ہنگری یقیناً اس کو واپس مل جائے گا جس سے روسی پیش قدمی کا سدباب ہو سکے گا۔ ورنہ رفتہ رفتہ روس ان حدود میں اتنی طاقت حاصل کرے لے گا کہ سلطنت عثمانیہ خطرے میں پڑ جائے گی۔ ہرچند کہ شاہ فرانس کا یہ مشورہ اپنی غرض کی بنیاد پر تھا لیکن دولت علیہ کے بھی فائدہ سے خالی نہ تھا۔ مگر سلطان نے کچھ توجہ نہ کی اور آخر کار اس موقع کو کھو کر وہ نتائج دیکھنے پڑے جو دوسری صورت میں شاید نہ دیکھنے پڑتے۔ ۱۱۶۸ھ میں جمعہ کی نماز سے واپس آتے ہوئے راہ میں گھوڑے کی پشت پر ہی سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔

عثمان ثالث

عثمان پسر سلطان مصطفیٰ ثانی کی ولادت ۱۱۱۰ھ میں ہوئی تھی محمود کے انتقال کے بعد ۱۱۶۸ھ میں سریر سلطنت پر آیا اس کے عہد میں کوئی اہم بات نہیں ہوئی صرف آستانہ میں آتش زدگی کئی بار ہوئی جن میں سخت نقصانات ہوئے۔ عثمان بدخلق اور وہمی تھا۔ خفیف باتوں پر امراء سے بدگمان ہو جاتا تھا اکثر راتوں کو بھیس بدل کر دریافت حالات کے لئے نکلتا تھا۔ شطرنج کا شیدائی تھا اور جانوروں کا عاشق ایک بار اس کا گھوڑا مر گیا۔ اس کے لئے اسکدار میں نہایت مکلف قبر بنوائی اور دفن کیا۔ اس کے سہ سالہ عہد میں سات وزیر بدلے گئے۔ آخری محمد راغب پاشا تھا جو علم دوست اور مدبر تھا۔ سلطان عثمان نے ۱۶ صفر ۱۱۷۱ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۷۵۷ء میں وفات پائی۔

مصطفیٰ ثالث

عثمان کی وفات کے بعد مصطفیٰ ثالث پسر سلطان احمد ثالث جس کی عمر ۴۳ سال کی تھی تخت نشین کرایا گیا اس کے زمانے میں راغب پاشا صدر اعظم نے ملک کے اندرونی انتظامات بہت کچھ ٹھیک کر لئے تھے۔ نیز مدرسے اور کتب خانے کھولے لیکن چند ہی سال کے بعد ۱۱۷۶ھ میں انتقال کر گیا۔

روس

اس زمانے میں روس نے اپنے ہر شعبے میں ترقی کی تھی۔ خاص کر اس کی فوجی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ ۱۱۸۳ھ میں اس نے آسٹریا اور پرشیا کو متحد کر کے دولت علیہ کے ساتھ جنگ شروع کی اور فتوحات حاصل کرتا ہوا رومانیہ تک آگیا۔ دوسری طرف اس کے فرستادوں نے جزیرہ مورہ میں پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ روسی بیڑے نے بحیرہ بالٹک سے مغربی سواحل کو قطع کرتے ہوئے یونان کے بندرگاہ کورون پر پہنچ کر لنگر ڈالا اس کے بھروسے پر مورہ والوں نے بغاوت کر دی لیکن عثمانی فوج نے فوراً ہی اس کو فرو کر دیا روسی بیڑے نے آگے بڑھ کر ترکی بیڑے کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اس کے بعد اس کی دو تار پیڈو کشتیاں خلیج چشمہ میں آگئیں۔ جنہوں نے ازمیر کے متصل عثمانی بیڑے کو ایک طرف سے غرق کر دیا روسی امیر الفنسٹن نے ارادہ کیا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرے اس لئے جزیرہ لمنوس پر قبضہ کر کے اس کو اپنا مستقر بنایا۔

اس فرصت میں ہنگری کے ایک سپہ سالار بیرون دی توت نے جو دولت علیہ کی ملازمت میں تھا درہ دانیال کے قلعوں کو درست کر کے ان کے اوپر بھاری توپیں چڑھا دیں۔ نیز متعدد تجارتی جہازوں کو توپوں سے مسلح کر کے جنگی بنا لیا۔ ایک کارخانہ توپ ڈھالنے کے لئے اور دوسرا جہاز سازی کے لئے قائم کر دیا اس کے ساتھ توپ کے استعمال اور جدید بحری فنون حرب کے لئے ایک مدرسہ بھی کھولا جس میں تھوڑے عرصہ میں بہت سے بحری جنگ کے واقف امراء تیار ہو گئے انہیں میں سے قبودان حسن بک تھا جس نے دوسرے سال روسیوں کو جزیرہ لمنوس سے شکست دے کر نکال دیا۔

دوسری طرف روسی فوجیں کریمیا میں داخل ہو گئیں اور وہاں کے امیر سلیم گرائی خاں سے جو دولت علیہ کا ماتحت تھا وعدہ کیا کہ ہم تم کو مستقل امیر تسلیم کر لیں گے چنانچہ اس نے اس فریب میں آکر ان کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ اپنے دونوں بیٹوں کو سینٹ پیٹرسبرگ میں ملکہ کیتھرائن کے پاس بھیج کر اطاعت کا اظہار کیا۔ مگر روسیوں نے کریمیا میں داخل ہو جانے کے بعد اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اس لئے مجبوراً سلیم گرائی نے دولت علیہ کے پاس پناہ لی۔ روسی فوجیں بڑھتی ہوئی بلقان تک آگئیں اس وقت انہوں نے شرائط صلح پیش کی لیکن وہ نہایت سخت تھیں اس لئے قبول نہیں کی گئیں اور ترکی فوجوں نے جم کر مقابلہ شروع کیا۔

مصر

علی بک مصر کا والی تھا روسیوں نے اس کو بھی آزادی کا سبز باغ دکھا کر دولت علیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس نے

شام کے شہروں غزہ نابلس ۔ بیت المقدس ۔ یافا اور دمشق وغیرہ فتح کرلئے چاہتا تھا کہ اناطولیہ پر حملہ آور ہو۔ لیکن مصر کے ممالک میں سے ایک امیر محمد بک ابو ذہب نے سر اٹھایا تھا جس کے مقابلے کے لئے واپس گیا ابو ذہب نے علی بک اور اس کے ساتھ روسی مددگار امراء کے سر کاٹ کر ۱۱۸۷ھ میں قسطنطنیہ بھیج دیئے۔ اسی سال سلطان مصطفیٰ پیہم شکستوں اور بغاوت کے تردات سے متأثر ہو کر ۹ شوال کو انتقال کر گیا۔ یہ نجوم کا بہت قائل تھا ہر کام کے لئے منجموں سے ساعت پوچھتا تھا۔ اور دولت کا سخت حریص اور نہایت خسیس لیکن جنگ روس میں اپنا سارا جمع کردہ سرمایہ صرف کر دیا ایک جامع اس کی یادگار ہے جو اس نے اپنی والدہ کی قبر پر بنوائی تھی نیز جامع فاتح کی بھی مرمت کرائی جو زلزلہ سے شکستہ ہو گئی تھی۔

عبدالحمید اول

عبدالحمید اول پسر سلطان احمد ثالث کی ولادت ۱۱۳۶ھ میں ہوئی تھی سلطان مصطفیٰ کے گذر جانے پر ۱۱۸۷ھ میں تخت پر بیٹھا۔ امور سلطنت اور سیاست سے بے خبر تھا اس لئے عثمانیوں کو اس کے جلوس سے کوئی امید بھی نہ تھی۔
اس وقت اندرونی بغاوتوں اور بیرونی جنگوں کی وجہ سے سلطنت کی حالت نہایت سقیم ہو رہی تھی۔ خزانہ بالکل خالی تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے جلوس کے موقع پر فوج کو حسب دستور کوئی انعام بھی نہیں دے سکا۔

روس

روس پوری طاقت سے جنگ میں مشغول تھا۔ صدر اعظم نے روسی فیلڈ مارشل رومانزوف سے مجبوراً بخارسٹ کی شرائط پر جن کو مصطفیٰ ثالث نے نامنظور کر دیا تھا صلح کر لی۔ ۱۴ جولائی ۱۷۷۴ء میں اس عہد نامے کی تکمیل ہوئی اس کی رو سے گرجستان و چرکس مع قلعہ ازاق کے روس کو مل گئے اور کریمیا دولت علیہ کی سیادت سے نکل کر ایک مستقل سلطنت ہو گئی۔

ایران

ملک کی اندرونی حالت اس وقت نہایت ابتر تھی صدر اعظم نے اس کے انتظام کی طرف پوری توجہ مبذول کی لیکن اسی اثناء میں کریم خاں زندے جو تخت پر غاصبانہ قابض ہو گیا تھا۔ عراق پر لشکر کشی کر دی اور بصرہ پر قبضہ بھی کر لیا۔ سلیمان پاشا والی بغداد نے متعدد معرکوں کے بعد اس کو وہاں سے نکالا۔

کریمیا

کریمیا میں استقلال کے بعد ہی روس نے ۱۱۹۸ھ میں اندرونی وسائس سے شورش برپا کر کے فوجیں بھیج دیں جنہوں نے اس پر قبضہ کر لیا اس کے بعد روس اور آسٹریا نے ترکی سلطنت کو آپس میں تقسیم کر لینے کا منصوبہ باندھا اور اس کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے انگلستان میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی۔
صدر اعظم خلیل پاشا تجربہ کار اور دانش مند تھا۔ اور روس اور آسٹریا کی نیتوں سے اچھی طرح واقف۔ اس نے فرخ علی پاشا کو بھیج کو قفقاز کے مسلمانوں کی ایک عظیم الشان جمعیت تیار کی تھی۔ چاہتا تھا کہ کریمیا کو فتح کر کے روسی مطامع کا سد باب کر دے لیکن خود غرض امراء کے حسد کی وجہ سے وہ اپنے منصب سے معزول کر دیا گیا جس کی وجہ سے یہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔

مصر

۱۲۰۰ھ میں مصر میں فتنے برپا ہوئے۔ حسن پاشا قبودان جنگی کشتیاں لے کر گیا اور ان کو فرو کر کے واپس آیا۔

روس و آسٹریا

۱۲۰۱ھ میں روس نے پھر جنگ شروع کی۔ دوسری طرف آسٹریا نے بھی چڑھائی کر دی دولت علیہ کو دونوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ آسٹریا کے محاذ پر صدر اعظم خوجہ یوسف پاشا خود گیا اور شکست پر شکست دے کر پچاس ہزار آسٹریوں کو گرفتار کر لیا لیکن روس کے مقابلے میں ترکوں نے ہزیمت اٹھائی۔ مگر اسی درمیان میں سوید کے ساتھ روسیوں کی جنگ چھڑ گئی۔

وفات

۱۲۰۳ھ میں عبدالحمید اول نے انتقال کیا۔ نیک دل خوش عقیدہ اور متقی تھا لیکن سیاست اور اصول حکومت سے بے خبر۔ اس کے عہد میں دولت علیہ بہت کمزور ہو گئی جس کی وجہ سے روس و آسٹریا وغیرہ مغربی دول نے اس کو اپنی مطامع کی جولانگاہ بنا لیا۔

سلیم ثالث

سلیم پسر مصطفیٰ ثالث کی پیدائش ۱۱۷۵ھ میں ہوئی تھی ۔ ۲۸ سال کی عمر میں ۱۲۰۳ھ میں تخت نشین ہوا اس وقت ہر طرف سے جنگ اور یورش کی گھٹائیں ملک پر چھائی ہوئی تھیں اور لشکر مسلسل لڑائیوں سے تباہ اور خزانہ خالی تھا۔

وس و آسٹریا

، روسی فوجیں فلاخ ، بغدان کو فتح کرتی ہوئی بسری بیاتک پہنچ گئیں۔ دوسری طرف آسٹریا نے بھی تازہ دم فوجوں سے فتوحات ردع کیں۔ صدر اعظم شریف حسین پاشا نے ان کو لے کر آسٹریا کو برکوئی پر سخت شکست دے دی اسی زمانے میں آسٹریا کا بادشاہ سف ثانی مرگیا اور اس کی جگہ لیوپولڈ دوم تخت نشین ہوا چونکہ یہ اس وقت لوئیس شانزدہم شاہ فرانس کے خلاف اسکے ملک میں سخت اوت تھی اس وجہ سے لیوپولڈ نے اس خوف سے کہ کہیں اس کے شعلے آسٹریا تک نہ پہنچ جائیں مناسب سمجھا کہ دولت علیہ سے صلح کر کے اپنی ساری قوت ملک میں جمع رکھے ۔ چنانچہ مقام استوار میں ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو عہد مصالحت لکھا گیا جس میں آسٹریا نے وہ سارا صہ جو فتح کر لیا تھا معہ بلغراد اور سربیا کے واپس کر دیا اور سابقہ حدود برقرار رہے اس کے بعد انگلستان اور پروشیا کے توسط سے وس کے ساتھ بھی صلح ہو گئی اور ۱۵ جمادی الاول ۱۲۰۶ھ کو معاہدہ لکھا گیا جس میں دولت علیہ نے کریمیا بسر بیبیا اور وہ سارا علاقہ جو دریائے بوح اور دنیسٹر کے درمیان ہے روس کے لئے چھوڑ دیا۔

اصلاحات

ان لڑائیوں میں سلطان نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی کہ عثمانی فوج خاص کر انکشاریہ کی بدنظمی ، نافرمانی اور ابتری کی وجہ سے پے در پے شکستیں اٹھانی پڑتی ہیں اس لئے ان معاہدات کے بعد اس نے اپنی تمام توجہ فوج کی اصلاح کی طرف مبذول کی ۔ کوچک حسین کو جو ایک ذہین اور یورپ کی افواج اور سیاسیات سے باخبر شخص تھا۔ ناظم افواج مقرر کیا اس نے بری اور بحری فوجوں کی تنظیم شروع کی ۔ متعدد جنگی جہاز جدید اصول کے مطابق تیار کرائے ۔ سرحدوں پر مدافعت کے لئے قلعے بنوائے ۔ سوئیڈن اور انگلستان سے بہت سے ماہرین کو بلا کر توپ ڈھالنے کے کارخانے میں لگایا اور مدرسہ بحریہ اور توپچیہ کو جس کو ہنگری امیر بیرون دی توت نے قائم کیا تھا ۔ ترقی دی فن حرب اور استحکامات جنگی پر جو کتابیں فرنچ میں لکھی گئی تھیں۔ ان کے ترجمے کرائے تاکہ ترکی فوجی طلباء مغربی فنون جنگ سے واقف ہوں۔

جدید اصول پر پہلا فوجی دستہ جس کی تعداد بارہ ہزار تھی ۱۲۱۰ھ میں تیار ہوا اس کی قیادت ایک نو مسلم انگریز انگلیز مصطفیٰ نامی کے سپرد کی گئی۔

نپولین

جمہوریہ فرانس نے ۱۲۱۳ھ میں نپولین بونا پارٹ کو ۳۶ہزار بحری فوج کے ساتھ فتح مصر کے لئے بھیجا تاکہ ہندوستان کے ساتھ انگریزی تجارت روک دی جائے اس نے بلا اعلان جنگ پہلے مالٹہ پر قبضہ کیا۔ پھر اسکندریہ میں لا کر فوجیں اتاریں ابراہیم بک اور مراد بک امراء ممالیک جو دولت علیہ سے باغی ہو کر مصر پر بالا ستقلال قابض ہو گئے تھے ۔ مقابلہ میں شکست کھا گئے اور نپولین نے قاہرہ پر تسلط حاصل کر لیا وہاں اس نے یہ بیان کیا کہ میں مصر کو فتح کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ دولت علیہ کی امداد کے لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ اس کے باغیوں کی سرکوبی کروں۔

دولت علیہ کو جب اطلاع موصول ہوئی تو اس نے نپولین سے لڑنے کی تیاری شروع کر دی اس وقت روس اور آسٹریا کی طرف سے اطمینان تھا کیونکہ وہ دونوں جمہوریہ فرانس کے ساتھ برسرپیکار تھیں۔ انگریزوں نے بھی مصر سے نپولین کو نکالنے میں ترکوں سے مدد کا وعدہ کیا۔ کیونکہ اس نے ہندوستان کے ساتھ ان کی تجارت خطرے میں پڑ گئی تھی اور روس نے بھی بحیرہ اسود کے جنگی جہازوں سے ترکوں کے دوش بدوش لڑنے کی درخواست کی ۔ باب عالی نے ۲۱ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ میں فرانس کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا اور دمشق میں فوجیں جمع کیں ۔ بحری حملے کے لئے ترکی جہازوں کے ساتھ روسی اور انگریزی آہن پوش بحیرہ روم میں آگئے ۔

نپولین ترکوں کے مقابلہ کے لئے تیرہ ہزار فوج لے کر عریش سے شام کی طرف چلا۔ غزہ رملہ اور یافا فتح کرتا ہوا عکا کا محاصرہ کیا لیکن بحری سمت سے وہاں امداد اور رسد پہنچتی تھی اور محاصرہ کے لئے جو توپیں مصر سے روانہ ہوئی تھیں ان کو سڈنی اسمتھ انگریزی امیر البحر نے چھین لیا تھا علاوہ بریں والی عکا احمد پاشا جزار نہایت بیدار مغز اور شجاع تھا اس لئے نپولین اس کو فتح نہ کر سکا جب ترکی فوجیں دمشق سے بڑھیں تو وہ محاصرہ اٹھا کر قاہرہ میں آگیا۔ یہاں ترکی جہازوں نے رودس سے ۱۸ہزار فوجیں لا کر اتار دی تھیں۔ جو ابو قیر میں تھیں۔ نپولین نے جا کر ان کو شکست دے دی اور ان کے سپہ سالار مصطفی پاشا اور فوج کے بڑے حصے کو گرفتار کر لیا۔ اسی درمیان میں اس کو خبر ملی کہ فرانس میں آسٹریا سے پے در پے شکست کھانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی ہے اس لئے انگریزی جہازوں کے خوف سے رات کو خفیہ اسکندریہ سے نکل بھاگا ۔ اس کی فوج بھی چند مقابلوں کے بعد ۲۸ صفر ۱۲۱۶ھ میں مجبوراً مصالحت کر کے معہ اپنے ساز و سامان کے مصر چھوڑ کر چلی گئی۔

فرانس پہنچ کر نپولین رئیس جمہوریہ منتخب ہو گیا اس نے دولت علیہ کے قنصل اسعد افندی کے توسط سے باب عالی سے لکھا کہ روس جزائر یونان پر قابض ہو چکا ہے اور انگریز مصر میں قدم جمائے ہوئے ہیں ان کی دوستی میں ترکی سلطنت کے لئے خطرات ہیں لہذا فرانس کے ساتھ قدیمی دوستانہ تعلقات پھر قائم ہونا چاہئیں۔ دولت علیہ اس حقیقت سے بے خبر تھی چنانچہ جمادی الثانی ۱۲۱۶ھ میں دونوں سلطنتوں میں جدید عہد نامہ لکھا گیا جس میں فرانس نے مصر اور جزائر یونان پر دولت علیہ کے مکمل حقوق تسلیم کئے اور دولت علیہ نے اس کے سابقہ امتیازات عطا فرمائے۔ اس کے دوسرے سال انگریزوں نے مصر خالی کر دیا ۔ جزائر یونان کی ایک مستقل جمہوریہ قائم کر کے باتفاق روس دولت علیہ کے تابع کر دی گئی۔

اس کے بعد نپولین نے اپنا سفیر قسطنطنیہ میں بھیجا تاکہ تعلقات زیادہ مستحکم ہو جائیں اس کی کوشش سے فلاخ اور بغدان کے امراء جو روس کے طرفدار تھے موقوف کر دیئے گئے اور ان کی جگہ دوسرے والی بھیجے گئے اس پر روس نے بلا اعلان جنگ وہاں اپنی فوجیں بھیج دیں جس کی وجہ سے ترک لڑائی پر مجبور ہو گئے ۔ انگریزوں نے روس کا ساتھ دیا ان کا بیڑہ درہ دانیال کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور انگریزی سفیر ارتھمناٹ نے باب عالی میں یہ مطالبات پیش کئے کہ انگلستان کے ساتھ حلیف ہونے کا عہد کیا جائے اور ترکی بیڑہ اور درہ دانیال کے قلعے اس کے حوالے کر دیئے جائیں اور فلاخ و بغدان روس کے ورنہ انگریزی بیڑہ مجبور ہو گا کہ آبنائے سے

گذر کر آستانہ پر گولہ باری کرے۔
فرانسیسی سفیر کی کوشش سے یہ مطالبات نامنظور کر دیئے گئے جس پر انگریزی بیڑے نے گیلی پن تک بڑھ کر عثمانی جہازوں پر گولہ باری کی لیکن آگے نہیں جاسکا۔ مقابلے کی تیاریں دیکھ کر واپس ہوااوز مصر کے سواحل میں جاکر اسکندریہ کو محصور کر لیا لیکن وہاں کے والی محمد علی پاشا کی بیدار مغزی سے کچھ نہ کر سکا اور بے نیل مرام واپس گیا۔

معزولی

سلیم نے جو جدید فوج تیار کی تھی اس کی وجہ سے انکشاریہ اور غیر منتظم فوج کی وقعت گھٹ گئی ۔ اس لئے انہوں نے فوجی اصلاح کی مخالفت شروع کی ۔ علماء اور بعض امراء نے ان کا ساتھ دیا ان لوگوں نے ایک فتنہ پرداز شخص قباقچی مصطفی نامی کی قیادت میں بغاوت کا اعلان کر دیا اور سلطان سے ان وزراء کے قتل کا مطالبہ کیا جو ان اصلاحات کے حامی تھے سلطان کو تسکین فتنہ کے لئے ان کا مطالبہ منظور کرنا پڑا۔ لیکن انہوں نے اسی پر اکتفانہ کی بلکہ شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی سے سلطان سے خلع کا فتویٰ لے کر اس کو تخت سے اتار دیا اور مصطفیٰ کو سلطان بنا دیا۔
سلطان سلیم نیک دل ۔ بہادر اور علم دوست تھا لیکن اسی کے ساتھ طبیعت میں نرمی اور مہربانی بہت تھی جس کی وجہ سے باغیوں سے دب گیا اور اس کی ساری اصلاحی کوششیں اکارت گئیں۔

مصطفیٰ رابع

مصطفیٰ رابع پسر سلطان عبدالحمید کی ولادت ۱۱۹۳ھ میں ہوئی تھی ۲۹ سال کی عمر میں ۱۲۲۲ھ میں تخت پر بٹھایا گیا اس نے ان تمام اصلاحات کو جو سلیم کے وقت میں نافذ کی گئی تھیں ایک قلم منسوخ کر دیا۔ اس وقت دولت علیہ اور روس میں دریائے طونہ کے کنارے جنگ ہو رہی تھی وہاں جب یہ خبر پہنچی تو انکشاریہ نے خوشی منائی لیکن صدر اعظم حلمی ابراہیم پاشا نے افسوس کا اظہار کیا تو انکشاریہ نے اس کو قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے فوج میں ابتری پھیل گئی خوش قسمتی سے روس اس وقت نپولین کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گیا تھا ورنہ اس کا نتیجہ ترکوں کے حق میں نہایت برا ہوتا۔ روس نے نپولین سے شکست کھائی اس لئے اس کو ترکوں سے بھی صلح کرنی پڑی۔

اس کے بعد ۷ جون ۱۸۰۷ء میں ایک خفیہ معاہدہ زار روس اسکندر اول اور دولت علیہ کے دوست نپولین کے درمیان ہوا جس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ فرانس کے توسط سے اگر روس کے مطالبات باب عالی نے منظور نہ کئے تو دونوں متحد ہو کر بجز آستانہ اور اس کے حوالی کے جملہ عثمانی مغربی مقبوضات آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ بوسنیا، البانیا، یونان اور مقدونیا فرانس لے گا اور رومانیہ اور بلغاریہ روس، سربیا، آسٹریا کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔

یاران روسچق

آستانہ میں سلطان مصطفیٰ نے جب اصلاحات کو منسوخ کیا اس وقت رجال اصلاح میں سے پانچ شخص تحسین آفندی، بہج آفندی راسز آفندی، رفیق آفندی اور غالب آفندی جو یاران روسچق کے نام سے تاریخ میں مشہور ہیں۔ بھاگ کر علمدار مصطفیٰ پاشا والی روسچق کے پاس پہنچے وہ بھی اصلاحات کا حامی تھا اس لئے سب نے مل کر یہ طے کیا کہ دوبارہ سلیم کو سلطان بنائیں۔

علمدار مصطفیٰ عاقل اور باحمیت امیر تھا اس نے امراء آستانہ کے نام خطوط بھیجے جن میں سے اکثر اس کے ساتھ متحد ہو گئے اب وہ اپنی فوج لے کر آستانہ کی طرف بڑھا اور وہاں سلطانی کوشک کا محاصرہ کر لیا جب اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ اہل قصر نے سلیم کو قتل کر ڈالا ہے اس وجہ سے سلطان مصطفیٰ کے بھائی محمود کو تخت پر بٹھایا اور قباپخی اور اس کے ساتھیوں کو جنہوں نے بغاوت کی تھی قتل کر ڈالا۔

محمود ثانی

محمود پسر سلطان عبدالحمید کی ولادت ۱۲۰۰ھ میں ہوئی تھی۔ ۱۲۲۳ھ میں تخت نشین ہوا اس نے علمدار مصطفیٰ کو صدر اعظم مقرر کر کے سلطان سلیم کی فوجی اصلاحات کو جو منسوخ کر دی گئی تھیں از سر نو جاری کیا۔ انکشاریہ نے پھر بغاوت کی صدر اعظم کو قتل کر دیا اور چاہا کہ محمود کو بھی معزول کر کے پھر مصطفیٰ کو تخت پر لائیں لیکن سلطان محمود نے مصطفیٰ کو قتل کرا دیا جب ان کو اس کا علم ہوا تو اس شرط پر محمود کو باقی رکھا کہ اصلاحات نافذ نہ کرے۔

روس

روس نے عہد نامے کی تجدید کرنی چاہی لیکن چند شرطیں پیش کیں جن کو باب عالی نے منظور نہیں کیا اس لئے لشکر کشی کی اور اس کی فوجیں حدود عثمانیہ میں بلغاریہ تک آگئیں۔ ترکوں نے مجبوراً قلعہائے بندر، کیلی، خونیں، اور آق کرمان وغیرہ دے کر اس کے ساتھ مصالحت کی دریائے بردوت دونوں سلطنتوں کے درمیان حد فاصل قرار پایا۔

نجد

دیار عرب میں بے علمی کی وجہ سے دور جاہلیت پھر تازہ ہو گیا اور وہاں کے لوگ بالعموم شرک و بدعت اور دین کے نام سے خرافات رسوم میں مبتلا ہو گئے شیخ محمد عبدالوہاب نے بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں نجد میں دینی اصلاح کی کوشش کی اور باشندوں کو قرآن و سنت کا تابع اور سلف صالح کا پیرو بنایا اور ان میں علوم دینیہ کی اشاعت کی جس کی بدولت اہل نجد نے اپنی حالت درست کر کے ترقی شروع کی اور امراء نجد نے بجز حضر موت اور یمن کے ایک قلیل حصے کے سارے عرب پر قبضہ کر لیا یہاں تک کہ حجاز کو بھی شریف غالب کے ہاتھ سے جو ترکی سلطنت کی طرف سے مامور تھا نکال لیا۔ ان کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر باب عالی کے حکم سے سلیمان پاشا والی عراق نے ۱۲۱۳ھ میں لشکر کشی کی لیکن احساء سے پہلے ہی معرکے میں اس کو واپس آنا پڑا اس کے بعد سعود بن عبدالعزیز امیر نجد نے کربلا سے حلب تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ پھر ۱۲۲۴ھ میں چھ ہزار فوج لے کر شام پر حملہ کیا اور حوران وغیرہ پر قبضہ کرتا ہوا دمشق تک پہنچ گیا وہاں کے والی یوسف پاشا گنج نے وعدہ کر لیا کہ میں وہابی دعوت کو قبول کروں گا اس لئے سعود اس کو چھوڑ کر واپس چلا آیا۔

سلطان محمود علی پاشا والی عراق عبداللہ پاشا والی شام اور شریف پاشا سپہ دار جدہ تینوں کو حکم دے دیا کہ عربوں اور کردوں کا لشکر لے کر نجد پر حملہ کریں لیکن اسی درمیان میں کردستان میں بغاوت ہو گئی۔ جس کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا اب باب عالی نے محمد علی پاشا کو جس نے اپنی قوت سے مصر کی ولایت حاصل کر لی تھی۔ حرمین شریفین کی بھی ولایت کا فرمان دے کر نجدیوں کے استیصال کے لئے مامور فرمایا۔

۱۲۲۶ھ میں محمد علی پاشا نے پہلے اپنے بیٹے طوسون پاشا کو نجد کی مہم پر بھیجا پھر خود بھی فوجیں لے کر آیا مگر جب تک سعود

زندہ رہا اس وقت تک کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ ۱۲۲۹ھ میں جب سعود مر گیا اور اس کا بیٹا عبداللہ اس کی جگہ امیر ہوا۔ اس وقت بعض امراء نجد محمد علی پاشا کی زرپاشیوں کی بدولت مصریوں سے مل گئے محمد علی پاشا نے اپنے دوسرے بیٹے ابراہیم پاشا کو اپنی پوری قوت کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔ مقام ماویہ میں نجدیوں نے مصری توپوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور عبداللہ اپنے مرکز درعیہ میں آکر قلعہ گیر ہو گیا۔ ابراہیم پاشا نے محاصرہ کیا۔ سخت مقابلوں کے بعد آخر کار نجدیوں کو شہر کا دروازہ کھولنا پڑا۔

ابراہیم پاشا نے عبداللہ اور اس کے کاتب و خزنیہ دار کو مصر بھیج دیا جہاں سے وہ قسطنطنیہ روانہ کئے گئے تھے۔ سلطان محمود نے ان کو اباصوفیا کے میدان میں ۱۲۳۴ھ میں قتل کرادیا۔ اسی سال ابراہیم پاشا نے اپنے باپ کے حکم سے درعیہ شہر کو جو وہابیہ کا مرکز تھا کھود کر پھینک دیا اور اس آباد مقام کو ویرانہ بنا دیا۔

علی پاشا

یونان میں پانیا کا والی علی پاشا پر سطوت اور بااثر حاکم تھا جس سے سارا یونان لرزتا تھا ہر چند کہ وہاں کے باشندوں میں اپنے استقلال کی خواہش سے بغاوت کا خیال موجود تھا مگر اس کے خوف سے کوئی پتہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا تھا۔ روسیوں کے لئے جو یونانیوں کے پشت و پناہ بنے ہوئے تھے اور دولت علیہ کے خلاف ان کو ابھارنا چاہتے تھے علی پاشا کا وجود بہت ناگوار تھا۔

سلطان کے مقربین میں سے ایک شخص حالت آفندی نے علی پاشا کے خلاف سازش شروع کی اور رفتہ رفتہ سلطان کو اس کی طرف سے بدظن کر دیا سلطان نے چاہا کہ علی پاشا کو معزول کر دے اس نے بغاوت کر دی اس لئے اس کے استیصال کے واسطے خورشید پاشا بھیجا گیا جس نے پورے دو سال کی جنگ کے بعد اس کو قتل کیا۔ علی پاشا کے مارے جانے کے بعد یونانی اپنے استقلال کا دعوے لے کر کھڑے ہوئے اور چند قلعوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔ باب عالی نے ابراہیم پاشا مصری پسر محمد علی پاشا کی فوج دے کر بھیجا۔ اس نے جا کر بغاوت فرو کی۔

انکشاریہ

نجد و یونان کی مہموں سے فراغت کے بعد سلطان محمود نے جدید اصطلاحات کرنی چاہیں۔ انکشاریہ نے پھر بغاوت کی اور باب عالی اور وزراء کے دولت کدوں کو لوٹ لیا۔ سلطان محمود نے مجبوراً لواء نبوی نکالا جوق در جوق مخلوق اس کے گرد آکر جمع ہو گئی۔ چونکہ لوگ بالعموم انکشاریہ سے تنگ آگئے تھے اس لئے ان کے اوپر ٹوٹ پڑے اور محمد پاشا اور آغا حسین کی قیادت میں انکشاریہ کو جو آتی میدان میں جمع تھے قتل کر کے فنا کر دیا۔ اس کے بعد جملہ صوبجات عثمانی میں ان کے الغاء کے فرمان بھیج دیئے گئے۔

یونان

انقلاب فرانس کے اثر سے یورپ کے ہر حصے میں آزادی کے خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ یونانیوں نے بھی جو دولت علیہ کے تابع تھے اپنی آزادی کے لئے انجمنیں قائم کیں جن کے مرکز روس و آسٹریا میں تھے سلطان محمود نے انکشاریہ کو مٹانے کے بعد جب اصلاحات شروع کیں اس وقت یونانیوں نے انگلستان، فرانس اور روس کی امداد سے اپنی آزادی کا مطالبہ کیا۔ باب عالی نے قطعی انکار کر دیا جس پر یونانی اور ان کے مددگاروں نے جزیرہ ساقز کے متصل سارے ترکی جہازوں کو غرق کر دیا جس میں تین ہزار ترک شہید ہو گئے پھر روس نے یونان کے استقلال کی تصدیق کے لئے حدود عثمانی میں لشکر کشی کی۔ دوسری طرف سے فرانس کی فوجیں مورہ میں آکر قلعہ میں داخل ہو گئیں۔ اس لئے دولت علیہ کو یونان کا استقلال قبول کرنا پڑا۔ اس شرط پر کہ وہ پانچ لاکھ قرش سالانہ خراج ادا کرتا رہے۔

الجزائر

۱۲۴۶ھ میں فرانس نے محض اس بہانہ سے کہ الجزائر کے ایک متغلب نے فرنچ کشتیوں پر حملہ کیا تھا وہاں فوجیں اتار دیں اور اس پر اپنے قبضہ کا اعلان کر دیا اس وقت سے یہ خطہ دولت علیہ کے قبضے سے نکل گیا لیکن حزب وطنی سید عبدالقادر کی قیادت میں ۱۷ سال تک فرانس سے لڑتی رہی۔

سربیا

۱۸۲۸ء میں روس نے دولت علیہ کے ساتھ پھر جنگ چھیڑی اور اس کی فوجیں بخارسٹ سے گذرتی ہوئی پھر ادرنہ تک آگئیں جس کے بعد قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینا زیادہ مشکل نہ تھا۔ اس وجہ سے دول یورپ نے بیچ میں پڑ کر مصالحت کرادی سربیا کی حکومت کے لئے ۱۲ مندوبین کی ایک جماعت منتخب کر دی گئی اور بلاد چرکس معہ اس پار کے قلعوں کے روس کو مل گئے۔

مصر

محمد علی پاشا کی نیت یہ تھی کہ وہ مصر کا مستقل حکمراں ہو جائے چنانچہ اس نے نظامی فوجیں اور جنگی جہازات بنا کر بہت قوت پیدا کر لی اس کے بعد اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو فتح شام کے لئے روانہ کیا۔ اس نے عکا تک قبضہ کر لیا سلطان محمود نے آغا حسین کی قیادت میں تیس ہزار فوج بھیجی۔ ابراہیم پاشا نے اس کو شکست دے دی اور قونیہ تک پہنچ گیا وہاں رشید پاشا مقابلے کے لئے آیا مگر اس نے بھی ہزیمت اٹھائی اب ابراہیم پاشا نے کوتاہیہ پر پہنچ کر قبضہ کیا۔ دولت علیہ نے روس سے امداد طلب کی جس کے عوض میں بروقت ضرورت اس کے جہازوں کو درہ دانیال سے گزرنے کا حق دیا۔ چنانچہ روسی فوجیں مدد کے لئے آئیں اور ابراہیم پاشا کو شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ آخر میں اس بات پر صلح ہوئی کہ مصر، صیدا، شام اور حلب پر محمد علی والی رہے اور جزیرہ کریٹ کی ولایت ابراہیم پاشا کو دی جائے۔

وفات

۱۲۵۵ھ میں سلطان محمود نے آستانہ میں وفات پائی۔ آل عثمان میں یہ ترقی کا نہایت دلدادہ تھا۔ سب سے پہلے طربوش اور مغربی لباس اسی نے شروع کیا۔ عدل و انصاف کی وجہ سے اس کا لقب عدلی تھا۔

عبدالمجید اول

سلطان محمود کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا عبدالمجید ۱۲۵۵ھ میں تخت پر بیٹھا۔ سب سے پہلے اس کے سامنے مصر کا مسئلہ آیا۔ کیونکہ محمد علی پاشا باوجود مصالحت کے بھی برابر اپنی قوت بڑھا رہا تھا۔ سلطان محمود نے حافظ پاشا کی قیادت میں ایک فوج بھیجی تھی کہ اس کی جنگی تیاریوں کو روکے لیکن ابراہیم پاشا نے اس کو شکست دے کر واپس کر دیا۔ سلطان عبدالمجید نے اپنے سفیر انگلستان رشید پاشا کے ذریعے انگلستان اور پرشیا اور روس کے ساتھ مل کر محمد علی پاشا کی ولایت مصر پر محدود کر دی لیکن یہ سند لکھ دی کہ وہ خدیو کے لقب سے اس کی اولاد میں نسلاً بعد نسل رہے گی۔

اصلاحات

سلطان نے تمام قلمرد عثمانی میں اعلان کرا دیا کہ جملہ رعایا کے خواہ وہ کسی مذہب اور کسی قوم کے ہوں۔ ہر قسم کے قانونی حقوق محفوظ ہیں اور پوری قوت کے ساتھ اس کی تنفیذ کی اور زبردستوں اور جابروں کے ظلم و تعدی کو کمزوروں پر روک دیا اس کے ساتھ بری اور بحری فوجوں کی تنظیم شروع کی۔

روس

سلطنت روس نے جس کا وطیرہ ہمیشہ یہ رہا کہ دولت علیہ کو اصلاح کی مہلت نہ لینے دے اور اس کے راستے میں ہر قسم کی مشکلات پیدا کرے بلا اعلان جنگ رومانیہ میں فوجیں بھیج دیں اور سینوب میں عثمانی جہازوں کو غرق کر دیا۔ دولت علیہ نے فرانس اور اطالیہ کی مدد سے اس کا مقابلہ کیا اور اس کے جنگی جہازوں کو جلا دیا پھر پراسٹوپول میں اس کو شکست دی جس کے بعد پیرس میں مجلس معاہدہ منعقد ہوئی۔ سپاسٹوپول روس کو اور اناطولیہ میں قلعہ قرص روس سے لے کر دولت علیہ کو دیا گیا اور باتفاق دول اربعہ درہ دانیال جملہ اقوام کے جنگی جہازوں کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس معاہدہ میں دولت علیہ ایک متمدن مملکت تسلیم کی گئی۔

دروز

جبل لبنان میں بعض واقعات کی بنا پر دروزوں اور عیسائیوں میں فتنہ برپا ہو گیا جس کی وجہ سے فرانس نے نصاریٰ کی حمایت کے لئے وہاں فوجیں اتار دیں۔ دولت علیہ نے فواد پاشا کو بھیج کر اس اس فتنہ کو فرو کیا۔ آخر میں یہ طے پایا کہ والی لبنان کے ساتھ ایک دروزی اور ایک مارونی اپنی اپنی جماعتوں کی وکالت اور نمائندگی کے لئے نامزد کئے جائیں۔

وفات

۱۲۷۷ھ میں سلطان عبدالمجید نے چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ دیندار اور باحمیت تھا۔ مدینہ منورہ میں اس کی یادگاریں ہیں۔

عبدالعزیز

سلطان عبدالمجید کے انتقال پر اس کا بھائی عبدالعزیز جس کی عمر ۳۲ سال تھی تخت نشین ہوا۔ اس نے داخلی اصلاحات کی طرف بہت زیادہ توجہ کی ۔ ملک کو جدید صوبوں میں تقسیم کیا۔ ایک مجلس شوریٰ مرتب کی ۔ فوج کو باقاعدہ بنایا اور بیڑے کو اس قدر ترقی دی کہ وہ دنیا میں دوسرے درجہ کی بحری طاقت سمجھا جانے لگا۔ کریٹ اور قرہ طاغ میں اجانب کی تحریک سے بغاوتیں رونما ہوئیں لیکن صدر اعظم عالی پاشا کی تدابیر سے بہت جلد دبا دی گئیں۔

سفر یورپ

۱۲۸۳ھ میں سلطان عبدالعزیز سیاحت کے لئے روانہ ہوا۔ پہلے مصر آیا پھر پیرس کی نمائش میں جاکر شرکت کی ۔ اس کے بعد لندن گیا۔ وہاں سے ویانا ہوتا ہوا آستانہ کو واپس آیا۔ بہت سے امراء اور شاہزادے بھی معیت میں تھے۔

ابتری

عالی پاشا صدر اعظم کے زمانے تک دولت علیہ کے بیرونی سیاسی تعلقات اور اندرونی انتظامات اچھے تھے ۔ اس کی وفات کے بعد محمود ندیم پاشا صدر اعظم ہوا۔ ایک طرف دول مغرب کے قرضوں سے جو سلطان نے جدید اصلاحات کے لئے لئے تھے سلطنت زیر بار تھی ۔ دوسری طرف بدنظمی سے رشوت اور غبن کی گرم بازاری ہوئی اور عہدے اور مناصب قیمتاً فروخت ہونے لگے ۔ ان وجوہات سے ملک کی حالت نہایت ابتر ہو گئی ۔ اور جابجا فتنے اور ہنگامے برپا ہونے لگے چنانچہ ابوسینیا اور ہزری گوئنا میں عیسائیوں نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔

سلطان اس درمیان میں روسی سفیر اگناتیف کے ساتھ ایک معاہدہ کی فکر میں تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ روس کا اتحاد بہ نسبت دیگر دول مغربی کے دولت علیہ کے لئے زیادہ مفید ہے ۔ اس لئے سفیر مذکور کی باتوں میں آکر اس نے بغاوت کی طرف زیادہ توجہ نہ کی ۔ یہاں تک کہ وہ جبل اسود سربیا اور بلغاریہ تک پھیل گئی اور لاکھوں مسلمان بے گناہ مارے گئے۔ ادہر سلانیک میں ایک بلغاری لڑکی مسلمان ہو گئی تھی جس کو جرمن سفیر نے بھگا دیا تھا وہاں کے مسلمانوں نے سفیر مذکور کو قتل کر ڈالا۔اس پر جرمنی اور فرانس کے جنگی جہاز پہنچ گئے اور قاتلوں کی سزا اور ذمہ دار حکام کی معزولی کے طالب ہوئے۔ سلطان کو ان کے مطالبات پورے کرنے پڑے۔

آستانے میں اس خبر سے ہیجان پیدا ہو گیا اور علماء اور طلباء نے میدان فاتح میں مجتمع ہو کر اجنبی حکومتوں کی مداخلت کے خلاف آواز بلند کی اور محمود ندیم پاشا کی برطرفی کے طالب ہوئے۔ سلطان نے رفع فساد کی خاطر اس کو منظور کر لیا۔

معزولی

سلطان عبدالعزیز باوجود سلطنت کی مالی ابتری کے بھی نہایت اسراف اور فضول خرچی سے کام لیتا تھا جس سے روز بروز قرضے کی زیر باری بڑھتی جاتی تھی اور اس کا مزاج جادہ اعتدال سے اس قدر منحرف تھا کہ کوئی شخص یہاں تک کہ اس کی والدہ بھی اس سے ایک لفظ نہیں کہہ سکتی تھی اس وجہ سے اس کی اصلاح سے مایوس ہو کر صدر اعظم رشدی پاشا ۔ سرعسکر حسین عونی پاشا اور شیخ الاسلام حسن خیر اللہ آفندی نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ اس کو معزول کر کے مراد کو سلطان بنائیں۔ چنانچہ سلیمان پاشا ناظر مکتب حربی نے اپنے طلباء کو لے جا کر قصر کا احاطہ کر لیا۔ اس کے بعد جلوس کی توپیں سرکرنی شروع کر دیں اس وقت عبدالعزیز کو صورت حال کا علم ہوا۔ اب سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہ تھا صدر اعظم نے اس کو قصر چراغاں بھیج دیا۔ وہاں اس نے محل کی ایک لونڈی سے قینچی لے کر اپنی رگ اکحل کاٹ لی جس سے اس قدر خون نکلا کہ مر گیا۔

مراد خامس

مراد پسر سلطان عبدالمجید کی ولادت ۲۵ رجب ۱۲۵۶ھ میں ہوئی تھی سلطان عبدالعزیز کی معزولی کے بعد ۷ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ کو تخت سلطنت پر آیا۔ بلقان میں جو فتنے برپا ہوئے تے ان کے استیصال کے لئے ایک فوج بھیجی گئی جس نے پہنچ کر سرکشوں کی گوشمالی کی اور سربیا کے حکمران پرنس میلان کو شکست دے کر اس کے سب سے محفوظ مقام کسناج کو لے لیا۔ جس پر اس نے دول یورپ کو بیچ میں ڈال کر مصالحت کی کوشش کی۔

حسن چرکس

مراد کی تخت نشینی کے دوسرے دن سلطان عبدالعزیز کے حاجب خاص حسن بک چرکس نے اپنے آقا کے انتقام کے لئے مجلس وکلاء میں آکر پتنچہ سے سرعسکر حسین پاشا اور صدر اعظم رشدی پاشا کو مار ڈالا اور احمد پاشا وزیر کو زخمی کیا۔

دماغی خلل

سلطان مراد علم دوست اور مساوات پسند تھا مگر جلوس کے ایک ہی ہفتہ بعد جنون میں مبتلا ہو گیا۔ کبھی اٹھ کر خدام سے معانقہ کرتا کبھی کپڑے پہنے حوض میں کود پڑتا اور کبھی کھڑکی سے نکل بھاگتا۔ وزراء نے تین مہینے تک اس کی حالت کو مخفی رکھا اور علاج کراتے رہے لیکن جب صحت کی صورت نہ دیکھی تو شیخ الاسلام کی منظوری سے اس کو تخت سے اتار کر عبدالحمید کو بٹھایا۔ معزولی کے بعد مراد قصر چراغاں میں رکھا گیا۔ وہاں ۱۳۲۲ھ میں اس نے وفات پائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آخر عمر میں اس کی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔

عبدالحمید ثانی

سلطان مراد کے خلع کے بعد اس کے بھائی عبدالحمید پسر سلطان عبدالمجید نے ۱۲۹۳ھ میں سریر سلطنت پر جلوس فرمایا۔ ملک کی حالت اس وقت نہایت مضطرب تھی اور دول یورپ نصاریٰ کی حمایت کرنے کے کے بہانے سے مداخلت کر رہی تھیں۔ انگلستان ان کا طرفدار تھا اور روس سربیا اور جبل اسود کا ان معاملات کے سلجھانے کے لئے آستانہ میں سفراء دول کی موتمر ہو رہی تھی۔

دستور

وزیر مدحت پاشا نے اس موقع پر سلطان کو راضی کر کے دستوری حکومت کا اعلان کیا۔ تاکہ مساوات اور حریت عام عطا کرنے سے اجنبی مداخلتوں سے نجات مل سکے۔

جنگ پلونا

دول یورپ کا منشاء ان مداخلتوں سے اپنے اغراض و مقاصد کا حصول تھا۔ نہ کہ عثمانی مسیحی رعایا کی اصلاح حال۔ چنانچہ انہوں نے آستانہ کی موتمر میں ایسی سخت شرطیں پیش کیں جن کا قبول کرنا دولت علیہ کے لئے ممکن نہ تھا۔ اس لئے اس نے انکار کر دیا۔ روس نے لشکر کشی کی اور اس کی فوجیں دریائے طونہ سے گذر کر پلونا تک آگئیں اور غازی عثمان پاشا کو چاروں طرف سے محصور کر لیا جب سامان رسد نہ پہنچ سکا اس وقت بجائے ہتھیار ڈال دینے کے غازی موصوف اپنی فوجیں لے کر نکلے اور اس بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے چلے کہ قریب تھا کہ روسی فوجوں کو چیرتے ہوئے باہر آجائیں۔ لیکن اسی حالت میں بولونیا کی ایک لاکھ تازہ دم فوجیں آ گئیں اور غازی موصوف کے پاؤں میں گولی لگی۔ گھوڑا بھی زخمی ہو کر گر گیا جس کی وجہ سے وہ گرفتار ہوگئے۔

روسی فوجیں ایا استفانونک جو آستانے سے متصل ایک مقام ہے آگئیں۔ دول یورپ نے اس وقت روس کو روک دیا اور وہاں ایک معاہدہ فریقین میں لکھوا دیا جو معاہدہ سینٹ استفانو کے نام سے مشہور ہے۔

معاہدہ برلن

عہد نامہ سینٹ استفانو میں دریائے طونہ سے بحیرہ مرمرہ تک کا علاقہ بلغاریہ کو دیا گیا تھا۔ جس پر انگلستان اور آسٹریا کو اعتراض ہوا۔ اس لئے برلن میں پرنس بسمارک کی صدارت میں سفراء دول کی ایک موتمر منعقد ہوئی۔ جس میں بحث و مباحثہ کے بعد اردہان۔ باطوم اور قلعہ قرص روس کے حوالے کئے گئے۔ بلغاریہ ایک جداگانہ امارت بنا کر باب عالی کے تابع کر دی گئی۔ رومانیہ، سربیا اور قراطاغ مستقل ریاستیں قرار دی گئیں اور تسالیا یونان کو دیا گیا۔

سلطان عبدالحمید نے اس معاہدے کے بعد دستوری حکومت کو توڑ دیا اور اصلاح پسندوں کو جو دستور کے حامی تھے ملک بدر کرنا شروع کر دیا۔

قبرص

انگلستان نے یہ دیکھ کر کہ روس روز بروز ایک طرف آستانہ سے اور دوسری طرف دریائے دجلہ و فرات کے منبعوں پر قبضہ کر کے بغداد اور بصرہ سے قریب ہوتا جاتا ہے جس سے ہندوستان کے لئے خطرہ ہے۔ باب عالی میں اپنے سفیر مسٹر لیرڈ کے توسط سے ایک دفاعی معاہدہ کی خواہش کی تاکہ روس کے مشرقی مطامع کو روک دیا جائے اور اس کے عوض جزیرہ قبرص کی درخواست کی تاکہ وہاں انگریزی فوجیں رہیں جو وقت ضرورت روس کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے پہنچ سکیں۔ یہ سلسلہ گفتگو جاری تھا کہ اسی درمیان میں صفوت پاشا صدارت عظمٰی کے منصب پر آگیا۔ اس نے ۴ جون ۱۸۷۸ء میں اس معاہدہ کی تکمیل کر دی اور انگریزوں نے جزیرہ قبرص کو غنیمت باردہ کی طرح مفت لے لیا۔

تونس

تونس کے کسی قبیلے نے الجزائر کے حدود میں جو فرانس کے قبضہ میں تھا دست درازی کی اس جرم پر فرانس نے پورے تونس پر قبضہ کر کے الجزائر کے ساتھ اس خطہ کو بھی شامل کر لیا۔

اعرابی پاشا

محمد علی خدیو مصر کے جانشینوں نے مصر میں نہر سویز کھدوائی اور بہت سی اصلاحات کیں جن کی بدولت یہ ملک ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا لیکن ان اصلاحات کے مصارف میں دول اجنبیہ کے قرضے کا بار اس قدر بڑھ گیا کہ صیغہ مال ان کی نگرانی میں چلا گیا۔ وطنی جماعت اعرابی پاشا مشہور مصری زعیم کی قیادت میں مخالفت کے لئے کھڑی ہوئی تاکہ اجنبی مداخلت سے ملک کو محفوظ رکھے۔ انگلستان اور فرانس دونوں نے اپنے اپنے بیڑے بھیج دیئے اس وجہ سے شورش بڑھ گئی اور مصریوں نے اجنبیوں کو قتل کرنا شروع کیا انگریزوں نے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا اور ایک فوج نہر سویز کے متصل اتار دی جو تل کبیر کے نیچے اعرابی پاشا کی جمعیت کو شکست دیتے ہوئی آکر قاہرہ میں داخل ہو گئی۔ اس وقت سے مصر انگریزوں کا محکوم ہو گیا۔

مہدی سودانی

اختلال مصر سے نہ صرف مصریوں بلکہ سوڈانیوں کے دلوں میں بھی انگریزوں کی طرف سے بغض پیدا ہو گیا اور وہاں ایک شخص احمد نامی کی قیادت میں جس کو لوگ مہدی سمجھتے تھے ایک جماعت انگریزوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی جس نے انگریزی فوج کو شکست دی پھر خرطوم میں پہنچ کر گارڈون پاشا اور اس کے سارے لشکر کو قتل کر ڈالا۔ انگریزوں نے دوسری فوج لارڈ کچز کی سرکردگی میں بھیجی جس نے تین سال کی متواتر جنگ کے بعد مہدی سوڈانی کی جماعت کو شکست دی اور خرطوم پر قبضہ کر لیا۔

فشودہ

فرانس کی ایک فوج بحر اطلانطک کے ارادے سے وادی نیل کے ایک مقام فشودہ میں آکر داخل ہو گئی انگریزوں نے دعویٰ کیا کہ وہ مقام سوڈانی حدود میں ہے اس پر جھگڑا اس قدر بڑھا کہ قریب تھا کہ دونوں سلطنتوں میں جنگ ہو جائے۔ لیکن آخر میں فرانسیسی فشودہ چھوڑ کر چلی گئی۔

روم ایلی شرقی

شرقی روم ایلی کے متعلق برلن کانفرنس میں یہ طے پایا کہ وہاں کا والی عیسائی ہوا کرے گا۔ ۱۸۸۵ء میں اس کے باشندوں میں

یہ تحریک پھیلی کہ یہ علاقہ بلغاریہ کے ساتھ ملحق کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے غادریل پاشا والی کو پکڑ کر آستانہ میں بھیج دیا اور پرنس بائمبرگ کو اپنا حکمران بنا کر الحاق کا اعلان کر دیا۔

آرمینیہ

منجملہ شرائط عہد نامہ برلن کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ دولت علیہ آرمینیہ میں اصلاحات کرے لیکن سلطان عبدالحمید نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی ارمنوں نے دول یورپ کے پاس شکایتیں بھیجیں اور پھر بغاوتیں کیں جن میں سخت خونریزیاں ہوئیں یہاں تک کہ ۱۸۹۵ء میں خود آستانہ میں انہوں نے شورش برپا کی جس میں سینکڑوں کی تعداد میں سڑکوں پر مقتول ہوئے۔ اہل یورپ نے ان کی حمایت کے لئے آواز اٹھائی۔ لیکن سلطان عبدالحمید ان کی سیاست کے مقابلے میں کچھ نہ کر سکے۔

کریٹ

۱۳۱۳ھ میں کریٹ والوں کی طلب پر دول یورپ نے اپنے جنگی جہاز اس جزیرہ پر بھیج دیئے اور باب عالی سے مطالبہ کیا کہ اس کا والی مقرر کیا جائے اسی زمانے میں یانیہ پر یونان کے ولی عہد قسطنطین نے لشکر کشی کی ادھم پاشا نے اس پر نمایاں فتح حاصل کی مگر دول مغرب نے ترکوں کو اس کے ثمرہ سے متمتع نہ ہونے دیا بلکہ کریٹ سے بھی عثمانی فوجوں کو نکال دیا اور دول اربعہ روس، انگلستان، فرانس اور اطالیہ نے اس کو اپنی حمایت میں لے لیا۔

اتحاد و ترقی

سلطان عبدالحمید ہر چند عاقل اور سیاسیات میں کامل تھا مگر نہایت مستبد۔ جملہ مہمات امور خود سرانجام دیتا تھا اس کے عہد میں حکومت کی ساری قوت خود اس کی ذات میں مرکوز تھی اور باب عالی بالکل بے دست و پا ہو گیا اس لئے اندرونی اداروں میں سخت ابتری پھیل گئی اور رشوت اور جاسوسی کی کثرت سے سلطنت کا سارا انتظام مختل ہو گیا۔ دوسری طرف دول یورپ جن کی طاقتیں عظیم الشان تھیں اس کے نگلنے کے لئے اپنے اپنے منہ کھولے تھیں۔ یہ دیکھ کر حامیان اصلاح اور بہی خواہان ملک نے ایک مخفی انجمن " جوان ترک " کے نام سے قائم کی جو بعد میں اتحاد و ترقی کے نام سے مشہور ہوئی اس کی شاخیں پیرس سے سلانیک تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اس کے ارکان نے جب روال میں شاہ انگلستان اڈورڈ ہفتم اور زار روس کی ملاقات کا حال سنا جس میں ان دونوں نے دولت علیہ کی تقسیم کی تجویز پختہ کی تھی اس وقت مناسترمیں نیازی بک اور انور بک ترکی فوج کو لے کر دستور کے مطالبہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلطان نے اس بغاوت کے انجام کے خطرے سے جو خاص اس کی ذات کے خلاف تھی ۱۳۲۶ھ میں پھر دستور کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی آسٹریا نے بوسنیا اور ہرزگونیا دونوں صوبوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اس کے تیسرے دن بلغاریہ نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا دولت علیہ چونکہ اس وقت جنگ کی طاقت نہیں رکھتی تھی اس وجہ سے ان ممالک سے کچھ زر نقد لے کر ان کے دعاوی کو تسلیم کر لیا۔

معزولی

مجلس مبعوثان قائم کرنے کے بعد عبدالحمید نے پھر اس کو توڑنے کے لئے مخفی تدبیریں شروع کیں چنانچہ اس کے اشارے سے فوج کے بعض حصے ۱۳۲۸ھ میں شریعت کے نام سے دستور کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آستانہ میں انجمن اتحاد ترقی کے چند ارکان کو قتل کر ڈالا۔ اس وقت محمود شوکت پاشا جس نے دستور کی حمایت کا حلف اٹھایا تھا۔ سلانیک سے اپنا لشکر لے کر آستانہ کی

طرف آیا۔ پہلے باغیوں کو شکست دی اور ان کے سرغنوں کو پھانسی پر لٹکایا۔ پھر شیخ الاسلام سے سلطان کی معزولی کا فتویٰ لے کر مجلس مبعوثان کی تصدیق کے بعد اس کو تخت سے اتارا اور قصر یلدز سے لے جا کر سلانیک کے قصر الجیش میں نظر بند کر دیا اس میں ۱۱ فروری ۱۹۱۸ء کو اس نے انتقال کیا۔

محمد خامس

سلطان عبدالحمید کی معزولی کے بعد اس کا بھائی محمد ارشاد سلطان محمد خامس کے لقب سے ۲۰ اپریل ۱۹۰۹ء مطابق ۱۳۲۸ھ میں تخت پر بٹھلایا گیا خزانہ خالی تھا ملکی نظام ابتر اور فوج بے سر و سامان۔

طرابلس

ترکوں کی زبوں حالی کو دیکھ کر اطالیہ نے بلا کسی وجہ کے ۱۳۲۹ھ میں طرابلس غرب پر حملہ کر دیا۔ ترکی بیڑہ اس قابل نہ تھا کہ کھلے سمندر میں اطالیہ کے جہازوں کا مقابلہ کر سکتا۔ ادھر انگریزوں نے مصر سے عثمانی فوجوں کو راستہ دینے سے بھی انکار کیا۔ اس وجہ سے وہی فوج جو طرابلس میں تھی وطنی جماعت کے ساتھ مل کر مقابلہ کرتی رہی اس وقت اطالیہ کا قبضہ صرف سواحل پر تھا۔ لیکن مسلسل جنگوں اور حملوں کی وجہ سے اب رفتہ رفتہ اس نے اندرون ملک میں دخل حاصل کرنا شروع کیا۔

بلقان

طرابلس کی لڑائی ہو رہی تھی کہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء مطابق ۱۳۳۱ھ میں بلقان میں جنگ شروع ہو گئی پہلے بلغاریا اور سربیا نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ پھر اس کے ساتھ ہی جبل اسود اور یونان نے بھی ان کا مقصد یہ تھا کہ ترکوں کو یورپ سے بالکل خارج کر دیں۔ چنانچہ اس جنگ میں بلقانی عیسائیوں نے وہاں کی مسلم آبادی کو نکالنے، مٹانے، جلانے اور ذبح کرنے میں ایسی قساوت قلبی سے کام لیا کہ جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سیلاب بلاشتالجہ تک آکر رک گیا اور آگے نہیں بڑھ سکا۔

وفد انصاری

مسلمانان ہند کے دلوں میں اگرچہ ترکوں کی عظمت اور محبت ایک عرصہ سے تھی لیکن اس کا عملی اظہار جنگ بلقان ہی میں ہوا جب کہ نامور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں ۱۳۶۲ھ میں یہاں سے وفد ہلال احمر گیا جس میں شعیب قریشی عبدالرحمن صدیقی اور چودھری خلیق الزمان وغیرہ ۲۵ ارکان تھے۔ مولانا محمد علی نے اس کے لئے رقم فراہم کی تھی۔ آٹھ مہینے تک زخمی اور مجروح ترک مجاہدین کی طبی خدمت بجالا کر ستمبر ۱۹۱۳ء میں یہ وفد واپس آیا۔

جنگ عمومی

بلقان کی لڑائی کو ختم ہوئے ابھی ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ جولائی ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۳ھ میں یورپ میں جنگ عظیم شروع ہو گئی جس میں ایک طرف اتحادی، یعنی انگلستان، فرانس اور اٹلی وغیرہ تھے اور دوسری طرف جرمنی اور آسٹریا۔ ہرچند کہ یہ جنگ جرمنی کی عسکریت کے برخلاف تھی جو چاہتا تھا کہ عالم کا ثالثی کا علم اپنے ہاتھ میں لے لے لیکن ترکوں کو بھی جو طرابلس غرب اور

بلقان کی مسلسل لڑائیوں سے خستہ حال تھے اور تہیدست ہو رہے تھے مجبوراً اس میں شریک ہونا پڑا کیونکہ اتحادیوں نے روس کو قسطنطنیہ اور درہ دانیال جو اس کی پرانی آرزو تھی دینے کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ شامل کیا تھا جس کی مدافعت لازمی تھی۔

ترکوں نے اتحادیوں کے ساتھ اس معاملے میں گفت و شنید بھی کی لیکن انہوں نے کوئی اطمینان نہیں دلایا بلکہ انگریزوں نے دو جنگی جہاز جو غرب ترک کے چندے سے انگلستان کے کارخانوں میں تیار ہوئے تھے ضبط کر لئے اور ان کی قیمت کی واپسی سے بھی انکار کر دیا اس وجہ سے پرنس سعید حلیم صدر اعظم نے ۲ اگست ۱۹۱۴ء کو جرمنی کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر کے جنگ میں شرکت اختیار کر لی۔

انگریزی جنگی جہازوں نے درہ دانیال پر سخت حملے کئے مگر نقصان اٹھا کر واپس ہوتے رہے۔ ادہر بصرہ میں فوجیں اتار کر عراق عرب میں پیش قدمی کی ترکوں نے یہاں بھی ہزیمت دی اور جنرل ٹاؤن شیڈ اور اس کی فوج کو قط العمارہ میں محصور کر کے گرفتار کر لیا۔

عربی بغاوت

۱۹۱۶ء میں انور پاشا کی رائے سے جو اس وقت وزیر جنگ تھے جمال پاشا کی قیادت میں ترکی فوج نے نہر سوئز پر حملے شروع کئے مکہ مکرمہ کے شریف حسین نے جمال پاشا سے لاکھوں روپے اور اسلحہ اس غرض سے منگائے کہ ۱۵ ہزار عربوں کا لشکر تیار کر کے مصر کی مہم کے لئے مدد دے گا مگر درپردہ اس نے انگریزوں سے ساز باز کر کے ترکی سپاہ کو جو حجاز میں تھی مار کر نکال دیا اور ۱۶ نومبر ۱۹۱۶ء کو اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

اسی زمانے میں روسی محاذ پر ترکوں نے ہزیمت اٹھائی جس کے باعث عراق عرب سے وہاں فوجیں بھیجنی پڑیں۔ اس وجہ سے انگریزی سپاہ نے ایک طرف بغداد اور دوسری شام لبنان اور فلسطین سے موصل تک سارا علاقہ ترکوں سے چھین لیا جس کے بعد اگست ۱۹۱۷ء میں اتحادی نمائندوں نے پیرس میں باہم سمجھوتہ کیا کہ آرمینیہ، شرقی اناطولیہ آستانہ اور درہ دانیال روس کو دیا جائے۔ حیفہ اور بغداد انگلستان کو۔ اسکندرونہ اور موصل فرانس کو، مغربی اناطولیہ اطالیہ کو اور فلسطین حلفاء کی مشترک حمایت میں رہے۔ اسی زمانے میں ۱۳۳۶ھ سلطان محمد خامس نے وفات پائی۔

عبدالوحید

سلطان محمد خامس کے بعد ۱۳۳۶ھ میں عبدالوحید کی تخت نشینی عمل میں آئی جبکہ اتحادی ترکی سلطنت کو نقشے میں باہم تقسیم کر چکے تھے لیکن اسی دوران میں روس جس کو ترکی کا بڑا حصہ خاص کر اس کا مرکز قسطنطنیہ ملنے والا تھا۔ اندرونی انقلابی بغاوت کی وجہ سے جنگ سے الگ اور اتحادیوں سے خارج ہو گیا۔ اتحادیوں نے کوشش کر کے امریکہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جس کی شرکت جنگ کی وجہ سے فتح یاب ہو گئے اور ۱۰ اگست ۱۹۱۸ء کو لڑائی ختم ہو گئی۔

اس وقت زعماء جمعیتہ اتحاد و ترقی طلعت پاشا، انور پاشا اور جمال پاشا جن کی رائے سے ترکی نے اس جنگ میں شرکت کی تھی روپوش ہو کر برلن چلے گئے اکتوبر ۱۹۱۸ء میں عزت پاشا صدر اعظم نے جدید وزارت مرتب کر کے اپنی افتتاحی تقریر میں سیاسی مجرموں کو معافی دے دی اور اس بات کا اظہار کیا کہ ہم امریکہ کے پریسیڈنٹ ولسن کے چودہ شرائط کے مطابق اتحادیوں کے ساتھ مصالحت کے لئے تیار ہیں لیکن اتحادیوں نے معاہدہ سیورے میں جو اسی مہینے میں ہوا۔ ترکی کی مجوزہ تقسیم ہی کو بحال رکھا۔

روس کے نکل جانے کے بعد قسطنطنیہ اور آبنائے کا مسئلہ حل طلب ہو گیا تھا جس کی نسبت غالب خیال یہ تھا کہ دول فاتحہ کی مشترکہ ملکیت قرار دیا جائے چنانچہ نومبر ۱۹۱۸ء میں اتحادی فوجیں قسطنطنیہ میں آگئیں اور انہوں نے رفتہ رفتہ حکومت کے انتظامی صیغے اپنے ہاتھ میں لینے شروع کر دئے۔ ترکوں نے جنرل ٹاؤنشیڈ کے توسط سے جو ان کے یہاں گرفتار تھا انگریزوں کے ساتھ صلح کی سلسلہ جنبانی کی اور پیرس کانفرنس میں بھی جو جون ۱۹۱۹ء میں ہوئی اپنا ایک نمائندہ بھیجا مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور اس کانفرنس نے بھی جس میں دس سلطنتوں کے نمائندے شریک تھے ترکی سلطنت کے لئے موت ہی کا فتوی صادر کیا۔

مارچ ۱۹۲۰ء میں قسطنطنیہ کے جملہ شعبہ ہائے حکومت اتحادیوں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے ترکی مجلس مبعوثین بھی ٹوٹ گئی۔ انگریزوں نے ۶۶ زعماء احرار کو مالٹا میں لے جا کر نظر بند کر دیا اور داماد فرید پاشا کی صدارت میں ایک نام نہاد ترکی وزارت مرتب کرا دی جو اتحادیوں کے ہاتھ میں تھی۔

یونانی حملہ

اتحادیوں اور بالخصوص انگریزوں کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ ترک مر چکے ہیں۔ ہم جس طرح چاہیں ان کی ملکیت تقسیم کر سکتے ہیں اس لئے انہوں نے یونان کی پشت پناہی شروع کر دی اور وہاں کے وزیر مسٹر وینزیلوس کے دعاوی کے مطابق جنوبی البانیا۔ تھریس، قسطنطنیہ اور مغربی اناطولیہ پر یونان کے حقوق تسلیم کر لئے چنانچہ ۱۵ جون ۱۹۱۸ء کو انگریزوں کی مدد سے یونانی فوجوں نے بندرگاہ سمرنا پہنچ کر قبضہ کر لیا اور اندرون ملک میں بڑھنا شروع کیا۔

وطنی تحریک

ترکوں نے جب دیکھا کہ اتحادی ان کو فنا کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان اقوام کا محکوم بنا دیں جو صدیوں ان

کے زیر حکومت رہی ہیں تو ان کی رگوں میں قومی حمیت کا جوش تازہ ہو گیا اور اطالیہ میں وطنی تحریک کی ابتداء ہوئی جس کا آغاز مصطفیٰ کمال پاشا نے کیا۔ اس نے کوشش شروع کی کہ قوم کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو ایک نظام میں لا کر ملک کو دشمنوں سے بچا لے۔ ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء کو ارضروم اور سیواس میں جمعیۃ وطنی نے اسی کو اپنا صدر بنایا۔ قسطنطنیہ میں جس قدر احراری گرفتاری سے بچ گئے تھے بھاگ بھاگ کر اس جماعت میں آکر شامل ہو گئے

ترک اس وقت گیارہ سال کی مسلسل جنگوں سے بالکل بے مایہ تھے۔ ان کے اسلحہ و ذخائر بھی جو زیادہ تر قسطنطنیہ میں تھے اتحادیوں کے قبضہ میں جا چکے تھے اور ساری مادی قوتیں مفقود تھیں۔ مگر غیرت ملی اور حمیت قومی باقی تھی جس کے اوپر وہ جان دینے کو تیار ہو گئے ایک طرف انہوں نے یونانیوں کا مقابلہ شروع کیا جو باشندوں کو قتل و ذبح کرتے ہوئے بڑھتے چلے آتے تھے۔ دوسری طرف فرانسیسیوں کا جو اناطولیہ کے جنوب مشرق اور شام کے شمال میں سلیشیا پر قابض ہو گئے تھے چنانچہ فرانسیسیوں کو شکست ہوئی جس کی وجہ سے انہوں نے صلح کر کے سلیشیا کو خالی کر دیا۔

یونانی فوجیں انگریزوں کی امداد سے اپنے سامان اور تعداد کے لحاظ سے زبردست تھیں۔ ترکوں سے لڑتی ہوئی ایشیائے کوچک تک آگئیں جہاں فریقین ایک دوسرے کے مقابلہ میں جم گئے اور جنگی کارروائیاں رک گئیں۔ اس حزب وطنی کے نہ صرف استانہ کے ترک حامی تھے بلکہ جملہ عالم اسلامی کی نگاہیں بھی انھیں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ مگر خلیفہ عبدالوحید اور اس کا وزیر داماد فرید پاشا جنہوں نے انگریزوں سے ترکی سلطنت پر ان کے انتداب قبول کر لینے کا عہد کیا تھا اس کے مخالف تھے چنانچہ انہوں نے ۱۱ جون ۱۹۲۰ء کو شیخ الاسلام دری زادہ عبداللہ آفندی سے فتوے لے کر ان حامیان وطن و ملت کو باغی قرار دیا۔ پھر انگریزوں سے قرضہ لے کر مصطفیٰ پاشا کرد کی باتحتی میں ان کے استیصال کے لئے ایک فوج بھیجی۔ اس کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا، فواد پاشا، ڈاکٹر عدنان بک اور رؤف پاشا وغیرہ پر جو اس تحریک وطنی کے علمبردار تھے۔ غائبانہ موت کا حکم صادر کیا اور ان کے اموال اور ہر قسم کے فوجی امتیازات اور شہری حقوق ضبط کر لئے اس وجہ سے مصطفیٰ کمال پاشا نے اعلان کر دیا کہ میں آستانہ کی ترکی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ وہ اجنبی اقتدار کے زیر اثر ہے۔

معاہدہ ماسکو

روس میں انقلاب کے بعد سے بالشویک حکومت قائم ہو گئی تھی جو مشرق میں انگریزوں کے خلاف اپنا نفوذ بڑھانا چاہتی تھی، ترکوں کو اگرچہ بالشویت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن ہر طرف سے مایوس ہو جانے کی وجہ سے انہوں نے روس کیساتھ دوستی کرنی چاہی اور ڈاکٹر بکر سامی بک کو ماسکو بھیجا جمال پاشا بھی برلن سے وہاں پہنچ گئے جن کی کوشش سے ترکوں اور بالشویک حکومت میں ۱۲ مارچ ۱۹۲۱ء کو معاہدہ اتحاد لکھا گیا۔

ترکتاز

مصطفیٰ کمال پاشا نے نہایت تندہی کے ساتھ اپنی جاں نثار قوم سے دو لاکھ فوج مرتب کر کے یونانیوں پر جو ملک کے بڑے حصے پر قبضہ کئے بیٹھے تھے۔ ۲۹ اگست ۱۹۲۲ء کو حملہ شروع کیا اور اس کی شہر بروصہ اور ازمیر سے ان کو نکالتے ہوئے ۹ ستمبر کو سمرنا پر قبضہ کر لیا۔ یہ حملہ اس پختگی عزم قوت اور مہارت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ یونانی فوجیں جن کی تعداد تین لاکھ سے زائد تھی بیشتر فنا ہو گئیں یا گرفتار بہت کم بھاگ کر جان بچا سکیں۔ مال غنیمت اس قدر ملا جس کا شمار مشکل تھا تمام عالم اسلامی میں اس عظیم الشان فتح پر جشن منائے گئے۔ اتحادیوں نے بھی جو قسطنطنیہ پر قابض تھے اس زبردست قوت کو دیکھ کر ترکی امراء فوج کے ساتھ مدانیہ میں گفتگو کی اور قسطنطنیہ کو خالی کر دینے کا وعدہ کیا۔

لوزان کانفرنس

اس فتح سے ترکی اقتدار پھر قائم ہو گیا اور اتحادی جنہوں نے سیورے اور پیرس کی مجلسوں میں ترکی سلطنت پر موت کا فتوی صادر کر دیا تھا مجبور ہوئے کہ وطنی جماعت کے ساتھ مساویانہ مصالحت کریں چنانچہ سوئٹزرلینڈ کے مقام لوزان میں ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو کانفرنس شروع ہوئی جس میں ترکی نمائندہ عصمت پاشا تھا اور ۴ جون ۱۹۲۳ء کو ختم ہوئی۔ قسطنطنیہ، تھریس۔ اناطولیہ اور ایشیا سے کوچک کا کل علاقہ ترکوں کا تسلیم کر لیا گیا اور وہ جملہ مراعات جو دول یورپ کو ترکی میں حاصل تھیں جن کے بوجھ سے ترک سر نہیں اٹھا سکتے تھے یک قلم منسوخ کی گئیں اور ترک ایسے آزاد ہو گئے جیسے اپنے عروج کے زمانے میں تھے۔ ۲ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو اتحادیوں نے قسطنطنیہ کو بھی خالی کر دیا۔ سلطان عبدالوحید جو اپنی خیانت کاری کی وجہ سے خوف زدہ تھا۔ انگریزی جہاز پر سوار ہو کر مالٹہ چلا گیا۔

جمہوریت

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمعیتہ وطنی نے ترکی سلطنت کو جو دستوری تھی جمہوری کر کے مصطفی کمال پاشا کو صدر منتخب کیا اور انگورہ بجائے قسطنطنیہ کے دارالسلطنت قرار دیا۔

عبدالمجید ثانی

عبدالوحید کے چلے جانے سے منصب خلافت خالی تھا اس وقت بلا غور کئے ہوئے عبدالمجید ثانی کو جو ولی عہد تھا ترکوں نے خلیفہ بنا لیا لیکن جب اس مسئلہ پر قانونی حیثیت سے نظر ڈالی گئی اور معلوم ہوا کہ اصولاً دو متصادم اختیارات ایک ملک میں نہیں رہ سکتے تو دوسرے سال اس کو معزول کر دیا جس کے بعد عبدالمجید فرانس میں جا کر شہر نیس میں قیام پذیر ہو گیا نظام حیدر آباد نے از راہ ہمدردی اسلامی اس آخری معزول خلیفہ کے گزارے کے واسطے ایک گراں قدر رقم سالانہ مقرر کر دی ہے۔ ترکی جمہوریہ نے خلیفہ کے ساتھ خلافت کا منصب بھی توڑ دیا اور امت کی اس مرکزیت کو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے قائم کیا تھا اور جس کو چار سو سال سے خود ترک سنبھالے ہوئے تھے فنا کر دیا۔

غازی مصطفیٰ کمال پاشا

صدر اول جمہوریہ ترکیہ

مصطفیٰ کمال کی ولادت ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں سلانیک میں ہوئی اس کا باپ یونان کے شہر لارلیسا کے ایک خاندان سے تھا جو تجارت کا پیشہ کرتا تھا۔ مصطفیٰ کمال نے ابتدائی تعلیم اپنے محلے کے مدرسے میں حاصل کی اسی زمانے میں اس کا باپ انتقال کر گیا جس کے بعد یہ اپنے ماموں کے پاس جا کر رہنے لگا اور کھیتی کے کاموں میں اس کی مدد کرنے لگا کچھ دنوں کے بعد اپنے فطری شوق سے مدرسہ رشیدیہ عسکری میں نام لکھوایا اور وہاں سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد ۱۹۰۱ء میں آستانہ میں آکر مدرسہ حربیہ میں داخل ہو گیا اس کے نصاب سے فراغت کے بعد مدرسہ ارکان حرب میں بھیج دیا گیا جس میں ۱۹۰۴ء میں یوزباشی کی سند حاصل کی۔

چونکہ آزاد مزاج تھا اور سلطان عبدالحمید کے استبداد کی دل سے مخالف کرتا تھا اس وجہ سے ایک بار چند مہینے قید میں بھی رہنا پڑا۔ رہائی کے بعد دمشق کی فوج میں یوزباشی کے عہدہ پر متعین کیا گیا۔ ۱۳۲۸ھ میں جب محمود شوکت پاشا نے عبدالحمید کو تخت سے اتارا اس وقت یہ بھی اپنی فوج لے کر دستور کی حمایت کے لئے ادرنہ سے آستانہ میں آیا تھا۔ ۱۳۳۰ھ میں جنگ طرابلس میں بھیس بدل کر مصر کی راہ سے بنی غازی پہنچا اور وہاں اطالیہ کے مقابلے کے لئے عربوں کی فوج مرتب کی اور ایک مدت تک جہاد کرتا رہا۔

جنگ عمومی میں درہ انیال کی مدافعت اس کے سپرد کی گئی جو سب سے اہم جنگی نقطہ تھا اس نے اتحادی بیڑوں کے حملوں کا نہایت خوبی سے مقابلہ کیا اور ہمیشہ ان کو نقصان کے ساتھ واپس کرتا رہا جس کے صلہ میں امیر لواء کے رتبے اور پاشا کے لقب سے ممتاز کیا گیا۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں جب اتحادی نمائندوں نے قسطنطنیہ میں آکر حکومت کے صیغوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اس وقت اپنی قومی سلطنت کو فنا ہوتے دیکھ کر مصطفیٰ کمال پاشا کے دل پر سخت چوٹ لگی اس لئے فوراً اناطولیہ میں پہنچ کر اس نے ترکوں کی قومی عصبیت کو ابھارا اور جون ۱۹۱۹ء میں ایک موتمر منعقد کی جس میں ارضروم اور اناطولیہ کے اسی نمائندے شریک ہوئے اور حزب وطنی قائم کی گئی اس کی مدد سے مصطفیٰ کمال پاشا نے فوجیں تیار کر کے ستمبر ۱۹۲۲ء میں یونانیوں کو جو اتحادیوں کی امداد سے ترکی کے بڑے حصے پر قابض ہو چکے تھے ایسی زبردست شکست دی جو تاریخ میں قیامت تک یاد رہے گی۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد جس سے ترکوں کا گیا ہوا ملک اور مٹا ہوا وقار پھر واپس مل گیا اس نے حکومت کو دستوری کے بجائے جمہوری کر دیا تاکہ قوم کے لئے ہر قسم کی ترقیوں کے راستے کھل جائیں۔

آج قیام جمہوریت کو کئی سال ہو چکے ہیں جس میں ترک برابر علمی، اقتصادی اور مادی خاص کر فوجی ترقی کر رہے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ یہ دور جس میں شخصی استبداد اور دول یورپ کی مراعات سے وہ کلیتاً آزاد ہو گئے ہیں ایک جدید عروج کا آغاز ثابت ہو۔

تاریخ عثمانیہ پر ایک نظر

آل عثمان کی حکومت غازی عثمان کے عہد سے جس نے سلطان علاء الدین آخری تاجدار سلاجقہ روم کے تاتاریوں کے ہاتھ سے مارے جانے کے بعد ۷۰۰ھ میں بالا ستقلال سلطنت حاصل کی تھی اس خاندان کے آخری فرمانروا عبدالمجید ثانی کے عہد تک جو ۱۳۴۲ھ میں معزول کیا گیا چھ سو سینتالیس سال رہی یہ ایسی طویل مدت ہے جو کسی اسلامی حکمراں خاندان کو نصیب نہیں ہوئی اس میں ۳۷ فرمانروا ہوئے جن میں سے پہلے نو بایزید ثانی تک سلطان تھے اور بقیہ سلیم اول سے لے کر عبدالمجید ثانی تک سلطنت کے ساتھ خلافت کے منصب سے بھی ممتاز تھے۔

آل عثمان کا یہ کل زمانہ دو دور میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دور ترقی اور دور زوال۔ غازی عثمان کے استقلال یعنی ۷۰۰ھ سے لے کر سلیمان اعظم کی وفات یعنی ۹۷۴ھ تک دور ترقی رہا جس میں یہ سلطنت قوت، شوکت اور مقبوضات کی وسعت کے لحاظ سے برابر بڑھتی رہی اس کے بعد سے آج تک دور زوال ہے جس میں سلسلہ وار اس کے حصے نکلتے جا رہے ہیں۔ عین عروج کے زمانے میں بایزید ایلدرم کے عہد تک جبکہ وہ فتوحات کر رہا تھا ۸۰۳ھ میں تیمور لنگ کے ناگہانی حملہ سے اس سلطنت کو ایک کاری زخم لگا تھا مگر چونکہ اس وقت اقبال کا دور تھا اور ترکوں کے فاتحانہ جذبات جوش پر تھا اس لئے بہت جلد مندمل ہو گیا۔

سلطنت

جس وقت آل عثمان نے اپنی سلطنت قائم کی اس وقت تاتاریوں کے حملے سے بغداد کی عباسی خلافت کا چراغ گل ہو چکا تھا اور جملہ اسلامی مشرقی ریاستیں ان کی تاخت و تاراج سے نیم جاں ہو گئی تھیں خود ایشیائے کوچک میں سلجوقی سلطنت کو بھی انہوں نے فنا کر ڈالا تھا جس کے کھنڈر پر طوائف الملوکی کی حالت میں چند چھوٹی چھوٹی امارتیں رہ گئی تھیں جو باہمی جنگ و جدال میں فنا کے ساحل سے آ لگی تھیں آل عثمان نے اپنی شجاعت اور فرزانگی سے انہیں متفرق ریاستوں سے ایک زبردست سلطنت تعمیر کی جس سے اسلام کا گیا ہوا جلال پھر جلوہ گر ہوا انہوں نے عالی حوصلگی سے مقبوضات کا دائرہ یہاں تک وسیع کیا کہ یورپ میں داخل ہو گئے اور رفتہ رفتہ بلقان کے اکثر حصے پر قبضہ کر لیا۔ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو بھی فتح کیا جو اسلام کی ایک پرانی آرزو تھی اور سلطان سلیم نے شام اور مصر کو جس سے حرمین شریفین بلکہ سارا عرب عثمانی قلمرو میں آ گیا اس کے بعد سلیمان اعظم وسط یورپ میں دیانا کی فصیل تک پہنچ گیا دوسری طرف افریقہ میں الجزائر بلکہ مراکش بھی ہلالی پرچم کے نیچے آ گیا اور عثمانی سلطنت نہ صرف اپنی بری اور بحری قوت بلکہ وسعت کے لحاظ سے بھی اپنے زمانے کی سب سے بڑی سلطنت ہو گئی جس کے حدود بودا پست سے دریائے نیل تک اور فرات سے جبل الطارق تک پھیلے ہوئے تھے۔ شاہان یورپ اس زمانے میں بجائے سلطان کے اس کے صدر اعظم کو مخاطب کرتے تھے اور اپنی مشکلات میں امداد کے طالب ہوتے تھے۔ ۱۵۸۳ء مطابق ۹۹۰ھ میں جب ہسپانیہ کا گریٹ آرمیڈ انگلستان پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا ملکہ الزبیتھ نے مسٹر ہیربون کو سفارت پر قسطنطنیہ بھیجا اور مراد ثالث کے وزیر محمد پاشا صقلی سے ان "کیتھولک کفار" کے مقابلے میں

مدد چاہی مگر اس وقت جنگ ایران کی مصروفیت کے باعث امداد نہ دی جا سکی سلیمان اعظم کے عہد میں شاہ فرانس فرنسیس اول نے شارلکان شہنشاہ جرمنی و آسٹریلیا کے مقابلے میں دوبارہ امداد کی درخواست کی اور دونوں مرتبہ بری اور بحری فوجوں سے اس کی مدد کی گئی۔

خلافت

۹۲۴ھ میں اسلامی خلافت عباسیوں سے آل عثمان کو ملی ترک چونکہ حنفی المذہب تھے اس وجہ سے حنفیہ نے بالعموم ان کی خلافت کو تسلیم کیا اور جابجا ملکوں میں ان کے ناموں کے خطبے پڑھے جانے لگے لیکن مالکیہ بوجہ عدم قرشیت کے ایک مدت تک ان کی خلافت کے قائل نہ ہوئے۔

آل عثمان کو خلافت چونکہ فتح مصر سے ملی تھی اس لئے بالطبع وہ اپنے اس رتبہ سلطنت کو جس کی بدولت انہوں نے مصر کی سلطنت اور خلافت دونوں کو حاصل کیا تھا ہمیشہ اہم سمجھتے رہے لیکن خلافت کی مذہبی وقعت ان کی نگاہ میں تھی چنانچہ سلطان محمود نے ۱۲۴۱ھ میں انکشاریہ کی بغاوت کے موقعہ پر علم نبوی نکال کر اس کی روحانی قوت سے بھی کام لیا مگر انہوں نے شروع سے آخر تک بجز حرمین شریفین کے خادم اور جزیرہ عرب کے محافظ ہونے کے جو ان کی سلطنت کا ایک جزو تھا۔ فرائض خلافت کا خیال نہ رکھا۔ نہ عالم اسلامی کی کوئی دینی یا دماغی رہبری کی۔ نہ ان کی وحدت کا کوئی ذریعہ تلاش کیا گیا۔ یہاں تک کہ حج جس میں اقصائے عالم کے مسلمان آ کر شریک ہوتے ہیں اس میں بھی وہ کبھی نہیں آئے آخری زمانے میں سید جمال الدین افغانی کے اثر سے عبدالحمید ثانی نے اتحاد ملت کی طرف توجہ کی تھی اور حجاز ریلوے کو امت کی مشترکہ ملکیت قرار دے کر عالم اسلامی میں ترکی خلیفہ اور خلافت کا احساس پھیلا تھا کہ اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انقلابات رونما ہوئے اور ۱۳۴۲ء میں جمہوریہ ترکیہ نے خلافت ہی کا الغاء کر دیا جس سے یہ منصب معہ اپنے عظیم الشان فوائد کے نہ صرف ترکوں بلکہ جملہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

ولی عہدی

آل عثمان میں اگرچہ شروع سے یہ دستور تھا کہ خاندان کا بڑا شخص سلطنت کا متولی ہو۔ لیکن پھر بھی اکثر تخت نشینی کے وقت دوسرے بھائیوں کی طرف سے نزاعیں برپا ہوتی رہیں اس وجہ سے جب ایک بھائی تخت نشین ہوتا تو اپنے دوسرے بھائیوں کو قتل کرا دیتا چنانچہ بایزید اول نے اپنے بھائی یعقوب کو علماء سے فتویٰ لے کر اور سلیم اول نے اپنے دوسرے دونوں بھائیوں احمد اور کرکود کو گرفتار کر کے مار ڈالا۔ مراد ثالث نے اپنے پانچوں بھائیوں کو قتل کیا اور اس کے بیٹے محمد ثالث نے ۱۹ بھائیوں کو جو سب کے سب مراد کے ساتھ ہی دفن کئے گئے۔ آخر میں یہ صورت اختیار کی گئی کہ محروم شہزادے محلات کے اندر نظر بند رکھے جانے لگے تاکہ کوئی خطرہ بھی نہ رہے اور خون ناحق بھی نہ بہے۔

نظام مملکت

مہمات سلطنت میں سلطان فرمانروائے مطلق تھا جس کی اطاعت لازمی تھی اور بشرط رعایت نصوص قرآن اس کو رعایا کے جان و مال اور ملک کے سیاہ و سفید پر کلی اختیارات حاصل تھے۔ حکومت کے سب سے بڑے دو عہدہ دار تھے ایک صدر اعظم جو امور ملکی و فوجی کا کفیل ہوتا تھا دوسرا شیخ الاسلام جو شرع شریف کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا صدر اعظم کے ماتحت جملہ وزراء اور ملکی دفاتر تھے اور شیخ الاسلام کی نگرانی میں جملہ قضاۃ اور محکمہ جات شرعیہ، علاوہ مذہبی امور کے مہمات سلطنت مثلاً اعلان جنگ معاہدہ صلح۔ عزل و نصب سلاطین وغیرہ میں بھی شیخ الاسلام کو دخل تھا۔

فریق علماء یعنی رجال شرعین سے دو شخص خاص امتیاز رکھتے تھے ایک قاضی عسکر ردم ایلی، دوسرا قاضی عسکر اناطولیہ۔ یہ

دونوں جنگ و سفر میں سلطان کے ہمراہ رہتے تھے ۔ تاکہ فوج میں کوئی اختلاف ہو تو رفع کریں انہیں میں سے کوئی شیخ الاسلامی کے منصب پر آیا کرتا تھا۔

سلطان اگرچہ شیخ الاسلام کو برطرف کر سکتا تھا لیکن حرمت شرع کی وجہ سے اس کو سزا دینے کا مجاز نہ تھا نہ اس کے فتوے کی مخالفت کا اختیار رکھتا تھا چنانچہ سلیم اول نے جو اپنے عقیدہ اور عزم دونوں میں بہت سخت تھا عثمانی قلمرو میں شیعوں کے استیصال کے بعد یہ ارادہ کیا کہ مشرکوں۔ کافروں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی قتل کر کے ان کے معبدوں اور کینسوں کی مساجد بنا لے تاکہ ملک میں صرف ایک ہی مذہب رہ جائے ۔ مشورۃً ایک دن شیخ جمالی مفتی اعظم سے پوچھا کہ دنیا کو فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کو مسلمان بنانا؟ شیخ مذکور نے جواب دیا کہ مسلمان بنانے میں زیادہ ثواب ہے ۔ سلیم نے اس کے بعد صدر اعظم کو حکم بھیج دیا کہ سلطنت کے ہر گوشے میں اعلان کرا دیا جائے کہ جو اسلام نہ لائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ اس سخت اعلان سے صدر اعظم کو تردد ہوا اس نے شیخ جمالی سے کہا کہ سلطان نے اس میں تمہارے قول سے سند لی ہے شیخ مذکور آستانہ کے بطریرک کو لے کر سلطان کے پاس جو اس وقت ادرنہ میں تھا پہنچ اور وہ عہد نامے پیش کرائے جو قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد نے نصاری کے ساتھ کئے تھے پھر قرآن کا حکم سنایا کہ اہل کتاب سے جزیہ لے کر مذہب میں آزاد چھوڑ دینا چاہئے سلیم کو مجبور ہو کر اپنا حکم واپس لینا پڑا۔

داخلی نظم و نسق کے دفتر کو دیوان دولت کہتے تھے۔ اس میں پہلے تین وزیر ہوتے تھے لیکن احمد ثالث نے ان میں منافست دیکھ کر جس کی وجہ سے اکثر کاموں میں ابتری واقع ہو جاتی تھی ان کی تعداد آٹھ کر دی اور ان کا رئیس صدر اعظم کو بنا دیا۔ انھیں کی مشاورت سے مہمات سلطنت طے پاتے تھے اور ماتحت دفاتر نیز سلطنت کے صوبوں اور ولایتوں کے حکام و عمال کی نگرانی بھی انہیں کے ذمہ تھی۔ بحری فوجیں قپودان دریا کے ماتحت ہوتی تھیں اور بری صدر اعظم کے۔ ان افواج کی تربیت اور تنظیم میں ترک اپنے دور ترقی میں دیگر اقوام عالم سے فائق تھے۔ یہ ارکان دفاتر، حکام ولایات، جاگیرداران و امراء فوج بلکہ بالعموم متوسلین سلطنت دولت کی فراوانی سے رئیسانہ بلکہ شاہانہ عیش و آرام کے ساتھ زندگیاں گزارتے تھے چونکہ غلامی کا بھی رواج تھا اس وجہ سے ان کے گھروں میں غلاموں اور کنیزوں کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی۔

ترک

اصلی اوغوز ترک جو ارطغرل اور دوندار کے ساتھ ارض روم میں آئے تھے۔ ان کی تعداد دو ہزار نفوس سے زیادہ نہ تھی لیکن رفتہ رفتہ دیگر قبائل جو سلجوقی عہد میں وسط ایشیا سے گئے تھے ان کے ساتھ شامل ہوتے گئے اور پھر ان کی سلطنت کے عروج کے ساتھ ساتھ دیگر مفتوحہ قومی رومی و صقلابی وغیرہ کثیر تعداد میں اسلام لائی گئیں جو سب کے سب ترک بولے جانے لگے اور یہ لفظ مسلمانان سلطنت ترکی کے مرادف ہو گیا جن میں مختلف قومیں شامل تھیں۔

اسلام

ترکوں نے اسلام اور اس کے شعائر کا ہمیشہ احترام رکھا۔ یہ ان کے بے ریا اور مخلصانہ اسلام کا اثر ہوا کہ مفتوحہ قومیں جن کو پوری مذہبی آزادی تھی اپنے دلی شوق سے اسلام قبول کرنے لگیں۔ سربیا۔ بلغاریا۔ رومانیہ اور یونان، خاص کر البانیا میں بلا جبر و اکراہ بے شمار عیسائی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے ۔ انکشاری فوج جس میں وہ نصرانی نوجوان لئے جاتے تھے جو مسلمان ہو جاتے تھے ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اور بلقان کے عیسائی رؤسا اپنے اپنے بیٹوں کو خوشی سے لا کر خود اس میں بھرتی کراتے تھے۔ ترک بالعموم مجاہد اور سرفروش ہونے کے ساتھ ساتھ دینی عقائد کے پکے اور عبادات کے پابند تھے اور اپنی خانگی زندگی ۔ روزمرہ کے معاملات اور اخلاق میں خالص مسلمان ان میں بخلاف دیگر اقوام کے باہمی محبت اور اخوت بھی زیادہ تھی۔ ترک سلطان اور رعایا ہمیشہ سے ایک

مذہب حنفی کے پابند رہے ۔ اس وجہ سے ان میں اختلافی جھگڑے بہت کم پیدا ہوئے ان کو بھی شیخ الاسلام طے کرا دیتا تھا لیکن ان کو تصوف کے ساتھ بھی عقیدت تھی اور پیری و مریدی کا سلسلہ بھی رائج تھا جس کے باعث فتنوں کا ظہور ہوتا تھا یہی وجہ ہوئی کہ جمہوریہ ترکیہ نے تمام زوایا اور تکیئے بند کر دیئے ۔ سلاطین آل عثمان میں سے سلیم اول مذہب حنفی کا سب سے بڑا علمبردار تھا جس کی خواہش یہ تھی کہ اس کے قلمرو میں بجز اس کے کوئی دوسرا مذہب نہ رہنے پائے۔

رواداری

ترکوں کے اوصاف میں جہاں شجاعت سب سے نمایاں وصف ہے جس کو ان کے دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں وہاں ان کی رواداری کی صفت بھی اقوام عالم میں بے نظیر ہے انہوں نے ہمیشہ غیر جنس اور کمزوروں کے ساتھ عدل و رحم کا برتاؤ کیا اور کبھی ان کے مذہب میں دست اندازی نہیں کی ۔ یورپ کی عیسائی سلطنتوں میں یہودی مقہور و مظلوم رہتے تھے لیکن ترکوں کے سائے میں ان کو امن اور آرام نصیب ہوتا تھا سلطان محمد نے قسطنطنیہ کے بطریک کے عہدے اور عیسائیوں کے حقوق کو محفوظ کر دیا جس کی وجہ سے رومی جو وہاں سے بھاگ گئے تھے پھر واپس آکر آسائش سے رہنے لگے۔

مراد ثانی کے مقابلے میں جب صلیبی لشکر ہونیاد کی قیادت میں جو کیتھولک تھا میدان قوصوہ میں صف آراء تھا اس وقت اس کے ساتھی شاہ سربیا نے اس سے پوچھا کہ اگر تم کو فتح حاصل ہو گئی تو کیا کرو گے ؟ اس نے کہا کہ سب کو کیتھولک بنا کر چھوڑوں گا لیکن جب یہی سوال سربیا نے مراد کے پاس بھیجا تو اس نے جواب میں لکھا کہ میں اگر کامیاب ہوا تو ہر مسجد کے پہلو میں ایک کینسہ بنوا دوں گا تاکہ جس کا جی چاہے مسجد میں آئے جس کا جی چاہے کینسہ میں جائے اس پر شاہ موصوف نے جو یونانی چرچ کا تابع تھا۔ متعصب کیتھولک ہونیاد کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی وجہ سے صلیبیوں کو شکست اٹھانی پڑی۔ ایک بار عثمانی مفتی سے کسی نے سوال کیا کہ دس مسلمان ایک یہودی یا عیسائی ذمی کے قتل میں شریک ہوں تو کیا وہ سب کے سب قصاص میں مارے جائیں گے ۔ مفتی نے جواب دیا کہ بیشک دس نہیں ایک ہزار بھی۔

ان رواداریوں کی وجہ سے باوجود بیرونی سلطنتوں کی ریشہ دوانیوں کے بھی غیر مسلم خاص کر ان عیسائیوں کے دلوں میں جن کو ترکوں سے واسطہ پڑا تھا ترکوں کی عظمت اور وقعت تھی چنانچہ عبدالحمید ثانی کے آغاز جلوس ۱۸۷۷ء میں جب روسیوں نے دولت علیہ کے خلاف جنگ شروع کی ، اس وقت ہنگری کے عیسائیوں نے جو ایک مدت سے عثمانی سلطنت سے مطلقاً آزاد تھے اپنے اخلاص کا اس طرح اظہار کیا کہ ایک وفد بھیج کر مرصع تلوار عبدالکریم پاشا کی خدمت میں پیش کی جو روس کے مقابلے کے لئے مامور ہوا تھا۔

ترکی ادب

عثمانی ترکی چغتائی ترکی کی ایک شاخ ہے ۔ سلطنت عثمانی کے قیام سے پیشتر اس میں کوئی تصنیف و تالیف نہ تھی ۔ چونکہ ترک سلجوقی سلطنت کے وارث ہوئے جن کا علم ادب فارسی تھا اس لئے ترکی ادب کی بھی بنیاد فارسی ادب ہی پر پڑی ۔ اور مذہبی علوم براہ راست عربی سے اخذ کئے گئے ۔ اس وجہ سے عثمانی ترکی میں فارسی اور فارسی سے زیادہ عربی کے الفاظ کی کثرت ہو گئی۔

نویں صدی ہجری کے وسط میں جب سلطان حسین والی ہرات کے وزیر امیر علی شیر نوائی کا ترکی دیوان قسطنطنیہ میں پہنچا اس وقت سلطان محمد فاتح کے وزیر احمد پاشا نے جو ادب سے ذوق رکھتا تھا ترکی میں شعر گوئی شروع کی جس کی وجہ سے نہ صرف عوام بلکہ خود سلطان کو بھی اس سے دلچسپی ہو گئی اس کے بعد رفتہ رفتہ ترکوں میں شعر کا رواج بڑھتا گیا اور بڑے بڑے شعراء مثلاً ابن کمال ، فضولی ، نابی ، ندیم اور غالب وغیرہ پیدا ہوئے جنہوں نے غزل ، قصیدہ اور مثنوی میں نام پایا۔ خود بعض سلاطین آل عثمان بھی شعر کہتے تھے جس میں سلیم اول اور مراد ثالث خاص طور پر مشہور ہوئے۔

لیکن ترکوں کی یہ شاعری نہ صرف وزن و بحر بلکہ معنی اور روح کے لحاظ سے بھی قدیم فارسی شاعری کے مشابہہ تھی جس کے تمام رشتے حیات اور عمل سے منقطع ہو چکے تھے۔ آخری دور میں جب مغربی خیالات کے اثر سے ترکی میں نئی ذہنیت پیدا ہوئی تو ان کی شاعری نے بھی نیا رنگ بدلا جس کے علمبردار نامق کمال حامد، توفیق فکرت اور محمد عاکف وغیرہ ہیں ان لوگوں نے حسن و عشق اور ہجر و وصل کے افسانے چھوڑ کر اثبات زندگی اور ذوق عمل کے نغمے گائے اور عقل و تدبیر کی تحقیر اور توکل و تقدیر کی غلط تعبیر جو گوشہ گیر اور زاویہ نشین متصوفین کے اثر سے دلوں میں جاگزیں ہو گئی تھی دور کر کے ارتقائے فکر اور سعی پیہم کے جذبات ابھارے۔

ترکی میں بھی فارسی کی طرح نظم نے نثر کی بہ نسبت زیادہ ترقی پائی۔ نثر کی پہلی کتاب انوار سہیلی کا ترجمہ ہے جو محمد فاتح کے عہد میں لکھا گیا اس کے بعد دینیات، تاریخ اور ادب میں زیادہ کتابیں لکھی گئیں اور دیگر علوم و فنون میں کم۔ ترکی میں پہلا مطبع وزیر اعظم ابراہیم پاشا نے جو ندیم شاعر کا ممدوح تھا قائم کیا جس میں ترکی کی پہلی مطبوعہ کتاب ترجمہ قاموس ۱۷۲۸ء میں شائع کی گئی۔ عثمانی ترکی جب سے کتابت میں آئی اسی وقت سے عربی حروف میں لکھی جاتی تھی پھر جمہوریہ ترکیہ نے اس کو لاطینی حروف میں کر دیا۔

انقلاب

ترکوں میں بھی دوسری مسلمان قوموں کی طرح بجز ذات شاہانی کے کوئی ادارہ سیاسی نہیں تھا یورپ میں انقلاب فرانس کے بعد چپہ چپہ میں آزادی کے خیالات پھیل گئے تھے جن سے عثمانی عیسائی رعایا بھی متاثر ہوئی اور اپنی آزادی کے لئے مختلف طریقوں سے جدوجہد کرنے لگی اور آخر کار کامیاب ہو کر رہی مگر ترکی طبائع پر اس انقلاب کا بہت کم اثر پڑا۔

سب سے پہلا شخص جس نے ترکوں میں حریت کا احساس پیدا کیا، مدحت پاشا تھا جس کی کوششوں سے عبدالحمید ثانی نے ابتداء جلوس میں دستوری حکومت کا اعلان کیا تھا مگر یہ احساس اس قدر کم زور تھا کہ سلطان نے دستور کو توڑ کر مدحت پاشا کو طائف میں نظر بند کر دیا اور احرار ترکوں کو ملک بدر کرنے لگا اور کوئی بغاوت رونما نہ ہوئی۔ لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ حریت کے شعلے بھڑکے اور عبدالحمید کی سختیوں نے جو اس نے دستور کے حامیوں پر کیں اس آگ پر تیل کا کام دیا چنانچہ جمعیتہ اتحاد و ترقی نے جس کے سرگرم ارکان ناظم بک، انور بک اور محمود شوکت پاشا جیسے لوگ تھے ۱۳۲۸ھ میں قوت کے ساتھ دستوری حکومت حاصل کر لی اور پھر سلطان نے ذرا سی مخالفت کی تو اس کو تخت سے اتار کر سلانیک میں بند کر دیا اور اب تو جنگ عمومی کے بعد سے مصطفیٰ کمال پاشا نے اس کو کامل جمہوری کر دیا۔

اسباب زوال

ترکوں کی جس طرح ترقی بتدریج ہوئی اسی طرح ان کا تنزل بھی رفتہ رفتہ اور یہ **تلک الایام نداولھا بین الناس** کا فطری قانون ہے جو اٹل ہے خاص کر شخصی اور استبدادی حکومتوں کا زوال جن میں لازمی طور پر نقائص موجود رہتے ہیں ہم اس جگہ مختصراً ترکوں کے اسباب زوال لکھتے ہیں۔

(۱) ترکی قوم ایک سپاہی اور شجاع قوم ہے اس نے ملک داری میں ہمیشہ دماغی تدبر اور انتظامی ادارہ کی بہ نسبت اپنی بہادری اور سپہگری پر زیادہ اعتماد رکھا اس سے وجہ سے اپنی مفتوحہ اقوام سے نہ خود زیادہ نفع اٹھا سکے نہ انکو زیادہ نفع پہنچا سکے غیر مسلم اقوام کے علاوہ خود مسلمان قومیں جو ان کے قبضہ میں آئیں ان کی بھی جنسیت اور عصبیت کو یہ اپنے ساتھ متحد یا موافق نہ کر سکے۔

حضرت عمرؓ نے باوجود صحابہ کی کوششوں کے عراق اور مصر کی سرزمینوں کو فوج میں نہیں تقسیم ہونے دیا بلکہ براہ راست خلافت کا محکوم رکھا جس کی وجہ سے زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا کہ ان مقامات کے باشندوں کی قومی عصبیت فنا ہو گئی۔ اور وہ اسلامی قوت کا جزو بن گئے مگر ترکوں نے اپنی مفتوحہ قوموں کے علاقے سپاہیوں میں بانٹ دیئے ان جاہل آقاؤں کے مظالم سے ان اقوام میں حکومت کی ہمدردی نہ پیدا ہو سکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت میں جس قدر ضعف آتا گیا اسی قدر ان میں اپنی جنسیت کا احساس اور آزادی کا خیال بڑھتا گیا چنانچہ عبدالحمید اول کے عہد ۱۲۰۱ھ میں جب روس اور آسٹریا نے دولت علیہ پر چڑھائی کی اس وقت بلقان کے بہت سے اصلی باشندے جا کر ترکوں کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئے اور لڑائی ہونے پر واپس چلے آئے جاگیرداروں نے بوجہ باغی ہونے کے ان پر سختیاں شروع کیں جس کی وجہ سے ایک فتنہ برپا ہو گیا آخر میں باب عالی نے عفو عام کا اعلان کر دیا اور سپاہیوں کے ہاتھ سے ان کی زمینیں نکال لیں۔ اس پر انکشاریہ نے بغاوت کر دی بازنداد علی نے کوشش کر کے پھر وہ علاقے ان کو دلا دیئے۔ انہوں نے پھر وہی مظالم شروع کر دیئے اب اصلی باشندے جو جنگ و پیکار سے واقف ہو چکے تھے مقابلے کے لئے کھڑے ہو گئے انہوں نے سربیا کے ایک رئیس پتردفتش کی قیادت میں حزب وطنی قائم کی اور سلسلہ وار جدوجہد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آخر میں استقلال حاصل کر کے رہے۔

(۲) ترکی وزراء اور امراء کی خیانت جنہوں نے نازک سے نازک موقعوں پر دشمنوں سے رشوتیں لے کر فتوحات کو شکستوں میں بدل دیا اور ملک اور قوم کو عظیم الشان نقصانات پہنچائے۔ دولت علیہ کا سب سے بڑا اور خطرناک دشمن روس تھا خاص کر اس کا شہنشاہ پیٹر اعظم جس نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا روس کے لائحہ عمل میں داخل کر لیا تھا سلطان احمد ثالث کے عہد میں جب اس نے عثمانی علاقے پر لشکر کشی کی اس وقت محمد پاشا صدر اعظم نے جو دو لاکھ فوج لے کر اس کے مقابلے کے لئے گیا تھا دریائے بروت کے متصل اس کو مع اس کی محبوبہ ملکہ کیتھرائن کے ایک قلعہ میں محصور کر لیا اس موقع پر اگر دیانت اور صبر سے کام لے کر اس نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا ہوتا تو ترکوں کی بہت سی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جاتا لیکن ملکہ مذکور نے اپنے زیورات اور جواہرات اس کے پاس بھیج دیئے جس کی وجہ سے اس نے محاصرہ اٹھا لیا اور یہ معاہدہ لے کر کہ روس قوزاق کے معاملے میں دست اندازی نہ کرے گا واپس چلا

آیا۔

سلطان عبدالمجید کے عہد میں جب محمد علی پاشا خدیو مصر کے بیٹے ابراہیم پاشا نے ترکوں کو نصیبین میں زبردست شکست دے دی جس سے یہ خطرہ ہو گیا کہ نہ صرف اناطولیہ بلکہ قسطنطنیہ پر بھی قبضہ کر لے گا اس وقت احمد پاشا قپودان نے سارا ترکی بیڑہ اسکندریہ میں لا کر خدیو مذکور کے حوالے کر دیا اگر انگلستان بیچ میں نہ آ پڑتا تو محمد علی قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیتا اور ترکی سلطنت صفحہ وجود سے مٹ جاتی۔ عبدالحمید ثانی کے عہد میں انگریز کوشش میں تھے کہ جزیرہ قبرص لے لیں حالانکہ سلطان کسی طرح اس کے لئے تیار نہ تھا ۱۸۷۸ء میں صفوت پاشا نے صدارت پر آتے ہی جزیرہ مذکور انگریزوں کے سپرد کر دیا اور سلطان سے کہہ دیا کہ یہ برلن کانفرنس میں ہماری مدد کریں گے۔ یہ اور اسی قسم کے واقعات ترکی تاریخ میں اور بھی ہیں بعض مورخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ روس کی اکثر فتوحات دولت علیہ پر زر کی بدولت ہوئیں نہ کہ زور کی۔

(۳) دور انحطاط میں بجز چند سلاطین مراد رابع، سلیم ثالث، محمود ثانی عبدالحمید ثانی اور بجز چند وزراء جیسے خاندان کو پریلی وغیرہ کے عام طور پر عثمانی سلاطین، ان کے وزراء امراء اور ارکان دولت سیاست اور ملک داری میں نااہل تھے جو نہ خارجی تعلقات کو ٹھیک رکھ سکے نہ داخلی انتظام کو جس کے باعث روز بروز فوجی اور اقتصادی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی یہاں تک کہ سلطنت عثمانیہ کو "مرد بیمار" کا خطاب دیا گیا جس کی ہلاکت میں بہت کم مدبرین کو شبہ تھا۔ دوسری طرف اس کے حریف یورپ نے دور جہالت و تشتت سے نکل کر علم اور وحدت قومی کی طرف قدم بڑھایا اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کر کے ترکوں کو پیہم شکستیں دینے لگا یہاں تک کہ ترکی سلطنت کے حصے بخرے کرنے کے لئے منصوبے باندھ لئے اور رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے عثمانی مقبوضات کو نکالنا شروع کیا جس کے باعث بجائے اس کے کہ ترکی سلیمان اعظم کے عہد میں سب سے بڑی طاقت تھی اب گھٹتے گھٹتے ایک معمولی سلطنت رہ گئی۔

وہ بڑھ کر بدر ہوئے گھٹ کے ہم ہلال ہوئے

(۴) ترکوں اور بالخصوص ان کے علماء میں تقلید اور قدامت پرستی زیادہ تھی اور حریت اور وسعت نظر کم تر۔ اس وجہ سے اکثر انہوں نے جدید اصلاحات کی مخالفت کی اور مذہب کے نام سے مفید دنیاوی علوم و فنون کو روکتے رہے سلیم ثالث نے ۱۲۰۶ھ میں جب جدید مغربی طرز کی فوجیں تیار کرنی شروع کیں اور خاص کوئی اور جزیرہ کسبہ لی میں ان کی تعلیم کے لئے حربی مدارس کھولے تو رجعت پسندوں نے قیامت برپا کر دی اور یہی نہیں کہ ان اصلاحات کے حامی وزراء کو قتل کر ڈالا بلکہ خود سلیم کو تخت سے اتار دیا کیونکہ طوبال عطاء اللہ آفندی شیخ الاسلام نے جدید فوجی لباس کو شریعت کے خلاف قرار دیا۔ دوبارہ سلطان محمود نے جب پھر اصلاحات شروع کیں تو پھر انکشاریہ مقابلے کے لئے کھڑے ہو گئے، مجبور ہو کر سلطان نے انکشاری فوج کے توڑ دینے کا فیصلہ کر لیا مگر اس میں کامیابی اس وقت ہو سکی جب آتی میدان میں ان کی چالیس ہزار لاشوں کے پشتے لگا دیئے گئے۔ یورپ میں جابجا مطابع قائم ہو چکے تھے اور علوم و فنون کا سیلاب رواں تھا۔ لیکن ترکی میں ایک مدت کے بعد احمد ثالث کے عہد ۱۱۴۵ھ میں پہلا مطبع قائم ہوا اس پر بھی تحریف کے خطرے سے مفتی اعظم نے قرآن نہ چھاپنے کی قید لگا دی۔

اسی جمود کا یہ رد عمل ہے کہ جمہوریہ ترکیہ نے اب ہر بات میں مغرب کی تقلید شروع کی ہے یہاں تک کہ جملہ باشندوں کے لئے مغربی لباس کو بھی لازم قرار دیا ہے ترکی زبان بھی حکماً لاطینی حروف میں منتقل کر دی ہے اور مشرقیت سے اپنے سارے رشتے توڑ رہے ہیں تاکہ وہ قدیمی ذہنیت بالکل بدل جائے لیکن اصل چیز جس نے یورپ کو یورپ بنایا ہے سائنس ہے جب تک ہم اس کو قابو میں نہ لائیں گے ان تبدیلیوں سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

بعض پرانے خیال کے مسلمان ترکوں کے مغربی تہذیب اختیار کر لینے کی وجہ سے یہ کہنے لگے ہیں کہ وہ اسلام سے بیزار ہو گئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام مشرقی یا مغربی کسی تہذیب میں مقید نہیں اور وہ جملہ قومی یا مقامی خصوصیات اور اوضاع سے بالاتر ہے

اس کا تعلق قلب و عمل کے ساتھ ہے اگر نوجوان ترکوں کا یہ بیان صحیح ہے کہ وہ قرآن کریم کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں تو پھر مایوسی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ممکن ہے کہ ان کا یہ زوال جس میں جمہوریت پیدا ہوئی ہے ایک نئے دور اقبال کا دیباچہ ہو۔

واخر دعوانا ان الحمدالله رب العالمین